درجے کے اساتذہ کے لیے

ذہنی حفظانِ صحت

مصنف

ہیرالڈ، ڈبلو، برنارڈ
(پی۔ ایچ۔ ڈی)

مترجم

معین الدین

ZEHNI-HIFZAN-E-SEHAT
By: Herald Bernard
Translator ; Moinuddin

سنہ اشاعت جنوری، مارچ 1987 شک 1908-9

پہلا اڈیشن، 1000

قیمت : 60 روپے

سلسلۂ مطبوعات ترقی اردو بیورو 541

اس کتاب کی طباعت کے لیے حکومتِ ہند نے رعایتی قیمت پر کاغذ فراہم کیا

ناشر : ڈائرکٹر ترقی اردو بیورو، ویسٹ بلاک 8 آر کے پورم نئی دہلی-110066

طابع : سپر پرنٹرز ساؤتھ انارکلی دہلی 51

پیش لفظ

کوئی بھی زبان یا معاشرہ اپنے ارتقار کی کس منزل میں ہے، اس کا اندازہ اس کی کتابوں سے ہوتا ہے۔ کتابیں علم کا سرچشمہ ہیں، اور انسانی تہذیب کی ترقی کا کوئی تصور ان کے بغیر ممکن نہیں۔ کتابیں دراصل وہ صحیفے ہیں جن میں علوم کے مختلف شعبوں کے ارتقار کی داستان رقم ہے اور آئندہ کے امکانات کی بشارت بھی ہے۔ ترقی پذیر معاشروں اور زبانوں میں کتابوں کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ سماجی ترقی کے عمل میں کتابیں نہایت موثر کردار ادا کرسکتی ہیں۔ اُردو میں اس مقصد کے حصول کے لیے حکومت ہند کی جانب سے ترقی اُردو بیورو کا قیام عمل میں آیا جسے ملک کے عالموں، ماہروں اور فن کاروں کا بھرپور تعاون حاصل ہے۔

ترقی اُردو بیورو معاشرہ کی موجودہ ضرورتوں کے پیش نظر اب تک اُردو کے کئی ادبی شاہکار، سائنسی علوم کی کتابیں، بچوں کی کتابیں، جغرافیہ، تاریخ، سماجیات، سیاسیات، تجارت، زراعت، لسانیات، قانون، طب اور علوم کے کئی دوسرے شعبوں سے متعلق کتابیں شائع کرچکا ہے اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ بیورو کے اشاعتی پروگرام کے تحت شائع ہونے والی کتابوں کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مختصر عرصے میں بعض کتابوں کے دوسرے تیسرے ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ بیورو سے شائع ہونے والی کتابوں کی قیمت نسبتاً کم رکھی جاتی ہے تاکہ اُردو والے ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکیں۔

زیر نظر کتاب بیورو کے اشاعتی پروگرام کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ امید کہ اُردو حلقوں میں اسے پسند کیا جائے گا۔

ڈاکٹر فہمیدہ بیگم
ڈائریکٹر ترقی اُردو بیورو

فہرست

حصّہ سوم:۔ ذہنی صحت کی جانب مخصوص طرزِ نظر 413

حصہ اوّل

بنیادی ملفوظات

باب ۱

ذہنی حفظان صحت کے نظریئے کی ضرورت

عظیم قومی مسائل کی ترقی میں ملک کے اندر درجے کے اساتذہ بہت اہم خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ آج جبکہ انسان کو بہت بڑے بڑے مسائل درپیش ہیں اور اسے تیز رو تبدیلیوں کا بھی ساتھ دینا ہے، پڑھانے کا کام روز بروز پیچیدہ اور اچھے نتائج کا حامل ہوتا جارہا ہے۔ اساتذہ سے جو مطالبے ہوتے رہتے ہیں ان میں کوئی بھی اس سے بڑھ کر نہیں کہ انہیں ایک عمدہ انسانی اثاثہ تیار کرنا ہے۔ یعنی بچوں اور نوجوانوں کو ذہنی جسمانی اور روحانی اعتبار سے صحت مند بنانا ہے ذہنی حفظان صحت کے نظریئے کا یہی تقاضا ہے اور اس کے ذریعہ اسی کے مواقع فراہم ہوتے ہیں۔ بچپن اور نوجوانی کے زمانے میں خیالات، احساسات اور کردار کی داغ بیل پڑتی ہے۔ اس لیے بالغوں کے لیے ایک شادماں اور موثر بنیاد ڈالنے میں اساتذہ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ یہ تسلیم کہ والدین کا بہت اثر ہوتا ہے لیکن درجے کے اساتذہ کی طرح انہیں نئی دریافتوں اور نئے نظریئے سے استفادہ کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اس لیے ایک مکمل اور موثر زندگی گزارنے کے مسائل سے پوری طرح مطابقت پیدا کرانے میں شاید درجے کے اساتذہ سب سے زیادہ موزوں ثابت ہو سکتے ہیں۔

عصر جدید کے حالات زندگی نے تیز روی اور پیچیدگی کے جو مسائل پیدا کیے ہیں ان سے نپٹنے کا سلیقہ تمام بنی نوع انسان کو سکھایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ آج سائنسی اور تجربی طور پر حاصل کیا ہوا وہ علم دستیاب ہے جو ہم آہنگ زندگی گزارنے کی سہولت فراہم کر سکے۔

اس سے کہیں زیادہ بہتر اور گہرا علم حاصل کیا جا رہا ہے مگر اس میں ایک بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ ان مسلمہ اصولوں کو صحیح طور پر کیسے عمل میں لایا جائے۔ یہ پوچھنے سے کوئی فائدہ نہیں کہ اس کے لیے بنیادی طور پر کون ذمہ دار ہے۔ بیشک والدین کی حیثیت موقع کے لحاظ سے بہت اہم ہوتی ہے کیوں کہ یہی اس زمانے میں بچوں کے نگران ہوتے ہیں جب بچے بہت تیزی سے اثرات قبول کرتے ہیں لیکن موثر طریقے سے استعمال کیے جانے والے علم سے اکثر یہ ناآشنا ہوتے ہیں سماجی کارکن سیاست داں، برادری کے رہنما، چرچ کے خدمت گزار اور عام لوگ، سبھی کو اس کام میں حصہ لینا ہے مگر اکثر یہ لوگ بھی مسئلے کی پوری اہمیت سے واقف نہیں ہوتے۔ ہاں مردوں اور عورتوں کی ایک جماعت ضرور موجود ہے جس کو اس بات کے مطابق کا موقعہ مل چکا ہے کہ فرد کی نشو و نما کیسے ہوتی ہے، انہیں اس بات سے بھی واقفیت ہوتی ہے کہ خیالات کو کیسے پیش کیا جائے۔ اور ان کا سابقہ بھی ایسے لوگوں سے پڑتا ہے جو ابھی بہت کچھ بننے کے مراحل سے گزر رہے ہیں۔ درجے ہیں۔ درجے کے اساتذہ کی اسی جماعت کو ایسی برمحل حیثیت حاصل ہے کہ سلیقے سے زندگی گزارنے کے گر سکھا سکے۔

درجے کے اساتذہ، ان طریقوں کو جو صحیح معنوں میں ذہنی صحت سے تعبیر کیے جا سکتے ہیں، استعمال کرنے میں پہل کر سکتے ہیں۔ دوسروں پر ذمے داری ٹالنے کی بات ختم کر کے اس مفروضے پر کاربند ہو جانا چاہیے کہ اس کی تعلیم کہیں سے تو شروع ہو سکتی ہے ہم اس بات کا بھی انتظار نہیں کر سکتے کہ تمام مسئلوں کا حل ماہرین امراض اور ماہرین نفسیات ہی کریں گے۔ ہمارے اساتذہ ذہنی صحت کے ان بنیادی اصولوں سے واقفیت پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ان اصولوں کو عملی جامہ بھی پہنا سکتے ہیں اساتذہ یہ کام اس لیے بھی کر سکتے ہیں کہ یہ ان کے لیے بے حد تسکین کا باعث ہوگا اور تیزی سے بدلتی ہوتی تہذیب کی خدمت کا ذریعہ بھی۔ اس کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا کیوں ضروری ہے اس کا جواب دینا نسبتاً آسان ہے۔ اس کتاب کا بیشتر حصہ اسی مسئلے پر مبنی ہے کہ اساتذہ کس طرح موثر طور پر ذہنی صحت کی ترقی میں مدد کر سکتے ہیں۔

سرکاری طور پر مسئلے کو تسلیم کرنا

اجتماعی طور پر پوری قوم کے لیے عمدہ ذہنی صحت کے حصول کے پیش نظر جو اہم قدم

اٹھایا گیا ہے وہ جولائی ۱۹۴۶ء کے قومی ذہنی صحت ایکٹ میں مذکور ہے۔ اس ایکٹ کے ذریعہ باضابطہ طور پر یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ ذہنی صحت ایک بہت اہم مسئلہ ہے، ایکٹ میں تین اہم باتیں ہیں۔

(۱) اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ ذہنی صحت کا مفہوم ذہنی صحت ایک بہت اہم مسئلہ سے زیادہ ہے۔

(۲) اس کا مطلب ہے کہ ذہنی بیماری کی روک تھام ہوسکتی ہے۔

(۳) اس سلسلے میں تحقیق اور ضروری علم کی اشاعت کے لیے مالی وسائل فراہم کیے گئے ہیں۔ اوسکر۔ آر۔ ایونگ (Oscar R. Eving) فیڈرل سکوریٹی ایڈمنسٹریٹر نے اس ایکٹ کی اہمیت کو اس طرح بیان کیا ہے۔

۱۹۴۶ء میں جب ذہنی صحت ایکٹ پاس ہوا تو ریاستہائے متحدہ کی حکومت نے اپنی قوم میں ذہنی بیماری سے نپٹنے کی بڑی حد تک ذمہ داری قبول کرلی۔ ریاستہائے متحدہ کی ریاستوں میں شدید ذہنی مریضوں کی دیکھ ریکھ پہلے سے ہوتی رہی ہے۔ لیکن یہ قانون، ریاست اور سماج میں مرکزی طور پر ذہنی صحت سے متعلق انسدادی خدمات کی ترقی، تحقیق اور پیشہ ورانہ تربیت کے کام کو آگے بڑھاتا ہے اس پروگرام کا مقصد یہ ہے کہ ہر امریکی کو ایسے مواقع حاصل ہوں جن سے وہ اپنی ذہنی صحت حاصل کرسکے، اس کی مدد سے خود ایک پرسکون زندگی گزار سکے اور اپنے ہمسایوں اور دنیا والوں کے ساتھ امن چین سے رہ سکے۔[1]

اس ایکٹ میں یہ بھی اہتمام ہے کہ قومی مشاورتی ذہنی صحت کونسل اس پروگرام کو چلانے میں پبلک ہیلتھ سروسز کے جنرل سرجن کو مدد پہنچائے۔ یہ کونسل سائنس کے صاحب اختیار اور ممتاز افراد پر مشتمل ہے۔ اس ایکٹ میں تین طرح کے التزامات ہیں۔

(۱) ذہنی صحت کے لیے کارکنوں کی تربیت۔

(۲) ذہنی صحت کے مسائل پر تحقیق کا انتظام۔

---

[1] دی نیشنل مینٹل ہیلتھ پروگرام: فیڈرل سکوریٹی ایجنسی، پبلک ہیلتھ سروس مینٹل ہیلتھ سریز ۴ جون ۱۹۴۸ء (پیش لفظ) باجازت پبلک ہیلتھ سروس نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف مینٹل ہیلتھ۔

(۳) ذہنی صحت سے متعلق انفرادی پروگرام چلانے میں ریاست کی طرف سے برادری کی امداد۔[2]

ان پروگراموں کو عمل میں لانے کے لیے تربیتی اداروں کو مالی امداد پہنچائی گئی ہے تاکہ وہ اپنی سہولیات بڑھا سکیں اور منتخب گریجویٹ امیدواروں کو وظائف دے سکیں۔ ایسا کوئی ارادہ نہیں کہ ریاست سے ذہنی مریضوں سے دیکھ بھال کا کام لیا جائے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ذہنی بیماری کے برے مفہوم اور توہمات دور کرنے کے لیے سائنسی معلومات بہم پہنچانے میں ریاست کی مدد کرے۔

اس کتابچے کے آخری حصے میں اساتذہ کو بہت سی ایسی باتوں کا سراغ مل سکے گا جو ذہنی صحت کی ذمے داری کے سلسلے میں درکار ہیں" لیکن ایک موثر ذہنی صحت کے پروگرام کی ذمہ داری بالآخر ان مقامی مردوں اور عورتوں پر آتی ہے جو سماج کے وسائل اور اس کی ضرورتوں سے پوری طرح واقف ہیں اور جو اپنے تمام ہمسایوں کے اندر بہترین ذہنی صحت پیدا کرنے میں گہری وابستگی رکھتے ہیں"۔[2]

جہاں تک ایکٹ کا تعلق ہے ذہنی صحت کے لیے مرکزی حکومت کی جزوی ذمے داری ہے۔ بس اسی حد تک جس حد تک کینسر، دق اور جلسی امراض کے سلسلے میں عائد ہوتی ہے۔ بڑی حد تک عام آدمی ایسے نتائج نکالتا ہے کہ جیسے دق اور جلسی امراض کے لیے مقامی برادری کے افراد کو ہی بہت کچھ کرنا پڑتا ہے اسی طرح ذہنی حفظان صحت کے لیے بھی مقامی آدمیوں کو ہی سرگرم عمل ہونے کی ضرورت ہے اگر ذہنی صحت کی تحریک کو بھی ایسی ہی کامیابی نصیب ہوئی تو یہ محض اس لیے کی لوگ ان مسائل کی اہمیت کا پورا شعور رکھتے ہیں اور اس کام میں ویسا ہی عملی حصہ لینے لگتے ہیں جس طرح اساتذہ نے جسمانی صحت کی طرف صحیح رجحان پیدا کرنے میں ضروری علم کی اشاعت کی ہے اسی طرح ذہنی صحت کی نوعیت، ضرورت اور

---

[1] ایضاً

[2] دی نیشنل منٹل ہیلتھ پروگرام، فیڈرل سیکورٹی ایجنسی پبلک ہیلتھ سروس منٹل ہیلتھ سیریز ۴ جون ۱۹۴۸ء باجازت پبلک ہیلتھ سروس نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف منٹل ہیلتھ۔ (پیش لفظ)

اہمیت کو سمجھانے میں بھی انہیں اہم حصہ لینا ہے، دراصل ذہنی صحت کے مسائل کو حل کرنے میں استاد کی ذمہ داری اس سے زیادہ ہے جو جسمانی صحت کے سلسلے میں تھی یا اب بھی ہے۔ ذہنی صحت کے بعض مسائل کے ماحول کی پیداوار ہیں اور بعض وہاں کے حالات کی وجہ سے شدت اختیار کر لیتے ہیں۔ اساتذہ کسی حد تک ان اسباب کو براہ راست دور کر سکتے ہیں اور کسی حد تک ذہنی بیماری میں شدت پیدا کرنے والے حالات کو بھی بدل سکتے ہیں۔ اس لیے انہیں اس بات کی ضرورت نہیں کہ وہ زبانی ہدایات کی تاثیر پر پورا بھروسہ کریں جو بڑی حد تک جسمانی صحت کے مسائل پر حسن وخوبی حل کرنے میں استعمال کی گئی تھیں۔ اس کے لیے بہترین زمانہ ابھی نہیں آیا لیکن مدھم رفتار سے ہی سہی، اس ایکٹ کے ذریعہ ذہنی صحت کی ترقی میں بڑی حد تک رہنمائی ہو سکتی ہے اور اساتذہ اس بات سے پوری طرح واقف بھی ہیں۔

ماہرینِ تعلیم ذہنی صحت کے مسائل کو تسلیم کرتے ہیں

ماہرین تعلیم نے ذہنی امراض کی وجہ سے پیدا ہونے والے مسائل کو انفرادی طور پر تسلیم کر لیا ہے۔ فلسفہ، نفسیات اور طریقہ تعلیم کی کتابوں میں ان مسائل کی اہمیت کا اکثر و بیشتر ذکر ملتا ہے۔ دوسری بہت سی کتابوں میں کلیتاً وہ طریق کار پیش کیے گئے ہیں جو درجے کے اندر ذہنی صحت کو بہتر بنانے میں استعمال ہوتے ہیں۔ معلمین کے لیے ذہنی صحت کے مسئلے کی بڑھتی ہوئی اہمیت قومی سطح پر پہنچ گئی ہے۔ ولارڈ اے گیونس (Wallard A. Givens) نے نیشنل ایجوکیشن ایسوسی ایشن آف یونائیٹڈ اسٹیٹس کی رپورٹ کے پیش لفظ میں بیان کیا ہے۔ رپورٹ میں ہماری جدید تعلیم کی عملی صورتوں کو پیش کیا گیا ہے اور اس تغیر پذیر دنیا کو جہاں علم میں برابر وسعت پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ نوجوانوں کی ضرورت کے مطابق ڈھالنے پر زور دیا گیا ہے۔" بعد میں اس نے حسب ذیل بات کہی ہے۔

امریکی عوام ذہنی صحت کے مسائل کو جو صحت کے اولین مسائل میں سے ہیں حل کرنے میں ان نتائج سے فائدہ نہیں اٹھا رہے ہیں جو سائنسی معلومات سے اخذ کیے گئے ہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہمارے موجودہ مدارس کے ہر بیس بچوں میں سے ایک

لازمی طور پر کچھ وقت ذہنی امراض کے اسپتال میں گزارنا ہے۔ ایسی صورت میں ذہنی بیماری کا علاج بڑی حد تک خصوصی ماہرین کے سپرد ہونا چاہیئے۔ اس کی روک تھام کا انحصار اس بات پر ہے کہ شروع میں ظاہر ہونے والے علامتوں کی تشخیص کہاں تک ہو پاتی ہے استاد اس کام میں مدد کر سکتا ہے۔ چونکہ ایک مثبت اور ہمہ گیر خوبی کے طور پر ذہنی صحت کی نشوونما دماغی اور جذباتی نشوونما کے ساتھ ہوتی ہے اس لیے اس کا تعلق اسکول کے لائحہ عمل سے ہے بچوں کی فلاح و بہبود کی خاطر اگلا قدم یہ ہے کہ ذہنی صحت کے پروگرام کا انتظام کیا جائے اور ذہنی حفظان صحت کو کچھ اور عمومیت کے ساتھ اسکول کے نصاب میں شامل کر لیا جائے اور جنہیں علاج درکار ہو ان کے لیے خصوصی ماہرین کا بھی انتظام کیا جائے [1]

مسائل کو تسلیم کرنا ایک اہم قدم ہے لیکن یہی کافی نہیں۔ ہر بیس بچوں میں سے ایک بچّے کے لیے خصوصی ماہر کا انتظام کرنے میں کافی وقت لگے گا اس دوران بہت سے کام ایسے ہوں گے جو استاد کو فوری طور پر کرنے چاہیئں تاکہ اسکول میں ایسا ماحول تیار ہو سکے جو ذہنی صحت کے لیے موزوں ہو اور جن بچوں میں ذہنی عدم مطابقت کی علامتیں ظاہر ہو رہی ہوں۔ ان کی مدد کی جا سکے۔ ایک مستقل مطالبہ یہ ہے کہ موجودہ بوجھل نصاب تعلیم میں کچھ اور اہم اضافے کیے جائیں۔ اس کے پیش نظر ذہنی حفظان صحت کی تربیت کو نصاب کے اندر شامل کرنے میں ابھی اور وقت لگے گا باوجود یہ کہ ذہنی صحت کو صحت کا اوّلین حصہ سمجھا جاتا ہے۔ منتظمین کی یہ بھی ذمے داری ہے کہ حفظان صحت کے اصولوں کے مطالعے کے لیے اساتذہ کی ہمت افزائی کریں اور اس بات کے مواقع فراہم کریں کہ وہ انفرادی طور پر طالب علموں کے ساتھ کام کریں اور ان کی ذہنی صحت کے مسائل کو سمجھیں

کالج کی سطح پر نصاب کے اندر حفظان صحت کی شمولیت سے بھی اس بات کی عکاسی ہوتی ہے کہ ذہنی صحت کے مسئلے کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ کالج کی فہرست کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے

---

[1] نیشنل ایجوکیشن ایسوسی ایشن آف یونائیٹڈ اسٹیٹس ستاسیویں سالانہ جلسے کی روئداد جلد ۸۷، واشنگٹن ڈی۔ سی : دی ایسوسی ایشن ۱۹۴۹ء صفحہ ۳۲۱ اور ۳۲۵ نیشنل ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی ادارت سے۔

کہ بیشتر ان اداروں کے نصاب میں جہاں استادوں کی تربیت کی جاتی ہے، ذہنی صحت اور شخصی مطابقت کے مسائل کو بھی جگہ دی گئی ہے اس کے علاوہ تعلیمی نفسیات، بچوں کی نشوونما مطابقت کی نفسیات اور طریقہ تعلیم کے درس میں بھی اس پہلو پر زور دیا جاتا ہے۔ بعض ریاستوں میں اساتذہ اور منتظمین دونوں کی تصدیق کے لیے یہ شرط ضروری قرار دی گئی ہے کہ وہ ذہنی حفظان صحت کے میدان میں کام کرتے رہے ہوں۔

مدرسوں میں ذہنی صحت کے مسائل سے متعلق بڑھتے ہوئے شعور کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ کاروباری رسالوں میں اس موضوع پر مضامین شائع ہوتے ہیں۔ متعدد تعلیمی کانفرنس بھی منعقد ہوتی رہتی ہیں جن کے علاحدہ حصوں میں اور بعض اوقات مستقل مباحث میں ذہنی حفظان صحت پر غور و خوض کیا جاتا ہے۔ اساتذہ سے متعلق بہت سے توسیعی پروگرام کے تحت بھی ان مسائل کا حل ڈھونڈا جاتا ہے جو مدرسہ کی حالت کو سدھارنے میں معاون ہو سکیں جس طرح قومی ذہنی حفظان صحت ایکٹ کے بارے میں بھی کہا جا سکتا ہے کہ محض دلچسپی لینے سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ لیکن اس کام کی ایک خوش آیند ابتدا ضرور ہو گئی ہے اور درجے کے استادوں کے لیے ایسے مواقع پیدا ہونے کی گنجائش بڑھ رہی ہے جن کے ذریعے وہ قوم کے ذہنی صحت سنوارنے میں زیادہ اثر انداز ہو سکیں۔

ذہنی صحت کی خرابی کی وسعت

ذهنی صحت ایک قومی مسئله هے : ذہنی صحت کی خرابی کی وسعت کا تعین اس کے اعداد و شمار سے ہوتا ہے۔ ان اعداد و شمار سے ان مسائل کی شدت کا بھی اندازہ ہوتا ہے جن سے ہم دوچار ہیں۔ یہ افسوسناک بیان کہ ہر بیس میں سے ایک فرد اپنی عمر کا کوئی نہ کوئی حصہ ذہنی امراض کے اسپتال میں ضرور گزارے گا۔ اتنی بار سنا جا چکا ہے کہ اب اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا رابرٹ ایچ. فلکس [illegible] جو فیڈرل سیکورٹی ایجنسی کے محکمۂ ذہنی صحت کے افسر اعلیٰ ہیں۔ انہوں نے آسودہ خاطری کے خلاف ان الفاظ میں ہدایت کی ہے۔

"جب تک ذہنی علالت کی موجودہ شرح کی روک تھام نہیں ہوتی ہے

یقیناً ہماری موجودہ نسل کے اسکول جانے والے بچوں میں ایک اور بیس کے تناسب سے کچھ نہ کچھ وقت ذہنی امراض کے اسپتالوں میں گزارنا ہی ہوگا۔ انسان کو ناکارہ بنانے والی بیماریوں میں ذہنی بیماری سب سے بڑھ کر ہے اس لیے اس کے خلاف بڑے پیمانے پر سپر آزما ہونے کے لیے اسکول کسی ایسے بہتر وقت کا انتظار نہیں کر سکتا جو ابھی دھندلکے میں ہے۔"[1]

جب ہم اپنے شاگردوں کو شمار کرنے کے لیے رکتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ قومی اوسط کے مطابق ان میں سے کون سا بچہ شدید طور پر ذہنی بیماری کا شکار ہوگا تو ذاتی طور پر اس کی سنجیدگی محسوس ہونے لگتی ہے۔ چونکہ ذہنی صحت کے صحیح طور پر بگڑنے سے پہلے ذہنی بیماری سے خبردار ہونے والی علامتیں ظاہر ہوتی ہیں اس لیے بعض طالب علموں کے بارے میں یہ پیش گوئی کسی قدر وثوق سے کی جا سکتی ہے کہ کس کے اندر اس کا شکار ہونے کے زیادہ امکانات پائے جاتے ہیں اگر اس بات کا امکان ہے کہ اسکول کے سو طالب علموں کی جماعت میں اوسطاً پانچ کو ذہنی بیماری کا خطرہ ہے تو پھر یہ مسئلہ زیادہ اہم نہیں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ پچانوے میں سے بہت سے طالب علم پورے طور پر اپنی امکانی قوتوں کو حاصل کرنے سے معذور رہیں گے اس لیے وہ کبھی خوش نہ رہ سکیں گے۔ اور چھوٹے موٹے انتشارات کا شکار ہوتے رہیں گے۔ یہ اور بات ہے کہ اتنی بڑی تعداد عدم مطابقت کا شکار نہ ہوگی کہ انہیں ذہنی اسپتال میں داخل کرنا پڑے۔ لہٰذا ان باتوں کو بھی ذہنی صحت کے مسائل میں شامل کرنا چاہیے اور اہمیت دینی چاہیے اس بات کا اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہر تیرہ میں سے ایک طالب علم کو اسی طرح کی خصوصی مدد اور توجہ درکار ہوگی۔

"کینسر، دق اور بچپن کا فالج مجموعی طور سے جتنے مہلک ہیں اس سے زیادہ مہلک ذہنی بیماری ہے۔ ہر پانچ میں سے ایک خاندان اور ہر تیرہ میں سے ایک آدمی اس کا شکار ہے"[2]

[1] رابرٹ۔ ایچ فلکس، ایم، ڈی "دی نیچر اوّل ان مینٹل ہیلتھ ڈیفنس" اسکول لائف جلد ۳۱ (جنوری ۱۹۴۹ء) ص۳

[2] ولیم۔ بی۔ ٹیرہون، ایم، ڈی (ایڈیٹر) لیونگ وائزلی اینڈ ویل، نیویارک ای۔ پی۔ ڈٹن اینڈ کمپنی (انکارپوریٹڈ) ص۲۷ باجازت ایڈیٹر۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران فوج میں بھرتی کرتے وقت جذباتی اور ذہنی عدم استقامت کی بنا پر ۳۰۸ فیصدی لوگوں کو مسترد کرنا پڑا جن لوگوں کا معائنہ کیا گیا تھا وہ اپنی عمر کے بہترین دور سے تعلق رکھتے تھے۔ ہر چار شادیوں میں سے ایک کا طلاق کی صورت میں ختم ہو جاتا اسی بات کی علامت ہے کہ لوگوں میں مطابقت پیدا کرنے کی صلاحیت کم ہے اور یہ دراصل معمولات کے تقاضوں سے فرار کی ایک کوشش ہے۔ ریاستہائے متحدہ میں کثرت سے شراب نوشی کرنے والوں کی تعداد ۱۹۴۰ء میں ۲۴۰۰۰۰ اور شدت سے اس کا شکار رہونے والوں کی تعداد ۶۰۰۰۰ تھی اسی برس ابتدائی مدرسوں میں داخل ہونے والے طلباء کی ۱۹۳۲۰۰۰ تھی یعنی کثرت سے شراب نوشی کرنے والوں کی تعداد کا ۱/۸ تھی۔ یہ اعداد و شمار ذہنی بیماری کی زیادتی کا دوسرا ثبوت ہیں۔

ذہنی بیماری سماج اور مدرسے کا مسئلہ

ذہنی بیماری کے نقطہ نظر کی ضرورت کے سلسلے میں جن اعداد و شمار کو پیش کیا گیا ہے ان میں اگر ذہنی بیماری کی روزمرہ کی علامتوں کو شامل کر لیا جائے تو صورت حال اور بھی زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔ یہ واقعات مختلف النوع قسم کے مظاہر پر مشتمل ہیں ان میں گھروں کے وہ بچے شامل ہیں جو اپنے بھائی بہنوں کی اصلی یا خیالی حیثیت کی بنا پر ان سے بہت زیادہ حسد کرتے ہیں۔ ان میں ایسے والدین بھی شامل ہیں جنہیں اس بات کا پکا یقین ہے کہ ان کے بچے ان کی آزادی میں بے جا مخل ہیں۔ ان میں وہ بچے بھی ہیں جو اسکول سے نفرت کرتے ہیں اور ہر امکانی موقعہ پر مدرسے سے بھاگ جاتے ہیں۔ یہ سب ذہنی مریضوں کے زمرے میں شامل کیے جا سکتے ہیں۔ ایسے شاگردوں میں بھی ذہنی بیماری کی علامات ظاہر ہوتی ہیں جو ایک اچھی ذہنی صلاحیت رکھنے کے باوجود صرف اپنی صلاحیتوں سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھا پاتے ہیں بلکہ واجبی معیار بھی نہیں حاصل کر پاتے وہ نوجوان جو اپنے ہمسروں کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کے طریق کار نہیں سیکھ پائے، مسرت حاصل کرنے سے قاصر رہتے ہیں جو سچی ذہنی صحت کی علامت ہے، وہ بالغ جو اپنی پیشہ ورانہ زندگی کے بوجھ سے ناخوش ہیں، اس بات کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ وہ زندگی کے حقائق سے مطابقت نہیں پیدا کر پائے۔ وہ متعدد اشخاص بھی ذہنی بیماری کا شکار ہیں۔ جو

ایسے امراض کے علاج کے خواہش مند رہتے ہیں جن کا ڈاکٹر کے نزدیک کوعضویاتی سبب نہیں ہوتا۔ اس فہرست میں مسلسل اضافہ ہو سکتا ہے۔ حسد نفرت، شک، بدمزاجی کثرت شراب نوشی، دوائیوں کی عادت، ملازمت کا جلدی جلدی تبدیل کرنا جھگڑالو پن، تند مزاجی، الزام تراشی، آزردگی اور افسردگی یہ سب باتیں ذہنی بیماری کے مسائل کی شدت کو ظاہر کرتی ہیں۔ اقوام متحدہ کی تعلیمی، سائنسی، تہذیبی تنظیم کے دستور سازوں نے مناسب وجوہات اور پوری بصیرت کے ساتھ اس کے تمہیدی بیان میں اس بات پر زور دیا ہے (اصل عبارت میں یہ جملے کشیدہ نہیں)۔

ریاستوں کی حکومتیں جو اس دستور کے بنانے میں شریک ہیں، اپنے عوام کی طرف سے اس بات کا اعلان کرتی ہیں کہ جنگ چونکہ لوگوں کے ذہنوں میں شروع ہوتی ہے۔ اس لیے امن کی محافظت بھی ذہن کے اندر ہی کرنی چاہیئے۔ بنی نوع انسان کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ عام طور سے دنیا کے لوگ ایک دوسرے کے طور طریق اور زندگی سے پوری واقفیت نہیں رکھتے اس لیے ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں اور ان کے یہ اختلافات عموماً جنگ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بڑھتی ہوئی ذہنی بیماری کے سلسلے میں جو اعداد و شمار پیش کیے جاتے ہیں ان سے محض ایک جزو کا اظہار ہوتا ہے۔

ذہنی بیماری کی شدت کو اس طرح بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ کسی ایسے بچے کی زندگی کے حالات کا تفصیل سے معائنہ کیا جائے جو ذہنی بیمار کہلانے کا بجا طور پر مستحق ہے۔ اس کا امکان ہے کہ والدین کے تعلقات کی کشیدگی کی صورت میں وہ تنہائی اور دہشت کی زندگی گزار رہا ہو اس نے اگر سماجی مطابقت کے کچھ رموز سمجھے بھی ہوں گے۔ تو بہت کم ہو سکتا ہے اس میں بچپنا زیادہ ہونے کی وجہ سے اسکول کے بچے اس کو الگ تھلگ رکھتے ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ بُرا کھلاڑی ہو اور اجتماعی کاموں میں اس کی شرکت مضحکہ خیز حد تک ممنوع ہو یا وہ اپنے ساتھیوں میں مقبول نہ ہونے کی وجہ سے فکرمند رہتا ہو چنانچہ اس کا دماغ مدرسے کی مضامین میں بھٹکتا رہتا ہو اور متوجہ نہ ہونے کے جُرم میں استاد اس کی سرزنش بھی کرتا ہو۔ ایسے معاملات

ہیں اگر اساتذہ والدین کے ساتھ بیٹھ کر افہام و تفہیم بھی کرنا چاہے تو اس سے زیادہ فائدہ نہ ہو گا کہ ایک تیسرے فریق کے سامنے اختلافات بیان کر دیئے گئے اور بس بچے کا اس سے کچھ بھی بھلا نہ ہو گا۔ ان سے باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ اسکول اور گھر سے اتنی دور بھاگ جانے کا فیصلہ کرتا ہے کہ صرف پولیس کے عہدیداروں کے ہاتھ آسکے اور پھر چونکہ بچے نے اپنی دانست میں کوئی حرکت نہیں کی ہے اس لیے دوسری بار ایسی کوشش کرتا ہے کہ جب گرفتار کیا جائے تو یہ تسلی تو رہے کہ اس نے کچھ کیا بھی ہے پھر ہمارے لیے یہ سوچنا دشوار نہیں کہ یہ نوجوان آدمی جیل جاتا ہے منصوبے بناتا ہے، نشیلی دوائیں کھاتا ہے اور بندوق دکھا کر رقم تھیا لیتا ہے۔ لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہوتا بھی رہتا ہے۔ اخباروں میں جرم اور تشدد کی جلی سرخیوں کے پیچھے شخصی تجربے ہوتے ہیں۔ جو تکلیف، نفرت، مایوسی اور المیے سے بھرپور ہوتے ہیں۔

ذہنی صحت کا مستقبل

کچھ لوگ بہت بوکھلاہٹ میں اس بات کا یقین دلا دیتے ہیں کہ ذہنی بیماری بڑھتی جارہی ہے اور ذہنی امراض کے اسپتالوں میں اضافہ آبادی کے مقابلے میں ذہنی بیماریوں کی تعداد تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اس سلسلے میں جو اعداد و شمار پیش کیے گئے ہیں ان پر معترض ہونے کا معاملہ نہیں ہے بلکہ ان سے پتہ چلتا ہے کہ اضافہ ضرور ہو رہا ہے اس کو تسلیم کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں کہ پہلے کے مقابلے میں آج آبادی کے ایک بڑے حصے میں ذہنی بیماری پھیلتی جارہی ہے۔ ذہنی بیماری میں اضافے کے اس قنوطی نظریئے کو تسلیم نہ کرنے کے سلسلے میں چند باتیں کہی جاسکتی ہیں۔

(۱) ذہنی بیماری کی تشخیص کا کام بڑے پیمانے پر کیا جانے لگا ہے اس لیے زیادہ لوگوں کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ عدم مطابقت کا شکار رہیں۔

(۲) ذہنی صحت کے تغیر پذیر نظریئے کے مطابق بیشتر اعداد و شمار کو غیر مصدقہ سمجھا جانے لگا ہے۔

(۳) ذہنی بیماروں کی دیکھ بھال کی سہولیات برابر بڑھتی جارہی ہیں جس کی وجہ سے پہلے کے مقابلے میں زیادہ اس بات کے مواقع حاصل ہیں کہ ایک ہی ذہنی

مریض سے متعلق اعداد و شمار فراہم کرنے کا کام بہت دنوں تک جاری رہا ہے۔

بہرکیف ذہنی بیماری کے بڑھتے ہوئے واقعات پر غور کرنے کی معقول وجہ ہے اب شروع صدی کے مقابلے میں زیادہ لوگوں کی عمروں میں اضافہ ہو رہا ہے جتنا ہی زیادہ ایک آدمی عمر رسیدہ ہوگا اس کے ذہنی انتشار کے امکانات بھی اتنے ہی زیادہ ہوں گے۔ مندرجہ ذیل خاکے میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

یہ اعداد و شمار پنسلوانیا کے وارن اسٹیٹ اسپتال سے حاصل کیے گئے ہیں اور جو بڑی حد تک بحیثیت مجموعی ریاستہائے متحدہ کے نمائندہ اسپتال ہیں۔

عمر کے مدارج		فی لاکھ (۱۰۰۰۰۰) عام آبادی میں سے پہلی بار داخلے کی شرح له
۱۵	۱۹	۴۲
۲۰	۲۹	۷۹
۳۰	۳۹	۱۰۳
۴۰	۴۹	۱۰۸
۵۰	۵۹	۱۲۲
۶۰	۶۹	۱۴۶
۷۰ سے اوپر		۲۳۱

بظاہر نہ صرف عمر رسیدہ لوگوں کے لیے بمقابلہ نوجوانوں کے ذہنی انتشار کے زیادہ امکانات ہیں بلکہ دیکھا گیا ہے کہ حالیہ برسوں میں بوڑھے لوگوں میں ذہنی انتشار کی شرح بھی بڑھتی رہی ہے۔

سال	بڑھاپے کا داخلہ
۱۹۴۰	۱۱۳
۱۹۴۱	۱۳۶

له نیلسن، اے، جونسن (Nelson A. Johnson) دی گروانگ پرابلم آف اولڈ ایج سائکوسس مینٹل ہائیجین شمارہ ۳۰ (جولائی ۱۹۴۶) صفحہ ۴۳۶ (ناشرین کی اجازت سے)

۱۹۴۲	۱۵۳
۱۹۴۳	۱۵۶
۱۹۴۴	۱۴۴

سی لینڈس (C. Landis) اور جیمس. ڈی پیج (James D. Page)
نے گراف کے ذریعے دکھایا ہے کہ ۱۹۱۰ء اور ۱۹۳۶ء کے درمیان دس دس
برس (۱۰۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۹) کے وقفے سے ذہنی امراض کے اسپتالوں میں داخلے
کی شرح ۵۹ برس تک تقریباً ایک سی رہتی ہے لیکن اسی مدت میں ۶۰۔ ۶۹ کی عمر
کے درمیان اسپتال میں داخلے کی شرح فی لاکھ ۱۱۵ سے بڑھ کر ۲۰۰ ہو گئی ہے۔ اور
۷۰ برس سے اوپر کی آبادی میں یہ تعداد فی لاکھ ۱۸۰ سے بڑھ کر ۴۰۰ سے اوپر پہنچ
گئی ہے۔

جبکہ یہ تعلق پیدا ہو گیا ہے کہ جتنے ہی زیادہ لوگ عمر رسیدہ ہوں گے اتنے ہی
زیادہ ان کے اندر ذہنی انتشار کے امکانات ہوں گے تو پھر ذہنی حفظان صحت
کے نتائج پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔ ۱۹۵۰ء میں آبادی کا تھوڑا سا حصہ بوڑھے
لوگوں پر مشتمل تھا یعنی ۴ء۱ فی صد لوگ ۶۵ برس یا اس سے زیادہ زندہ رہتے
تھے۔ ۱۹۴۰ء میں ان کی آبادی بڑھ کر ۲ء۷ ہو گئی اب تخمینہ کیا جاتا ہے کہ ۱۹۸۰ء
میں ۱۱ فی صدی آبادی ۶۵ برس سے اوپر کی ہو گی۔

ایسا ہو سکتا ہے کہ ذہنی مریضوں کے لیے عام طور سے اور بوڑھوں کے لیے
خاص طور پر ہماری بڑھتی ہوئی وابستگی کی یہ وجہ ہو کہ حیطۂ زندگی میں بہت
وسعت ہوتی جا رہی ہے۔ اگر ۱۹۰۰ء میں زیادہ لوگ بڑھاپے کی زندگی گزارتے
تو ذہنی بیماری اسی قدر ہوتی جتنی آج ہے۔ درازیٔ عمر کے سبب ذہنی بیماری کے
ابتدائی نقوش ظاہر ہونے کے مواقع زیادہ پیش آسکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جو لوگ
جسمانی ساخت کے اعتبار سے ذہنی بیماری کی طرف زیادہ مائل نظر آتے ان کی

---

* نیلسن۔ اے۔ جونس، دی گروانگ پرابلم آف اولڈ ایج سائیکوس، مینٹل ہائجین شمارہ ۳۰ صفحہ ۳۲۴
(ناشر کی اجازت سے)

زندگی جدید ادویات کی مدد سے اس حد تک محفوظ کر لی گئی ہو کہ بعض کمزوریاں بعد کی عمر میں نظر آئیں۔ سائنس جسم کی حفاظت تو کر لیتی ہے لیکن دماغ کی محافظت کے مسائل پر ابھی پورے طور پر قابو نہیں پا سکی ہے۔

دوسرے طرف یہ بھی ممکن ہے کہ معاشی، تہذیبی اور صنعتی دباؤ چونکہ بڑھ گیا ہے اس لیے بہت سے لوگوں کی زندگیاں شکستہ ہو گئی ہیں۔ دو عالمی اور بہت سی چھوٹی موٹی جنگوں اور جنگ کے اندیشوں کو جھیلنا انسان کے بس سے باہر ہو گیا ہے۔ بڑھتی ہوئی آبادی پر اقتصادی دباؤ اور زرعی سرحدوں کے محدود ہو جانے کی وجہ سے افراد مستقل طور پر تفکرات میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر لوگوں نے فرصت کے اوقات کو تعمیری طور پر استعمال کرنا نہ سیکھا تو ہفتے کے کاروباری دنوں میں تخفیف بھی ایک بوجھ بن جائے گی۔ ۔۔ ۱۹ء میں ہفتہ کے کاروباری دنوں کا اوسط ۵۸ گھنٹے تھا۔ ۱۹۳۱ء میں ۴۰ گھنٹے رہ گیا۔ اور اندازہ لگایا جاتا ہے کہ موجودہ تبدیلی کی شرح سے ۱۹۸۰ء میں یہ اوسط صرف ۳۰ گھنٹے رہ جائے گا۔ اس پر مزید یہ کہ عام طور پر پنشن کی عمر ۶۵ برس ہو گئی ہے ایسی صورت میں بار آوری اور مقصدیت کے نقطہ نظر سے ذرا بڑی عمر کی اقدار کو سمجھنا بھی مشکل ہو گا۔

عمر رسیدگی کے نقطہ نظر سے مناسب ہو گا کہ ماحول اور عضویاتی تعمیر کے عوامل کو یکجا کر دیا جائے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عضویاتی عوامل سے ضعیفوں کی شکست و ریخت کا گہرا تعلق ہے۔ جسمانی عمل انحطاط کے سبب اعضا کی جسامت گھٹ جاتی ہے۔ خلیہ داروں اور معادن خلیوں کی تبدیلی کم ہو جاتی ہے اور خلیوں کے پلٹنے کے عمل میں دوران خون کی کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اس زمانے میں بمقابلہ ابتدائی برسوں کے زخم مندمل ہونے اور مرض میں تخفیف ہونے کی رفتار میں کمی ہو جاتی ہے لیکن اگر عضویاتی عوامل کی سرایت پذیری کو تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی ذہنی حفظان صحت کا کام بہت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ بوڑھے لوگ عضویاتی انحطاط کے بارے میں جو کچھ سوچتے ہیں اس کا اثر خود ان کی فعلیت پر پڑتا ہے۔ ان کے نظام زندگی میں اگر کوئی تبدیلی کی جائے تو اسی وقت قابل قبول ہو گی جب ان کی جسمانی حیثیت میں تبدیلی ہو جائے اس کے علاوہ خود یہ

بات بھی اس رائے پر مبنی ہوگی کہ جسمانی حیثیت میں کس رفتار سے اور کس حد تک تبدیلی ہو اس لیے عضویاتی تبدیلی پر غور کرنے کے باوجود عمر رسیدگی کا مسئلہ بڑی حد تک ذہنی حفظان صحت کا مسئلہ رہتا ہے۔

اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ان باتوں میں سے کون سی بات ضعیفی میں ذہنی صحت کی خرابی کا سبب بنتی ہے۔ درجے کے استاد کو ان سب باتوں کے سلسلے میں سوچنا پڑے گا۔ اس سلسلے میں مثالی طریقہ یہ ہے کہ ذہنی صحت کی خرابیاں جو ضعیفی میں پیدا ہوتی ہیں ان کے خلاف احتیاطی تدابیر اوائل عمر سے ہی شروع کر دی جائیں۔ اگر اساتذہ اپنے شاگردوں میں وہ عادتیں اور نظریئے پیدا کر سکیں جو ذہنی حفظان صحت کا مدعا ہیں تو وہ اپنے شاگردوں کو ان غیر یقینی حالات سے نپٹنے کے لیے تیار کر سکیں گے جو آئندہ زندگی میں پیش آ سکتے ہیں عدم مطابقت کے خطرے سے بچنے کی اچھی ترکیب یہ ہے کہ اوائل عمر ہی میں ذہنی بیماری کی علامتوں کی شناخت کر لی جائے اور جن افراد میں اس کی علامتیں نظر آئیں ان کا علاج فراہم کر دیا جائے۔ اس کا مطلب ہے کہ استاد جماعت اگر چھوٹی موٹی علامتوں سے واقفیت حاصل کرے تو اس کام میں بچوں کی امداد کر سکتا ہے کہ وہ خود اپنی ذہنی الجھنیں دور کر لیں۔ اسی طرح عام شہریوں کو یہ سلیقہ سکھا سکتا ہے کہ وہ طویل مدت تک بار آور زندگی گزاریں اور قوم کے لیے انسانی وسائل کا تحفظ کریں جتنی ہی جلدی ذہنی انتشار کی علامتوں کی شناخت اور ان کا علاج ہو جائے اتنا ہی زیادہ اس کا امکان ہے کہ ذہنی انتشار کی علامتوں کی ذہنی حفظان صحت کے میدان میں کام کرنے سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ ہماری فلاح کا مستقبل دراصل استادوں کے ہاتھ میں ہے۔

ذہنی صحت اور ذہنی حفظان صحت کا مفہوم

ذہنی صحت کا نظریہ

ذہنی صحت کی تعریف بیان کرنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا جمہوریت کی تعریف کا بیان لیکن اس کی کوئی ایسی تعریف نہیں ہو سکتی جس پر سب لوگ متفق ہوں پھر بھی

لوگ اپنے اپنے طور پر اس کا مفہوم سمجھتے ہیں۔ دراصل اس اصطلاح کے مفہوم پر اظہار خیال کرتے وقت لوگ اس کے بہت سے بنیادی پہلوؤں پر متفق ہوتے ہیں۔ مختصر یہ کہ وہ جمہوریت کے مفہوم کا ایک ایسا تصور رکھتے ہیں جو قابل عمل ہو۔ اسی طرح ذہنی صحت کی تعریفوں میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے لیکن الفاظ میں اختلاف ہونے کے باوجود اس کے بنیادی پہلوؤں پر بہت زیادہ اتفاق نظر آتا ہے۔

مندرجہ ذیل تعریف میں اس کی ایک مثال موجود ہے:

ذہنی صحت کی تعریف یوں بیان کی جا سکتی ہے کہ یہ خود سے اور پوری دنیا کے لوگوں اس مطابقت کا نام ہے جس میں زیادہ سے زیادہ معنویت، تسکین، شادمانی اور سماجی طور پر محتاط عمل کی گنجائش ہو اور زندگی کے حقائق کو تسلیم کرنے اور ان کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت ہو اس لیے اعلیٰ ذہنی صحت کی تعریف یوں بیان کی جا سکتی ہے کہ اس کے تحت ایک فرد اپنی امکانی قوتوں کو بدرجہ اتم استعمال کر سکے اور جس کے اندر کم سے کم تناؤ اور انتشار پایا جائے تاکہ وہ خود سے اور سماجی نظام سے بغیر کسی انتشار کے زیادہ سے زیادہ آسودہ خاطر ہو سکے۔ اس کا مطلب ہے کہ ایک ایسی اچھی حالت پیدا ہو جائے جس میں فرد اپنے انتشار کو دور کر لے اور ایسے کام کرے جو سماج کے لیے نامناسب اور قابل اعتراض نہ ہوں۔ وہ کسی بھی ماحول میں رہے کیسے ہی حالات سے دوچار ہو اس میں ذہنی اور جذباتی ٹھہراؤ باقی رہے۔

ہم اس کو یوں کہہ سکتے ہیں کہ ذہنی صحت ایسی صلاحیت کا نام ہے جس میں زندگی کے کھچاؤ سے ایک کامیاب مطابقت پیدا ہو جائے اور ذہنی حفظان صحت وہ ذریعہ ہے جو مطابقت پیدا کرنے میں مدد کرے۔

"ایک پختہ کار صحت مند شخص" کون ہے، یہ بتانا مشکل ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ فی الوقت ایک واضح اور مکمل تعریف ممکن بھی نہیں۔ بس اتنا ہی کہنا کافی ہوگا کہ پختہ کار صحت مند انسان وہ ہے جو اپنے آپ سے اور اپنے ہمسایوں سے پر امن رہ سکے کامیابی کے ساتھ صحت مند بچوں کی پرداخت کر سکے اور

ان تمام فرائض کو خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دینے کے بعد بھی اس میں اتنی توانائی باقی رہے کہ وہ جس معاشرے میں رہتا ہے اس کو کچھ اور بہتر بنا سکے۔

مندرجہ بالا تعریفوں سے ذہنی صحت کے مفہوم کا کچھ اندازہ ہوتا ہے اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ذہنی صحت کسی جامد حالت کا نام نہیں بلکہ اس کے اندر مطابقت کا ایک مسلسل عمل جاری رہتا ہے ذہنی صحت ایک ایسی صلاحیت ہے جس کے ذریعہ فرد موجودہ حالات اور آئندہ کے حالات سے مطابقت کے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہر تعریف میں مطابقت کی صلاحیت اور" استعداد" کا ذکر موجود ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ذہنی صحت میں ذہنی پہلو سے زیادہ پہلو شامل ہیں۔ اس کے اندر مطابقتی عمل کے یعنی جسمانی ذہنی اور جذباتی پہلو بھی شامل ہوتے ہیں اس میں مخصوص حالات اور رسائل کی جانب کام کی عادتیں اور رجحانات بھی شامل ہوتے ہیں۔ اسی لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ذہنی صحت وہ نظریہ ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں پر غور کرتے وقت انسان اپناتا ہے تیسری طرف ذہنی صحت کے تصور کا ایک سماجی پہلو بھی ہوتا ہے اسی لیے جب اس کی تعریف بیان کی جاتی ہے تو اس میں "سماجی طور پر محتاط کردار" سماجی معاشرے سے تسکین برآری، "صحت مند بچوں کی پرورش" اور "سماجی افادیت" جیسے فقرے بھی شامل کر لیے جاتے ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ مکمل ذہنی صحت کسی ایسی حالت کا نام نہیں جو سہل الحصول ہو بلکہ اس کو زندگی کا ایک مقصد قرار دیا جا سکتا ہے۔ درحقیقت ہم کہہ سکتے ہیں کہ ذہنی صحت ایک ترقی پسند مقصد ہے۔ درحقیقت اور سماجی نشو و نما کے لیے ایک چیلنج بھی ہے۔ اس لیے ذہنی صحت کی نرالی نوعیت کو مکمل طور سے محسوس کرنا چاہیئے ورنہ ہمارا مقصد بہت محدود ہو سکتا ہے اور اس کے حصول کے بعد ایک تعطل اور اطمینان کی کیفیت پیدا ہو سکتی ہے جو مستقبل میں مطابقت کے لیے ایک رکاوٹ بن جائے گی۔ دراصل کامل ذہنی صحت کسی ایسی مکمل اور قطعی حالت کا نام نہیں جس کو پورے طور پر حاصل کیا جا سکے۔ بلکہ یہ ایسی چیز ہے

جس کے لیے کوشش کرتے رہنا چاہیئے یہ اور بات ہے کہ حصول علم کے بعد بھی شاید کمال کبھی نہیں حاصل ہو سکے گا۔

اساتذہ کے لیے ذہنی صحت ایک ایسی حالت کا نام ہے جس کے تحت وہ اپنے کام میں موثر ثابت ہوں، اس سے تسکین اور فخر حاصل کریں، ادائیگی فرض میں خوشی کا اظہار کریں اور اپنے طلباء اور ہم پیشہ کارکنوں کی طرف انسانی رویے کا اظہار کریں۔ یہ ایک مشکل کام ہے، شاید بہت مشکل لیکن ذہنی صحت کی نرالی نوعیت کے باعث بچت کی بھی گنجائش ہے۔ ذہنی صحت کا مرکبات تصور اور اس کا ثبوت بس یہ ہے کہ اس کو بہتر بنانے اور بہتری حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

درجے کے اندر بھی ذہنی صحت کے موضوع پر انہیں الفاظ میں زیادہ زور دیا جا سکتا ہے اس کام میں ایسے طالب علموں کو شامل کیا جا سکتا ہے جو درجے کے مشاغل میں موثر اور کامیاب ثابت ہوں۔ ذہنی طور پر صحت مند طالب علم وہ ہے جو اپنی کامیابی پر مطمئن نظر آتا ہے۔ آسودہ خاطر ہوتا ہے اور اپنے کام اور رفقاء کار سے خوش رہتا ہے یعنی ذہنی طور پر صحت مند طالب علم وہ ہے جو دوسروں کے لیے اور دوسروں کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے وہ تنہائی پسند نہیں ہوتا اور نہ "گرگ تنہا" کے مصداق ہوتا ہے۔ بلکہ اتحاد باہمی کے ذریعے کام نہ کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے اور ان خصوصیات کی وجہ سے وہ اپنے اندر ایسی عادتیں اور ایسے رجحانات پیدا کر لیتا ہے جو مستقبل کے حالات سے ہم آہنگ ہوں اور اپنے اندر ایسی خود اعتمادی حاصل کر لیتا ہے کہ پیش افتاد مسائل کا مردانہ وار مقابلہ کر سکے۔

ذہنی حفظان صحت کا نظریہ

ذہنی حفظان صحت کی تعریف، ذہنی صحت کے مقابلے میں زیادہ آسانی سے بیان کی جا سکتی ہے۔ اس لیے کہ ذہنی حفظان صحت صرف ان ذریعوں کا نام ہے جن سے ذہنی صحت کا حصول کیا جاتا ہے۔ یہ بیان سطحی ہے اس ذرا ہٹ کر دیکھیں

تو اس کی تشریح بہت مشکل ہو جاتی ہے کیوں کہ ذہنی حفظان صحت ایک طرز زندگی کا نام ہے اس میں وہ سب باتیں آجاتی ہیں جو انسان کے محسوسات اقوال اور اعمال پر اثر انداز ہوتی ہیں اس کے اندر منصوبے اغراض و مقاصد طریق کار ساز و سامان، طبعی حالات اور بذات خود اساتذہ بھی شامل ہوتا ہے اس لیے کہ یہ سب مل کر جماعت کا ماحول پیدا کرتے ہیں۔

" ذہنی عمل کا علم اور مطابقت کے کار آمد طریق کار آسانی سے سیکھے جاسکتے ہیں اور ہر جگہ عمل میں لائے جاسکتے ہیں۔ ذہنی حفظان صحت کی تدریس گھر سے شروع ہوتی ہے اس لیے اس کے اصولوں کو عملی جامہ پہنانے کا کام زندگی بھر جاری رہنا چاہیے، بدقسمتی سے ہمارے اسکول اور کالجوں میں ان اصولوں اور طریقوں کی تدریس ابھی ابھی شروع ہوئی ہے۔ لیکن یہ توقع کی جاتی ہے کہ مستقبل قریب میں ذہنی حفظان صحت کو عام طور سے باضابطہ نصاب میں شامل کرلیا جائے گا "[1]

ذہنی حفظان صحت کے مفہوم کی یہ ہمہ گیری ایل۔ ایف۔ شیفر L. F. Shaffer کی پیش کردہ تعریف میں نظر آتا ہے۔

" ذہنی حفظان صحت کا تعلق جس قدر صحت مند انسان سے ہے اسی قدر بیمار سے بھی یعنی ذہنی حفظان صحت کا تعلق سبھی لوگوں سے ہے۔ وسیع معنوں میں ذہنی حفظان صحت کا مقصد ان افراد کی مدد کرنا ہے جو ایک زیادہ مکمل، شاد ماں ہم آہنگ اور موثر زندگی کے حصول کے لیے کوشاں ہوں۔"[2]

ذہنی حفظان صحت کے نظریئے سے جہاں تک اساتذہ کا تعلق ہے اس کو ڈبلیو کارسن ریان W. Carson Ryan نے بہت اچھی طرح اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔

---

[1] ولیم۔ بی۔ ٹرہون (ایڈ) لیونگ وائزلی اینڈ ویل، نیویارک: ای پی ڈٹن اینڈ کمپنی انگ ۱۹۴۹ء صفحہ ۱۴۰ ۔ ایڈیٹر کی اجازت سے۔

[2] ایل۔ ایف۔ شیفر دی سائیکلوجی آف ایڈجسمنٹ، بوسٹن، ہاوٹن، مفن کمپنی ۱۹۳۶ء صفحہ ۴۳۵ ناشر کی اجازت سے۔

"ذہنی حفظان صحت کا تعلق بنیادی طور پر زیادہ صحت مند انسانی تعلقات سے ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ انسان کے کردار سے متعلق جو کچھ بھی علم حاصل کیا گیا ہے اس کو روزانہ زندگی میں ہوتا جائے منطقی اعتبار سے اس کا تعلق ذہنی مریضوں کی ہمدردانہ اور دانشمندانہ دیکھ ریکھ اور علاج سے ہے۔ یقیناً اس کا مطلب ہے کہ ذہنی اور جذباتی دشواریوں کا جلدی پتہ چلایا جائے۔ شدید بیماری اور انتشار کی روک تھام جتنی جلدی ممکن ہوگی جائے اور جدید سماج کے زیادہ سے زیادہ افراد کے لیے صحت مند زندگی گزارنے کا اہتمام کیا جائے۔ استادوں، سماجی کارکنوں اور دیگر افراد کے لیے جو اپنے روزانہ کے مشاغل میں بچوں، نوجوانوں اور دوسرے انسانوں کے ساتھ زیادہ سروکار رکھتے ہیں۔ ذہنی حفظان صحت کا مطلب ہے کہ وہ نہ صرف اپنے رفقائے کار کی بالیدگی اور نشوونما کی تفہیم پیدا کریں بلکہ کارکنوں کی شخصیت سے بھی واقفیت پیدا کریں اور دیکھیں کہ خاندان، رفقائے کار، اسکول اور برادری کے ساتھ اس کے اپنے تعلقات کیسے ہیں ۔[1]

مذکورہ بالا تعریف سے ذہنی حفظان صحت کے مضمون کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے اس میں اولین حیثیت ایک سہج اور صحت مند انسانی رشتے کو دی گئی ہے اس کے بعد بالیدگی کے محرکات پر زور دیا گیا ہے پھر جذباتی استقامت کو جو شخصیت کی ایک ذہنی کارکردگی ہے، امتیازی منفصد قرار دیا گیا ہے۔ ذہنی حفظان صحت میں خود فہمی کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی تفہیم بھی شامل ہے جن سے بالواسطہ یا براہ راست سابقہ پڑتا ہے۔ یہ صرف عام سمجھ بوجھ اور سائنسی معلومات کے روزمرہ استعمال کا نام نہیں بلکہ یہ ایک رجحان ہے اور زندگی کو دیکھنے کا طریقہ، ذہنی حفظان صحت کا ایک پہلو جسمانی صحت سے تعلق رکھتا ہے جس کو براہ راست نہیں بیان کیا گیا ہے بلکہ مذکورہ بالا بیان میں اس کا حوالہ موجود ہے۔ جسم اور دماغ دو مختلف نام ہونے کے باوجود ایک ہی عضویاتی نظام کا حصہ ہیں۔ جسمانی صحت کا ذہنی صحت پر گہرا

---

[1] ڈبلیو، کارسن ریان ان سی۔ ای۔ اسکنر (ایڈ) ایلیمینٹری ایجوکیشنل سائیکولوجی نیویارک پرنٹس ہال انگ، ۱۹۵۰ء صفحہ ۔ ناشر کی اجازت سے۔

اثر پڑتا ہے اس لیے ذہنی صحت میں وہ تمام امکانی علم شامل کر لینا چاہیے جو عمدہ ترین صحت حاصل کرنے اور بیماری سے بچنے کے لیے ضروری ہو۔

عام طور پر مدرسوں میں ذہنی حفظان صحت کے دو پروگرام ہونے چاہئیں۔

(۱) ذہنی صحت حاصل کرنے میں جتنی بھی رکاوٹیں ہوں انہیں دور کرنا اگر ان کی بیخ کنی ممکن نہ ہو تو انہیں کم کرنا۔

(۲) ذہنی حفظان صحت کے پروگرام میں جہاں تک ممکن ہو طالب علموں کے اندر پختگی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ وہ ذہنی حفظان صحت کے مسائل کو دور کرنے کے لیے ایک مناسب رویہ پیدا کر سکیں اور زندگی کی ناخوشگواریوں کے سبب پیدا ہونے والے تناؤ کو برداشت کر سکیں جس کو فی الحال دور کرنا ممکن نہ ہو۔ مختصراً اس کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ہر طالب علم اسکول کے مختلف تجربات کے حصول میں استکمال نفس پیدا کر سکے۔

ذہنی صحت کی ترقی کے مواقع

یہ بات تسلیم کی جانے لگی ہے کہ انسدادی پروگرام پر زور دینے کی وجہ سے بہتر ذہنی صحت حاصل کرنے کے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔ چونکہ اساتذہ ذہنی صحت کی اقدار کو تسلیم کرتے ہیں اس کا نظری علم رکھتے ہیں اور اس کی تکنیک سے بھی واقف ہیں اس لیے بہت سے مقررین اور مصنفین اس خیال کے حامی ہو گئے ہیں کہ موجودہ زندگی کے بمقابلہ ایک بہتر زندگی کے حصول کے لیے ان سے امیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں۔

ان اسکولوں سے بہت اطمینان بخش نتائج برآمد ہو رہے ہیں جن میں ذہنی صحت کے پروگرام کو خاص طور سے اہمیت دی گئی ہے۔ یہ نتائج ان اسکولوں سے برآمد ہوئے ہیں جو اسکول کی فضا کو بہتر بناتے ہیں اور انفرادی طور سے طالب علموں کے کردار کو بھی سدھارتے ہیں جن برادریوں میں مختلف شعبہ ہائے زندگی کے اندر ذہنی حفظان صحت کے نظریات کو اہمیت دی گئی ہے۔ ان میں جوانوں کی بدراہی کم ہو گئی ہے ان کا قومی اخلاق بلند ہو گیا ہے اور تمام لوگوں کے لیے ایک مسرور زندگی

گزارنے کی گنجائش پیدا ہو گئی ہے۔

ذہنی صحت کے لیے بہتر مواقع پیدا ہونے کا امید افزا جواز پیش کیا جا سکتا ہے لیکن یہ بات عقیدے اور عام تصورات سے بلند ہے۔ ڈبلیو، کارسن، ریان (W. Carson Rayan) نے لکھا ہے لوکسٹ پوائنٹ میں جو بالٹی مور میری لینڈ کا ایک حصہ ہے جو مطالعہ کیا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ انحصاریت اور عدم استقامت کی خطرناک حد تک پیش گوئی کو یکسر ختم کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ ذہنی حفظان صحت کا ایک موثر منصوبہ بنایا جائے اور اس پر پورے طور پر عمل کیا جائے۔ اس نے معروضی ثبوت فراہم کیے ہیں کہ وہ لوگ جو پیدائش غریب ہیں اور تہذیبی لحاظ سے بچھڑے ہوئے ہیں انہیں عوام کی ضروریات پر مشتمل ایک ایسے ہی تعلیمی پروگرام کے ذریعہ قابل اعتماد شہری بنایا جا سکتا ہے۔ اس تحقیق سے جو اہم نتائج بر آمد ہوئے ہیں ان سے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے کہ ذہنی صحت کے حصول میں اساتذہ نمایاں خدمت انجام دے سکتے ہیں لیکن یہ بات انہیں اساتذہ پر صادق آتی ہے جو بچوں کو انفرادی طور سے سمجھتے ہیں اور ان سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ ڈائریکٹر فیر بنک (Dir. Fair Bank) (جو فالو اپ اسٹڈی کے ڈائریکٹر ہیں) انہوں نے اس بات کی بہت تعریف کی ہے کہ لوکسٹ پوائنٹ کے بچوں کو جو اپنی پیدائشی روایات کی وجہ سے قوم پر ایک بوجھ بنے ہوئے تھے۔ ایک اثاثے میں تبدیل کر دیا گیا ہے[1]

ایسے اور بھی بہت سے مطالعوں سے ذہنی حفظان صحت کے موثر ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ سین فرانسسکو میں ۸۰۰ غیر مثالی بچوں کا علاج ان کی ضروریات کے مطابق کیا گیا ان میں سے صرف ۴ بچے بدراہ بچوں کی عدالت میں نظر آئے۔ اگر یہ ۸۰۰ بچے اوسط آبادی سے تعلق رکھتے تھے تو یہ ریکارڈ قابل رشک ہے۔ سینٹ لوئس (St. Louis) کو بھی ۱۹۴۶ء بچوں کی ایک جماعت سے ایسے ہی نتائج بر آمد ہوئے۔ ان میں سے ۳۱۲ فیصدی بچوں کو اصلاحی اداروں میں داخل کیا گیا۔ دی لاس اینجلیس انسٹی ٹیوٹ آف

---

[1] ڈبلیو کارسن نیشنل ہیلتھ تھرڈ ایجوکیشن واشنگٹن۔ ڈی سی۔ کامن ویلتھ فنڈ ڈویژن آف پبلیکیشن ۱۹۳۸ء صفحہ باجازت پبلشر مکمل رپورٹ ۱۶۔ ۲ مزید مطالعے کے لیے تجویز کی گئی۔

فیملی ریلیشنز کی رپورٹ کے مطابق دس ہزار متوقع طلاق میں سے ۰۰ فی صدی کی روک تھام ہو گئی۔ یہ آخری تحقیق براہ راست اسکول سے تعلق نہیں رکھتی لیکن اس سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ بہتر سمجھ بوجھ سے اچھے انسانی رشتے قائم ہو سکتے ہیں۔

پختگی کا مفہوم

لغت میں پختگی کی جو تعریف کی گئی ہے وہ ہے پختہ ہونا، پکا ہونا یا مکمل طور پر نشو و نما پانا۔ نفسیاتی پختگی سے عام طور پر مراد لی جاتی ہے کہ ایک فرد بلوغت کی حالت میں پہنچ گیا ہے اور وہ ایک بالغ کی طرح عمل کرتا ہے۔ دراصل بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جن میں اپنی عمر کے حساب سے پختگی پیدا ہو گئی ہے لیکن جہاں تک جذباتی عمل کا تعلق ہے وہ ناپختہ ہیں۔ کچھ لوگ اپنی "قانونی عمر" کو پہنچ گئے ہیں لیکن ملازمت کی ذمہ داری سنبھالنے کے لائق ابھی نہیں ہو سکے ہیں۔ یہ لوگ نفسیاتی اعتبار سے ناپختہ ہیں۔ اس طرح ہم پختگی کے بارے میں بھی وہی باتیں کہہ سکتے ہیں جو ذہنی صحت کے بارے میں کہی گئی ہیں یعنی یہ کسی حالت یا کیفیت کا نام نہیں بلکہ زندگی کے طریق عمل، طرز زندگی یا مطابقت کی ایک روش ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ذہنی صحت کا مفہوم بالغوں کی سطح تک محدود کر دیا جائے تو آسانی سے یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ وہ شخص اچھی ذہنی صحت کا حامل ہے جس کے عمل سے پختگی ظاہر ہو۔ ایک بالغ میں صرف اسی وقت پختگی پیدا ہو سکتی ہے جب اس کی ذہنی صحت اچھی ہو۔ اس طرح پختگی کے معیار سے اچھی یا بری صحت کو بھی پرکھا جا سکتا ہے۔

پختگی کو بلوغت کی سطح تک محدود کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لفظ کا استعمال کسی بھی عمر کے بچوں کے لیے کیا جا سکتا ہے اور ہوتا بھی ہے لیکن اس کا مفہوم اس سے تھوڑا ہٹ کر بھی ہے۔ جب ایک بچے کے لیے کہا جاتا ہے کہ وہ پختگی کا حامل ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنی عمر کے مطابق عمل کرتا ہے۔ کسی بچے کا کردار اس کی ذہانت اور جسمانی نشو و نما اگر اس سے کم ہے جو اس طبعی عمر اور ذہنی عمر کے بچوں سے متوقع ہے تو وہ ناپختہ سمجھا جائے گا۔ ایک دس

برس ہے تو وہ بچہ ذہنی اعتبار سے پختہ سمجھا جاتا ہے چاہے وہ ایک اوسط بالغ کی ذہنی عمر کا نہ ہو۔ یعنی اس عمر میں اس سے جو توقع کی جا سکتی ہے اس کے لحاظ سے وہ پختگی کا حامل ہے اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ فلاں لڑکا چونکہ بالغ کی طرح عمل نہیں کرتا اس لیے ناپختہ ہے تو اس سے غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان ہے کیوں کہ بہت سے لوگ اس بیان سے یہ مطلب نکالیں گے کہ بچہ اپنی عمر کے مطابق عمل نہیں کر رہا ہے۔ اس کتاب میں جہاں کہیں بھی پختگی کی بات کہی گئی ہے تو اس سے مطلوب ہوتا ہے کہ ایک شخص ویسا ہی ہے یا عمل کرتا ہے جیسا اسی عمر طبعی کے کسی آدمی سے توقع کی جا سکتی ہے۔

پختگی کا معیار

پختگی کے مندرجہ ذیل معیار پختگی کی تعریف اوّل سے مناسبت رکھتے ہیں تاہم ابتدائی چار معیار تعریف دوم یعنی عمل مطابق عمر طبعی کے لیے موزوں ہو سکتے ہیں۔ اس طرح تمام درج فہرست معیاروں کو نمو پذیر بچوں اور جوانوں کے لیے طویل المدت مقصد قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن صرف ابتدائی چار کو کسی بھی عمر کے بچوں میں طور طریق کا جائزہ دینے کے لیے جائزے کے ایک پیمانے کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

(1) آدمی پختہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنے ذہن کو بدلنے اور لچک پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا کرے، اس کا مطلب ہے کہ اس میں متغیر اور تغیر پذیر حالات سے مطابقت پیدا کرنے اور مطابقت کی عادت ڈالنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ وہ وقتی محرومیوں سے مراجعت کے لیے آمادہ ہے۔ یہ وہی شخص کر سکتا ہے جو محکم گیر تو ہو لیکن ضدی اور ہٹی نہ ہو بالغوں کی سطح پر اس سے مراد ہے ایسا شخص جو جدید یا مخالف خیالات پر متوجہ ہو سکے اور جب مناسب دلیل پیش کی جائے تو اپنے ذہن کو بدل سکے۔ ایک لچکدار ذہن وہ ہے جو شکست کو عارضی سمجھے اور اس کو حصول مقصد کا نیا ذریعہ تصور کرے۔ شکست کو قطعی ثبوت سمجھ کر اسے اپنے مقصد کو خیرباد نہیں کر دیتا

چاہیئے بلکہ ایک توافق پذیر ذہن وہ ہے جو اس بات کو تسلیم کرے کہ موجودہ حالات بدلے نہیں جا سکتے اور ناگزیر ہیں اس لیے دانشمندی کا تقاضا ہے کہ اس خاص مقصد کو ترک کر دیا جائے۔

۲۔ ایک پختہ کار شخص وہ ہے جو سماجی موزونیت اور توافق پذیری کی صلاحیت رکھتا ہو۔ بچوں کی نفسیات پر جو تحقیقات ہوئی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف عمر کے بچوں سے سماجی توافق پذیری کے سلسلے میں بعض توقعات کی جا سکتی ہیں۔ اسکول کی عمر تک پہنچتے پہنچتے بچوں کو یہ سیکھ لینا چاہیئے کہ وہ دوست کے بنائیں دوسروں کی خواہشات کا کیسے لحاظ رکھیں اور اتحاد باہمی کے ساتھ کیسے کام کریں وغیرہ وغیرہ بلوغیت کی منزل پر اس بات کی توقع نہیں ہے کہ مذکورہ سماجی شعور میں کوئی اضافہ ہو سکے اور ایسی صلاحیت پیدا ہو جائے کہ وہ ذاتی واقف کاروں کے علاوہ ساری دنیا کے انسانوں کے لیے فکرمند ہو سکے۔

۳۔ ایک شخص اس وقت پختہ کار ہوتا ہے جب اس کو اپنے جذبات پر قابو حاصل ہو جائے اور تسکین براری ہو جائے۔ صحیح معنوں میں بلوغت جوں جوں قریب تر ہوتی جائے گی پختگی میں بھی سال بہ سال تنوع پیدا ہوتا جائے گا۔ لیکن یہاں بھی معروضی تحقیقات سے ہی پتہ چلے گا کہ صحیح بات کیا ہے اگر ان بچوں کو مناسب پختگی سے منسوب کرنا ہے تو مدرسہ کی عمر تک پہنچتے پہنچتے ان کا منفی رجحان اور غصہ ختم ہو جانا چاہیئے، ہائی اسکول کی عمر تک ان میں یہ بات بھی پیدا ہو جانی چاہیئے کہ وہ اپنے غصے کو ظاہر نہ ہونے دیں اور اس پر قابو پالیں۔ اس عمر میں یہ بات پیدا ہو جانی چاہیئے ہو جانی چاہیئے ایک پختہ کار بالغ کو کوئی ایسا خوف نہ ہو گا جس کی معقول وجہ نہ ہو۔ اس کے سماجی تعلقات میں حسد کا دخل نہ ہو گا اور وہ اس بات کی صلاحیت پیدا کرے گا کہ اپنے مثبت جذبات کا مظاہرہ کر سکے غرض اگر حالات معمول پر ہوں تو ایک پختہ کار شخص کو ہر عمر میں اس قابل ہونا چاہیئے کہ وہ محرومی اور اداسی کے بجائے زندگی سے پورا لطف اٹھا سکے۔

۴۔ آدمی پختہ کار اس وقت ہوتا ہے جب اس کے اندر سماجی طور پر مقبول مقاصد سے ہم آہنگ ہونے کی تحریک اور خواہش پیدا ہو پختگی کے اس پہلو سے متعلق دو پابندیاں ہیں اول تو یہ کہ اس کا انحصار عمر اور تجربے پر ہے لیکن پہلے تین معیاروں کے بارے میں بھی یہی کہا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک آدمی سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ ان قوانین قواعد اور رواجوں کا پابند رہے جن سے وہ واقف نہیں ہے لیکن حقیقی معنوں میں پختہ کار شخص اس بات کو جاننے کی کوشش کرے گا کہ قبول عام مقاصد اور طریق عمل کیا ہیں۔ اس معیار کے سلسلے میں دوسری پابندی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حقیقی معنوں میں پختہ کار ہے تو اس کا سابقہ کبھی نہ کبھی ایسے رسم و رواج سے ہو ہی جائے گا جو رواجی تو ہوں لیکن ناقابل قبول نہ ہوں۔

نیگرو اور یہودیوں کے خلاف جو مقامی امتیاز برتا جاتا ہے وہ اس بات کی مناسب مثال ہے۔ جو لوگ جو اس برتاؤ سے متفق نہیں ہیں اور اس عمل اور عقیدے پر نکتہ چینی کرتے ہیں وہ سماج کے لیے بہت قابل ... ہیں کیوں کہ اس اعتبار سے یہ ترقی اور تبدیلی کے لیے تحریک پیدا کرتے ہیں۔ اس وجہ سے اگر ایک شخص جو ابھی پختگی کی منزل پر نہیں پہنچا ہے۔ لیکن بالغ ہے اس کے لیے یہ بیان اس طرح ہونا چاہیے "وہ شخص پختہ کار ہے جس کے محرکات اور جس کی خواہشات سماجی طور پر پسندیدہ طور و طریق سے ہم آہنگ ہوں"۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ تبدیلی لانے کے لیے انقلاب، جنگ اور تحقیر کو وسیلہ نہیں بناتا بلکہ مطالعہ، بحث مباحثہ اور تعلیم جیسے جمہوری طریقوں سے نامناسب عقائد اور عمل کو تبدیل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگلے چار معیار عمل پختگی کے دوران محدود معنوں میں ہوتے ہیں۔ اور ان افراد میں صرف محدود حد تک پائے جاتے ہیں جنکی پختگی عنفوان شباب کی منزل سے آگے نہیں بڑھ پائی ہے۔

۵۔ آدمی پختہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ خود اپنے طور و طریق کی بصیرت رکھتا ہو ابھی حال میں مصنف نے ایک زیر تربیت استانی سے بات کی جو

دفتر میں اپنے استاد کی غلط فہمی کی درد بھری داستان سنانے آئی اس کے نگران استاد نے اس کی نیت کو غلط سمجھا، پرنسپل نے اس کے نظم و ضبط کی آزمائش میں انصاف سے کام نہیں لیا اور تعلیم کا پروفیسر (راقم الحروف) اس کو وہ سب باتیں بتانے سے قاصر رہا جو مشقی تدریس کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ اس طالب علم کے خیال میں اور بھی سترہ زیر تربیت استاد جن تجربات سے لطف اندوز ہو رہے تھے وہ محض ایک اتفاق کی بات تھی۔ جہاں تک اس کی اپنی دشواریوں کا تعلق تھا اس کے خیال میں یہ صرف اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ بے درد استادوں کو سونپ دی گئی)۔

خود اپنے طور و طریق کے بارے میں بصیرت حاصل کرنا آسان نہیں۔ اس کے لیے نفسیات، ذہنی حفظان صحت اور سماجیات کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔ خلوص اور مصروف کار رویہ اس کے لیے ایک نمایاں سرمایہ ہے پھر بھی بعض حالات میں ماہر امراض نفسی کی ضرورت پڑ سکتی ہے تاکہ وہ خود کو دوسروں کی نظر سے دیکھ سکے۔ اپنے طور و طریق میں بصیرت حاصل کرنے کے لیے چاہے جو بھی طریقہ اختیار کیا جائے یہ حقیقت باقی رہتی ہے کہ جب تک کوئی شخص اپنے محرکات کو نہ سمجھ پائے اور جب تک اپنی خامیوں اور خوبیوں کا ایمانداری سے جائزہ دے سکے اس وقت تک وہ پختگی کے مخصوص معیار کو نہیں پہنچ سکتا۔

۶۔ آدمی پختہ کار اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنے روزانہ کے کام میں مناسب سرگرمی دکھلائے اور اپنے کام سے دلچسپی رکھے۔ پختگی کے اس معیار سے توازن کے تمام عناصر مراد لیے جاتے ہیں۔ یہ دونوں انتہائی صورتیں جو پیش کی گئی ہیں ان کے درمیان کا راستہ اپنانا چاہیے۔ ایک انتہا تو یہ ہے کہ ہر شخص اپنے کام سے کام رکھے اور سماجی، تہذیبی، روحانی اور طبعی اقدار کو بالکل فراموش کر دے۔ یہ صورت حال اس آدمی کے ساتھ پیش آتی ہے جو سوائے اپنے کام کے نہ تو کسی چیز سے سروکار رکھتا ہے اور نہ کسی اور بات کی واقفیت، وہ اپنے خاندان، دوست احباب۔ اور خود اپنی متوازن نشو و نما کو فراموش کر دیتا ہے۔ دوسری انتہا یہ ہے کہ ایک

شخص بادل نخواستہ اور فرض کفایہ سمجھ کر اپنا کام کرتا ہے۔ اس کے کام کو ایک ضروری مگر ناپسندیدہ کام سمجھا جاتا ہے۔ وہ اپنے کام میں ماتم کرتا ہے اور اس واہمے میں مبتلا رہتا ہے کہ وہ اگر کچھ اور کرتا ہوتا تو بہت زیادہ خوش رہتا۔

اس لحاظ سے پختہ کار آدمی وہ ہے جو اس حالت کو محسوس کرتا ہے کہ ایک مصروف کار زندگی سے نہایت گہرا اطمینان حاصل کیا جا سکتا ہے۔ وہ خود کو جس کام کے بہت اہل سمجھتا ہے۔ اس کو کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے وہ اپنے کام کو سماجی کارگزاری کا ایک اہم پہلو تصور کرتا ہے اور اپنے موقف کو دقیق سمجھتا ہے اس کو اپنے کام میں ترقی اور شخصیت کی بالیدگی کے مواقع نظر آتے ہیں اور وہ اپنی کارکردگی کو بہتر کرنے کی کوشش کرتا ہے اگر اس کا کام ایسے معمول کا ہے جو ناقابل تنسیخ ہو تو اس کو وہ تطبیق اور ذمہ داری کی عادت ڈالنے کا ایک موقعہ تصور کرتا ہے تاکہ اس کام کو چھوڑنے کے بعد جو بہتر کام شروع کرے تو اس عادت کو استعمال کر سکے۔ اس طرح اپنے کام کو وہ تمام تر تعمیل کار سمجھنے کے بجائے فن زندگی کا ایک اہم جزو تصور کرنے لگتا ہے۔ آئرچ فورم (.Erich Fromm) کے الفاظ میں کام کا متوازن نظریہ یہ ہے "بار آور کام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اندر محنت اور آرام کا توازن برقرار رہے بار آور کام لگن اور غور و فکر اسی وقت ممکن ہے جب کسی شخص کو ضرورت کے وقت سکون اور تنہائی میسر ہو سکے۔"

یہ آدمی پختہ کار اس وقت ہوتا ہے جب اوائل عمر میں ہی اس کی اچھی عادتوں کی مضبوط بنیاد پڑ جائے اس کو ہم بے قاعدہ طور پر اس طرح بیان کریں گے۔ "اچھی عادتیں وہ ہیں جو مطابقت میں سہولت پیدا کریں" اس معیار کے ذریعہ پختگی کی تعمیری نوعیت پر زور دیا جاتا ہے۔ پختگی ایسی چیز نہیں ہے جس کے بارے میں کوئی شخص کسی بھی لمحے فیصلہ کرے اور مستقبل میں پختہ کردار کی توقع کر بیٹھے۔ سابقہ عادتیں موجودہ مطابقت کی بنیاد بنتی ہیں اور آج کا فیصلہ کل کے بہتر کردار کی جانب محض ایک متوقع قدم ہے۔

عادت پیدا کیے بغیر کسی شخص کے لیے زندگی کے معمولات کی ادائیگی بہت

مشکل ہوگی لیکن بدقسمتی سے زندگی اور حالات زندگی متواتر تبدیل ہونے بار ہے ہیں۔ اس لیے وہ عادتیں جو کسی وقت مطابقتی نوعیت کی تھیں۔ اب اتنی راسخ ہوگئی ہیں کہ انہیں بدلتے ہوئے حالات کے مطابق ڈالنا اور زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایک پختہ کار آدمی کو جو نہایت اہم عادت ڈالنی ہوگی وہ یہ ہے کہ وہ ایسا رجحان پیدا کرے جس کے ذریعہ ایک معینہ مدت پر وہ اپنی عادتوں کا جائزہ لے سکے اور یہ معلوم کر سکے کہ کون سی عادتیں کس وقت مفید ہوتی ہیں اور کون سی عادتیں مسلسل پائیدگی کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ یہاں پختگی کے معیار کی آزمائش کے لیے توازن کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

۸۔ ایک شخص پختہ کار اسی وقت ہوتا ہے جب وہ کوئی ایسا فلسفہ زندگی حاصل کر لیتا ہے۔ جو فی الوقت باعث تسکین ہو اور نمو پذیر بھی۔ پختگی کا یہ معیار شاید بہت مناسب ہے اور اس معیار پر اکثر لوگ پورے نہیں اتریں گے۔ یہاں جو نقطہ نظر پایا گیا۔ وہ یہ ہے کہ فلسفہ پورے طور پر اقدار کا سوچا سمجھا ایک نظام ہے۔ ایسا نظام یا فارمولا جس کے ذریعے کوئی شخص اپنے اغراض و مقاصد کی اضافی خوبیوں کو پرکھتا ہے۔ اس کی حیثیت ان فرسودہ اقوال اور لائحہ عمل سے بہت زیادہ ممیز ہے جو جداگانہ طور پر تسلیم کیے جا چکے ہیں تاوقتیکہ ان میں تصادم نہ نظر آئے۔ یعنی کوئی شخص اپنے لائحہ عمل کے مطابق کام کر وقت یہ محسوس کرے کہ اس کے بعض مقاصد ایک دوسرے سے مخالف ہیں۔

پختہ فلسفے کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اسے متحرک ہونا چاہیئے۔ کم سے کم کچھ اغراض و مقاصد تو ایسے ہونے چاہئیں جنہیں کوئی شخص اس نظر سے منتخب کرے کہ یہ مستقبل قریب میں قابل حصول ہیں اور جب ان کا حصول ہو جائے تو ان کے بجائے دوسرے مقاصد کا تعین کر لینا چاہیئے۔ مقاصد کی اہمیت پر زور دینے کا معاملہ نفسیاتی اصولوں پر مبنی ہے یعنی تمام عمل بامقصد ہوتے ہیں یا مقصدی (. . . . مقصدی کردار میں محرکات کی عضویاتی طور پر شناخت نہیں ہو پاتی اور اس لیے اکثر اٹکل پچو یا سعی و خطا کا عمل سرزد ہوتا ہے۔ مقصدی کردار سے مراد ہے کہ عضویات کا تصور مقصد کم و بیش واضح ہے) اس طرح مقاصد اور حاجتوں کے

تسکین براری پر زندگی کا انحصار ہوتا ہے۔ ایک موثر زندگی مقصد کی وضاحت پر منحصر ہے۔ اس وضاحت مقصد کے ساتھ ساتھ اگر معنویت بھی پیدا ہو جائے تو حقیقی فلسفہ زندگی کے ذریعے ایک بڑی خدمت انجام پاتی ہے۔

اوپر یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ پختہ فلسفے میں بعض مقاصد دراصل قابل حصول نہیں ہوتے لیکن اس کے باوجود کہ وہ قابل حصول نہیں ہوتے کام کرنے کا ایک موقع ضرور فراہم کرتے ہیں۔ کسی مکان کی خریداری ایک وقتی مقصد ہو سکتا ہے جس کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ کسی مطالعے کی ایک یونٹ یا رپورٹ کی تکمیل ایک قلیل المدت مقصد ہو سکتا ہے یہ دونوں قابل حصول پہلو ہیں، ایک ناقابل حصول مقصد کے یعنی خوش و خرم رہنے کے دوسرے اور بھی ناقابل حصول مقصد ہو سکتے ہیں جیسے ایک اچھا کامل بننا یا ناقابل تردید والدین ہونا جنہوں نے مکمل ذہنی صحت حاصل کر لی ہو یا ایک سچے دیندار کی زندگی گزار رہے ہوں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ یہ مقاصد نا قابل حصول ہیں لیکن ایک پختہ آدمی کو اس بات سے نہیں روکتے کہ وہ ان مقاصد کو اپنے فلسفہ زندگی میں شامل کر لیں اور ان کے حصول کے لیے کوشش کرتے رہیں واقعہ یہ ہے کہ یہ اور ان جیسے دوسرے مقاصد کی سعیٔ حصول میں ایک پختہ کار آدمی مسلسل تسکین حاصل کرتا رہے گا اور اس کو اپنی زندگی کی دل فریبی کا ذریعہ تصور کرے گا۔

پختگی کے معیار پر غور کرتے وقت یہ واضح ہو جائے گا کہ پختگی اور ذہنی صحت میں بہت قربت ہے اس گہرے تعلق کی وجہ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ استاد جس حد تک اپنے شاگرد کا معاون ہوتا ہے اسی حد تک اس کی پختگی کی سطح اعلیٰ ہوتی ہے اور اسی حد تک وہ اپنے شاگردوں کی ذہنی صحت کو بہتر بناتا ہے۔ بعض مذکورہ بالا معیار جب شاگردوں کی عمر کے مطابق ہوتے ہیں تو فوری مقاصد کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ دوسرے معیاروں کی حیثیت ان مقاصد کی ہوتی ہے جن کے حصول کے لیے مدرسہ کے پورے زمانہ قیام میں کوشش کرنی ہوگی۔

ذہنی حفظان صحت کے نقطۂ نظر کے پہلو

ذہنی حفظان صحت کے نقطۂ نظر کے تین ایسے پہلو ہیں جو اسناد سے تعلق رکھتے ہیں یہ پہلو ہیں (۱) تحفظاتی (۲) انسدادی (۳) شفائی

ذہنی حفظان صحت کا تحفظاتی پہلو

کہا جاتا ہے کہ اکثر و بیشتر بچے بالکل درست حالت میں پیدا ہوتے ہیں یقیناً بہت سے بچے ایسے ہوتے ہیں جو خوش و خرم چاق و چوبند اور متجسس نظر آتے ہیں۔ یہ اسکول میں خوش آئند توقعات کے ساتھ داخل ہوتے ہیں۔ اونچے درجوں اور ہائی اسکول کی جماعتوں میں اکثر و بیشتر بچوں کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ ان کی ذہنی صحت اچھی ہے۔

مدرسہ اور استاد کا فرض ہے کہ اس کثیر جماعت کے بچوں میں ایسی عادتیں اور ایسا نقطۂ نظر پیدا کریں جو ان کی آئندہ زندگی میں کامیابی کا زینہ بنیں اس مقصد کے پیش نظر درجے کی تنظیم، طریقہ تعلیم کے استعمال، اغراض و مقاصد کے تعین اور مروجہ سماجی تعلقات سے متعلق ایسے کام کیے جائیں جن سے فرد کے اندر اعتماد، اشتیاق اور شادمانی پیدا ہوسکے۔ عام طور پر ذہنی حفظان صحت کے نقطۂ نظر کا یہ پہلو اس وقت حاصل ہوسکتا ہے جب استقرائی اصولوں کا اطلاق کیا جائے۔ کام کی مجموعی تنظیم کی جائے اور نفسیاتی اصولوں کے علم کو عمل میں لایا جائے اس کو بڑی حد تک ایک غیر شخصی پہلو تصور کیا جاسکتا ہے۔

ذہنی حفظان صحت کا انسدادی پہلو

ذہنی حفظان صحت کے اس دوسرے پہلو کا تعلق محض نقطۂ نظر سے ہے ابتدائی حالت میں انسدادی پہلو بھی تحفظاتی پہلو کے مساوی ہوتا ہے۔ لیکن اس کا ملحقہ اثر کچھ آگے تک ہوتا ہے یعنی اس کا تعلق اس فرد سے ہوتا ہے جو ذہنی طور پر خرابی صحت کے قریب ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی شخص کو

خسرہ یا چیچک کا خطرہ لاحق ہو جائے اور مدافعت کے لیے اس کو انجکشن لگا دیا جائے (آخر الذکر صورت میں اگر پہلے کوئی ٹیکہ نہ لگایا گیا ہو) ذہنی حفظان صحت کے انسدادی پہلو کے تحت مخصوص پروگرام اس وقت شامل کیے جاتے ہیں۔
جب افراد کے اندر ذہنی اور جذباتی انتشار کی علامتیں ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ اس طرح ایک بچہ اگر بھگوڑے پن کا عادی نہیں ہوتا بلکہ کبھی کبھی بھگوڑے پن کا مظاہرہ کرتا ہے تو ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ قبل اس کے کہ بھگوڑے پن کی عادت دوسری شکلیں اختیار کرے یا عادی عمل بن جائے اس کی مشکلات کا پس منظر معلوم کرکے اس میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔
ذہنی حفظان صحت کے انسدادی اور تحفظاتی دونوں پہلوؤں کے تحت اساتذہ کو ایک بڑی خدمت انجام دینے کا موقع ملے گا۔ وہ تعلیم کے لیے مناسب حالات پیدا کر سکتے ہیں اور جماعت کی سماجی فضا پر قابو حاصل کر سکتے ہیں انفرادی کرداریں اگر معمولی انحراف بھی دکھائی دے تو اس پر توجہ کرنی چاہیے کیونکہ یہی معمولی انحراف زیادہ شدید مطابقت کے مسائل پیدا کرنے کا پیش خیمہ ہے۔

ذہنی صحت کا شفائی پہلو

جس طرح ذہنی حفظان صحت کے تحفظاتی پہلو میں انسدادی پہلو کا عکس نظر آتا ہے۔ اس طرح شفائی پہلو میں بھی انسدادی پہلو کی جھلک نظر آتی ہے بعض بچوں کے جب استاد کا پہلے پہل سابقہ پڑتا ہے تو پہلی ہی نظر میں وہ ان کے ایسے منحرف کرداروں کو بھانپ لیتا ہے جو وسیع نارمل حدود کے اندر نہیں تصور کیے جا سکتے۔
استاد کے لیے ایسے بچوں کا مسئلہ بہت مشکل ہوتا ہے جو ذہنی بیماری کے قریب تر ہوں۔ کیوں کہ اس کو یہ مشکل فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ ان بچوں کے لیے خود انفرادی طور پر کوئی قدم اٹھائے یا صورت حاصل اتنی بگڑ چکی ہے کہ ماہر امراض نفسی کو اس بات سے خبردار کرے کہ اب زیادہ نقصان کا خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔
اس شکل صورت حال کو ذہن نشین کرتے ہوئے ذہنی صحت کے شفائی پہلو پر ایک تکنیکی مسئلے کی طرح متوجہ ہونا چاہیے اور یہ کام بڑی حد تک خصوصی ماہرین

کے سپرد کر دینا چاہیئے۔ جب جذباتی بیماری شدت اختیار کرے اور حالت بگڑنے لگے تو جلدی سے کسی ایسے شخص سے امداد کا طالب ہونا چاہیئے جو نیک نیتی کے ساتھ یہ کام کرتا ہو۔ اس خطرے کو محسوس کرتے ہوئے رابرٹ ایچ فلکس Robert H. Felix چیف آف دی مینٹل ہائیجین ڈویژن، پبلک ہیلتھ سروس آف دی فیڈرل سیکورٹی ایجنسی فرماتے ہیں کہ "ایسی صورت میں ہر کس و ناکس سے رجوع نہیں کرنا چاہیئے کیوں کہ نیک ارادوں کے باوجود ایک نو مشق ماہر امراضِ نفسی ایک ایسے شخص کو مستقل نقصان پہنچا سکتا ہے جو جذباتی طور پر متلون ہو یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی نقصان نہ پہنچانے کا گر سیکھنا حفظانِ صحت کے اصولوں میں سے ایک بنیادی اصول ہے۔

اساتذہ کیا کر سکتے ہیں

درجے کا استاد ماہر امراضِ نفسی بننے کے علاوہ بہت کچھ کر سکتا ہے اساتذہ کچھ بنیادی اصول سیکھ سکتے ہیں۔ معطیے فراہم کر سکتے ہیں اور ایسی معلومات حاصل کر سکتے ہیں جو یہ فیصلہ کرنے میں مددگار ثابت ہوں کہ ان میں سے کون سے مریض کلینکل نوعیت کے ہیں ایسے لڑکے بھی بہت ملیں گے جن میں مرض کی سرسری اور معمولی علامتیں نظر آئیں لیکن انسدادی اور تحفظاتی ذہنی صحت کا اگر استعمال نہ ہو تو ایسی عادتیں پیدا ہو سکتی ہیں جو آئندہ مطابقت میں مانع ہوں درجے کے ایک استاد نے اس مسئلہ کو اس طرح بیان کیا ہے۔

"ہم اس بات سے اتفاق کریں گے کہ ارادتاً یا غیر ارادتاً تمام بچوں کے لیے ہم کچھ نہ کچھ کرتے ہیں اس لیے یہ زیادہ مناسب ہو گا کہ استاد ان باتوں سے واقفیت حاصل کر لے۔

ایسے حالات بھی پیدا ہو جاتے ہیں کہ استاد کو برمحل کوئی نہ کوئی قدم اٹھانا پڑے اس سلسلے میں ان بہت سے کاموں سے پرہیز کرنا چاہئے جو ناعاقبت اندیشی پر مبنی ہوں ایسے ہزاروں لڑکوں اور لڑکیوں کے بارے میں سوچئے جنہیں کبھی کلینکی سہولتیں نہیں فراہم ہو سکیں گی۔ ان سب بچوں کو اس بات کا حق

حاصل ہے کہ ان کی اپنی شخصیت کی مکمل نشو ونما ہو۔ اس کا بہتر امکان اس وقت ہو سکتا ہے جب انسان ذہنی صحت کے تمام عناصر کو بخوبی سمجھتا ہو۔

جس طرح دوسرے علاج کے لیے صحیح ہے اسی طرح بلاشبہ ذہنی صحت کے لیے بھی درست ہے کہ چاہے بچے کے لیے خصوصی ماہر سے ہی کیوں نہ رجوع کیا جائے آخری نتائج کا دارومدار درجے کے استاد اور کلینکی ماہر کے اشتراک عمل پر ہے۔ ایک مکمل اشتراک عمل کے لیے درجے کی استاد کو مسئلے کی بنیادی تفہیم ہونی چاہیے۔

ہم ایسے وقت کا تصور کر سکتے ہیں اور اس کی طرف گامزن بھی ہو سکتے ہیں۔ جب اسکول کے بچوں کی ضروریات کا خیال رکھنے کے لیے کافی تعداد میں ماہرین نفسیات اور ماہرین امراض نفسی موجود ہوں گے لیکن فی الوقت ایسے خصوصی ماہرین کا انتظام کرنا بہت دشوار ہے اور بعض صورتوں میں اگر ماہر امراض نفسی کی خدمات حاصل ہو بھی جائیں تو ان کی فیس اتنی زیادہ ہو گی کہ اس کا انتظام کرنا والدین کے لیے ممکن نہ ہو گا۔ ریاستہائے متحدہ کے نصف سے زیادہ ثانوی مدارس میں دو سو سے کم بچے داخل کیے جاتے ہیں اور اساتذہ کی تعداد نو سے کم ہوتی ہے ایسی صورت میں خصوصی ماہرین کے اخراجات کی کفالت مدرسے کے رہبوں کے لیے غیر ضروری اور ناقابل برداشت ہو گی۔ مدرسے کے کسی وسیع نظام میں بھی اگر ماہرین نفسیات یا ماہرین امراض نفسی کا انتظام ہو جائے تو بھی استاد کو ہی دیکھنا ہو گا کہ ان کے مشوروں پر عمل ہو رہا ہے یا نہیں۔ اس لیے ہر استاد کو یہ سمجھنا ہو گا کہ ذہنی حفظان صحت سے واقفیت پیدا کرنا اس کے اصولوں کا علم حاصل کرنا اور بہتر ذہنی صحت کے حصوں کی ذمے داریوں کی تفہیم پیدا کرنا اس کے پیشہ ورانہ تقاضوں کا بنیادی جزو ہیں۔ بنیادی بات اور چیلنج یہ ہے کہ اگر استاد معاونت نہ کریں تو بہت سے بدقسمت بچے ہر قسم کی امداد سے محروم رہ جائیں گے۔

اس کتاب کا مقصد یہ ہے کہ اساتذہ اچھی اور بری ذہنی صحت کی نوعیت کو سمجھ لیں۔ ناکافی مطابقت کی علامتوں کی تفہیم پیدا کر لیں اور ان طریق کار سے مانوس ہو جائیں۔ جو منحرف بچوں کے محرکات کا تعین کرنے میں مدد گار ہوتے

ہیں۔ بچوں کی ذہنی صحت کو سدھارتے ہیں جو بہتر خدمت اساتذہ انجام دے سکتے ہیں اس کا اظہار اس بات سے نہیں ہوتا کہ وہ بچے کی خاطر کیا کر رہے ہیں بلکہ اس بات سے ہوتا ہے وہ بچے کے سامنے کیا کرتے ہیں یعنی جو مثال وہ قائم کرتے ہیں۔ یا درجے کے اندر جو فضا وہ پیدا کرتے ہیں۔ اسی لیے اس کتاب کا بیشتر حصہ ان عوامل کے مباحث پر مشتمل ہے جن پر اساتذہ کی ذہنی صحت کا انحصار ہوتا ہے۔ تاکہ اساتذہ کو ایسے مشورے حاصل ہو سکیں جن سے وہ (۱) بعض کوتاہیوں کو دور کر سکیں۔

۲۔ ان ناموافق حالات میں کام کرنا سیکھ جائیں جن کو آسانی سے دور نہ کیا جا سکے۔

ذہنی صحت کسی پراسرار چیز کا نام نہیں۔ یہ الفاظ ایک مضمون کے عنوان میں استعمال کیے گئے ہیں ان سے اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ یہ روزانہ زندگی کے ناگزیر مسائل میں سائنسی اور تجرباتی علوم کے اطلاق کا نتیجہ ہے۔

ذہنی حفظان صحت کے مقاصد

ذہنی حفظان صحت کے مقاصد شیفر (۲۰ کہ مکاری) کی مندرجہ بالا تعریف میں بیان کیے گئے ہیں۔ "ایک بھرپور، خوش و خرم، زیادہ ہم آہنگ اور موثر زندگی۔"

امکانی قوتوں کا حصول

ایک بھرپور زندگی، ایسی زندگی کو کہتے ہیں جس میں منجملہ اور باتوں کے فرد اپنی امکانی قوتوں کے حصول سے قریب تر ہوتا ہے۔ اور اس کی بالیدگی ان معنوں میں بڑھتی رہتی ہے کہ اس کی بار آوری میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اساتذہ اپنی اہم خدمات انجام دینے کے بہتر طریقے دریافت کریں۔ مطالعہ کریں اور تدریس کے سماجی اثرات سے لطف اندوز ہوں۔ وہ محض کر گزرنے سے مطمئن نہیں ہوتے بلکہ اپنے کام کو بس بھر بہتر سے بہتر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ شاگردوں کے لیے اس کا مطلب ہے کہ وہ شاگرد جو اچھے تعلیمی کام کے اہل ہیں وہ اپنا کام بہتر طور پر انجام دیں۔ مدرسے کے درجوں

ہیں جو متنوع مشاغل بہم پہنچائے جاتے ہیں اس سے ہر طالب علم کو موقع ملتا ہے کہ وہ کسی حد تک اپنی کامیابی کا مشاہدہ کر سکے قطع نظر اس بات کے کہ اس کے محض تعلیمی جوہر نہیں بلکہ خصوصی جوہر کی نوعیت کیا ہے اور اس کو ناپنے کا پیمانہ کیا ہے۔

ایک بھرپور زندگی وہ ہے جس میں شخصیت کے تمام پہلوؤں کے استعمال کا موقع ملتا ہو۔ یعنی جسمانی، ذہنی، جذباتی اور روحانی، ہر شخص ان پہلوؤں سے متعلق امکانی قوتوں کا حامل ہوتا ہے۔ لہٰذا ذہنی حفظان صحت کا مقصد یہ ہے کہ ان پہلوؤں کے اظہار اور استعمال کے مواقع فراہم کرے پھر یہاں مدرسے کے پروگرام میں تنوع پیدا کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جہاں تک ذہنی پہلو کا تعلق ہے اس کو بخوبی ملحوظ رکھا گیا ہے ہاں شاید یہ ہو سکتا ہے کہ اس میں فطین بچے کے لیے اعلا تعلیم کے مواقع نہیں ملتے۔ جسمانی امکانی قوتوں کی تحصیل کے سلسلے میں ہائی اسکول سطح پر زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ چونکہ جذباتی اظہار کے لیے بھی زیادہ توجہ دی جاتی ہے اور بیشتر اساتذہ عضویاتی نفسیات کے بنیادی تصورات سے اور ذہنی حفظان صحت کے مفہوم سے واقف ہوتے ہیں اس لیے زیادہ بہتری کی توقع ہے۔ اجتماعیت اور عالمی برادری کے بڑھتے ہوئے رجحان کی وجہ سے روحانی اقدار کی طرف توجہ بڑھ گئی ہے۔ لیکن فی الوقت بعض اساتذہ روحانی حصول کے سلسلے میں انسانی روابط کے ذکر سے خائف نظر آتے ہیں۔

امکانی قوتوں کی بھرپور تحصیل ایک ناقابل حصول نصب العین ہے۔ تاہم درجے کے اندر ذہنی حفظان صحت کا عملی مقصد یہ ہے کہ ہر بچے کو ان کے حصول کے قریب تر لایا جائے اور یہ اس وقت تک ممکن نہ ہو گا جب تک نصب العین کی طرف توجہ نہ دی جائے۔ امکانی قوتوں کے زیادہ سے زیادہ حصول کا معاملہ اتفاق پر نہیں چھوڑا جا سکتا بلکہ اس پر سنجیدگی کے ساتھ معروضی طور پر غور کرنا چاہیئے۔

مسرت: باوجودیکہ مسرت ذہنی حفظان صحت کا نصب العین ہے

پھر بھی اس کو براہ راست نہیں حاصل کیا جا سکتا فلسفیوں نے بار بار کہا ہے کہ جب مسرت براہ راست مقصد بن جاتی ہے تب یہ مغالطہ پیدا ہوتا ہے۔ اصل میں یہ بتانا بہت مشکل ہے کہ مسرت کیا ہے۔ جو شے کسی ایک کے لیے مسرت کا باعث ہوتی ہے ضروری نہیں کہ دوسرے کے لیے بھی مسرت فراہم کرے۔ شاید اس بات کو کہنے کا عمدہ طریقہ یہ ہوگا کہ اگر ایک شخص محسوس کرتا ہے کہ وہ خوش ہے تو مشاہدہ بین کو یہ یقین کر لینا چاہیئے کہ وہ خوش ہے۔ پس خوشی ایک ذہنی کیفیت ہے۔ اشیاء کو دیکھنے کا ایک طریقہ ہے۔ جب ایک طالب علم اپنے ہم جماعتوں سے عمدہ تعلقات کا لطف اٹھاتا ہے جب وہ اپنے کام میں فخر محسوس کرتا ہے جب اس کا خوف وقتی یا بے بنیاد ہوتا ہے جب وہ اپنی شخصیت کے ہر پہلو کو استعمال کرتا ہے اور جب وہ آنے والے دنوں میں قسمت آزمائی کا متمنی ہوتا ہے تب ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ خوش ہے۔

ہم آہنگ زندگی

ایک ہم آہنگ زندگی کا انحصار دو باتوں پر ہے۔ خود سے نبھانا اور دوسروں سے نبھانا۔ خود سے نبھانے کا مطلب ہے کہ ایک شخص دو پرکشش صورت حال کے درمیان فیصلہ کرنے کا اہل ہو سکے اور اپنے فیصلہ پر نادم بھی نہ ہو۔ دوسری خوبی اس میں یہ ہونی چاہیئے کہ اپنی بدقسمتی پر نوحہ کیے بغیر اپنی کوتاہیوں کو تسلیم کرے اور بغیر تکبر اور گھمنڈ کے اپنی بہترین صلاحیتوں کو استعمال کر سکے۔ ایک ہم آہنگ زندگی میں اس حد تک خود اعتمادی پیدا ہونی چاہیئے کہ بڑھ کر مسائل کو حل کیا جائے اور فکروں کو قریب نہ پھٹکنے دیا جائے۔ خود سے ہم آہنگ ہونے کا انحصار اس بات پر ہے کہ لالچ، شک وشبہ، حسد، نفرت جیسی سیرتوں کو کم کیا جائے۔ ایسی چند خود سے ہم آہنگ ہونے میں زیادہ رکاوٹ ڈالتی ہیں۔

ایک موثر زندگی

ایک موثر زندگی کو استکمال نفس، مسرت کے گر سیکھنے اور خود سے اور

دوسروں سے نبھانے کی صلاحیت کا نتیجہ کہا جا سکتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کم سے کم محنت اور زیادہ سے زیادہ حاصل یعنی زیادہ بارآوری کم سے کم نقصان ایک آدمی زیادہ سے زیادہ کام کر سکتا ہے۔ لیکن کام کے دوران اگر وہ بلا ضرورت اپنے آپ کو تھکا لیتا ہے اور دوسروں سے علاحدگی اختیار کر لیتا ہے تو اس کو اثر پذیر نہیں تصور کیا جا سکتا۔ حسن کارکردگی کے معنوں میں موثر ہونے کا مطلب ہے کہ وہ عوام الناس کی خدمت کے لیے مناسب خدمت اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائے۔ باوجودیکہ ہٹلر نے بہت سے کام انجام دیئے لیکن چونکہ اس کا کام سماج رُخ نہیں تھا اس لیے اس کو موثر نہیں تصور کیا جا سکتا۔

"اثر پذیری" کی اصطلاح کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو شخص اپنے پڑوسی سے کم کام کرے وہ غیر موثر ہے۔ ذہنی صحت کے نقطہ نظر سے اس بات کی اجازت ہوگی کہ "اثر پذیری" کا تمغہ اس ٹرک ڈرائیور کے لگا دیا جائے جو بیمہ کمپنی کے افسر کے مقابلے میں بہت کم تنخواہ پاتا ہے۔ ذہنی لیاقت، تعلیم کے مواقع اور سماجی اور اقتصادی پس منظر کے لحاظ سے اوّل الذکر کا کام بہت قابل تعریف ہو سکتا ہے۔

اثر پذیری کو بطور مطلق نہیں بلکہ اضافی معنوں میں تصور کرنا چاہیئے۔ اس طرح ایک اوسط طالب علم جس کی علمی ذہانت پست ہے، جس کو اسکول کے اوقات کے علاوہ بھی کام کرنا پڑتا ہے جس کی صحت خوش گوار نہیں ہے اور جو اپنے اساتذہ اور ہم سروں سے اچھی طرح نباہ کر لیتا ہے وہ موثر ثابت ہو سکتا ہے جب کہ اس کا عزت ماب ہم جماعت غیر موثر ہو سکتا ہے اس لیے کہ اس کو علمی شوق کے علاوہ کوئی اور شوق نہیں اور اپنے ہمسروں سے رابطہ قائم کرنے میں وہ ناکام رہتا ہے۔ اخباروں میں ایک کالج کے پروفیسر کی کہانی چھپی تھی جس نے اپنے ادارے کے صدر اور اس اسکول کے ڈین کو قتل کر دیا تھا جس میں وہ ملازم تھا اور پھر خودکشی کر لی تھی یہ ایک ایسے شخص کا قصہ ہے جس نے امیتاز حاصل کر لیا لیکن اس کے رفقائے کار کے بیان کے مطابق وہ تنہائی پسند تھا اور دوسروں سے خلط ملط پسند نہیں کرتا تھا۔

اس نے کچھ کام ضرور کیے لیکن اس کی زندگی موثر نہیں کہی جا سکتی یہاں بھی اثر پذیری کو سماجی معاونت اور کم نقصان کے لحاظ سے پرکھا جا سکتا ہے۔

عصر جدید کے انسان نے طبعی دنیا پر قابو پاتا تو بہت کچھ سیکھ لیا ہے لیکن ابھی اسے اپنی شخصی اور سماجی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے بہت کچھ سیکھنا ہے۔ ذہنی بیماری کے چونکا دینے والے امداد و شمار سے اس بات کی عکاسی ہوتی ہے کہ انسان ابھی زندگی کے سلیقے سے بے بہرہ ہے۔ اسی لیے ہم اس بات کے لیے مجبور ہیں کہ ذہنی صحت کی خرابی کو ایک اہم مسئلے کی حیثیت سے تسلیم کریں چنانچہ یہ مسئلہ سنجیدگی کے ساتھ فیڈرل گورنمنٹ اور ماہرین تعلیم کے سامنے زیر غور ہے۔ ذہنی صحت کی اثر پذیری کا بالآخر انحصار اس بات پر ہوگا کہ درجے کے اساتذہ نے اس کا کتنا ادراک کیا ہے اور وہ اس سمجھ بوجھ کو کس حد تک استعمال کر سکتے ہیں۔

یہ بات بھی یقین کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی کہ آج کا انسان اپنے آباؤ اجداد کے مقابلے میں ذہنی بیماری کے اثرات سے زیادہ قریب ہے۔ لیکن یہ بدیہی امر ہے کہ اس کے تدارک کے لیے کوشش کی جا سکتی ہے اور ضرور کرنی چاہیے انسان کو ایسی تعلیم ذہنی چاہیئے جس سے وہ ایک بھرپور، ہم آہنگ، خوش اور موثر زندگی گزار سکے یہی ذہنی صحت کی تعلیم ہے اس مقصد کے حصول کے لیے جو طریقے اختیار کیے جاتے ہیں انھیں ذہنی حفظان صحت سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اساتذہ ایسا طرز زندگی پیش کر سکتے ہیں جس کے ذریعے لوگ سماجی، ذہنی اور جذباتی پختگی کے میدان میں بالیدگی حاصل کرنے کے قابل ہو سکیں۔ ذہنی صحت کے تحفظ کے ذریعے جو بہتوں کو میسر ہے، اساتذہ یہ خدمت انجام دے سکتے ہیں کہ ابتدائی علامتوں کی شناخت کے بعد اس کو مزید بڑھنے سے روک دیں اور ان مریضوں کو امداد بہم پہنچائیں جن کے مرض نے ابھی اتنی شدت نہیں اختیار کی ہے کہ ماہرین امراض نفسی سے رجوع کیا جائے۔

ذہنی حفظان صحت کے اصول کوئی راز نہیں ہیں۔ ایک موثر زندگی کے

لیے جو طریقے درکار ہیں ان کے اطلاق کے ذریعے ان اصولوں کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔ نئی بصیرتیں کبھی کبھی حاصل ہوتی رہتی ہیں۔ چونکہ بہت تھوڑے سے والدین کو رسمی تعلیم کے ذریعے ان اصولوں کے اکتساب کا موقع ملے گا اس لیے درجے کے اساتذہ سب سے زیادہ اس بات کے لیے موزوں ہیں کہ قوم کے نوجوان شہریوں میں بہتر ذہنی صحت پیدا کرسکیں۔

یہ نتیجہ اخذ کرنا غلطی پر مبنی ہوگا کہ اس باب میں قنوطیت کا گمان ہوتا ہے یہ نظریہ نہیں تاہم کرنا چاہیئے کہ قوم تیزی کے ساتھ نفسیاتی اور اعصابی خلل میں مبتلا ہوتی جارہی ہے واقعہ یہ ہے کہ بہت زیادہ پختہ کار اور صحت مند شہری موجود ہیں۔ اسکول کے اکثر بچے اپنے مسائل کو اطمینان بخش طریقے سے حل کرتے جارہے ہیں۔ اس لیے صورت حال کو دیکھنے کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ کینسر کی طرح بڑھتے ہوئے ذہنی صحت کے مسئلے کو کم کیا جائے تاکہ ایک موثر اور خوش و خرم زندگی گزاری جاسکے۔ موجودہ صورت حال کا اندازہ متعلقہ اعداد و شمار سے ہوتا ہے۔ ذہنی حفظان صحت کے مطالعے سے بہتری کے لیے ایک بھالی اشارہ ملتا ہے۔

مطالعے اور مباحثے کے لیے مشق

(۱) روزانہ اخبار میں ان جملوں کو پڑھیے جن سے یہ ثبوت ملتا ہو کہ وسیع پیمانے پر ایک تعمیری ذہنی حفظان صحت کے پروگرام کی ضرورت ہے۔

(۲) ان وسائل کی فہرست بنائیے جو آپ کی ریاست میں ذہنی صحت کی بہتری کے لیے براہ راست استعمال ہوتے ہوں۔

(۳) اس دلیل کی موافقت اور مخالفت میں اعداد و شمار پیش کیجیے کہ پچھلی نسل کے مقابلے آج ذہنی صحت کی خرابی کے واقعات زیادہ رونما ہوتے ہیں۔

(۴) کیا آپ کو اس سے اتفاق ہے کہ ذہنی صحت کی بہتری کے لیے بہترین شروعات مدرسہ کے درجوں میں ہوسکتی ہے۔ اس کام کی شروعات کے لیے دوسری معقول صورت کیا ہوسکتی ہے؟۔

(۵) اس باب میں حقیقی نفسیاتی پختگی کے جانچنے کے لیے جو معیار پیش کیے گئے ہیں ان کے علاوہ آپ کی نظر میں اور کون سے معیار ہوسکتے ہیں۔

(۶) آپ کی نظر میں درجے کے استادوں کے لیے تحفظاتی، انسدادی اور شفائی پہلوؤں میں سے کون سا پہلو زیادہ اہم ہے۔

(۷) کیا آپ ان معیاروں میں کچھ اضافہ کر سکتے ہیں جو ذہنی صحت کے لیے اس باب میں پیش کیے گئے ہیں۔

باب۲

انسانی حاجتیں اور ذہنی صحت

ذہنی صحت کے استحکام اور اس کے حصول سے متعلق جو سوالات پیدا ہوتے ہیں ان کا اگر کوئی ایک موثر اور مختصر جواب ہو سکتا ہے تو وہ ہے انسانی حاجتوں کی تسکین برآری۔ ایک شخص اپنی ذہنی صحت سے اسی حد تک لطف اندوز ہو سکتا ہے جس حد تک اس کی حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں اور جس حد تک اس کی کسی حاجت اور زندگی کے مجموعی ڈھنگ میں کوئی تصادم نہیں ہوتا۔ حاجتیں جس حد تک پوری نہیں ہوتی اور جس قدر ایک دوسرے سے متصادم ہوتی ہیں اسی حد تک اور اسی قدر لوگوں کی ذہنی صحت خراب ہوتی ہے۔ لفظ حاجت سے خود اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کا تعلق کسی ایسی چیز سے ہے جو نہایت اہم ہے ناگزیر ہے اور فوری طور پر مطلوب ہے "عمدہ وراثت اور خوش گوار افتاد طبع اچھی پرورش کا نیتجہ ہے اور ایک اثاثہ ہے۔ لیکن بہترین خوبیوں سے مزین شخص اس وقت تک صحت مند نہیں رہ سکتا جب تک اس کی نارمل طبعی اور سماجی حاجتیں پوری نہ ہوتی ہوں"[1]

حاجتوں کی نوعیت

نفسیات اور ذہنی حفظان صحت کے ماہروں نے مختلف حاجتوں کی جو فہرست تیار کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسانی حاجتیں واجب ہیں اور لغت میں دی

دی ہوئی تعریف کے لحاظ سے نہایت اہم، ناگزیر اور فوری طور پر مطلوب ہیں بعض صورتوں میں جب یہ حاجتیں پوری نہیں ہوتیں تو موت واقع ہو سکتی ہے۔ غذا، رطوبت، اور انتہائی درجہ حرارت سے حفاظت اور ایسی ہی دوسری عضویاتی حاجتوں کے سلسلے میں یہ بات بالکل صحیح ہے۔ بقائے نسل کی انکار کی صورت میں فرد کی موت واقع نہیں ہوتی لیکن اس سے نوع انسانی ختم ہو سکتی ہے۔ بعض شخصی اور سماجی حاجتیں اگر پوری نہ ہوں تو اس صورت میں موت واقع ہو سکتی ہے لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ ہاں یہ ضرور دیکھا گیا ہے کہ ہاں ان حاجتوں کی انکار کی صورت میں زندہ رہنے کی خواہش کم ہو جاتی ہے اور بلا واسطہ طور پر اس کی وجہ سے بھی جلدی موت واقع ہو سکتی ہے لیکن ایسی بھی حاجتیں ہیں جن کے انکار سے موت تو واقع نہیں ہوتی لیکن کچھ اسباب کی بناء پر حاجتوں کو اہم اور ضروری سمجھا جاتا ہے

شخصیت کی نشوونما کے سلسلے میں بھی حاجت روائی کی اہمیت ہے۔ جب باقاعدگی کے ساتھ حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں تو عام طور پر شخصیت متوازن اور مکمل ہوتی ہے اور فرد مسدود، ہم آہنگ اور بار آور ہوتا ہے۔ یہ سب باتیں اپنے لیے اور سماج کے لیے تسکین کا ذریعہ بنتی ہیں۔ تسکین سے لازمی طور پر سیری کا مفہوم نہیں نکلتا ہے لیکن یہ مطلب ضرور نکلتا ہے کہ ایک ترقی پذیر اور پُر اعتماد شخص کے ذریعہ حاجتیں تسکین برابری کی منزل میں ہیں۔ دوسری طرف جب حاجتیں رفع نہیں ہوتیں یا جب ان کو بہت دیر کے لیے ملتوی کر دیا جاتا ہے تو آدمی پست ہمت، اظہار بستہ، غیر متوازن ہو جاتا ہے اور شکست خوردہ اور دل شکستہ رجحان پیدا کر لیتا ہے۔ اس کی وجہ سے سماج میں سماجی رابطوں میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور اس کی بدترین صورت یہ ہے کہ اس کی وجہ سے فرد سماج کے لیے ایک بوجھ اور خطرہ بن جاتا ہے۔ جب مخصوص حاجتوں سے بحث کی جائے گی اس وقت اس طرح کی عام باتوں کا تجزیہ کیا جائے گا۔

گوناگوں ضروریات

کوئی بھی ایسے دو مصنف نظر نہیں آتے جو حاجتوں کی فہرست پر متفق ہوں۔ باوجودیکہ نفسیات اور ذہنی حفظان صحت کی اکثر کتابوں میں حاجتوں کی نوعیت اور اقسام سے بحث

کی گئی ہے لیکن جہاں تک اصطلاح اور فہرست کا تعلق ہے اس میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک مصنف نے چالیس اور دوسرے نے اٹھائیس حاجتوں کی فہرست تیار کی ہے۔ اکثر مصنفین نے پانچ سے آٹھ اور بعض نے تو یہ تعداد دو اور تین تک گھٹا دی ہے اس کتاب میں ضروریات کی درجہ بندی دو یا تین قسموں میں کی گئی ہے پھر ان کی ذیلی تقسیم ہوئی ہے۔ یہ ذیلی تقسیم بشمول نہیں ہوتی بلکہ توضیحی سمجھی جاتی ہیں۔ اقسام یہ ہیں۔ عضویاتی حاجت، شخصی حاجت اور سماجی حاجت۔ یہاں اس بات پر زور دینا چاہئے کہ یہ درجہ بندی حاجتوں کو ایک دوسرے سے خارج نہیں کرتیں بلکہ ایک دوسرے سے مختلط ہوتی ہیں اور یہ اقسام بندی محض بحث میں سہولت پیدا کرنے کے لیے عمل میں لائی گئی ہے۔

ان اقسام سے قطع نظر اگر ایک شخص کو زندگی اور ذہنی صحت حاصل کرنی ہے تو یہ بات تسلیم کر لینی چاہئے کہ حاجتیں زیادہ تعداد میں پوری ہوں یا پوری ہونے کی منزل میں ہوں اگر زندگی کی بقا مقصود ہے تو ان میں سے بیشتر حاجتوں کو بخوبی پورا ہونا چاہئے دیگر حاجتوں کے بارے میں ایسا لگتا ہے کہ فرد اور فرد کے درمیان بدلتی رہتی ہیں اور پختگی کی سطح کے مطابق فرداً فرداً ان کی تسکین براری ہوتی رہتی ہے اس کا مطلب ہے کہ حاجت براری نہ ہونے کی صورت میں کسی شخص کا پورا توازن بگڑ سکتا ہے اور دوسرے شخص پر اس کا بہت معمولی اثر پڑتا ہے۔ دوسرے شخص پر تو محض یہ اثر ہوتا ہے کہ جس کام سے اس کا گہرا تعلق ہے اس کو بخوبی انجام دینے اور ترقی حاصل کرنے کا اس کو موقع نہیں ملتا۔ اس دعوے کی جانچ اس بات سے بھی ہو سکتی ہے کہ لوگوں میں کوئی انفرادی فرق پایا جاتا ہے۔ (اشخاص کے درمیان) اور مختلف امتیازی اوصاف میں فرق (خود افراد کے اندر فرق) ہوتا ہے۔ اس طرح بعض بچوں کو دوسرے کے مقابلے میں ورزش، محبت، اور خود مختاری اور رفاقت کے زیادہ مواقع درکار ہوں گے۔ اس فرق کو حقیقی نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ بڑی حد تک یہ فرق ظاہری طور پر ہوتا ہے۔ ایک بچے کے بارے میں بظاہر اگر یہ پتہ چلے کہ اس کو بہت کم ورزش کی حاجت ہوتی ہے تو شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس کے والدین نے اس کے لیے کھیلنے کی جگہ یا گھومنے پھرنے کے لیے کھلے میدان کا انتظام کرنے میں دقت محسوس کی ہو۔

ایک دوسرے بچے کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ شروع میں اس کی محبت آمیز

اور مشفقانہ خبرگیری نہ ہو پائی ہو اور بعد میں اس نے اس کمی کی تلافی کر لی ہو ایک لڑکے کو رفاقت کی حاجت محسوس نہ ہونے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ شروع میں وہ دوست بنانے کی کوششوں میں ناکام رہا ہو یا اس کے تنہائی کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ اس کو دوستانہ روابط پیدا کرلے کا تجربہ ہی نہ رہا ہو حاجتوں کی شدت میں جو بظاہر فرق نظر آتا ہے وہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ حاجتوں کے مکمل یا جزوی انکار سے ایک متناسب شخصیت پر محدود اثر نہیں پڑتا۔

مختلف عمروں میں شدت کے اعتبار سے حاجتوں میں اختلاف ہوتا ہے

حاجتوں کی کثرت پر زور دینے کی وجہ یہ ہے کہ زندگی گزارنے اور نمو پذیر ہونے کے لیے مزید حاجتیں درکار ہوتی ہیں۔ اس طرح اگر ابتدائی بچپن میں بچے کی عضویاتی ضروریات پوری ہو جاتیں تو وہ مطمئن ہو جاتا ہے لیکن چند ہی دنوں میں وہ اس کا متمنی نظر آتا ہے کہ کوئی اس کو ہم آغوش کرے اور سینے سے چمٹائے۔ شروع شروع میں اس کو جاگتے وقت اکیلا بھی چھوڑا جا سکتا ہے لیکن جب وہ چلنا سیکھ لیتا ہے تو تنہا رہنا اس کو گراں گزرتا ہے۔ بڑی عمر کے لوگ یہ خیال کرتے ہوں گے کہ اس عمر میں بچے کو تکمیل کار کا احساس نہ ہوگا بلکہ کچھ تھوڑا بہت بھی کرنے کا موقع مل جائے تو وہ مطمئن ہو جاتے۔ لیکن دو یا تین سال کی عمر میں یقیناً اس کو تکمیل کار کی ضرورت ہوگی۔ اس کا اظہار اس طرح کے جملوں سے ہوتا ہے جو غصے میں بچہ چلا کر کہتا ہے "میں اس کام کو خود کر سکتا ہوں" اور "مجھے کرنے دو"۔ اس عمر میں بچے بہت زیادہ محبت کے متلاشی ہوتے ہیں۔ عنفوان شباب میں اس خواہش کی شدت کم نہیں ہوتی لیکن بظاہر یہ لگتا ہے کہ نوجوان پدرانہ محبت کے ظاہری اظہار کی جانب کم مائل ہوتا ہے۔ بہرکیف یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ نوجوان کو بچوں سے کم حقیقی محبت کی حاجت ہوتی ہے۔ عنفوان شباب میں ہمسروں کی رفاقت کی خواہش تیز ہو جاتی ہے۔ اطفال دوسروں کی طرف متوجہ ہوتے بغیر اسی کمرے میں عموماً کھیلتے رہتے ہیں۔ (جداگانہ کھیل) اور کبھی کبھی ایک دوسرے کی بغل میں کھیلتے ہیں لیکن ایک سا نہ نہیں (متوازی کھیل)، نوجوان ایک دوسرے کی موجودگی سے نہ صرف باخبر ہوتے ہیں بلکہ سروکار بھی رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کے لیے ہمسروں کی قبولیت پر زور دیا جا رہا ہے اور

بچوں میں آزادی کی حاجت کو زیادہ نمایاں کیا جا رہا ہے۔

وہ حاجتیں جو بچپن اور نوجوانی میں زیادہ شدید ہوتی ہیں۔ بلوغت میں بھی موجود رہتی ہیں لیکن ان میں تحکم پسندی کم نظر آتی ہے۔ وہ حاجتیں جو اس عمر میں غالب ہوتی ہیں ان میں مقصد کی بخوبی وضاحت اور احساس ترقی کی حاجت بھی شامل ہوتی ہے۔ بچے کی روزمرہ زندگی اور نوجوان کی اوائل زندگی پر اب اطمینان باقی نہیں رہتا ان میں تفاعل کی آزادی کی حاجت اس حد تک شدید ہو جاتی ہے کہ اگر اس کو روکا گیا تو اس کا امکان ہے کہ فرد آزردہ، مایوس اور مضطرب ہو جاتے۔ شاید بڑھاپے میں عضویاتی حاجتوں کے علاوہ بہت کم حاجتیں تحکمانہ ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ حاجتوں میں تخفیف ہو جاتی ہے بلکہ حاجت روائی کا گر سیکھ لیا جاتا ہے (حاجت روائی کا عمل جاری رہتا ہے) یا بڑھاپے میں انسان نامساعد حالات میں زندگی گزارنے کا سلیقہ سیکھنے پر مجبور ہوتا ہے۔ چوں کہ ہماری آبادی کے بڑے حصے کو ضعیفوں کے درجے میں دکھایا جا رہا ہے اس لیے مقصد کی حاجت پر بہت زور دیا جا رہا ہے۔ بہت سے عالموں کا خیال ہے کہ اپنے کام اور پیشے سے مستعفی ہونے کی وجہ سے عدم مقصدیت کا احساس پیدا ہو جاتا ہے اور بہت سے لوگوں کی موت جلدی واقع ہو جاتی ہے۔

عمر کی مختلف منزلوں میں مختلف حاجتوں کی شدت کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ حاجتوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

ضروریات نہ تو پوری طرح رفع ہو جاتی ہیں اور نہ ختم ہوتی ہیں۔ باوجودیکہ درجۂ شدت میں فرق آجاتا ہے۔ ہر زمانے کے لوگ حاجتوں سے تسکین برابری کرتے رہے ہیں اگر حاجت رفع نہ ہو تو خراب صورت یہ ہو سکتی ہے کہ زندگی رک جائے یا بہتر صورت یہ ہو سکتی ہے کہ زندگی غیر مطمئن رہے اس طرح حاجتیں ذہنی حفظان صحت کے مطالعے کا محور بن جاتی ہیں۔

عضویاتی حاجتیں

عضویاتی حاجتوں کی نوعیت

ایک انتہائی سادہ عضویہ کے لیے بھی بقا کی خاطر غذا، آکسیجن، پانی اور مناسب درجہ حرارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسانی جسم کی ساخت چوں کہ بہت پیچیدہ ہوتی ہے اس لیے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اسے دباؤ یا گڑبڑ سے بچایا جائے اس کے لیے کام یا آرام کی مدت درکار ہوتی ہے۔ سرسری طور پر دیکھا جائے تو یہ حاجتیں اتنی بنیادی نوعیت کی نظر آتی ہیں کہ ذہنی حفظان صحت کے طالب علموں سے ان کا بہت کم سروکار رہتا ہے۔ اگر حاجتوں کی تسکین براری ہو جائے تو انسان زندہ رہے اور اگر تسکین براری نہ ہو پائے تو وہ مر جائے یہ بات صحیح ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر عضویہ کو نئے طریقے سے سیکھنا ہوگا کہ حاجتیں کیسے تسکین پائیں۔ معاصر ماہرین نفسیات اس خیال کو اہمیت نہیں دیتے کہ کوئی ایسا جبلی نظام موجود ہے جس کی وجہ سے حاجتیں خود بخود رفع ہو جاتی ہیں چونکہ یہ حاجتیں عام تفاعل یا بے چینی کی حالت میں ظاہر ہوتی ہیں اس لیے ان سے تسکین براری کا طریقہ سیکھنا چاہیئے مزید براں اس میں توازن اور اعتدال پسندی کی ضرورت ہے بہت زیادہ غذا، بہت زیادہ پانی اور بہت زیادہ آکسیجن زندگی کے لیے تباہ کن ہو سکتی ہے۔ مختصر یہ کہ اگر عضویہ کو تندرست یا زندہ رہنا ہے تو مناسب مقدار میں غذا پانی اور ایسی دوسری چیزوں کی ضرورت ہوگی۔ ذہنی حفظان صحت کے ماہرین ایک متوازن عضویاتی تسکین سے سروکار رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ جسمانی صحت ذہنی صحت کے لیے سنگ بنیاد ہے۔

مدرسہ اور عضویاتی حاجتیں

کیفے ٹیریا کے اندر متوازن غذا فراہم کرنے کے علاوہ بچوں کے لیے مناسب غذا کی فراہمی کے سلسلے میں مدرسہ براہِ راست کچھ نہیں کرتا۔ لیکن بالواسطہ طور پر عضویاتی

حاجتیں رفع کرنے کے سلسلے میں مدرسے کے اندر بہت کچھ ہوتا ہے۔ انہیں صحت مند عادتوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کے بعد معینہ وقت پر طبی معائنہ کرایا جاتا ہے۔ دانتوں کی دیکھ بھال سے متعلق امداد پہنچائی جاتی ہے اور مدرسے کے اندر صحت کے معمولات کا پابند بنایا جاتا ہے۔ مناسب روشنی اور ہوا کا انتظام اور فضائی رطوبت اور درجہ حرارت کے کنٹرول کی طرف توجہ دی جاتی ہے۔ اس کا مقصد محض ایک صحت مند ماحول پیدا کرنا نہیں ہے بلکہ شاگردوں کے سامنے ایک ایسی مثال پیش کرنی ہے کہ وہ اس قسم کے معاملات پر توجہ دیں۔ استاد پر پوری ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان عضویاتی حاجتوں کی تسکین کے سلسلے میں اقوال اور امثال کے ذریعے پڑھاتے۔

تفاعل اور آرام کی حاجت کے دوران جو قلبی میلان نظر آتا ہے اس کا جائزہ لیتے وقت پتہ چلتا ہے کہ حاجتوں کی نوعیت پیچیدہ ہوتی ہے۔ انسان اس لحاظ سے ایک بدکیش مخلوق نظر آتا ہے کہ جس چیز سے محروم ہے اس کی تمنا کرتا ہے اور جو شے اس کو دستیاب ہے اس کی خواہش نہیں رکھتا۔ جب وہ سرگرم عمل ہوتا ہے تو فوراً ہی اگلا مقصد خواہش میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ بعد میں اس کو آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ کچھ دیر بعد آرام کرنے کے تفاعل کا عمل شروع ہوتا ہے۔ کام اور آرام کے اس متبادل پہلو کو تسلیم کرنے کے بجائے مدرسہ اس کو صرف اس حد تک قبول کرتا ہے جس حد تک مضطرب بچے اپنی توجہ اس پر مبذول کر پاتے ہیں۔ مدرسہ والوں نے کام اور آرام کے متبادل وقفے کی ضرورت کو عملی طور پر ابھی حال میں تسلیم کیا ہے۔ ان میں سے بہت سے اب بھی اس نظریئے کی صحت کو تسلیم نہیں کرتے کہ آرام اور کام دونوں سے تعلیم ہوتی ہے۔ بچے صرف اس وقت نہیں سیکھتے جب وہ اپنی جگہ پر خاموشی سے بیٹھے ہوئے پڑھتے یا سنتے ہیں۔ بلکہ کھیل کے گھنٹے میں بھی سیکھتے ہیں۔ اس بات کو تسلیم کرنا چاہئے کہ تفاعل کی خواہش جو بچوں کے کھیل میں نظر آتی ہے وہ ایسی چیز نہیں ہے جس کو گوارا کیا جاتے بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کو بالیدگی اور نشو و نما کا ذریعہ سمجھ کر خوش آمدید کہا جاتے۔ یہ معاصر نظریہ مندرجہ ذیل الفاظ میں پیش کیا جا رہا ہے

بچوں کی نشو و نما کا مطالعہ کرنے والے طلبا اس بات کو سمجھ گئے ہیں کہ حیاتیاتی نقطۂ نظر کے مطابق بچوں کے بے ساختہ تفاعل کے ذریعہ ان قوتوں کا مناسب اخراج ہوتا

ہے جو اسخالی اور بنیادی عضویاتی عمل سے حاصل ہوتی ہیں۔ اسی کے ساتھ کھیل کے ذریعہ عصبی عضلاتی مہارتیں بھی سیکھتا ہے جیسے پکڑنا، پھینکنا، کھینچنا اور دوسری مہارتیں جن کا تعلق آنکھ اور ہاتھ کے باہمی ربط سے ہے اور جو ایک زیادہ پختہ عمل کے لیے لازمی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی مسلسل واضح ہوتا جا رہا ہے کہ بچپن کی شادمانی منجملہ سماجی رجحانات کی نشوونما اس بات پر منحصر ہے کہ بچے کو تفاعل کی اتنی واجبی آزادی حاصل ہو جس سے وہ جسمانی اور جذباتی طور لطف اندوز ہو سکے۔ ؎

بچوں کے تفاعل کی ضرورت کو تسلیم کرنے میں یہ بات شامل ہے کہ انہیں کھیل اور ورزش کا پورا پورا موقع فراہم کیا جائے۔ بچوں کی نقل و حرکت کے لیے جگہ چاہیے، شیر خوار بچوں میں بھی یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب انہیں بھینچ لیا جائے یا جب ان کے کپڑے اتنے تنگ ہوں کہ وہ آزادی کے ساتھ جنبش نہ کر سکیں تو بہت واویلا کرتے ہیں۔ اسکول کے منتظمین اور ماہرین فن عمارت بھی اس ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں چنانچہ مدرسے اور کھیل کے میدان کا نقشہ بناتے وقت لڑکوں کے آیندہ داخلے کو ذہن نشیں رکھتے ہیں۔ اس طرح ہر بچے کو نمو پانے ورزش کرنے اور تجربے سے سیکھنے کے لیے جگہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب کسی اسکول میں جگہ کی کمی پڑ جاتی ہے تو استاد اور منتظمین جگہ کا بہتر استعمال کرنے کے لیے وقفے کو آگے پیچھے سرکاتے رہتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا رہتا ہے کہ اساتذہ ڈیسک، کرسیاں یکساں طریقے سے پورے کمرے میں رکھنے کے بجائے کمرے کے ایک کونے میں ترتیب سے لگا دیتے ہیں تاکہ شاگردوں کو اول الذکر کے مقابلے میں زیادہ فرشی جگہ مل سکے۔ عضویاتی حاجتوں کی تسکین براری کے لیے اساتذہ اس طرح بھی معاون ثابت ہو سکتے ہیں کہ نشست کے طریقوں پر متوجہ ہوں۔ غلط نشست کے طریقے سے ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے اور سانس لینے میں دشواری ہوتی ہے۔ لیکن نشست کے عمدہ طریقوں کی ترغیب کا طریقہ پچھلی ایک دو دہائیوں کے طریقوں سے بہت مختلف ہے۔ پہلے پابندی کے ساتھ رسمی ورزش کا نظام الاوقات مرتب کیا جاتا تھا اور استاد اپنے شاگردوں کو ٹھیک سے کھڑے ہونے اور بیٹھنے کی تاکید کیا کرتا تھا۔ آج پورے جسم کی ورزش پر زور دیا جاتا ہے اس کے تحت شاگردوں کو اس بات کی ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ مختلف قسم کے رسمی اور غیر رسمی کھیلوں میں مشغول رہیں۔ آج کا استاد نشست کے غلط طریقوں پر متوجہ کرانے کے

بجائے یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہے کہ ہر بچہ اپنے لیے موزوں میز کرسی کا استعمال کرے اگر ڈیسک تطابق پذیر نہ ہوں تو طالب علموں کے قد کی مناسبت سے نششتیں دی جاتی ہیں تاکہ سب کو موزوں ترین جگہ مل سکے اور دوران سال میں جسمانی ترقی کے مطابق نششتیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ آج کا استاد یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ نامناسب نششت کا طریقہ ناکافی نیند اور غذا کی علامت ہے۔ اس لیے وہ والدین کے مشورے سے اس کی نیند اور غذا کی عادتوں کی طرف توجہ دیتا ہے۔ استاد یہ معلوم کرنے کے لیے بچوں کا مطالعہ کرتا ہے کہ اسکول کا پروگرام بحیثیت فرد بچے کے لیے زیادہ ہیجان پیدا کرنے کا باعث تو نہیں۔ اگر ایسا ہے تو وہ مناسب آرام کا انتظام کرتا ہے۔ اور اس کے مشاغل پر پابندی عائد کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ وہ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ نششت کا غلط طریقہ تھکان کی علامت ہے۔ بیشک بعض اوقات میں نششت کا خراب طریقہ محض عادت کی بات ہوسکتی ہے۔ ایسی صورت میں بھی استاد طلبار کو متوجہ کرسکتا ہے۔ اگر ایک بچہ لکھتے وقت کاغذ کو آنکھ کے بہت قریب رکھتا ہے تو استاد اس کو سر اٹھا کر لکھنے کی مناسب تاکید کرتا ہے تاکہ اس کی آنکھ اور کام میں مناسب فاصلہ قایم رہے استاد کو یہ بات نظر انداز نہیں کرنی چاہیئے کہ کہیں اس کی آنکھ چندھیا تو نہیں رہی ہے۔ یا کاغذ پر سایہ تو نہیں پڑرہا ہے۔ ان دونوں خرابیوں کو جگہ کی تبدیلی سے دور کیا جاسکتا ہے یا پھر بچے کو اس بات کی ضرورت ہوسکتی ہے کہ وہ عینک لگاکر اپنی بینائی درست کرسکے۔

معیاری طبیّ معائنہ جس کا پہلے ذکر ہوچکا ہے۔ ایک رسمی طریقہ کار بن جاتا ہے اگر اس کے بعد کا عمل جاری نہ رہے۔ اساتذہ اکثر محسوس کرتے ہیں کہ طبیّ معائنہ اور بعد کا عمل ڈاکٹر اور نرس کی ذمہ داری ہے لیکن ایسے اسکول میں یہ بات نہیں ہوتی جس میں اساتذہ کی معقول تعداد موجود ہے اگر طبیّ معائنے کی اہمیت ہے تو اساتذہ کو یہ ضرور معلوم ہونا چاہیئے کہ طبیّ رپورٹ کیا ہے اور اس کے بعد کے عمل کا مناسب طریقہ کیا ہے۔ طبیّ عملہ کے کسی رکن کا ایک مختصر لکچر اس کے لیے کافی نہ ہوگا۔ اب یہ ممکن نہیں ہے کہ جس طرح ایک گھنٹہ میں ریاضی کے پیچیدہ مسائل پڑھاتے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح ایک نششت میں صحت پر سبق دیا جاسکے اگر بعد کے عمل کا محض یہی مطلب ہو کہ کچھ سوا

پوچھ لیے جاتیں یا وقت معینہ پر یاد دہانی کرادی جاتے تو بھی کامیابی کے بہت زیادہ امکانات ہیں لیکن اگر بعد کے عمل میں یہ بات بھی شامل کہ استاد والدین سے رابطہ قایم کرے تو اور زیادہ اچھا ہو۔ اس پرانے مقولے میں کہ "اچھی صحت اچھے جسم پر منحصر ہے بہت کچھ صداقت ہے جبکہ ان دونوں کو ہم معنی نہیں تصور کیا جاسکتا، یہ ضرور تسلیم کرنا چاہیئے کہ ذہنی صحت کے حصول کے لیے ایک اہم قدم یہ ہے کہ جسمانی صحت کے اصولوں کے ذریعہ عضویاتی حاجتوں پر توجہ دی جاتے۔ مدرسہ کے اندر ذہنی حفظان صحت کے انسدادی اور اصلاحی پہلوؤں میں ان عوامل کو ملحوظ رکھنا اچھی بات ہے۔ اساتذہ اس بات کو نظرانداز نہیں کرسکتے کہ عضویاتی حاجتوں کی تسکین براری نہ ہونے کی صورت میں خراب ذہنی صحت کی علامتیں ظاہر ہوسکتی ہیں۔

بنیادی نفسیاتی حاجتیں

جس طرح جسمانی صحت پر عضویاتی حاجتوں کی تسکین براری کا انحصار ہے اسی طرح ذہنی نفسیاتی حاجتوں کی تسکین براری سے بھی ذہنی صحت اثرانداز ہوتی ہے۔ یہ ثابت کرنا مشکل ہوگا کہ حاجتوں کی تسکین زندگی کے لیے ضروری ہے لیکن ایسی تسکین ایک مکمل زندگی کے لیے اور ایک متوازن شخصیت کے لیے یقیناً ضروری ہے اس حصے میں بعض ایسی ہی حاجتیں درج فہرست ہیں اور ان کی تسکین کے لیے مشورے بھی دیئے گئے ہیں لیکن دراصل پوری کتاب انسانی حاجتوں کی تسکین براری کے مسائل سے تعلق رکھتی ہیں۔

احساس تحفظ کی حاجت

یہ تاثر آسانی سے پیدا ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کے ساتھ جیسا سلوک کیا جائیگا اسی کے مطابق اس کے احساس تحفظ کی حاجت پوری ہوگی اس بات پر اکثر زور دیا گیا ہے کہ بچہ خود کو اس وقت زیادہ محفوظ تصور کرتا ہے جب اس کے والدین اس کو پیار کرتے ہیں اس کو زیادہ وقت دیتے ہوں اس کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے ہوں جب اس کی حاجت روائی ہوتی رہتی ہے جب اس پر سخت گیری نہیں ہوتی اور

جب اقتصادی حالات ایسے ہوں جن میں ان عوامل کو اور اس کی عضویاتی حاجتوں کا لحاظ رکھا جا سکے۔

جب ایک بچے کو بھوک لگتی ہے اور اس کو خوراک مہیا کی جاتی ہے۔ اس وقت بھوک رفع ہونے کے علاوہ یہ اعتماد بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس کی حاجتیں پوری کی جا رہی ہیں۔ وہ یہ محسوس کر سکتا ہے کہ دنیا پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے چنانچہ جوں جوں سماجی مطابقت کے مشکل مواقع پیش آتے رہیں گے اس کو اس بنیادی حفاظت اور اعتماد کا آسرا حاصل ہوتا رہے گا۔ دوسری طرف اگر اس کو بھوکا رکھا جاتے یا اس کی مرضی کے خلاف بندھے ٹکے پروگرام سے کھلایا جاتے تو اس کے اندر دنیا کی طرف سے شک وشبہ اور خوف پیدا ہو سکتا ہے اور آنے والے تجربات میں اس کا طریقۂ کار شک وشبہ خوف اور عدم تحفّظ کے احساس پر مبنی ہوگا۔

ان باتوں کے علاوہ بچے کو اس احساس کی بھی ضرورت ہے کہ بالغ لوگ اس پر اعتماد رکھتے ہیں اس کو یہ ضرور جاننا چاہیئے کہ اس اعتماد میں بالغوں کی یہ بات بھی شامل ہوتی ہے کہ وہ اس کے اعمال پر زیادہ توجہ دیئے بغیر اس کی نیتوں پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

ذاتی تحفظ کے مسئلے سے متعلق ایک عامل جس پر کم توجہ دی جاتی ہے یہ ہے کہ ایک محفوظ شخص کو اپنے مسئلوں کو حل کرنے میں اپنی لیاقت پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ اپنی کامیابی کے راستے سے رکاوٹوں کو دور کرنا چاہیئے اور ہر قسم کے حالات میں ثابت قدم رہنا چاہیئے تحفّظ کے اس دوسرے عامل کو اکثر نظر انداز کیا جاتا ہے۔ تحفظ ایسی چیز نہیں ہے جو دوسروں سے ملے بلکہ اس کو حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ یہاں اس بات سے انکار نہیں کہ محبت توجہ اور والدین سے حاصل ہونے والی مادی سہولتیں اہم ہیں اس سے یہ ضرور مراد لی جاتی ہے کہ تحفظ کا انحصار خارجی عوامل کے علاوہ بھی کچھ پابندیوں پر ہوتا ہے۔ بڑوں کا پیار، ہمسروں کی محبت اس کی شروعات کے لیے اچھی باتیں ہیں لیکن جوں جوں بچہ بڑا ہوتا جاتا ہے وہ دوسروں پر کم انحصار کرتا ہے اور اس کے اندر خود اعتمادی زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ ایک بالغ جو دوسروں کا سہارا لیتا ہے تحفظ کا حقیقی اور آزادانہ تصور نہیں رکھتا۔ اس لیے ایک بچے کو دستکارانہ، ذہنی اور سماجی مہارتیں پیدا کرنے

کے مواقع فراہم کرتے وقت بڑوں کی زیادہ مداخلت نہیں ہونی چاہئے۔ یہاں پھران چند بنیادی حاجتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا تعلق آزادی کی ضرورت اور ترقی کے لیے ایسے موقعوں کی فراہمی سے ہے جو مختلف کھیلوں اور مشاغلی تجربوں کے ذریعہ بغیر کسی روک ٹوک کے حاصل ہوتے ہیں۔

جب تحفظ پیدا کرنے والے عوامل کم ہو جاتے ہیں تو لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ذہنی صحت کے بگڑنے کی علامتیں ظاہر ہوں۔ یہ علامتیں کئی شکلوں میں ظاہر ہو سکتی ہیں لیکن ایک طرف چند نمایاں شکلیں یہ ہوتی ہیں کہ خوف وہراس، بوداپن سماجی گھناپن، دروغ گوئی، چوری یا مقابلوں سے فرار کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور دوسری طرف انتہائی جارحیت، زدوکوب خودنمائی اور محسوس کوتاہیوں کی تلافی کی کوششیں شامل ہوتی ہیں۔

اسکول کے اندر تحفظ کا حقیقی احساس پیدا کرنے کے سلسلے میں جو کوششیں ہو سکتی ہیں اس کا سرسری خاکہ عدم تحفظ کے احساس کی علامتوں کا معائنہ کر کے پیش کیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے استاد کو چاہئے کہ شاگردوں سے شفقت کا اظہار کرے اس کو یہ بھی تسلیم کرنا چاہئے کہ ادارہ اور عمل ایک ہی بات نہیں ہے اس لیے شخصیت اور کردار کو سنوارنے کے معاملے پر عقیدہ ہونا چاہئے ان سب کو مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ بچے کو ویسا ہی نہیں ہونا چاہئے جیسا وہ ہے بلکہ ایسا بھی ہونا چاہئے جیسا وہ بن سکتا ہے بہرکیف اس سلسلے میں جو امداد پہنچائی جائے اس میں توازن کی ضرورت ہے۔ اساتذہ بعض دشواریوں کے سلسلے میں بچوں کے مددگار ثابت ہو سکتے ہیں لیکن اس بات میں احتیاط کی ضرورت ہے کہ بیجا تحفظ نہ کیا جائے۔ شرمیلے بچے کو استاد کا لاڈلا بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ سست آموز بچے کو ایسا ہی کام نہیں تفویض کرنا چاہئے جس کو وہ سہولت کے ساتھ انجام دے سکے بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر بچے کے بارے میں مکمل تفہیم پیدا کی جائے تاکہ اس بات کا پورا موقع مل جائے کہ وہ اپنی مخصوص صلاحیتوں کی نشوونما کر سکے اور اس کے اندر اپنے لیاقت کا احساس پیدا کر سکے۔ بڑی حد تک ہر بچہ ان مہارتوں کو پیدا کر کے اپنے اندر شخصی تحفظ کا احساس پیدا کر سکے گا۔

اس بات پر زور دیا جانا چاہئے کہ یہاں محفوظ رہنے کی حاجت نہیں بلکہ محفوظ رہنے کے احساس کی ضرورت زیر بحث ہے اس لیے وہ تحفظ غلط قسم کا ہوگا جو دوسرو کی حفاظت اور جامد ماحول سے حاصل کیا جائے۔ اگر ایک شخص میں یہ احساس تحفظ پیدا کر دیا جائے کہ اس میں تغیر پذیر حالات سے نپٹنے کی صلاحیت ہے تو اس کے اندر ایسے رجحانات پیدا ہو سکتے ہیں جو سدا بدلتی ہوئی دنیا سے مسلسل مطابقت پیدا کرنے میں معاون ثابت ہو سکیں۔ اگر اس نکتے کو ذہن نشین کر لیا گیا تو تحفظ کے اس پہلو پر بیجا زور دینے کا خدشہ کم ہو جائے گا جس کا انحصار دوسروں سے تعلق پیدا کرنے پر ہے۔

دست ورزی کی حاجت اور تجسّس کی تسکین

انسانی حاجتوں میں سے ایک حاجت نئے تجربے کی ہے جس کو نفسیات کے ماہروں نے فہرست میں شامل کیا ہے نوخیز بچوں میں پہلے پہل یہ لازمی خواہش نظر آتی ہے کہ جہاں تک ان کی رسائی ہو سکتی ہے وہ ہر شئے کو چھونے اور ٹٹولنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قبل مدرسہ بچوں میں یہ خواہش اس صورت میں نظر آتی ہے کہ وہ خود کو معمولات کے مطابق نہیں ڈھال پاتے۔ اس لیے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ مشاغل اور تجربوں میں برابر تبدیلی ہوتی رہے۔ مدرسے کے بچے نئی چیزیں اور نئے مقام کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار اس شکل میں کرتے ہیں کہ وہ اپنی خواہشات میں متواتر تبدیلی پیدا کرتے رہتے ہیں نتیجے کے طور پر ان کا دائرہ عمل وسیع ہوتا جاتا ہے نوجوان اپنے تجسّس کا اظہار اس طرح کرتا ہے کہ اپنے بزرگوں کے نیک مشوروں کو قبول کرنے سے احتراز کرتا ہے اور اپنے لیے سب کچھ خود دریافت کرتا ہے۔

بالغوں میں اس تجسّس کے اظہار کا انحصار شاید اس کے اپنے ابتدائی تجربات پر ہے بعض لوگوں کو مطالعے کی خواہش ہوتی ہے دوسرے لوگ اپنے وقت اور اپنی دولت کو سفر پر اور کچھ لوگ اپنی قوت تحقیق پر صرف کرتے ہیں۔ وہ لوگ بھی جن کا تجسس قوی نہیں ہوتا جامد اور بہت بندھے ٹکے ماحول سے غیر اطمینانی اور اکتاہٹ کا اظہار کرتے ہیں ایسا لگتا ہے کہ شاید بہت سے لوگ زیادہ تجسس کا اظہار کریں اگر انہیں تبدیلی ملازمت

اور تبدیلی رہائش پر ناکامی کا خطرہ نہ ہو۔

مصنف نے مستقبل کے اساتذہ کو درجے کے اندر اس بات پر متوجہ کیا ہے کہ بچے اپنے اسکول کے تجربوں کے سلسلے میں جس تجسس کا اظہار کرتے ہیں، لگتا ہے ان کی نفی ہوتی رہتی ہے۔ کنڈر گارٹن اور ابتدائی مدرسے کا بچہ سرگرم اور مشتاق ہوتا وہ اس بات سے بہت خوش ہوتا ہے کہ ایک ہفتے میں کئی دن اسکول کھلتا ہے لیکن وسطانیہ میں یہ خوشی کم ہوتی نظر آتی ہے اور جوں ہی وہ ہائی اسکول میں پہنچتا ہے اس کو یہ ملال ہونے لگتا ہے کہ سنیچر اور اتوار اتنے کم کیوں ہوتے ہیں۔ یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ اس قسم کی بہت سی باتیں ایمائی نفسیات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں جس کے تحت اگر کسی بچے کا داخلہ اپنی پسند کے مدرسے میں ہو جائے تو اس کو بھی یہ سب باتیں بری معلوم ہوں گی لیکن مدرسے کی ناپسندیدگی بہت کچھ اس وجہ سے ہو سکتی ہے کہ اس کے اندر دست ورزی، براہ راست تجربے اور ذاتی تجسس سے تسکین حاصل کرنے کے کم مواقع ملتے ہیں۔ کیسر ولین پرٹ نے اپنی فکر انگیز کتاب "میں بچوں سے سیکھتا ہوں" میں موثر طریقے سے بیان کیا ہے۔

"لیکن بچہ بغیر روک ٹوک کے کام کرتے وقت تضیع اوقات نہیں کرتا۔ ایک منٹ بھی نہیں وہ اپنے اندر کی تھوڑی بہت حرارت سے متواتر کچھ کرنے کے، دیکھنے کے اور سیکھنے کے لیے ترغیب حاصل کرتا رہتا ہے آپ کو کہیں بھی ایسا بچہ نہیں ملیگا جو خاموش اور بیکار بیٹھے تاوقتیکہ وہ بیمار نہ ہو یا کسی روایتی مدرسے کے کمرے میں نہ ہو۔

میں نے بچوں میں دیکھنے، چھونے اور تجربہ کرنے کی لگن دیکھی ہے جب ہم دنیا کے بجائے استاد اور زندگی کے بجائے کتابوں کی ثانوی ذریعوں سے فرمودہ معلومات دینے لگتے ہیں تو یہاں بھی ہم بچوں کو خراب کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ مسلسل وسعت پذیر دنیا کے بارے میں تعلیم دیتے وقت ایک ایسا لمحہ بھی آتا ہے جب بچہ خود باہر نکل کر مشاہدہ نہیں کر سکتا اس لیے وسعت زمان و مکاں کا علم حاصل کرنے کے لیے اسے کتاب اور میوزیم سے رجوع کرنا پڑتا ہے لیکن وہی لمحہ بہت نازک ہوتا ہے جب بچہ ثانوی ذریعوں سے تعلیم حاصل کرنا شروع کرتا ہے بہت نازک ہوتا ہے۔ قبل اس کے کہ بچہ خود ہی معلومات فراہم کرنا اور زندگی سے ان کا تعلق پیدا

کرنا اور خود ہی سوال کرنا اور خود ہی جواب ڈھونڈنا سیکھے اگر ہم اس کو ثانوی ذریعوں کیطرف زبردستی مائل کر دیں تو یہ بچوں کی خواہشات کے خلاف ہوگا۔

تجسس کی تسکین کے لیے اساتذہ ایک طریقہ یہ اپنا سکتے ہیں کہ بیجا تنظیم اور معمولات کے نظام سے پرہیز کریں کیوں کہ ان کی وجہ سے یکسانیت پیدا ہوتی ہے۔ گھڑی کے مطابق اوقات کی پابندی اور نصاب اور نصاب کی غلامانہ پیروی متن تک محدود رہنا اور مضمون اور تکنیک کی حد سے گریز نہ کرنا ہی طریقے ہیں جو تجسس کو سلا دیتے ہیں۔ تجسس ایک انفرادی اور شخصی مسئلہ ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ متنوع قسم کے جماعتی مشاغل کے ساتھ ساتھ انفرادی مذاق کے بھی مشغلے فراہم کیے جائیں اساتذہ کو مسلسل یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ اپنی تدریس کو ٹھوس بنائیں۔ کنڈرگارٹن، ہائی اسکول اور کالج ہر سطح پر اس بات کے مواقع فراہم کرنے چاہئیں کہ ان چیزوں کو جن کا مطالعہ مقصود ہو بچہ چھو سکے، ٹٹول سکے اور برت سکے جیسا کہ کیوری لین پرٹ نے اشارہ کیا ہے کہ ثانوی وسائل استعمال کرنے کا رجحان اب بھی جاری رہے۔ مثال کے طور پر استاد کا لکچر اور متموں کی پڑھائی جو بہت زیادہ رہا ہے اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تجسس میں کمی ہو جاتی ہے۔ اساتذہ یہ محسوس کریں گے کہ تعلم کے کام میں لفاظی کا طریقہ ناکافی سمجھا جاتا ہے۔ شہریت کا مفہوم جاننے کی خواہش کو اس طرح پورا کیا جا سکتا ہے کہ شہریت کے سلسلے میں مشاغل سے براہ راست تعلق پیدا کر دیا جائے بجائے اس کے کہ علم تمدن کی کتاب کے ہر باب کے آخر میں دیئے ہوئے سوالات حل کرا دیئے جائیں۔ اساتذہ اس قدر جلد بازی میں سوالوں کے جواب دیتے ہیں کہ تجسس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سوال کا جواب نہ جاننا معیوب بات ہے اس لیے بعض اساتذہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ جواب سے ناواقف ہیں اپنی ناواقفیت چھپانے کے لیے مبہم جواب دینے لگتے ہیں یا وہ بات کرنے لگتے ہیں جس سے پوری حقیقت واضح نہ ہو سکے ایک صاحب فکر استاد اپنے شاگردوں کے سوالات کو ترقی کا آغاز سمجھے گا نہ کہ انجام۔ وہ اپنے شاگردوں میں اس طرح تحریک پیدا کر سکتا ہے کہ سوالات کے لیے گرمجوشی پیدا کرے معلومات فراہم کرنے کے ذرائع بتائے اور اس سلسلے میں بچوں کی کوششوں کی ہمت افزائی کرے۔ وہ اساتذہ جو اپنی بات کو کتاب مقدس کی عبارت نہیں تصور

کرتے اور بچوں کے ساتھ خود سیکھنے کا رویہ رکھتے ہیں وہی بچوں میں تجسس پیدا کرنے میں کامیاب ہوں گے۔

بچوں کے جوابات کو بدل کر بیان کرنے سے بھی بچوں کے تجسس پر بُرا اثر پڑتا ہے بہت سے اساتذہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اگر کسی خاص مسئلے یا مطالعے کا ٹھیک ٹھیک وہ نچوڑ نہ پیش کیا گیا جو ان کے ذہن میں ہے تو یہ مناسب بات نہ ہوگی۔ اس لیے وہ اس قدر نپی تلی زبان میں ان باتوں کو بیان کرتے ہیں کہ مسئلہ پوری طرح واضح ہو جائے لیکن اس سے استاد کو بھلے ہی تسکین حاصل ہو شاگرد کو نہیں ہوتی۔ استاد جلد ہی دو غلط تصورات قایم کر لیتا ہے ایک یہ کہ وہ شاگردوں کے جواب کو سننے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ استاد کو بہر کیف اپنے دعوے کو قطعی سمجھنا ہے۔ دوسرا غلط تصور یہ ہے کہ استاد چونکہ خود جواب فراہم کرتا رہے گا اس لیے شاگردوں کو ضرورت نہیں کہ وہ خود معلومات حاصل کرنے کی کوشش کریں وہ کوشش کے بغیر استاد کی الہامی باتوں سے زیادہ استفادہ کر سکتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صرف الفاظ سننے میں آتے ہیں علم نہیں حاصل ہوتا اور حقیقی تجسس کی تسکین براری نہیں ہوتی۔

بعض جماعتوں میں اس بات کی بہت کوشش کی جاتی ہے کہ بچوں کے تجسس کی تسکین براری کو تسلیم کیا جاتے اور اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ابتدائی جماعتوں میں اسا اساتذہ بچوں کے تجربات کو تدریس کا وسیلہ بناتے ہیں۔ بچے کسی مشغلے یا سیر و سیاحت میں مصروف ہوتے ہیں اور اپنے مشاہدات قلمبند کرتے ہیں۔ مڈل اور اعلیٰ جماعتوں کے لڑکے مختلف کمیٹیوں کا گر سیکھتے ہیں جن کے ذریعے اس مرکزی موضوع سے متعلق جس کا مطالعہ مقصود ہوتا ہے معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔ جونیئر ہائی اسکول کے بچے کارخانوں سرکاری تنظیموں تجارت کے مختلف مرکزوں کی سیر کرتے ہیں اور ان مشاغل میں جن سے انہیں دلچسپی ہوتی ہے شریک ہوتے ہیں۔ ان مرکزی موضوعات کو وہ اپنے مطالعے کا مرکز بناتے ہیں اور حقیقی علم حاصل کرتے ہیں۔

ہائی اسکول کے اساتذہ نے بہت پہلے سے سیر و سیاحت کو تعلیم کا ایک موثر ذریعہ بنا لیا ہے لیکن جس مطالعے کی بنیاد کام کے تجربات پر ہوتی ہے اس میں دست ورزی اور براہ راست حصول تسکین کے زیادہ مواقع ملتے ہیں۔ کام کے ذریعہ جو تجربہ حاصل ہوتا

ہے اس میں حقیقت کا عنصر ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے درسی کتابوں کے نظری پہلوؤں کی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے۔

فوراپچ کلب کے ذریعہ اس کی اہمیت کو پہلے سے ہی تسلیم کر لیا گیا ہے فی الوقت بڑے شہروں میں محض چھوٹے پیمانے پر اس کی شروعات ہوتی ہے۔ لیکن جہاں ان طریقوں کی آزمائش ہوتی ہے وہاں بچوں کے تجسس میں جان پڑ جاتی ہے۔

تحصیل کی حاجت

جیسا پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے تحصیل کی حاجت کا تحفظ کی حاجت سے گہرا تعلق ہے۔ ہر شخص تحصیل کی حاجت کا اظہار کرتا ہے صرف اس لیے نہیں کہ وہ دوسروں کی نظروں میں موقر رہے بلکہ اس لیے بھی کہ وہ اپنے کام کی تحصیل سے تسکین پاتا ہے۔ ایک شخص اپنے ساتھیوں کے مقابلے میں بہتر گولف کا کھلاڑی ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ زیادہ کامیابی کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ ایک شخص ۹۰ الفاظ فی منٹ کی رفتار سے ٹائپ کر سکتا ہے لیکن اس میں حسن کارکردگی کو بڑھانے کی خواہش مسلسل جاری رہتی ہے۔ اپنی جماعت میں ایک طالب علم الجبرا میں سب سے بہتر ہو سکتا ہے لیکن اس کی وجہ سے وہ معمولاً الجبرا سے دست بردار تو نہیں ہو جاتا۔ تحصیل میں بذات خود ایک ذاتی تسکین ہوتی ہے جو سماجی ضرورتوں سے بالاتر ہوتی ہے۔ ایک کم عمر بچہ اگر خود سے قمیص پہن سکتا ہے چاہے وہ بے ڈھنگ پن سے ہی کیوں نہ پہنے تو وہ دوسروں کی مدد سے پہننے میں مزاحمت کرتا ہے۔ ایک بچہ لکڑی کے دو ٹکڑوں کو کیلوں سے جوڑ کر یا باندھ کر اگر ہوائی جہاز کا کھلونا بنا سکتا ہے تو اس بچے کے لیے اس کھلونے کی قیمت اس قیمتی کھلونے سے زیادہ ہوگی جو اس نے کسی بڑی دوکان سے خریدا ہو۔ کچھ لوگوں کو جسمانی کسرتوں میں اور بعض کو ذہنی مشغلوں میں تحصیل کی تمنا ہوتی ہے اور بعض لوگ ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو ایک عمدہ اخلاقی زندگی کی آرزو کریں اور اپنی تجارتی دنیا میں اس کو اپنائیں۔ کسی شخص کے حصول مقصد کے طریقے کا انحصار اس کی صلاحیتوں اور اس کے اپنے ماحول پر ہوتا ہے۔ لیکن مطلوبہ تحصیل کی نوعیت سے قطع نظر ہر شخص میں بنیادی طور سے کوئی نہ کوئی خواہش ہوتی ہے۔

احساس تحصیل میں ناکامی کی وجہ سے شخصیت پر براہ راست اثر پڑتا ہے۔ وہ شخص جو کسی کام کی تحصیل میں ناکام رہتا ہے ایک ناکارہ مجہول اور بے اثر شخص بن جاتا ہے وہ مقابلے کے میدان سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور ان محرکات کا ساتھ نہیں دے پاتا جن سے شخصی بالیدگی پیدا ہوتی ہے دراصل وہ ایک ایسا شخص بن جاتا ہے جس میں زندگی نہ ہو بس اس کا ایک وجود باقی ہو۔ وہ بہترین صورت میں خود اپنے لیے ایک بوجھ بن گیا ہے اور بدترین صورت میں ایک ذہنی مریض جس کا وجود سماج کے لیے واقعی ایک خطرہ ہے یا خطرے کا پیش خیمہ ہے۔ چونکہ نفسیاتی پختگی کے زمانے میں فرد کی شخصیت ایک طویل مرحلے سے گزرتی ہے اس لیے اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ مدرسہ کے بچوں کی شخصیت میں کوتاہی کی ابتدائی علامتیں زیادہ نظر آتی ہیں۔

خوش قسمتی سے ایسی بہت سی باتوں کا علم ہو چکا ہے جن سے بچوں کے اندر تکمیل کی حاجت پوری ہو سکے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس سلسلے میں جو علم حاصل ہو چکا ہے اس کو جماعت کے اندر استعمال کیا جائے۔ اس سلسلے میں پہلی قابل لحاظ بات یہ ہے کہ اساتذہ اپنے پیشے سے متعلق ان تمام کتابوں کا مطالعہ کریں جن سے انفرادی فرق کی وضاحت ہوتی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ملک کے بیشتر اسکولوں میں جو معمول کی یکسانیت پائی جاتی ہے ان میں اس بات کے پیش نظر تبدیلی کی جائے کہ تحصیل کی صلاحیتوں میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے اور پھر اسی کے مطابق خالص علمی صلاحیتوں کے علاوہ دیگر صلاحیتوں میں اس کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ اکثر تکمیل کے کسی پہلو کو علاحدہ کر کے اس کی تعریف کی جاتی ہے مثال کے طور پر محض جسمانی کسرت کو سراہا جاتا ہے اور آرٹ، تحریر، رقص اور علمی برتری کے میدان میں تحصیل کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ استاد کا شوق چونکہ وسیع المشرب ہوتا ہے اس لیے وہ عدم توازن کی تلافی کر سکتا ہے۔ انفرادی فرق کے پیش نظر دوسری ضرورت یہ ہے کہ استاد ناگوار تقابل نہ کرے اور افراد کے درمیان کوئی ایسا تقابل نہیں ہے جو ناگوار نہ ہو۔ ایسی نصیحتیں " دیکھو میری نے کتنا صحیح حساب حل کیا ہے!" کبھی نہیں سنی جانی چاہئیں۔ کسی بچے کا جائزہ اس طرح لینا چاہیے کہ مقررہ وقت میں اس نے کتنی ترقی کی ہے نہ کہ اس کی مطلق حیثیت کا جائزہ لیا جائے۔ کردار کی مقصدیت کے سلسلے میں اس بات کا اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ مقاصد تین قسم کے ہونے چاہئیں یعنی فوری

مقصد، درمیانی مقصد اور طویل المدت مقصد۔ ہائی اسکول کی اور اس سے پہلے کی منزلوں پران مقاصد پر زور دیا جاتا ہے جو فوری طور پر قابل حصول ہوں۔ بجائے اس کے کہ سال کے آخر میں پاس ہو جانے کو مقصد قرار دیا جائے۔ گریڈ اور نمبر کو مجرد علامتوں کی شکل میں دینے سے چند بچوں میں تو تحریک ذہنی پیدا کی جاسکتی ہے لیکن اکثر و بیشتر کے نزدیک یہ بے معنی ہیں۔ ایک خصوصی کام کو بخوبی انجام دینا شخصی تجسس کی تسکین پانا اور کسی کمیٹی کی ذمہ داری سے عہدہ برا ہونا۔ یہ سب فوری مقاصد قرار دیئے جاسکتے ہیں اور ان کے ذریعہ دیرپا تحریک پیدا کی جاسکتی ہے۔ تجربے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ترقی سے باخبر رہنا بھی تجسس قایم رکھنے کا ایک ذریعہ ہے اگر بچوں کو کسی کام پر اس طرح لگا دیا جاتے کہ انہیں اپنے کام کی ترقی کا کچھ علم نہ ہو تو ان کا شوق بہت جلد ختم ہو جاتا ہے اور اگر انہیں ترقی کی رفتار سے باخبر رکھا جاتے تو شوق باقی رہتا ہے۔ اس طرح استاد پر یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ بچوں کی رفتار سے بچوں کو اس طرح باخبر رکھے کہ وہ بچوں کے لیے معنی خیز بن جاتے۔

تحصیل کی حاجت بھی کامیابی کی حاجت کی شکل میں بیان کی جاسکتی ہے۔ کامیابی کو مطلق اور تکمیل کو اضافی اور ذاتی لحاظ سے تصور کیا جاسکتا ہے۔ یعنی اگر کوئی دوڑ میں پھسڈی ہے تو یہ نہیں محسوس کرسکتا کہ وہ کامیاب ہوگیا ہے لیکن دوڑ کے مقابلے کے لیے اگر اس نے ضروری استعداد پیدا کرلی ہے اس کی وجہ سے بجا طور پر وہ تکمیل کا احساس پیدا کرسکتا ہے۔ بظاہر یہ بات بال کی کھال نکالنے کے مترادف معلوم ہوتی ہے لیکن مدرسہ کے دستور میں اس کو ایک اہم حیثیت حاصل ہے۔ انفرادی فرق کی وجہ سے یہ تو ممکن نہیں کہ سب کو ایک ہی درجے کی کامیابی حاصل ہو۔ لیکن کسی بچے کو یہ احساس نہیں ہونا چاہئے کہ چونکہ اس کا کام دوسروں کے معیار کا نہیں ہے اس لیے وہ ناکام رہا ہے اگر ایک بچہ اپنی خامیوں پر قابو پاتا جارہا ہے تو اس کو یہ محسوس کرانا چاہئے کہ وہ کامیابی کی منزل میں ہے اس لیے کہ تمنا کی مختلف سطحوں پر مدور اثرات کارفرما ہوتے ہیں یعنی جس درجے تک کوئی تحصیل کرپاتا ہے اسی حد تک مقصد کی جانب وہ اپنی سرگرمیوں میں استقلال پیدا کرپاتا ہے۔ کامیابی یا ناکامیابی کو اصراف قوت سے نہیں ناپا جاسکتا بلکہ اس کا تعلق تمناؤں کی سطح سے ہوتا ہے۔ ہم میں سے اکثر لوگ متوقع انعامات نہ حاصل کرسکنے پر

بے حد اظہار تاسف کرتے ہیں ہمیں سب سے زیادہ مایوسی اس وقت ہوتی ہے جب اپنی قوت صرف کرنے کے بعد ہمیں کچھ بھی حاصل نہیں ہو پاتا۔ یہ صورت حال استاد کے لیے دُہرا چیلنج ہے ایک طرف تو اس کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ مقاصد آسانی سے نہیں حاصل ہو پاتے اور دوسری طرف تکمیل میں ناکامی بچے کا مقدر نہ بن جاتے۔ انفرادی تمناؤں کی سطح پر اثرانداز ہونے والے دو اور عوامل ہیں۔

(۱) استاد کے ذریعہ پسندیدگی اور تعریف (۲) استاد کی عزت یا طالب علم اور استاد کے درمیانی رابطہ۔

خود مختار ہونے کی حاجت

نفسیات میں نظریہ تحلیل نفسی کے بانیوں میں ایک مشہور بانی ڈاکٹر (Dr. Alfred Adler) نے احساس کمتری پر قابو پانے کی ایک اہم حاجت پر زور دیا ہے۔ ہم کمزور، مجبور اور پابند پیدا ہوتے ہیں۔ انہیں کمیوں کی تلافی کرنے اور ایک خود مختار شخص بننے کا نام زندگی ہے وہ خود ادعائی ہیجان کو زندگی کی ایک نمایاں قوت عمل تصور کرتا ہے۔ یہ ایسا ہیجان ہے جو آدمی کے ماحول اور اس کے احساس عدم تحفظ سے پسپا ہوتا رہتا ہے۔ اس طرح خود مختاری کی حاجت تکمیل کے لیے بیک وقت قوت عمل بھی ہے اور ناکامی اور عدم مطابقت کا ایک سبب بھی۔ آر۔ ایس۔ وڈورتھ (R. S. Woodworth) ایڈلر کے نقطۂ نظر کا جائزہ لیتے وقت بیان کرتے ہیں۔

ایڈلر کی نفسیات میں صداقت اور حقیقت ہو یا نہ ہو اس کے اندر اتنی سچائی ضرور ہے کہ اس کا اطلاق پر فوراً ہوتا ہے ...... خاص طور سے بچوں کو اپنے مسائل حل کرنے میں اس سے خاطر خواہ مدد ملتی ہے ایڈلر کے طرز نظر کی افادیت تسلیم کی جا چکی ہے۔

خود مختاری پر زور دینے سے تعلیم کے ان نظریوں کی حمایت ہوتی ہے جن کا تعلق تعلیم کے جمہوری دستور سے ہے اور خاص طور اس کے ذریعہ شخصی مشاغل اور نشوونما کے عمل میں آزادی حاصل ہوتی ہے۔ اگر اساتذہ اس تصور سے آزادی حاصل کریں کہ مجوزہ نفسیات اور عائد کردہ اختیار ترقیاتی تعلیم کا ایک واحد ذریعہ ہے تو سمجھ لیجئے کہ یہ خود مختاری کی حاجت براری کی جانب یہ ایک اہم قدم ہے۔

اس بات کو پورے وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ زندگی کے کسی خاص زمانے میں خودمختاری کی حاجت بہت شدید ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ والدین نے خودمختاری کا مناسب احساس پیدا کرنے کے مواقع فراہم کر دیئے ہوں اور ہو سکتا ہے کہ ابتدائی مدرسے کے اساتذہ نے بھی ایسی ہی دانشمندی کے مواقع فراہم کیے ہوں تاہم خودمختاری کی حاجت عنفوان شباب میں بھی کسی طرح کم نہیں ہوتی۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ نمو پذیر بچوں کی رہنمائی کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن اس کا یہ مطلب ضرور ہوتا ہے کہ آمرانہ طریق کار شخصیت کی باقاعدہ نشوونما میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ اساتذہ کو ہر منزل پر اجتماعی مباحثوں میں حصہ لینے، شخصی مقاصد میں متعین کرنے، غلطیاں کرنے اور گوناگوں تجربات حاصل کرنے کے مواقع فراہم کرنے چاہئیں۔ ان سب باتوں سے انہیں زیادہ خودمختار ہونے کے مواقع ملیں گے۔ اس طرح کے طریق عمل سے جمہوریت کو برتنے کا موقع ملیگا اور ایک پختہ اور صحت مند شخصیت کی نشوونما ہو سکے گی۔

فیڈرل سیکورٹی ایجنسی، آفس آف ایجوکیشن نے ایک بلیٹین "آپ کا مدرسہ کتنا جمہوری ہے" کے نام سے شائع کیا ہے جس میں سوالات کی ایک فہرست دی ہوئی ہے ان کے ذریعے خودمختاری کی حاجت روائی کے سلسلے میں مفید مشورے بھی درج کر دیئے گئے ہیں۔ وضاحت کے لیے دس سوالات منتخب کیے گیے ہیں۔

کیا آپ کے جماعت کے بچوں کو منصوبے اور زیر غور مسئلوں کے چناؤ میں رائے دینے کا حق ہے؟۔

کیا آپ کی جماعت میں سست آموز بچے کو کچھ ایسے کام بھی سونپے جاتے ہیں جن کو وہ نسبتاً بہتر طور پر انجام دے سکے۔

جب آپ کے بچے اشتراک باہمی کے کسی کام میں منصوبہ بناتے ہیں تو وہ کہاں تک متفقہ تفویضات اور ذمے داریوں سے عہدہ برا ہوتے ہیں۔

کیا آپ اپنے طالب علموں کے سامنے یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جماعت کے اندر جو سوالات پیدا ہوتے ہیں ان سب پر آپ کو قدرت حاصل نہیں ہے؟۔

کیا آپ کے شاگرد بچوں کی حکومت کے کاموں میں شرکت کے خواہاں ہوتے ہیں؟

کیا مدرسے کے اخبار یا رسالے کی اشاعت کے سلسلہ میں متعلم ایڈیٹر کو پریس کی

آزادی حاصل ہے۔ کیا طالب علم کو مدرسہ کے اجتماعی مباحثے میں حصہ لینے کا موقع ملتا ہے؟۔

کیا طالب علموں کو اس بات کے معقول مواقع ملتے ہیں کہ استاد نے ان پر بداخلاقی کے جو الزامات لگائے ہیں ان کی صفائی پیش کر سکیں۔

کیا طالب علموں کو اس بات کے مواقع فراہم ہوتے ہیں کہ وہ انجمن طلبا ء کے مشاغل زیر بحث لاسکیں؟۔

یہ مواقع فراہم کر کے نوعمر بچوں کو نہ صرف جمہوری مشاغل کی اعلیٰ تربیت دی جاتی ہے بلکہ اس کے خود رہبرانہ کردار کی جانب رہنمائی ہوتی ہے جس کی مضبوط گرفت ایسی پختہ کار شخصیت پر ہوتی ہے۔ جو خود مختاری اور اشتراک باہمی کی سعی سے مرکب ہے۔

بنیادی سماجی حاجتیں

بنیادی سماجی حاجتوں کی حاجتوں میں کوئی نمایاں فرق نہیں۔ ہر قسم کی حاجت کسی دوسری قسم کی حاجت میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ اس طرح یہ ایک دوسرے سے مختلط ہوجاتی ہے باوجودیکہ بعض نفسیاتی حاجتوں پر سماجی حاجتوں کا اثر ہوتا ہے تاہم اس باب میں جن حاجتوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ سب سماجی نوعیتو ں کی حامل ہیں ہیں حاجتوں کی اس اصناف بندی میں وہ حاجتیں شامل ہیں جن کا تعلق ایک متوازن نشوونما سے ہے نہ کہ ان حاجتوں سے جو زندگی کے لیے درکار ہوں۔

چاہے جانے کی حاجت

اس حاجت کو زیادہ موزوں طریقے پر اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ اگر کسی کو مسرور اور فرد فرد بننے کی خواہش ہے تو اس کو چاہنے اور چاہے جانے کی بھی حاجت ہوتی ہے محبت کے دونوں پہلوں یعنی چاہنے اور چاہے جانے کی حاجت ملحوظ رکھنا چاہیئے۔
بچوں کے معالجین نے موجودہ اور ہونے والے والدین کو صلاح کاری کے دوران محبت

کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ امراض نفسی کا نظری علم رکھنے والے ماہرین اور عملی تجربہ رکھنے والے معالجین نے شفقت آمیز پرورش کی شفارش کی ہے، انہیں بتایا گیا ہے کہ محبت پیدا نہیں کی جا سکتی۔ بچے جانتے ہیں کہ کب ان سے سچا پیار کیا گیا ہے اور اسی کے مطابق ان کا جوابی عمل بھی ہوگا۔ پابند تجرباتی صورتِ حال میں اس بات کا مشاہدہ کیا گیا ہے کہ جن بچوں کا وزن معمول کے مطابق نہیں بڑھتا اور جن کے تفاعل میں معمول کے مطابق ترقی نہیں ہوتی، انھیں بچوں کو گلے لگالیا جاتے، باہنوں میں جھلایا جاتے اور ان سے پیاری پیاری باتیں کی جائیں تو نہ صرف ان کا وزن معمول کے مطابق ہوجاتا ہے بلکہ ان میں زیادہ فعالیت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اپنے گرد وپیش کی چیزوں میں زیادہ دلچسپی لینے لگتا ہے۔ اساتذہ نے اکثر یہ تحریر کیا ہے کہ بعض بچے اس وجہ سے مسئلہ بن جاتے ہیں کہ گھر میں انہیں کم پیار ملتا ہے۔ ان کا یہ بھی مشاہدہ ہے کہ جب ان کے والدین کو یہ مشورہ دیا گیا کہ وہ ترش روئی اور اکھڑپنے کا برتاؤ ترک کردیں اور بچے کو زیادہ وقت دیں تو دیکھا گیا کہ بچوں کے کردار بہت کچھ سدھر گئے۔ کبھی کبھی کوئی ایسا شخص جو کسی شدید مرض میں مبتلا ہوتا ہے طبی علاج سے مایوس ہونے کے بعد محض اس لیے شفایاب ہوجاتا ہے کہ اس نے اپنے کسی پیارے کی خاطر جینے کا عزم مصمم کرلیا ہے۔

پورے وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ محبت سے محروم رہنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اس لیے کہ محبت بذات خود ایک غیر مرئی شے ہے۔ بہت سے عالموں کے خیال میں یہ تسلیم کرنا سودمند ہوگا کہ دوائیوں کے استعمال کی عادت، شراب نوشی، سیلانی پن اور عدم تکمیل کا میلان اور اسی قسم کی دوسری تمام عادتوں کو محبت کی کمی سے تقویت پہنچتی ہے باوجودیکہ اختیاری معطیے نہیں دستیاب ہو پاتے پھر بھی اسکول کے بچوں کے تجربی مشاہدات سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے۔ کہ بھگوڑا پن، تطبیق کی کمی، واماندگی، سماج دشمن اور غیر سماجی کردار محبت کی کمی کا نتیجہ ہیں۔ اگر محبت کی وجہ سے دنیا میں شادمانی نہیں پیدا ہو سکتی تو کم سے کم زندگی کے دھارے میں پرسکون روانی تو پیدا کرسکتی ہے۔ چاہنے کی حاجت اور چاہے جانے کی حاجت ایک دوطرفہ عمل ہے یقین کے ساتھ تو نہیں کہا جا سکتا لیکن اس کا امکان ضرور ہے کسی شخص سے جتنی محبت کی

جائے گی وہ اسی قدر دوسروں سے بھی محبت کرے گا جس شخص کو ایسی صورت حال سے سابقہ پڑجائے تو سمجھئے کہ اس نے ذہنی صحت کے بنیادی عوامل حاصل کر لیے۔ ذہنی حفظان صحت کے کارکن کی حیثیت سے ہمارا خصوصی تعلق اس دوسرے پہلو سے ہے۔ ایک آدمی جو دوسروں سے محبت نہ کرسکے اور اپنی خود غرضیوں میں محصور ہو اس کی مثال ایک رسی سے بندھی ہوئی چاک کے مدار کی سی ہے، جہاں تفاعل کا حلقہ عمل محدود ہو جاتا ہے اور جذباتی پختگی کے امکانات ختم ہو جاتے ہیں۔

" دنیا میں جتنی بھی بصیرتیں نازل ہوئی ہیں ان میں بعض اعتبار سے سب سے زیادہ جرأت مندانہ مگر بظاہر احمقانہ حضرت عیسیٰ کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان کو ایک دوسرے سے محبت کرنی چاہئے "۔

"ایک نیا حکم الٰہی تم پر نازل ہو رہا ہے کہ تم ایک دوسرے سے محبت کرو۔"

ہم ان کے سامعین سے تحیّر اور مکروہ تمسخر کا ایک بات سے بآسانی اندازہ کرسکتے ہیں کہ وہ دنیا جو ابھی تک عالم گیر انصاف کی منزل سے کوسوں دور تھی عالم گیر محبت کی اہمیت کو کیسے قبول کرسکتی ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ یہ نیا حکم الٰہی میں کہیں اوپر سے نہیں آیا ہے اور نہ ہی یہ مہمل اور نہ خود ساختہ ہے بلکہ یہ انسانی فطرت کی ایک گہری بصیرت ہے جو ابھی تک حاصل نہیں ہو پائی ہے۔ آج کا ہر ماہر علاج نفسی اس سچائی کی تصدیق کرے گا کہ انسان کی نفسیاتی صحت اسی قدر بہتر ہے جس قدر وہ مثبت انداز میں اپنے ہم نفسوں سے خلد ملد پیدا کر لیتا ہے نفرت کرنا اور خوف کھانا نفسیاتی بیماری ہے۔

اساتذہ جماعت کے اندر ایک دوستانہ ہمدردانہ ماحول پیدا کر کے اس حاجت کو پورا کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ خود اپنی محبت کی حاجت روائی کے لیے کوشش کرسکتے ہیں۔ اگر اساتذہ اپنے تجربوں سے سیکھیں تو انہیں محسوس کر لینا چاہئے کوئی بھی کامل نہیں ہوتا اور ایسی صورت میں شاگردوں سے کوتاہی اور انحراف کی بالکل توقع ہے۔ بچوں کی حقیقی تفہیم سے ہی ہمدردی اور شفقت پیدا کی جاسکتی ہے۔ حقیقی تفہیم اس طرح پیدا ہو سکتی ہے کہ شاگردوں کے ریکارڈ، طبی رپورٹ، گھریلو حالات اور ان کی دلچسپیوں سے متعلق تجزیاتی جائزہ لیا جائے اور ان سے بات چیت کی جائے

انسانی تعلقات میں خوشگواری پیدا کرنے کا ایک خفیہ گر ہے وہ یہ کہ تفہیم اور جانکاری پیدا کرنے کے لیے وقت صرف کیا جاتے ۔

بچوں سے محبت جتانے کے ایک دشواری یہ ہے کہ جو بچے محبت کے بہت حاجت مند ہوتے ہیں ان کے رویتے سے ایسا گمان ہوتا ہے کہ ان کو استاد کی توجہ درکار نہیں۔ یہ بچے وہ ہوتے ہیں جو اپنے گھر میں محبت سے محروم رہے ہیں اس لیے استاد کو بھی شک کی نظر سے دیکھتے ہیں اور الگ تھلگ رہتے ہیں ان بچوں کو ایسے اساتذہ کی مدد درکار ہوتی ہے جو ذہنی صحت کے مسائل کو سمجھتے ہیں اور ہر اس شخص کی مدد کرنا چاہتے ہیں جس کو مشکلات درپیش ہوں محبت کو جب گھر میں اہمیت نہ دی جائے تو اساتذہ کے لیے یہ بہت ضروری ہو جاتا ہے کہ صبر اور مہربانی کے ساتھ اس کی کمی تلافی کریں۔ تلافی کی اس کوشش سے اس بند خول تک رسائی ہو سکتی ہے جس کے اندر وہ محصور رہے ۔

قدر شناسی کی حاجت

یہ حاجت بھی چاہے جانے کی حاجت کے مانند ہے لیکن اتنی قری اور شخصی نہیں ہے۔ اس کا تعلق جماعتی وقار، شہرت، نام وری اور شرارت سے بھی ہے ۔ سماج کے اندر بالغ اور مدرسہ کے اندر بچے اپنی حیثیت کے خواہاں ہوتے ہیں ۔ ہر شخص اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے کہ وہ گروپ کے اندر ہیں مدغم ہو جاتے اور ساتھ ہی ساتھ اس کی امتیازی حیثیت بھی باقی رہے ۔ ہر شخص کو یہ محسوس کرنے کی حاجت ہوتی ہے کہ اس کی ذات کا کوئی مصرف ہے اور دوسروں کو وہ کچھ فائدہ پہنچا سکتا ہے اور چونکہ وہ قابل قدر اس لیے دوسرے اس کے مشورے، امداد اور رفاقت کے خواہاں ہوں گے ۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ کسی شخص میں کوئی کمی ہوگی ہی نہیں بلکہ اس کی کمیوں کو اس لیے نظر انداز کر دیا جاتے گا کہ جن نوجوانوں کو مدرسے کے اور بعض کاموں نے نمایاں اشتراک عمل اور بہتر حصول کے سبب قدر شناسی حاصل ہوتی ہے، ان میں اس بات کی تحریک پیدا ہوتی ہے کہ وہ اپنے مشاغل کو جاری رکھیں ۔ ان کے اندر یہ تحریک ان لڑکوں سے کم نہیں ہوتی جن کی قدر شناسی محض اس لیے ہوتی ہے کہ وہ مدرسے کے ضوابط کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور انتہائی نمود و نمائش کے پیش نظر وہاں کے نظام کو درہم برہم کرتے رہتے ہیں ۔

بعض بچے جن کے پسندیدہ کردار کی ستائش نہیں ہو پاتی وہ فعال ہونے کے بجائے انتہائی خواب بیداری میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور جہاں ان کی کوششوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے وہاں وہ مقابلوں میں شریک ہونے اور جماعتی کاموں میں اشتراک کرنے سے دریغ کرتے ہیں۔ بدراہی میں اضافہ کرنے والے عوامل کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ منحرف کردار کا سبب یہ بھی ہے کہ مدرسے اور گھر کے اندر اس کی تحصیل کو سراہا نہیں جاتا۔ فی الحقیقت قدر شناسی کی حاجت روائی میں عام حفاظتی حیلے بہت مزاحم ہوتے ہیں یہ اور اس قسم کی دوسری حاجتوں کو ملحوظ رکھتے وقت یہ ذہن نشین کرنا چاہئے کہ جس طرح کسی ایک قسم کی علامتیں کثیر اور متنوع ہوتی ہیں اسی طرح ایک علامت سے متعدد حاجتوں کا اظہار ہو سکتا ہے۔ اس طرح متعدد شکنی، عدم نقلیت، شرم جھجک اور اس طرح کی دوسری علامتیں اس بات کی غماز ہو سکتی ہیں کہ محبت، تحصیل، اور قدر شناسی کی حاجت تشنہ رہ گئی ہے۔ اس میں کچھ پسندیدہ خوبیاں موجود ہیں۔

قدر شناسی کا عملی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے تحریک پیدا ہوتی ہے جس کردار کی شناسی ہوتی ہے اس کو دہرانے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ ہم روزمرہ گھروں کے اندر یہ دیکھتے ہیں کہ گھر کے لوگ جب بچوں کی کسی خاص حرکت کی تعریف کرتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور ان حرکتوں کو بار بار دہراتے ہیں۔ قدر شناسی سے بچوں میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے اس کی وجہ سے نئے مسائل کو حل کرنے میں رغبت پیدا ہوتی ہے۔ قدر شناسی کی حاجت سماجی طور سے پسندیدہ اور غیر پسندیدہ دونوں طرح کے کردار سے تسکین پاتی ہے۔

قدر شناسی کی حاجت روائی کے لیے جو طریق عمل تجویز کیے گئے ہیں وہ ان طریقوں کے مقابلے میں زیادہ خصوصی ہیں جو محبت کی حاجت روائی کے سلسلے میں بیان کیے گئے ہیں اساتذہ نمایاں کامیابیوں کو اور حصول تکمیل کی پرخلوص کوششوں کو داد تحسین دے سکتے ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ گروپ کی ہمت افزائی کر سکتے ہیں کہ وہ درجے کے دوسرے اراکین کے کاموں کی تعریف اور قدر شناسی کریں خاص طور سے اہلیت کی کمی کی وجہ سے ناکامی ہوتی ہے تو الزام نہیں دینا چاہئے۔ اس سلسلے میں خراب مشوروں سے بچنا چاہئے اور شرم دلانے، طنز اور تضحیک جیسے ان مجرمانہ طریق کار سے بھی پرہیز کرنا چاہئے

جن سے کسی نوجوان کی توہین ہوتی ہو بلکہ جو شخص بھی ان طریقوں کو استعمال کرے اسے اپنے کردار کی تشریح کے لیے خود اپنی ذہنی صحت کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ خوش قسمتی سے وہ انفرادی فرق جس کی وجہ سے اساتذہ کے لیے مشکلات پیدا ہوتی ہیں قدر شناسی کی حاجت روائی کے لیے خود ایک اثاثہ ہے۔ کبھی کبھی اس شخصی اثاثے کی جانب توجہ دلانا یا رائے زنی کرنا کافی ہوتا ہے ہو سکتا ہے مدرسہ کے اندراج میں سے بعض کو اعلیٰ مقام نہ دیا جاتا ہو جیسے لباس کی صفائی، جسمانی صفائی کی عادت، بھائی بہنوں کے ساتھ محتاط برتاؤ، کمیونٹی کی تقریبات میں شرکت کرنا۔ کسی دوسرے موقع پر نوجوان شخص کی ہمت افزائی کرنا چاہیئے کہ وہ اپنے اندر کچھ ایسی مخصوص خوبیاں پیدا کرے جو گروپ کے اندر تحسین کی نظر سے دیکھی جاتی ہوں۔ استاد کی ذمہ داری کے سلسلے میں دوسرا کام جو مبہم ہونے کے باوجود اہم ہے وہ یہ ہے کہ نوجوانوں کو پسندیدہ کردار کا مفہوم سمجھایا جائے۔ انہیں یہ بھی جاننا چاہیئے کہ ایک صحت مند اور پسندیدہ قدر شناسی ایسے کاموں سے حاصل ہوتی ہے جس کا رخ اپنی ذات کے بجائے سماج کی طرف ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ اس طرح کی واقفیت گروپ کے تفاعل سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ واقفیت درجے کے اندر دیئے گیے اخلاقی لکچروں سے کبھی نہیں پیدا ہو سکتی۔

رفاقت کی حاجت

آدمی کو اکثر غول پسند حیوان کہا گیا ہے۔ اس کے رگ و ریشے میں یہ بات سرایت کر چکی ہے کہ وہ دوسروں سے رسم و راہ رکھے، گروپ سے تعلق رکھے اور رفاقت کی نعمت میں حصہ بٹائے۔ یہ صحیح ہے کہ درویش اور گوشہ نشین بھی ہوتے ہیں لیکن یہ اس بات کی شہادت نہیں کہ یہ کوئی عالم گیر حاجت ہے بلکہ ان کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ عدم مطابقت کے شکار رہیں اور ماضی کے کسی سماجی حادثے یا سلسلہ حادثات کا مقابلہ نہیں کر پاتے ہیں۔ اس حاجت کی بنیادی خصوصیت کی عکاسی اس بات سے ہوتی ہے کہ قید تنہائی سخت ترین سزاؤں میں سے ہے۔ بچوں کو دی جانے والی سزاؤں میں سے اس سزا کا بہت موثر طور پر استعمال ہوتا ہے کہ انہیں اس وقت جب چلنے یا بولنے

کے قابل ہوں گروپ سے علاحدہ کردیا جاتے۔ بہت سے نوعمر بچوں پر ڈانٹنے یا تھپ رسید کرنے کے مقابلے میں سماجی تنہائی کا اثر اتنا زیادہ ہوتا کہ وہ جلد ہی تطابق پیدا کر لیتے ہیں۔

رفاقت جسمانی قربت سے بڑھ کر ہے۔ اس کا مقصد ہے کہ با مقصد صورت حال میں دوسروں کے ساتھ رہا جاتے۔ اس کا صحیح مفہوم اس وقت سمجھ میں آتا ہے جب ہم اس احساس کی بازیافت کریں۔ جو کسی بڑے شہر میں تنہائی کی زندگی گزارتے وقت پیدا ہوا ہو جہاں نہ کسی سے واقفیت پیدا ہوئی ہو نہ کوئی نئی ملازمت ملی ہو اور جہاں مختلف ریل گاڑیوں کے میل سے متعلق معلومات حاصل کرنے میں محض وقت گزاری کرنی پڑی ہو۔ تقسیم کار کے معاشی فائدے سے قطع نظر رفاقت سے حالات پیدا کرنے میں معاون ہوتی ہے جن میں کوئی شخص چاہنے اور چاہے جانے کی تسکین براری کرسکے۔ اس کے ذریعہ جماعت کا ایک اہم فرد بننے کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ رفاقت سے اس بات کے حقیقی مواقع پیدا ہوتے ہیں کہ انسان تکمیل ذات اور بالآخر شادمانی حاصل کرنے کی جستجو کو تسکین دے سکے۔

گو رفاقت کی حاجت کا مسئلہ نوجوانوں تک ہی محدود نہیں لیکن نوجوانوں کی نشوونما کے مختلف مرحلوں پر اس مسئلے کی خصوصی اہمیت ہے۔ عنفوان شباب میں نوجوان اپنے سماجی حلقے کو قریبی خاندان سے باہر لے جاتے ہیں اور اپنی پود کے لوگوں سے تعلق پیدا کرنے میں انتہائی کوشش کرتے ہیں اس سعی و جستجو کی بصیرت اساتذہ اور والدین دونوں کو ہونی چاہئے انہیں یہ ضرور دیکھنا چاہئے کہ نوجوانوں کے اندر لباس، خیال اور عمل میں تطابق پیدا کرنے کی جو خواہش پائی جاتی ہے اس سے نمو پذیر شخصیت کا اظہار ہوتا ہے۔ انھیں ایسے افعال پر نکتہ چینی کرنے میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے جو بالغوں کی نظر میں ناپسندیدہ ہوں۔

مدرسہ کی ذمہ داری یہیں نہیں ختم ہو جاتی کہ درجے کے اندر ہم عمر لڑکوں کو اکٹھا کر دیا جائے۔ مدرسے کی یہ بھی ذمے داری ہے کہ ایسے مثبت طریقہ کار فراہم کرے جو ایک دوسرے سے خلا ملا پیدا کرنے میں معاون ہوں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی بات جس پر زور دینے کی ضرورت ہے وہ ہے آداب مجلس، جس میں شائستگی

کے طور وطریق بھی شامل ہیں۔ یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ شائستگی کے طور وطریق سیکھنے کی وجہ سے ایمائی نفسیات کے لیے ایک مثبت ماحول پیدا ہوگا ہے یعنی شائستگی کے برتاؤ سے ہمدردی، رواداری اور دوسروں کے احترام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔
افعال اور نمائشی طور وطریق جن سے دوسروں میں اجنبیت پائی جاتی ہے۔ ان کی طرف اشارہ کرکے استاد ایسی خوبیاں پیدا کرنے میں رہنمائی کرسکتا ہے جو ایک پسندیدہ رفیق بنانے میں معاون ثابت ہوں۔

جمہوری طرز زندگی کی عملی تربیت کے سلسلے میں اسکول سب سے زیادہ خدمت یہ انجام دے سکتا ہے کہ شخصیت کی ایسی نشوونما کرائے جس میں رفاقت کی حاجت محسوس ہو۔ جمہوریت ایک سیاسی تکنک سے بڑھ کر ہے۔ یہ اخلاقی مسئلے کے ساتھ ساتھ شخصیت کا بھی مسئلہ ہے۔ مدرسہ جمہوری طریق کار کی مشق کے جو مواقع فراہم کرتا ہے اس کی اہمیت ایک اچھا شہری بنانے سے زیادہ ہے۔ یہ ایک متوازن ذہنی صحت کے قیام کا ذریعہ ہے۔ ذمہ داری میں ہاتھ بٹانے، رائے دینے، اشتراک باہمی کے کاموں میں حصہ لینے اور افراد کی امکانی قوتوں کو بروئے کار لانے سے رفاقت کے بنیادی پہلوؤں کی عملی تربیت کا موقع ملتا ہے۔ دوسروں کی عقل اور صلاحیت کا احترام کیے بغیر کوئی بھی شخص گروپ کے اندر کام نہیں کرسکتا۔ جو شخص بھی ایسے کاموں میں شرکت کرے گا اس کو مساوات کا مفہوم سمجھنا ہوگا۔ ایسے ہی شخص کو اشتراک باہمی کی کوششوں کا نتیجہ بھی نظر آئے گا۔ جس طرح آزادی، مساوات، اور انصاف جمہوریت کے اساسی عوامل ہیں۔ اسی طرح رفاقت کی حاجت روائی میں بھی ان خوبیوں کی بنیادی حیثیت ہے۔

خلاصہ

انسانی حاجتوں کو تین قسموں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ (۱) جسمانی حاجتیں۔ (۲) نفسیاتی تسکین سے متعلق حاجتیں۔ (۳) اور سماجی ماحول کی عائد کردہ حاجتیں باوجودیکہ ان میں سے کچھ حاجتیں زندگی کے لیے نہیں مگر ایک مکمل زندگی کے لیے ضروری ہیں۔ اور مکمل ذہنی صحت کے لیے ان کی حیثیت بنیادی ہے۔ جسمانی حاجتیں غذا رطوبت انتہائی

درجۂ حرارت سے حفاظت جسمانی صحت کے لیے ضروری ہے۔ یہی چیزیں قوت کا ذخیرہ فراہم کرتی ہیں اور نفسیاتی اور سماجی ضرورتوں کی بھی حاجت روائی کرتی ہیں۔ دراصل اس بات کے کافی ثبوت ملتے ہیں کہ جس طرح جسمانی حاجتیں پوری ہوتی ہیں اسی طرح فرد کے کردار کا تعین ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں اس کا تعلق طبیعی اور سماجی حالات سے نہیں ہوتا۔

تحفظ کی حاجت سماجی تعلق کے باوجود ایک شخصی حاجت ہے۔ اس کے دو اہم پہلو ہیں۔ (۱) دوسروں کی محبت اور دیکھ بھال کے ذریعہ حاصل کیا ہوا تحفظ (۲) انسان کے اندر اپنی مہارتوں کے ذریعہ خود اپنے مسائل حل کرنے کی کوشش وست ورزی اور تجسس کی حاجتیں اہم ہیں اس لیے کہ ان دونوں سے ذاتی طور پر تسکین حاصل ہوتی ہے اور تجربات حاصل کرنے کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ ان کی وجہ سے انسان نفسیاتی طور پر احساس تحفظ پیدا کر سکتا ہے۔ تحصیل کی حاجت شخصی اور سماجی حاجتوں کے مانند ہے۔ شخصی ہونے کی وجہ سے یہ شخصیت کے نشوونما کے لیے تہیج فراہم کرتی ہے اور سماجی ہونے کی وجہ سے تحصیل کے ذریعہ انسان کی قدرشناسی ہوتی ہے۔ خود مختار رہنے کی حاجت میں وہ تہیج پوشیدہ ہوتا ہے جو مسلسل مطابقت پذیری کی جانب رہنمائی کرتا ہے۔ ہمہ وقت بدلتی ہوئی اس دنیا میں مطابقت پذیری کی بہت ضرورت ہے لیکن خود مختاری اس آزادی کی ضد نہیں ہونی چاہیے یہ ایک جمہوریت رُخ سماج کے اندر پنہاں ہوتی ہے۔ آخر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر اس شخص کے اندر جو ذہنی صحت کا خواہش مند ہے تناؤ کو برداشت کرنے کی صلاحیت موجود ہونی چاہئے یہ صلاحیت اس وقت پیدا ہو سکتی ہے جب فرد یہ تسلیم کرلے کہ بعض کام ایسے ہوتے ہیں جن کو وہ انجام دے سکتا ہے لیکن کچھ ایسے بھی کام ہوں گے جن میں بہتر کارگزاری کی توقع نہیں۔

اساسی سماجی حاجتوں میں چاہنے اور چاہے جانے، قدرشناسی اور رفاقت کی حاجت شامل ہے۔ چاہنے کی حاجت کا مطلب ہے کہ اپنی اور دوسروں کی زندگی میں اس کو ایک اہم حیثیت حاصل ہے۔ اس سے مراد ہے کہ اس کی زندگی کا کوئی مقصد ہونا چاہیئے۔ یعنی زندگی کے نقشے میں اس کا کوئی مقام ہونا چاہیئے۔ چاہے

جانے کی حاجت سے انسان کے نامکمل ہونے کا اظہار ہوتا ہے اور اس بات کی عکاسی ہوتی ہے کہ وہ زندگی کا ایک جزو ہے لیکن اہم جزو۔ قدر شناسی اور رفاقت کی حاجت کا چاہنے اور چاہے جانے سے قریبی تعلق کم ہے۔

ان میں سے کوئی بھی حاجت خود بخود نہیں پوری ہو جاتی ان کی تسکین کے لیے انسان کو کوشش کرنی چاہیئے اس کام کے اچھے اور برے دونوں ہی طریقے ہیں۔ مدرس کا یہ فرض ہے کہ انسانی حاجتوں کی تسکین کے لیے ایسے طریقے سکھاتے جن میں وقت کم درکار ہو۔ ان حاجتوں کی تسکین براری کے بعد ہی بہتر ذہنی صحت کی ضمانت ہو سکتی ہے۔

مطالعے اور مباحثے کی مشقیں

۱۔ کیا حاجتیں زندگی کی بقا کے لیے بہت اہم اور ناگزیر ہیں یا آپ کے خیال میں ان تقاضوں کے درمیان اصل درجہ بندی ہوتی رہتی ہے؟۔

۲ حاجتوں کی تسکین براری اور "تسکین براری کی منزل میں ہونے" کے درمیان کیا فرق ہے بتایئے؟۔

۳ کیا آپ محسوس کرتے ہیں کہ پیرانہ سالی میں زیادہ معین اور اہم اغراض و مقاصد کی ضرورت ہوتی ہے؟۔ ایک استاد کی حیثیت سے آپ کے کام پر اس کا کیا اثر ہوگا؟۔

۴ کیا آپ کے خیال میں محنت اور آرام کی حاجت کے مانند تمام حاجتیں متوازی نوعیت کی ہوتی ہیں؟

۵ جنس کی حاجت جسمانی ہے یا ذہنی؟ آپ کے خیال میں اس حاجت کی بہتر قدر شناسی کیسے کی جا سکتی ہے قطع نظر اس کے کہ اس میں تقسیم بندی ہے یا نہیں؟

۶ تحفظ کے تصور کا ایسا جائزہ لیجئے جس سے یہ بات واضح ہو سکے کہ فرد کے اندر خود مختار بننے کی صلاحیت پیدا ہو۔

۷ ایسی تین یا چار صورت حال پیش کیجیے جن میں استاد جماعت چہارم کی سطح پر تجسس پیدا کرنے اور اس کی تسکین براری کے لیے سامان فراہم کر سکے۔

۸ اپنی حاجتوں کی تسکین یا حاجتوں کی تکمیل کے لیے استاد اپنے شاگردوں کی کس طرح امداد کر سکتا ہے؟ (صرف خاص خاص صورتیں بتائیے)

۹ تکمیل کی خواہش میں مزاحمت پیدا ہونے کی وجہ سے شخصیت میں جو خصائص پیدا ہو جاتے ہیں ان کی ایک فہرست مرتب کیجیے۔

۱۰ خود مختاری کی حاجت تعلیم میں جمہوری دستور کے نظریے سے کس طرح ہم آہنگ ہوتی ہے؟

۱۱ ایسے مشورے دیجیے جن سے استاد شاگردوں کے درمیان بہتر قوت برداشت پیدا کر سکے۔

۱۲ آپ کے خیال میں رفاقت کی حاجت فطری ردّ عمل ہے یا اکتسابی؟

باب ۳

عدم مطابقت کی نوعیت

گزشتہ بات میں اس بات پرزور دیا گیا تھا کہ مطابقت اور عدم مطابقت کا انحصار جس بات پر ہے وہ یہ ہے کہ کہاں تک انسانی حاجتیں پوری ہو چکی ہیں یا پوری ہونے کی منزل میں ہیں۔ اگر ان ضروریات کی تسکین کے لیے گھر اور مدرسہ کا تعاون حاصل کر لیا جائے تو نوجوانوں فلاح و بہبود کا زیادہ سے زیادہ امکان پیدا ہو سکتا ہے لیکن اگر گھروں میں ان حاجتوں کی خاطر خواہ تسکین نہ ہو پائے تو انسدادی اور اعادی خدمات کے سلسلے میں استاد کی حیثیت بہت اہم ہو جاتی ہے۔ استاد کو ان حاجتوں تسکین کے کے وسائل بہم پہنچانے چاہئیں جن سے بیرون مدرسہ زندگی میں بچہ محروم رہا ہے اس لیے عدم مطابقت کے بنیادی اسباب کا خلاصہ پیش کرنا مناسب ہوگا تاکہ استاد مسلی کرداری نشانی نشو ونما کو بخوبی ذہن نشین کر سکے۔ مخصوص مسائل کے لیے بنے بنائے طریقے تجویز کرنا کافی نہیں ہے ہر طریقے میں ایک دوسرے سے باریک فرق ہوتا ہے۔ استاد جو ذہنی صحت کے لیے سود مند ہونا چاہتا ہے اس کو یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ تمام منحرف کردار انوکھے اسباب سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس باب میں جو مسئلہ پیش کیا گیا ہے وہ اسی کی بصیرت سے متعلق ہے وضاحت کے لیے ایک مطالعہ فرد پیش کیا گیا ہے جس میں عدم مطابقت کے بنیادی اسباب بتائے گئے ہیں اور ان علامتوں کو بیان کیا گیا ہے جو بار بار مشاہدے میں آتی ہیں۔

استاد ٹام کے بارے میں علم حاصل کرتا ہے

مندرجہ ذیل بیان ایک درجے کے استاد کا ہے جس نے یہ مطالعہ فرد کیا ہے۔ اس نے عدم مطابقت کے بہت سے اسباب پیش کیے ہیں متعلقہ بچے میں ایک مثالی صورت حال کے بموجب بہت سی ایسی علامتیں ظاہر ہوتی ہیں جو کردار میں بحالی کے بجائے انتشار پیدا کر دیتی ہیں۔ باوجودیکہ متعلقہ مطالعہ پہلی جماعت کے بچے کا ہے لیکن اونچی جماعت اور ثانوی مدرسہ کے بچوں میں بھی بنیادی اسباب اسی نوع کے ہوں گے اور ان کے کردار بھی اسی قسم کے ہوں گے۔

ٹام پہلا لڑکا تھا جس کا نام اسال مجھے معلوم ہوا۔ اس کا کردار گروپ کے دوسرے بچوں سے مختلف نظر آیا۔ پہلی صبح جب مدرسہ کا دورہ کیا گیا تو میں نے فائر الارم کا مقصد بتایا اور اس کی میکانیت سمجھائی۔ جب وضاحت کے طور پر الارم بجایا گیا تو ٹام میرے پاس دوڑا ہوا آیا اس نے میرے ہاتھ میری کمر کے گرد حمائل کر دیئے اور خوف سے اپنا چہرہ چھپالیا۔ اس کو اطمینان دلانے میں کچھ وقت صرف ہوئے۔ دوسرے دن میں نے اس کو ایک فلم دکھائی۔ فلم دیکھنے کے بعد ٹام نے مجھ سے کہا کہ اس کی طبیعت مالش کر رہی ہے میں اس کو غسل خانے کی طرف لے کر بھاگا اور اس دوران جب وہ قے کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف تھا میں اس کے پاس کھڑا رہا۔ بعد میں جب میں نے بات کی تو اس نے کہا کہ فلم دیکھنے کے بعد عموماً اس کو متلی ہونے لگتی ہے اس کے میڈیکل سرٹیفکیٹ سے پتہ چلا کہ اس کو فلم سے کراہیت محسوس ہوتی ہے۔ جس ڈاکٹر نے اس کی رپورٹ پر دستخط کیے تھے اس نے یہ لکھ دیا تھا کہ ٹام کے ساتھ ساتھ استاد کو بھی اس کا عادی ہونا چاہیئے۔ ٹام کو میں برابر سمجھاتا رہا کہ اس کو دوسروں کا خیال رکھنا چاہیئے اور نتھنوں سے آواز نہیں نکالنی چاہیئے۔ لیکن وہ باز نہ آیا۔ بعد میں ٹام کی ماں نے مجھے بتایا کہ اس نے بھی ٹام کو سمجھایا تھا کہ اگر وہ اسی طرح نتھنوں سے آواز نکالتا رہا تو اس کا استاد پاگل ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ اس کو روکنے کی پوری کوشش کرتا رہا بچوں نے اس کے پاس سے اپنی اپنی نشستیں ہٹانے کو کہا اور اپنی اپنی نشستیں اس کے پاس سے ہٹالیں۔ اس کے لیے میں انھیں مورد الزام بھی نہیں ٹھہرا سکتا۔ آخر کار میں نے

یہ فیصلہ کرلیا کہ اس کی عادت کو نظر انداز کر دیا جائے لیکن اس کے لیے بہت تحمل کی ضرورت تھی۔

اس کا کردار بہت ناپختہ تھا وہ کسی مضمون پر تھوڑی دیر کے لیے بھی اپنی توجہ مرکوز نہیں کرسکتا تھا یہاں تک کہ کہانیوں سے بھی اس کو شوق نہیں تھا۔ اس کی تحریر اور ڈرائنگ کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ جیسے کاغذ پر کچھ گھسیٹ دیا گیا ہو۔ میدانی کھیلوں میں وہ اکیلا ہوتا تھا وہ کھیل کے میدان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک دوڑنے میں وقت صرف کرتا اور اکثر اس استاد سے جو نگرانی پر معمور ہوتا یہ کہتا کہ اس کو دوڑتے ہوتے دیکھے۔ درجے کے اندر جماعتی کھیلوں میں بچے یہ شکایت کرتے کہ وہ جو جو کچھ بناتے ہیں اس کو ٹام بگاڑ دیتا ہے۔ وہ پورے وقت بے تکان بولتا رہتا اور اس کی گفتگو کو سمجھنا بہت مشکل ہوتا۔ وہ صرف اس وقت دلچسپی لیتا جب ہم فطرت کا ذکر کرتے۔ وہ اسکول میں ٹڈے، تتلی کے کیڑے اور دوسرے قسم کے کیڑے مکوڑے لاتا۔ اس کام کو وہ پوری سمجھ بوجھ سے کرتا اور اس سلسلے میں پوری احتیاط برتتا وہ کسی کو بھی اپنے اس بیش قیمت ذخیرے کے قریب نہ پھٹکنے دیتا اور اگر کوئی قریب آنے کی کوشش کرتا تو لڑائی ہو جاتی۔

جب میں نے درجے کو ذہنی جانچ کا پرچہ دیا تو میں نے دیکھا کہ ٹام کسی سوال پر توجہ مرکوز نہیں کر پا رہا ہے اور میری ہمت افزائی کے باوجود وہ صفحوں کو الٹتا پلٹتا جاتا ہے اور اپنے خیال کے مطابق نمبر بھی دیتا جا رہا ہے۔ سوائے پہلے صفحے کے جس پر صورت حال مختلف تھی پہلے صفحے پر داتیں باتیں دونوں طرف کی شناخت کا ثبوت ملا اس صفحے کو اس نے مکمل کر دیا تھا اور زیادہ نمبر حاصل کیے تھے پھر میں نے کچھ دن کے بعد اکیلے میں اس کو جانچ کا پرچہ دیا۔ اس دوران میں اس کی ہمت افزائی برابر کی جاتی رہی اور میں نے دیکھا کہ اس نے پرچہ مکمل کر لیا ہے اس کے بعد وہ بہت تھک چکا تھا۔ اس کی ذہانت کا خارج قسمت ۹۲ تھا۔ اور حسب سابق داتیں باتیں کی شناخت میں اس کے نمبر زیادہ تھے۔ میں نے اس کی اس صلاحیت کی جانچ کی۔ وہ بغیر دشواری کے یہ بتا سکتا تھا کہ اس کے داتیں اور باتیں جانب کیا ہے اور کار کے کس جانب اسٹیرنگ وہیل ہوتی ہے۔

چھ ہفتے کے بعد ہم نے اول جماعت کے بچوں کے والدین سے ملاقات کی۔ جب ٹام کی ماں سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے ٹام کی عدم مطابقت پر تشویش کا اظہار کیا۔ وہ اپنے بچے کے لیے معذرت خواہ بھی تھی ساتھ ساتھ اس کو اس بات کا شدید احساس بھی تھا کہ اس کے پڑوسی اپنے بچوں کی ترقی سے ٹام کی ترقی کا موازنہ کرتے ہیں اس نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ اس کے دو بچے زمانہ طفولیت میں ہی فوت ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوستوں کے مشورے کے خلاف ٹام کو گود لیا۔ سال بھر کے بعد اس کے ایک اور بچہ پیدا ہوا جو پہلے ہی سال فوت ہو گا۔ اگلے برس اس کے بچی پیدا ہوئی جو اب بھی زندہ ہے اور ٹام سے دو برس چھوٹی ہے۔

ٹام نے تین سال قبل بولنا شروع نہیں کیا۔ چار یا ساڑھے چار برس کی عمر میں بھی اس کی زبان کسی اجنبی کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی۔ ٹام جب بڑا ہوا تو ماں کے ساتھ گستاخی کرنے لگا اس نے اپنی بہن کے ساتھ بہت برا برتاؤ کیا۔ اس کے ساتھ ہر قسم کے حربے استعمال کرتا۔ اس کو بکوٹتا کاٹتا اور اس وقت تک نوچتا جب تک کہ وہ بے دم نہ ہو جاتی۔

اس کا برتاؤ جب جب ماں کی برداشت سے باہر ہو جاتا تو وہ اس کو سرزنش کرتی۔ اس وقت ایسا محسوس ہوتا کہ وہ اپنے کو سدھار نہیں سکتا۔ کچھ دن کے لیے حالات بہتر نظر آتے اس کے بعد پھر وہی سزا کا برتاؤ شروع ہو جاتا۔

اس کی ماں نے حالات کو سمجھنے کی کوشش کی، اس نے تربیت اطفال پر کتابیں پڑھیں لیکن ٹام برا رویہ اپنی بہن کے ساتھ کر رہا تھا اس کو وہ بہت محسوس کرتی تھی۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ اب ایک تماشائی کی حیثیت سے اس کو نہیں دیکھ سکتی چنانچہ اس نے سرزنش شروع کر دی۔ اس نے ماہر نفسیات سے بھی صلاح لینی چاہی لیکن اس کے شوہر نے اس کو باز رکھا۔ شوہر کو خیال تھا کہ حالات سے چشم پوشی اختیار کرلی جائے اور یہ توقع کی جائے کی ٹام بڑا ہو کر ٹھیک ہو جائے گا۔

ہم نے نومبر تک اسی طرح گزارا۔ اس وقت تک میں نے اندازہ لگا لیا کہ اس کی ذہانت کا خارج قسمت جماعتی جانچ کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ اس حقیقت کا انکشاف کئی طریقوں سے ہوا لیکن اس کے باوجود کسی طریقہ سے بھی اس نے درجے کے اسباق

میں تعاون نہیں کیا۔ میں نے اس کی ماں سے پھر ملاقات کی۔ میں نے اس کو صلاح دی کہ ٹام کی دشواریوں کو سمجھنے میں ماہر نفسیات معاون ہو سکتے ہیں۔ اس نے بتایا کہ یہ مسئلہ خود اس کے زیر غور تھا۔ اور اس نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ جلد ہی کسی ماہر نفسیات سے ملاقات کرے گا۔ اس نتائج سے آگاہ کرنے کے لیے وہ اسکول آئی۔

اسٹنفورڈ بینے کے جانچ کے ذریعے اس کی ذہانت کا خارج قسمت ۱۱۵ نکلا لیکن وہ نامقبولیت کے احساس مبتلا تھا۔ اس کی ابتدار اوائل عمر ہی میں ہو چکی تھی۔ اس نے ماں کی توجہ مبذول کرانے کی متعدد کوشش کی۔ اس نے بستر پہ پیشاب کرنے اور کھانے کے وقت کھانے سے انکار کر دینے کی عادتیں پیدا کریں۔ ماہر نفسیات نے کراہیت کے عارضے کو بھی توجہ مبذول کرانے کا ایک حربہ تصور کیا، اور اس وقت سے نتھنوں کے ذریعے آواز نکالنے کی عادت ختم ہوگئی۔

اس کا علاج یہ تھا کہ اس کی ماں اپنے رویئے میں مکمل تبدیلی کرے، اس نے اس مقصد کو حاصل کرنے کی بہت کوشش کی۔ اب سزا دینے کا کام باپ کے سپرد ہو گیا۔ اس دوران جب ٹام صبح کے وقت کچھ دیر کے لیے گھر پر ہوتا اس کی بہن کو نرسری بھیج دیا جاتا تاکہ وہ اپنی ماں کی پوری توجہ حاصل کر سکے۔ سہ پہر کو وہ اسکول جاتا۔ شروع سے ہی حالات سدھرنے لگی۔ بستر پر پیشاب کرنے کی عادت فوراً چھوٹ گئی۔ ان سب باتوں کی وجہ سے مجھے اس بات کا حوصلہ ہوا کہ میں کسی قدر پڑھائی کے کام میں سختی کروں چنانچہ میں نے زور دیا کہ وہ اپنی جگہ پر بیٹھا رہے اور دوسرے بچوں کی طرح تھوڑا بہت کام کرتا رہے۔ مجھے اندازہ ہوا کہ میرے اس برتاؤ کو برا مانتا ہے۔ اس نے مختلف طریقوں سے اس کا اظہار بھی کیا جب اس سے تھوڑا سا لکھائی کا کام کرنے کو کہا گیا تو دوبارا اس نے فرش پر پیشاب کر دیا دوسرے اوقات میں جب میں دوسرے گروپ کے ساتھ مشغول ہوتا وہ اپنی جگہ سے اٹھتا، پنسل بناتا اور دوسرے بچوں کی گردن میں چبھو دیتا۔ وہ دوسروں پر حملہ آور ہونے لگا اور لڑنے بھڑنے لگا وہ دانت کاٹنے اور نوچنے کھوٹنے لگا۔ چنانچہ میں نے یہی بہتر سمجھا کہ دن کا بیشتر حصہ صرف کر کے اس کو جھگڑے کے مواقع سے دور رکھا جاتے۔ اس کے علاوہ اس نے میرے اور بچوں کے ڈیسک سے

سے چیزیں چرانی شروع کر دیں۔ میں نے محسوس کیا کہ ٹام ابھی اس منزل میں نہیں ہے کہ اس کو کسی کام پر توجہ کے ساتھ لگایا جا سکے۔

لیکن گھریلو حالات کچھ کچھ سدھرنے لگے۔ میں نے حالیہ واقعات سے اس کی ماں کو مطلع کیا اور کہا کہ میں نے ٹام کو اس حد تک درجے کے اندر آزادی دی جس حد تک وہ دوسروں کے کام میں مخل نہ ہو لیکن اس حد تک تعلیمی تحصیل کی توقع نہیں ہے جب تک خود سے کام کرنے کے لیے راضی نہ ہو میں نے اس کو اگلے دو ماہ میں اس بات کا موقع دیا کہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت کھیل کی جگہ پر گزارے۔ اس دوران اس کو ایک بچے کا ساتھ ملا جو ایک اجنبی علاقے سے آیا تھا اور اس کی سماجی پختگی کی رفتار سست تھی۔ دوسروں کی پڑھائی میں اس سے بہت گڑبڑ ہوتی لیکن پورے دن کھیلنے کودنے کی وجہ سے وہ دونوں اتنا تھک چکے تھے کہ ایک دن پڑھائی کے سبق پر خوشی سے راضی ہو گئے۔ دو ہی ماہ کے اندر پڑھائی کے سبق میں ٹام کی دلچسپی نمایاں حد تک بڑھ گئی گزشتہ ماہ اس نے قابلیت کی جانچ میں ۱۰۹ واں درجہ حاصل کیا۔ وہ گنتی بھی بخوبی سیکھ گیا لیکن اب بھی تحریری کام میں زیادہ دیر تک توجہ مبذول کرنے سے گریز کرتا میں یہ جانتا تھا کہ وہ بخوبی لکھ سکتا ہے۔ کیونکہ جب وہ مجھے خاص طور سے خوش کرنا چاہتا ہے تو اچھی طرح لکھ لیتا ہے لیکن اکثر تحریری کاموں میں وہ صرف چند الفاظ لکھ کر چھوڑ دیتا ہے باوجودیکہ میں اس کی ہمت افزائی کرتا رہا لیکن میں نے کسی مقررہ کام کی تکمیل پر بہت زور نہیں دیا اب اس نے دوسرے بچوں کے ساتھ بہتر طور پر کھیلنا شروع کر دیا ہے اب وہ کسی باقاعدہ کھیل میں اچھی طرح حصہ لے سکتا ہے اور سبق کے دوران اپنی جگہ پر بیٹھا رہتا۔ اس کی ماں نے ٹام کی طرف سے اس کی جماعت کی تواضع کر کے دوسرے بچوں میں اس کا وقار بڑھانے کی بہت کوشش کی۔

میں ترقی دے کر اس کو دوسرے درجے میں بھیجنے کے مسئلے غور کرتا رہا۔ باوجودیکہ اس کے اندر کام کی اچھی عادتیں نہیں پیدا ہوئیں لیکن پڑھائی کے سبق میں اس نے جو ترقی کی ہے اس کی بنیاد پر یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ جماعت کام کی

اچھی عادتیں بھی پیدا کرلے گا۔ مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ وہ دوسرے درجے میں پہنچنے کے لیے خواہشمند ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ جو کچھ پڑھ چکا ہے اس کا اعادہ کرائے بغیر اس کو اپنی رفتار سے آگے بڑھنے کا موقع دینا چاہیئے۔

ثام کے واقعات سے عدم مطابقت کے بنیادی اسباب اور ان گوناگوں کرداروں کا پتہ چلتا ہے جو انتشار پیدا کرلے والے اثرات کا نتیجہ ہیں۔ انوکھی صورت حال میں وہ جس طرح کا برتاؤ کرتا تھا اس سے احساس عدم تحفظ کا اظہار ہوتا تھا۔ اس کو جب قلم دکھائی جاتی تو اس کی بیماری عود کرآتی وہ جسمانی تحفظ کی خاطر استاد کے پاس ڈور کر آتا اور اپنی پریشانی کا اظہار کرتا۔ ماہر نفسیات کی رپورٹ کے مطابق اس کی کراہیت اس بات کی غماز تھی کہ وہ ناپسندیدہ صورت حال سے احتراز کرنا چاہتا ہے۔ اسی طرح اس کی عدم توجہی کے ذریعے اپنی بہن اور ہم جماعتوں کے ساتھ جارحیت کی عکاسی ہوتی تھی۔ اس کی ماں کے اندر جس قسم کا ضبط تھا اور جس کی تفصیل استاد نے پیش کی اس سے محرکات کی الجھن کا پتہ چلتا ہے۔ اس صورت حال میں ایسا لگتا ہے کہ وہ مناسب اصلاح نہیں کرسکتا وہ وقتاً فوقتاً غیر مستقل مزاجی کے ساتھ کام کر کے استاد کو خوش کرنے کی جو کوششیں کرتا تھا اس سے بھی الجھن کی غمازی ہوتی تھی۔

ذہنی حفظان صحت کے معقول اصولوں کی تطبیق کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔ ماں اور استاد دونوں متحدہ طور پر ثام کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے دونوں کو یہ سیکھنا پڑا کہ ثام کا برتاؤ قابل اعتراض ہونے کے باوجود اس کو اس کی موجودہ حیثیت میں تسلیم کرنا ہے اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ثام کی زندگی سے بالغوں کو یہ سبق سیکھنا ہے کہ ان بچوں کے ساتھ جبر سے کام لیں جن کی بالیدگی کی رفتار سست ہے۔ اس اختتامی عبارت میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے اس کو تسلیم کرنا استاد کی روشن خیالی کی دلیل ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اس کو اپنی رفتار سے ترقی کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ لیکن جذباتی قبولیت کے بات استاد اور اور ماں کا معاملہ ہے۔

ثام کے حالات کا ایک اور پہلو قابل ذکر ہے۔ اساتذہ نے راقم الحروف سے

اکثر یہ سوال کیا ہے کہ ٹام کے تمام حالات آخر ایسی بہتر شکل کیسے اختیار کر گئے۔ ان کا کہنا ہے کہ انھیں اس طرح کے حالات میں کبھی اتنی کامیابی نصیب نہیں ہوئی بیشک یہ ہوسکتا ہے کہ اس کتاب میں انھیں واقعات کو پیش کیا گیا ہو جن کے سلسلے میں کامیابی حاصل ہوئی ہو بہرکیف اکثر و بیشتر اساتذہ کو ان حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جن میں کامیابی حاصل تو ہوئی ہو لیکن پورے طور پر نہیں اور اس سلسلے میں بہت کچھ کرنا باقی ہو۔

عدم مطابقت کے اسباب

اکثر اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ہر شخص کے عمل کا کوئی سبب ضرور ہوتا ہے کبھی یہ اسباب بہت واضح ہوتے ہیں کہ تحلیلی مطالعے کے ذریعہ ان کا سراغ ملتا ہے اور کبھی یہ اتنے پوشیدہ ہوتے ہیں کہ ان کا سراغ لگانا اگر ناممکن نہیں تو کم از کم مشکل ضرور ہو جاتا ہے۔ اس باب میں عدم مطابقت کے کچھ اور عام اسباب پر غور کیا جائے گا تاکہ ان سے پوری واقفیت حاصل کر کے ان کا تدارک کیا جاسکے۔

عدم تحفظ کا احساس

احساس عدم تحفظ کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ یہ فرد کا ایک ایسا رویہ یا عقیدہ ہے جس کے تحت اس کی کسی کو حاجت نہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ جن لوگوں سے اس کا سابقہ پڑتا ہے ان کی نظر میں وہ مردود ہے اور اس کے ماحول میں ایسے عوامل ہیں جن سے اس کے تحفظ اور سلامتی کو خطرات لاحق ہیں۔ اس کتاب کے قارئین نے بیشک اپنے ہم جماعتوں یا شاگردوں میں اس قسم کے رویوں کو محسوس کیا ہوگا۔ ہائی اسکول کے وہ لڑکے جو لعن طعن یا تضحیک کے خوف سے کسی معاملے میں اپنی رائے دینے سے گریز کرتے ہیں، جو کسی نئے منصوبے کو شروع کرنے سے گھبراتے ہیں یا وہ بالغ جو مردم بیزار نظر آتے ہیں ان سب میں اسی قسم کے احساس کا ثبوت ملتا ہے۔ ایسا شخص کسی حالت میں بھی بے تکلف نہیں ہو پاتا

وہ دوسروں کی رہبری کا منتظر رہتا ہے اور رہبری کے باوجود نکتہ چینی کے خوف سے پیروی کرنے میں پس و پیش کرتا ہے۔ بہت سے شاگردوں سے جو خواندگی کی معلومات رکھنے کے باوجود خواندگی سے انکار کرتے ہیں یا گھبراتے ہیں ایک عام احساس کمتری کا اظہار ہوتا ہے لیکن موجودہ فہرست میں بھوک ختم ہو جانے اور بےچینی ظاہر کرنے کا اضافہ کیا جا سکتا ہے (جس کے سبب وہ توجہ مرکوز رکھنے سے قاصر رہتا تھا) پیشاب خطا ہو جانے یا نیند کم آنے کی وجہ سے بھی عدم تحفظ کا احساس پیدا ہوتا ہے لیکن یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ مذکورہ بالا علامتیں دیگر بنیادی ضروریات سے محرومی کا بھی اظہار ہو سکتی ہے۔

عدم تحفظ کا بیشتر احساس، شاید بچے کی ابتدائی زندگی میں زیادہ نظر آتا ہے۔ عام طور سے والدین بچوں کی جسمانی ضروریات کو بخوبی رفع کر دیتے ہیں وہ بچوں کو کھلاتے ہیں ان کو سردی سے بچاتے ہیں اور تکلیف کے وقت آرام پہنچاتے ہیں۔ وہ بچوں کی کامیابیوں میں شریک ہوتے ہیں اور ان کی ناکامیوں میں ان سے ہمدردی جتاتے ہیں۔ ان کے مشاغل کو سراہتے ہیں اور پسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے بچے کو بہت سے معاملات میں دوسرے بچوں سے بہتر سمجھتے ہیں۔ ان سب باتوں کے نتیجے کے طور پر اس کے اندر یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ اس سے پیار کیا جاتا ہے اس کو چاہا جاتا ہے اور اس کو قبول کیا جاتا ہے۔ اس طرح وہ احساس تحفظ کے ساتھ پروان چڑھتا ہے۔

دوسری طرف کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بچے کو مردود قرار دیدیا جاتا ہے۔ والدین سمجھتے ہیں کہ وہ منحوس گھڑی میں پیدا ہوا۔ کبھی یہ سمجھتے ہیں کہ بچے کی پرورش سے ان کے تعیشات زندگی میں خلل پڑتا ہے یا کبھی کبھی وہ اپنے بچے کو اپنے شایان شان نہیں سمجھتے۔ خاص طور سے جب وہ دوسروں سے اپنے بچوں کا موازنہ کرتے ہیں اور شکل و صورت، ذہانت اور دم خم میں اپنے بچوں کو دوسرے بچوں سے کم تر پاتے ہیں۔ عام طور سے والدین ان احساسات کا شعور رکھتے ہیں اور بچے کی ناپسندیدگی کے اس بنیادی احساس کو بیجا تلافی کرنے لگتے ہیں۔ وہ بچے کو بیجا قبولیت دینے لگتے ہیں۔ اسے چمکارتے ہیں، اس کی تعریف کرتے ہیں لیکن

ان سب باتوں سے بچے کو بے وقوف نہیں بنایا جا سکتا بچے کو اب بھی والدین کی ناپسندیدگی کا احساس ہوتا رہتا ہے۔

احساس عدم تحفظ کے فلسفہ تمثلت و معلول میں جو عوامل کارفرما ہیں وہ دراصل مذکورہ بالا باتوں کے ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں یہ عوامل بے شمار ہو سکتے ہیں اور ان کی شناخت بڑے پیمانے پر ہو سکتی ہے۔ ابتدائی اور ہائی اسکول کے زمانے میں ان کے اثرات بہت تیز اور دیرپا ہوتے ہیں یہ اثرات اس قسم کے ہو سکتے ہیں۔ سخت مطالبات اور راتتے زنی، سخت اور کبھی کبھی ظالمانہ سزائیں۔ بچوں کی نشوونما کی سطح پر نامناسب مطالبے، علالت، تکلیف اور دباؤ کی صورت میں ہمدردی کی کمی اور کبھی کبھی یہ بیان براہ راست کہ اثرات قبول کرنے میں بچہ رکاوٹ ڈالتا ہے۔ دیگر اثرات والدین کے آپسی جھگڑے یا نسل، مذہب اور طرز لباس کی بنیاد پر اکثریتی فرقے میں ناقبولیت کی شکل میں جاری رہتے ہیں۔ چونکہ والدین خود کو غیر محفوظ تصور کرتے ہیں اس لیے بچوں کے ذریعہ اس کی تلافی کرتے رہتے ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ عدم تحفظ کے احساس کو ختم کرنا ایک طویل المدت عمل ہے اور اس کی ابتدا، بنیادی اسباب کی تفہیم سے ہوتی ہے۔ علاج تو بلاشبہ گھر سے شروع ہوتا ہے لیکن جہاں اس کا امکان نہ ہو وہاں بھی اس کی اصلاح ممکن ہو سکتی ہے۔ مدرسہ کے اندر کچھ ایسے حالات پیدا کیے جا سکتے ہیں جو بنیادی اسباب کی دریافت میں معاون ہوں۔ بچے میں دلچسپی ظاہر کر کے اساتذہ یہ احساس پیدا کر سکتے ہیں کہ کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جن پر وہ بھروسہ کر سکتا ہے۔ اساتذہ اس کی واجب تعریف کے مواقع فراہم کر سکتے ہیں۔ شرم دلانے، مذاق اڑانے اور شخصی تنقید جیسی ملامت آمیز حرکتوں سے پرہیز کرنا چاہئے، گھٹے ہوئے احساسات کو بھی ظاہر کرنے کے مواقع فراہم کرنے چاہئیں۔ ان میں ڈرائنگ، تحریر اوزاروں کے ساتھ کام کرنا، آزادانہ کھیل اور شخصی ملاقاتیں بھی شامل ہو سکتی ہیں۔ ان سب موقعوں پر استاد کو یہ احتیاط رکھنی چاہئے کہ بچے کو کسی قسم کا اخلاقی صدمہ نہ پہنچے اور نہ تنفر اور حیرت کا اظہار کرے۔ شاید ان سب باتوں کی وجہ سے اس میں

شخصی مہارت پیدا کرنے کا حوصلہ پیدا ہوگا اور اس کی وجہ سے احساس عدم تحفظ کی وجہ سے اس کے اندر مقابلے کا مستحکم احساس پیدا ہوگا۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ مشاغل علمی ہیں، فنی ہیں ورزشی ہیں۔ سماجی ہیں یا ظاہری شکل وصورت کے رکھ رکھاؤ سے متعلق ہیں۔ جس طرح عدم تحفظ کے بنیادی اسباب کردار کے مختلف پہلوؤں میں سرایت کر جاتے ہیں اسی طرح اعتماد کا احساس بھی اگر کسی مخصوص شعبے میں پیدا ہو جاتے تو دوسرے شعبوں میں بھی مشاغل پر اثر انداز ہوتا ہے۔

احساس کمتری

سب سے پہلے الفرڈ ایڈلر (Alfred Adler) نے منحرف کردار کو سمجھنے کے لیے ایک نظریہ پیش کیا جو وسیع پیمانے پر مستعمل ہے۔ اس کے خیال کو مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ ہر شخص کی زندگی میں ایک ایسی قوی اور محرک طاقت ہوتی ہے جو اس کی حقیقی یا خیالی کمیوں اور کوتاہیوں کی تلافی کرتی ہے۔ اوائل عمر میں جب بچہ دوسروں کی توجہ کا محتاج ہوتا ہے اس وقت سے ہی وہ اقتدار آزادی اور برتری حاصل کرنے کی جدوجہد میں مصروف رہتا ہے جب ایک عرصہ تک اس خواہش کی تسکین نہیں ہو پاتی تو اس کا جو نتیجہ ہوتا ہے اس کو عرف عام میں احساس کمتری کہتے ہیں۔ چاہے ہم اس خیال سے متفق ہوں یا نہ ہوں کہ ہر فرد کے محرکات میں قدرتی طور پر اقتدار کا محرک کارفرما ہوتا ہے۔ یہ واضح ہے کہ بیشتر لوگوں میں بالغ حد تک خود اعتمادی اور خود شناسی کی کمی اور نااہلیت کا احساس پایا جاتا ہے۔ اس شخص میں بھی جو مکمل طور پر مطابقت پذیر ہے کبھی کبھی اعتماد کی کمی اور خود نگری پیدا ہو جاتی ہے لیکن ایک ایسے شخص کے کردار میں جو نقص مطابقت رکھتا ہے، بیشتر مسئلی موقعوں پر احساس کمتری کا اظہار ہوتا ہے۔ اس طرح عام کردار سے لے کر منحرف کردار تک احساس کمتری کی شکل بدلتی رہتی ہے۔ انتہائی صورت حال میں احساس کمتری کی مختلف علامتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ کبھی یہ خیال ہوتا ہے کہ دوسرے اس کی تنقید کر رہے

ہیں۔ کبھی یہ رجحان نظر آتا ہے کہ دوسروں سے ملنے جلنے اور دوسروں کے ساتھ رہنے سہنے سے احتراز کیا جاتے یا کبھی یہ عادت پیدا ہو جاتی ہے کہ ذراسی بات پر پریشانی لاحق ہو جاتے۔ کبھی اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی جھلک دوسروں میں نظر آنے لگتی ہے اور نئی صورت حال سے گریز کرنے کا میلان پیدا ہو جاتا ہے۔ اکثر صورتوں میں احساس کمتری کے ذریعے کردار کی تلافی ہوتی ہے۔ یہ تلافی کبھی نمود و نمائش اور کبھی کسی صورت حال پر تسلط حاصل کرنے کی شکل میں نظر آتی ہے ایسے مانع احساسات شواہد مدرسہ کے ان بچوں کے کردار میں بہت نظر آتے ہیں جو توجہ مبذول کرانے کے لیے منہ، پاؤں اور انگلیوں سے مختلف قسم کی آوازیں نکالتے ہیں، منہ بناتے ہیں، کھانستے ہیں، دوسروں کو ستاتے ہیں اور حکم عدولی کرتے ہیں۔

احساس کمتری کے اسباب کو بعض مخصوص عوامل کے بجاتے نقص مطابقت سے منسوب کرنا زیادہ آسان ہے اس کا تعلق کبھی کسی خاص کوتاہی یا کمی سے نہیں ہوتا بلکہ یہ احساس مبہم اور عام ہوتا ہے۔ تاہم بعض صورتوں میں مخصوص کوتاہیوں یا کمیوں سے ہی یہ احساس جنم لیتا ہے اور زندگی کے تمام شعبوں میں جاری وساری رہتا ہے اسی کے ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین کرنی چاہیے کہ بہت سے بچے جن میں کوتاہیاں اور کمیاں ہوتی ہیں اس احساس میں مبتلا نہیں ہوتے۔ اس لیے یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اس احساس کو فروغ دینے کی ذمہ داری اسباب پر نہیں ہے بلکہ اس طرز خیال پر ہے جو اس سے متعلق اپنایا جاتا ہے اگر اپاہج یا بدصورت بچے کے والدین مایوسی کا اظہار کریں اا اس احساس کی نشوونما کے لیے موزوں ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا احساس تحفظ پیدا کرنے کے لیے والدین جو رویہ اپناتے ہیں وہی رویہ یہاں بھی اختیار کرنا چاہیے اور بچے میں یہ تاثیر پیدا کرنا چاہیے کہ اس کو نظر عنایت سے دیکھا جاتا ہے۔ بچے میں کچھ کوتاہیاں ہوں یا نہ ہوں یہ ضروری ہے کہ اس کو قبول کیا جاتا اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہم سروں اور بھائیوں بہنوں سے ایسا موازنہ کرنے کی کوشش نہ کی جاتے جو اس کے لیے ناموافق ہو۔ اگر تنگ مزاجی یا نکتہ چینی غیرت

لانے یا سرزنش کی صورت میں بچے کی ناپسندیدگی کا اظہار کیا جاتے تو اس سے بھی احساس کمتری کا رجحان بڑھتا ہے۔

ثانوی مدرسہ کے استادوں کو خاص طور سے اس بات کی اہمیت تسلیم نی چاہیئے کہ عنفوان شباب کا دور جذباتی نشوونما کے لحاظ سے بہت نازک در ہے۔کیوں کہ اس دور میں جذبات کے اظہار میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ نوجوانوں میں عام طور سے یہ رجحان پایا جاتا ہے بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ عنفوان شباب میں قدم رکھنے والا شخص جب ل ذہنی اور جذباتی طور پر سن بلوغت کی یلغار کے لیے تیار نہ ہو جبتک ہ عمر کے فرق کو سمجھنے نہ لگے کہ اب اس میں جسمانی تبدیلیاں نمودار ہو رہی ہیں س وقت تک خدوخال کے ابھرنے، آواز کے بدلنے، پستانوں اور عضو تناسل کی جسامت کے بڑھنے اور روئیں داری شروع ہونے کی وجہ سے اس کی پریشانی اور الجھن بڑھتی رہے گی۔ان جسمانی تبدیلیوں کے علاوہ سماجی ماحول ور سماجی ذمے داریوں سے متعلق مسائل بھی درپیش ہوں گے۔اس دور میں خاص طور سے اس کے شناساؤں کا حلقہ بڑھ جاتا ہے اور اس کے مشاغل اور معاشی ذمے داریوں میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔باوجودیکہ اس کے جسم میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے ہنوز اس کو بچہ ہی تصور کیا جاتا ہے۔چنانچہ قانونی اور سماجی رسم ورواج کاروباری دنیا میں داخل ہوتے شادی کرنے اور بالغوں کے مشاغل میں شریک ہونے سے اس کو روکتے ہیں۔بالغوں کی نظر میں ان تمام بندشوں سے اس کی بھلائی مقصود ہوتی ہے لیکن خود اس نوجوان کے لیے یہ تمام باتیں شخصی کمتری کی نشانی ہیں۔ایسی صورت میں وہ دوسروں سے ایسا موازنہ کرنے لگتا ہے،جو اس کے لیے پریشانی کا باعث ہو۔وہ اپنے والدین سے کہتا ہے کہ اس کے ہمسروں کو زیادہ آزادی حاصل ہے۔اس کے ایک ساتھی نے زیادہ آزادی حاصل کرلی ہے اور اس کے کچھ دوستوں نے ملازمت اختیار کرلی ہے۔والدین اور اساتذہ کے لیے یہ صورت حال بہت مشکل ہے کیونکہ بچے کی بعض دلیلیں معقول ہیں اس لیے کہ جب تک ان مسائل کو معرض

طریقے سے سوچ سمجھ کر نہ حل کیا جائے نوجوانوں میں احساس کمتری پیدا ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

احساس کمتری کے اسباب کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کے تدارک کا منصوبہ بنانا چاہئے۔ ایک نوجوان کو اس کی حاجت ہے کہ وہ جیسا بھی ہے، ایک فرد کی حیثیت سے اس کو تسلیم کیا جائے۔ اس سلسلے میں اشخاص کے درمیان ہر قسم کے موازنے سے قطعاً پرہیز کیا جائے کیوں کہ جب کسی ممتاز شخص کی مثال دی جاتی ہے تو نہ صرف احساس کمتری میں شدت پیدا ہو جاتی ہے بلکہ اس مثال کے خلاف مخاصمت کا جذبہ پیدا ہونے لگتا ہے۔ اس لیے تضحیک سرزنش اور اور دھمکی جیسے منفی محرکات کے بجائے تعریف، انعام اور انوکھی تکمیل جیسے مثبت محرکات سے کام لینا چاہئے۔ اس بات پر خاص طور سے توجہ دینی چاہئے کہ پسندیدگی اور خوشنودی ظاہر کرنے کے معقول اسباب تلاش کیے جائیں۔ اس کتاب کے مختلف حصوں میں جو تدابیر پیش کی گئی ہے ان میں سے بہت ایسی تدابیر ہیں جن کا تعلق مشیت کے ان اصولوں سے ہے جو مدرسے کی زندگی میں کارگر ثابت ہو سکتی ہیں۔ ان میں مدرسے کے کام کی پیمانہ بندی بھی شامل ہے جو طلبا کی انفرادی لیاقت اور سابق تعلیمی کیفیت پر مبنی ہوتی ہے اور ان میں اس بات کو ملحوظ رکھا گیا کہ طلبا ء کی کامیابی اور ناکامی دونوں کے لیے مساوی تجربات پیش کیے گئے ہیں جو فنی صلاحیت اور معلومات پر مبنی ہوں جن کی مدد سے خود اعتمادی پیدا ہو سکے اور نمو پذیر بچے کو خود ارادیت کے ایسے مواقع حاصل ہو سکیں جو اس کی صلاحیت کے مطابق ہوں یہ تدابیر اختیار کرنے کے بجائے استاد کو تسلط حاصل کرنے کا سہل راستہ نہیں اختیار کرنا چاہئے۔

عنفوان شباب کے مشکل مسئلوں کی طرف کون سا طرز نظر اپنایا جائے اس کو دوسری جگہ پر پیش کیا گیا ہے یہاں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ نوجوانوں کو اپنی مشترکہ مسائل کو سمجھنے کے لیے فکرا نگریز لکچر کے مقابلے میں جماعتی مباحثوں سے زیادہ مدد ملے گی۔ ایسے جماعتی مباحثوں کی مدد سے نوجوان یہ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ مسائل جوان کے نزدیک انفرادی اور شخصی تھے ان میں اس کے ساتھی بھی

شریک ہو سکتے ہیں۔ یہ سمجھنے کے بعد کہ اس عمر کے دوسرے نوجوانوں کے مسائل ایسے ہی ہیں احساس کمتری سے بچنے میں مدد ملے گی۔ دراصل اگر نوجوانوں کو اپنی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے کا موقع دیا جائے تو وہ مسائل کو پہلے کے مقابلے میں زیادہ بالغ نظری کے ساتھ دیکھ سکتے ہیں۔

احساس مخاصمت

نقص مطابقت کی بعض ایسی قسمیں ہوتی ہیں جن کے اسباب میں ایک بڑا سبب احساس مخاصمت ہوتا ہے۔ اعصابی اضطراب بڑی حد تک مختلف قسم کے مخاصمانہ ہیجانات کے تحت رونما ہوتا ہے۔ فرد خود اپنے مخاصمانہ احساس کو محسوس کرتا ہے۔ اور اس وقت اس میں مبتلا رہتا ہے جب تک عمل کی صورت میں نہ ظاہر ہو جائے۔ نتیجے کے طور پر انتشار پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے سکون اور حسن کارکردگی کے ساتھ کام کرنے میں خلل پڑتا ہے۔ چھوٹے بچوں میں مخاصمت براہ راست ظاہر ہو جاتی ہے جو اساتذہ اور والدین کے لیے ناراضگی کا سبب ثابت ہوتی ہے گو بعض صورتوں میں بچہ تجربے اور تجسس کے طور کسی بچے کو پیٹ دیتا ہے یا چھوٹے بھائی بہنوں کو مارتا پیٹتا ہے لیکن اس کا بھی امکان ہے کہ یہ افعال مخاصمت کا اظہار ہوں۔

اس قسم کے احساسات کا ثبوت ان بچوں سے ملتا ہے جو کھیل کے میدان میں بہت زیادہ جارحانہ رویہ رکھتے ہیں دوسروں کو نام دھرتے ہیں اور لڑتے جھگڑتے ہیں۔ جانوروں کے ساتھ بے رحمی کا برتاؤ کبھی کبھی تو نہ تجربہ کاری کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی اسی مخاصمت کا خفیہ راز ہوتا ہے اس فعل کا مرتکب بخوبی جانتا ہے کہ جانور بے بس اور لاچار ہے۔ مزید خفیہ مخاصمت کا اظہار بے جان چیزوں پر حملہ کرنے سے ہوتا ہے۔ اس طرح مدرسے کی نقصان پہنچانا وڈیسک پر لکھنا اپنے دستخط کندہ کرنا کھڑکیاں توڑنا، بھی اسی مخاصمت کا اظہار ہے جس کی شناخت وہ خود نہیں کر پاتا ہے

احساس مخاصمت کے اسباب ان اسباب سے مختلف نہیں ہوتے جو مانع

مطابقت احساسات کی پشت پر کارفرما ہوتے ہیں۔ بچوں کے ساتھ بڑوں کا جو برتاؤ ہوتا ہے وہ اس طرح کے احساسات کا بڑا سبب بنتا ہے ۔ ایسے والدین کے لیے جو احساس عدم تحفظ اور خود غرضی میں مبتلا ہوتے ہیں پدرانہ ذمے داریاں کو قبول کرنا مشکل ہوتا ہے۔اس لیے وہ اپنے بچوں سے ایسی محبت نہیں کر پاتے جو نقص نشوونما کے لیے تریاق ثابت ہوسکے بچے کے مقابلے میں مضمون کو ترجیح دینا اور ایسا مقابلہ کرنا جس سے اول الذکر کو کم ترجتایا جائے ۔ یہ دونوں باتیں مخاصمت کا اظہار پیدا کرتی ہیں۔ بعض ماہرین امراض نفسی کا خیال ہے کہ بچے کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا جس میں استقلال نہ ہو۔سخت اور نازیبا برتاؤ کے مقابلے میں زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔
بچوں کے اندر رائج کی جو فطری خواہش ہوتی ہے اور جو مستحسن بھی سمجھی جاتی ہے بعض والدین اس میں بھی مزاحم ہوتے ہیں۔ چاہے ان کی نیت اچھی ہی کیوں نہ ہو اور مزاحمت بچوں کے تحفظ کے پیش نظر ہی کیوں نہ ہوئی ہو مگر اس کی وجہ سے بچوں میں احساس مخاصمت پیدا ہوتا ہے ۔ساتھیوں کے انتخاب میں مداخلت ، پیشے اور ناتجربہ کارانہ انتخاب کی تضحیک اور ورزشی، سماجی یا تعلیمی دلچسپیوں پر نکتہ چینی کرنے سے بھی احساس مخاصمت پیدا ہوتا ہے ۔

احساس مخاصمت کے تدارک کے سلسلے میں ایسا رویہ یقیناً بے کار ثابت ہوتا ہے جس میں بذات خود کردار کی جھلک آجائے۔اس کے باوجود عام طور پر یہی طرز نظر اپنایا جاتا ہے ۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اساتذہ اور والدین کو اس بات کا پورا یقین ہے کہ اگر مخاصمت کو بے حد ناخوشگوار بنا دیا جائے تو پھر اس کا اظہار کبھی نہیں ہوگا یہ تو ہوسکتا ہے کہ وہ اس طرح اظہار مخاصمت کو روک دیں لیکن دراصل اس کی وجہ سے اس احساس کا اظہار اس وقت تک کے لیے ملتوی ہوجاتا ہے جب تک کہ یہ کسی جرم کی شکل نہ اختیار کرلے اور اس دوران احساس مخاصمت نہ صرف شدت اختیار کرتا جاتا ہے بلکہ تناؤ کا متواتر سبب بنا رہتا ہے ۔
مثبت طرز نظر کو فلسفہ وعلت و معلول کے عوامل کے ذریعے پیش کیا گیا ہے

ان عوامل کے بار بار ذکر سے ان کی قبولیت کا پتہ چلتا ہے ۔اسی کے ساتھ ساتھ بالواسطہ اظہار کے بھی مواقع فراہم کرنے کی سفارش کی جاسکتی ہے اس کے لیے جسمانی ورزشیں فنی مشاغل اور شخصی ملاقاتوں کو ذریعہ بنایا جاسکتا ہے۔

تعریف اور ہمت افزائی کی شکل میں انفرادی عمل کو سراہنے سے بھی خود پسندیدگی کا احساس پیدا ہوتا ہے اور فرد یہ سمجھنے لگتا ہے کہ بچاؤ کے لیے مخاصمت کی ضرورت نہیں۔ ہر شخص کو اس بات کا موقع دینا چاہئے کہ وہ اپنی پسند سے اپنا ساتھی ڈھونڈ سکے اور مشاغل اور دلچسپیوں کو اپنا سکے۔ان سب باتوں کے علاوہ بچے کو اس کا بھی موقع ملنا چاہئے کہ وہ اپنے والدین اور اساتذہ سے اختلاف پیدا کر سکے جو یہ نہ سمجھتے ہوں کہ بچے کے کردار سے ان کی دیانت پر حرف آتا ہے ۔

احساس خطا

احساس خطا کا بہت قریبی تعلق احساس عدم تحفظ اور احساس کمتری سے ہے ۔اس طرح کے تمام احساسات سے پتہ چلتا ہے کہ فرد کو اپنی شخصیت کا کتنا ہلکا اندازہ ہے۔ تجربہ کار اساتذہ کو ایسے لوگوں کا علم ہوتا ہے جو معمولی کرداریں بھی اچھے برے اخلاق کی تمیز کرنے لگتے ہیں ۔احساس خطا کے ذریعہ اس خوف کا اظہار ہوتا ہے جو دوسروں کو ناراض اور آزردہ کرنے سے پیدا ہوتا ہے ۔

احساس خطا کے شواہد ان کرداروں میں نظر آتے ہیں جن سے خود اپنا ناکارہ پن ظاہر ہوتا ہے۔اس کی وجہ سے فرد یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس سے کوئی شرمناک، نازیبا اور کریہہ فعل سرزد ہوا ہے۔ بعض دفعہ زیر تجربہ فرد معمولی خوشیوں سے بھی خود کو محروم کر لیتا ہے اور اس برے فعل کی سزا بھگتنے لگتا ہے جس کو وہ اپنے آپ سے منسوب کر لیتا ہے اور بعض دفعہ اس اندیشے کے تحت بھی احساس خطا کا اظہار ہونے لگتا ہے کہ اس کے ہم سر اور بالغ اس کے

فعل پر ملامت کریں گے تفلیل کے جتنے بھی واقعات ہوتے ہیں (اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کے لیے دوسروں پر الزام لگانا) ان سب کو احساس جرم سے منسوب نہیں کیا جا سکتا لیکن بعض واقعات ایسے ضرور ہوتے ہیں جن میں خطا باعث تحریک بنتی ہے۔

احساس خطا کے اسباب نقص مطابقت پیدا کرنے والے دوسرے اسباب کے مماثل ہوتے ہیں۔ سخت تنقید اور بار بار ملامت کرنے سے احساس خطا بڑھتا ہے۔ ایسے موازنے سے جس میں کسی فرد کو کم تر دکھایا جائے فرد کی نالائقی کا احساس پیدا کرتا ہے۔ ایسے حادثات کی وجہ سے جن میں کوئی دوسرا شخص مجروح ہو اگر کسی شخص کو برابر نشانہ ملامت بنایا جاتا رہے تو اس کی وجہ سے بھی احساس خطا کو تقویت ملتی ہے ایسے بچوں سے نپٹنے کے لیے جو ناعاقبت اندیشانہ مشورے دیئے جاتے ہیں۔ ان میں دو اور بھی باتیں شامل ہیں جن سے احساس خطا میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایک تو بچوں کے ساتھ والدین کا یہ برتاؤ کہ جنس اور توالد و تناسل سے متعلق کھوج کرنا شرمناک بات ہے اگر جنسی کھوج کی بنا پر بچے کو شرم دلائی جائے چانٹا مارا جاتے اور ڈانٹا پھٹکارا جائے تو اس سے غیر طبعی تجسس کے پیدا ہونے کا امکان ہے اور چونکہ رازہائے سربستہ بیان نہیں ہوتے اس لیے تجسس کا دباؤ بڑھتا جاتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اعضائے تناسل کو ہاتھ لگانا غلط اور شرمناک کام ہے وہ اپنے عمل کو جاری رکھتا ہے تاکہ اپنی کمزوری کے سبب احساس خطا میں مبتلا رہے۔

اگر عنفوان شباب کی منزل پر کوئی لڑکا اس قسم کے بے بنیاد قصے سنتا ہے کہ ان حرکتوں کی وجہ سے ضعف دماغ اور دیوانگی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کے لیے یہ مسئلہ اور بھی شدید ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے کا دوسرا دباؤ مذہب کی تعلیمات پر مبنی ہے جس کے تحت خوف گناہ اور جزا کا حوالہ دیا جاتا ہے گو حالیہ برسوں میں اس قسم کی تعلیمات کم ہوتی نظر آ رہی ہیں پھر بھی مکمل طور پر ناپید نہیں ہو پائی ہیں۔

احساس تدارک کا مسئلہ کبھی اتنا مشکل ہو سکتا ہے کہ ماہرین امراض نفسی کی خدمات درکار ہوں۔ تاہم بعض انسدادی اور احتیاطی تدابیر تجویز کی جا سکتی ہیں۔ [۲۱]

سلسلے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ فرد کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے اور اس کا احترام کیا جائے از راہ ہمدردی اس کا انٹرویو کیا جائے خود اس کے محرکات اس کی صلاحیتیں اور قابل تعریف خوبیاں سمجھانے میں اس کی مدد کی جائے۔ بالغوں کی تفہیم کے مسئلے پر بحث مباحثہ کر کے اسے یہ سمجھایا جا سکتا ہے کہ وہ دوسروں سے مختلف نہیں اپنے ہمسایوں سے مماثلت رکھنے کا احساس جس طرح دوسرے بالغ احساسات پر قابو پانے میں معاون ہوتا ہے اس طرح احساس خطا کو بھی دور کرنے میں بہت معاون ہوتا ہے یہ واضح ہے کہ جنسی معاملات سے متعلق معروضی ڈھنگ سے معلومات فراہم کرنا بہت ضروری ہے۔ تولد اور تناسل سے متعلق کھوج کرنا کوئی نامناسب بات نہیں ہے بلکہ نشو و نما کا ایک عارضی مرحلہ ہے۔ اگر بچے کی ناعاقبت اندیشانہ تعلیمات سے بچے کی بالیدگی پر توجہ نہ دی گئی ہو تو اس قسم کی کھوج ختم ہو جائے گی۔ (یہ حوصلہ افزائی کی بات ہے کہ بہت سے بچوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ جنسی نشو و نما بلوغت کی جانب ایک اشارہ ہے) اس سلسلے میں ایسی مذہبی تعلیمات کا بھی مشورہ دیا جا سکتا ہے جو سزا اور خوف کے بجائے مثبت پہلوؤں کو پیش کریں محبت دوسروں کی خدمت اور استکمال نفس پر زور دینے سے بجائے اپنی قوت پر توجہ مرکوز ہو سکتی ہے۔ احساس خطا اچانک نہیں رونما ہوتا اور نہ کسی ایک واقعہ سے پیدا ہوتا ہے بلکہ ایک مسلسل خیر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس لیے تدارک کا عمل ایسا ہونا چاہیئے جو بالیدگی کی سست رفتار سے مناسبت رکھتا ہے اور جس کے تحت بالغ صبر سے کام لے اور ہر قسم کی ملامت سے گریز کرے۔

کشاکش

ایک لفظ جس پر بہت بحث ہوتی آئی ہے اور جس کی تشریح ضروری ہے وہ ہے کشاکش۔ ایک ایسی دنیا میں جہاں انتخاب کی آزادی نصب العین بھی ہے۔ اور خصوصیت بھی وہاں بارہا ایسے مواقع پیش آتے ہیں جب مختلف طریق عمل کی مخالفت کی جاتی ہو۔ اس لیے جہاں بھی کسی فرد کے سامنے انتخاب کا مسئلہ آتا ہے اس کو کشاکش سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جب عدم فیصلے کی منزل عارضی ہوتی

ہے اور جب فرد کے لیے انتخاب کی بہت اہمیت نہیں ہوتی۔ اس وقت کشاکش شدید نہیں ہوتی اور نہ اس کی وجہ سے شدید محرومی کا احساس پیدا ہوتا ہے یہی شدید محرومی نقص مطابقت کا سبب ہوتی ہے لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کشاکش دفع نہیں ہو پاتی اور متبادل صورت حال کا زور بڑھتا جاتا ہے۔ دراصل اسی مسئلی صورت حال میں جب جذبات آسودہ نہیں ہو پاتے تو انتشار کی کیفیت پیدا ہوتی رہتی ہے اور اس کی وجہ سے اشتعال اور نقص مطابقت بڑھتا رہتا ہے۔ ماہر نفسیات جب کشاکش کا ذکر کرتے ہیں تو اسی مسلسل کیفیت یعنی غیر حل شدہ مسئلے اور تناؤ کے جمع ہوتے رہنے کا حوالہ دیتے ہیں۔

بچوں میں کشاکش کے بیج اس وقت بوئے جاتے ہیں جب ان سے ایسے فیصلے کرنے کو کہا جاتا ہے جو ان کی پختگی کے لحاظ سے مشکل ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر دن کے اختتام پر جب کوئی باپ اپنے بچے کے عمدہ کردار کا صلہ دیتے ہوئے اس کے ساتھ کھیل کود میں مصروف ہوتا ہے کہانی سناتا ہے یا اس کو مٹھائی دیتے وقت پوچھتا ہے۔ "کیا تم آج اچھے بچے کی طرح رہے ہو؟" اس وقت بچہ یاد کرتا ہے کہ برتن دھوتے وقت اپنی ماں کا ہاتھ بٹاتے ہوئے جب اس سے ایک گلاس ٹوٹ گیا تو اس کی ماں نے اس کو برے بچے کے نام سے پکارا چنانچہ سچ بولنے اور صلہ حاصل کرنے کے درمیان کشاکش شروع ہو جاتی ہے بیشک اس قسم کا کوئی ایک واقعہ اہمیت نہیں رکھتا لیکن اگر روزانہ یہی صورت حال دہرائی جائے تو کشاکش ذریعہ بن سکتی ہے۔

اسکول کے بچے اس قسم کے مسائل سے اس وقت دوچار ہوتے ہیں جب استاد ایسے سوالات پوچھتا ہے جن کا جواب دیتے وقت بچہ یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کا اعتماد کھو بیٹھے گا بچے کو جس قدر اعلیٰ سماجی ذمے داری کا احساس ہوگا اسی قدر وہ کشاکش کا شکار رہوگا۔ بالغوں اور لڑکوں کو ایسے ایسے بے شمار حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے جو انھیں کشاکش میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر والدین کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کے دوست اور ساتھی بنیں۔ اس کے برخلاف انھیں یہ یقین ہوتا ہے کہ اپنے کام میں لگن پیدا کرنا

کر کے بچے اپنے تحفظ کی ضمانت کر سکیں گے۔ ان تمام مثالوں میں یہ بات رکھنی چاہیئے کہ کشاکش پیدا کرنے میں کوئی مخصوص مسئلہ اہمیت نہیں رکھتا بلکہ اہمیت اس بات کی ہے کہ اس کا اعادہ مسلسل ہوتا رہے۔

اس طرح کشاکش کی ایک قسم کے بارے میں یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ ان کا شعور ہوتا ہے اور ان سے واقفیت بھی ہوتی ہے۔ دوسری قسم کی کشاکش غیر شعوری ہوتی ہے۔ اس قسم کی کشاکش میں فرد دوہری مشکل سے واقف نہیں اس کی عام مثال دوگیرائی میں نظر آتی ہے یعنی ایک ہی شخص کے اندر متضاد احساسات کی موجودگی۔ اس طرح ایک بچہ اپنے والدین سے بیک وقت محبت بھی کر سکتا ہے اور نفرت بھی۔ بچے پر جو مخالفت عائد ہوتی ہے اس کی وجہ سے اس کی بعض خواہشات کی تسکین میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ جب اپنی خواہش کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور نتیجے کے طور پر سزا بھگتا ہے تو انتقامی جذبے کے تحت اس میں نفرت اور مخاصمت پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر یہ خوف بھی طاری رہتا ہے کہ والدین اس کو چھوڑ نہ دیں وہ یہ بھی جانتا ہے اس کے والدین اس کی خبرداری اور اس کی حاجتوں کا خیال رکھتے ہیں۔ اس صورت حال کو مکمل طور پر نہ تو سمجھا جاتا ہے اور نہ بیان کیا جاتا ہے۔ یہی غیر شعوری کشاکش کہلاتی ہے۔

غیر شعوری کشاکش کسی پرانے تجربے کا نتیجہ بھی ہو سکتی ہے۔ بہت پہلے کا ایسا ایسا ناخوش گوار تجربہ ہو سکتا ہے جو باعث تکلیف اور باعث خوف رہا ہو جو واضح طور پر یاد بھی نہ ہو بس کہیں کہیں اس کے دھندلے نقوش ایک خوف کی شکل میں باقی رہ گئے ہوں۔ بند جگہوں، جانوروں، یا کیڑے مکوڑے کا خوف بعض ایسے مخصوص واقعات کی وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے جو یاد بھی نہیں کیڑوں مکوڑوں کا یہ خوف حیاتیات پڑھنے کے سلسلے میں بھی کشاکش کی صورت پیدا کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کیڑوں مکوڑوں سے احتراز کرنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اندر ان کے ذکر سے بھی گریز کرنے کا رجحان پیدا ہو جاتا ہے باوجودیکہ وہ اس مضمون کو پڑھنا چاہتا ہے اور دوسرے ساتھیوں

کی طرح اس کا شوق بھی رکھتا ہے۔

اس شدید کشاکش کو دفع کرنا ماہرین نفسیات و ماہرین امراض نفسی کے لیے ایک مسئلہ ہو سکتا ہے تاہم یہ توقع کرنا جائز نہیں کہ ذہنی حفظان صحت کے اصولوں کو برت کر کشاکش سے کسی حد تک پرہیز کیا جا سکتا ہے یا اس کو کم کیا جا سکتا ہے اور اس کو برداشت کیا جا سکتا ہے بلکہ اس میں کامیابی کا امکان اس وقت پیدا ہوگا جب بچے کو قبولیت دی جائے اس کی خطاؤں کو معاف کیا جائے اس کے ساتھ بے باکی کے ساتھ معروضی ڈھنگ سے بحث و مباحثہ کیا جائے اور بچے کی انوکھی انفرادیت کی تفہیم پیدا کی جائے۔

مضر صحت مطابقت کے شواہد

پچھلے باب میں نقص مطابقت کے کچھ ایسے اسباب بیان کیے گئے ہیں جو بچوں کی مطابقت پذیری میں دشواری پیدا کرتے ہیں وہ بچے جو اس حد تک منحرف ہوتے ہیں کہ والدین اور اساتذہ کے لیے ایک مسئلہ بن جاتے ہیں ان میں کسی حد تک اس قسم کی بنیادی دشواریاں پائی جاتی ہیں۔ اس باب میں نقص مطابقت کے کچھ ایسے ہی اسباب کا جائزہ لیا جائے گا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اساتذہ میں نفسیاتی خرابی صحت کی بہتر تفہیم پیدا ہو جائے۔

لیبل کا خطرہ

بدقسمتی سے بعض لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اگر بچے کے کردار کی نشاندہی کر دی جائے تو اس کی بہتری کی مہم تقریباً سر ہو جائے۔ اگر ہم بچے کے کردار پر تاویل عقلی، تظلیل، ترغیل، تنہائی پسندی، خود غرضی یا ایسی ہی عمدہ تعریف کے ساتھ کوئی لیبل چسپاں کر دیں تو بھی اس بات کی ضرورت ہوگی کہ اس فرد کے مخصوص کردار کا خصوصی سبب دریافت کیا جائے۔ ایک طرح سے طبی دستور کا راستہ زیادہ سہل ہے اگر کسی بچے کی بیماری کی تشخیص

کرلی جائے اور پتہ چل جائے کہ اس کو گل سوجے یا خسرہ کی شکایت ہے تو ڈاکٹر کو اس کا علم ہو جاتا ہے کہ اس کا سبب کیا ہے۔ وہ ان کے صحیح علاج سے واقف ہوتا ہے۔ لیکن نقص مطابقت کی علامتیں نفسیاتی ہونے کی وجہ سے اس طرح ظاہر نہیں ہوتیں۔ یہ پورے طور پر واضح ہے کہ بچہ اپنی مشکلات کی تظلیل دوسروں پر کرتا ہے لیکن یہ واضح نہیں کہ اپنے مسائل سے نجات حاصل کرنے کے لیے تظلیل کے بجائے شرم و جھجک کیوں نہیں پیدا کر لیتا اور نہ ہی اس کا پتہ چلتا ہے کہ ناآسودگی کے کون سے جراثیم اس کی نجی زندگی میں سرایت کر گئے ہیں۔ یہ تو صرف اس کی ابتدا ہے۔ دوسرا قدم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے مشکلات کا سرچشمہ دریافت کیا جائے۔ پھر چونکہ مخصوص ہیجانات پر افراد کا ردعمل مختلف ہوتا ہے اس لیے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ ایک شخص اپنے مسائل کو کس طرح محسوس کرتا ہے۔ مختصراً یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ خارجی ماحول کے عوامل کو جان لینے کے بعد بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ نفسیاتی طور پر بیمار شخص کو ایسی امداد پہنچائی جا سکے جس سے وہ اپنے مسئلے کو حل کر لے۔ اس لیے علامتوں کو بتانے اور ان کی شدت کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ فرد کے اندر پوشیدہ تجسس کا بھی پتہ لگانا ہوگا۔

تنہائی پسندی

بہت پہلے اساتذہ تنہائی پسندی اور بوداپن کو ایک صفت سمجھتے تھے اس لیے کہ اس کی وجہ سے درجہ کے نظم و نسق میں کوئی خلل نہیں پڑتا تھا۔ لیکن آج کل یہ بھی ماہرین امراض نفسی کے ہم خیال ہو گئے ہیں اور اس کو نقص مطابقت کی ہی شدید علامت سمجھنے لگے ہیں۔ تنہائی پسندی کو ایک شدید علامت ماننے کا سبب اس کی تعریف ہی سے عیاں ہوتا ہے تنہائی پسندی، دنیا سے (اور خاص طور سے سماجی زندگی) سے فرار کا نام ہے تاکہ شکست اور مایوسی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ تنہائی پسند شخص نے اپنی شکست تسلیم کر لی ہے اور اپنی قسمت پر تکیہ کر کے بیٹھ گیا ہے۔ یہ بات بھی

ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ یہ علامت بھی بذات خود مطابقت پذیری کی ایک کوشش ہے۔ (اگرچہ ایک طویل المدت مطابقت پذیری کی ناکام کوشش ہے) یہ بھی بہت خطرناک بات ہے کہ اس لیے اس شخص کے اندر جو تناؤ پوشیدہ ہے وہ نہ تو دفع ہو پایا ہے اور نہ ظاہر ہو سکا ہے۔ اس لیے اس بات کا امکان ہے کہ اس کے طور وطریق میں آگے چل کے زیادہ شدید انحراف پیدا ہو جاتے۔ اس لیے اس کی معقول وجہ ہے کہ درجے کا استاد اس علامت کے ظاہر ہونے پر زیادہ تشویش کا اظہار کرے چاہے درجے کے معمولات میں اس کی وجہ سے کوئی مداخلت نہ ہوتی ہو۔

تنہائی پسندی کو پرکھنے اور اس سے نپٹنے میں جو بات قابل غور ہے وہ ہے انفرادی فرق۔ اس کا بہت امکان ہے کہ تمام افراد کے افعال سے بیسروں بینی کی ایک جیسی کیفیت نہ ظاہر ہوں۔ ہو سکتا ہے بعض بچے پورے طور پر مطابقت پذیر ہونے کے باوجود جو شرم ذجھجک اور بودے پن کا اظہار کرتے ہیں ممکن ہے کہ وہ کسی صورت حال میں وہ سمجھتے ہوں کہ انھیں خاص کارنامہ نہیں انجام دینا ہے۔ اس لیے وہ اس بات کی ضرورت نہیں محسوس کرتے کہ محض اپنی شنوائی کی خاطر خود کو آگے بڑھائیں۔

پھر کس طرح تنہائی پسندی کے کردار کی شدت کو پرکھا جاتے؟ اس کے دو جوابات مناسب ہو سکتے ہیں۔ ایک تو اس بات کا پتہ چلایا جائے کہ تنہائی پسندی کس حد تک سرایت کر چکی ہے اگر بچہ ہر قسم کے حالات میں بودے پن کا اظہار کرتا ہے جو کچھ کر سکتا ہے اس سے بھی گریز کرتا ہے اور آگے بڑھنے سے جھجکتا ہے تو پھر یہ شدید علامت ہے دوسرے عامل کا تعلق دوسری علامتوں کی موجودگی ہے اگر صرف شرمیلے پن کی بات ہے تو زیادہ اہم نہیں ہے لیکن اگر شرمیلے پن کے ساتھ ناخن کاٹنے، تتلانے عدم توجہی یا بدمذاقی کی عادت بھی ہے تو پھر اس کی چھان بین کی ضرورت ہے ماہرین نفسیات جب کسی فرد اور اس کے متعلقہ افعال کو جانے بغیر اس کے کردار کی ترجمانی کرنے سے انکار کرتے ہیں تو ان کے پیش نظر یہی رویہ ہوتا ہے۔

جب اس بات کی پرکھ ہو جائے کہ تنہائی پسندی غیر طبعی حد تک اس کے قریب پہنچ گئی ہے اس وقت اصلاحی اقدامات برمحل ہوتے ہیں۔ پہلے تو مخصوص اسباب کی جستجو ہونی چاہیئے۔ اس جستجو کے دوران خود ہی بہت کچھ اصلاح ہو جائے گی۔ پھر مرض کے لیے تشخیص اور معالجے کے لیے اقدام کیے جائیں گے۔ مثلاً بچے کی انفرادیت کو تسلیم کرنا، علم اور مہارت حاصل کرنے میں اس کی مدد کرنا اور پھر یہ بھی دیکھنا کہ اس کو کچھ کامیابی حاصل ہو رہی ہے یا نہیں لیکن اس دوران کہیں بھی جبر کا راستہ نہ اختیار کیا جائے۔

جارحیت

یہ علامت بھی مذکورہ بالا علامتوں کی طرح اگر بڑھ گئی ہے تو زیادہ شدید ہو گی ورنہ کم۔ یہ ان علامتوں سے زیادہ شدید ہے جن کے ذریعہ انتشار پیدا کر کے استاد کی توجہ مبذول کرائی جاتی ہے۔ دراصل اساتذہ اس کو کردار کا ایک اہم مسئلہ سمجھتے ہیں باوجودیکہ تنہائی پسندی کے مقابلے میں شاید کم خطرناک ہے کیوں کہ اس کے ذریعہ فرد اپنے احساس نامرادی کی تلافی کرنے کی ایک فعال کوشش کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ تنہائی پسندی پر قابو پانے کے لیے کردار کی سمت متعین کرنے کے ساتھ ساتھ رہنمائی کرنے کی بھی ضرورت ہے جب کہ جارحیت کے اصلاح کے کام میں جس بات کی ضرورت ہے وہ محض یہ ہے کہ کردار کو تعمیری راہ کی جانب موڑ دیا جانا چاہیئے

جارحیت کا بنیادی سبب عدم تحفظ کے احساس میں مضمر ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ ایسے کردار کو دبانے کے بجائے کسی اور سمت موڑ دینا زیادہ مناسب ہو گا۔ پھر بھی اساتذہ زیادہ تر یہی دوسرا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ یہ رجحان عام ہے کہ مرتکب فعل کو شرمندہ کیا جائے یا سزا دی جائے۔ ان افعال کی نوعیت کے پیش نظر جو مناسب طریقہ کار ہے وہ مشکل ہے کیونکہ اس کا انحصار ستائش کے مناسب مواقع کی فراہمی پر ہے ایک استانی

کے سامنے جب اس قسم کا ایک اہم مسئلہ آیا تو اس نے بچے کو بہت سے سربراہی کام سونپ دیئے اور اس کی جارحیت کو دور کر دیا اس کو کھیل کے سامان کا ذمہ دار بنا دیا گیا اور درجے کے سامان کا نگران۔ استانی نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا کہ اگر وہ جبری کنٹرول کے بجائے اشتراک عمل حاصل کرے تو بہتر ہوگا۔ چنانچہ جب اس نے بچے کے فعل کو قابل تحسین پایا تو اس کی تعریف کی۔

جبری ضبط کی وجہ سے جارحیت اور بڑھ جاتی ہے۔ دھمکی اور خوف کی وجہ سے عدم تحفظ کا احساس پیدا ہو جاتا ہے اور جب نگران جس کا اس کو خوف ہے نہیں موجود ہوتا تو یہ احساس لڑائی جھگڑے اور توڑ پھوڑ کی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ چونکہ اس طرح کے ہیجانی فعل سے استاد کے منصب اور رتبے کو دعوت مبارزت دی جاتی ہے۔ اس لیے قدرتی طور پر ردعمل یہ ہوتا ہے کہ بچے کے اندر مخاصمت پیدا ہو جاتے۔ چنانچہ صورت حال اور خراب ہو جاتی ہے۔ اس لیے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس سلسلے میں جو بھی رویئے اختیار کیے جاتیں وہ افہام و تفہیم دوستی اور صبر پر مبنی ہوں۔

روز۔ ایچ۔ ایلشُلر (Rose H. Alschuler) نے مشورہ دیا کہ جارحیت اور اس سے تعلق رکھنے والی بے رحمی اور توڑ پھوڑ دیگر علامتوں کی کی جانب جو تعمیری طرز نظر اپنائی جاتے اس میں گوناگوں تبدیلی کی ضرورت نہیں بلکہ ایک صرف بنیادی تبدیلی درکار ہے یعنی اس بات کا اطمینان کر لیا جاتے کہ بچے کی بنیادی حاجتیں پوری ہو گئی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ کام بہت مشکل ہے لیکن اس کے ذریعہ کم سے کم اس ضرورت کا تو احساس ہونے لگتا ہے کہ شخصیت کے ان مسائل کی طرف ہمارا کیا رویہ ہو جو بچے کی افہام و تفہیم اور اس بات سے تعلق رکھتے ہیں کہ بچے کی بالیدگی چوں کہ سست رفتار ہوتی ہے اس لیے تحمل سے کام لیا جاتے۔

بھگوڑاپن

بھگوڑاپن اور بدراہی کے آپسی رشتے سے متعلق جو بھی تحقیقات ہوئی ہیں ان کی بنیاد پر اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ بھگوڑے پن کا بدراہی سے گہرا تعلق ہے۔ بھگوڑاپن دراصل نقص مطابقت کا ایک علامت ہے اور جب یہ بدراہی کی منزل تک پہنچتی ہے تو بہت شدید ہو جاتی ہے یہ بات عام طور سے تسلیم کر لی گئی ہے کہ بھگوڑاپن قبل بدراہی کردار ہے۔ یہ کردار اس بات کا نقیب ہے اور اس خطرے کا اعلان ہے کہ اگر بچے کے انتشار انگیز خیالات کو بہتر نہ بنایا گیا تو شدید نقص مطابقت کا احتمال ہے۔

ابتدائی جماعتوں میں بچپن کا بدراہی کے دو واقعات کا مطالعہ کرنے سے گوناگوں اسباب کا پتہ چلتا ہے ایک لڑکا جس کی قدر ذہانت اسٹینفورڈ بینے (Stanford Binet) ذہنی جانچ کے مطابقت ۱۳۵ سے زیادہ تھی اس کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ اسکول سے غیر حاضر رہتا ہے کیوں کہ خود اس کے اپنے الفاظ میں ”انھیں ایک ہی طرح کی پٹی پٹائی باتیں سننی پڑتی ہیں“ چنانچہ اس نے مدرسہ کی اکتاہٹ سے بچنا شروع اور بظاہر اس سے زیادہ اکتا دینے والے دھندے میں مصروف ہو گیا وہ اپنے گھر کی برساتی اور زینے کے نیچے چھپ جاتا اور اپنے آپ پڑھتا رہتا یا کھیلتا رہتا۔ اس کے والد نے ایک ماہر نفسیات سے رجوع کیا اس نے اس کو کچھ کتابیں پڑھنے کا مشورہ دیا اور یہ بھی کہا وہ اس بچے کے استاد سے ملے اور دریافت کرے کیا اس بچے کو کچھ ایسا کام دیا جا سکتا ہے جس میں اس کو دلچسپی ہو۔ استاد معاون ثابت ہوا۔ اس نے بچے کو ایسے مشاغل میں مصروف رہنے کا انتظام کیا جن سے اس کی لیاقت کو چنوتی ملتی تھی۔ یہ مسئلے کا ایک آسان حل تھا کیوں کہ بچے میں اپنے آپ کام کرنے کی صلاحیت موجود تھی اس کو محض اس بات کی ضرورت

تھی کہ اس کے لیے مناسب سامان فراہم کر دیا جائے ۔ دوسرا واقعہ اس بچے کا تھا کہ جو تعلیمی معیار میں پیچھے تھا لیکن اس میں دست ورزی کی صلاحیت موجود تھی ۔ اس کی استانی نے اس کو اس قسم کے سامان سے محروم کر دیا تھا کہ وہ زیادہ وقت خواندگی میں لگاتے ۔ یہ بچہ اول الذکر کے بمقابلے تفریحات میں زیادہ دلچسپی لیتا تھا اس نے شہر کے مختلف مقامات کی سیر کی ۔ اس بچے کے سلسلے میں استانی نے یہ مدد کی کہ اس کے تعلیمی کام کا بوجھ ہلکا کر دیا اور تعمیری کام کے زیادہ مواقع فراہم کر دیئے ۔ جب جماعت کے پروجیکٹ سے فرصت ملتی تو جہاں دوسرے بچوں کو ایکٹنگ کرنے اور گانے بجانے کا موقعہ ملتا اس بچے کو بنچ ، اسٹول، لائٹ اسٹینڈ اور اس طرح کے دوسرے سامان بنانے کا موقع فراہم کیا جاتا

بھگوڑے پن کے دوسرے اسباب میں جبری ضبط کے بھی طور طریق شامل ہیں جن سے بچہ گریز کرنا چاہتا ہے ۔ اس کی تشریح یوں کی جاتی ہے کہ مدرسہ کا کام بچے کی نظر میں بے معنیٰ ہوتا ہے ۔ ناکامیابی کے خوف سے بہت سے بچے مدرسے سے غیر حاضر ہو جاتے ہیں ۔ یہ بچے اس بات کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں کہ مدرسے سے غیر حاضری کے باعث ناکامی کے امکانات اور بڑھ جاتے ہیں ۔ ابتدائی مدرسہ کی اونچی جماعتوں اور ہائی اسکول کے بچے مدرسے سے گریز کرنے لگتے ہیں ۔ ان کو محسوس ہوتا ہے کہ کبھی کبھی اس کے ہم سر طلبا، اس کے لباس کا مذاق اڑاتے ہیں ۔ نوجوانوں کی حاجتوں کے باب میں اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ کپڑوں کی ناپسندیدہ وضع قطع سے کبھی کبھی نوجوانوں کے اندر شدید جذباتی ایذا محسوس ہوتی ہے اور کبھی کبھی اس قسم کا احساس ان بچوں کے اندر بھی پیدا ہو جاتا ہے جو کسی اقلیتی اور نسلی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں ۔

اوپر جن واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ بھگوڑا پن سے پیدا ہونے والے نقص مطابقت کو دور کرنا نسبتاً

آسان ہے۔ لیکن عام طور سے ایسا نہیں ہے اس لیے کہ اس کے اندر بہت سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ چنانچہ استاد کے لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ بھگوڑے بچے سے متعلق جہاں تک ممکن ہو مطالعہ کرے۔ ایسے بچوں سے دوستی پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ نہ صرف مدرسے کے ماحول کو دلکش بنایا جا سکے بلکہ اس دوستی کے ذریعہ انفرادی طور پر بچوں کے احساسات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اور اس بات کی کوشش کی جا سکتی ہے کہ بچے کے شوق کی رہنمائی کر کے درجے کے مشاغل میں اس کا زیادہ فعال اشتراک حاصل ہو سکے۔ چوں کہ بھگوڑے پن کے کچھ اسباب گھر کے ماحول کی پیداوار ہوتے ہیں اس لیے استاد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے بچوں کے گھر کا بھی دورہ کرے۔ دورے کے موقع پر بچے کی خوبیوں پر زور دینا چاہیئے۔ والدین میں چونکہ عام طور پر یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ خود اپنے لیے جواز تلاش کرے اور بچے کو برا بھلا کہیں۔ اس کام میں ہمدردانہ رویہ اور مسائل کی بصیرت درکار ہوتی ہے۔ اس ضرورت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ بھگوڑوں کی حاجت کم اور "شخصی صلاح کاروں" کی خدمات حاصل کرنے کا زیادہ رجحان پایا جاتا ہے کیوں کہ بھگوڑے پن سے نپٹنا انھیں کا کام ہے۔

فضول گوئی

اساتذہ کو جن تکلیف دہ اور پریشان کن مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے ان میں ایک فضول گوئی بھی ہے۔ اول تو اس لفظ کی تعریف بیان کرنا مشکل ہے جینی کا یہ کہنا ہے کہ "فرینک نے مجھے دھکا دیا" یا اس نے میری پنسل لے لی" یقیناً فضول گوئی کا ہی ایک مسئلہ ہے اور شاید وقتی طور پر ان شکایتوں کو نظر انداز کر دینا چاہیئے۔ لیکن اسکول کے سامان کو توڑنے پھوڑنے یا دوسروں کی چیزیں چرانے کے مسلسل واقعات کو نظر انداز کرنا مشکل ہوگا۔ کیوں کہ فیصلہ کرتے وقت ان اشیا کی

مالیت کا بھی اندازہ کرنا ہوگا۔

فرض کیجئے کی فضول گوئی کی عادت بہت پختہ ہوگئی ہے اور اس کے اندر بہت سے بے ربط واقعات کا دخل ہے اس وقت اصلاحی اقدامات مناسب ہو گا گے عارضی طور پر فضول گوئی کو نظر انداز کرنے کا مشورہ دیا جاتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے اسباب کی جستجو نہ کی جائے۔ فضول وئی اگر گھناونی شکل میں نظر آئے تو اس کا اعتراف کر کے اس کی تحسین نہ کرنی چاہیئے بلکہ اس بات کی کوشش کرنی چاہیئے کہ اس کی حاجتیں رفع کردی جائیں۔ فضول گوئی حصول توجہ کی ایک کوشش ہے اس لیے جائز حاجتوں پر غور کرنے کے معقول اسباب تلاش کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اس بات کا اظہار کیا جا چکا ہے کہ بچہ استاد کے کرم کا امیدوار ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیئے۔ لیکن استاد کی گرمجوشی اسی وقت مستحسن ہوگی جب وہ بچے میں اچھی عادت پیدا کر سکے۔ سزا دینا، شرم دلانا علاج کے دونوں ہی طریقے نامناسب ہیں اس لیے کہ اس کی وجہ سے بچوں کا تحفظ خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ کردار کے دوسرے مسائل کی طرح فضول گوئی سے نپٹنے کے لیے فرد کی تفہیم اور اس کی مکمل بہبودی کی طرف قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔

جب کسی فرد کی بنیادی حاجتیں پوری نہیں ہو پاتیں تو اس کیفیت کا اظہار مختلف قابل اعتراض کرداروں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ کبھی کبھی اس کے شواہد عارضی ہوتے ہیں اور بہتر کرداروں کے سیاق وسباق میں رونما ہوتے ہیں کبھی کبھی ان شواہد کی چھاپ بہت گہری ہوتی ہے۔ اور بچے کے کردار میں نقص مطابقت کی علامتیں نمایاں ہوجاتی ہیں عام طور پر اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ بچے کی اچھی بصیرت حاصل کی جائے۔ اور اس کے ماحول کو بہتر بنانے کی متحدہ کوشش کی جائے۔

نقص مطابقت کے بنیادی اسباب وہ تجربات ہیں جن کا تعلق احساس عدم تحفظ احساس کمتری، احساس مخاصمت، احساس خطا اور تصور اور عمل کے تضاد سے ہے اور یہ بنیادی اسباب اس وجہ سے پیدا ہوتے ہیں

کہ بنیادی حاجتیں پوری نہیں ہو پاتیں اور انھیں فرد کی وجہ سے خوبی کے طور پر نہ تو قبول کیا جاتا ہے اور نہ ان کا اعتراف کیا جاتا ہے یہی نہیں بلکہ حاجت روائی کے سلسلے میں گھر اور مدرسہ کے اندر جبری ضبط کا طریقہ اور حاجتوں کی جانب اور خود انحصاری کی راہ میں روڑے اٹکاتے جاتے ہیں ایسے اخلاقی معیار پیش کرنا جن کی تعمیل فرد کی پختگی کے لحاظ سے بہت دشوار ہو اور بھائی بہنوں اور دوسرے بچوں سے ناگوار موازنہ کرنا دونوں ہی باتوں کی وجہ سے نقص مطابقت پیدا ہوتا ہے۔ نقص مطابقت کے متعدد مخصوص اسباب ہیں۔ نمایندہ مثالوں میں تنہائی پسندی، انتہائی جارحیت بھگوڑاپن اور فضول گوئی کی علامتیں شامل ہیں کردار پر تکنیکی ناموں کے لیبل لگانے کا مطالعہ اس بات سے ظاہر ہے کہ گویا ہر قسم کے کردار کا علاج ایک ہی قسم کا ہوتا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر بچے کو اس کے مخصوص ماحول اس کی صلاحیتوں، دلچسپیوں اور اس بات کے پیش نظر دیکھنا چاہیے کہ ان حالات کا جن سے وہ دوچار ہے خود کیا تصور رکھتا ہے باوجودیکہ نقص مطابقت کے شواہد کے لیے ذہنی حفظان صحت کو اکسیر نہیں تصور کیا جاسکتا اس لیے کہ اس کے ذریعہ جو حل پیش کیا جاتا ہے وہ سہل نہیں، پھر بھی ذہنی حفظان صحت کے اصولوں کا اطلاق کر کے اس کردار کی اصلاح اور تدارک ممکن ہے جو نقص مطابقت کا شکار ہے۔

مطالعہ اور بحث کی مشق

۱۔ ٹام کے کردار میں آپ کو نقص مطابقت کے کون سے بنیادی عوامل نظر آتے ہیں۔

۲۔ کیا بعض تجربہ کار اساتذہ نے کسی ایسے مشکل کردار کو بیان کیا ہے جس سے ان کا سابقہ پڑچکا ہے۔ کیا انھوں نے تمام ممکن حالات بیان کر دیے ہیں لیکن اصلاحی اقدام کو نظر انداز کر دیا ہے۔ استاد نے اس کے لیے جو تدابیر

اختیار کیں ان کا موازنہ ان تدابیر سے کیجیے جو جماعت کے ساتھ مباحثہ کے درمیان کی گئی ہوں۔

۳۔ کیا آپ کو ماں یا استاد کے رویئے میں کوئی کمی نظر آتی ہے جو انھوں نے ٹام کے ساتھ اپنایا۔

۴۔ بعض ایسے افراد کے بارے میں بتایئے جن میں احساس کمتری کا ثبوت ملا ہو۔ اس کے کچھ امکانی اسباب بھی بیان کیجیے۔

۵۔ کیا آپ کو ایڈلر کے نظریئے سے اتفاق ہے کہ ہر شخص احساس کمتری کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور زندگی احساس کمتری کی تلافی کی ایک کوشش ہے

۶۔ کیا آپ اس استانی سے اتفاق کریں گے جو یہ سمجھتی ہو کہ اس نے اپنے بچوں کے درمیان لڑائی بھڑائی کو ممکن حد تک نظر انداز کیا کیوں کہ اس کے خیال میں بچوں کے لیے مخاصمت کے جذبات سے نجات حاصل کرنے کی یہ ایک اچھی صورت ہے۔

۷۔ کیا احساس مخاصمت پر قابو پانے کی جد و جہد کا یہ نتیجہ ہوگا کہ ایک ایسی نسل پیدا ہو جائے گی جو اقدار سے خالی ہوگی۔ اور ایسا لگتا ہے اس وقت جنگ یا جنگ کی تیاری ایک نارمل بات ہوگی۔

۸۔ آپ کسی ایسے نوجوان کے مسائل کی طرف کیا طرز نظر اپنائیں گے جس نے والدین کے بتائے ہوئے اخلاقی معیاروں کی تعمیل کرنے کی کوشش کی ہو لیکن وہ یہ بھی چاہتا ہو کہ وہ اس گروہ میں کھپ جائے جو ان معیاروں کے خلاف ہوں۔

۹۔ کیا بھگوڑے پن کے کسی ایسے واقعہ سے آپ کا سابقہ پڑا ہے جس کا سبب نقص مطابقت نہ ہو۔ اس کا علاج اس بھگوڑے پن سے کس اعتبار سے مختلف ہوگا جس کا ذکر کتاب میں کیا گیا ہو۔

باب ۴

بچوں کی حاجت روائی

باب نمبر ۲ میں بتایا گیا تھا کہ بچوں اور نوجوانوں کی حاجتیں بنیادی طور سے عام انسانوں جیسی ہوتی ہیں۔ تاہم مختلف عمر کی سطح پر بعض حاجتوں کی شدت میں اختلاف ہوتا ہے۔ بچوں کی نمایاں حاجتیں عام انسانی حاجتوں کے مانند ہوتی ہیں اور جو اسکول کے سامنے میں بڑھتی جاتی ہیں۔ ان پر اس باب میں بہت زور نہیں دیا گیا۔

اسی کے ساتھ اس بات کی بھی اشارہ کرنا مناسب ہوگا کہ ذہنی صحت کے مسائل کی جڑ انھیں حاجتوں کے اندر ہوتی ہیں جب بچے اپنے طبعی اور سماجی ماحول سے مطابقت پیدا کرنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں اور جب وہ اپنے والدین اور اساتذہ کو الجھن میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ تو عملاً ان کا کہنا ہوتا ہے "بعض حاجتیں پوری نہیں ہوتیں اور نہ پوری ہو رہی ہیں۔ ٹھیک سے یہ پتہ نہیں کہ کیا دشواری ہے۔ لیکن حاجت روائی کی کوشش جاری ہے اور اس سلسلے میں بہت سے تجربات سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔" ایسا لگتا ہے کہ ان کی وجہ سے بالغوں کو پریشانی لاحق ہے۔" بیشک اس بچے کا تجزیہ اپنی جگہ پر واضح نہیں ہے لیکن اس کے کردار سے اس کی ترجمانی ہو جاتی ہے۔ اگر اساتذہ ان کرداروں کی ترجمانی کرنا سیکھ جائیں اور تفہیم کی کمی کے خلا کو پُر کر سکیں تو وہ ذہنی صحت کے معاملے میں اس بچے کے معاون ہو سکتے ہیں۔ جو اپنی بات کو واضح طور سے نہیں کر سکتا۔ اس طرح ایسے کرداروں سے بچے تین بچوں کی مدد کر سکتے ہیں۔ جن کا ذکر پچھلے باب میں ہو چکا ہے۔

— مندرجہ ذیل بیان گو کہ غیر معمولی بچوں کے سلسلے میں لکھا گیا ہے لیکن تمام بچوں سے متعلق ہے اور اس طرح بچوں کی حاجت روائی کے مسئلے سے بخوبی واقف کراتا ہے۔

"استادوں، مدرسے کے منتظموں اور سماجی کارکنوں کو غیر معمولی بچوں کے والدین کو اکثر یہ سمجھانے کی ضرورت پیش آتی ہے کہ تمام بچوں میں بنیادی جسمانی اور نفسیاتی حاجتیں ایک جیسی ہوتی ہیں تمام بچوں کی حسب ضرورت متوازن غذا آرام اور نیند مناسب درجہ حرارت مشاغل اور چاہنے اور چاہے جانے کی حاجت ہوتی ہے۔ انھیں خود سے اپنی زندگی گزارنے فیصلہ کرنے اور حصول تکمیل کا احساس پیدا کرنے کی خواہش ہوتی ہے اور یہ احساس اس صورت میں پیدا ہوتا ہے جب خود کچھ بنایا جائے کیا جائے اور اس کی قبولیت حاصل کی جائے تاکہ ان کے اندر یہ احساس پیدا ہو سکے کہ وہ بھی کار آمد انسان ہیں اور اپنے باطنی معیار پر پورے اترے ہیں بچوں کی جسمانی اور نفسیاتی حاجتوں کو پورا کرانے میں جس قدر معمولی بچوں کے والدین کی ذمہ داری ہے اسی قدر غیر معمولی بچوں کے والدین کی بھی!

عضویاتی حاجتیں اور مدرسہ

غذا اور جذبات

مختلف مضمونوں کتابوں اور تقریروں میں جذبات اور جسمانی تکلیف کا وہ تعلق بیان کیا گیا ہے۔ جو نامناسب غذا سے پیدا ہوتا ہے۔ بچوں کے معالجین اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ قبض بدہضمی بھوک کی کمی غذا سے بیزاری زیادہ صورتوں میں براہ راست مادی کمی کے بجائے جذباتی ناخوشگواری کا نتیجہ ہے۔ اس قسم کے زیادہ مباحث بڑوں پر مرکوز ہوتے ہیں لیکن بچوں میں بھی عام طور سے یہی صورت پائی جاتی ہے کہ جسمانی امراض بظاہر نامناسب غذا سے پیدا ہوتے ہیں اس تعلق کے بارے میں جاننا اساتذہ کے لیے بہت مفید ہے اس لئے کہ وہ اپنے بعض شاگردوں کے مسائل کا مطالعہ کرتے ہیں اور انھیں حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پہلی نظر میں تو ایسا لگتا ہے کہ استاد بچوں کی غذائی حاجتوں کے سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا لیکن بعض مفصل تجزیوں کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے اس سلسلے میں بہت کچھ کیا جا سکتا ہے بچوں کو غذائی

حاجتوں کے بارے میں پہلے بھی یہ بتایا جاتا رہا ہے اور اب بھی اس کو جاری رکھا جاسکتا ہے انھیں متوازن غذا کی کھانے کے مقررہ اوقات اطمینان سے کھانا کھانے اور صفائی ستھرائی کے ساتھ رہنے کی ضرورت ہے۔

دوسری بات جس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے کہ کھانا کھانے کے مقررہ اوقات اطمینان سے کھانا کھانے اور صفائی ستھرائی سے رہنے کی ضرورت ہے۔

دوسری بات جس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ کھانا کھانے کے اوقات میں جذباتی کیفیت خوشگوار رکھی جائے۔ اٹھویں درجے کی استانی نے سماجی علوم کے ایک سبق سے یہ گر سیکھا اور مدرسے کے اندر اس کی تحریک پیدا کی۔ یہ منصوبہ بہتر ذہنی صحت حاصل کرنے کے طریقوں کے عین مطابق ثابت ہوا منصوبہ شروع ہونے سے قبل مدرسے کے کیفٹیریا کی شان نرالی تھی وہاں پر شور بے حد ہوتا تھا اپنی پسند کے ساتھیوں کے پاس بیٹھنے کے لئے خوب اودھم مچتا تھا اور ہر شخص کو نکل بھاگنے کی بھی جلدی ہوتی تھی تاکہ جلدی سے فرصت ملے اور باسکٹ بال کا ایک گیم شروع کر سکے کسی نے میز پر اور فرش پر کھانا گرا دیا اور صفائی دوسرے کے اوپر چھوڑ دی بعد کی صورت حال سے اس کا موازنہ کیا گیا تو نمایاں فرق ملا۔ آٹھویں جماعت کے طالب علم کو میز کا ذمہ دار بنایا گیا میز پر عمدہ طریقے سے کھانا لگانے کے لئے چھوٹی جماعت سے ایک معاون ساتھی رکھا گیا اس بات کا اہتمام کیا گیا کہ موضوع گفتگو بہت خوشگوار رہے کسی کو کھانے کی جلدی نہیں تھی۔ اس لئے ہر بچہ اس بات کا منتظر رہتا کہ دوسرا ختم کرلے۔ آرائش کا کام ایک ٹولی کے سپرد تھا جب پھولوں کا موسم ہوتا یہ ٹولی پھولوں سے آراستہ کرتی صفائی پر زور دیا جاتا اچھے اخلاق سے پیش آنے کی مشق کرائی جاتی اور اس کو بہتر بنانے کے لئے مشورے طلب کئے جاتے اور ان مشوروں کو وقت کی نظر سے دیکھا جاتا۔ چنانچہ بچوں کو خوشگوار ماحول میں کھانا کھاتے دیکھ کر بے حد اطمینان ہوتا لیکن اس کے نتائج اور بھی دور رس ثابت ہوئے استاد کو ہر بچوں کی گفتگو کے دوران کچھ ایسی باتیں سننے میں آئیں کہ مدرسے کے اس کام کا گھر کے معمولات پر اثر پڑنے لگا ہے۔ کچھ لڑکیاں اس بات میں دلچسپی لینے لگیں کہ ان کے گھر والے اچھے اخلاق کا برتاؤ کرائیں، کھانے کی میز کو نظر فریب بنائیں اور کھانے کے دوران گفتگو کو قابو میں رکھیں۔ اس بات کا بالکل امکان ہے کہ بہت سے شاگردوں کو جب تک اسکول میں ان معمولات کی مشق نہ کرائی جاتی کبھی اندازہ نہ ہوتا کہ کھانے کو کیسے انتہائی خوشگوار بنایا جائے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ صحت اور غذا کے موضوع پر مدرسہ میں پچھلے برسوں میں جو اسباق دیئے گئے ہیں۔ ان کی بنیاد پر ذہنی حفظان کے حامیوں کے لئے امید بندھی ہے انھوں نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ جسمانی بیماریوں کی روک تھام کے سلسلے میں بھی ہوتی ہے اگر ذہنی حفظان صحت پر برابر زور دیا جاتا۔ ان کا خیال ہے کہ جیسے جسمانی صحت سے متعلق جو باتیں پڑھانے کے قابل ہیں۔ اسی طرح ذہنی صحت پر اسباق دیئے جاسکتے ہیں کہ ابتدائی برسوں میں عادتوں اور رجحانات کی جس طرح تشکیل ہوگئی اس کا اثر بالغوں کے ذہنی حفظان صحت پر بھی اسی طرح ہوگا۔

بچوں کو آرام اور ورزش کی حاجت

بہت پہلے سے ہمارے مدرسوں میں مختلف حیثیت ہے۔ ورزش اور ستانا بھی ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اس کے لئے جو موثر قدم اٹھایا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ بچوں کی انفرادی ضروریات کے مطابق ورزش کا انتظام کیا جائے اور آرام کے لئے وقت کی پابندی کرائی جائے۔ جسمانی ورزش کے بہت سے پروگرام ایک انبار کی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے ورزش اور آرام کے پروگرام کو بہتر بنانے کے لئے اساتذہ کو دو کام کرنے ہونگے۔

سب سے پہلے استاد طالب علم کے اس طبی کارڈ کو اچھی طرح دیکھے جس کی خانہ پری نرس یا ڈاکٹر نے کی ہے۔ قلب کی ایک ذراسی سرسراہٹ بھی بچے کو آسانی سے تھکا سکتی ہے اس لئے کارڈ پر جو تنبیہہ کی گئی ہے اس کو تھکان کی علامت سمجھ کر استاد کو زیادہ چوکنا ہو جاتا ہے۔

بینائی کے نقص کی وجہ سے بچوں کے لئے گیند کے بعض کھیل کھیلنا مشکل ہو جاتا ہے اور اس سے بچے کی طبیعت پست ہو جاتی ہے۔ ہاضمے کی شکایت کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ بچے کھانے کے بعد جتنا آرام کرتے ہیں اس سے زیادہ آرام کی ضرورت ہے یہ چند باتیں توضیح کے طور پر پیش کی گئی ہیں۔ ان سے یہ بات ضرور ظاہر ہوتی ہے کہ طبی کارڈ اگر مرحلہ پوری کے لئے بھرا جائے تو اس حقیقی طور پر فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے

دوسری بات یہ ہے کہ استاد بے چینی کی ان علامتوں کا مشاہدہ کرسکتا ہے جو طالب علموں میں اس وجہ سے پیدا ہو جاتی ہیں کہ انھوں نے اوسط طالب علموں کے مقابلے میں زیادہ محنت ورزشیں کی ہیں۔ بعض طالب علموں کی سرگرمی عمل کو زیادہ محنت کے کھیلوں میں استعمال کیا جاسکتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ بچے جو درجے کے اندر زیادہ فعال نہیں ہوتے وہ

کے ذریعے اپنے تعلیمی معمولات کی تسابلی سے خود کو ہم آہنگ کرتے ہیں دوسری طرف اساتذہ کو اس بات سے بھی باخبر ہو جانا چاہئے کہ بعض بچے اپنی طاقت سے زیادہ فعال نظر آتے ہیں چنانچہ عدم توجہی، دوسرے بچوں کے ساتھ تنک مزاجی کا برتاؤ اور استاد کی ہدایتوں پر چیں بہ جبیں ہونا یہ سب تکان کی علامتیں ہیں ایسی صورت میں استاد یہ تجزیہ کر سکتا ہے کہ ہوشیاری کے ساتھ ایک معقول حد کے اندر اس کو پر مشقت ورزش میں مشغول رکھے یا ایسے حالات پیدا کرے جن میں چھوٹے بچے اپنے معمولی کھیل کھیلتے رہیں اور وہ بچہ استاد کی مدد کرتا رہے بہت سی چھوٹی جماعتوں میں چھوٹے بچوں کے لئے دری بچھا دی جاتی ہے تاکہ وہ آرام کے وقت اچھی طرح لیٹ سکیں اور جسم کو پھیلا سکیں۔

اس میں کوئی شک نہیں ہونا چاہئے کہ بچوں کو کوئی شغل چاہئے اس کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے کہ اس کے ذریعہ وہ اپنا اظہار کرتے ہیں۔ مہارتوں کو وہ ترقی دیتے ہیں اس کی وجہ سے ان میں اعتماد اور مقابلے کا احساس پیدا ہوتا ہے یہ بچے جسمانی مہارتوں کی مشق کے ذریعہ بالغوں کے مشاغل کے لئے بنیاد استوار پیدا کرتے ہیں اور جسمانی ورزشوں سے قطع نظر ان مشاغل کے ذریعہ انھیں اس بات کا موقع ملتا ہے کہ سماجی صلاحیت کا تجزیہ حاصل کر سکیں لیکن ساتھ ہی ساتھ بچے آرام کے ذریعے اپنی زائل طاقت کو دوبارہ حاصل کر لیتے۔ اکثر گھروں میں یہ حاجتیں غفلت کے باعث نظر انداز کر دی جاتی ہے۔ اس لئے درجے کے استاد پر یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ صحیح طور پر جسمانی صحت کی جانب اپنے طالب علموں کی رہنمائی کرے اس کی وجہ سے ذہنی صحت بھی بہتر ہوگی۔

جماعت میں حرارت کا انتظام

گزشتہ باب میں بالغوں کی حاجتوں کو بیان کرتے وقت مناسب حرارت اور ہوا کے انتظام کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ درجۂ حرارت کا افراد پر نفسیاتی اثر ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت اس بات سے ہوتی ہے جو لوگ خط معتدلہ میں بستے ہیں ان میں بار آوری بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس عام خیال کے برعکس ہم گرمی اور دھوپ کے دنوں میں زیادہ کام نہیں کر پاتے اور باوجود یہ کہ ہم محسوس کرتے ہیں کہ کام نہیں ہو پاتے گا جن دنوں درجۂ حرارت ۶۰ اور ۷۰ کے درمیان رہتا ہے ان دنوں بار آوری سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ استاد کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ حرارت اور ہوا کی طرف توجہ

دے سکتا کہ نفسیاتی اعتبار سے بچے بار اور مشاغل میں مصروف ہو سکیں

گرمی اور ہوا کی قدرتی شکایتوں پر قابو پانے کے لئے استاد اور طالب علم بہت کچھ کر سکتے ہیں زیادہ اچھا یہ ہو کہ شاگردوں کو یہی ذمے داری سونپ دی جائے۔ سب سے پہلے ہوا اور حرارت پر گاہے بگاہے اسباق دینا موثر ثابت ہوگا۔ پھر بچوں میں اس بات کا احساس پیدا کرنا چاہیئے کہ درجے کے مشاغل اتحاد باہمی کے کام ہیں۔ استاد اور شاگردوں کو اس سلسلے میں مندرجہ ذیل باتوں کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔

(۱) مشاغل کی نوعیت کے مطابق درجۂ حرارت رکھا جائے تاکہ ایسے مشاغل کے لئے جس میں زیادہ جسمانی حرکت کی ضرورت ہو درجۂ حرارت ۶۸° اور ۷۰° کے درمیان قائم رہے اور جب مشاغل میں بہت زیادہ فعالیت پیدا ہو جائے تو درجۂ حرارت گھٹا کر ۶۴° کر دیا جائے۔

(۲) باس کا احساس ہونا چاہیئے۔ یہ احساس اس وقت زیادہ ہوتا ہے جب کوئی شخص باہر سے کمرے کے اندر آئے اور یہ اس بات کی پہچان ہے کہ کمرے میں ہوا کی ضرورت ہے۔ درجے کے مشاغل میں میں جو فرصت حاصل ہوتی ہے وہ ناخوشگوار باس کی وجہ سے گھٹ جاتی ہے۔

(۳) درجے کے مانیٹر مقرر کئے جائیں۔ ان کا کام یہ ہو کہ جب تفریح کے وقت بچے درجے سے باہر چلے جائیں تو وہ درجے کے اندر مناسب ہوا کا انتظام کر سکیں۔ واپسی پر کمرے کا تھوڑا سا ٹھنڈا رہنا مفید ہے۔ کمرے کے اندر درجۂ حرارت میں زیادہ تضاد نہیں ہونا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ کھیل کے میدان سے جب بچے کچھ حرارت کے ساتھ لوٹیں تو کمرۂ جماعت بہت زیادہ گرم ملے۔

(۴) یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ بچے درجے کے اندر کام کر رہے ہوں تو روزن اور ہوا کے راستے پورے وقت کھلے رہیں۔

درجۂ حرارت کو برابر دیکھتے رہنا چاہیئے۔ اس لئے کہ جماعت کے اندر جب اتنے بچے کام کر رہے ہونگے تو پھر آتش دان کا بھی درجۂ حرارت بڑھ جائے گا۔ استاد چونکہ اس وقت مختلف قسم کے کاموں میں مصروف ہوگا اس لئے درجۂ حرارت کی دیکھ بھال کا کام کسی طالب علم کو سونپ دینا مناسب ہوگا۔ اس غرض سے درجۂ حرارت کا ایک چارٹ رکھا جا سکتا ہے۔ یہ چارٹ پڑھانے کے لئے عمدہ ترکیب کا کام دے گا۔ اس کی مدد سے بچے یہ سیکھ سکتے ہیں کہ ان کے گھروں میں حرارت پہنچانے کا کام کس قدر ناکافی ہے۔ اس طرح کے اتحاد باہمی کے رویئے سے استاد کو اپنی ذمے داریوں سے کچھ فرصت مل جاتی ہے اور بچوں کو گروپ کے ایک امدادی رکن کی حیثیت سے کام کرنے کا موقع

مل جاتا ہے۔ عام طور پر اساتذہ اس قسم کی ذمے داریاں سست آموز بچوں کو سونپتے ہیں ورنہ ان میں یہ احساس پیدا ہو جائے گا کہ وہ اپنے درجے کے کاموں میں معاون ہیں۔

یہ تسلیم کہ حرارت اور ہوا کے انتظام کی تفصیلات اہم نہیں اور بظاہر یہ لگتا ہے کہ درجہ کے استاد کے متنوع فرائض میں ایک کام کا اور اضافہ ہو رہا ہے لیکن یہاں بھی یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ذہنی صحت کا کام بہت چھوٹی چھوٹی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ کوئی ایسا واحد طریقہ کبھی دریافت نہ ہو سکے گا بس یہ جان کر تسکین ہو جانی چاہئے کہ ایک ایک قدم چل کر ہم بڑی منزل طے کریں گے۔

حیاتی شدت اور اسکول کا بچہ

یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ حیاتی شدت عضویاتی حاجت ہے یا نفسیاتی۔ اس بات کا یقین ہے کہ جس حد تک بچہ بینائی اور سماعت میں کمزور ہو گا اس حد تک اس کی مطابقت کا مسئلہ مشکل ہے حالانکہ یہ بات مشکوک ہے کہ نقص بینائی بذات خود بد کرداری کا ایک سبب ہے۔ وہ بچے جن کی سماعت کمزور ہے لازمی طور پر مسئل بچے نہیں ہوتے بلکہ ان میں اکثر خوش و خرم اور بخوبی مطابقت پذیر نظر آتے ہیں لیکن اس قسم کے نقائص بلاشبہ کردار میں ضابطگی پیدا کرنے میں معاون ہوتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ بچے کی کمیوں کے سلسلے میں جو رویہ اختیار کیا جاتا ہے وہ حیاتی نقص کا ایک بڑا سبب بن جاتا ہے اگر اساتذہ اور والدین ان کمیوں کو تسلیم کریں تو اس کا بہت زیادہ امکان ہے کہ بچہ مدرسے اور سماج کے مطالبات کی تعمیل نہ کر سکے گا اور اس کی توقع کرنا زیادتی ہو گی۔ دوسری طرف اگر ان کمیوں کے ساتھ رعایت کی گئی تو بچے کی ہمت افزائی ہو گی اور سہولت کے ساتھ معمول کے مطابق اس کی نشو و نما ہو سکے گی۔

چوتھی جماعت کا ایک بچہ جو اپنے ہم جماعتوں سے اکثر لڑتا جھگڑتا رہتا ہدایات پر کان نہ دھرتا اور اس کی ذہانت کی جانچ کی بنیاد پر جس معیار کی توقع تھی وہ بھی نہ پورا کرتا۔ اس کے بارے میں یہ شبہ ظاہر کیا گیا کہ اس کی بینائی کمزور ہے۔ استانی نے نوٹ کیا کہ جب بورڈ پر کوئی چیز لگائی جاتی تو وہ بار بار اپنے سر کو موڑ کر بھینگے پن سے اس کی طرف دیکھتا استانی نے اسنلین چارٹ کی مدد سے جانچ کی نتائج سے والدین کو مطلع کیا اور کسی ماہر امراض چشم سے بچے کی مزید جانچ کرائی۔ اس کو عینک تجویز کی گئی۔ جس دن وہ عینک لگا کر اپنے درجے میں داخل ہوا تو دروازے پر رک گیا اور ایک بچے پر جو کمرے کے دوسرے سرے پر تھا چلا اٹھا جانی میں تمھیں یہاں سے دیکھ

سکتا ہوں" اس کے بعد اسکول کے کام میں اس کی دلچسپی بڑھ گئی اور بچے کے سماجی تعلقات نمایاں طور پر بہتر ہو گئے۔ اس طرح کے بہت سے واقعات سے اس کی شہادت ملتی ہے کہ اپنے ماحول سے اگر کافی رابطہ نہ پیدا ہو تو مسلسل انتشار اور نامرادی کا باعث ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ اس کا بھی امکان ہے کہ بینائی میں دشواری کی وجہ سے آنکھوں پر بار پڑتا ہے اور جسمانی طور پر تکلیف محسوس ہونے لگتی ہے۔ آنکھوں میں ٹیس اٹھنے اور سر کے درد اور سر گرانی کے باعث بچے کے لئے جماعت کے کاموں پر اپنی توجہ رکھنا مشکل ہو جاتا ہے جسمانی تکلیف کے باعث بچہ تنک مزاج ہوتا ہے اور پھر وہ اپنے ساتھیوں اور اساتذہ سے بھی الجھنے لگتا ہے۔ اسی طرح کان کی خرابی سے بھی جسمانی تکلیف پیدا ہو جاتی ہے اور بچے میں بے توجہی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ درجے کے مشاغل کے دوران جو کچھ کہا جاتا ہے اس کو سننے سے معذور ہوتا ہے۔ ان تمام واقعات سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ بچہ جب عینک لگا لیتا ہے، اس کے کان کا میل نکال دیا جاتا ہے یا اس کو آلۂ سماعت مہیا کر دیا جاتا ہے تو نتیجے کے طور پر فوراً اس کے کردار میں سدار نظر آنے لگتا ہے۔

اس لئے مدرسے کے بچوں کا پابندی کے ساتھ متعدد بار طبی معائنہ کرنا ان کی حاجت روائی کی جانب پہلا قدم ہے۔ ان معائنوں کے دو مقاصد ہونے چاہئیں۔

(۱) شکایات رفع کرنے کے لئے فوراً اصلاحی قدم اٹھانا۔

(۲) بچوں کی کمیوں کے سلسلے میں رعایت کے ساتھ پیش آنے میں استاد کی ہمت افزائی کرنا اچھا تو یہ ہو کہ معائنے کی خدمت مشیر طبی، نرس، یا خود وہ استاد انجام دے جس کو اس سلسلے میں مخصوص ہدایات مل چکی ہوں۔ والدین کی تعلیم کے لئے ان تینوں کے اشتراک کی ضرورت ہوتی ہے یا ان مخیّر اداروں کی فہرست درکار ہوتی ہے تشخیص شدہ امراض کو رفع کرنے میں بچوں کے معاون ہو سکیں۔ استاد بچے کو ایسی جگہ بٹھانے میں مدد کر سکتا ہے جہاں سے وہ اچھی طرح دیکھ سکے یا سن سکے۔ وہ بچے کے اس منحرف کردار کی جانب توجہ مبذول کر سکتا ہے جو کسی خاص عیب کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے وہ اس قسم کی معاونت اسی وقت کر سکتا ہے مخصوص کمیوں کی موجودگی سے واقف ہو۔ اس واقفیت کا معتبر ذریعہ طبیّ معائنہ ہی ہے۔

ایسے دوسرے بھی طریقے ہیں جن کی مدد سے استاد یہ معلوم کر سکتا ہے کہ بچے میں حیاتی نقص پایا جاتا ہے۔ سماعت کی شکایت کا تعلق مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک سے ہو سکتا ہے۔

۱۔ آواز کی سمت کا پتہ چلانے سے قاصر رہنا۔

۲۔ ضروریات جتانے کے لئے معمول سے زیادہ ہاتھ کا استعمال کرنا۔

۳۔ ایسی آواز نکالنا جس میں لہجے کا زیر و بم نہ ہو یا گونج کم ہو۔

۴۔ توازن قایم کرنے میں دشواری محسوس کرنا۔ اکثر گر جانا یا لڑھک جانا۔

۵۔ تلفظ کی غلطیاں کرنا اور الفاظ کی صحیح ادائیگی سے قاصر ہونا۔

۶۔ ہدایات پر توجہ نہ کرنا اور تعمیل میں اکثر غلطی کرنا۔

۷۔ اچھی طرح آواز سننے کے لئے سر کو گھمانا۔

۸۔ کان کے پاس ہاتھ لے جاکر بہتر طور سے سننے کی کوشش کرنا۔

۹۔ کسی بات کو بار بار دہرانے کے لئے کہنا۔

۱۰۔ لکھتے وقت املا کی غلطیاں کرنا۔

۱۱۔ گروپ کے مشاغل میں عدم توجہی دکھانا۔

۱۲۔ انوکھی نشست۔ معمول کے خلاف سر کو ٹیڑھا کرنا۔

اس کے علاوہ کان بہتے، کان میں درد ہوتے اور سر میں آواز گونجنے کی شکایتوں کے پیش نظر کان کا اچھی طرح معائنہ کرانا چاہئے۔

بینائی کے سلسلے میں بھی کردار کی ایسی ہی علامتیں نظر آسکتی ہیں جن سے یہ اندازہ ہوتا ہو کہ بچے کی بینائی کمزور ہے۔ استاد کو ان علامتوں سے پوری طرح واقف ہونا چاہئے تاکہ ان میں سے کوئی علامت نظر سے اوجھل نہ ہو سکے۔

۱۔ لکھتے یا پڑھتے وقت کچھ چھوڑ جانا۔

۲۔ بار بار آنکھیں ملنا۔

۳۔ آنکھ سے پانی بہنا، آنکھ میں خون جم جانا، پپوٹوں کا سرخ ہو جانا اور انجن ہاری کی اکثر شکایت ہونا

۴۔ درد سر کی شکایت کرنا یا پڑھتے وقت دھندلا محسوس کرنا۔

۵۔ پڑھنے کے بعد چلانے یا غصے کا دورہ پڑنا۔

۶۔ چہرے کو رگڑنا اور بار بار پلکیں جھپکانا

۷۔ پڑھتے وقت کتاب کو بہت قریب یا دور رکھنا

۸۔ پڑھتے وقت آنکھیں بند کر لینا یا آنکھوں کو ڈھک لینا۔

۹۔ تختہ سیاہ پر پڑھنے کے لئے سر کو ایک طرف میڑھا کرنا۔

۱۰۔ ہم شکل الفاظ کو پڑھنے میں اکثر غلطی کرنا۔

۱۱۔ دور کی چیزوں پر نظر ڈالتے وقت جسم میں تناؤ پیدا کر لینا۔

۱۲۔ پڑھائی کے دوران جب تختہ سیاہ پر کچھ لکھا جا رہا ہو تو اس کو پڑھنے اور کھیت کی سیر کے وقت میں بے توجہی برتنا۔

حسیاتی شدت اور عضویاتی حاجتوں میں تعلق پیدا کرنے کی مندرجہ ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں۔ بچہ اپنے طبعی ماحول سے بہت قریبی اور سچا رابطہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اگلے صفحوں میں یہ دکھایا جائے گا کہ حسیاتی شدت بھی انھیں حالات کی پابند ہے جن کے تحت بچے کی نفسیاتی اور سماجی حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔

بچوں کی بنیادی شخصی حاجتیں

کمرۂ جماعت اور احساس تحفظ

جیسا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ احساس تحفظ کی بنیاد صرف بچے کی قبولیت پر نہیں بلکہ زیادہ کم عمر بچوں کے لئے شاید خود کو محفوظ (یا غیر محفوظ) سمجھنا دوسروں کے برتاؤ پر منحصر ہے لیکن مدرسے کی عمر کے بچوں کو قبولیت کی حاجت ہوتی ہے۔ بڑے بچوں کے تحفظ کی بنیاد اس کی اپنی صلاحیتوں اور اس کے اپنے اعتماد پر ہے۔ اس کو یہ محسوس ہونا چاہیئے کہ اس کو محض شرف قبولیت نہیں بخشا جاتا بلکہ گروپ کے فرائض کی انجام دہی میں اس کی اپنی اہمیت ہے اور مجموعی حیثیت سے وہ درجے کی زندگی کا ایک حصہ ہے

اس طرح دوسرے قسم کے احساس تحفظ کے تحت استاد کی دوہری ذمے داریوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ استاد کو چاہیئے کہ بچہ جیسا بھی ہے اس کو قبول کرے چاہے وہ سست آموز ہو، خراب زبان استعمال کرنے کا عادی ہو، صاف ستھرا نہ رہتا ہو اور بدتمیز اور گستاخ ہو۔ مزید براں استاد دوسرے بچوں کو بھی یہ تعلیم دے کہ اس بچے کو قبول کریں اور قبولیت حاصل کرنے میں مزاحم ہونے کے بجائے اس کی امداد کریں۔ آخر الذکر بات کی تکمیل بہت سہل طریقے سے ہو سکتی ہے

وہ اس طرح کہ استاد اپنے شاگردوں میں اعتماد پیدا کرے انھیں سمجھائے کہ کسی ایک بچے یا بچی کو امداد کی ضرورت ہے اور اس کے افعال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو کچھ مشکلات درپیش ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شروع شروع میں دوسروں کی ہمدردی قبول کرنے سے گریز کرے لیکن جلد ہی وہ اپنے ساتھیوں کی کوشش کو سراہنے لگے گا اور جواباً اس کے ساتھی بھی اس کو سراہنے لگیں گے

ایک بچے کو یہ جتانے کے لئے کہ اس کو قبولیت دی جارہی ہے بس تھوڑی سی دوستی کی ضرورت ہے۔ ایک اسکول کا پرنسپل جو اپنے دوستانہ رویوں کی وجہ سے مشہور تھا اس نے اس خوبی کا اظہار اس طرح کیا کہ جو بچے اس کے پاس کچھ کہنے کے لئے آتے ان کی پیٹھ تھپک دیتا۔ چنانچہ اسکول کے بچے خاص طور پر اس کے پاس جاتے تاکہ اس کو مخاطب کرنے کا موقع مل سکے۔ پرنسپل نہ صرف اپنے پانچ سو طالب علموں کے نام جانتا تھا بلکہ ان کی خصوصیات اور دشواریوں کا بھی مشاہدہ بھی کر لیتا تھا۔ ایک موقع پر اس نے یہ دیکھا کہ ایک چھوٹا سا بچہ سامنے کی سیڑھی پر بیٹھا رو رہا ہے وہ صرف بچے کے پاس گیا اور کئی منٹ تک خاموش بیٹھا رہا۔ جب اس نے رونا بند کیا تو پرنسپل نے اس کی کمر کے گرد اپنے ہاتھ حمائل کر دیئے اور اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرنا شروع کر دیں کچھ دیر آپس میں بات چیت کرنے کے بعد بچے نے اس کی بات کا جواب دینا شروع کیا تب پرنسپل اس کی تکلیف کے بارے میں پوچھا اور اس سے ہمدردی جتائی۔ آخر میں اس نے بچے کو آہستہ سے آگے ٹھیلتے ہوئے کہا "بہت اچھا، جلدی جاؤ تمھارے استاد کو تمھاری تلاش ہو گی" اس طرح کا دوستانہ برتاؤ اور دلجوئی بچوں پر دیرپا اثر رکھتی ہے اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ان کی تحسین کی جا رہی ہے۔

دوسری بات جو استاد کو کرنی چاہیئے وہ یہ ہے کہ بچے کو آزادی اور ڈھیل دی جائے تاکہ وہ خود سے چیزوں کا تجزیہ حاصل کر سکے۔ بچہ کیا پڑھے، تصویر کیسے بنائے اور مباحثے کا موضوع کیا ہو ان باتوں سے متعلق تفصیلی ہدایات دینے کے بجائے اس کو اس بات کی اجازت ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے طور پر کچھ کرنے کی کوشش کرے۔ بچوں کو احساس تحفظ پیدا کرنے کی حاجت ہے اور اس کے لئے بھی آزادی درکار ہے۔ ڈاکٹر ولیم۔ سی۔ بلاٹز (Dr. William C. Blatz) نے والدین کو مشورہ دیتے ہوئے اس بات کا ذکر کیا ہے۔ "جذباتی تربیت کا پورا مسئلہ صرف محبت کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ گھروں میں بہت زیادہ محبت دکھائی جاتی ہے۔ اگر اس کے بجائے

صحت مند طریقے سے کافی بے اعتنائی دکھائی جائے تو ہم لوگوں کے لئے جو ذہنی صحت کے میدان میں کام کر رہے ہیں بہت تھوڑا کام رہ جائے گا۔"

(۷) لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ معقولیت اور محافظت کی حدود کے اندر اس کو اپنے مشاغل میں آزادی ہونی چاہئے۔ اسی آزادی سے اس کے اندر خود انحصاری پیدا ہوگی۔

دست درازی کی حاجت اور تجسس کی تسکین

چونکہ ہماری خواہش ہوتی ہے کہ بچہ جلدی سے بڑا ہو جائے اس لئے ابتدائی مدرسے کے بچوں کے لئے کھوج کرنے اور سیکھنے کی حاجت روائی کا کام مشکل ہو جاتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اساتذہ میں یہ رجحان عام طور سے پایا جاتا ہے کہ وہ بڑوں کے معیار سے کردار کی ترجمانی کریں۔ اپنے گراں قدر تجربات کے پس منظر میں اس بات کی افادیت کو تسلیم کرنا ہمارے لئے آسان ہوتا ہے کہ بچے حساب کتاب میں مہارت حاصل کریں۔ ہم چاہتے ہیں کہ بچے خواندگی میں اچھی استعداد اور اچھا ذوق پیدا کریں اور اخلاق اور عزت سے پیش آنے کی عادت ڈالیں۔ ابتدائی جماعتوں کے بچے ان عوامل کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ بیشک بہت سے بچے عمدہ اطوار پیدا کرتے ہیں۔ لیکن اس لئے نہیں کہ اس کی اہمیت کو وہ سمجھتے ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ اپنے اساتذہ اور والدین کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس لئے بھی کہ ان کے سامنے بالغوں کی ایک قابل ستائش مثال ہوتی ہے اس قسم کے محرکات اچھے ہوتے ہیں۔

دوسری طرف کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو دوسروں کی خوشی سے بہت کم سروکار رکھتے ہیں اس لئے انھیں مدرسے کے رسمی ماحول کی اقدار سے روشناس کرانا دشوار ہوتا ہے اور شاید اس کی کوئی آسان صورت بھی نہیں۔ پھر بھی اس کا امکان ہے کہ وہ بچوں کو کھیلتے ہوئے کمرہ جماعت میں عمل کرتے ہوئے اور شاگردوں اور استادوں سے مصروف گفتگو ہوتے ہوئے دیکھ سکیں اور ادراُن کے محرکات کا مطالعہ کر سکیں۔ یہ محرکات مدرسے کے مشاغل کی منصوبہ بندی کرتے وقت نقطۂ آغاز کا کام دے سکتے ہیں۔ جیسے بال کھیلنا، سیکھنا، بیمار بچے کی دیکھ بھال کیلئے ہوم سائنس کے کام سیکھنا، مٹھائی کی دوکان چلانا، مدرسے کے اندر گرمی پہچاننے والی مشین سے متعلق معلومات فراہم کرنا، کوئی بھی اس قسم کا کام مدرسے کا مرکزی مشغلہ بن سکتا ہے اور ان کے ذریعے بچوں میں خواندگی اور گنتی سیکھنے اور مِل جُل کر رہنے کی تحریک پیدا ہو سکتی ہے یہاں

اہم نکتہ یہ ہے کہ ہمیں یہ نہیں فرض کر لینا چاہئے کہ محض نصاب میں کچھ باتیں شامل ہونے کی وجہ سے بچے اپنے تجسّس کی تسکین براری پر آمادہ ہیں بلکہ ان کی باتیں سُن کر ان کی دلچسپیوں کا پتہ لگانا چاہئے۔ اموزش اور دست ورزی کے مواقع فراہم کرنے میں موجودہ دلچسپیوں اور ان کے محل استعمال کو جاننا بہت ضروری ہے

لڑکوں اور لڑکیوں کے تجسّس کو تعلیم میں تعمیری طور پر کیسے استعمال کیا جاسکتا ہے اس کی ایک مثال اس روئداد کے ذریعے پیش کی جاتی ہے۔

مینو سوٹا ٹوئن سٹیز (Minno Sota's Twin cities) کے نزدیک ہینی پن کونٹی (Henne pin county) کے دیہی علاقے میں ایک اچھا ماحول تھا۔ یہیں کے مدرسے آرنکے براؤن اسکول میں گزشتہ سال ایک دلچسپ بات ہوئی جب اٹھویں جماعت کے ۲۵ طلبا ان کی استانی ایتھل نارڈلنگ اور ان کے پرنسپل مارون پروکاسکی نے ٹوئن سٹیز سے کلوکٹ ڈولتھ تک، جو جنوبی ساحل پر واقع ہے اور کچے لوہے کا علاقہ ہے، بس سے ۱۲۰ میل کا سفر کیا راستے میں اٹاسکا اسٹیٹ پارک اور مینو سوٹا جھیل کے علاقے سے گزرے۔ یہ سیاحت چھ دن کی تھی۔ ۴۰۰ ڈالر میں پوری بس کرائے پر لی گئی تھی۔ والدین اور اساتذہ کی انجمن نے ایک سرکس کا اہتمام کر کے اس رقم کی ادائیگی کی۔ دو بچوں کے علاوہ سب نے تعلیمی سال کے اخبار بیچ کر، فارم پر کام کر کے یا بچوں کی نگرانی کر کے اتنی رقم اکٹھا کر لی تھی کہ بس کے اخراجات کے علاوہ تمام متوقع اخراجات پورے کر سکیں۔ کمرے اور کھانے کا انتظام پہلے ہی ۲۰ ڈالر فی طالب علم کے حساب سے کر دیا گیا تھا۔ چلتی پھرتی جماعت اتنی کامیاب تھی کہ جس نارڈلنگ اور مسٹر پروکاسکی پورے موسم بہار میں نہ صرف روئداد سفر دہراتے رہے بلکہ اپنے طالب علموں کو لے کر سرحد کے اس پار کنیڈا کی سیر پر جانے کے خوش آئند خواب دیکھتے رہے۔

اپنے ملک کی تاریخ کے مطالعے کا اس سے بہتر اور کیا طریقہ ہو سکتا ہے کہ اٹاسیکا جھیل سے نکلنے والی دریا مسی، سی، پی کے منبع اور دریا کے اس پار کی سیر کی جائے۔ انگریزی سیکھنے کا اس سے بہتر اور کیا طریقہ ہو سکتا تھا کہ بچے ہوٹل اور کمرہ محفوظ کرانے کے لئے پیشگی یا واپسی شکریے کے خطوط لکھیں۔

ان بچوں نے سفر کے قاعدے اور ضابطے درجے کے اندر بنائے۔ ان کی ڈائری میں اخلاق اور اداب سے متعلق بہت فکر انگیز باتیں درج ہیں۔

(۱) بس کے اندر ہوشیار رہو، کسی کو دھکے نہ دو اور نہ دھکیلو۔

(۲) اگر تمھیں کچھ مٹھائی یا چیونگم مل جائے تو اس کی پنی فرش پر نہ پھینکو۔ سیٹ کے نیچے چیونگم نہ چپکاؤ

(۳) جب کوئی کیفے نظر آئے تو بھاگ کر نہ جاؤ

(۴) لڑکیوں کے سامنے نہ تو دوسروں کو دھکے دو اور نہ چلاؤ۔ سب کو مہذب انسان کا برتاؤ کرنا چاہیے۔ ایتھل نارڈلنگ نے کہا۔"بچوں کو بہت اچھی طرح سیکھنے اور توازن پیدا کرنے کا موقع ملا۔ ان میں بہت سے بچوں نے اپنے گھر میں کھانے کی میز پر نیپکن کبھی استعمال نہیں کی تھی۔ یہاں ان کو یہ سیکھنے کا موقع ملا۔ انھیں یہ بھی سیکھنا پڑا کہ دوسروں سے ملنے جلنے اور بات چیت کے کیا طور طریق ہوتے ہیں۔

یہ منصوبہ کسی قدر اولوالعزمی پر مبنی تھا لیکن اس کے ذریعے ایک امکانی طرز نظر کی جانب رہنمائی ہوتی ہے۔ چنانچہ بہت سے اساتذہ نے سیر کے پروگرام بنائے اور مقامی ڈیری بندرگاہ، پیکنگ پلانٹ، آئل ریفائنری یا فیکٹری کی سیر کرائی۔ ریل کے ذریعے بھی چھوٹے موٹے سفر کیے گئے اور اس طرح بچوں کو یہ موقع بہم پہنچایا گیا کہ وہ چیزوں کو دیکھ کر، سن کر اور چھو کر تعلیمی اور تعمیری طریقے سے اپنے تجسس کی تسکین برآری کر سکیں۔ اس کے علاوہ یہ تجربات خالص تعلیمی مضامین کے لئے بھی باعث تحریک ثابت ہوتے ہیں۔ ہمیں یہ بات نہیں تسلیم کرنی چاہیے کہ بالغ اپنے وسیع تجربے کی بنیاد پر الفاظ کے ذریعے زبان و بیان میں جو معنویت پیدا کرتے ہیں وہی معنویت وہی بچے بھی پیدا کر سکیں گے جن کے گرد و پیش کے تجربات بہت محدود ہیں

کلچرل روابط میں توسیع کی حاجت

خود انحصاری، تکمیل اور تناؤ برداشت کرنے کے عالم گیر انسانی حاجتیں بچوں کے اندر کچھ ایسی مختلف نہیں ہوتیں کہ اس باب میں ان پر خصوصیت کے ساتھ لکھنے کی ضرورت ہو پھر بھی ان بچوں کا مسئلہ ضرور ہے جو کسی قدر انوکھے ہوتے ہیں اور جن کے ذریعے مسائل کی وضاحت ہو سکتی ہے۔ اس بات کا تعلق بچوں کی ضرورت سے ہے جس کے تحت وہ اس خلا کو پُر کر سکتے ہیں جو محدود گھریلو کلچر اور مدرسے اور برادری کے وسیع کلچر کے درمیان پیدا ہوتا ہے (یہ

مطلب نہیں کہ گھر کا محدود کلچر کم تر ہوتا ہے)

مدرسے کے اندر سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں وہ والدین کے جوابات سے مختلف کیوں ہوتے ؟ ان سوالات سے بچے کے تصورات گڈ مڈ ہو جاتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غیر ملکی والدین کے بچوں میں گھریلو کلچر اور مقامی کلچر میں اختلاف ہونے کی وجہ سے بدراہی کے واقعات بڑھ جاتے ہیں۔ اس قسم کے واقعات اس وقت نظر آ سکتے ہیں جب جبری ضبط اور بامقصد کام کے ضبط میں تضاد نظر آئے۔ ایک طرف بچہ یہ کہے کہ مجھے اور کسی سے مطلب نہیں اور دوسری طرف اشتراک باہمی کے ساتھ کام کرے۔ یا ایک طرف یہ کہا جائے کہ تم اپنے چچیرے بھائیوں سے زیادہ بہتر کام کرتے ہو اور دوسری طرف یہ بات دل میں بٹھائی جائے کہ اپنی استعداد کے مطابق حصول تکمیل کا کام ہر شخص کے لئے قابل ستائش ہے۔

ان کلچرل تضادات کی اہمیت کا اندازہ اس وقت ہو سکتا ہے جب ہم یہ سوچنا موقوف کر دیں کہ باوجود یہ کہ تمام دنیا میں انسانی حاجتیں ایک جیسی ہیں لیکن جہاں تک حاجت روائی کا تعلق ہے مختلف کلچر میں مختلف طریقہ اختیار کیا جاتا ہے اور پھر حاجت روائی کا طریقہ مختلف رسم و رواج کے لحاظ سے ایک نسل سے دوسری نسل مختلف ہے۔ اس لئے ہم کو یہ محسوس کرنا چاہیے کہ حاجتیں محض مطابقت پذیری تک محدود نہیں۔ کلچر کی بھی اہمیت ہے۔ کلچر سے انسان کی اسی طرح تشکیل ہوتی ہے جس طرح عضویاتی اور نفسیاتی تفاعل سے جو انسان کے اندر عمل کی تحریک پیدا کرتے ہیں واقعہ یہ ہے کہ اکثر صورتوں میں کلچر سے حاجتوں کی تشکیل ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر مقابلے کا یہ سماج جس میں رہتے ہیں جنسی میلان کے مقابلے میں ہمارے اندر تحصیل اور قدر شناسی کی کی زیادہ قوی خواہش پیدا کرتا ہے۔

گھر کے اندر اور باہر جو کلچرل خلا ہے اس کو پُر کرنے کی حاجت کا جو عملاً نتیجہ برآمد ہوتا ہے وہ استاد کو اس مشکل میں مبتلا کر دیتا ہے کہ وہ بیک وقت بچے کے گھر اور گھر کے باہر وسیع کلچر کے درمیان کیسے مطابقت پیدا کرائے۔ اس مسئلے کی اہمیت کو ارنس۔ کے فرینک (Lawrence K. Frank) نے ان لفظوں میں جامع طور پر بیان کیا ہے۔

"بچہ جو کچھ سنتا ہے، سمجھتا ہے اور اعتماد رکھتا ہے وہ اس کی نمو پذیر شخصیت پر اثر انداز نہیں ہوتا بلکہ پچھلے چار پانچ برسوں کے دوران پیدا کرنے والے غلط خیالا

غلط بیانیاں اور ناقص تصورات کی بنیاد پر وہ ایک چوکھٹا بنا لیتا ہے، جس کے اندر وہ اپنے بنیادی تصورات اور قیاسات کو بیٹھا لیتا ہے۔ ہم میں سے اکثر لوگ اپنی زندگی تجربات اور اکتسابات کو تصورات کے اسی نجی چوکھٹے میں بیٹھا لیتے ہیں اور جب تک کوئی شخص رہنمائی نہ کرے ہم میں سے بہت کم ایسے لوگ ہوں گے جو ابتدائی دور کے ذاتی تصورات پر نظر ثانی کریں، زندگی کے ابتدائی نقوش کی تعمیر نو کریں اور بالغ زندگی کی ضروریات کے لحاظ سے تصورات کو پھر سے ترتیب دیں۔

ایسے بہت سے طریقے ہیں جن کے ذریعے ابتدائی مدرسے کا استاد اس کام میں معاون ہو سکتا ہے۔ سب سے پہلے وہ یہ سمجھے کہ جس طرح خواندگی کے لئے آمادگی ضروری ہے اسی طرح تہذیبی تبدیلیوں کو قبول کرنے کیلئے آمادگی کی ضرورت ہے خفگی، برہمی اور غصے کے اظہار سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ ہم بچے کو زبردستی کسی وسیع کلچر اپنانے پر مجبور کر رہے ہیں۔ کسی محدود کلچر سے وسیع کلچر میں منتقل ہونے کا کام نسبتاً آہستہ آہستہ ہونا چاہئے اتحاد باہمی اور ضبط کے موضوع پر چھوٹے چھوٹے سبق دینے چاہئیں قبل اس کے کہ بچہ شدید تضادات سے دوچار ہو اگر اس کو پختگی حاصل کرنے کا موقع مل جائے تو وہ تہذیبی تضاد کو آمادگی کے ساتھ قبول کرے گا۔ ایک بچے میں خواندگی کی آمادگی کے لئے تحمل سے کام لینے کے بجائے اگر جبری طریقہ اختیار کیا جائے تو اس کے اندر جذباتی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے آمادگی پیدا کرنے کے بعد بھی اکتساب کا کام مشکل ہو جاتا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ استاد کسی برادری کے اندر ذیلی برادریوں کا مطالعہ کرے اگر وہ چند اقلیتی کلچر مثلاً نیگرو، میکسکن اور جاپانی آبادی کا دورہ کرے تو اس کو بہت دلچسپ اور سبق آموز تجربات حاصل کر سکتے ہیں۔ بٹائی پر کام کرنے والے کسانوں، دن میں کام کرنے والے مزدوروں اور ان فصلی خانہ بدوشوں کے گھروں کا بھی وہ دورہ کر سکتا ہے۔ جو فارم کے مالکوں کی طرف سے دیئے ہوئے ٹریلر اور ایک کمرے کے کیبن میں رہتے ہیں۔ شہر کے متعلق کلچر اور اساتذہ سے بھی بات چیت کر کے حالات کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ شہر کے دور افتادہ علاقے کے اساتذہ کو ایسے شاگردوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ جو محدود رہائشی یا مضافاتی علاقے سے آتے ہیں۔ ایسے دوروں کو ایک زائد ذمے داری نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ فرصت کے پر لطف اور مفید مشغلہ سمجھنا چاہئے۔ اس سلسلے میں سماجیات کی ان

کتابوں کا مطالعہ خاص طور سے مفید ہوگا جو سماجی ڈھانچے سے مختلف لکھی گئی ہیں۔

میں پڑھ نہیں سکتا	میں پڑھ سکتا ہوں
استاد مجھے پسند نہیں کرتا	میں پڑھنا چاہتا ہوں
میں بے زبان ہوں	مدرسہ ایک تماشا ہے
مجھے مدرسے نفرت ہے	خواندگی ایک تماشا ہے

۸۴ مہینے طبعی عمر ۷۸ مہینے طبعی عمر

۶۶ مہینے ذہنی عمر ۷۸ مہینے ذہنی عمر

بچہ جس کی قدر ذہانت ۷۸، ہے بچہ جس کی قدر ذہانت ۱۰۰ ہے

قدر ذہانت = (ذہنی عمر / طبعی عمر) × ۱۰۰

۶۶/۸۴ × ۱۰۰ = ۷۸٫۵

۷۸/۷۸ × ۱۰۰ = ۱۰۰

بائیں طرف شکل نمبر (۱) میں ۶ء۶ برس (۷۸ مہینے) کی طبعی عمر میں خواندگی پر آمادہ ہے۔ وہ محض خواندگی ہی نہیں سیکھنا چاہتا بلکہ آموزش کی جانب ایک موافق رویہ رکھتا ہے۔ دائیں طرف بچہ اس سے بڑا ہے۔ لیکن خواندگی پر آمادہ نہیں اور آموزش کی جانب اپنی جانب اور مدرسے کی جانب ایک ناموافق رویئے کا حامل ہے۔ یہ رویہ اس وقت بھی اس کی سعی خواندگی میں رکاوٹ ڈالے گا جب اس کی طبعی عمر تقریباً ۸ء۳ برس (۹۹ مہینے) اور آمادگی خواندگی کی ذہنی عمر ہو جائے گی۔ یہ ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ ذہنی عمر آمادگی خواندگی کی محض ایک عامل ہے۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اگر بچہ یہ محسوس کرے کہ وسیع سماجی گروپ میں اس کو قبولیت اور قدر شناسی حاصل ہو رہی ہے تو اس کو وسیع کلچر کو اپنانے میں سہولت ہوگی اس لئے استاد بچوں کو یہ جتانے کے لئے سب جتن کرے گا کہ انھیں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے اور ان کے افعال پر چیں بجبیں ہونے کے بجائے تعبیر نو کی ایک حاجت تصور کی جائے اس سلسلے میں دوستی کا ایک سیدھا سادا اظہار، ایک مسکراہٹ، قدر شناسی کے چند الفاظ، اطمینان و سکون اور طور طریقوں میں استقامت اور اظہار ستائش سے بچوں میں ایسا اعتماد

پیدا ہو جاتا ہے جو نئے کلچر میں شمولیت کے لئے بہت اہمیت رکھتا ہے اور یقیناً اس قسم کے رویے دوسرے قسم کی مطابقت پذیری پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔

بچوں کی سماجی حاجت روائی

بچے کی سماجی حاجتیں انوکھی ہیں

بچوں کی سماجی حاجتیں پوری کرنے کے لئے جو طریقے پیش کئے گئے ہیں انھیں ان طریقوں سے مختلف ثابت کرنے کی کوشش کرنا عبث ہے جو عام انسانی سماجی حاجتوں کو پورا کرنے کے لئے بتائے گئے ہیں۔ اوروں کی طرح بچے بھی دوسروں کی نظر میں باحیثیت سمجھے جانے کی حاجت محسوس کرتے ہیں وہ جیسے بھی ہیں (تجربہ کن انسان) چاہے جانے کی حاجت رکھتے ہیں قطع نظر اس کے کہ وہ کیا کرتے ہیں انھیں اپنے ہم سروں اور بڑوں کی رفاقت اور مقررہ کام' منصوبہ اور اس کی تکمیل میں آزادی کی حاجت ہوتی ہے اساتذہ کی باتوں میں عموماً ان حاجتوں کی تسکین کے لئے کوئی خاص مشورہ نہیں ملتا۔ نہ اس بات کو مدنظر رکھا جاتا ہے کہ حاجتیں بچوں کے کردار کی تشکیل میں ایک اہم رول ادا کرتی ہے۔

اساتذہ کو حاجت ہوتی ہے کہ متنوع سماجی اقدار کی تفہیم پیدا کریں

اساتذہ بچوں کے پس منظر کو تسلیم کرنے کی بات تو آزادی کے ساتھ کرتے ہیں لیکن ادنیٰ' متوسط اور اعلیٰ طبقے کے بچوں کے فرق کو اچھی طرح سمجھ نہیں پاتے۔ ان بچوں کے نزدیک مقابلے کی اقدار مختلف ہوتی ہیں' محبت جتانے کے طریقوں میں اختلاف ہوتا ہے' وہ دوسروں کی ملکیت پر متضاد رائے کا اظہار کرتے ہیں' ضبط کے مسئلے پر ان کے خیالات میں اختلاف پایا جاتا ہے اور ان کے نزدیک اس بات کی اہمیت ہوتی ہے کہ کسی مخصوص انجمن کی رکنیت حاصل کی جائے

"خوش قسمتی سے بچوں کی حاجتوں کا جائزہ لینے اور اس کے مطابق کام کا منصوبہ بنانے کے کام میں سماجی پس منظر کے اثرات کو زیادہ سے زیادہ اساتذہ تسلیم کرنے لگے

ہیں۔ مدرسے کے کارکن سماجی بشریات کے ماہروں سے یہ توقع کر سکتے ہیں کہ وہ اس سلسلے میں زیادہ معلومات فراہم کریں لیکن وہ بذات خود ایسی بہترین پوزیشن میں ہیں کہ اپنے شاگردوں کے اس سماجی پس منظر کو بخوبی سمجھ سکیں جن کی وجہ سے بچوں کے کردار اور ان کے مقاصد میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے[16]

جس مطالعے کا ذکر اقتباس میں کیا گیا ہے اس کی اہمیت اس لئے ہے۔ کہ ہم سب لوگوں میں اپنے تجربات کی تفہیم کا رجحان پایا جاتا ہے۔ ممکن ہے ہم سوچتے ہوں کہ جیسے گھر ہمارے تھے بہت سے اعتبار سے ویسے ہی گھر اوسطاً ہمارے شاگردوں کے بھی ہوتے ہیں لیکن مختلف گھروں کا دورہ کرنے کے بعد ہم باور کر لیتے ہیں کہ جس طرح کوئی اوسط طالب علم نہیں ہوتا۔ اسی طرح کوئی اوسط گھر نہیں ہوتا۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہم تجربہ کی بنیاد پر اس قسم کی خیال آرائی سے پرہیز کریں۔ ہمیں یہ جان لینا چاہیئے کہ بچوں کے سماجی کردار میں جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ کسی خواہش پر مبنی نہیں بلکہ ان کے اپنے تجربات کا نتیجہ ہے۔

بچے میں پسندیدگی اور قبول یابی کی خواہش

بچے کم عمری میں یہ جان لیتے ہیں کہ ان کی خواہشات کی تسکین دوسروں کی عزت افزائی پر مبنی ہے۔ استاد کو ایک محتاط اور تعمیری مفروضے پر عمل کرنا ہے وہ یہ کہ بچہ اُسے خوش کرنا چاہتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بڑوں کی نظر میں اس کے افعال پسندیدہ نہ ہوں لیکن یہ ضرور محسوس کر لینا چاہیئے کہ سماجی مہارتیں ابتدائی سے لے کر ہائی اسکول تک برابر نشوونما کی منزلوں سے گزر رہی ہیں بالیدگی کی رفتار یکساں نہیں ہوتی اور اس کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ رفتار کبھی تیز ہو جاتی ہے اور کبھی گھٹ جاتی ہے۔ ارادے اور عمل کے درمیان مکمل ربط نہیں ہو پاتا۔ بالیدگی کے سانچے کا علم حاصل کرکے استاد مختلف طریقوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

(۱) خاطر خواہ کردار پر پسندیدگی کا اظہار کرکے۔

(۲) جسمانی، ذہنی اور سماجی مہارتوں میں سے جو پسندیدہ ہیں ان کی نشوونما میں بچوں کی معاونت کرنا۔

پسندیدگی کا رجحان قبولیت سے مماثلت تو رکھتا ہے لیکن بعینہٖ نہیں اس کی بات کو ہر

وقت ضرورت ہوتی ہے کہ بچہ جیسا ہے ویسا ہی اس کو قبول کیا جائے۔ بنیادی طور سے یہ محبت کا معاملہ ہے۔ پسندیدگی کا تعلق بچے کے افعال سے ہوتا ہے۔ بڑوں کی حیثیت ہم بچوں کے ہر فعل کو پسندیدہ نظر سے دیکھیں یہ ضروری نہیں بلکہ ہمیں یہ جتا بھی دینا چاہئے کہ بعض کردار ناپسندیدہ ہیں۔ مختلف تحقیقات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بچے جب سمجھ لیتے ہیں تو سزا کو برا نہیں مانتے اور نہ ہی اس کی وجہ سے ان کے احساس قبولیت پر حرف آتا ہے۔ اس بات کو وہ سمجھ سکتے ہیں کہ ان سے کچھ ایسی حرکت سرزد ہوگئی ہے جو ناپسندیدہ ہے لیکن جب بچوں کو نجی باتوں پر سزا دی جائے تو بچوں کو بہت ناگوار گزرتی ہے

اساتذہ اور والدین قبولیت اور پسندیدگی کے معاملے میں عام طور پر جس غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں وہ ہے مقابلے کرنے کا رجحان، جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ جب کسی بچے کا دوسرے سے ناموافق مقابلہ کیا جائے (معمولاً مقابلے کا یہی طریقہ اپنایا جاتا ہے) تو اس کی شخصی قدر گھٹ جاتی ہے۔ اس طرح کی رائے زنی کرنا "تم جمی کی طرح کیوں نہیں بھلے مانس بنتے۔" "دیکھو میری نے اپنی چیزوں کو کتنے سلیقے سے رکھا ہے۔" مناسب نہیں ان طلباء میں جنھیں مثبت آزادی حاصل ہے ان باتوں سے کوئی قابل رشک جذبہ نہیں پیدا ہوتا۔ اس کا بہتر طریقہ یہ ہے "تم نے بہت عمدہ کام کیا" "مجھے یقین ہے تم آج بھی ویسا ہی عمدہ کام کر سکتے ہو" یا "آج ہم سبھی لوگوں کی طبعیت کچھ زیادہ موزوں نہیں" "تم شاید اپنے معمول کے مطابق کام نہیں کر رہے ہو"۔

نیشنل ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے مطالعے سے پسندیدگی اور قبولیت کی وضاحت ہوتی ہے۔ اس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اساتذہ ان ضرورتوں کی تفہیم پیدا کریں اس کا یہ مطلب نہیں کہ طالب علموں کے ہر فعل کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے لیکن اس کا مطلب یہ ضرور ہے کہ اساتذہ قبولیت کے معاملے میں قوت برداشت پیدا کریں اور یہ سمجھیں کہ فرد اپنے استاد اور شاگردوں سے مختلف ہے اور اس کو مختلف ہونے کا حق بھی حاصل ہے۔

بچوں کی تعلیمی حاجتیں

بنیادی طریق عمل پر دسترس

اگر بچوں کی محض ان سماجی اور نفسیاتی حاجتوں کو ملحوظ رکھا جائے جو بنیادی ہیں۔ تو اس بات کا خطرہ ہے کہ پڑھائی لکھائی اور ریاضی پر دسترس حاصل کرنے کی حاجتیں نظر انداز ہو جائیں۔ جب انسان کی بنیادی حاجتوں کی اہمیت پر زور دیا جاتا ہے تو اس میں یہ بات پوشیدہ ہوتی ہے کہ ان علمی مہارتوں کو حاصل کئے بغیر کوئی بھی شخص نمایاں کارگزاری نہیں حاصل کر سکتا۔ دراصل ان شعبوں میں تعلیم کی اہمیت حاجت سے بڑھ کر ہے اور بالغوں پر یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے۔ کہ ذہنی طور پر صحت مند افراد پیدا کریں۔ بنیادی علوم کو موثر ڈھنگ سے پڑھانے کے لئے ہر استاد کو اس بات سے سروکار ہونا چاہئے کہ شخصیت کی نشوونما کیسے ہوتی ہے۔ دراصل ان دونوں میں انتخاب کا مسئلہ نہیں۔ شخصیت اور بارکار علم دونوں پر زور دینے کی ضرورت ہے۔ بچوں کی جسمانی صحت کی حاجت پر توجہ دینے سے ان کے تعلیمی کام میں بہت سہولت پیدا ہوتی ہے۔ نفسیاتی حاجتوں کی تسکین پر توجہ دے کر مدرسے کے کام کو بخوبی انجام دینے کی تحریک پیدا ہوتی ہے اور سماجی حاجتوں پر دھیان دے کر محرکات اور مقاصد میں تنوع پیدا کیا جاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بچوں کو پڑھائی، ریاضی اور ابلاغ سیکھنا پہلے کی طرح آج بھی اسکول کے فرائض میں داخل ہے۔ ذہنی حفظان صحت کے نظریے کے مطابق محض اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ یہ ذمے داریاں محض اسی وقت پوری کی جا سکتی ہیں جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ سالم بچہ مدرسے جاتا ہے۔ یعنی آموزش محض ذہنی فعالیت کا معاملہ نہیں اس کتاب میں کہیں بھی یہ خیال نہیں پیدا کیا گیا کہ مدرسے کے مضامین کا اکتساب غیر اہم ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ خاطر خواہ نشوونما کے لئے بچوں کی تعلیمی حاجتوں کے ساتھ شخصی اور سماجی قدروں اور حاجتوں کو بھی صحیح مقام دینے کی ضرورت ہے۔

بچوں کی حاجت روائی میں احتیاط

بچوں کی حاجت روائی سے متعلق کچھ اہم مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان مسائل کو حل کرتے وقت ہم بہت آگے بڑھ جائیں۔ کیا بچوں کو کشاکش اور نامرادی سے

دوچار ہونے کا موقع نہ دیا جائے کیا نفسیاتی پختگی کے تحفظ کے لئے زمانے کے سرد و گرم سے بچوں کو محفوظ رکھا جاتے ؟ ماہرین نفسیات نے یقیناً بیجا تحفظ کے خطرے سے متنبہ کیا ہے۔

ان سوالوں کے مختلف جوابات ہو سکتے ہیں۔ اب یہ خیال متروک ہو چکا ہے بچوں کی آزادی کے ساتھ، چیچک، خسرہ، گل سوجا یا اس قسم کی دوسری بیماریوں کے خطرے سے دوچار ہونے کا موقع دینا چاہیئے۔ اس طرح اس بات کا کوئی خطرہ نہیں ہوگا کہ وہ شیشے کے پنجرے میں بند ہیں یا دوسروں سے علیحدہ ہیں۔ اب تو یہ تصور کارفرما ہے کہ ان بیماریوں سے پرہیز کر کے بچے زیادہ آسودہ حال ہو سکتے ہیں چنانچہ اس کی ضرورت نہیں کہ بچوں کی پرورش ایک ایسے ماحول میں کی جائے جو تعفن سے پاک ہو۔ اسی اصول کے تحت اس کام میں بھی بچوں کی ہمت افزائی کی جا سکتی ہے کہ وہ شکست خوردگی اور نامرادی سے دوچار ہوئے بغیر وسیع پیمانے پر سماجی اور نفسیاتی تجربات کرتے رہیں۔

بچے کامیابی سے بھی سیکھتے ہیں اور رسوائی سے بھی۔ ساتھ ہی ساتھ ہمارا خیال ہے کہ ان باتوں کے ذریعے بچوں میں کم گوئی اور شک و شبہے کے بجائے اعتماد اور دوستی پیدا ہوتی ہے۔ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے میں بچوں کی معاونت کا یہ مطلب نہیں کہ ہر قسم کے بارسے انھیں نجات دلادی جائے۔ بچے کی رہنمائی سے یہ مراد نہیں کہ انگلی پکڑ کر پوری زندگی بھر اس کو چلایا جائے رہنمائی کا مفہوم ہے کہ سمت کا تعین کر دیا جائے، مشورے پیش کر دیئے جائیں، ضروری احتیاط سے باخبر کر دیا جائے اور پیش نظر سفر کی تیاری کرادی جائے۔ اس سے یہ بھی مراد ہے کہ بچے کے انوکھے پن کے پیش نظر، اس کے پس منظر اور اس کی لیاقت کو ملحوظ رکھا جائے۔

بچے کی زندگی کی بیجا تنظیم کا خطرہ

یہاں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جب ہم فرصت کے اوقات کے لئے بچوں کے کام کا منصوبہ بنائیں تو اس کی تنظیم پر بہت زور نہ دیں۔ ورنہ بچوں کی آسودگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ یہ بات خصوصی طور پر اہم ہے کیوں کہ ہمارا کلچر بہت تغیر پذیر ہے اور اس میں آزادی کی زیادہ ضرورت ہوگی۔ حالیہ برسوں میں تعلیم کے اس تصور پر زور دیا

گیا ہے اور اس کو بجا ثابت بھی کیا گیا ہے کہ فرصت کے اوقات کو تعمیری ڈھنگ سے استعمال کرنا چاہئے ان مقاصد میں جو کامیابی حاصل ہوتی ہے اس کو پچھلی کئی دہائیوں سے تعلیم کا نصب العین کیا جا رہا ہے ۱۹۰۰ء کے بعد سے کام کے اوقات میں جو تخفیف ہوئی ہے اس کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کام کے ڈھرے کی تبدیلی کارخانوں تک محدود نہیں بلکہ گھروں میں بھی یہ ڈھرا کافی بدل چکا ہے۔ بہت سی محنت بچاؤ ترکیبیں نکل آتی ہیں جنھیں استعمال کرکے گھر والیوں نے کام کے اوقات میں بہت تخفیف کر لی ہے۔ ان عوامل کے باعث فرصت کے اوقات کا استعمال تعمیری ڈھنگ سے ہونے لگا ہے اور اس کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔

جوں جوں اس مسئلے کو تسلیم کیا جانے لگا اس کو حل کرنے کی کوششیں بھی شروع ہو گئیں اس کے تحت اسکول اور کمونٹی میں بچوں کے لئے (اور کبھی کبھی بالغوں کے لئے) مختلف قسم کے پروگرام شروع کیے گئے۔ گرل اسکاوٹ، جونیر تھیٹر، نوجوانوں کے کلب اور نائٹ کلب اور والدین اور اساتذہ کی انجمنوں کے اغراض و مقاصد قابل تعریف ہیں لیکن بعض والدین اور دوسرے لوگ یہ خطرہ محسوس کرتے ہیں کہ مشاغل کے ذریعے بچوں کی زندگی کی بیجا تنظیم کی جا رہی ہے لہٰذا انھیں اس بات کے کم مواقع مل پائیں گے کہ وہ اپنے آپ تفریح کے سامان پیدا کر سکیں۔ والدین کی حیثیت سے ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے بچوں کو نشو و نما کے ایسے مواقع ملنے چاہئیں۔ جو شخصیت سنوارنے کے لئے قابل تعریف انجمنیں مہیا کرتی ہیں اور اگر ہم خود بھی بچے ہوتے تو خود بھی ان وسیلوں کو اپنی بہبودی کی خاطر پسند کرتے لیکن اگر یہ مواقع نہ فراہم کئے جائیں تو ممکن ہے بچوں میں اس بات کی تحریک پیدا ہو جائے کہ وہ فرصت کے اوقات کو آزادی اور پیش قدمی کے ساتھ استعمال کرنے کے گر سیکھ سکیں۔ اگر تنظیمیں بہت ساری ہوں تو آدمی ان عوامی تفریحات اور کمونٹی کے پروگراموں پر اس حد تک انحصار کر سکتا ہے کہ خود سے سوچنے اور منصوبے بنانے کی تسکین سے محروم ہو جائے۔

بچوں کی زندگی کی بیجا تنظیم سے جو مسائل پیدا ہوتے ہیں ان کی وضاحت ایک استاد نے اپنے خط کے ذریعے ان الفاظ میں کی ہے۔

"میں ان بچوں کے بارے میں کہنا چاہتا ہوں جو زید کے پڑوس میں یا کسی جگہ رہتے تھے ان میں سے ایک کی مصروفیات اس قسم کی تھیں، پیر کی رات میں تیراکی منگل کو پیانو بدھ کو رقص، جمعرات کو بچوں کا اسکاوٹ، جمعے کو پھر تیراکی، سینچر کو مقامی سینما ہاوس

اور اتوار کو اپنے خاندان کے ساتھ سیر و سیاحت۔ گرمیوں میں وہ امریکہ اور کینیڈا کی سیاحت کرتے رہے۔ مدرسہ تو بس ایک ایسی ہی جگہ کی حیثیت رکھتا تھا جہاں ذرا دیر کر لوگ کھیل کود کے لئے نکل جائے۔ مگر کیا کھیل کی بھی نوبت آئی؟ جہاں تک میرے بچوں کا سوال ہے نہ تو ساتھ نہ اکیلے کھیلنا چاہتے ہیں۔ انھیں کوئی باطنی وسیلہ بھی میسر نہیں تھا کیونکہ انھیں مدرسے کے بعد اپنی سہ پہر برباد کرنے کا موقع نہیں ملا۔ وہ تو ایسی جگہ جاتے جہاں کوئی شخص ان کے لئے کھیل کا انتظام کر دیتا ہے۔ انھیں کبھی اس بات کا موقع نہیں ملتا کہ فرصت سے بیٹھیں اور ذرا دیر کو ستالیں۔ جہاں تک ان بچوں کا تعلق ہے میں نے ایسی پر جوش اور پر امنگ جماعت کبھی نہیں دیکھی۔ ایسا لگتا ہے کہ میرے ۳۲ بچوں میں سے تقریباً ۱۶ بچے جسمانی طور پر دس منٹ سے زیادہ اپنے ڈیسک کے پاس بیٹھ ہی نہیں سکتے۔ اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس میں مبالغہ بالکل نہیں مدرسے کے جو دوسرے اساتذہ میری اس بات سے پوری طرح متفق ہیں۔ جماعتی کام کے اعتبار سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ پانچ یا چھ بچے جو زیادہ نڈر ہیں ہمیشہ یہ اعلان کر دیتے ہیں کہ وہ ریاضی پڑھنا ہی نہیں چاہتے اور مزید یہ کہ وہ ارادہ بھی نہیں رکھتے ایسی صورت میں تمام دن اس کام میں گزر جاتا ہے کہ ان بچوں کو کھڑکی یا ڈیسک کے پاس سے پکڑ دھکڑ کر بیٹھایا جائے۔ ان بچوں کو یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ ان کا ڈیسک کون سا ہے کیوں کہ ڈیسک کے پاس تو شاذ و نادر ہی ان کا جانا ہوتا۔ گروہی مشاغل کے دوران کبھی جونیر اپنی نشست سے بھاگتا ہے اور کھیل کے انچارج کے پاس پہنچ کر اپنی فٹ بال کی ٹیم کو آراستہ کرنا چاہتا ہے اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان سے بات منوانے کے لئے نہ تو کوئی دلیل کام کرتی ہے اور نہ کوئی مباحثہ یا مطالعہ۔ آپ انھیں سمجھا بھی نہیں سکتے اس لئے کہ ان میں بہت زیادہ جوش اور ولولہ ہے۔ ایسی صورت میں گروہی مباحثہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اس لئے گروہ میں تو ہیں ہی نہیں۔

جہاں تک کتابوں کا تعلق ہے ان میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ جب تک مدرسے کے مشاغل میں دلچسپی باقی ہے۔ اس وقت تک ضبط کا کوئی مسئلہ نہیں ہے، محض تحریک پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ بچوں کو شوق دلانے کے لئے اسکول کو سب کچھ کرنے کی ضرورت نہیں جو ان کے والدین گھر پر کرتے ہیں، یعنی کبھی سیر و سیاحت کا موقع فراہم کرتے ہیں اور کبھی سہ پہر کو کسی عمدہ جگہ بیٹھنے کا انتظام۔ مدرسے سے تو وہ صرف ساڑھے تین بجے

بتک فائدہ اٹھاتے ہیں اس کے بعد کسی ایسی جگہ چلے جاتے ہیں جہاں تفریح کرسکیں۔ مدرسے کا بہتر استعمال تو وہ صرف اس حد تک کرتے ہیں کہ فلاحن اندازی، کھیلنے کے لئے کاغذ کا سامان، کاغذ کے ہوائی جہاز، مزاحیہ کتابیں اور ٹکٹ بازی کی مشق کے لئے سامان فراہم کریں۔

یہاں اس خوش گوار بات کا اضافہ کیا جاسکتا ہے کہ کچھ دن کے بعد ہمیشہ ایک خوشی کا دن آتا ہے جب پورے دن فلم، کہانی اور فٹ بال ہوتا رہے لیکن ظاہر ہے کہ ہر دن ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں تو انسان کی حیثیت سے بس یہ کرسکتا ہوں کہ ایک دن کا منصوبہ بناؤں۔

اس مسئلے کی وضاحت انفرادی سطح پر آٹھ برس کے دو بچوں کے درمیان ٹیلیفون کی گفتگو کے ذریعے کی گئی۔ ان میں سے ایک بچہ بدھ کے دن ملاقات کو آیا اور جمعہ کے دن چار اور ساڑھے چار کے درمیان آدھے گھنٹے کے لئے کھیل پر مدعو کرگیا۔ ملاقاتی اپنے باپ کے ساتھ اگلے دن دوپہر کے وقت تیراکی کے لئے جانے والا تھا۔ جمعرات کو بچہ اسکاوٹ کا جلسہ تھا لیکن جمعہ کے دن ارگن باجے کے سبق کے لئے جانے سے پہلے اس بات کو آدھ گھنٹے کی فرصت تھی۔ اتفاق سے وہی بچہ منگل کے دن اسپینی زبان کا سبق لے چکا تھا اور سنیچر کے دن اس نے اور سے گوں جرنل جونز سے ملاقات کی۔ اس کے برعکس جس بچے کو مدعو کیا گیا تھا اس نے کہا کہ وہ آنے کا وعدہ نہیں کرسکتا اس لئے کہ اسے نہیں معلوم کہ جمعہ کے دن کیا مصروفیت ہوگی"

آزادی اور تنظیم کے تقابل اثرات

کلاڈیا لیوس (Claudia Luis) نے اپنی کتاب "کمبر لینڈ کے بچے" میں گرین وچ گاؤں کے پرورش یافتہ بچوں کا پس ماندی برادری کے بچوں سے مقابلہ کرتے ہوئے اسی قسم کے سوالات اٹھائے ہیں۔ انھوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ گرین وچ کے بچے اعلیٰ قدر ذہانت کے حامل تھے۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ انھیں کینڈر گارٹن، موسیقی کے اسباق، رقص کی ہدایات، لائبریری اور کلب کے تجربات حاصل کرنے کا زیادہ موقع ملا۔ باوجود یہ کہ کمبر لینڈ کے بچوں میں قدر ذہانت کا اوسط اسی عمر کے شہری بچوں کے مقابلے میں ان کو زیادہ اطمینان قلب اور توازن میسّر تھا۔ مس لیوس کو یہ گمان گزرا کہ تیز ذہنی بالیدگی کہیں جذباتی ناپائداری کی قیمت پر تو نہیں حاصل کی گئی۔ ایسی صورت میں اساتذہ اور والدین کے

پیش نظر یہ مسئلہ ہوتا ہے کہ ذہنی آمادگی اور خالی وقت کے اہتمام کے ساتھ ساتھ ہونا چاہئے یا نہیں تاکہ فرصت کے اوقات کو استعمال کرنے کی آزادی حاصل ہو سکے۔ مصنف کے پاس اس کے دو جوابات ہیں

(۱) والدین کو اس بات کے لئے آکسانا چاہئے کہ بچوں کے لئے ایسے خالی وقت کا انتظام کیا جائے جس کے دوران نہ تو ان کی کوئی رہنمائی کی جائے اور نہ کوئی مشورہ دیا جائے۔

(۲) گروہی مشاغل کی تنظیم میں بچوں کی مدد کیجیے اور جوں جوں بچوں میں خود رہنمائی کی صلاحیت پیدا ہوتی جائے بڑوں کی سرپرستی کم ہوتی جائے۔

کھیل کے بہت سے نظریات ہیں جو فرصت اور تنظیم کے مسائل پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ ان میں سے اعادے کا نظریہ ہے (بچہ کھیل کے ذریعے اپنے نسلی ارتقا کے عمل کو دہراتا ہے) اور دوسرا نظریہ فالتو توانائی کا ہے (قوت توانائی جو بالیدگی میں نہیں صرف ہو پاتی کھیل کے ذریعے خرچ ہوتی ہے) پھر تفریحی نظریہ جس کے مطابق کھیل کام کی مشقت اور معمولات سے نجات پانے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس کے ذریعے خرچ کی ہوئی توانائی کی بازآفرینی ہوتی ہے زندگی کا مزہ بڑھ جاتا ہے۔ آخرالذکر نظریئے کے ذریعے اس خیال کی حمایت ہوتی ہے کہ بیجا تنظیم کا تصور قابل اعتراض ہے اس لئے کہ تنظیم سے کھیل کی حیثیت کام کی ہو جاتی ہے۔

کام اور کھیل میں فرق کرنا مشکل ہے۔ ایک شخص کے نزدیک جو کام ہوتا ہے وہ دوسرے کے لئے کھیل ہو سکتا ہے۔ ایک پیشہ ور کھلاڑی کے لئے بیس بال ایک کام ہو سکتا ہے لیکن ان بچوں کے لئے اس کی حیثیت کھیل کی ہوگی جو رضاکارانہ طور پر ایک ٹیم بنائیں اور جب ان کا جی چاہے کھیل سے لطف اٹھائیں فرق بڑی حد تک اس شخص کے محرکات کا ہے۔ جو ان مشاغل میں شریک ہوتا ہے

محرکات کے لحاظ سے ان مشاغل میں جو محض شغل کے طور پر کئے جاتے ہیں اور ان میں جو کسی سماجی ضرورت کے تحت انجام پاتے ہیں، امتیاز کیا جا سکتا ہے۔ کھیل اور کام میں یہی امتیاز ہے۔ کام ایک طرح کے دباؤ کے تحت ہوتا ہے اور دوسروں کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے جبکہ کھیل اپنی مرضی سے کھیلا جاتا ہے۔ کام کے محرکات بیرونی اور خارجی ہوتے ہیں اور کھیل کے محرکات باطنی انفرادی ہوتے ہیں[۴۴]

اوقات کی تنظیم کی وجہ سے بچے کو زبردستی مشاغل میں شریک ہونا پڑتا کیوں کہ مشاغل

ان کے لئے لازمی ہوتے ہیں اس طرح کھیل کی خصوصیت باقی نہیں رہتی۔ معقول بات تو یہ ہے کہ بچوں کو فالتو وقت ملے تاکہ وہ کھیل کے مندرجہ ذیل فوائد حاصل کر سکیں۔

(۱) ہاتھ اور آنکھ میں تال میل پیدا کرنا اور معمول کی تکرار کے بجائے عصبی پٹھوں کی متنوع مہارت حاصل کرنا۔

(۲) اظہار ذات، اختراع اور تخیل کی مشق کے مواقع فراہم کرنا۔

(۳) علامتی کھیلوں کے ذریعے انتشار کو دور کرنا (جھوٹ موٹ کسی خاندان کا رکن بننا جس کی زندگی علامت یا چوٹ کی وجہ سے ناخوشگوار بن گئی ہو)

(۴) کسی حقیقی یا خیالی کمی کی تلافی کرنا

(۵) سماجی مطابقت پذیری کے طور و طریق سیکھنے کی مشق کرنا۔ اس فہرست کا جائزہ لینے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بیجا تنظیم کی وجہ سے نوعمر بچے ذہنی حفظان صحت کی بعض ان اقدار سے محروم رہ جاتے ہیں جو آزادی کے ماحول میں پیدا ہوتی ہیں۔ یہاں ایسا کوئی ادارہ نہیں کہ منظم مشاغل جیسے کنڈر گارٹن، بڑے بچوں کے کیمپ یا کسی حد تک بالغوں کی سربراہی کی مذمت کی جائے اگر اعتدال برتا جائے تو یہ مشاغل بہت اچھے پروگرام ہیں۔ قابل اعتراض بیجا تنظیم ہے بذات خود مشغلہ نہیں۔

اساتذہ ان مسائل کو اس طرح حل کر سکتے ہیں کہ والدین کے سامنے مسائل کی تشریح کر دیں تسلط کے بجائے سربراہی کی خدمت انجام دیں، اپنے شاگردوں کی ہمت افزائی کریں اور انھیں خود مختارانہ اور آزادانہ طور پر اپنے مشاغل کی انجام دہی کے مواقع فراہم کریں۔

فلورنس گڈانف (Florence goudangh) نے بچوں میں آزادی کی حاجت کو ثانوی اہمیت دی ہے۔ بس احساس تحفظ کی حاجت تک اس پر زور دیا ہے۔

" بچے کی دوسری حاجت یہ ہے کہ اس کو غیر بالغ نشوونما کا موقع مل سکے اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بندش سے ناآشنا ہو اور بغیر کسی پروگرام یا رہنمائی کے بے لگام پھرتا رہے بلکہ اس کا مطلب ہے کہ اس پر کوئی نامعقول بندش نہ لگائی جائے اور اس بات کی اجازت دی جائے کہ وہ اپنی حفاظت اور صحت کے قیام کی حدود کے اندر غلطیاں بھی کر سکے۔ یہ حدود عصبی المزاج والدین کی حدود سے زیادہ وسیع ہوتی ہیں اس سے مراد ہے کہ اس کو بذات

خود سیکھنے کا موقع دیا جائے۔ یہ توقع نہیں کہ وہ دوسروں کے تجربات کو سن کر خود کو مطمئن کر سکے گا چاہے اس کے والدین ہی کیوں نہ ہوں۔ بچوں کے لئے وسیع پیمانے پر تجربے کے مواقع فراہم کرنے چاہئیں تاکہ وہ ہوشیاری کے ساتھ خود انتخاب کر سکیں۔ اس کا مطلب ہے کہ سماج میں اس کا جو مقام ہے اس کا بے سوچے سمجھے غلط تصور پیدا کر کے اور نمود و نمائش اور نادانشمندانہ عمل کے لئے ہمت افزائی کر کے' اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں پیدا کرنی چاہئے بلکہ اس کا مطلب ہے کہ مضر اثرات سے اس کو چھٹکارا دلایا جائے اس طرح کہ وہ جن حالات پر قابو پانے کی صلاحیت رکھتا ہے' ان پر قابو پالے۔ ان مسائل سے جو جدوجہد کے لائق نہ ہوں گریز کرے اور ایمان داری اور بہادری کے ساتھ اپنی شکست تسلیم کرے۔

خلاصہ

بچوں کی حاجتیں بنیادی طور سے عام انسانوں جیسی ہوتی ہیں۔ بچوں کی حاجتیں اپنی شدت کی اضافی حد تک مختلف ہوتی ہیں اور ان کی حاجت روائی کے طریقے مختلف ہیں۔ خوراک اور غذا کی اہمیت ہے اس لئے کہ ان کے ذریعے توانائی اور تحریک پیدا ہوتی ہے اس کے علاوہ ان کے ذریعے آئندہ صحت کی بنیاد پڑتی ہے۔ اسی طرح آرام اور ورزش کردار اور مقاصد پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ استاد کے لئے لازم ہے کہ وہ حسی کمیوں کی علامت پر نظر رکھے اس لئے کہ آموزش کی جانب اور خود اپنی جانب اس کا جو رویہ ہوگا اس کا انحصار اس کے اپنے ادراک اور ماحول پر ہے

بچوں میں احساس تحفظ کی حاجت کا اعتراف درجے کے اندر اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ استاد اس کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا موقع دے اور بچہ جیسا بھی ہے اس کو حقیقی قبولیت بخشے۔ اس بات کا چونکہ امکان ہے کہ بچپن میں مدرسے کا کام تجریدی شکل اختیار کرلے جس کو سمجھنا مشکل ہو جائے۔ اس لئے استاد بچوں کو دست ورزی کا موقع فراہم کرے تاکہ بچہ دیکھ کر' محسوس کر کے اور دوسرے ذریعوں سے اپنے تجسس کو تسکین فراہم کر سکے۔ سماجی وظائف کے میدان میں ان کی خصوصی اہمیت ہے۔ اپنے گھریلو کلچر سے وسیع سماجی کلچر تک رابطہ پیدا کرنے کے لئے اس کو تجربہ' رہنمائی اور ہمت افزائی کی ضرورت ہے۔ ایک بچے کو اپنے پاؤں پر

کھڑے ہونے اور وسیع سماجی روابط پیدا کرنے میں اسی وقت مدد کی جاسکتی ہے جب اس کے استاد اور ہمسروں کے نزدیک قابل قبول ہو چاہے اس کے بعض افعال ناپسندیدہ کیوں نہ ہوں۔

بچوں کی بنیادی حاجتوں پر زور دینے سے مراد ہے کہ نفس مضمون پر دسترس حاصل کرنے کی طرف کسی قسم کی لاپرواہی نہیں ہونی چاہئے۔ ذہنی حفظان صحت کا پورا زور سماجی شخصی اور علمی میدان میں منصوبہ بند فراہمی تجربات پر ہے اس کی وجہ سے فرد کو مربوط شخصیت حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ اس کا مطلب ہے کہ ذہنی حفظان صحت کے طرز نظر کے تحت تعلیم میں بالیدگی کے تمام پہلوؤں کا اکتساب بشمول بنیادی طریق عمل ملحوظ رکھا جائے گا

خطرے کے بھی بعض مقامات ہیں' ان سے پرہیز کرنا چاہئے۔ یہ احتیاط برتنی چاہئے کہ بالغ لوگ بچوں کی زندگی کی بیجا تنظیم نہ کریں۔ اگر بچوں کو جمہوری سماج میں حسب حال ذہنی صحت حاصل کرنی ہے تو انھیں آزادی اور رہنمائی دونوں درکار ہیں۔ (تجاویز نہیں) اس باب میں جو کچھ بھی مشورے دیئے گئے ہیں انھیں مندرجہ ذیل ضابطہ قوانین" ذہنی صحت کی ترقی کے لئے ایک مناسب ماحول پیدا کرنا" میں شامل کردیا گیا ہے۔

۱۔ بچوں سے محبت کیجئے' سودے بازی نہ کیجئے تاکہ بچوں میں "میں" کے بجائے "ہم" کا احساس پیدا ہو سکے۔

۲۔ کمتر بتانے' شرمندہ کرنے یا مذاق اڑانے سے احتراز کیجئے تاکہ بچہ یہ یقین کرسکے کہ وہ ایک باکار ہستی ہے اور ایک مفید اور پسندیدہ بالغ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تعریف کرنے سے گھبرایئے نہیں۔

۳۔ ایسی اقدار اور ایسے مفہوم کا درس دیجئے جس کا تعلق بچے کی جیتی جاگتی دنیا سے ہو جس میں وہ رہتا ہو۔ استقلال پیدا کیجئے۔ اپنے طریقوں پر قائم رہئے اور ایک عالم کل بزرگ نہ بنئے۔

۴۔ فرماں برداری کے بجائے خود مختاری اور ذمے داری پیدا کرنے کے لئے اکسایئے

۵۔ یاد رکھئے اگر آپ صحیح طور سے کسی بچے کی تربیت نہ کریں تو آپ اُسے کھو بیٹھیں گے۔ جبھی آپ صحیح کار خدمت انجام دیں گے۔

مطالعے اور مباحثے کی مشقیں

۱۔ درجے کا کوئی ایسا واقعہ بیان کیجئے جس میں جذباتی پریشانی کا اصل سبب کوئی جسمانی دشواری رہی ہو۔

۲۔ حرارت اور ہوا کے علاوہ بچوں کی بھلائی کے لئے درجے کے اندر اور کیا مادّی خصوصیات ہونی چاہئیں۔

۳۔ بچوں کی جسمانی صحت اور حسیاتی شدّت کے علاوہ استاد کی کیا کیا ذمے داریاں ہیں؟

۴۔ اس دعوے کی موافقت کیجئے یا اس پر نکتہ چینی کیجئے کہ نفسیاتی تحفظ کا انحصار فرد کی اس صلاحیت پر ہے کہ وہ کسی حد تک اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکتا ہے؟

۵۔ اشیاء کو حقیقی طور سے دیکھنے اور برتنے کا مواقع بڑھانے کے سلسلے میں مباحثے کی خاطر اساتذہ کا ایک چھوٹا سا گروپ تیار کیجئے (گروپ کی تشکیل شاگردوں کی عمر کے حسب حال ہونی چاہئے

۶۔ کیا واقعی ممکن ہے کہ بچے کے فعل کو ناپسند کئے بغیر اس کو ناپسند کیا جا سکتا ہے؟ اپنے جواب کی وضاحت کیجئے۔

۷۔ کیا آپ کوئی ایسا واقعہ پیش کر سکتے ہیں جس میں بچوں کی اُن حاجتوں کو پورا کرنے کی وجہ سے علمی مشاغل بہتر ہو گئے ہوں، جن کا ذکر اس باب میں کیا گیا ہے۔

۸۔ اس بیان کی حمایت یا تنقید کیجئے کہ بچوں کی زندگی کی بیجا تنظیم کا رجحان پایا جاتا ہے۔ کیا یہ بات دوسروں کے مقابلے میں کسی مخصوص سماجی اور اقتصادی سطح پر صحیح ہے؟

۹۔ کیا آپ کو اس بیان سے اتفاق ہے "کھیل بچوں کا سنجیدہ مشغلہ ہے"

۱۰۔ کیا آپ کے خیال میں بچے کی کوئی ایسی ضرورت ہو سکتی ہے جو نوجوانوں اور بالغوں میں نہیں پائی جاتی ہو۔؟

۱۱۔ کیا آپ کو پریسٹن (Preston) کی اس بات سے اتفاق ہے کہ بزرگی کے مقابلے میں استقلال کی زیادہ اہمیت ہے۔

۱۲۔ ابتدائی درجے کے بچوں میں زیادہ اور بہتر روابط پیدا کرنے کے لئے کچھ مخصوص طریقے پیش کیجئے

باب 9

نوبالغوں کی مخصوص ضروریات

اس بات سے عام طور پر اتفاق کیا جاتا ہے کہ نوجوانی کا زمانہ کھنچاؤ اور تناؤ کا زمانہ ہے۔ یہ زمانہ مشکل ہوتا ہے۔ اس دوران فرد نہ تو بچہ ہوتا ہے اور نہ بالغ۔ اس دور میں شخصیت تفریق اور تکمیل کی منزلوں سے گزرتی ہے۔ لہذا یہ جاننا کہ بلوغت کیا ہے اتنا اہم نہیں جتنا اس کے اسباب وعلل کو سمجھنا ضروری ہے۔ پہلے نوجوانوں کی تشریح یوں کی جاتی تھی کہ اس دور میں چونکہ بالیدگی کی رفتار تیز ہوتی ہے اس لیے شش و پنج، بے اعتباری اور جنسی پختگی کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے تو پھر رواداری اور ہمدردی کے علاوہ کوئی اور رویہ نہیں اختیار کیا جاسکتا۔ اس نظریے کے مطابق نوجوانی کی دشواریاں فطری اور ناگزیر ہے۔ اگر اس قدیم نظریئے کے بدلے جدید نظریئے کو کلیتاً تسلیم نہ کیا جائے تو بھی قدیم نظریئے میں ترمیم کرکے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ تعمیری طور پر حاجتوں کی تسکین برآری ہوسکے گی۔ معاصر نظریہ یہ ہے کہ نوجوانی کے مسائل جدید تہذیب کے دباؤ سے پیدا ہوتے ہیں۔

نوبالغ حقیقی معنوں ایسے افراد ہوتے ہیں جن کا سماج میں کوئی مقام نہیں ہوتا زمانہ جنگ کے علاوہ کسی بھی دور میں شاید ہی کوئی ایسا موقع آتا ہو جب نوبالغوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہو یا ان کے کام کو سراہا جاتا ہو۔ یہ نوجوان تعمیری کام کے اہل ہونے کے باوجود جب بھی کچھ کرنا چاہتے ہیں تو لازمی طور پر بڑوں کے دست نگر ہوتے ہیں۔ کچھ پیڑھیاں پہلے ایک نوجوان اپنے خاندان کے لیے ایک اقتصادی اثاثہ ثابت ہوتا

تھا اور اب وہ بیس سال کی عمر میں ایک مالی بوجھ بن گیا ہے۔ اکثر والدین تہذیبی اور اقتصادی تنظیموں میں اس کی شرکت کو پسند نہیں کرتے۔ شادی کے معاملے میں بھی یہی صورت حال پیدا ہوگئی ہے۔ مالی طور پر بڑوں کا دست نگر ہوتے اور عام طور پر اسکول کی مدت میں توسیع ہو جانے کی وجہ سے موجودہ صدی کے اوائل سے ہی شادی اوسط عمر بڑھ گئی ہے اور شادیاں دیر سے ہونے لگی ہیں۔ پچھلی دو بڑی جنگوں کی وجہ سے اخلاقی معیار اور تصورات میں بہت تبدیلی واقع ہوگئی ہے اور بہت سے لوگ یقین محکم سے محروم ہو گئے ہیں لہٰذا اکثر نوبالغوں کو بھی یقین محکم اور تصورات کے لیے مضبوط سہارا نہیں مل پایا۔

راقم الحروف کو خوشگوار ماضی تک لوٹنے کی کوئی تمنا نہیں۔ دراصل تہذیبی تنظیموں میں رونما ہونے والی تبدیلیاں نوجوانوں کے لیے فائدہ مند ثابت ہو سکتی ہیں۔ یقیناً تعلیم کی مدت میں توسیع کر کے بہت فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے بشرطیکہ تعلیمی مواقع اور توقعات کو فطری نشوونما کے عمل، موجودہ ثقافتی حالات اور نوجوانوں کی انوکھی حاجتوں کے حسب حال کر لیا جائے۔ موجودہ بات کا مقصد انہیں طریقوں کی طرف اشارہ کرنا ہے جن سے اس ثقافتی دور کی ذمے داریاں ایک اثاثے میں تبدیل کی جا سکتی ہیں۔

تصویر

اوپر جو تصویر دی گئی ہے اس میں نوجوانوں کی کون سی حاجتیں پوری ہوتی ہیں ؟ ۔ شخصیت کے کن پہلوؤں کو بروئے کار لایا جا رہا ہے ؟۔ کون سی مہارتیں پیدا کی جا رہی ہیں اور کون سی حاجتیں کن کن طریقوں سے پوری کی جا سکتی ہیں ؟۔

نوجوانوں کی بھی عضویاتی، نفسیاتی اور سماجی حاجتیں دوسروں جیسی ہوتی ہیں۔ یعنی حفاظت کی حاجت، چاہنے اور چاہے جانے کی حاجت، نئے تجربات کی حاجت، خودمختاری کی حاجت اور ایسی ہی دوسری حاجتیں۔ اس بات کو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ نوجوانی مسلسل بالیدگی اور نشوونما کا صرف ایک رُخ ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ان حاجتوں کو اس دور کی انوکھی خصوصیت نہ بھی تصور کیا جائے تو بھی دوسری عمر کے مقابلے میں اس کی شدت کو زیادہ محسوس کیا جاتا ہے۔ سماج میں ان نوبالغوں کی جگہ نہیں ہے یا یوں سمجھئے

کہ اپنی جگہ سے ہٹے ہوتے ہیں) یہی پہلو اس مسئلے کا اہم حصہ ہے۔ ان نوبالغوں کو اپنی درمیانی عمر مشکلات کا مقابلہ کرنے میں استاد جو بھی امداد کرتا ہے اس کی وجہ سے ذہنی صحت کے امکانات نہ صرف آج بلکہ آئندہ کے لیے بھی بڑھ جاتے ہیں۔

نوبالغوں کی ناگزیر حاجتیں

نوبالغوں کی حاجتوں کو کئی طریقے سے بیان کیا جاسکتا ہے۔ یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ ان کی نوعیت میں اختلاف نہیں ہوتا پھر بھی چونکہ یہ دباؤ کا زمانہ ہوتا ہے اس لیے ان حاجتوں کی شدت میں اختلاف رہتا ہے۔ اس باب میں نوبالغوں کی ان شدید حاجتوں کا ذکر کیا جائے گا جو براہ راست ذہنی صحت پر اثرانداز ہوتی ہیں۔ نیشنل ایجوکیشن ایسوسی ایشن نے نوبالغوں کی جن حاجتوں کو مُرتب کیا ہے انھیں اگلے باب میں پیش کیا جائیگا حالانکہ موجودہ باب اور اگلے باب میں کوئی خاص حدبندی نہیں ہے پھر بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ باب میں جس ذہنی حفظان صحت پر زور دیا گیا ہے اس کا تعلق نوبالغوں کی مجموعی زندگی سے اور اگلے باب میں جن مسائل کو پیش کیا گیا ہے ان کا تعلق تعلیمی پہلوؤں سے ہے۔

نوبالغوں کی حاجتوں کے ساتھ بالغوں کا سا برتاؤ کرنا چاہیئے

تحفظ کا احساس بڑی حد تک بالغوں کی اس رویّے پر منحصر ہوتا ہے جس کی رُو سے وہ نوبالغوں کو پختہ کار سمجھنے لگتے ہیں۔ حالانکہ یقینی طور پر وہ ناپختہ ہوتا ہے یعنی اگر نوبالغ خودمختار ہوجائے تو یہ بہت دلچسپ باب ہے کیونکہ اس ذریعے بالیدگی بامقصد ہوجاتی ہے۔ اس قسم کی پسندیدہ بالیدگی وہی اساتذہ پیدا کرسکتے ہیں جو اس کی رائے پر دھیان دیں گے۔ اس کے مسائل پر تبادلہ خیال کریں گے اور اس کے بیان میں جو صداقت ہوگی وہ تسلیم کریں گے۔ جہاں تناقص نظر آئے گا وہاں ہمدردانہ طور پر متوجہ کرائیں گے ان استاد کو ایسے رفقائے کار سے بھی واسطہ پڑے گا جو مسئلے پر مختلف رائے رکھتے ہوں گے۔

وہ اساتذہ جو خود اپنا قانون مرتب کرنے کے لیے نوبالغوں کو خود اپنے مسائل حل کرنے کے سلسلے میں امداد پہنچاتے ہیں وہ اس بات سے آشنا ہوچکے ہوتے ہیں

کہ معقول فیصلے کی جانب ان کی بالیدگی کی رفتار تیز ہوتی ہے۔ اس قسم کے تجربات اس وقت فراہم کیے جا سکتے ہیں جب مدرسے کا نصاب مرتب کیا جا رہا ہو ضبط کے قواعد تشکیل دیئے جا رہے ہوں اور سماجی رابطوں کی جانب رہنمائی کی جا رہی ہو (من مانی طور پر نہیں) ایسی صورت میں جبکہ انہیں اپنے گھر کے اندر بالغوں کے کردار ادا کرنے کا موقع نہیں ملتا یہ اور بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ جماعت کے اندر اس کی تلافی کیجائے

ہمسروں کے ساتھ مطابقت

سوال ناموں کے ذریعے جو مطالعے کیے گئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ نوبالغوں کے ہمسروں سے مطابقت کی بہت زیادہ حاجت ہوتی ہے۔ بچوں اور کم عمر لڑکوں کے لیے یہ بات اہمیت نہیں رکھتی کہ وہ دوسروں کے ساتھ ہم آہنگ ہیں یا نہیں چھوٹے بچوں میں تو یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ بعد میں نشو ونما کی مختلف منزلوں پر دوسروں کے ساتھ کھیلیں۔ کم عمر لڑکے دوسروں کے ساتھ اس وقت کھیلنا پسند کرتے ہیں جب ان کے لیے باعث راحت ہو لیکن ساتھی نہ ملنے پر تشویش کا اظہار نہیں کرتے کم عمر لڑکے جب مدرسے کی عمر کو پہنچتے ہیں اس وقت وہ دوستی کے طالب ہوتے ہیں اور اگر ساتھی میسر نہ آئے تو اس کے لیے کوشش کرتے ہیں لیکن چھوٹی جماعت کے لیے اس بات کی زیادہ اہمیت ہے اپنے ساتھیوں کو خوش کرنے کے بجائے اساتذہ کی خوشنودی حاصل کریں۔ بلوغت میں یقیناً یہ ضرورت باقی نہیں رہتی چنانچہ نوجوان کی سب سے پہلی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں پر اچھا اثر ڈالے والدین اور اساتذہ کی خوشنودی ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔

عمل بالیدگی کے اس مخصوص پہلو کے مطالعے سے ہمسروں کی مطابقت کا اندازہ ہوتا ہے۔ نوبالغ جب بالغ بننے کی کوشش کرتا ہے اس وقت وہ خود کو مرد یا عورت ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ انسان کے اندر یہ خواہش چھپی ہوتی ہے کہ والدین کے ان مانع اثرات سے چھٹکارا پائیں جو تسلط کے سبب پیدا ہوتے ہیں۔ خاندان سے باہر نکل کر انہیں مدرسے کے ساتھیوں اور ہم جماعتوں کا ایک گروپ مل جاتا ہے۔ اس گروپ کے سامنے خود کو درست معنیٰ خیز اور تطابق پذیر ظاہر کرنا زیادہ اہم ہوتا ہے چنانچہ

جب اس کے ساتھ ہم آہنگی نہیں ہو پاتی تو تشویش پیدا ہو جاتی ہے اور یہ تشویش تناؤ اور نامرادی کی علامت ہے۔

والدین اور اساتذہ اگر ہمسرانہ مطابقت کی اہمیت کو تسلیم کریں تو ان نمو پذیر نوبالغوں کی غیر معمولی طور پر مدد کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ اپنی باتوں کی تردید کو صحت مند تصور کریں۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ نوبالغ بالغوں کی مدد کا محتاج نہیں بلکہ اپنے لیے خود ہاتھ پاؤں مارنے لگتا ہے دوسری ضرورت یہ ہے کہ نوجوان کو دوسری نسل کا فرد تصور کیا جائے۔ نسلوں کے درمیان افہام وتفہیم کا مسئلہ ہمیشہ رہتا ہے کہ آج کا نوبالغ جب بالغ بن کر نئی نسل کے افعال کا ذمہ دار ہوتا ہے تو وہ خود بھی اپنے گروپ کی تفہیم میں دشواری محسوس کرنے لگتا ہے کیونکہ اس کی بھی دنیا مختلف ہوتی ہے۔

ایک طرح سے دیکھا جائے تو نوجوان ہمیشہ مصیبت میں مبتلا رہتے ہیں۔ والدین کی نسل اور نوجوان کی میں اختلاف ہونا قدرتی امر ہے۔ ہر نسل کا آدمی اس اختلاف کو تسلیم کرتا ہے لیکن اس طرح کہ خود کو حق بجانب سمجھتا ہے اور دوسرے کو بے اعتبار چنانچہ کئی نسلوں سے نوجوان اپنے بڑوں کو بوڑھے کھوسٹ، بے سمجھ اور فرسودہ تصور کرتے رہے ہیں۔ اس طرح بڑوں کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ نوجوانوں کی کوتاہیوں پر تشویش کا اظہار کریں اور انہیں مشتعل نوجوان، نسل گم کردہ، غیر ذمے دار اور انتشار پسند تصور کریں۔

اساتذہ جب ہمسرانہ مطابقت پذیری کی اہمیت سمجھ لیتے ہیں اس وقت وہ بہتر طور پر اس کا ادراک اور بعض علامتوں کا تدارک کر سکتے ہیں۔ اس وقت انہیں لڑکیوں کے بال کی انوکھی وضع قطع کا بھی اندازہ ہوتا ہے (چاہے بالغوں کی نظر میں کتنا ہی معیوب کیوں نہ ہو) اسکرٹ کی لمبائی، جسم کی آرائش وزیبائش اور متعدد سوئٹر رکھنے کی افادیت بھی ان کی سمجھ میں آجاتی ہے۔ لڑکا جب بھاری بوٹ، تنگ جین یا بھونڈی پتلون پہن لیتا ہے تو والدین کے اس خیال سے منکر تو ضرور ہوتا ہے کہ نوجوان کو سلیقے کا لباس پہننا چاہئے لیکن اس قسم کے جزئیات سے اس کو انبوہ کے ساتھ گھل مل جانے میں مدد ملتی ہے۔ یہی وہ معاملات ہیں جن کی وجہ سے وہ مدرسے کو پسند نہیں کرتا۔ دیر تک باہر رہتا ہے اور اپنے لیے خود دوستوں کا انتخاب کرتا ہے۔ یقیناً مرجہ لباس، گفتگو

عادات واطوار یہ سب کے سب ہمسروں سے مطابقت کا ایک اظہار ہے۔ اسی لیے استاد کو اس بات میں محتاط ہونا چاہئے کہ وہ ایسے طور طریقے کو کم اہمیت نہ دے جو ہمسروں سے تطابق پیدا کرنے میں معاون ہوتے ہیں۔

ہمسروں سے مطابقت کا دوسرا پہلو وہ تصور ہے جو عام طور سے نو بالغوں میں رائج ہے یعنی وہ اوروں سے مختلف ہیں۔ چاہے اختلاف اتنا معمولی کیوں نہ ہو کہ اوروں کو نظر نہ بھی آتے۔ پھر بھی کبھی کبھی وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ بعض مخصوص خصوصیات کی وجہ سے وہ لازمی طور پر گروپ سے علاحدہ ہے۔ اس طرح ایک تل، چوڑا یا تنگ منہ ناک سائز یا ٹانگوں کی بناوٹ میں سے کوئی بھی چیز اس کو شدید طور پر پریشان کر سکتی ہے۔ اگر یہ اختلاف نمایاں ہے تو اس کا وہی ردعمل ہوگا جو سرسری طور پر نظر آنے پر ہوتا ہے۔ وزن اور قد میں اگر نمایاں انحراف ہو تو پھر اس کو شدید مسئلہ سمجھنا چاہئے اور نوجوان کے صلاح کاروں سے مشورہ کرنا چاہیئے۔ لیکن ان انحراف کو عموماً اس نظر سے نہیں دیکھا جاتے۔ ایک لڑکی کے حالات سے اس کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔ یہ لڑکی راقم الحروف کے پاس صلاح لینے آئی اور اس نے سلسلہ کلام یوں شروع کیا۔

"میرا قد بہت لمبا ہے لہذا یہ تو کہئے گا کہ نہیں کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مضائقہ تو ہے۔ کسی اور کے لیے کوئی فرق پڑے یا پڑے، میرے لیے ضرور فرق پڑتا ہے۔ باوجودیکہ اس کا جسم بالکل سیدھا تھا، وہ جاذب نظر تھی، اپنی سہیلیوں میں مقبول تھی، اس کو حسب خواہش نوجوان لڑکے سے ملاقات کا پورا موقع مل چکا تھا وہ پھرتیلی تھی، جسمانی کھیلوں میں اس نے کامیابی حاصل کی تھی اور اس تعلیمی ریکارڈ بھی اچھا تھا۔

اُستاد سے مطابقت

نو بالغوں کی حاجتوں کی فہرست میں استاد کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے میں کہیں اول اور کہیں اعلا درجے پر رکھا گیا ہے۔ جوں جوں نوجوان اپنے والدین سے خود انحصاری اختیار کرتا ہے وہ دوسرے بالغوں کی رفاقت اور رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔ استاد ہی وہ بالغ ہے جس سے وہ بہت مانوس ہے اور

جس سے اس کا گہرا رابطہ ہے۔ اس لیے اس کی کوشش ہوتی ہے کہ ان رابطوں میں ہم آہنگی پیدا ہو اور یہ تعلقات پختہ ہو جائیں۔ اس کی وجہ سے استاد کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کی ناپختہ کاری پر نہ تو کبھی ہنسے اور نہ مذاق اڑائے۔ دراصل استاد کو اس نظریئے کا حامل ہونا چاہئے کہ جو اعتماد اس کو حاصل ہے وہ بہت اہم ہے اسی کے ذریعے نوبلوغت کے زمانے میں بالیدگی کے رُخ کا بڑی حد تک تعین ہو سکے گا۔

اگر اساتذہ سے خوشگوار تعلقات نہ پیدا ہو پائیں تو نوجوان کے لیے تشویش کی بات ہوتی ہے۔ باوجودیکہ وہ ہر چیز سے بے نیاز نظر آتے ہیں لیکن اپنی بلوغت ظاہر کرنے کے لیے وہ بالغوں سے اپنے تعلقات خوشگوار رکھنا چاہتے ہیں۔ استاد درجے کے اندر ہو یا باہر ہر جگہ اس کام میں معاون ہو سکتا ہے اس طرح کی ان کی رائے کو وقعت دے، لکچر دینے کے بجائے اس کی بات کو سُنے اور تبادلہ خیال کرے اور اس طرح کے حکمات سے پرہیز کرے "جب تم بڑے ہو کر تجربہ کار بن جاؤ گے اس وقت صداقت کو تلاش کر سکو گے۔"

والدین، اساتذہ، شاگردوں سے مطابقت

استاد سے نو بالغوں کی مطابقت خاص طور سے اہم ہے اس لیے کہ یہ مطابقت اس خلا کو پُر کرنے میں معاون ہوتی ہے جو بچوں اور بالغوں کے درمیان پیدا ہو جاتا ہے۔ خاندان سے باہر وہی ایک ایسا بالغ ہے جس سے نو بالغ اچھی طرح واقف ہے اس لیے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ والدین اور اساتذہ کی چند انجمنوں کے بارے میں جو ثانوی سطح پر کام کرتی ہوں چند الفاظ بطور احتیاط کہہ دیئے جائیں۔

ہائی اسکول کی سطح پر والدین اور اساتذہ کی انجمنیں جس جذبے کے ساتھ کام کرتی ہیں وہ قابل ستائش ہے۔ نوجوانوں سے واسطہ رکھنے والے سبھی لوگوں کے نقطۂ نظر کو اگر یکجا کر دیا جائے تو یقیناً بہت مفید ثابت ہوگا اور اس پر مشکل سے ہی کوئی شخص معترض ہو سکتا ہے۔ ہاں اس تکنیک کی صحت پر ضرور شبہات ظاہر کیے جا سکتے ہیں جو اس طرح کے اتحاد کو حاصل کرنے کے لیے اختیار کی گئی ہیں۔ راقم الحروف پورے

وثوق کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتا لیکن اس نظریئے کو پیش کرنے کی جرات کرنا چاہتا ہوں کہ ہائی اسکول کی سطح پر والدین اور اساتذہ کی انجمنوں کی ہمت افزائی نہیں کرنی چاہیئے۔

انسان کی بنیادی حاجتوں کے جائزے میں پتہ چلتا ہے کہ خود مختاری کی حاجت کی خواہش اول نمبر پر ہوتی ہے۔ نو بالغوں کے شدید مسائل میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ ایک طرف تو وہ بالغ بننے کا خواہشمند ہوتا ہے اور دوسری طرف والدین سے خود مختاری حاصل کرنا چاہتا ہے کہ اس کو ایک ایسے فرد کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتے جو اپنے مسائل سے نپٹنے کی خود صلاحیت رکھتا ہو۔ استاد کی طرح وہ خود بھی اس بات کو نہیں محسوس کر سکتا کہ اس کو بالغوں کی خاص طور سے والدین کی امداد کس حد تک درکار ہے والدین سے اس کی خود مختاری کی جدوجہد کبھی بہت شدید ہو جاتی ہے۔ اس کی نظر میں والدین خود مختاری اور اہمیت حاصل کرنے میں بڑی حد تک مانع ہوتے ہیں۔

ہائی اسکول کے اساتذہ اپنے اہم منصب کی وجہ سے نو بالغوں کو بالغ بننے اور اپنے معاملات سے خود نپٹنے کے کام میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اپنے والدین کے علاوہ استاد ہی ایک ایسا بالغ نظر آتا ہے جس سے فوری طور پر مانوس ہونے کا امکان ہو۔ اس کو کئی گھنٹے تک استاد سے سابقہ رہتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک نوعمر شخص کے لیے استاد بحیثیت استاد عزت اور احترام کے قابل ہے۔ اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک نوجوان لڑکا یا لڑکی استاد کی پرستش ہیرو کی حیثیت سے کرنے لگتی ہے۔ بہت سے اساتذہ جب اپنے مدرسے کے زمانے پر ایک نگاہ واپسی ڈالتے ہیں تو انہیں بھی یاد آجاتا ہے کہ کس طرح وہ اپنے کسی استاد کی مدح سرائی کیا کرتے تھے۔ اگر نو بالغوں سے بالغ کا برتاؤ کیا جاتے تو وہ اپنے اساتذہ کے پاس اپنے مسائل لے کر آئیں گے لیکن اس اہم منصب سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کے لیے استاد اور شاگرد کے درمیان گہرا رابطہ ضروری ہے۔

اس بات کا بھی خطرہ ہے کہ والدین اور اساتذہ کی انجمنیں ضروری رابطے میں مداخلت کریں۔ جب کوئی لڑکا اپنے استاد کو اپنے والدین سے تبادلۂ خیال کرتے ہوتے دیکھتا ہے تو محسوس کرنے لگتا ہے کہ موضوع گفتگو خود اس کی ذات ہے چاہے اس

احساس کی کوئی معقول وجہ نہ ہو۔ شاید وہ سوچتا ہے کہ اس کو نظرانداز کیا جارہا ہے اور والدین کے ساتھ مل کر استاد اس کے خلاف سازش میں مصروف ہے۔ اگر اس پر یہ تاثر قایم ہوگیا تو پھر وہ استاد کو بھی اپنی بالیدگی کی راہ میں ایک رکاوٹ سمجھنے لگتا ہے اور اس کے خلاف اپنی ناراضگی کا اظہار کرنے لگتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ استاد کی صلاح اور دوستی کو بھی جو اس کو میسر آسکتی ہیں نظرانداز کرنے لگتا ہے۔

لیکن تمام نوبالغ اس طرح کا ردعمل نہیں ظاہر کرتے۔ بہت سے ایسے بھی نوبالغ ہوتے ہیں جو اپنے والدین کو اپنے اساتذہ سے ملتے جلتے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ ان کے والدین جب مدرسے کے جلسوں میں شرکت کرتے ہیں اور ان کے درجوں میں آتے ہیں تو انہیں واقعی بہت مسرت ہوتی ہے لیکن اس قسم کا رد یہ انہیں لڑکوں میں نظر آتا ہے جنہیں اپنے والدین کی جانب سے خودمختاری حاصل ہوتی ہے اور اپنے انتخاب اور عمل کی آزادی کا موقع ملتا ہے۔ یہ باتیں دور بلوغت کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ مدرسے کے اندر ان شاگردوں کو شدید مسائل نہیں پیش آتے اسی لیے انہیں مدد کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ تاہم کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ہائی اسکول کے اس طالب علم سے اتفاق کرتے ہیں جس کا کہنا ہے "میرے والدین جب مدرسے میں آتے ہیں تو مجھے پریشانی ہوتی ہے۔ چنانچہ میں اپنے بس بھر پوری کوشش کرتا ہوں کہ وہ میرے اساتذہ تک نہ پہنچ پائیں۔

والدین اور اساتذہ کی کوئی بھی انجمن ایسے طالب علم کے لیے معاون نہیں ہوسکتی جو مسائل سے دوچار نہ ہو بلکہ اس کا بھی امکان ہے کہ ان بچوں کے لیے مضرت رساں ہو۔ جو محسوس کرتے ہوں کہ ان کے والدین کی پابندیاں بہت سخت ہیں۔ اس لیے سفارش کی جاتی ہے کہ اساتذہ اور والدین کی کوئی باقاعدہ انجمن نہ بنائی جائے بلکہ اساتذہ والدین سے دور رہیں تاکہ وہ چند شاگرد جو بالغوں کی امداد کے خواہاں ہیں اپنے طور پر مستفید ہوسکیں۔ اس سلسلے میں زیادہ کامیابی اس صورت میں ممکن ہے جب شاگرد سے گہرا رابطہ قایم کیا جائے۔ اور اس کے حقیقی حالات کو دریافت کرنے کے بجائے اس بات کو اہمیت دی جائے کہ وہ خود اپنے حالات کے بارے میں کیا محسوس کرتا ہے۔

ایک باقاعدہ تنظیم کی سفارش نہ کرنے سے یہ ہرگز مطلب نہیں کہ اساتذہ والدین سے کوئی واسطہ نہ رکھیں۔ دلیل صرف یہ ہے کہ نو بالغ سے رابطہ قایم کرنا اس سے زیادہ اہم ہے۔ بہت سے لڑکے اپنے اساتذہ اور والدین کی ملاقات کے خواہشمند ہوتے ہیں اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ ایسی غیر رسمی ملاقات کا انتظام نہ کیا جائے۔ بلکہ اگر کوئی نو بالغ زیر بحث ہو تو اس کو بھی شریک کرنا مفید ہوتا ہے۔ جہاں تک ممکن تبادلہ خیالات کے وقت نو بالغ کو بھی گفتگو میں شریک کرلیا جائے۔ بالغ جب نوجوانوں کے مسائل پر غور کرنے کے لیے ان کی عدم موجودگی میں اکٹھا ہوتے ہیں تو دشواریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان دشواریوں کو دور کرنے کی صورت یہ ہے کہ والدین، اساتذہ اور شاگردوں کی انجمن قایم کی جائے۔ جس کے اندر شاگرد کی اتنی ہی اہمیت ہو جتنی دوسروں کو حاصل ہے۔ اس میں مزید کامیابی اس طرح حاصل کی جاسکتی ہے کہ شاگردوں کو ہی مختلف عہدوں پر منتخب کیا جائے۔ انہیں کمیٹیوں میں رکھا جائے اور پروگرام میں شریک کیا جائے تاکہ انہیں ایک بالغ کا منصب ادا کرنے کا موقع مل سکے۔

مقاصد کا تعین

حال میں ماہرین نفسیات نے کردار کی مقصدیت اور معنویت پر بہت زور دیا ہے۔ ان کا زیادہ زور اس بات پر ہے کہ کردار کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے یعنی کردار محض یونہی نہیں سرزد ہو جاتے۔ اس لیے اساتذہ اس بات کی برابر کوشش کرتے ہیں کہ مقصدی کردار کو (جو مبہم سعی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے) بامعنی کردار (جو زیادہ واضح اور زیادہ شخصی ہوتا ہے) میں تبدیل کر دیا جائے۔ جہاں تک کردار کی مقصدیت اور معنویت کا تعلق ہے نو بالغ دوسروں سے مختلف نہیں ہے۔ مقصد اگر واضح نہ ہو تو نو بالغ کو جو ابھی صحت مند بالیدگی کے دور سے گزر رہا ہے، بہت کم تسکین حاصل ہوتی ہے۔ وہ مدرسے کے کام کو انجام دے کر محض اس لیے نہیں مطمئن ہوتا کہ استاد کی مرضی ہے یا نصاب کا تقاضا ہے۔ وہ تو یہ جاننا چاہتا ہے کہ مخصوص کام کیوں انجام دیا جا رہا ہے اور اس کام سے اس کو شخصی طور پر کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ مختصر یہ کہ وہ دور تک مقصد پر نظر رکھتا ہے اور اسی لیے جب مدرسے کے کام کے

بوجھ کے تلے دبا ہوتا ہے تو بے چین نظر آتا ہے۔

مقاصد کا تعین دو طرح سے ہو سکتا ہے۔ اوّل زندگی کے مشاغل کا انتخاب کرکے اور دوم زندگی کا فلسفہ یا نظریہ مرتب کرکے۔ بعض لوگ مقاصد کا خاطرخواہ تعین کر لیتے ہیں اور بعض اس سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ اگر تعین مقصد خاطرخواہ نہ ہو پائے تو سعی میں نہ تو پختگی آئے گی اور نہ یکسوئی۔ یہاں تک کہ وقتی تعین مقصد سے بھی شاگردوں کو یہ مدد ملتی ہے کہ ایسے سماج میں جس کے اندر تخصیص فن کی بہت اہمیت ہے، اپنی سعی تیز کر دیں اور اس پر اپنی توجہ مرکوز رکھیں۔

نوبالغوں کے اغراض و مقاصد کے سلسلے میں جو تحقیقی مطالعے ہوئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی دلچسپیوں میں جلد جلد اور بڑی بڑی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں یہ بہت اچھا بھی ہے اس لیے کہ ہائی اسکول کی سطح پر پیشوں کے آخری انتخاب کی توقع نہیں کی جا سکتی، اور نہ ہی عنفوان شباب کی منزل پر کوئی مستقل فلسفۂ زندگی مرتب کیا جا سکتا ہے۔ کسی پیشے کے وقتی انتخاب سے تفتیش، کھوج اور مطالعے کا موقع ملے گا اور اسی کی بنیاد پر پختہ انتخاب ہو سکے گا۔ تعلیمی مشاغل کے اندر جو شخصی فوائد مضمر ہیں ان کو واضح کرکے مدرسے کے مشاغل میں مقصدیت پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کے ذریعے افراد میں یہ احساس پیدا ہوگا کہ یہ مشاغل محض عارضی نہیں بلکہ مستقبل کی زندگی پر اثرانداز ہوں گے۔

اگر اچھی ذہنی صحت اور زندگی سے لطف اندوزی مقصود ہے اور ادھر ادھر بھٹکنے سے پرہیز کرنا ہے تو مقصد کی وضاحت ضروری ہے۔ نصابی مضامین کو پیشوں سے مربوط کرکے اساتذہ اس معاملے میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ چاہے یہ مضامین، ریاضی، سماجی علوم، انجینیرینگ، سائنس کے ہوں چاہے تجارتی یا انتظامی تربیت کے۔ طالب علم جس قدر اپنے کام شخصی خصوصیات اور فراہمی مواقع سے متعلق تبادلۂ خیال کریں گے اسی طرح وہ ہر طور پر مستقبل کے لیے خود کو تیار کر سکیں گے۔ یہی نصاب اس بات کی بھی بنیاد بن سکتا ہے کہ اخلاقی، شہریت، بھائی چارے اور عارضی فلسفۂ زندگی کی تشکیل سے متعلق تبادلۂ خیال کیا جائے۔

تعین مقصد کے دوران اگر استاد اس بات پر زور دینا چاہے کہ تغیر مقاصد

ایک نارمل بات ہے تو وہ درجے کے اندر بحث ومباحثہ، صلاح کاری، انٹرویو اور غیر رسمی بات چیت سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ نوبلوغت میں مقصد کی غیر مستقل نوعیت بالیدگی کے لیے ایک صحت مند علامت تصور کی جاتی ہے۔ اس سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ پیر کے دن کوئی بچہ پائلٹ بننا چاہتا ہو اور منگل کے دن ڈاکٹر بننے کی آرزو ظاہر کرے بلکہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اگر کوئی لڑکا تعلیمی سال کے دوران اپنے اغراض و مقاصد میں تغیر و تبدّل کرنا چاہے تو اس کی ہمّت شکنی نہ کی جائے۔ یہاں اہم بات یہ ہے کہ استاد مقاصد پر دھیان دے اور درجے کے اندر اور غیر رسمی ملاقاتوں میں بھی شعوری طور تعین مقاصد میں مددگار ثابت ہو۔ اس منزل پر نوبالغ شدت سے رہنمائی کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ شروع شروع کے تجربات میں قلیل المدّت مقاصد کافی سمجھے جاتے ہیں لیکن جوں جوں نوبالغ پختہ کار ہوتا جاتا ہے، عدم مقصدیت رکاوٹ بنتی جاتی ہے چاہے مقصد کی وضاحت کو وہ بہت شدت سے نہ محسوس کرتا ہو۔

احساس قدر کا استقرار

بچے، بالغ اور نوبالغ شخصی قدر و قیمت یا اہمیت کا شدید احساس رکھتے ہیں بچوں کی ذہنی صحت کے مباحث میں اس کو بار بار دہرایا گیا ہے اور نوبالغوں کے سلسلے میں بھی اس کی اہمیّت کو تسلیم کیا گیا ہے لیکن نوبالغوں کے سلسلے میں اس بات پر زور اس لیے دیا گیا ہے کہ جب وہ اپنے گھر سے باہر نکل کر اپنی تجرباتی دنیا کو وسعت دیتے ہیں اور اپنے تعلقات کو بڑھاتے ہیں اس وقت ان کے سماجی تعلقات میں تغیّر و تبدل ہوتا ہے۔ اسی منزل پر شخصی قدر و قیمت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ فرد جب فوری طور نوبالغوں کے رویوں، لباس کی وضع قطع اور اس کے طور وطریق کی تعمیل کرنا چاہتا ہے۔ تو نوبالغ جس قدر اپنی شخصی قدر و قیمت پر مشکوک ہوتا ہے اسی قدر یہ تعمیل غلامانہ ہوتی ہے اور جس حد تک وہ اپنی شخصی قدر و قیمت کو پہچانے گا اسی قدر اس بات کا امکان ہے کہ وہ اپنے فکر و عمل میں خود مختاری پیدا کرے

نوبالغ جب اپنے سماجی روابط کو وسعت دیتا ہے اور اپنے حالات میں ایسا موڑ پیدا کرتا ہے جہاں شخصی قدر و قیمت کی حاجت کو تسکین ملے تو اس وقت استاد

اس کی معاونت کر سکتا ہے۔ استاد کو چاہئے کہ اس کے ساتھ عزت سے پیش آتے اس کے نقطۂ نظر کو توجہ کے ساتھ سنے، اس کی رائے کو اہمیت دے، جب بھی موقع ملے اس کے جماعتی فکر و عمل کی تحسین کرے اور اس کے ساتھ ایسے بالغ کا برتاؤ کرے جیسا وہ ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی بے محل خوشامد اور تعریف کی جاتے۔ حال میں جب راقم الحروف نے اپنے زیر تربیت اساتذہ کو شاگردوں کی تھوڑی بہت ستائش کا مشورہ دیا تو اس کو معائنے کے موقع پر یہ دیکھ کر بہت اطمینان ہوا کہ اساتذہ نے شاگردوں کی برمحل ستائش کی۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ ہر بچے کے چہرے پر ایک تحسین آمیز مسکراہٹ نظر آتی۔

امداد کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ استاد اپنی ذمہ داریاں گروپ اور افراد کو سونپ دے۔ یہ ذمے داریاں اس قسم کی ہو سکتی ہیں۔ مطالعے کے موضوع کا انتخاب، مختلف کاموں کے لیے کمیٹیوں کا انتخاب، درجے کے نظم وضبط کا کام اور روشنی، ہوا اور درجۂ حرارت اور پروجیکٹر، ریڈیو، نقشہ، گلوب اور ایسی دوسری چیزوں کا انتظام۔ افراد کو ایسی ذمے داریاں سونپنی چاہئیں جن میں وہ اپنی مخصوص صلاحیتوں کو بروئے کار لاسکیں۔ ان سے دو فائدے ہوں گے۔ اوّل یہ کہ استاد چونکہ افراد کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف ہوگا اس لیے وہ ان کی صلاحیتوں کا استعمال کر سکے گا۔ دوم یہ کہ شاگرد کو اپنی لیاقت ظاہر کرنے کا موقع ملے گا۔ شاگردوں میں اپنی قدر و قیمت کا احساس کبھی گانے کے ذریعے کبھی تصویر کشی کے ذریعے اور کبھی عمدہ تحریر کے ذریعے پیدا کرایا جا سکتا ہے یا کسی ہمسائیگی کے، آبائی پیشے کی جانکاری سے یا کسی مخصوص علاقے کی سیر و سیاحت کے ذریعے طالب علم کو ایسی ذمے داریاں سنبھالنے کا موقع مل سکتا ہے جو عام صورتوں میں ممکن نہیں۔

ان ذمے داریوں کا ایک اہم جزو یہ بھی ہے کہ طالب علم کو خود رہنمائی اور آزادانہ فیصلے کا موقع ملے۔ بچوں کی رہنمائی کے سلسلے میں جس بنیادی بات پر زور دیا جاتا ہے اس کو موجودہ زبان میں کسی قدر مزاحاً یوں کہا گیا ہے۔" جانی کو اس طرح دیکھنا جیسا وہ خود اپنے آپ کو دیکھتا ہے"۔ یہاں جانی کی مطلق خود ارادیت پر زور دیا گیا ہے۔ یہ ایک ناگوار بات بھی ہو سکتی ہے کیونکہ نوجوانوں کے فیصلے بڑوں

کے فیصلے سے مختلف ہوتے ہیں۔ لیکن اس بات کو ذہن نشین کرنا چاہئے کہ ایک شخص اپنی کامیابی کے ساتھ ساتھ اپنی ناکامیوں سے بھی سیکھتا ہے۔ اگر نوجوانوں کو اپنے فیصلوں میں غلطی کرنے کا موقع نہ فراہم کیا جائے تو اس کی کامیابی کے مواقع بھی مسدود ہو جائیں گے۔ اس دُہری مشکل کو یہ کہہ کر حل نہیں کیا جا سکتا کہ انہیں فیصلہ کرنے کی آزادی نہیں ملنی چاہئے۔ کہیں سے تو یہ سلسلہ جنبانی کرنا ہی ہوگا کیوں کہ اگر پہلے اس کے مواقع فراہم نہ کیے گئے ہوں تو آیندہ کبھی نہ مل پائینگے

اغلب ہے کہ مہارت پیدا کر کے طالب علموں میں اپنی قدر وقیمت کا احساس پیدا کیا جاسکتا ہے۔ جیسا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے نو بالغوں کو آزادی ملنی چاہیئے۔ مہارت تو اس کو خود پیدا کرنی ہے لیکن اس کی خلقی صلاحیتوں کو بر دئے کار لانے میں استاد معاون ہو سکتا ہے وہ اس بات پر زور دے سکتا ہے کہ اگر انہیں مہارت پیدا کرنی ہے تو اس کے لیے کام کرنا ہوگا وہ اس بات کی طرف بھی اشارہ کر سکتا ہے کہ ان مہارتوں سے اس کی زندگی زیادہ موثر اور خوشگوار ہو سکتی ہے۔ مزید براں استاد اپنے درجے کو ذہنی فنکارانہ تخلیقی اور سماجی مہارتوں کی نشو ونما کے لیے ایک معمل بنا سکتا ہے۔ بامقصد سعی میں کفایت کا بھی پہلو ہے۔ اساتذہ اس کام میں پسندیدہ مقاصد کی وضاحت کر کے معاونت کر سکتے ہیں۔

اپنی قدر وقیمت کے احساس میں چاہے جانے کی خواہش بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ بہت سے نو بالغ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ دوسروں سے مختلف ہیں، چنانچہ ان کے اندر اعتماد کا احساس پیدا کرنے کے لیے ان سے محبت کرنا ضروری ہے اس لیے اکثر نو بالغ محسوس کرتے ہیں کہ ان کی کوتاہیوں کے باوجود لوگ اُن سے محبت کرتے ہیں۔ ان مسائل کا حل آسان ہے۔ اس کی وضاحت اس مقولے سے ہوتی ہے۔ "واقفیت کے بغیر تفہیم نہیں پیدا ہو سکتی" یہاں پھر اس بات کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے کہ استاد اپنے شاگردوں کی خوبیاں اور کوتاہیاں سمجھے اور جانچے سابقہ نمبر اور مطالعۂ فرد کے ذریعے معروضی معلومات حاصل کرے۔ مزید معلومات بات چیت، آزادانہ تحریر، اور فنی تخلیقات کے ذریعے فراہم کی جاسکتی ہیں۔

چاہے جانے کی حاجت سے ملتی جلتی حاجت قدر شناسی کی ہے۔ نو بالغوں

سے کے نمائشی کردار سے اکثر اس کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔ اگر علمی امتیاز، کھیل میں مہارت تخلیقی اظہار کی صلاحیت اور رہبرانہ خوبیوں کی وجہ سے کسی کو قدر شناسی حاصل ہو چکی ہے تو اس کو زور سے بولنے، اینٹھ کر چلنے اور متوجہ کرانے کے لیے کسی ایسے کردار کی ضرورت نہیں ہوتی جو اس عمر میں عام طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔ استاد کو چاہیے کہ ان کرداروں کا سراغ لگاتے، اور ان کے مطابق ذمے داریاں سونپے، انہیں جوہر دکھانے کا موقع فراہم کرے اور ان کی خدمات کو سراہے اس طرح وہ نوبالغوں کی کافی امداد کر سکتا ہے۔

مندرجہ بالا مشوروں پر عمل کرنے کے لیے نہ صرف وقت درکار ہوگا بلکہ ان پر عمل کرنا مشکل بھی ہوگا۔ اس کے پیش نظر استاد احتجاج کر سکتا ہے۔ یہ بات تسلیم کر لینی چاہیے کہ یہ اعتراض معقول ہے لیکن استاد کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جس حد تک وہ اپنے شاگردوں میں قدر شناسی کا احساس پیدا کرے گا اسی قدر اس کا کام خوشگوار ہوگا اور اس کا وقت بھی اچھا گزرے گا۔ مزید براں وقت اور مشق کے ساتھ ساتھ اس طرح کے نتائج اکثر سہولت کے ساتھ برآمد ہوتے رہیں گے۔

خود فہمی

خود فہمی کی حاجت نوبلوغت میں خاص طور سے ظاہر ہوتی ہے۔ یہ حاجت وسیع سماجی تعلقات سے پیدا ہوتی ہے اور عمل بلوغ سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ نوبالغوں کو یہ حاجت محسوس ہوتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کو موثر بنائیں اور یہ سمجھیں کہ وہ اپنے لیے اور سماج کے لیے کارآمد ہیں اور ان کے محرکات نارمل ہیں۔

یہ تفہیم بہت کچھ تجربے سے حاصل ہوگی۔ مزید تفہیم پیدا کرنے کا ایک بالواسطہ ذریعہ یہ ہے کہ استاد اپنے شاگردوں میں ہمسرانہ مطابقت پیدا کراتے، اور استاد اور شاگرد کے درمیان مطابقت پذیری کو فروغ دے، شخصی مقاصد کی وضاحت کرے اور شخصی قدر و قیمت کا احساس پیدا کرے۔ اس کے علاوہ مسئلے کو براہ راست حل کر کے اس کی تفہیم میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ براہ راست مطالعے اور بحث و مباحثے کے ذریعے خود فہمی پیدا کی جا سکتی ہے۔ تحقیقی مطالعوں سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔

اساتذہ نے بار بار یہ رپورٹ دی ہے کہ نو بالغوں سے تبادلہ خیال کر کے بہت حد تک معاملہ فہمی ہو جاتی ہے۔ درجے کے اندر یا عام مباحثے، گروہی صلاح کاری اور تبادلہ خیال کے ذریعے بہتر تفہیم پیدا کی جا سکتی ہے۔ اس کی تاثیر شاگردوں کی اس کوشش میں نظر آتی ہے جب انہوں نے شراب نوشی کے موضوع پر بحث کر کے اس مسئلے کو حل کر کے جس کا تعلق حالیہ سبق سے تھا۔ شراب نوشی کا خوف پیدا کر کے نشے کی حالت میں موٹر چلانے یا دوسرے مضر اثرات سے متنبہ کر کے نوجوانوں کے طور و طریق کو متاثر نہیں کیا جا سکتا بلکہ نو بالغوں کے درمیان اس قسم کے مباحثے ہوں کہ لوگ شراب نوشی کیوں کرتے ہیں، شراب کے نفسیاتی اثرات کیا ہوتے ہیں اور شخصیت کی نشو و نما پر اس کی کیا قیود عائد ہو جاتی ہیں تو ایک ایسی تفہیم پیدا ہو سکتی ہے جو مثبت محرکات کا باعث بن سکے۔ دلائیڈ یوتھ (Alland youth) کی رپورٹ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے اس رپورٹ میں یہ بتایا گیا ہے کہ مطالعے کے ذریعے اور ذمے داریاں سونپنے سے نو بالغوں میں شراب نوشی کم ہو جاتی ہے۔

شادی کی تیاری

نو بالغوں کی معاونت کے ذکر میں یہ بات فراموش کر دی گئی ہے کہ انہیں شادی کے لیے تیار کرنا ہے۔ اس خیال کے تحت کہ تقریباً تمام نوجوان تھوڑے دنوں کے اندر گھر اور خاندان سے منسلک ہو جائیں گے یہ اچنبھے کی بات ہے کہ اس تجربے کی کوئی براہ راست تیاری نہیں کرائی جاتی۔ ذہنی حفظان صحت کی جن حاجتوں پر زور دیا گیا ہے ان میں سے کئی حاجتیں شادی و خانہ آبادی سے پوری ہوتی ہیں۔ تحفظ، اپنائیت، چاہنے اور چاہے جانے کی حاجت، شخصی تحصیل اور جسمانی طور پر جنسی تسکین، ایک کامیاب شادی سے حاصل ہوتی ہے۔ اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر چار میں ایک شادی نامرادی، ناامیدی اور دل شکن طلاق کی صورت میں ختم ہو جاتی ہے۔ اگر ازدواجی زندگی کے لیے بہتر طور پر تیار کیا جا سکے تو چار میں تین شادیاں یقیناً زیادہ پُرسکون ثابت ہو سکتی ہیں۔

محبت کرنے میں غلطی کر بیٹھنے یا ازدواجی مطابقت کا مسئلہ پیدا ہونے سے قبل

ہی ازدواجی زندگی سے متعلق درس دیا جاتے تو زیادہ موثر ثابت ہوتا ہے۔ مزید برا ں استاد کو اس بات کے زیادہ مواقع مل سکتے ہیں کہ وہ اس قسم کے مسائل حل کرسکے کیونکہ والدین کے مقابلے میں اس کے جذبات کا ان معاملات میں کم دخل ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اسکول کے اساتذہ کے پیش نظر شادی کے مسائل کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ اس لیے شادی سے متعلق حالیہ مسائل، نظریات اور واقعات کا علم حاصل کرکے وہ تدریس کو بہتر بنا سکتے ہیں۔

ایک قابل لحاظ امر یہ ہے کہ جنس کی اہمیت کے باوجود، ایک کامیاب شادی کے لیے اس کو محض ایک عامل کی حیثیت سے تصور کیا جاتے۔ لہٰذا نوبالغوں کو ایسی معلومات فراہم کرنی چاہیئے جن میں جنسی معاملات سے متعلق بے باکی کے ساتھ بحث کی گئی ہو۔ یہ بات واضح کردینی چاہیئے کہ ازدواجی مطابقت میں شخصیت اور جسمانی حالات کی موزونیت، متعلقہ افراد اور ان کے والدین کی رضامندی کی بھی اہمیت اگر زیادہ نہیں تو بھی جنسی موزونیت کے مساوی ضرور ہے۔ اگر نوجوانوں کے یہ ذہن نشین کرا دیا جاتے کہ جنسی تسکین ایک دریافت کے بجائے تحصیل اور تخلیق ہے تو قبل شادی کے ناخوشگوار جنسی تجربات کم کیئے جا سکتے ہیں۔ جنس کی نوعیت جس قدر ذہنی اور جذباتی ہے اسی قدر جسمانی بھی ہے۔ اس لیے موٹر کار کے اندر یا کسی سستے ہوٹل کے کمرے میں حاصل کیے ہوئے جنسی تجربات سے یہ پتہ لگانا ناممکن ہے کہ متعلقہ شخص جنسی مطابقت کا حامل ہے۔ ایسے مخاطرات میں جو عجلت، خوف اور اندیشے لاحق ہوتے ہیں انہیں ایسی جنسی تسکین سے منسوب نہیں کرنا چاہیئے جو پختہ کار شادی شدہ لوگوں کو میسر آتی ہے۔ موجودہ سماجی تصورات کے مطابق جنسی تجربات کے حصول پر بیجا زور نہیں دیا جاسکتا۔

ہائی وُوڈ کی رومانی روایت کے باوجود یہ محض ایک اتفاق ہے کہ پہلی نظر میں ہونے والی محبت ایک کامیاب شادی کی صورت اختیار کرے۔ اس تصور کو موقوف کرنے میں ہم جس قدر کامیابی حاصل کریں گے کہ شادی قسمت میں لکھی ہوتی ہے اور اور کامل جوڑا ہوتا نہیں بلکہ بنایا جاتا ہے۔ اسی قدر ہم نوجوانوں کو محسوس کراسکیں گے کہ شادی بھی ذہنی صحت کی طرح ایک مسلسل مطابقت کا نام ہے۔ اس لیے اس خیال خام میں مبتلا رہنے کے بجائے کہ کسی کامل رفیق کی جستجو کی جاتے۔ یہ بات تسلیم کرلینی

چاہیے کہ کامل رفیق حیات بنانے کے لیے خود اپنی شخصی موزونیت ضروری ہے۔ اس لیے یہ تصور زیادہ اہم ہے کہ دو اشخاص مل کر اپنی شادی کو موثر بنانے کا عزم کریں اور یہ نہ تصور کریں کہ اگر ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو کوتاہیوں کے باوجود میاں بیوی کا نباہ ہو جاتا۔

طلاق کے عوامل کا مطالعہ کرنے سے ان نوجوانوں کی معلومات میں اضافہ ہوگا جو اپنے جوڑے کے متلاشی ہوں۔ مذہبی عقائد کا اختلاف، تہذیبی ماحول کا فرق اور اخلاق کے الگ الگ معیار اس خطرے کے ذمے دار ہیں۔ عام تصورات کے خلاف، عمر کا فرق، شخصیّت کی پسندیدگی یا ناپسندیدگی (اگر دونوں پختہ کار ہوں) اور دونوں کی دلچسپیوں کا اختلاف نسبتاً کم جوکھم کی بات ہے۔ نوجوانوں کے علم میں یہ بات لانی چاہیے کہ ایک متوازن شخصیّت، فریقین کے لیے بہت اہم ہے۔ انہیں یہ بات بتائی جاسکتی ہے کہ شادی سے پہلے کی ملاقاتوں میں اس قسم کا توازن ڈھونڈنے کی کوشش کریں۔ اس کی نشانیاں ہم جنس اور مخالف جنس دونوں طرح کے دوستوں میں نظر آسکتی ہیں۔ مثال کے طور پر ان میں والدین اور ساتھیوں کے خلاف شکایت کا جذبہ نہ پایا جائے مختلف مشاغل میں وہ دوسروں کی دلچسپیوں کا خیال رکھیں اور ان کی بھلائی اور مفاد سے واسطہ رکھیں۔ جب کوئی شخص دام الفت کا اسیر ہو جائے اس وقت ان خوبیوں کو تلاش کرنا بیکار ہے اور چونکہ پہلی نظر میں محبّت کا تصور مغالطے پر مبنی ہے۔ اس لیے مختلف ملاقاتوں کے دوران ہی ان خوبیوں کو ڈھونڈنا چاہیے۔

یہ واقعہ ہے کہ شادی کی مسرتیں خاندانوں میں زیادہ پروان چڑھتی ہیں۔ اگر والدین ایک مسرور ازدواجی زندگی گزار رہے ہوں تو نئے شادی شدہ جوڑے کی کامیابی کے زیادہ امکانات ہیں۔ اس میں دونوں باتیں مضمر ہیں۔ اول یہ کہ ایک شخص اپنا جوڑا ایک مطمئن گھرانے سے منتخب کرے دوم یہ کہ اس کا انتخاب کسی غیر مطمئن گھرانے سے کیا جائے۔ آخر الذکر صورت میں تمام احتیاطی تدابیر اختیار کرنی چاہیئے اور مسائل کو فوراً باہمی طور پر حل کر لینا چاہیئے۔ بہت سے نوجوان جو مطمئن گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ سوچ لیتے ہیں کہ ان کی ازدواجی زندگی سابقہ زندگی سے مختلف ہوگی۔ یہ بات ان کے حق میں مفید ہوتی ہے۔ پھر بھی یہ خطرہ باقی رہے گا کہ شخصیّت کے وہ بنیادی رجحانات باقی ہیں جن کی ابتداء اوائل عمر ہی میں ہوگئی ہو۔

راقم الحروف نے اپنے کالج کی جماعت میں ایک سروے کیا جس سے پتہ چلتا ہے کہ ہائی اسکول اور اس کے بعد کی منزل پر نوجوان اپنے شادی کے اخراجات کا جو تخمینہ کرتے ہیں وہ حقیقت پر مبنی نہیں۔ اگر شادیاں اس وقت تک کے لیے ملتوی کر دی جائیں جب تک آمدنی میں ۷۰ اور ۸۰ فیصدی اضافہ نہ ہو جائے تو گریجویشن کے پندرہ برس بعد بھی شادی کی نوبت نہ آسکے گی۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ اگر ایک اوسط نوجوان اس خیال خام میں مبتلا رہے کہ وہ اپنی بیوی کو وہ معیار زندگی مہیا کر سکے گا جس کی وہ عادی ہو چکی ہے۔ تو اسے محسوس کرنا چاہئے کہ یہ معیار مہیا کرنے میں اس کے باپ کو تقریباً بیس برس لگے ہیں۔ اسی کے ساتھ اس پہلو پر بھی زور دینا چاہئے کہ ایک پائیدار شادی کی بنیاد مضبوط اقتصادی حالت نہیں بلکہ شخصیت کی موزونیت ہے۔ طلاق کے واقعات کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں کہیں کم آمدنی کو طلاق کا سبب بتایا گیا ہے وہاں اصلی سبب یہ نظر آیا کہ طرفین کی شخصیتوں میں پختگی کی کمی ہے۔

یہاں دوسری بات بھی کسی قسم کی تاخیر کے بغیر بتا دینی چاہئے کہ دوسروں کی اصلاح کرنے کی غرض سے شادی کا تصور بھی ایک خیال خام ہے۔ شخصیت کی نشوونما کے موضوع پر معلومات حاصل کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ صرف چند واقعات میں یہ صورت حال پیش آتی ہے کہ شادی کے وجہ سے کسی کی سیرت کے برُے پہلو ختم ہو جائیں کثرت شراب نوشی بددیانتی، آزادانہ جنسی تعلقات، کاہلی اور نااہلی جیسی عادتیں اور اس قسم کے رجحانات پیدا ہونے میں کافی دن لگتے ہیں۔ اس لیے ان سے چھٹکارا پانے کے لیے ماہرین کی امداد کی ضرورت ہے اور ان کی از سر نو تعمیر کے لیے طویل مدت درکار ہے۔

ہائی اسکول کے نصاب کے ذریعے اس قسم کی باتیں اور کامیاب شادی سے متعلق تمام وہ معلومات دی جاتی ہیں جو شخصی مسائل اور سماجی طرز زندگی پر مشتمل ہیں۔ باوجودیکہ اس کا کوئی ایسا باضابطہ کورس نہیں جس کے ذریعے اس قسم کا مواد فراہم ہو سکے۔ پھر بھی نوبالغوں سے متعلق ان امور پر استاد بخوبی روشنی ڈال سکتا ہے جن پر عورتیں اپنا بیشتر وقت اور مرد اپنا اچھا خاصا وقت صرف کریں گے۔ اس کام میں استاد کے شخصی رویئے اس کے قول اور اس کی ہدایات سے نوبالغوں کو کافی مدد ملے گی اور وہ اس قابل

ہوسکیں گے کہ شادی کو زندگی کے دامن پر ایک سیاہ دھبہ بنانے کے بجائے شخصی تسکین اور ذہنی صحت کا ذریعہ بنائیں۔

نوبالغوں کی حاجتوں سے متعلق نیشنل ایجوکیشن ایسوسی ایشن کا بیان

نوبالغوں کی حاجتیں

نوبالغوں کی حاجتوں سے متعلق متعدد فہرستیں تیار ہوتی ہیں لیکن ان میں سے ایک قابل قدر فہرست ایجوکیشنل پالیسیز کمیشن آف دی نیشنل ایسوسی ایشن نے جماعتی فکر کی بنیاد پر تیار کی ہے۔ (دیکھئے شکل نمبر ۲) یہ حاجتیں اور ان کی تسکین ذہنی صحت کے حصول میں نوبالغوں کے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ ان کا بیان حسب ذیل ہے۔

شکل نمبر ۲

نوبالغوں کی لازمی حاجتیں

نیشنل ایسوسی ایشن آف سیکنڈری اسکول پرنسپل کی اجازت سے

۱۔ تمام نوجوانوں کو ایسی مہارتوں کی ضرورت ہے جو قابل فروخت ہوں۔ تمام اساتذہ پر براہ راست یہ ذمے داری نہیں عائد ہوتی کہ نوجوانوں میں مخصوص پیشہ ورانہ مہارتیں پیدا کریں۔ لیکن تمام اساتذہ کا فرض کہ وہ نوجوانوں کو محنت کا احترام کرنا سکھائیں اور اس بات کو تسلیم کریں کہ سب کو کچھ نہ کچھ کام کرنا ہے اور پھر اس کے لیے بھی تیار ہوں کہ جو بھی کام انہیں سونپا جائے اس کے لیے وہ آمادہ ہوں۔ گزشتہ جنگ کے زمانے کو چھوڑ کر پچھلے پچاس برسوں میں دیکھا گیا ہے کہ اپنے کام میں انتخاب کے مواقع بہت تیزی سے کم ہوتے گئے ہیں۔ اب مسئلہ یہ نہیں کہ "میں کس کام کے لیے موزوں ہوں اور کونسا کام مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔" بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ "کیا میرے لیے کسی قسم کا کام ملنا ممکن ہے۔؟" جب تک نوبالغوں کے ذہن پر یہ تاثرات قائم ہیں ان کے لیے ذہنی صحت قائم رکھنا بہت مشکل ہے۔ اس لیے کہ وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ترقی پذیر مہارت اور قابل "فروخت مہارت" میں فرق ہے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر یہ ضروری ہو گیا ہے کہ پیشہ ورانہ تیاری کے سلسلے میں انفرادی صلاحیتوں اور دلچسپیوں کو قومی معیشت کے پیش نظر ضروری کاموں کی طرف موڑ دیا جاتے۔ استاد کا منصب ہے کہ وہ نوجوانوں کے اندر ایسی ذمے داری اور آمادگی پیدا کرے کہ وہ ہر کام کو عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگیں اور سماج کی بہبودی کے لیے ہر خوف پر آمادہ رہیں۔

۲۔ ہر نوبالغ کو عمدہ جسمانی صحت کی حاجت ہوتی ہے اس لیے ضرورت ہے کہ ہائی اسکول میں عضویاتی سائنس کے آسان اسباق کا اعادہ کرا دیا جاتے۔ وہ نوبالغ جن کی قوت اور مشاغل کی وسعت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے انہیں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ ان کے مسائل محدود ہیں۔ انہیں اس بات کا بھی علم ہونا چاہیئے کہ وہ اچھی نیند، اور مفید غذا اور مناسب ورزش کے حاجت مند ہیں۔ حسب ذیل بیان سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ نوبالغوں کو اس قسم کے اسباق کی ضرورت ہے۔

نوبالغ اپنی صحت کے بارے میں شرارت کی حد تک لاپرواہی برتتے ہیں وہ حفظان صحت کے تقریباً تمام اصولوں کو نظرانداز کر جاتے ہیں اور بچپن میں جو احتیاطی تدبیر اختیار کی جاتی ہیں ان کو فضول اور مہمل گردانتے ہیں۔ وہ بارش میں پہننے والے جوتوں، چھتری یا ہیٹ کے بغیر بارش کے دوران ادھر ادھر گھومتے پھرتے ہیں۔ وہ مقررہ اوقات

کے علاوہ کھاتے پیتے رہتے ہیں، مٹھائی کے رسیا ہوتے ہیں اور ایسی غذاؤں کا استعمال کرتے ہیں جو مضبوط سے مضبوط معدے کا آدمی بھی ہضم نہ کر سکے۔ یہ نوجوان دن کے وقت مسلسل اپنی توانائی صرف کرتے رہتے ہیں اور رات کے وقت مناسب نیند اور آرام کے ذریعے صرف کی ہوئی توانائی کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس طرح ان کی توانائی بے دردی کے ساتھ صرف ہوتی رہتی ہے۔

حفظان صحت کی ابتدائی معلومات کے علاوہ اس بات کے بھی مواقع فراہم کرنے چاہیں کہ وہ ماہواری، بدخوابی، مشت زنی، مہاسے، تیزی کے ساتھ ناک کے بڑھنے اور زیادہ پسینہ بہنے سے متعلق واقفیت پیدا کر سکیں۔ انہیں جنسی معاملات سے متعلق ایسی ضمنی خصوصیات سے بھی آگاہ کرنا چاہیئے جو نشوونما کے دوران معمولاً نظر آتی ہیں۔ خوش خوش قسمتی سے آج ایسے اساتذہ کی کثیر تعداد موجود ہے جو خوشی کے ساتھ نوبالغوں کو ان رموز سے آشنا کراتے ہیں اور اس طرح ان کی معاونت کرتے ہیں کہ وہ اپنی نشوونما اور بالیدگی کے تجربات کو اپنی شخصیت کے اندر جذب کر لیں۔ اونچی جماعتوں یا ہائی اسکول کے اساتذہ جو ان تفصیلات سے آگاہ نہیں اور اپنے شاگردوں کے ساتھ ان مسائل پر تبادلہ خیال کرنے سے گریز کرتے ہیں وہ ذہنی حفظان صحت کے حق میں اپنی ذمے داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہوتے۔

۳۔ "تمام نوجوانوں کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ایک جمہوری سماج میں شہریوں کے حقوق و فرائض کیا ہیں، جب ذہنی حفظان صحت پر غور کیا جا رہا ہو تو شہریت کے فرائض حقوق کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ سبق کہ زندگی کھو کر حاصل کی جاتی ہے۔ محض عیسائیت کا ایک اہم سبق نہیں بلکہ ذہنی حفظان صحت کا ایک معقول اصول ہے۔ ماہرین نفسیات اور ماہرین امراض نفسی نے اس بات کا اکثر ذکر کیا ہے کہ اگر عمدہ ذہنی صحت کے حصول کی تمنا ہے تو اپنی ذات کے خول سے باہر نکلنا چاہیئے۔ نجی مسائل کو کم کرنا چاہیئے اور دوسروں کی بہبود پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیئے۔ جب اساتذہ اپنے درجے کے اندر شہری حقوق کو برتنے کا موقع دیتے ہیں، جب اپنے شاگردوں کو ملک کے حالیہ پریشان کن حالات سے باخبر کرتے ہیں اور جب مجالس انتظامیہ اور برادری کے سیاسی اداروں سے رابطہ پیدا کرنے کے مواقع بہم پہنچاتے

ہیں تو اس وقت وہ اس خدمت سے زیادہ فریضہ ادا کرتے ہیں جو ووٹ حاصل کرنے کے لیے درکار ہوتی ہے۔ اس طرح یہ اساتذہ اپنے طلبار کے لیے جو کل کے شہری بنیں گے، ذہنی صحت کے اہم عناصر برابر مہیا کرتے رہتے ہیں۔ معاصر ماہرین تعلیم اس بات پر برابر زور دے رہے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو طالب علموں کو درجے کے اندر سیکھی ہوئی باتوں کو برتنے کا موقع ملنا چاہئے۔ طلبار جس حد تک یہ موقع ملے گا کہ وہ شہریت کے اصولوں کو برتیں۔ کمونی کے منصوبوں میں شریک ہوں اور مدرسے کے منفعت بخش کاموں میں ہاتھ بٹائیں اسی حد تک وہ ذہنی حفظان صحت کے اصولوں کو بھی سیکھ سکیں گے۔

۴۔ تمام نوجوانوں کو یہ حاجت پیش آتی ہے کہ وہ فرد اور سماج کے لیے خاندان کی اہمیت کو سمجھیں۔ یہ سوال محض اہم ہی نہیں بلکہ بحث طلب بھی ہے کہ تعلیمی اعتبار سے خاندان کی اہمیت کم ہو رہی ہے یا نہیں۔ لیکن یہ امر بحث طلب نہیں کہ اسکول کے بچوں کو موثر خاندانی زندگی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ چونکہ لڑکوں اور لڑکیوں کو خود ایک مطمئن یا غیر مطمئن خاندانی زندگی سے دوچار ہونا پڑے گا اس لیے خاندانی زندگی کے موضوع پر اسکول کے دوران سنجیدگی کے ساتھ زور دینا لازمی ہو جاتا ہے۔ جو بچے آج اسکول میں ہیں ان کی ذہنی صحت کے قیام کے لیے یہ ضروری ہے کہ انہیں مطابقت پذیر شخصیت، صحت مند جنسی تعلقات، بچوں کی دیکھ ریکھ اور امور خانہ داری کی معلومات بہم پہنچائی جائیں۔ خاندانی زندگی کے موضوع پر نوبالغوں کے لیے بہت سارا ادب کتابوں اور رسالوں کی شکل میں موجود ہے جس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور نصاب کے اندر صحت اور سماجی بود و باش پر بہت سی ایسی یونٹ بھی شامل ہیں جن سے ایک خوشگوار خاندانی زندگی کے عوامل کی تفہیم کرائی جاسکتی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ عورتیں اپنا بیشتر وقت گھر کے اندر صرف کرتی ہیں اور مرد اپنا نصف وقت گھر سے باہر اپنے کام پر صرف کرتے ہیں لیکن اس کے پیش نظر اس موضوع کی اہمیت کسی طرح کم نہیں ہوتی۔

۵۔ ہر نوجوان کو یہ سیکھنے کی حاجت ہوتی ہے کہ سامان اور خدمات کے استعمال میں ذہانت کا ثبوت دے۔ چنانچہ سامان کی خرید و فروخت کا موضوع ہائی اسکول کی

سطح پر اقتصادیات خانہ داری کے نصاب میں عام طور پر شامل کر لیا گیا ہے لیکن ایسے طالب علموں کی بڑی تعداد موجود ہے جو اس نصاب کا مطالعہ نہیں کرتے۔ جب ہم ان اشتہار پر غور نہیں کرتے ہیں جو اخبار، رسالے، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں اور جن کے ہم عادی ہو چکے ہوتے ہیں تو ان سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ خرید و فروخت کے بارے میں تعلیم دنیا ایک موثر زندگی کی تیاری کا جز ہے۔ بعض اساتذہ نے اس موضوع کو ریاضی کے ساتھ منسلک کر رکھا ہے اور بعض نے شخصی مسائل کے مباحث میں اس کو شامل کر رکھا ہے۔ صنعتی آرٹ کے درجوں میں، معاشیات کے نصابوں میں اور ہوم روم گروپ میں اس کا مطالعہ زیادہ مفید طریقے سے کیا جا سکتا ہے۔ کثیر نصاب کے اعتراض کی روشنی میں اس کو موجودہ نصاب کے ساتھ منسلک کرنے کی بات فی الوقت زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔ استاد کی ذمے داری ہے کہ پہلے خود اس کا علم حاصل کرے پھر اس کو شاگردوں کی مطابقت پذیری میں سہولت پیدا کرنے کا ایک ذریعہ بناتے۔

۶۔ تمام نوجوان اس بات کی حاجت محسوس کرتے ہیں کہ انسانی زندگی پر سائنس کے اثرات کی تفہیم پیدا کر سکیں۔ سائنس کے موجودہ نصاب سے یہ حاجت کسی قدر پوری ہوتی ہے لیکن اکثر و بیشتر اس موضوع کو نصاب سے خارج کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ انسانی زندگی پر سائنس کے کیا اثرات ہوتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ نئے سرے سے اس بات پر زور دیا جاتے کہ ہماری روزانہ زندگی میں سائنس کا پورا عمل دخل ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سلسلے میں جو تحقیقی مطالعے ہوتے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ سائنس کی توسیع سے مروجہ توہمات میں کمی ہو گئی ہے لیکن ان مطالعوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بہت سے اعلیٰ تعلیم یافتہ بے بنیاد عقائد کے حامل ہیں۔ اکثر اساتذہ کے پاس توہمات کی فہرست موجود ہوتی ہے جس کو وہ دوران درس استعمال کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی تکنیک ہے جو عام اساتذہ کے لیے قابل استعمال ہے لیکن سائنس کے استاد کو خصوصیت کے ساتھ اسے استعمال کرنا چاہیئے۔ اس طرح رسمی تعلیم کے دوران طالب علم جو معلومات حاصل کرے گا اس کا براہ راست اثر ذہنی حفظان صحت کے اسباق پر بھی ہو گا یہ درست ہے کہ یہ اثرات آہستہ آہستہ ہوں گے لیکن ہوں گے ضرور۔

سائنس اور اقدار کی اضافی خصوصیات کی بحث میں پڑے بغیر یہ آسانی سے کہا

جاسکتا ہے کہ انسانی زندگی پر سائنس کے اثرات کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ ایٹم اور ہائیڈروجن بم کے بارے میں ہم جس قدر سنتے اور پڑھتے ہیں وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ دنیا کے انسانوں سے اس کا کتنا گہرا تعلق ہے۔ اس لیے مستقبل کے شہریوں کو جب سائنس کے ابتدائی اسباق دیئے جائیں اسی وقت اس کی اہمیت پر زور دیا جاسکتا ہے۔ مختصر یہ کہ اس علم کو بھی، فزکس، کیمسٹری اور بائیلوجی کے نصاب کا ایک اہم جزو قرار دینا چاہئے کہ انسان ایک دوسرے کے ساتھ کیسے ہم آہنگ زندگی گزار سکتا ہے۔

۷۔ تمام نوجوان اس بات کی حاجت محسوس کرتے ہیں کہ ادب، آرٹ، موسیقی اور فطرت کی تحسین سے لطف اندوز ہوں۔ صدیوں سے لبرل اور جنرل ایجوکیشن کے نظریئے پر زور دیا جارہا ہے۔ پھر بھی عملاً اسکول کے موجود طالب علم اس مقصد کے حصول میں ناکام ہیں۔ شاید اس ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ ادب، آرٹ اور ایسے دوسرے مضامین کی فراہمی معلومات کے مقابلے میں تحسین کا پہلو ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ تحسین کا مادہ انہیں طالب علموں میں پیدا ہوتا ہے جن کو ایسے اساتذہ سے استفادے کا موقع ملا ہو جن کے اسباق کی بنیاد مشترک تجربات اور انسانی بصیرت پر ہے۔ یہ اساتذہ وہ ہیں جو ادب اور آرٹ کی تحسین سے خود بھی لطف اٹھا سکتے ہیں اور اپنے طالب علموں کی دلچسپیوں اور حاجتوں کا احساس بھی رکھتے ہیں۔ اس کام کے لیے ایسے اساتذہ کی ضرورت ہے جو موسیقی اور آرٹ کو ایک ایسا ذریعہ بنائیں جن سے انسانی زندگی کو مالامال کیا جاسکے انتشارات کو ختم کیا جاسکے اور ان کی افکار سے نجات دلائی جاسکے جو بسا اوقات بہت تکلیف دہ ثابت ہوتے ہیں۔

ان باتوں کی تحسین سے ذہنی صحت کے حق میں دوہرے فائدے ہیں۔ اول یہ کہ اس سے جذبات کی تعمیر ہوتی ہے جو تسکین اور حاجت روائی کا باعث بنتی ہے اور زندگی میں توازن پیدا کرتی ہے۔ دوسرا فائدہ جو اول الذکر سے الگ نہیں ہے وہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ فرحت کے اوقات گزارنے کا ایک اچھا وسیلہ ہاتھ آجاتا ہے لیکن آرٹ، ادب اور مطالعۂ فطرت صرف وقت گزاری کے لیے اہم نہیں بلکہ اس کے ریعے زندگی کے مشاغل کی نمائندگی بھی ہوتی ہے۔ گو عام آدمی کے روزمرہ تجربات میں ن کو کم حیثیت دی جاتی ہے پھر بھی یہ متوازن زندگی گزارنے کا ایک اچھا ذریعہ ہے۔

۸- تمام نوجوانوں کو اس کی حاجت ہوتی ہے کہ اپنے فرصت کے وقت کو بہتر طور پر اور ہوشمندی کے ساتھ استعمال کریں۔ تعلیم کا یہ مقصد اس وقت کے مقابلے میں زیادہ توجہ کا محتاج ہوتا ہے جب ثانوی تعلیم کے سات اساسی مقاصد کے ضمن میں اس کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ایام کار میں برابر تخفیف ہو رہی ہے جیسا کہ چوتھے باب میں ذکر کیا گیا ہے۔ ایام کار میں تخفیف اور گھر کے اندر محنت بچاؤ طریقوں کے باعث فرصت کے اوقات میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اس کے باعث فرصت کے وقت آزادی کے ساتھ گزارنے کی ذمے داری آپڑی ہے۔ ان تبدیلیوں کی وجہ سے فرصت کے وقت کے استعمال کا مسئلہ بہت شدید ہو گیا ہے۔ اول الذکر سبب سے ہی دوسرا سبب پیدا ہوتا ہے۔ تعلیم کی کمی وجہ سے لوگ تفریح کے عوامی وسیلوں کی طرف رجوع ہو گئے ہیں "ہزارہا نظارہ بین" اور "عظیم ترین پیش کش" ضروری نہیں کہ نقصان دہ ہوں۔ لیکن کچھ لوگ یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ یہ وسائل تعمیری پہلوؤں کے بھی حامل ہیں۔ لوگوں میں جس قدر پختگی آتی جائے گی اسی قدر عوامی وسائل سے دلچسپیاں کم ہوتی جائیں گی اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کمزور سن رسیدہ لوگوں کے لیے فرصت کے اوقات گزارنا مشکل ہو جائیں گے یہاں تیسرا نازک مسئلہ فرصت گزاری کی تعلیم، کا پیدا ہوتا ہے۔ عمدہ ذہنی صحت کے حصول کے لیے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ مثال کے لیے ایسے لوگوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے جو پینسٹھ سال کی عمر کو پہنچ گئے ہیں۔ (جو ریٹائرمنٹ کی عمر ہے) عام آبادی کے تناسب کے مقابلے میں میڈیکل سائنس میں ترقی ہونے کے باعث سن رسیدہ لوگوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ نوجوانی کا بھی مسئلہ ہے کیونکہ نوجوانی میں جو عادتیں پڑ جائیں گی وہی بعد کی عمر میں بھی انسان کے فکر و عمل پر جزوی طور سے اثر انداز ہوتی رہیں گی۔

ذہنی صحت کے نقطہ نظر سے بہتر طور پر فرصت کے اوقات گزارنے کے سلسلے میں کئی باتیں قابل لحاظ ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ فرصت گزاری اس کام میں معاونت کرے جو کوئی شخص اپنی روزی کمانے کے لیے کرتا ہے۔ یعنی مزدور کے لیے ذہنی سعی اور پیشہ ور کارکنوں کے لیے جسمانی سعی کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ فرصت کے اس معاونتی وظیفے سے اس بات کے مواقع پیدا ہوں گے کہ مختلف حیثیت کے لوگ حسب مقدور اپنی صلاحیتوں کو استعمال کر سکیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اوقات فرصت

کے ذریعے لوگوں کو اپنے شوق اور صلاحیتوں کے استعمال کا موقع ملتا ہے۔ یہ محض تفریح اور فرصت گزاری کا ذریعہ نہیں ہے۔ اس کتاب کے ان حصّوں میں جہاں جذبۂ اظہار اور تظلیل کے طریقوں سے بحث کی گئی ہے، اظہار کی اہمیت کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

مدرسے کے اندر بالغوں کے لیے زیادہ کارآمد فرصت گزاری کا شوق پیدا کرنے کی جانب جب توجہ دی جارہی ہو تو اس وقت عوامی تفریح کے پہلوؤں پر بھی زور دینا چاہیئے۔ فزیکل ایجوکیشن اور صحت کے ذمے دار حضرات اس بات سے واقف بھی ہیں پھر گزشتہ بیس تیس برسوں کے اندر اس میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی۔ یہاں دراصل رجحان اس بات کی طرف ہوتا ہے کہ ایسی اعلیٰ ٹیم تیار کی جائے جو مخصوص تربیت اور صلاحیت کی حامل ہو اور جس کو دیکھنے کے لیے ایک بھیڑ جمع ہو جاتے۔ یہ تو صحیح ہے کہ ان میں سے بعض لوگ ایسے پیشہ ور بن جائیں گے جن کو معقول معاوضہ مل سکے لیکن پھر بھی مدرسے پر یہ ذمے داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے طالب علموں کو تعمیری طور پر فرصت گزاری کی تعلیم دیں۔

اس دوہری مشکل میں اساتذہ معاون ہو سکتے ہیں۔ اس طرح کہ وہ خود اپنے اندر شوق پیدا کریں، طالب علموں کی دلچسپیوں سے واقفیت پیدا کریں اور اپنی صلاحیت کے مطابق دلچسپیوں کو پروان چڑھانے میں انفرادی طور پر طالب علموں کی ہمت افزائی کریں۔

۹۔ تمام نوجوانوں کو اس بات کی حاجت ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کی تعظیم کریں۔ یہ حاجت ذہنی صحت کے لیے مرکزی حیثیت رکھتی ہے کسی بھی پیشے میں کامیابی کا انحصار بہت کچھ اسی بات پر ہے کہ اس شخص میں دوسرں سے نباہنے کی کتنی صلاحیت پائی جاتی ہے دوسروں کے ساتھ نباہ کرنے میں یہ بات شامل ہے کہ ان کی خواہشوں، دلچسپیوں، بہبودی اور نئی صلاحیتوں کو احترام کی نظر سے دیکھا جاتے۔ احترام اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ دوسرے لوگوں اور ان کے مسائل سے گہری واقفیت حاصل کی جاتے۔ خوش قسمتی سے اساتذہ اس حاجت سے پورے طور پر آگاہ ہیں اور مختلف طریقوں سے اس بات کی کوشش کر رہے ہیں۔ کہ ان حاجتوں کو پورا کیا جاتے۔ یہاں اس سے زیادہ ذکر کی ضرورت نہیں کہ مدرسے کے اندر جمہوری طرز زندگی کے طریقے دریافت کیے جائیں۔ جمہوریت کے مفہوم کی پیچیدگی کے

باوجود یہ طریقے احترام پیدا کرنے میں معاون ثابت ہوں گے۔

دوسروں کا احترام صرف اس لیے بنیادی حیثیت کا حامل نہیں کہ اس کی وجہ سے اپنے پیشے میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ اس کے ذریعے روزمرہ کے ملنے جلنے والوں کے ساتھ یعنی دوست احباب، پڑوسی اور خاندان والوں کے ساتھ موثر تعلقات بھی پیدا کیے جا سکتے ہیں۔ مدرسے کے اندر بھی یہ اسباق حسب خواہش ڈھنگ سے نہیں پڑھاتے جاتے لیکن کم سے کم حصول مقصد کو ضرور ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

آخر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ احترام سے ذہنی صحت میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے انسان کو اپنی ذات کے خول سے باہر نکلنے کا موقع ملتا ہے۔ ماہرین نفسیات اور ماہرین امراض نفسی اس کا ذکر شدت کے ساتھ کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں اساتذہ کی دو ذمے داریاں ہیں۔ پہلی ذمے داری تو یہ ہے کہ درجے کے اندر احترام کی اہمیت پر تبادلہ خیال کراتے اور دوسری یہ کہ درجے کے مشاغل کی تنظیم سے عملی طور پر احترام کے مواقع پیدا ہو سکیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ذمے داریاں بانٹ دی جاتیں۔ طلبا، کو مہارتوں اور علام کی طرف متوجہ کیا جاتے اور درجے کے ہر رکن کے کام کو سراہا جاتے۔ اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ذہنی حفظان صحت کے نظریئے کے مطابق جمہوری طریق کار کو سبقت حاصل ہے۔

۱۰۔ ہر نوجوان کو استدلالی فکر پیدا کرنے کی حاجت محسوس ہوتی ہے۔ اس حاجت کو بھی عرصے سے تسلیم کیا جا رہا ہے لیکن تعلیمی منصوبوں میں اس کی گنجائش کم نکلتی ہے اس کو آموزش کے ایک جزو لانیفک کے طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مدرسے کے اندر ان تمام مشاغل کی پیش بینی نہیں کی جا سکتی جو بچوں کی آیندہ زندگی میں پیش آ سکتے ہیں۔ رٹنے رٹانے کی تعلیم یقیناً ناکام رہے گی۔ اس کا تدارک محض اس کا عہد کرنے سے نہیں ہوگا بلکہ دریافت شدہ تعمیری طریقوں کو اپنا کر ہی اس کا تدارک کیا جا سکتا ہے۔

فکر کی نشو و نما میں ایک بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ اساتذہ سوالات کے جوابات دینے کے لیے بہت بے چین رہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبا خود نتائج اخذ کرنے کے بجائے استاد کے مرتبے پر بھروسہ کرنے لگتے ہیں۔ دراصل استاد کی جانب

سے خود سوالوں کے جواب فراہم کرنے کی خواہش کے سبب نوبالغوں کو اس بات کے مواقع نہیں مل پاتے کہ وہ خود جواب تلاش کریں اور اس سعی میں پیش قدمی اور سوجھ بوجھ سے کام لیں۔ سوالوں کے جواب فراہم کرنے میں یہ دشواری بھی ہوتی ہے کہ نتائج اخذ کرنے پڑتے ہیں۔ چنانچہ اس بات کی ضرورت ہے کہ بدلتے ہوئے حالات کے مطابق اس کام میں بھی تبدیلی لائی جائے۔ اگر طالب علم خود سے نتائج اخذ کرنے کا تجربہ حاصل کرتا ہے تو یہ تجربہ ایسی ریسرچ تکنیک پیدا کرنے میں معاون ہوگا جو نتائج کی ترمیم کے لیے درکار ہوتا ہے۔ اگر متعلم کے تجربات محدود ہیں اور خود سوالوں کے جواب کے لیے آمادہ نہیں ہے تو ایسی صورت میں فراہمی جواب تضیع اوقات ثابت ہوگا۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ روایتی ڈھنگ سے واقعات اور صحیح معلومات بہم پہنچانا فضول ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سوال پوچھنا اور جواب دینا دونوں کے لیے معلومات درکار ہیں۔ اس لیے اساتذہ کو اس بات پر پورا زور دینا چاہئے کہ طلباء علم حاصل کریں، ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کریں اور مہارت پیدا کریں۔ ساتھ ہی ساتھ سیکھے ہوئے علم کو عملی طور پر استعمال کریں۔ اس کے ذریعے نوبالغوں کو اپنی زندگی کے فوری مسائل حل کرنے میں مدد ملے گی۔

اساتذہ ذہنی صحت کے حصول میں نوبالغوں کی مدد کر سکتے ہیں

کردار کا مفہوم سمجھنا

اس بات کو تسلیم کیا جا رہا ہے کہ نقص مطابقت چاہے بچوں میں ہو یا نوبالغوں میں، بہت کچھ والدین کی ناسمجھی کا نتیجہ ہے۔ پھر یہ کہ بعض اساتذہ میں تفہیم کی کمی پائی جاتی ہے اور یہ بھی تسلیم کرنا چاہیئے کہ نوبالغوں کے مسائل سے سروکار رکھنے کے لیے کوئی بھی رضامند نہیں ہے۔ ان باتوں کے پیش نظر پہلا قدم یہ اٹھانا چاہیئے کہ اساتذہ افراد کے ظاہر کرداروں کی ترجمانی کرنا سیکھیں۔ ذیل میں جو متوازی کالم دیئے گئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں کس قسم کی ترجمانی کرنا ہے بلکہ یہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ افراد کے اندر چونکہ کافی اختلاف پایا جاتا ہے اس لیے مجوزہ ترجمانی بھی بالکل یقینی نہیں ہو سکتی۔ مزید براں یہ بات بھی تسلیم کرنا ضروری ہے کہ اکثر نوبالغوں میں بڑی حد تک نارمل سے انحراف نظر نہیں آئے گا۔ مندرجہ ذیل باتوں سے ان نوبالغوں

کے بارے میں واقفیت حاصل ہو سکے گی جو خصوصی امداد تفہیم کے حاجت مند ہیں۔

کردار	ترجمانی
بیمار نظر آنا، آپے سے باہر ہو جانا، ناک بھوں چڑھانا اور روٹھ جانا۔	ذمے داریوں کو قبول کرنے کا موقع کم ملا ہے۔
واہمے میں مبتلا ہونا، استدلال میں ناکامی، شدت جذبہ اور حساس ہونا۔	اپنے افعال کے نتائج کو قبول کرنے کی ضرورت نہیں۔
جھجک، پیش قدمی کا فقدان، موجودہ حیثیت سے آسودہ خاطری۔	ایک ایسا شخص ہے جس کو مشکل مسائل درپیش ہیں۔
موجودہ صورت حال سے غیر مطمئن اور ناخوش۔	بار بار ناکامی کا تجربہ، سماجی امور میں پوری کامیابی نہ حاصل ہو پائی ہو، کوئی نمایاں لیاقت نہیں رکھتا۔
بھوک نہ لگنا، نیند نہ آنا، چہرے کی سکڑن تتلانا، بے انتہائی تکان، سرگرانی۔	جسمانی نقص پایا جاتا ہے۔ اس بات کی صلاحیت نہیں ہے کہ متوقع کام انجام دے سکے۔
تنہا ہے، دوست احباب نہیں ہیں، گروپ سے علاحدہ ہے، کوئی ہمراز نہیں ہے۔	غدود کا عدم توازن، ناکافی غذا، بہت زیادہ مطالبات، تعلیمی اور سماجی ناموزونیت
جھگڑا کرتا ہے، دوسروں کی رائے کا احترام نہیں کرتا۔	رفاقت کے مواقع کی کمی، اپنی کوتاہی کا احساس، اپنا رتبہ بڑھانا یا گھٹانا۔
دوسروں کی بھلائی سے کوئی سروکار نہ رکھنا۔	محدود سماجی تجربہ، اسکول یا گھر میں لاڈ پیار سے خراب ہو گیا ہو۔
اسکول کے کاموں میں خود کو نہیں لگاتا مقاصد کی وضاحت نہیں ہے۔	محدود ذمے داریاں رکھتا ہے۔ اسکول کے کام کی اہمیت کا ادراک نہیں ۔۔۔ کو قبولیت نہیں حاصل ہوئی

ہر نوبالغ کو سمجھنے کی ضرورت (اس کو قریب سے جاننا) کا احساس

مندرجہ بالا کالم میں دی ہوئی مدات کی تبدیلی سے ہو سکتا ہے۔ یعنی بیمار ظاہر کرتے اچانک آپے سے باہر ہو جانے، روٹھ جانے اور ناک بھوں چڑھانے کی ترجمانی ایک ایسے فرد کے لیے ہو سکتی ہے جس کو بہت مشکل مسائل درپیش ہوں یا کسی دوسرے فرد کے لیے بھی جس کو بار بار ناکامی کا تجربہ ہوا ہو۔ سماجی امور میں پوری کامیابی نہ حاصل ہوا اور کوئی نمایاں لیاقت نہ رکھتا ہو۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ کردار کی ترجمانی کی ضرورت نوبالغوں کی تفہیم کے لیے پہلا قدم ہے۔ گزشتہ باب میں جیسا کہ بتایا جا چکا ہے، کردار افراد کا وہ آئینہ ہے جس میں یہ نظر آتا ہو کہ حاجتیں پوری ہوتی ہیں یا نہیں۔

ترجمانی کے کالم میں اسباب تک رسائی حاصل کرنے سے پہلے اس بات پر غور کرنا ضروری ہے کہ دھیرے دھیرے ذمے داری افراد پر ہی عائد ہوتی ہے لیکن فرائض اور ذمے داریوں کی تفویض افراد کی نشوونما کے مطابق ہونی چاہیئے۔ یہ ضروری ہے کہ افراد کو سماجی بھلائی کے کام کی مہارتیں اور سماجی روابط پیدا کرنے کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ جسمانی خامیوں کو دور کرانا چاہیئے یا متعلقہ شخص کو یہ محسوس کرانا چاہیئے کہ وہ اپنی جسمانی خرابیوں کو اس نظر سے دیکھے جس نظر سے دوسرے اس کو دیکھتے ہیں۔ عملی طریقے سے کردار کی ترجمانی کے لیے اتنی کوشش تو یقیناً کی جا سکتی ہے کہ نشوونما کے مقاصد پر تبادلہ خیال کیا جائے اور اس کی تشریح اور وضاحت کی جائے۔

مدرسہ سماجی روابط کی مشق کے مواقع فراہم کر سکتا ہے۔

نوبالغوں کے بہت سے مسائل ان کی سماجی مطابقت پذیری کی ضرورت پر مرکوز ہوتے ہیں۔ ان کے گھر کا ماحول چاہے جتنا اچھا یا بُرا کیوں نہ ہو انہیں یہ ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ متضاد رابطے قایم کریں، گوناگوں تقاضوں کو پورا کریں، مختلف رسم و رواج کے مطابق خود کو ڈھالیں، متنوع فرائض کو انجام دیں اور فیصلوں کی ترمیم و تنسیخ سے مطمئن ہو سکیں۔ کچھ لوگ نوبلوغت کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں کہ یہ ایک عبوری دور ہے۔ نوبلوغت میں پیچیدگی بڑی حد تک اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ یہ ایک درمیانی منزل ہے ایک نوبالغ اس قدر امداد کی ضرورت کیوں ہوتی ہے اس کا ذکر حسب ذیل اقتباس میں کیا جا رہا ہے۔

"اس منزل پر فرد نہ تو مچھلی ہے نہ پرندہ، نہ بچہ ہے نہ بالغ، وہ ایک بالغ کی خصوصیات کی طرف جس قدر آہستہ آہستہ مائل ہوتا جاتا ہے اسی قدر وہ طفلانہ کردار بھی چھوڑتا جاتا ہے۔ وہ نہ تو اب ایک بچہ رہا اور نہ ابھی ایک پختہ کار بالغ۔ سماج میں اس کا کوئی مقام نہیں اور نہ ہی سماج اس کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ کچھ لوگ اس کو بچوں کے معیار سے جانتے ہیں اور بعض کے نزدیک سماج کے اندر اس سے بالغوں کے معیار کی توقع کی جاتی ہے۔" ۵۵

اساتذہ اس عبوری دور کو سہل اور خوشگوار بنا سکتے ہیں۔ اس طرح کہ نو بالغوں کو بالغوں کی سطح پر کام کرنے کے مواقع فراہم کریں۔ درجے کے اندر جو مسائل زیر بحث لائے جائیں ان میں ان کی رائے کو وقعت دینی چاہیئے اس اپنے تجربات بیان کرنے کے بھی مواقع ملنے چاہیئں، درجے کے اندر منصوبوں کی تیاری میں۔ اس کو معلومات فراہم کرنے کی ذمے داری سونپی جاسکتی ہے۔ اگر درجے کی ایسی تنظیم کی جائے جس میں طالب علموں کا زیادہ سے زیادہ اشتراک حاصل ہو سکے تو اس کام میں مدد مل سکتی ہے۔ کمیٹی مباحثے، اجتماعی منصوبے اور تجربے اور ملاقاتوں کے ذریعے سماجی رابطے پیدا کرنے کے مواقع مل سکتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ انہیں ذمے داریاں سونپی جائیں، ان کے ساتھ طریقۂ کار پر تبادلۂ خیال کیا جائے اور ان میں ایسی نظر پیدا کی جائے کہ وہ مواد تعلیم پر نکتہ چینی کر سکیں اور تکمیل شدہ کاموں کا جائزہ لے سکیں۔

غیر نصابی مشاغل کے ذریعے وسیع سماجی رابطے پیدا کرنا ممکن ہو سکتا ہے۔ کلب رقص کے گھنٹے، تفریحی مشغلے، جسمانی مقابلے اور بچوں کی حکومت کو سماجی تجربوں کا وسیلہ بنایا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے اس کے لیے زیادہ وقت اور محنت درکار ہے ماناکہ اسے خود مدرسے کے کاموں میں شریک نہیں ہونا ہے لیکن نگرانی اور رہنمائی تو بہرکیف کرنی ہوگی۔ نگرانی کا کام بہت سلیقے سے ہونا چاہیئے کیونکہ اس کی وجہ سے طلبا میں حسب خواہش ترقی ہو سکتی ہے اس لیے یہ احتیاط برتنی چاہیئے کہ نگرانی کے وقت تسلّط اور مداہت کے بجائے رہنمائی کا ماحول بنا رہے۔

استاد زیادہ سے زیادہ جن باتوں میں معاون ہو سکتا ہے، ان کا ذکر کیا جا چکا ہے اس کام کو استاد اور شاگرد کے درمیان رابطہ پیدا کر کے بخوبی انجام دیا جا سکتا ہے۔ قیام

رابطہ چونکہ اس پوری کتاب کا ایک اہم پہلو ہے اس لیے اس سے زیادہ کچھ اور نہیں کیا جا سکتا کہ استاد اس کے لیے حصول کے بہت موزوں حیثیت کا حامل ہے کیونکہ خاندان سے باہر وہی ایک ایسا بالغ ہے جس سے نوبالغ کا گہرا تعلق ہے اگر استاد نوبالغوں میں حقیقی دلچسپی لے، ان کے بارے میں معلومات فراہم کرے اور ان کو سمجھنے کی کوشش کرے تو ایک ہم آہنگ سماجی رابطہ پیدا کرنے میں ایک مفید خدمت انجام دے سکتا ہے اس میں بڑا سرمایۂ "وقت" ہے لیکن اس کے سود کی شرح بہت زیادہ ہے۔

مقصد کو طے کرنے اور فلسفے کو مرتب کرنے میں مدد کیجئے

نوبالغوں کے لیے ایک مقررہ اور قطعی فلسفہ رکھنا نہ تو ضروری ہے اور نہ مستحسن۔ تاہم کچھ عارضی مقاصد کے بارے میں سوچتے رہنا چاہئے اور وقتی فلسفہ مرتب کرتے رہنا چاہئے چاہے استاد ان کی مدد کرے یا نہ کرے۔ اس کے پیش نظر تو کوئی مقصد ہوگا ہی۔ اس لیے اساتذہ کو چاہئے کہ وہ مناسب اور موزوں مقاصد کی جستجو میں نوبالغوں کی مدد کریں اور یہ دیکھنے کی کوشش کریں کہ ان کے اغراض و مقاصد میں بہت کم تضاد ہو۔ منزل مقصود تو سبھی کے سامنے ہوتی ہے لیکن سب لوگ اس قابل نہیں ہوتے کہ ان باتوں کو سوچ سکیں جن کا اطلاق لفظ فلسفے پر ہوتا ہے۔ اس طرح اغراض و مقاصد کو منظم کرنے میں اور ان کا جائزہ لینے میں اساتذہ کو نوجوانوں کی مدد کرنی چاہئے۔

فلسفہ مرتب کرنے میں یہ تین باتیں نقطۂ آغاز بن سکتی ہیں (۱) احتراز کرنے والے رویئے اور عادتیں، ہمت شکنی، عذر خواہی، شک و شبہ، خود غرضی، خود ترسی اور کاہلی، یہ سب عوامل مطابقت کو اور بھی مشکل بنا دیتے ہیں۔ جماعتی مباحث کے دوران، شاگردوں کو اس بات پر اکسانا چاہئے کہ وہ اس قسم کے دوسرے کا پتہ چلائیں وہ ان کی شدت کے اعتبار سے عوامل کی ایک فہرست بھی تیار کر سکتے ہیں۔ (۲) اختیار کرنے والے رویئے اور عادتیں، رجائیت، تناظر، مزاح، ذمے داری، کام کے لیے آمادگی اور دوستی ایسے عوامل ہیں جن سے مطابقت میں سہولت پیدا ہوتی ہے۔ ایسے رویئے کہاں سے پیدا ہوتے ہیں؟ افراد میں ان کی نشو و نما کیسے ہوتی ہے؟ اور ان کی باہمی قدر و قیمت کیا

ہے ؟ ایسے سوالات ایک ناقدانہ نظر پیدا کرنے میں معاون ہوتے ہیں اور ان کے ذریعے ایک حقیقی اور تعمیری فلسفے تک رسائی ہوتی ہے۔ (۳) وہ مسائل جن پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ سوال نامے کے ذریعے ان مسائل کا تجزیہ، جن سے نوجوانوں کو سروکار رہے، ان باتوں پر مشتمل ہے، تعلیمی کام، پیشہ ورانہ انتخاب اور ان کی تیاری شادی، ایک مکمل زندگی کا مذہب میں مقام، خاندانی زندگی، شہریت کے حقوق و فرائض مستحسن عادتیں، عارضی مقاصد کی اضافی قدر و قیمت اور زندگی کے اعلیٰ مقاصد۔ اس کی توقع نہیں کہ سب لوگ ایک ہی نتیجے پر پہنچیں لیکن ان مسائل پر تبادلہ خیال کر کے انہیں اس قابل بنایا جا سکتا ہے کہ وہ انفرادی طور پر اپنی فکر و نظر پر نظر ثانی کریں اور انہیں ضابطے کے اندر لائیں۔

مدرسہ اور بہتر شخصی مطابقت:-

نو بالغوں کو عمدہ ذہنی صحت حاصل کرنے کے سلسلے میں اساتذہ اور مدرسے جو خدمت انجام دے سکتے ہیں اس کی وضاحت حسب ذیل اقتباس میں کی گئی ہے
یہ عام طور پر تسلیم کیا جا رہا ہے کہ لڑکپن اور نو بلوغت کا زمانہ اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اسی زمانے میں اچھے کردار کے خاکے مرتب ہوتے ہیں اور اچھی عادتیں پیدا ہوتی ہیں۔ کردار کے انہیں خاکوں اور عادتوں پر بہت حد تک اطمینان بخش مطابقت کا انحصار ہے۔ ان باتوں سے قطع نظر جو نقص مطابقت کا سبب بنتی ہیں، اسکول اور اسکول کے اساتذہ کی بڑی ذمے داری ہے کہ وہ طلبا کے مطابقتی مسائل کو تسلیم کریں ان کی اہمیت کو سمجھیں اور ان کی دشواریوں کو دور کرنے میں ان کی مدد کریں۔ بنیادی طور پر یہ ذمے داری افراد کے ساتھ کام کرنے کے سلسلے میں عائد ہوتی ہے لیکن بڑی جماعت میں جماعتی انحراف کی شکل میں مطابقت کے ناموافق پہلو نظر آئیں وہاں مدرسے کے تمام کاموں کا معائنہ کر کے یہ پتہ چلانا چاہیئے کہ اس قسم کے انحراف کہاں کہاں نظر آتے ہیں اور کس طرح ان کی اصلاح کی جا سکتی ہے۔ انسدادی عمل کے تحت بہت سی عام تبدیلیاں کی جا سکتی ہیں جیسے استاد اور شاگرد کے درمیان رابطہ پیدا کرنے پر زیادہ زور دینا، استاد کا اپنے شاگردوں کے حالات سے زیادہ واقف ہونا اور ان کو زیادہ سراہنا

والدین کے لیے ایسے کورس کا انتظام کرنا جس میں طالب علموں کے مسائل سمجھاتے جائیں مدرسے کے نصاب میں ایسے اضافے کرنا اور تبدیلیاں لانا جن کے تحت انفرادی صلاحیتوں کے مطابق ایسے مواقع پیدا کیے جائیں جو انفرادی فرق پر مبنی ہوں۔ ۱۶ے

نو بالغوں کی ذہنی صحت کا انتظام کرنا، موثر تعلیم کے عمل کا ایک اہم جزو ہے۔ مدرسے کا طریق عمل، مدرسے کا نصاب اور استاد اور شاگرد کے درمیان رابطہ اسی وقت موثر ہو سکتا ہے جب طلبا کے کردار کی پوری پوری ترجمانی کی جائے۔ سماجی رشتوں میں انہیں استعمال کرنے کے مواقع فراہم کیے جائیں، اساتذہ میں نو بالغوں کی امداد کا احساس پیدا کیا جائے اور فلسفہ زندگی مرتب کرنے میں ان کی امداد کی جائے۔

خلاصہ

نو بالغوں کی حاجتیں بھی بچوں اور بڑوں جیسی ہوتی ہیں۔ جب کوئی نو بالغ زمانہ بلوغت میں قدم رکھتا ہے تو اس وقت بعض ضروریات زیادہ محسوس ہونے لگتی ہیں۔

دی نیشنل ایجوکیشن ایسوسی ایشن نے نو بالغوں کی فوری اور نوجوانوں کی آیندہ ضروریات کی ایک فہرست تیار کی ہے۔ یہ ضروریات مندرجہ ذیل پر مشتمل ہیں۔ (۱) تمام نوجوانوں کو قابل فروخت مہارتیں پیدا کرنے کی حاجت ہے (۲) تمام نوجوانوں کو اچھی صحت اور جسمانی موزونیت کی حاجت ہے۔ (۳) تمام نوجوانوں کو ایک جمہوری سماج میں شہریت کے حقوق و فرائض سمجھنے کی حاجت ہے (۴) تمام نوجوانوں کو انفرادی اور سماجی طور پر خاندان کی اہمیت کو سمجھنے کی حاجت ہے (۵) تمام نوجوانوں کو دانشمندی کے ساتھ خرید و فروخت کے طریقے جاننے کی حاجت ہے (۶) تمام نوجوانوں کو زندگی پر سائنس کے اثرات سے واقفیت کی ضرورت ہے (۷) تمام نوجوانوں کو ادب، آرٹ، موسیقی اور فطرت کی تحسین سے لطف اندوز ہونے کی حاجت ہے (۸) تمام نوجوانوں کو اس بات کی حاجت ہوتی ہے کہ اپنا فرصت کا وقت پروگرام کے تحت ہوشیاری کے ساتھ صرف کریں (۹) تمام نوجوانوں کو دوسروں کا احترام کرنے کی ضرورت ہے (۱۰) تمام نوجوانوں کو استدلالی فکر کی حاجت ہے۔

مندرجہ بالا فہرست میں ترمیم کر کے نو بالغوں کی حاجتوں میں حسب ذیل حاجتیں شامل کی جا سکتی ہیں۔ (۱) نو بالغوں کو اس کی حاجت محسوس ہوتی ہے کہ ان کے ساتھ

بالغوں کا سا برتاؤ کیا جائے (۲) انہیں ہمسروں سے مطابقت کی حاجت محسوس ہوتی ہے (۳) انہیں ایسے بالغوں سے مطابقت کی حاجت ہوتی ہے جنہیں وہ قریب سے جانتے ہیں۔ ظاہر ہے والدین اور اساتذہ اس میں شامل ہیں۔ (۴) انہیں اس بات کی حاجت محسوس ہوتی ہے کہ ذاتی اغراض و مقاصد کو مرتب کر سکیں (۵) انہیں فنی صلاحیتوں کے ذریعے اپنی قدر و قیمت اور سماج میں اپنے منصب کو جاننے کی ضرورت ہوتی ہے (۶) انہیں خود فہمی کی حاجت ہوتی ہے وہ یہ بھی جاننا چاہتے ہیں کہ ان کے مسائل میں ان کے ہمسر بھی شریک ہیں (۷) انہیں اپنی شادی و خانہ آبادی سے متعلق مسائل پر غور و فکر کی حاجت ہوتی ہے۔

اساتذہ نو بالغوں کے کردار کی نوعیت اور مفہوم کا مطالعہ کر کے مندرجہ بالا حاجتیں پوری کرنے میں معاون ہو سکتے ہیں، وہ سماجی روابط پیدا کریں معاون ہو سکتے ہیں۔ مطابقت پیدا کرنے میں، چاہے شخصی ہو چاہے پیشہ ورانہ، اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اسی طرح واضح اغراض و مقاصد کے ذریعے فلسفۂ زندگی کو مرتب کرنے میں اساتذہ نو بالغوں کی امداد کر سکتے ہیں۔ ان کے حصول کے لیے نصاب مدرسہ اور طریقۂ تدریس میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ یہ تبدیلی ذہنی صحت کے حق میں بہت مفید ثابت ہوگی۔

مُطالعے اور مُباحثے کی مشق

۱۔ ایک نو بالغ کی حیثیت سے جو مشکلات آپ کو پیش آتی ہیں ان کی تفصیلات لکھیے۔ اس کام میں آپ کو کیا امداد حاصل ہوتی؟ مزید موثر کیا امداد حاصل ہو سکتی ہے؟ اس سلسلے میں کن کن باتوں کی تفہیم سے فائدہ ہوا؟۔

۲۔ کسی ایسے نوجوان سے بات چیت کیجیے جس سے آپ کی سرسری ملاقات ہو۔ شادی فوجی خدمت اور پیشے سے متعلق اس کے خیالات معلوم کیجیے، کیا یہ خیالات معقول ہیں؟ اس کے خیالات پر آپ کا کیا ردِّ عمل ہے؟۔

۳۔ سازوسامان کی خریداری کے سلسلے میں رہنمائی کے لیے ایک منصوبہ تیار کیجیے۔

۴ وہ کون سی تین چار باتیں ہیں جن کے ذریعے نوجوانوں میں دوسرں کے احترام کا جذبہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ کن حدود کے اندر اور کہاں تک نوبالغوں کے ساتھ، استاد بالغ کا سا برتاؤ کرتا ہے؟

۶۔ ہائی اسکول میں والدین اور اساتذہ کی انجمن کے جس نظریئے کا ذکر اس بات میں کیا گیا ہے اس کا جائزہ لیجیے۔

۷۔ نوجوانوں کی شادی سے متعلق مشکلات کے سلسلے میں کچھ مشورے دیجیے۔

۸۔ آپ کے اسکول اور کمیونٹی میں ایسی کون سی تنظیمیں موجود ہیں جو نوجوانوں کے اندر صحت مند رابطہ پیدا کرنے میں معاون ہوتی ہیں؟

۹۔ اس شخص کو آپ کیا جواب دیں گے جو یہ کہے ”شادی کے ذکر سے دور رکھیے۔ اس کا علم بہرکیف ہو ہی جائے گا۔

۱۰۔ والدین کے مقابلے میں اساتذہ زیادہ بہتر طریقے سے نوجوانوں پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ اس سے اتفاق کیجیے یا اختلاف۔

۱۱۔ فلسفۂ زندگی کے عنوان پر مختلف نوجوانوں کے بیانات ایک دو صفحے میں قلم بند کیجیے۔ کیا ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں زیادہ معاونت کی ضرورت ہے۔

۱۲۔ شادی سے متعلق دس بارہ باتوں کی ایسی فہرست تیار کیجیے جن سے آپ کے خیال میں نوبالغوں کی واقفیت ضروری ہو۔

حصّہ دوم

درجے کے اندر ذہنی خفظان صحت

باب ۶

استاد کی شخصیت اور شاگردوں کا کردار

"جیسا استاد ہوگا ویسا اسکول" یہ بات بار بار کہی گئی ہے۔ تحقیقی مطالعوں کے ذریعے اس کی تصدیق بھی ہو چکی ہے۔ اسکول کی خوبصورت عمارت، جدید درسی کتب معمل کی وافر سہولتیں سامان تعلیم کی افراط اور وسیع کتب خانے کے باوجود مارک ہاپکنس نے اسکول کی جو تعریف کی ہے وہ قابل قدر ہے۔ یعنی اسکول ایک ایسا لٹھا ہے۔ جس کے ایک سرے پر استاد ہے۔ اور دوسرے پر شاگرد۔ استاد کی شخصیت یا اس کی تیاری بلکہ خاص طور سے شخصیت کے عوامل اگر موزوں نہیں ہیں تو چاہے کتنی ہی سہولتیں کیوں نہ مہیا ہوں۔ ان کی اہمیت بہت کم ہے۔ تاریخ تعلیم کے وہ باب عبرتناک ہیں۔ جن میں اس بات کا ذکر ہے کہ استاد چاہے کچھ بھی ہو۔ سماج کا ایک بہترین فرد مزدور ہوتا ہے۔ اس کے باوجود ایسا زمانہ بھی گزرا ہے۔ جب تدریس کا کام ایسے لوگوں کے سپرد کیا گیا۔ جو خیرات پر پلے۔ بڑھے ہوں۔ یا ناکارے کارکن رہے ہوں۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب معمولی تعلیم حاصل کرنے کے بعد کسی شخص کو بھی درس وتدریس کے قابل سمجھ لیا جاتا تھا۔ آج بھی یہ قول فراموش نہیں کیا جا سکا ہے" جو لوگ کچھ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ کر گذرتے ہیں اور جو کچھ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، درس وتدریس کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ درحقیقت آج بھی کچھ ایسے اساتذہ موجود ہیں۔ جو اس قول کو سن کر مسکراتے ہیں۔

مدرسہ کے اندر ذہنی صحت کے موضوع پر مبنی بھی کتابیں ہوتی ہیں۔ ان سب میں بتایا گیا ہے کہ درجے کے بہتر ماحول کے لئے استاد کی شخصیت بہت اہم ہے۔ یہ تخصیص محض اس کتاب کی نہیں ہے۔ استاد کی شخصیت اور شاگردوں کے کردار پر گویا ایک مخصوص باب پیش کیا گیا ہے۔ لیکن دوسرے ابواب میں بھی ان دونوں کے نمایاں تعلق پر کم زور نہیں دیا گیا۔ کہیں کہیں اس کا ذکر براہ راست ہوا ہے۔ لیکن پوری کتاب میں یہ پہلو مضمر ہے۔ اس سے قبل اس کتاب میں جہاں کہیں بھی اس موضوع پر مشورے دیئے گئے ہیں۔ وہ یقیناً بے معنیٰ ہوں گے۔ اگر استاد اپنے افعال و کردار میں انہیں منتقل نہ کرے اور اگر اس کی شخصیت سے اس کا اظہار نہ ہو۔ ہم چاہیں یا نہ چاہیں۔ ذہنی حفظان صحت کا یہ پہلو استاد کی شخصیت پر محیط ہے۔ قوم کی جذباتی اور ذہنی پختگی کے قیام کے لئے اچھے تربیت یافتہ اور شخصیت کے اعتبار سے موزوں اساتذہ کی فراہمی ایک لازمی شرط ہے۔

استاد کی شخصیت کا مفہوم اور اس کی اہمیت

شخصیت کا مفہوم

تعریف کے ذریعہ زیر مطالعہ درس کی ابتدا کرنا کسی زمانے کا مقدس دستور رہا ہے۔ لیکن سائنسی نقطہ نظر سے اس کو کبھی مستحسن نہیں سمجھا گیا۔ اگر ہم کسی شئے کی مکمل تعریف بیان کر سکیں تو پھر کھوج اور مطالعے کے ذریعے زیادہ کچھ باقی نہیں رہتا۔ ہم اس بیان سے اتفاق کر سکتے ہیں۔ پھر بھی یہ مطلب نہیں کہ شخصیت کا تصور نہ مرتب کیا جائے شخصیت یقیناً ایک پیچیدہ اور الجھی ہوئی شئے ہے۔ اس کی صحیح تعریف بیان کرنے کے لئے ایک دو جملے نہیں صفحات درکار میں۔ لیکن اس کا تصوّر مرتب کرنا ممکن ہے۔ اس کے تصوّر کے بعض پہلو عام طور پر تسلیم بھی کئے جا چکے ہیں۔

شخصیت کی تشکیل کے بعض عوامل ہیں۔ جسمانی ساخت، ظاہری شکل و شباہت عضوی صلاحیتیں، ترقی یافتہ لیاقتیں، دلچسپیاں، اوالعزمی، عادتیں اور افتاد مزاج

ان تمام عوامل کا امتزاج بھی کم اہم نہیں ہے کیونکہ ان سب کا اثر آدمی کی سماجی کارگزاری اور باطنی ہم آہنگی پر پڑتا ہے۔ اس طرح نفرت، محبت، اخوت، پسند و ناپسند بھی باتیں شخصیت میں شامل ہیں، لوئس، پی، تھارپے (Louis P. Tharpe) نے ان تمام تصورات کو ایک مختصر تعریف میں پیش کیا ہے۔ یہ بات صاف ہو جانی چاہیئے۔ کہ شخصیت کا تصوّر مکمل فرد کے عضویاتی تفاعل کے ہم معنیٰ ہے۔ اس کے اندر وہ تمام پہلو شامل ہیں۔ جو ایک دوسرے سے لسانی طور پر علیحدہ ہیں جیسے ذہن، سیرت، میلانات، جذبے سے بھرپور رویئے، دلچسپیاں، معاشرت پسندی اور اس کا شخص اظہار اور ساتھ ہی ساتھ اس کی سماجی کارگزاری یہ بات واضح ہے کہ شخصیت کے ایسے بہت سے پہلو ہیں جن سے اساتذہ کا سابقہ پڑتا ہے۔ سماجی استعداد ان میں سے صرف ایک ہے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ دوسرے پہلوؤں پر بھی غور کیا جائے جیسے خود اپنے بارے میں شخص کا رویہ) اس کے محرکات اس کی دلچسپیاں اور ان سے متعلق معلومات استاد کی شخصیت اس قدر انفعالی کیوں ہے؟ اس کی شخصیت شاگردوں کی بالیدگی پر کیسے اثر انداز ہوتی ہے۔ اس کی شخصیت کے وہ کون سے امتیازی اوصاف ہیں جن کی اہمیت بہت زیادہ ہے؟ ان امتیازی اوصاف کی نشوو نما کیسے ہوتی ہے؟ ان تمام سوالوں کے جواب سے استاد کی شخصیت کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کون سے اثرات اس کی شخصیت پر مرتب ہوتے ہیں۔

اسکول کا تعلق گہرا اور مسلسل ہے

بلاشبہ راقم الحروف کو اس دعوے کا مشورہ دیا جا سکتا ہے۔ کہ قوم کی عمدہ ذہنی صحت کے لئے صحیح الدماغ اور پختہ کار والدین کا ہونا پہلی شرط ہے۔ (ملاحظ ہو پہلا باب) یہ بات صحیح بھی ہے لیکن عمدہ ذہنی صحت کی ابتداء کے لئے گھر کے مقابلے میں اسکول موزوں جگہ ہے۔ والدین کے مقابلے میں اساتذہ کو ذہنی حفظان صحت کے بارے میں علم حاصل کرنے کے زیادہ مواقع ملتے ہیں حقیقت

تو یہ ہے کہ اکثر سند عطا کرنے سے پہلے ذہنی حفظان صحت کا مطالعہ ضروری سمجھا جاتا ہے۔ پھر یہ کہ ذاتی تعلقات پیدا کرنے میں بمقابلہ گھر، اسکول کا دوسرا نمبر ہے۔ اسکول کی عمر تک پہنچتے پہنچتے بچہ اپنے والدین کے مقابلے میں استاد سے زیادہ مانوس ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اسکول کے باہر سارا وقت وہ والدین کے ساتھ نہیں گذارتا۔ لہٰذا اسکول کے روابط کی اہمیت اس لئے بڑھ جاتی ہے کہ بچہ اسکول میں سیکھنے کے لئے آتا ہے۔ وہ اسکول کے اثرات قبول کرتا ہے اور اس بات کا متمنی ہوتا کہ مزید مہارتیں حاصل کرے اور نیا نقطہ نظر پیدا کرے۔ اسکول میں جتنا وقت وہ صرف کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے اسکول کے ساتھ گہرا ربط پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اسکول کے مشاغل کی نوعیت کے سبب استاد کی شخصیت اور کردار کے اثرات شاگردوں کے لئے ناگزیر ہو جاتے ہیں۔

ذاتی تعلقات سیکھنے کا ذریعہ ہیں

یہ جاننے کے لئے کسی ماہر نفسیات سے رجوع کرنے کی ضرورت نہیں کہ ایک شخص جیسا ہے ویسا ہی پڑھاتا ہے۔ لیکن جتنا کہتا ہے۔ پڑھاتا اس سے زیادہ ہے مشاہدہ کرنے کے بعد اس کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ یہ دعویٰ صحیح ہے۔ ایک لڑکا اپنے والد کی ہی طرح رگڑتا۔ گھومتا اور اکڑتا ہوا چلے گا۔ ایک بچہ اگر اس طرح کے جملے سنتا ہے "یہ مت کرو" وہ مت کرو' تو اس کو اپنی عادتیں چھوڑنے میں بہت وقت لگے گا۔ دوسری طرف اگر یہ خیال ہو کہ وہ اپنے ساتھیوں سے سیکھ لیتا ہے۔ تو پھر رسمی تعلیم کی کیا ضرورت؟ دو مختلف درجوں کے معائنے سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہی لڑکے دو مختلف اساتذہ کے تحت مختلف برتاؤ کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اگر استاد میں کشیدگی ناراضگی، تسلط کا رجحان یا لاپرواہی پائی جاتی ہے۔ تو شاگرد بھی کشیدگی اور ترش مزاجی میں مبتلا ہوگا۔ اس کے اندر سماجی خوبیاں بھی نہ ہوں گے۔ اور اپنے کام میں بھی وہ سست ہوگا۔ اگر ہمیں ایسے شاگرد نظر آئیں جو محنتی، خوشی و خرم، سرگرم پر اعتماد اور اشتراک باہمی پر آمادہ ہوں۔ تو نظر استاد کی جانب پھیرنی چاہئے۔ وہاں بھی ایک متوازن اور خوش و خرم شخص نظر آئے گا۔ ایک ایسا شخص جس کو اچھی طرح

معلوم ہے کہ اس کی منزل مقصود کیا ہے۔ اور منزل تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے۔
سیکھنے کا ایک اچھا ذریعہ ذاتی تعلقات ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک کو دیکھ کر دوسرے میں سیکھنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ سیکھنے کا صحیح ماحول اسی وقت پیدا ہوتا ہے۔ جب سیکھنے کی خواہش پہلے سے موجود ہو۔ استاد اپنے شاگردوں کے ساتھ خود بھی سیکھتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ نفس مضمون سے واقفیت کی پہلے سے ضرورت نہیں۔ استاد ایک تحکمانہ حیثیت رکھے بغیر ایک مقتدر منصب کا حامل ہو سکتا ہے بعض اساتذہ صاف صاف یہ کہہ کر اپنے شاگردوں میں سیکھنے کی تحریک پیدا کر سکتے ہیں "مجھے اس کا یقین نہیں ہے۔ کیا تم اس کو دیکھ کر مجھے بتاؤ گے" مجھے خیال پڑتا ہے۔ لیکن تم ذرا دیکھ کر بتاؤ" یا" بس مجھے دھندلا سا یاد ہے کہ (مصنف) نے اس کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے (عنوان) استاد جب تک شعوری طور پر ایسا ماحول نہیں پیدا کرے گا۔ جس میں ایک دوسرے سے سیکھنے کی عادت ڈالی جائے۔ اس وقت تک شاگردوں کو سب سے آسان طریقہ یہی نظر آئے گا کہ استاد اگر کچھ بتا جائے۔ مباحثوں میں استاد کی شرکت سے سیکھنے کے لئے ایک اچھا ماحول پیدا ہوتا ہے لیکن یہ شرکت اس طرح ہونی چاہئے کہ استاد شاگردوں پر حاوی نہ ہو۔ جو اساتذہ جو شاگردوں کے پیش کئے ہوئے نقطۂ نظر کو دھیان سے سنتے ہیں۔ ان کے مہیا کئے ہوئے امدادی سامان کو سراہتے ہیں اور خود اپنے طور پر نئی معلومات فراہم کرتے ہیں، وہ سیکھنے کے لئے اچھا ماحول پیدا کرتے ہیں۔

شاگرد اپنے استاد سے بہت سی باتیں غیر امدادی طور پر سیکھتا ہے۔ ان باتوں میں جھگڑالو پن لاپرواہی اور دوسروں کے ساتھ سرد مہری کی عادتیں شامل ہیں۔ اسی طرح اشتراک باہمی، باضابطگی، شائستگی، اور مقصدیت بھی وہ سیکھ لیتا ہے۔ دوسری عادتیں وہ شعوری طور پر نقل کے ذریعے سیکھتا ہے۔ کنڈرگارٹن کے بچے جب گھر اور کھیل کے میدان کو لوٹتے ہیں۔ تو اس وقت اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ نقل سے کیسے سیکھتے ہیں۔ بچہ جب فرضی استاد بنتا ہے۔ تو اس وقت وہ اپنے استاد کی آواز اس کے طور و طریق اور دوسری باتوں کی نقل کرتا ہے۔ اس منزل پر اور بہت حد تک ابتدائی منزل پر بھی اس طرح کی نقل کا بچے کے

کردار پر بہت کم اثر پڑتا ہے لیکن جو تھوڑا بہت بھی اثر پڑتا ہے۔ وہ بھی قابل قدر ہے۔ اس لئے کہ اس کا تعلق بچے کے اس رویئے سے ہے جو وہ مسلسل سیکھتا رہتا ہے ثانوی منزل پر بھی نقل کرنے کی بڑی اہمیت ہے۔ پانچویں باب میں نو بالغوں کی مخصوص ضروریات کے تحت اس پہلو کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ ثانوی منزل کے لڑکے بعض پختہ کار اشخاص میں اپنے طرز عمل کو ڈھونڈتے ہیں۔ چونکہ وہ اپنے والدین سے خود مختاری حاصل کرنا چاہیئے ہیں۔ اس لئے اپنے ماں باپ کو قابل تقلید نہیں سمجھتے بالغوں میں سے کسی اور کو اگر وہ قریب سے جانتا ہے تو وہ ہے۔ اس کا استاد۔ استاد اگر کسی اور وجہ سے نہیں تو محض اپنے منصب کی وجہ سے قابل احترام ہے۔ اس لئے بہت سی صورتوں میں وہ ایک نمونہ بن سکتا ہے۔ یہ ایک بڑی عمدہ صورتِ حال ہے کیونکہ جس استاد کی تقلید کی گئی ہے وہ ایک پسندیدہ شخصیت کا حامل ہے۔ وہ اپنی شخصی خوبیوں کی وجہ سے درجے کے اندر ایک خوش گوار ماحول پیدا کر سکتا ہے۔ بعض مرتبہ یہ بھی ہوتا ہے۔ کہ شخصیت کے اس وصف کی تقلید کی جاتی ہے۔ جو نسبتاً کم پسندیدہ ہو۔ لڑکے کو اپنے استاد میں جو سختی نظر آتی ہے یا اس میں جو ایک پر تکلف انداز دکھائی دیتا ہے۔ اس کی طرف بھی وہ کبھی کبھی راغب ہوتا ہے۔ اس لئے ہائی اسکول کے لڑکوں میں کبھی کبھی ناپسندیدہ کردار کو محض اس بنا پر مناسب سمجھا جاتا ہے۔ کہ اس کے استاد نے بھی ویسے ہی کردار کا مظاہرہ کیا ہے۔

استاد کی شخصیت، بالیدگی کیلئے ایک مقصد پیش کرتی ہے

مدرسہ کا ہمہ گیر مقصد یہ ہے کہ ہر بچے کی بالیدگی کو زیادہ سے زیادہ ترقی دے۔ سیکھنا بھی بالیدگی کا ایک پہلو ہے۔ اور اس کا ماحول اس وقت ہوتا ہے۔ جب مقصد پورے طور پر واضح ہو۔ اگر استاد اپنے شاگردوں کے سامنے ایسا نمونہ پیش کرتا ہے۔ جو قابل تقلید ہے تو تقریباً ہر منزل پر اور خاص طور سے ہائی اسکول کے طلبہ میں بہتر بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔ بنیادی طور پر تمام بچوں میں نمو، خود مختاری، لیاقت اور رتبے کی خواہش ہوتی ہے۔ دو برس کا بچہ جب یہ کہتا ہے" میں خود کروں گا،" چھ برس کا بچہ جب یہ اعلان کرتا ہے" مجھے دکھانے کی ضرورت نہیں"

اور نوبالغ جب یہ دلیل پیش کرتا ہے "فرہنگ کی ماں تو اسے خود کرنے کی اجازت دیتی ہے" تو ان سب باتوں میں اسی خواہش کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن یہ بچے ہمیشہ اپنا کام نہیں کرسکتے۔ انہیں کبھی کبھی دوسروں کو دکھلانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر یہ کہ وہ ارادتاً یا بغیر کسی ارادے کے نمونے کی تقلید کرتے ہیں۔ بغیر جانے بوجھے وہ اپنے والدین، بڑے بھائیوں، بہنوں اور اپنے سے بڑے عزیز واقارب، فلم کے ہیرو، اور اپنے اساتذہ سے مناسبت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں

"اگر بچہ فوری طور پر اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کسی خاص یا کسی منفرد کردار کی تقلید کرتا ہے۔ تو وہ تقلید کا عمل نہیں کہلاتا، بلکہ ایک غیر شعوری عمل ہے جس کے ذریعے اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس شخص کے نقش قدم پر چلے جس کے ساتھ وہ مناسبت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اور حالات کو اس نظر سے دیکھے جس نظر سے وہ نمونے کا شخص دیکھتا ہے۔ کبھی کبھی کسی خاص ڈھب یا رویئے کی تقلید ہوتی ہے۔ لیکن یہ تقلید مناسبت پیدا کرنے کی کوشش کا نتیجہ ہے اس کی بنیاد نہیں۔ "[13]

یہ محض ایک تعلیمی دلچسپی کی بات ہے، کہ نمونے کا شخص غیر شعوری مناسبت یا مقصدی تقلید کے ذریعے بچے کی نشوونما میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ اہم بات تو یہ ہے کہ نمونے کا شخص قابل تقلید ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بچہ نمونے کے شخص کی محض ایک نقل ہو۔ یہ استاد کے انتخاب کی بات بھی نہیں کہ وہ نمونے کا شخص بننا چاہتا ہے یا نہیں، مکمل نہیں تو جزوی طور پر ہی سہی۔ اس لئے اس کو پسندیدہ خصوصیات کا اظہار کرنا چاہیئے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ مختلف لوگوں کے لئے اور مختلف حالات میں وسعتِ نظر کا رویہ اختیار کرے اور دوسروں کا احترام کرے دوسروں کے حالات کو سمجھے اور انتشار پیدا کرنے والے مسائل کی طرف ایک اطمینان کا رویہ اختیار کرے۔ ایچ۔ اے اوور اسٹریٹ (H.A. Overstreet) اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اسکول کی یہ ذمے داری ہے کہ نوجوانوں کو ایسے گروپ سے ربط ضبط بڑھانے کا موقع فراہم کرے جن سے بلوغت میں مدد ملے اس کے لئے پختہ کار ڈھنگ کی ضرورت ہے۔ جس کے مطابق ایک شخص اپنے منصب

کو استعمال کرے، اہم مسائل کو چھیڑے اور غیر اہم کو نظر انداز کرے اور ایک ایسا منصوبہ بنائے جس سے بچے کی ذہنی ترقی میں مدد ملے ہے اس کے علاوہ بلوغت کو بامقصد بنانے میں استاد پر جو ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اور جن میں استاد کو بصیرت کی ضرورت ہے۔ ان کا ذکر مذکورہ بالا مصنف کی کتاب "پختہ ذہن" میں کیا گیا ہے۔

"ایک پختہ کار آدمی کسی بات کو تنقید کے بغیر انفعالی طور پر ہرگز تسلیم نہیں کرتا بلکہ وہ ایک تخلیقی ڈھنگ سے اس کا جائزہ لیتا ہے۔ ایک پختہ کار بالغ، سوچ بچار کرنے والا بالغ ہوتا ہے۔ وہ ایسا بالغ ہے۔ جو اقدار اور اشیا کے اثرات پر غور کرتا ہے۔ اور ان کے نتائج کو بھانپنے کی کوشش کرتا ہے۔" شخص روابط سے وہ جلد از جلد چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسی لئے وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ اپنے اندیشوں اور تمناؤں کی آنکھ سے وہ سب کچھ دیکھ لے جو اس کے سامنے پیش آنے والا ہو اور پھر اسی کے مطابق کام کے بہتر طریقے سوچ لے۔ مختصراً یہ کہ ایک پختہ کار آدمی ایسا ذہن رکھتا ہے جو فعال طور پر زندگی سے دوچار ہو اور زندگی کے حالات کو بہتر بنانے کی کوشش کر رہا ہو۔

"مدرسے کے ذمے اس سے بڑا کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ کہ نو بالغ کو ایک پختہ کار بالغ بنائے۔ اگر مدرسے کو اس فرض سے سبکدوش ہونا ہے۔ تو نئے تعلیمی احکامات کی پابندی بھی کرنی ہو گی۔ چنانچہ اولین کوشش تعبیر ذہن کی ہے ہ[5]

مدرسے کے بچوں کی بالیدگی ناگزیر ہے، اس کی سمت اور اس کی رفتار کا انحصار اس بات پر ہے۔ کہ استاد خود کتنا پختہ کار ہے۔ اور وہ بچوں کے سامنے کس قسم کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ اس طرح اس قول کی وضاحت ہوتی ہے اور اس کی اہمیت بڑھتی ہے "جیسا استاد ویسا مدرسہ"

استاد کی شخصیت کے عوامل جو شاگردوں کے کردار پر اثر انداز ہوتے ہیں

لباس

شخصیت جیسا کہ اس کی تعریف میں مضمر ہے۔ کوئی ایسی چیز نہیں ہے۔ جو پہن لی جائے۔ لیکن لباس شخصیت کا عکس اور انفرادیت کا اظہار ضرور ہوتا ہے۔ لباس شخصیت کے عوامل میں سے نہیں ہے تاہم لڑکوں کے کردار پر اثر انداز ہوتا ہے۔ کنڈر گارٹن اور ابتدائی مدرسے کے بچے، اپنی استانیوں کے لباس پر ان کے آرائشی ساز و سامان پر اور ان کے جوتوں کی وضع قطع پر رائے زنی کرتے ہیں۔ وسطانیہ اور ہائی اسکول کے طلبا اتنی صفائی کے ساتھ رائے زنی نہیں کرتے لیکن ان کی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ لباس پر غور ضرور کرتے ہیں۔

ہائی اسکول کے لڑکوں کے کردار پر استاد کے لباس کا اثر فقط اس نقطہ نظر سے نہیں ہوتا کہ وہ رشک اور تقلید کی نظر سے دیکھتے ہیں بلکہ جماعت کے ماحول پر بھی اس کا خاص طور سے اثر پڑتا ہے۔ لباس کی صفائی ستھرائی اور لباس کے مزاجی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ استاد کو اگر آرام اور اطمینان میسر ہو تو اس کے کام کے حالات بہتر ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کی نکتہ چینی "میرے جوتے مجھے مارے ڈال رہے ہیں" عموماً فضول ہوتے ہیں اور رسوائے بد مذاقی کے اس سے اور کچھ نہیں ظاہر ہوتا تجربہ کار ماہر نفسیات یہ بھی بتاتے ہیں کہ لباس کی قسم اور وضع قطع سے اگر اعتماد ظاہر ہو تو اس کے سبب اس شخص میں بھی اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ جو اس کو استعمال کرتا ہے۔ لہٰذا لباس کی دھلائی اور مرمت پر اگر استاد پیسہ خرچ کرے تو اس کی افادیت ہے۔ اس کی وجہ سے اس میں اعتماد پیدا ہوتا ہے اور درجے کے اندر ماحول کو خوشگوار بنانے میں مدد ملتی ہے۔

آواز

لباس کے مقابلے میں آواز سے شخصیت کی زیادہ عکاسی ہوتی ہے۔ تیز اور کرخت آواز میں روکھے ڈھنگ سے اگر حکم دیا جائے تو اس سے اس بات کا

اظہار ہوتا ہے کہ استاد ایک قسم کی کشاکش میں مبتلا ہے اور اعتماد کی کمی ہے ۔ مناسب زیر و بم کے ساتھ دھیمی آواز سے خود اپنی ذات اور اپنے شاگردوں میں اعتماد کا اظہار ہوتا ہے ۔ ذہنی حفظان صحت کی زبان میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خراب آواز، پریشانی کی غماز ہے ۔ لہذا آواز میں سدھار پیدا کرنے کا کام دراصل اس کے اسباب کے تجزیے اور تدارک کا کام ہے ۔ یہ اسباب ذہنی حفظان صحت کی مشکلات کے دائرے میں آتے ہیں ۔ ان کے اندر خانگی حالات، ازدواجی معاملات، منصب کی بے اعتباری، جسمانی صحت کی خرابی اور اس قسم کی دوسری مشکلات شامل ہیں ۔ استاد کی خراب آواز سے اسی قسم کی مطابقت پذیری کی دشواری کا اظہار ہوتا ہے ۔ جیسی شاگردوں کے برے برتاؤ سے فوری حالات پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے ۔ کہ بچوں کی تفہیم میں کمی ہے ۔ منصوبہ بندی ناقص ہے کام اچھا نہیں ہے، ساتھیوں کے ساتھ ہم آہنگی نہیں ہے ۔ اور تدریس کے کام میں اعتماد کی کمی ہے ۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں جن کی جانچ کی ضرورت ہے ۔

آواز کی خرابی کے اسباب کا تجزیہ کرنے کے بعد اس خرابی کو دور کیا جا سکتا ہے ۔ لیکن اس کام کے لئے کسی ایسے شخص سے مدد لینا مفید ہوگا ۔ جو آواز، گفتگو اور ڈرامے کا ماہر ہو ۔ ایک ٹیپ ریکارڈ یا وائر ریکارڈ اس کام کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے کہ بولنے والے کو اپنی آواز اس طرح سننے کا موقع دیں جیسی دوسروں کو سنائی دیتی ہے ۔ اگر اس طرح کے ذریعے حاصل کرنا ممکن نہ ہو ۔ تو بولنے کی عادت کا معائنہ کرایا جا سکتا ہے اور آواز کو سدھارا جا سکتا ہے ۔ اگر آواز زیادہ اونچی ہے تو اس کا یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ چیخ کر اپنے شاگردوں کو چپ کرانے کی عادت ہے ۔ اگر آواز سخت ہے تو اس کا مطلب ہے کہ سماعت پر زور پڑتا ہے ۔ اگر آواز میں کرختگی ہے ۔ تو شاید وجہ یہ ہے کہ جمہوری طریقہ کار نہیں اپنایا گیا ۔ اس قسم کے سوالات اور ان کے مناسب جوابات کی مدد سے آواز کو سدھارا جا سکتا ہے ۔ اس کام کے اندر تجزیہ اور خواہش دونوں کی ضرورت ہوگی ۔ آواز میں سدھار اس لئے ضروری ہے کہ آواز کی کیفیت استاد کی کامیابی کا ایک اہم عنصر ہے ۔ اس کی مدد سے شاگردوں کے رویئے اور ان کے ردعمل کا تعین

کیا جاسکتا ہے۔ جماعت کے ماحول کو خوشگوار بنایا جاسکتا ہے۔ اور مدرسے کے مشاغل میں زندگی پیدا کی جاسکتی ہے۔

ایک مسکراہٹ

مسکرانے کی صلاحیت کوئی ظاہری چیز نہیں ہے۔ بلکہ شخصیت کے اظہار کا دوسرا ذریعہ ہے۔ لیکن یہ عادت کی بھی بات ہو سکتی ہے۔ ایک شخص اگر مسکراتا ہے تو اس کا بھی امکان ہے۔ کہ وہ خوش نہ ہو۔ اس کے برعکس ایک شخص مسکراتا ہو۔ مگر پوری آمادگی کے ساتھ تاہم اساتذہ مسکرانے کی عادت آسانی کے ساتھ پیدا کر سکتے ہیں۔ اس کا اثر دوطرفہ ہوتا ہے۔ ایک طرف تو اس کے ذریعے دوسروں میں بھی مسکرانے کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ چھوٹے بچوں، بڑے بچوں اور نوجوانوں میں یہ عادت ہوتی ہے کہ مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیں۔ وہ بچے جن کے اساتذہ ایک تابناک شخصیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اسکول کے کام کو زیادہ دلچسپی اور شوق سے کرتے ہیں۔ شاید اس لیے کہ ان میں قدرشناسی کی خواہش ہو۔ دوسری طرف مسکراہٹ خود ایسا بھی ہوتی ہے۔ مسکراہٹ کا اظہار ایک خوشگوار ماحول پیدا کرتا ہے۔ بشرطیکہ باطنی احساس کو ابھارا جائے'' ضروری نہیں کہ مسکراہٹ پیدا ہی کی جائے۔ لیکن اگر کسی کی مزاجی کیفیت ایسی ہو کہ آسانی کے ساتھ مسکراہٹ پیدا کی جا سکے تو وہ ایک خوشگوار ماحول پیدا کرنے میں معاون ہوتا ہے۔ یہ رویہ سماجی طور پر بہت پسندیدہ ہوتا ہے۔ اور اعصاب کے تناؤ کو روکتا ہے۔ بچوں کی نفسیات کے ماہر مسکراہٹ کو سماجی کردار کی نشوونما کی پہلی نشانی سمجھتے ہیں۔ مسکراہٹ کو عام طور پر دوستی کی نشانی بھی سمجھا جاتا ہے۔ مسکراہٹ درجے کے اندر رابطہ پیدا کرتی ہے۔ جس کی وجہ سے آموزش خوشگوار اور موثر ہو جاتی ہے۔ مسکراہٹ کا معاملہ بلاشبہ ایک باریک بینی کا معاملہ ہے۔ لیکن اس باریک بینی کی وجہ سے مجموعی حیثیت سے درجے کے اندر ایک صحت مند ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔

اثبات کی تاکید

اگر طلبا کی بالیدگی پر استاد کی شخصیت کا ایک صحت مند اثر ڈالنا مقصود ہو تو اثبات پر زور دینا ضروری ہے۔ اس سے مراد ہے کہ استاد اپنے شاگردوں کے قابل قدر پہلوؤں کو بھانپ لے۔ ایسے پختہ کار اساتذہ ان شاگردوں میں بھی کچھ وصف، تفوق اور قابل قدر خوبیاں تلاش کریں گے۔ جو تکلیف کا باعث بنتے ہوں۔ جب ایک لڑکا شکایت کرتا ہے کہ ''دوسرے لڑکے مجھے پسند نہیں کرتے'' اور استاد جواب دیتا ہے۔ '' لیکن میں تمہیں پسند کرتا ہوں'' ''تم میرے ساتھ ہمیشہ اخلاق سے پیش آتے ہو'' تو وہ اثبات کا لحاظ اختیار کرتا ہے۔ چاہے وہ اس بات سے پورے طور پر واقف ہو کہ وہ لڑکا اپنے سے چھوٹے لڑکوں کو برابر تنگ کیا کرتا ہے۔ اور جھگڑتا رہتا ہے۔ اثباتی رویہ اس وقت بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ جب اس بچے کو جو ریاضی میں کمزور ہوتا ہے۔ یہ یاد دلایا جائے کہ تم باسکٹ بال کے بہت اچھے کھلاڑی ہو۔ یا ایک لڑکا پڑھائی میں کمزور ہو تو اس کو یہ باور کرایا جائے کہ تم ڈرائنگ بہت خوبصورت بنا سکتے ہو۔ غرض اس طرح کی تعریف کا کوئی نہ کوئی پہلو تلاش کیا جانا چاہیئے۔ وہ پہلو کسی قدر خیالی ہی کیوں نہ ہو۔

طلبا کو اعتماد کے اظہار کا موقع دینا بھی اثباتی رویئے کی ایک قسم ہے۔ استاد یہ کہہ سکتا ہے۔ '' میں جانتا ہوں کہ تفویض تمہارے لئے مشکل ہے۔ لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ جماعت اس کو بحسن و خوبی مکمل کر سکتی ہے۔ طلبا کی نیتوں اور ان کی صلاحیتوں پر اعتماد رکھنا بہت ضروری ہے۔ جب کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آتا ہے۔ جیسے گلوب ٹوٹ جائے۔ تو یہ ضروری ہے کہ اس کو محض اتفاق سمجھا جائے، اس میں کوئی شرارت نہیں پھر اس حادثے کی تفتیش بھی کھلے ہوئے ذہن اور منصب مزاجی کے ساتھ کی جائے اور اس سلسلے میں غصے، کراہت اور حقارت کا اظہار نہ کیا جائے تاکہ جماعت کے ماحول میں خوشگواری قائم رہے۔

اس بات میں عقیدہ رکھنا کہ طالب علموں میں ہوشیاری کے ساتھ اپنے معاملات سے نپٹنے کی صلاحیت ہوتی ہے ۔ یہ رویہ بھی اثبات کل ہے ۔ اس کے برعکس یہ خیال منفی رویہ پیش کرتا ہے کہ طلبا کے معاملات کو ٹھیک ٹھاک رکھنے کے لئے بڑوں کی مداخلت اور رہنمائی ضروری ہے ۔ اس منفی رجحان کا ثبوت ہائی اسکول کے ایک پرنسپل سے ملتا ہے ۔ جس کو پورا یقین تھا کہ طلبا حساب کتاب کو صحت اور ایمانداری کے ساتھ نہیں رکھ سکتے چنانچہ ایسی رقموں کا حساب کتاب اساتذہ خود اپنے پاس رکھتے تھے جو فٹ بال ، باسکٹ بال کے مقابلوں کے لئے ٹکٹ فروخت کر کے وصول ہوئی تھیں ۔ کلب اور جماعت کے خزانچی کو تو صرف پرنسپل کے ذریعے اس کی کیفیت موصول ہو جاتی تھی ۔ اسی طرح طلبا کی تنظیمیں جو بھی خریداری کرتی تھیں ان سب کے لئے پرنسپل کی منظوری ضروری تھی ۔ بلکہ جن جگہوں سے یہ چیزیں خریدی جاتی تھیں ان کو بھی پرنسپل تجویز کرتا تھا ۔ اس کے لئے خلاف طلبا میں بہت ناراضگی تھی ۔ جس کا اظہار وہ اس طرح کرتے تھے کہ مدرسے کا سامان توڑ پھوڑ دیتے خاص طور سے " رینگ ڈے " پر جب تمام طلبا اسکول سے غائب ہوتے تھے ۔ انتظام جماعت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ تمام فنڈ پر اسٹاف کی نگرانی تو پوری رکھی جائے ۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ طلبا کو اس میں شریک نہ کیا جائے ۔ اسکول کے منتظمین جو اثباتی رویہ رکھتے ہیں وہ اس خیال کی تائید کرتے ہیں کہ طلبا میں اس قسم کے فنڈ کو سنبھالنے کی صلاحیت ہوتی ہے ۔ یہ اور بات ہے کہ ان کی نگرانی کی ضرورت ہوتی ہے دراصل اس قسم کے تجربات فراہم کرنا سیکھنے کے مواقع فراہم کرنے کا ایک اہم جزو ہے ۔

ان جگہوں پر جہاں طلبا کی ہمت افزائی کی جاتی ہے کہ وہ خود بچوں کی حکومت انتظام جماعت اور نصابی مشاغل کی تنظیم کا کام سنبھال لیں ۔ وہاں طلبا کی اس صلاحیت کا ثبوت ملتا ہے ۔ یہ انسانی فطرت کی خصوصیت معلوم ہوتی ہے کہ وہ اسی قدر کام کرتا ہے ۔ جس قدر اس سے توقع کی جاتی ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری انا ہمیں مجبور کرتی ہے ۔ کہ ہم اس اعتماد کو تسلیم کریں جو دوسرے ہمارے اوپر رکھتے ہیں ۔ بہر کیف اثباتی رویہ ہر شخص منجملہ اسکول کے طلبا کی بہترین صلاحیتوں

کو بروئے کار لانے کا موقع فراہم کرتا ہے۔
اثباتی رویہ اپنانے کے بعض ذرائع یہ ہیں۔ تنقید کے بجائے تعریف تعریض کی جگہ شوق انگیز مشورے، ناک بھوں چڑھانے کی جگہ مسکراہٹ اور نا امیدی کی جگہ امید پیدا کی جائے۔ یہ بات اس لئے اہم ہے کہ استاد ہر طالب علم کو ایک منفرد شخصیت کا حامل سمجھے۔
اساتذہ کو یہ بھی محسوس کرنا چاہیئے کہ قابل اعتراض کردار ایک پہچان ہے انہیں یہ بھی جاننا چاہیئے کہ ان کے ارادے ہمیشہ ان کے افعال کے مرادف نہیں ہوتے۔ اساتذہ کو یہ بات یقیناً تسلیم کرنی چاہیئے کہ بالیدگی صرف ترقی پذیری کا نام نہیں ہے۔ ان سب باتوں کا سب سے بڑا تقاضا شاید یہ ہے کہ استاد تدریس کا ایک حقیقت پسندانہ اور رجائی نقطہ نظر رکھے۔ اور اس کو اسکول کے بچوں کے علاوہ جوانوں کی بھی ذہنی صحت کو سنوارنے کا ذریعہ بنائے

ادعائیت کے بغیر لیاقت

اگر یہ نظریہ تسلیم کرلیا جائے کہ سیکھنے اور سوچنے کا گر جاننا معلومات فراہم کرنے سے زیادہ اہم ہے تو اس کی وجہ سے درجے کا ماحول خوشگوار بنایا جاسکتا ہے ایسا ماحول جو ادعائیت سے پاک ہو۔ ایک شخص بصیرت حاصل کئے بغیر اپنے مضمون سے متعلق پوری معلومات فراہم کرسکتا ہے۔ اور اس مضمون میں لیاقت بھی پیدا کرسکتا ہے۔ دراصل اپنے آپ پر بھروسہ کرنا اس اعتماد کے لئے ضروری ہے۔ جس کے تحت دوسروں کے قابل غور نظریات اور بیانات کو احترام کے ساتھ سنا جاسکتا ہے۔ اس طرح لیاقت اور رواداری ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ اور جہاں تک عدم اعتمادی کا تعلق ہے اس سے ادعائیت پیدا ہوتی ہے۔
ان تجربہ کار اساتذہ نے، جنہوں نے ذہنی صحت کا مطالعہ کیا ہے۔ یہ بات بتائی ہے کہ شروع شروع میں انہوں نے اپنی جہالت کو تحکمانہ رعب میں چھپالیا۔ ہم میں سے بہت سے لوگوں کو ایک ایسے کرہ جماعت کا تجربہ

ہوگا، جس کے اندر استاد اپنے مضمون پر حاوی نہ ہو اور بے جا اعتماد کے ساتھ بڑھ رہا ہو۔ اس کی وجہ سے جماعت کا ماحول، خوشگوار ہو جاتا ہے۔ طلبا کو اس استاد کی باتوں میں ایک بے اعتباری کی جھلک نظر آتی ہے، چنانچہ صحیح باتیں بھی غلط نظر آنے لگتی ہیں۔ اسکول کا وہ طالب علم جو خود صحیح معلومات نہ رکھتا ہو اس میں اس کیفیت کی جھلک نظر آتی ہے کہ وہ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ پرجوش طریقے سے اعلان کرتا ہے کہ وہ جو کچھ جانتا ہے۔ حرف بہ حرف صحیح ہے۔

اپنے مضمون میں لیاقت ہونے یا نہ ہونے سے خود اپنی ذات اور دوسروں پر اثر پڑتا ہے۔ اپنی تدریسی زندگی کے ابتدائی دور میں راقم الحروف کو یہ احساس ہوا کہ وہ طالب علم جو درجے کے اندر بغیر تیاری کے آتے تھے، سبق میں دلچسپی نہیں لیتے تھے۔ اور عدم توجہی کا شکار رہتے تھے۔ اس کے اسباب کی چھان بین کرنے سے پتہ چلا کہ اس میں خطا طالب علم کی نہیں استاد کی تھی۔ طالب علم کو جب اس کا پتہ نہ ہو کہ اگلے دن سبق کا کیا رخ ہوگا، کون کون سے کام کرنے ہوں گے۔ اور کس قسم کے سوالات پوچھے جانے کی توقع ہے تو وہ بغیر تیاری کے ہی درجے میں آئے گا۔ دراصل اس دن کے سبق کے لئے نہ اس میں دلچسپی ہوگی اور نہ شوق۔ اس کے برعکس جب وہ تیار ہو کر آتے تو وہ اس قدر منہمک ہوتے کہ انہیں وقت بھی مشکل سے مل پاتا اور ان میں اس قدر اشتیاق ہوتا کہ اپنے کام میں مجوزہ وقت سے زیادہ دیر تک معروف رہتے۔

زیر تربیت استاد اور مبتدی استاد جب پہلے دن کے لئے سبق تیار کرتے ہیں تو اکثر انہیں پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اس گھنٹے کے لیے پوری تیاری نہیں کی ہے۔ جن لوگوں کو تین اسباق تیار کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے انہوں نے دراصل ایک گھنٹے کا بھی مواد نہیں تیار کیا۔ اگر ہم سے کہا جاتا کہ اپنی مرضی سے انتخاب کر کے سبق تیار کریں تو وقت کی تنگی کا بہت احساس ہوتا اور اگر ہمیں ایسا سبق تفویض کر دیا جاتا جس سے پوری واقفیت نہ ہوتی تو ایسا لگتا کہ وقت بہت زیادہ ہے اس طرح بے یقینی کا احساس ہمارے اندر

ایک قسم کی کشاکش پیدا کر دیتا ہے جس کا اثر ہمارے سامعین پر پڑتا ہے۔ اور ان میں بے چینی اور عدم توجہی پیدا ہو جاتی ہے۔

ادعائیت کے خلاف دوسری دلیل یہ ہے کہ جمہوری نظام ہیں۔ اسکول کو اسی وقت حق بجانب کہا جا سکتا ہے جب اسکول کے طلبا غور و فکر کرنا سیکھیں "، تعلیم کی اعلیٰ شکل وہ ہے جب تنقید اور جائزے کی صلاحیتوں کی نشوونما ہو اور خیال و عمل میں آزادی ہو۔

" ان باتوں کی روشنی میں تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ فرد کو معقول طریقے سے غور و فکر کرنے اور اپنے تجربات کی رہنمائی کے لئے تیار کیا جائے۔ تفکر کی صلاحیت بھی اسی کی ذریعے پیدا ہوئی۔ حقیقت میں تفکر کا اور کوئی کام نہیں سوائے اس کے کہ اس کے ذریعے افراد میں تنقیدی تجزیہ، فیصلہ، عمل جانچ اور جائزے کی صلاحیت پیدا ہو" ۵۸

ادعائی اور تحکمانہ ماحول میں نہ تو تنقیدی تجزیئے، نہ فیصلے اور عمل کی مشق کا موقع مل سکتا ہے اور نہ ہی علم اور واقفیت کے بغیر مؤثر طور پر انہیں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ تفکر کے لئے فکر کی آزادی اور وافر معلومات دونوں ہی ضروری ہیں۔ اس لئے تعلیم کی اعلیٰ شکل کے پیش نظر ایسے اساتذہ کی ضرورت ہے جو اس کے اہل ہوں اور ان میں ادعائیت نہ ہو۔

رواداری

ایسا لگتا ہے کہ لفظ رواداری کے ساتھ کسی حد تک رواداری نہیں برتی جاتی رواداری کی تعریف یہ کی جاتی ہے۔ کہ اس کے اندر تحمل کا مادہ ہو اور ربط ضبط کی صلاحیت ہو شاگردوں کے ساتھ کام کرنے میں اساتذہ کو رواداری سے زیادہ کچھ باتوں کی ضرورت ہے۔ انہیں اس بات کی بھی ضرورت ہے۔ کہ شاگردوں کی ستائش کریں اور ان کا احترام کریں، جاتی کے گندے ہاتھ اور ناخن اور ایبس کی سست آموزی کو محض جھیل لینا کافی نہیں۔ بلکہ ان حالات کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے جن میں اس طرح کی باتیں پیدا ہوتی ہیں

بچے جب اصرار کرتے ہیں اور کہتے ہیں" آپ کا برتاؤ مناسب نہیں" مجھے مطالعے سے نفرت ہوگئی ہے" مجھے عہد قدیم کی تاریخ پڑھنے کا کوئی مصرف نظر نہیں آتا" تو اس کو سمجھنے کے لئے ایک پختہ کار شخص کی ضرورت ہے۔ ادب کی ایک استانی نے لڑکے کے اس احتجاج پر" مجھے شاعری سے نفرت ہے" تعجب کے ساتھ یہ کہا" کیوں؟ محض اس لئے کہ تم اس کو سمجھ نہیں پاتے" پھر اس نے الفاظ اور جملوں کا مفہوم سمجھانا شروع کیا اور کئی ٹکڑے باواز بلند پڑھنے شروع کئے۔ اس لڑکے کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ استانی نے یہ دیکھ کر کہا" کیوں تم تو ایک اوسط طالب علم سے زیادہ اس کا استحسان کر رہے ہو" اس کے پہلے قول میں جو کچھ پوشیدہ تھا وہ رواداری سے زیادہ تھا۔ اور اس کے ذریعے لڑکے کا احترام کیا گیا تھا۔ لڑکے نے جواباً استانی کا احترام کیا اور ساتھ ہی ساتھ شاعری کا بھی احترام کرنے لگا

نفی کی صورت میں طلبا کا جذباتی اظہار محض ایک علامت ہے ایسی علامتوں پر استاد کو ایک پختہ کار شخص کی طرح رواداری برتنی چاہئے۔

" اگر آپ خود جذباتی طور پر مطابقت رکھتے ہیں۔ تو بچوں کے منفی اظہار پر آزردہ ہونے کے بجائے ان باتوں کو تسلیم کر لیجئے۔" مجھے اسکول سے نفرت ہے۔" آپ مجھے پسند نہیں" آپ کی نظر ہمیشہ میرے ہی اوپر پڑتی ہے۔" ان باتوں کو زیادہ معروضی اور غیر شخصی طور پر تسلیم کرنے سے آپ اس کام میں بچوں کی زیادہ مدد کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے احساسات کو سمجھ سکیں اور ایسی بصیرت حاصل کر سکیں جو اس کے کردار کی تشکیل میں معاون ہو۔" ۹

رواداری، ذہنی صحت کی طرح کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو کچھ مخصوص اقدام سے حاصل ہو سکے۔ یہ ایک نامیاتی عمل ہے جس کے اندر ذہنی فعل، جذباتی کردار اور جسمانی بہبود شامل ہے۔ یہ ایک شعوری عمل اور شخصی تجربے کا نتیجہ ہے۔ جو لوگ رواداری سے کام لینا چاہیں۔ ان کو اس حقیقت کا انکشاف ہو جائے گا کہ اس کے ذریعے ذہنی صحت میں ترقی ہوتی ہے۔ مثال کے

طور پر بچوں کی نشو و نما شباب کی نفسیات اور تعلیمی نفسیات کے ذریعے جب ذہنی عمل کو بہتر بنانے کی کوشش ہوتی ہے اور اس وقت جماعت کے طریقۂ کار کو بہتر بنانے کی بھی کوشش ہوتی ہے۔ اگر جسمانی صحت کے نظریئے سے رواداری پیدا کرنے کی کوشش ہو تو اس کے ذریعے یہ رویہ بھی پیدا کیا جا سکتا ہے کہ کام ایک لطف کا باعث ہے۔ اس طرح جماعت کے لئے ایک بہتر ماحول پیدا ہو سکتا ہے

شاگردوں پر استاد کے اثرات کی مثالیں

بعض تحقیقی مطالعوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ استاد کی شخصیت جیسی ہے۔ اور جیسی ظاہر ہوتی ہے۔ طالب علموں کے کردار پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔ اس باب کے اندر مندرجہ ذیل مثالوں سے اس تعلیم کا ثبوت ملتا ہے۔ اس کے ساتھ ذہنی صحت کو بہتر بنانے کے لئے اساتذہ کو کچھ مشورے بھی دیئے گئے ہیں۔

دو اساتذہ اور بد راہی

ویسٹ کوسٹ سٹی کے ایک افسر نے جو بچوں کے مسئلے سے تعلق رکھتا تھا ایک مقامی کلب میں تقریر کی۔ اس کا دعویٰ تھا کہ جنگ کے حالات کی وجہ سے اس کے شہر کے اندر طفلانہ بد راہی میں اتنا اضافہ نہیں ہوا ہے جتنا ویسٹ کوسٹ کے دوسرے شہروں میں۔ اس نے کئی ممکن عوامل کی طرف اشارہ کیا۔ ان میں سے ایک ذکر اس کمونٹی کا ہے۔ جس نے نوجوانوں کے لئے نائٹ کلب کا انتظام کیا اور حکم چلانے کا نہیں بلکہ نگرانی کا کام تربیت یافتہ بالغوں کو سونپا۔ اس میں اس بات پر بہت زور دیا گیا کہ کلب کے اندر منظم جسمانی ورزش کے مواقع فراہم کئے جائیں۔ بعد میں یہ بتایا گیا کہ ان لڑکوں میں سے جنہوں نے منظم جسمانی ورزش میں حصہ لیا، ایک بھی ایسا نہیں تھا جو گذشتہ تین برسوں میں کبھی کسی مشکل میں گرفتار رہا ہو۔ یہاں اساتذہ کے ساتھ ساتھ والدین کے رول کی بھی اہمیت بتائی گئی۔ مقرر نے اس کامیابی کا سہرا دو اساتذہ کے سر باندھا۔ ان دونوں نے انفرادی طور پر لڑکوں کے ساتھ کام کیا۔ انہیں اپنے شاگردوں کے

اندر جب بھی کوئی مسئلی کردار نظر آیا تو اس کو اس بات سے تعبیر کیا کہ انہیں مطابقت پذیری کی ضرورت ہے۔ ان اساتذہ نے شاگردوں کی مسائل کی چھان بین کی اوران کے منفی حالات کو بدلنے کی کوشش کی۔ اس میں جب بھی ناکامی ہوئی۔ تو انہوں نے صلاح کا ذریعہ اختیار کیا جس کی صلاحیت ان میں موجود تھی۔ انہوں نے لڑکوں کی مدد کے لئے وقت نکالا۔ وہ ایسی بصیرت رکھتے تھے۔ کہ بدراہ لڑکوں کے کردار کو پہلے سے بھانپ لیں۔ وہ ان کرداروں کو جو مشکلات کا پیش خیمہ ہوتے پہلے سے تاڑ لیتے۔

پڑوسی شہروں کے حالات سے یہاں کے حالات بہت مختلف تھے۔ ریاستی اسکول سے دو لڑکے بھاگ گئے اور اڑتالیس گھنٹے کے اندر انہوں نے دو کاریں چرائیں، ایک اسٹور پر قبضہ جمایا اور دوسرے اسٹور میں گھس پڑے۔ ایک گشتی سپاہی کو شدید طور پر زخمی کیا اور ایک عورت کو قتل کیا جس کی پاداش میں انہیں جیل کی ہوا کھانی پڑی۔ ایک اخبار میں ان میں سے ایک لڑکے کے حالات یوں بیان کئے گئے ہیں۔

”نوجوان نے کہا مجھے نہیں معلوم کیا ہوگیا“

اس نے کہا۔ اس کا گھرانا بہت خوش وخرم ہے۔ اس نے رقم کے لئے چوری نہیں کی۔ وہ غریب نہیں ہے۔

”میں تین برس پہلے گھر سے بھاگا، ایک جگہ چھپا رہا اور پھر وہاں گیا میں نے ایسا اس لئے کیا کہ مجھے اسکول پسند نہیں۔“

بلاشبہ اس کا امکان ہے کہ وہ لڑکا نفسیاتی مریض ہو۔ اس کے لئے کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بھی امکان ہے کہ اسکول کے بارے میں اس کی رائے محض ایک بہانہ ہو۔ لاج رکھنے کی ایک ترکیب ہو لیکن اس کا بھی امکان ہوسکتا تھا کہ استاد اس کی مدد کرتا یا کوئی ایسا استاد اس کی دستگیری کرتا جو بدراہ کردار کی شناخت کرسکتا اور اس کے کردار امداد کی جانب ایک اشارہ سمجھتا۔

لوکسٹ یونٹ کا واقعہ

ڈاکٹر رتھ۔ ای۔ فیر بینک (Dr. Ruth E. Fairbank) نے ذہنی حفظان صحت کے ایک عملی پروگرام کی رپورٹ میں بتایا کہ بچوں کے ساتھ انفرادی طور پر کیا کارنامے انجام دیئے گئے ہیں نلہ لوکسٹ یونٹ نے جو بالٹی مور میری لینڈ کا ایک سیکشن ہے۔ ایک اسکول سروے کے ذریعے پتا چلایا کہ ۱۲۸۱ لڑکوں میں سے صرف ۱۶۶ لڑکے ایسے تھے جن کے بارے میں خراب پیشین گوئی کی جا سکتی تھی۔ اس پیشین گوئی کی بنیاد ذہانت کی جانچ کے نتیجے اور کمونٹی اور گھر کے حالات کے تجزیے پر تھی۔ ۱۶۶ تحت طبیعی لڑکوں کے گروپ کو کئی ذیلی گروپ میں بانٹ دیا گیا ان میں سے ۲۲ لڑکے ایسی معذوریوں میں مبتلا تھے کہ لگتا تھا وہ سماج پر ایک بوجھ بن جائیں گے۔ ۷۸ لڑکوں کے بارے میں یہ پیشین گوئی کی گئی کہ وہ سماج کی نچلی سطح پر زمانے کی رو میں بہہ جائیں گے اور بقیہ ۶۶ کے بارے میں امکان ہے کہ کسی قدر اعلیٰ ذہانت رکھنے کے باعث سماج کے لئے مفرت رساں ہوں گے۔

ایک فالواپ اسٹڈی سے سترہ برس بعد پتہ چلا کہ ۱۲۲ میں سے تین چوتھائی جن کا دوبارہ مطالعہ کیا گیا۔ خود کفیل تھے باوجودیکہ مالی مشکلات میں گھرے ہوئے تھے۔ (۳۱-۱۹۳۰ء) بائیس لڑکے جن کے بارے میں خراب ترین پیشین گوئی کی گئی تھی۔ عصمت فروشی۔ قانون کی خلاف ورزی اور دست نگری میں زندگی گزار رہے تھے اور اس سے نیچے گر گئے تھے جس کی پیشین گوئی کی گئی تھی۔ ڈاکٹر فیر بینک لکھتے ہیں۔

۱۲۲ تحت طبعی لوگوں میں سے جب تین چوتھائی خود کفیل ہو گئے۔ وہ بھی ایسے زمانے میں جب سرد بازاری کا دور تھا تو اس سے بہ ظاہر ہوتا ہے کہ تحت طبعی لڑکوں کی معاشی دست نگری کے بارے میں جو ہمارے خیالات تھے ان پر اس حد تک نظر ثانی کی ضرورت ہے کہ ماحول اگر خوشگوار ہو تو افراد پر ضرور اثر ہوتا ہے۔ ساله

مذکورہ بالا خوشگوار ماحول میں استحکام پیدا کرنے والے عوامل میں جو باتیں شامل ہیں وہ یہ ہیں۔ اسکول کا وہ عملہ جو والدین کے ساتھ کام کرتا ہے۔ جسمانی ورزش کے منظم پروگرام، شادی کرانے کی سہولیت فراہم کرنا اور کسی شخص کی صلاحیتوں کے مطابق ملازمت کا انتظام۔ لیکن یہ کام اسکول کا ہے (جدید طرز پر اسکول کی عمارت تو کھڑی ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ عمارت صرف اسکول ہاؤس نہیں بلکہ پوری کمونٹی کے لئے ایک سماجی، تفریحی اور تعلیمی مرکز کا کام دیتا ہے۔) البتہ اساتذہ کو اس بات کے لئے سراہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے لوکسٹ پوائنٹ کی صلاحیتوں کو کمونٹی کے لئے ایک سرمائے میں تبدیل کر دیا۔ ایسے کاموں کے لئے خوب دیکھ بھال کر اساتذہ کا انتخاب کیا جاتا ہے ''اِن اساتذہ میں افراد کی جانب تفہیم اور ہمدردی کا رویہ ہونا چاہیے۔ یہ اساتذہ اپنے شاگردوں کے ساتھ : تعا' کام نہیں کرتے بلکہ ان کے اندر شخصی، سماجی اور اقتصادی مطابقت پیدا کرنے کا بھی کام کرتے ہیں۔

اس قسم کے کمرۂ جماعت میں استاد کی شخصیت کیا اہمیت رکھتی ہے۔ اس کا خاکہ ایک استانی نے بہت اچھی طرح بیان کیا ہے۔ اس کے درجے میں ذہنی طور پر پس ماندہ بچوں کی اکثریت تھی۔ وہ استانی معاشرت پسند تھی، اپنے شاگردوں کے گھریلو حالات سے پورے طور پر باخبر تھی، اس کا رویہ بہت ہمدردانہ تھا، وہ کسی نہ کسی طرح اپنے شاگردوں کو، کبھی اپنے کام میں نفاست پیدا کرنے کے نام پر اور کبھی خدا کے نام پر آمادہ کر لیتی تھی۔ ایک لڑکی نے اس بات کو یوں بیان کیا ہے۔''مس ہناح مجھ سے ہمیشہ کہتی تھیں کہ قسم ہرگز نہ کھاؤ، نہ شراب پیو، نہ کسی لڑکے کو ہاتھ لگانے دو۔ میں نے ہمیشہ اس پر عمل کیا۔

یہاں بھی ہمیں ان اثرات کا اندازہ ہوتا ہے جو ابتدائی برسوں میں اساتذہ کے ساتھ خلط ملط بڑھانے سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ اساتذہ بے اصولے تو نہ تھے لیکن اس بات پر آمادہ رہتے تھے کہ اپنے شاگردوں پر جارحانہ طور سے پرانے زمانے کا وہ اخلاق تھوپ دیں جس کے اندر نفاست کے اصول، انفرادی شخصیت کے لئے احترام اور ذہن کی صفائی شامل ہوئی تھی، اس سروے کا سب سے زیادہ نمایاں نتیجہ یہ نکلا کہ بچپن میں جن لوگوں سے استاد کا بہت خلا

ملا تھا۔ ان پر استاد کا اثر زیادہ تھا ابھی تک سائنس شخصیت کی آزمائش قدر کے لئے کوئی جانچ کا طریقہ نہیں ایجاد کر سکی ہے بلکہ صرف زندگی کی بالیدگی اور نشو و نما کی جانچ کے ذریعے اس کا پتہ چل جاتا ہے۔

اساتذہ علامت کے اظہار کا ذریعہ بن سکتے ہیں

کلارا بیسٹ (*Clara Basset*) نے مسائل کا تجزیہ کرتے ہوئے تین کالم میں ایک دلچسپ مسئلہ پیش کیا ہے جس پر قیاس آرائی کی جا سکتی ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل اعداد و شمار پیش کئے گئے ہیں۔

مسئلی کردار	استاد (الف)	استاد (ب)	استاد (ج)
شاگردوں کی تعداد	۴۵	۴۷	۴۷
بے ایمانی	۳	۱۲	۴۳
فریب دہی	۱۸	۳۴	۴۰
بے ترتیبی	۱۸	۱	۴۷
کام میں لاپرواہی	۱۷	۹	۴۵
مطالعے میں ناکامی	۲۶	۵	۴۴
جھجھک	۵	۲	۳۷
فضول گوئی	۴	۳۲	۳۷
خواب بیداری	۰	۲	۲۶
غمگینی	۰	۰	۱۷

کیا استاد (ج) نے یہ علامتیں پیدا کرائیں۔ کیا ستاد نے لڑکوں کے مسائل کو پہلے سے بھانپ لیا تھا اور اپنے شبہے کی تسکین کے لئے ان کرداروں کو ابھارا کیا استاد (ج) دوسروں کے مقابلے میں زیادہ چوکس رہتا ہے؟ کیا استاد (ج) کے شاگرد شروع میں سب سے زیادہ برے تھے؟ ان سوالوں کے جواب سے قطع نظر ہم میں سے بہت سے لوگ اپنے بچوں اور بچیوں کو استاد (ج) کے پاس نہیں بھیجیں گے۔ اگر بچے اور بچیاں مسئلہ بھی ہوتیں تو بھی ہماری خواہش

ہوتی کہ استاد کچھ منفی کرداروں کو نظرانداز کر جائے بیسٹ نے اس کو مندرجہ ذیل طریقے پر پیش کیا ہے۔

مختلف سائنز کی جماعتوں میں مسئلی بچوں کے کردار کا جو مشاہدہ کیا گیا۔ اور ان میں جو تنوع نظر آیا اس کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ یا تو ان تینوں اساتذہ نے اپنے اپنے شاگردوں کو اس بات کے لئے اکسایا کہ وہ متنوع کردار کا مظاہرہ کریں یا پھر اپنے شاگردوں کے مسئلی کردار کا مشاہدہ کرنے میں خود ان کے احساس کی شدت میں تنوع تھا۔ مندرجہ بالا کالم میں اگر مقابلے کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ایک استاد کو بقیہ دو کے مقابلے میں زیادہ فی صد مسائل پیش آئے :-

نقص مطابقت رکھنے والا ایک استاد اپنے شاگردوں پر اثرانداز ہوتا ہے

بیسٹ نے ذیل میں جس تحقیقی مطالعے کا ذکر کیا ہے اس سے بھی دعوت فکر ملتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس نے اپنے دعوے کی دلیل میں شمارے نہیں پیش کئے۔ اس کے اختتامی جملوں سے جو اصول اخذ کیا جا سکتا ہے۔ اس سے اساتذہ، پرنسپل، ماہرین نفسیات اور ماہرین امراض نفسی بھی اتفاق کرتے ہیں۔

جس طرح درجہ اوّل کی استانی تھیں۔ وہ درمیانی عمر کی تھیں، ایک سماجی کارکن جب ایک مریض کے بارے میں کچھ معلومات فراہم کرتے آیا تو وہ جذبات کی شدت سے پھٹ پڑیں۔ ان کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا اور وہ بے حد مشتعل تھیں۔ وہ پرنسپل اور سپرنٹنڈنٹ پر ملامت کر رہی تھیں کہ ان دونوں نے ان کے خلاف ایک سازش پھیلا رکھی ہے۔ مس۔ اے کو برسوں سے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ ان کے خلاف امتیاز برتا جاتا ہے۔ لیکن حال ہی میں ان کا شبہ پکا ہوگیا۔ انھوں نے اپنے شبہے کے کئی واقعات دہرائے ایک تجربہ کار کلنک ورکر کے لئے یہ بات واضح تھی کہ مس۔ اے شدید قسم کی ذہنی کیفیت میں مبتلا ہیں جس کا علاج برسوں پہلے ہونا چاہئے تھا۔ ان کے بچپن کے بارے میں جب

سوالات کئے گئے تو پتہ چلا کہ مس۔ اے دو بچوں سے بڑی تھیں۔ ان کے والدین کو ایک لڑکے کی بہت خواہش تھی اور اس کے بعد مس۔ اے پیدا ہوئیں۔ کچھ دن کے بعد ایک بھائی پیدا ہوا مس۔ اسے فوراً پس پشت پڑ گئیں۔ والدہ اور والد دونوں نے اسی لڑکے کو اپنی توجہ کا مرکز بنا لیا اور اس کو اپنی بہنوں کے مقابلے میں تمام خوبیوں کا مجموعہ سمجھ لیا گیا مس۔ اسے کی نہ تو کسی کو حاجت تھی اور نہ اس کو کسی کا پیار ملتا تھا وہ اپنے والدین کی ناانصافی اور اپنے اس بھائی کے خلاف اندر ہی اندر سلگنے لگی جس کو ہر لمحے وہ چیز میسر آجاتی جس کی اس کو تمنا تھی شاید اس کی نفسیاتی عادتوں اور اس کی زندگی کی کوتاہیوں کی یہی بنیاد تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس استانی کے جذباتی مسائل لاشعوری طور پر ان بچوں میں سے بہتروں پر اثر انداز ہوئے جو اس کی کلاس میں پڑھ چکے تھے۔

استاد شاگرد کے تعلقات سے متعلق شماریاتی ثبوت

یہ تسلیم کرنا ایک بات ہے کہ شاگردوں کے کردار پر استاد کی شخصیت کا اثر پڑتا ہے۔ لیکن اس کو ثابت کرنا دوسری بات ہے۔ سماجی روابط پر بہت سے عوامل اثر انداز ہوتے ہیں۔ جو ایک مخصوص کردار کا سبب بنتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا خطرناک ہے کہ کسی مخصوص کردار کا کوئی خاص عامل ہے۔ مدرسے کے کارکنوں کا اس امر پر یقیناً اتفاق رائے ہے کہ شاگردوں کے عمل کو ڈھالنے میں استاد کی شخصیت بہت اہمیت رکھتی ہے۔ مختلف تحقیقی مطالعوں سے اس خیال کو تقویت بھی ملتی ہے۔ ان میں سے ایک مطالعہ ہال۔ ایل۔ بوائنسٹن اور اس کے ساتھیوں کا ہے[۱۶] انہوں نے اس خیال کی تعلیم کے لئے کافی اعداد و شمار فراہم کئے ہیں وہ اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ ذہنی طور پر صحت مند استاد اپنے شاگردوں کی ذہنی صحت پر نمایاں طور پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کام کے لئے پانچویں اور چھٹی جماعت کے ۷۳ استادوں کی ذہنی صحت کا مطالعہ کیا گیا۔ پھر اسی طرح کا مطالعہ ۱،۹۵ شاگردوں پر کیا گیا۔ اس سے یہ پتہ چلا کہ جذباتی طور پر مضبوط اور ذہنی طور پر صحت مند اساتذہ کے شاگردوں کی ذہنی صحت ان شاگردوں کی ذہنی صحت سے

نمایاں طور پر بہتر ہے جن کے اساتذہ کی ذہنی صحت خراب تھی۔ بے استقلالی کی تمام پیمائشوں میں اِن شاگردوں نے زیادہ نمبر حاصل کیے بمقابلہ ان شاگردوں کے جنہیں متوازن اساتذہ کی سرپرستی حاصل رہی

استاد اور جذباتی کیفیت

ڈیوڈ ۔اے۔ پریس کوٹ (David A. Prescott) نے استاد کی شخصیت اور شاگردوں کے کردار پر ایک غیر معمولی اور جامع مطالعہ پیش کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ استاد کی شخصیت سے متعلق یہ بیان اور اس کے اثرات پر ہر استاد کو بہت احتیاط سے غور کرنا چاہیے۔

مختلف لوگ اپنے ملنے جلنے والوں پر مختلف اثرات ڈالتے ہیں اور مختلف گروپوں کی مزاجی کیفیتیں اتنی ہی مختلف ہوتی ہیں۔ جتنی قطب شمالی اور منطقہ حارہ کی موسمی کیفیتیں۔ کچھ لوگ اپنے فرائض کی انجام دہی میں گرمی اور رطوبت کی وجہ سے ایسا اضمحلال محسوس کرتے ہیں جو عام طور پر سطح سمندر سے اونچی جگہ پر لیے ہوئے کسی شہر میں لوگ وسط گرما میں محسوس کرتے ہوں۔ بعض لوگ ایسی خوش مزاجی کے ساتھ اپنی عام ذمے داریاں انجام دیتے ہیں۔ جو عام طور سے کسی اونچے پہاڑ پر موسم خزاں میں پیدا ہوتی ہے۔ غرض زندگی کا مزا ہمارے گرد و پیش کے ماحول کے مطابق کبھی شیریں ہے کبھی تلخ، کبھی معطر ہے۔ کبھی بدبودار اور کبھی تیز ہے اور کبھی روکھا۔

یہ محض اتفاق نہیں کہ مسئلی بچے ان گھروں سے آتے ہیں جو طلاق کے سبب منتشر ہو گئے ہیں۔ ان بچوں کی زندگی پر گرد و پیش کے انتشار اور تصادم کا بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ یہ بھی اتفاق نہیں ہے کہ بڑے شہروں میں عام طور پر بد راہ بچے ایک مخصوص طبقے میں نظر آتے ہیں۔ ان کی غربت اور فلاکت اور دوسروں کی دولت اور شان و شوکت میں اتنا قرب ہے کہ ہر وقت کمتری کا احساس پیدا ہوتا رہتا ہے۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ مزاج تلخ ہو جاتا ہے۔ بچوں پر گرد و پیش کی جذباتی کیفیت کا بہت جلد احساس ہو جاتا ہے اور جن لوگوں سے ان کا سابقہ

پڑتا ہے۔ ان کی مزاجی کیفیت کا گہرا اثر، ان کے رویوں، تصورات، اقدار، مقاصد اور ان کی مایوسیوں اور خوشیوں پر پڑتا ہے۔ فی الحقیقت یہ بات آسانی کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ زندگی کے نظریے، عام تصورات منصب کا شعور اور جذباتی رویئے عام طور سے بچے دوسروں کے عمل یا گردوپیش کے لوگوں کے جذبات سے غیر شعوری طور پر سیکھتے ہیں۔ اس کی وجہ سے پڑھنے اور شکلیں بنانے میں مہارت پیدا کرنے کے مقابلے میں آموزش کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔

ایسی صورت میں یہ سوال ضرور اٹھانا چاہیئے کہ ملک کے مدرسوں میں جذباتی کیفیت مناسب اور موزوں ہے کہ نہیں۔ یہ ماحول ویسا ہی پر لطف اور خوشگوار ہے۔ جیسا بچپن سے منسوب کیا جاتا ہے؟ یا یہ ماحول خشک روکھا، بے رنگ اور بوجھل ہے۔ یا تناؤ، کھنچاؤ یا امتناع اور ناکامی کا ماحول ہے؟ کیا بچہ غیر شعوری طور پر اس تیقن کا احساس پیدا کر رہا ہے کہ وہ بھی ایک اہم آدمی ہے اور دنیا میں اسے کارہائے نمایاں انجام دینے ہیں؛ یا اس کو یہ محسوس ہو رہا ہے کہ زندگی ایک بے ربط کشمکش کا نام ہے۔ جس میں کسی قسم کا سہارا نہیں اور اس کی قسمت تاریک ہے؟ کیا بچہ یہ محسوس کرتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ ہیں اور وہ اس معاشرے کا ایک فرد ہے۔ جو تابناک مستقبل کی طرف گامزن ہے؛ یا اس کو یہ محسوس کرایا گیا ہے کہ وہ لوگ بنیادی طور سے اس کے حریف ہیں خاص طور سے وہ لوگ جو اس کو غیر اہم اور بے لطف کام سونپتے ہیں۔

پریس کوٹ نے جو سوالات اٹھائے ہیں ان کو سمجھنا آسان ہے لیکن ان کے جوابات فراہم کرنا آسان نہیں، دراصل اس بات کا بیشتر حصہ انہیں نظریات پر مشتمل ہے جو اس نے پیش کئے ہیں۔

شاگردوں کے کردار کے لیے اساتذہ کی ذمہ داری

مذکورہ مباحث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاگردوں کے موجودہ کردار اور ان کی نشوونما کی بڑی حد تک ذمے داری درجے کے اساتذہ پر ہے ایک شخص جو کچھ ہے اور جو کچھ وہ کرتا ہے شخصیت ان دونوں سے عبارت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ استاد آدمی

کیسا ہے اور اس کا طریقہ کار کیا ہے؟ ان دونوں باتوں کے اثرات شاگردوں کے افعال پر پڑتے ہیں۔ کیونکہ کبھی وہ غیر شعوری طور پر ان کے کردار کو اپناتا ہے اور کبھی شعوری طور پر ان کے کردار کی نقل کرتا ہے۔ اس حصّے میں بعض ایسی ذمے داریاں مختصراً بیان کی گئی ہیں۔ جو اساتذہ پر عائد ہوتی ہیں۔

استاد کو ذہنی طور پر ضرور صحت مند ہونا چاہیئے

ذہنی صحت کے مفہوم اور اس کی ترقی سے متعلق جلد کی جلد کتابیں لکھی جاچکی ہیں۔ اساتذہ کی ذہنی صحت سے متعلق ضروری عوامل کا ذکر اسی کتاب میں کسی اور جگہ کیا گیا ہے فی الوقت ہمیں ان عوامل کے خلاصے پر اکتفا کرنا ہوگا جو بچوں کے کردار پر بہت اثر انداز ہوتے ہیں۔

جسمانی صحت کے عوامل پر توجہ دینے کی ضرورت ہے، پوری نیند، مناسب غذا مناسب جسمانی ورزش اور آرام واطمینان کے لئے وقت نکالنا ضروری ہے۔ یہ باتیں ایسی ہیں جن سے ذہنی طور پر صحت مند استاد کو الفت ہونی چاہئے۔ ایک مقررہ کام، ایک منصوبہ اور منصوبے کی تکمیل کے لئے آزادی، استاد کے لئے بھی اتنی ہی ضروری ہے۔ جتنی شاگردوں کے لئے اساتذہ کو چاہئے کہ وہ اپنے فلسفۂ زندگی اور اپنے علم کو اتنا متعین بنائیں کہ پوری وضاحت کے ساتھ ضبط تحریر میں لاسکیں آج کا فلسفہ وہ نہیں ہوگا۔ جو اگلے مہینے اور اگلے برس میں ہوگا۔ لیکن اس کا تعین ضروری ہے تاکہ بالیدگی کی سمت کا تعین ہوسکے۔ رہنمائی کی ذمے داری ہونے کی وجہ سے۔ دوسروں کے مقابلے میں اساتذہ کو اس کی زیادہ ضرورت ہے کہ ایک مطابقت پذیر اور لچک دار ذہن پیدا کریں۔ اس سلسلے میں قدم اٹھانے کے لئے حالیہ منصوبوں سے واقفیت ضروری ہے۔ ان منصوبوں میں ان۔ سروس کلاس اسکول کے اندر کسی قسم کا تجربہ یا منصوبی مطالعے کے پروجیکٹ شامل ہوسکتے ہیں اس پروگرام میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے مطالعے مثلاً موجودہ کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ یا پھر اس کے حصول کے لئے سماجی خلا ملا کے فعال ذرایع پیدا کرنا مفید ہوگا۔ ان ذریعوں میں کلب، چرچ، برج کلب، پک نک اور رات کے کھانے

پر دوستوں سے ملاقات کی شمولیت ہو سکتی ہے۔ نابخت طلبا کے ساتھ مستقل طور پر جو خلا ملا رہتا ہے اسی کے بقدر بالغوں کے ساتھ بھی خلا ملا پیدا کرنے کے باقاعدہ منصوبے بنائے جا سکتے ہیں۔ اس کے لئے مزید کچھ ایسی صورتیں پیدا کرنی ہوں گی جو لطف کا باعث بن سکیں جیسے آرٹ، ڈراما، فلم، جسمانی ورزش کے مقابلے، تخلیقی مشغلے، میوزک اور ایسے ذرائع جو جذباتی تسکین کا باعث ہوں .....

توقع کی جاتی ہے کہ آئندہ استادوں کی تربیت کے لئے زیادہ موزوں امیدوار کا انتخاب کیا جا سکے گا۔ ایسے امیدواروں کا جو ذہنی طور پر صحت مند ہوں۔ جن کا سابقہ ماحول ایسا رہا ہو جس میں مطابقت پیدا کرنے کے امکانات مستقل طور پر نظر آتے ہوں مستقبل میں شاید اساتذہ کو نفسیاتی اور نفسی امراض سے متعلق خدمات حاصل ہوں گی تاکہ ان کے شخصی مسائل کو حل کرنے میں مدد مل سکے۔ اس دوران اساتذہ انفرادی طور پر اپنی ذہنی صحت کو برقرار رکھنے اور اس کو بہتر بنانے کے سلسلے میں بہت کچھ کر سکتے ہیں اس کا نقطۂ آغاز یہ ہے کہ ایک مطمئن زندگی گذاری جائے۔ ایسی زندگی جس کی دلچسپیاں کافی متنوع ہوں تاکہ روزمرہ کے چھوٹے موٹے ذاتی جھگڑوں سے دماغ کو محفوظ رکھے۔

اساتذہ اپنے بچپن ہی کی بنیاد پر نشوونما پاتے ہیں

ماہرین نفسیات و امراض نفسی و بالغ شخصیت کی تشکیل کے ابتدائی برسوں پر بہت زور دیتے ہیں۔ یہ اصلیت ہمیں تسلیم کرنی چاہئے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے سابقہ تجربات کی پیداوار ہے۔ اس بیان کی بار بار تکرار کی جاتی ہے اور اس میں بہت کچھ حقیقت بھی ہے۔ ہم اسی طرح پڑھاتے ہیں جیسا ہم کو پڑھایا گیا ہے لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ ہر شخص نمو پذیر ہوتا ہے۔ کبھی کبھی یہ نمو بہت دھیمی ہوتی ہے اور کبھی ناپسندیدہ رخ اختیار کر لیتی ہے۔ ہم یہ باور کر لیتے ہیں کہ تعلیم میں ترقی ہو رہی ہے لیکن کبھی کبھی اس کی رفتار اتنی کم ہوتی ہے کہ بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ اگر اس تبدیلی کی نہج کا تعین کسی منصوبے کے تحت کیا جائے تو تعلیمی ترقی کی رفتار تیز ہو سکتی ہے اور جن طریقوں سے ہم کو پڑھایا گیا ہے اس سے بہتر طریقہ تعلیم

دریافت کیا جاسکے گا۔ ترقی کے لئے ایک اُلٹ کار بننے کی آرزو میں ہم سب برابر کے شریک ہو سکتے ہیں لیکن اس راہ میں مشکلات بھی ہیں جن کا علم پہلے سے ہو جانا چاہیئے۔

طبعی عمر، منصب، معیشت، ملکیت، مرتبہ، طاقت اور دوسری سماجی حیثیوں کے باوجود تمام عمر ہماری خواہش رہی ہے کہ چھوٹے بچے بنے رہیں۔ اس احساس کے پیچھے ایک طویل بچپن کا تجربہ ہوتا ہے جس کو ہم فراموش کر چکے ہوتے ہیں۔

والدین کی طرح شاگردوں میں بھی اساتذہ کو تکرار عمل کی صورت نظر آتی ہے یہی تکرار عمل خود ان کے مسائل کی جڑ ہے اسی لئے وہ اپنے شاگردوں پر بھی اسی قسم کا تاثر پیدا کرنا چاہتے ہیں، ان کی ننھی حرکتوں پر سخت سزائیں دیتے ہیں، اور اپنی گفتگو اور طور وطریق سے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں اس طرح وہ اپنے بچپن کی بھولی بسری یادوں کو تازہ کرتے رہتے ہیں۔ البتہ ان بچوں کے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آتے ہیں۔ جن سے اپنی جذباتی سلامتی کی محافظت نظر آتی ہے۔ باوجودیکہ وہ بچے ناپسندیدہ بچوں کی ہی طرح نافرمانی اور کام میں کوتاہی برتتے رہیں۔ شاگرد اپنے اساتذہ کے ہی رحم وکرم پر ہوتے ہیں اور گھر کے ہی مانند ان کے تناؤ، جذبے، مایوسی اور آزردگی سے دوچار ہوتے ہیں۔" [19]

جس باب سے یہ اقتباس نقل کیا گیا ہے اس میں ڈاکٹر فربنیک نے یہ بتایا ہے کہ وہ اس بات میں یقین نہیں رکھتے کہ بچپن کے تقاضے ناممکن الحصول ہیں۔ بالیدگی کا حصول اس بات پر منحصر ہے کہ ایک شخص اپنی صلاحیتوں اور معذوریوں سے کس حد تک آگاہ ہے ہم خود کو اور دوسروں کو سمجھنے کا گر سیکھ سکتے ہیں۔ ہمیں اپنی کوتاہیوں پر شرمندہ نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ ان کوتاہیوں کو دور کرنے کا منصوبہ بنانا چاہیئے۔ اس کی جانب پہلا قدم یہ ہے کہ مسائل کی تفہیم پیدا کریں، دوسرا قدم یہ ہے کہ شخصیت کو سنوارنے اور طریقۂ تدریس کو سدھارنے کے لئے منصوبہ بنائیں اور تیسرا یہ کہ صبر سے کام لیں۔ اس لئے کہ بالیدگی کی رفتار سست ہوتی ہے۔

اساتذہ کو چاہیئے کہ اپنے بچپن کی باتیں فراموش کر دیں

راقم الحروف کو یہ بات پسند نہیں کہ انفرادی فرق کی جانب متوجہ کرائے اس لئے کہ اساتذہ کے کان اس لفظ سے اتنے آشنا ہیں کہ اس کا مزید ذکر الفاظ کا گورکھ دھندا نظر آنے لگے گا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ افراد کو تسلیم کرنا اور انفرادی فرق پر زور دینا مؤثر تعلیم کا ایک مرکزی نقطہ ہے۔ مذکورہ بالا مباحث میں درجے کی عام فضا اور گروپ پر استاد کے تاثرات کا خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے یہ بنیادی طور پر یاد رکھنا چاہیئے کہ جان، میری، ایلبس اور پیٹر اس گروپ کے زندہ عناصر ہیں۔ استاد کی مسکراہٹ، اس کی آواز اس کے تعریفی کلمات اور اس کے مجوزہ کام جان، میری، ایلبس، اور پیٹر کے لئے ایک مخصوص مفہوم اور مناسبت رکھتے ہیں۔

کسی بچے میں تحریک پیدا کرنے کے لئے جو مزاج کا انداز مؤثر ہوتا ہے وہ دوسرے بچے پر کارگر نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی بچے میں تحریک پیدا کرنے کے لئے ہلکا طنز کافی ہوتا ہے۔ لیکن دوسرے کے لئے بالکل ہی بے کار ثابت ہوتا ہے۔ کسی بچے کو مزید اکسانے کے لئے ستائش کارگر ہو سکتی ہے لیکن یہی ستائش دوسرے بچے کے اندر یہ احساس پیدا کر سکتی ہے کہ وہ دوسروں سے برتر ہے چنانچہ وہ مزید ترقی کے لئے کوشش نہیں کرتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ درجے کی نفی کو خوشگوار بنانے کے لئے کوئی عام اصول اگر پیش کیا جائے تو اس بات کا خطرہ ہے کہ وہ کسی مخصوص فرد کے لئے موزوں نہ ہو۔ اساتذہ ان عام اصولوں کو ان تفصیلات کی روشنی میں پیش کرتے ہیں جو کسی مخصوص بچے کے بارے میں انہوں نے حاصل کی ہیں۔ پس اگر کسی خاص عمر کے بچوں کی عام خصوصیات کو جاننا ضروری ہے تو یہ بھی ضروری ہے کہ جان، میری، ایلبس اور پیٹر کے بارے میں بھی علم حاصل کیا جائے۔

بغیر سوچے سمجھے رائے زنی کرنے سے ضرور پرہیز کرنا چاہیئے

یہ قابل یقین نہیں ہے کہ کوئی بھی استاد اپنے شاگردوں کے لئے کینہ پرور توہین آمیز اور تکلیف دہ کلمات کہے گا پھر بھی راقم الحروف نے ایسے کلمات سنے ہیں اور بہت سے طلبا یہ شکایت بھی لے کر آتے ہیں۔ کہ ان کے لئے اس قسم کے کلمات استعمال کئے گئے ہیں۔ بعض اساتذہ گونگا بدمعاش، سست، ناکارہ، کمینہ، سرکش، گندہ، نجس، جاہل، بدتمیز، شیطان اور اس قسم کے کلمات کا استعمال کرتے ہیں۔ اس قسم کے کلمات کا اثر کردار کے اسباب پر نہیں پڑتا۔ لیکن ان نوعمر لڑکوں پر جو اپنے اساتذہ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں، ایک مستقل اثر چھوڑ جاتے ہیں۔ ایک تجربہ کار مشاہدہ میں گو اس قسم کے کلمات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ استاد ان اثرات سے ناواقف ہے جو ان الفاظ سے بچے کی شخصیت پر پڑتے ہیں۔ اس قسم کے کلمات سے استاد دراصل اپنے شاگردوں کے بجائے خود اپنا اظہار کرتا ہے۔ طالب علموں پر اس کا اثر یہ ہوتا ہے جیسے ان کو ناپسند کیا جارہا ہو اور اس درجے میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس طرح بچہ اپنی ایک بنیادی حاجت کی تسکین سے محروم ہوجاتا ہے۔

خلاصہ

کسی مخصوص صورت حال میں درجے کے خوشگوار ماحول پر اثر انداز ہونے والے عوامل یہ ہیں۔ نصاب مدرسہ، طریقہ تدریس، عمارت، سامان تعلیم کمونٹی اور شاگرد۔ اور ان میں سب سے زیادہ خود استاد کی ذات ہے جیسا استاد ویسا اسکول، یہ ایک ایسا مقولہ ہے کہ اگر استاد کو موثر بنانا ہو تو اس کو پورے طور پر سراہنا چاہیئے۔ ایک شخص جو کچھ ہے۔ جو کچھ کرتا ہے اور جو کچھ بنے گا وہ سب مل کر شخصیت کی تشکیل کرتے ہیں۔ خاص طور سے جب اس کا تعلق سماجی تاثیر سے ہو۔ شاگردوں کو نمو، رفتار

اور سمت کا تعین استاد کی شخصیت پر مبنی ہے نہ کہ اس کے علم اور اس کے طریقۂ تدریس پر۔ یہ بات اس لئے صحیح ہے کہ (۱) اسکول کے روابط مسلسل ہوتے ہیں اور بہت قریب کے ہوتے ہیں (۲) شخصی روابط شاگردوں کی آموزش پر اثر انداز ہوتے ہیں اور (۳) استاد شعوری یا غیر شعوری طور پر لڑکوں اور بالغوں کی بالیدگی کے لئے ایک مقصد کی حیثیت رکھتا ہے۔

اساتذہ کو خاص طور سے شخصیت کے یہ پہلو ملحوظ رکھنے چاہئیں، لباس، آواز، مسکراہٹ، اثباتی رویہ، ادعا کے بغیر لیاقت کا اظہار، تمام بنی نوع انسان کی تعظیم اور ہر فرد کی قدر و قیمت میں اعتماد پیدا کرنا۔

بہت سے عملی شواہد اور بعض تجرباتی شواہد سے اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ استاد کی شخصیت کا شاگردوں کے کردار پر فوری اور حتمی اثر ہوتا ہے۔ انہیں اثرات کے تحت استاد بچوں کی بدراہی دور کرسکتا ہے اور معذور بچوں کی کارکردگی میں اضافہ کرسکتا ہے۔ تجربے سے اس بات کی تصدیق ہو چکی ہے کہ وہ استاد جو خود نقص مطابقت میں مبتلا ہے۔ اپنے شاگردوں میں بداطواری پیدا کرسکتا ہے۔ مختصر یہ کہ استاد اپنے درجے کے جذباتی ماحول کے لئے پورے طور پر ذمہ دار ہے۔

اسکول کے بچوں کے کردار کو مناسب نہج پر ڈھالنے کے لئے بہت سے موثر اقدامات کئے جا سکتے ہیں جن کا ذکر اگلے باب میں کیا جائے گا۔ فی الوقت مندرجہ ذیل باتوں کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ (۱) استاد کی اپنی ذہنی صحت اچھی ہونی چاہیئے۔ (۲) استاد کو وہ ذرائع دریافت کرنے چاہئیں جن سے منفی اثرات کو دور کیا جا سکے۔ (۳) افراد کو بے مثل شخص تصوّر کرنا چاہیئے۔ یہ دشوار تو ضرور ہے لیکن موثر تعلیم کے لئے ایک لازمی شرط ہے۔ (۴) ایسے کلمات نہیں کہنا چاہیئے جن کا اثر خراب ہو اور قطعی طور پر کسی مخصوص خرابی سے ان کلمات کو منسوب نہیں کرنا چاہیئے۔

ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ استاد خواستہ یا ناخواستہ جو کچھ کہتا ہے۔ اس کا بچوں کے کردار پر ضرور اثر پڑتا ہے۔ اس حقیقت کو اگر تسلیم کرلیا جائے تو کمرۂ جماعت

میں کردار کی عام طور پر جو علامتیں نظر آتی ہیں. ان کے اسباب کا پتہ چلایا جا سکتا ہے :-

مطالعے اور مباحثے کی مشقیں

(۱) کیا آپ کو اپنے اسکول کے زمانے میں کسی ایسے استاد سے سابقہ پڑا. جو نقص مطابقت میں بُری طرح مبتلا رہا ہو ؟ اگر ایسا تھا تو بتائیے کہ اس کے کس کردار سے نقص مطابقت کا ثبوت ملتا ہے ؟ (۲) کمرۂ جماعت کے وہ کون سے مخصوص اور عام طور پر مستعمل طریق کار ہیں. جو ذہنی صحت کے نقطۂ نظر سے قابل اعتراض ہیں. ؟

(۳) ابتدائی مدرسے یا ہائی اسکول کے کسی درجے میں گھنٹے بھر کا معائنہ کیجئے اور اس باب میں دیے ہوئے معیطے کو نظر میں رکھتے ہوئے کسی مخصوص استاد کی خوبیاں یا خامیاں نوٹ کیجئے. (۴) کیا استاد کو کبھی اپنے شاگردوں کی موجودگی میں غصے کا اظہار کرنا چاہیئے. ؟

(۵) کسی شاگرد کے کردار سے متعلق استاد اور ماہر امراض نفسی کی رائے کا جو اختلاف ہے اس کو آپ کیسے بیان کریں گے ؟

(۶) اپنے بچپن کی باتوں کو فراموش کرنے کے لئے اساتذہ کو کون سے مخصوص قدم اٹھانے چاہئیں ؟

(۷) اساتذہ کے ایسے کلمات کی جو ناسمجھی پر مبنی ہو ایک فہرست تیار کیجئے. یہ کلمات چاہے آپ نے خود سنے ہوں چاہے آپ کی جماعت کے ساتھیوں نے.

(۸) پرچوں کے گریڈ، سبق کے خاکے، کمیٹی کے کام وغیرہ کو آپ کس حد تک اجازت دیں گے کہ ان تفریحی مشاغل میں جنہیں استاد پابندی کے ساتھ استعمال کرتا ہے. دخل اندازی نہ ہو :-

باب ۷

بچوں کے مسائل کی تفہیم اور ان کی امداد

ذہنی حفظان صحت کی دو بڑی قسمیں ہیں لیکن یہ ایک دوسرے سے قطعی طور پر میز نہیں کی جا سکتیں۔ یہ قسمیں ہیں اصلاحی اور انسدادی۔ اصلاحی ذہنی حفظان صحت کا تقاضا ہے کہ اسکول کے ان بچوں کے لئے کچھ جتن کئے جائیں جو مطابقت پیدا کرنے میں دشواری محسوس کرتے ہوں اور امداد کے خواہاں ہوں۔ انسدادی حفظان صحت کی رُو سے اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ ایسے حالات پیدا کئے جائیں جن کے تحت ہر سطح کے شاگرد زیادہ سے زیادہ بالیدگی حاصل کر سکیں۔ اس میں خوب سے خوب تر کی ضرورت پر زور دیا جاتا ہے تاکہ ہر شخص ایک سیر حاصل، زیادہ مسرور، زیادہ ہم آہنگ اور زیادہ موثر زندگی گذارنے کے لئے اپنی امکانی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے قابل ہو سکے۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے استاد کیا رول ادا کر سکتا ہے اس کا اندازہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک وہ بچوں کی تفہیم کے لئے متواتر کوشش نہ کرتا رہے۔ ان میں وہ بچے شامل ہیں جو مسائل سے دوچار ہیں اور وہ بچے بھی ہیں جن کی ترقی کی رفتار اطمینان بخش ہے۔

کردار کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے۔ بچوں کی تفہیم کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ اس بنیادی تصور کی بصیرت کی جائے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اسباب دو طرح کے ہوتے ہیں۔ سابقہ اور فوری۔ سابقہ اسباب کا تعلق سابقہ حالات سے ہوتا ہے جنھیں ہم امدادی عوامل کہتے ہیں۔ یہ اسباب حالات کو مسلسل سنگین بناتے رہتے ہیں۔ چونکہ یہ فوری طور پر ظاہر نہیں ہوتے اس لئے جلدی رفع نہیں ہو پاتے۔ یہ مسائل زماں اور مکاں تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔ ان کا سراغ انفرادی زندگی کے ابتدائی ادوار میں ڈھونڈا

جا سکتا ہے اور یہ اسکول کے اندر اور باہر پوری زندگی میں سرایت کر جاتے ہیں۔ فوری اسباب وہ ہیں جو قابل عذر کراروں کی شکل میں بے تامل ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ اسباب ایسی چنگاری کا کام کرتے ہیں جو فلیتے کو سلگاتی ہے اور ڈائنیمو سے اڑا دیتی ہے۔ یہ اسباب اس پشتے کے سوراخ کے مانند ہیں جن سے غیر سماجی اور خلاف معاشرہ طور طریق کا سیلاب امڈ آتا ہے۔ اس لئے بچوں کی تفہیم اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب دونوں قسم کے اسباب نظر آئیں۔

تمہید کے طور پر ایک بات اور قابلِ ذکر ہے وہ یہ کہ اسباب اور علامتوں میں ضرور فرق کرنا چاہئے۔ اسباب کی اہمیت مسلم ہے، علامتیں تو صرف اس بات کا اشارہ ہیں کہ کچھ گڑبڑی شروع ہو گئی۔ اکثر اساتذہ مصلحت بینی کے تحت صرف علامتوں پر اکتفا کر لیتے ہیں اور علامتوں کے اسباب کی تفہیم کلیتاً نظر انداز کر جاتے ہیں۔ جب تک علامتوں کو اس پسِ منظر میں نہیں دیکھا جائے گا بچوں کی تفہیم حاصل نہیں ہو سکتی۔

تمام بچے مسئلی بچے نہیں ہیں

مطابقت میں دشواری ایک عام بات ہے

جہاں تک یہ صحیح ہے کہ تمام لوگ بچوں اور بڑوں کو کچھ نہ کچھ مسائل درپیش رہتے ہیں وہاں یہ بھی صحیح ہے کہ تمام بچے مسئلی بچے نہیں ہوتے کسی حد تک قوت فیصلے کی کمی، کچھ تناؤ، عارضی طور پر انتشار اور کسی حد تک قابل اعتراض کردار بھی ایک نارمل بات ہے، لیکن اگر ایسا تناؤ مسلسل قائم رہتا ہے، الجھنیں بدستور رہتی ہیں اور بد کرداری کی عادت ہو گئی ہے تو پھر یہ خصائص مسئلی بچے کے ہیں ایک بچہ اگر اپنے ہم جماعت سے اس لئے مکّے بازی کر رہا ہے کہ وہ لاتن میں پہلے آ جائے تو یہ ایک ایسا ردِّ عمل ہے جو معمولاً ظاہر ہوتا ہے دوسری طرف اگر کوئی لڑکا اپنے ہم سروں کے ہم پلہ نہیں ہو سکتا اور ایک مہینے میں دو تین بار جھگڑا کرتا ہو تو یہ اس کی علامت ہو سکتی ہے کہ شکایت پرانی ہے اور تناؤ رفع نہیں ہو

پاتا۔ ایک لڑکی اگر اس لئے ناراضگی کا اظہار کرتی ہے کہ اس کے خواہش کے مطابق اسکول کی طرف سے پیش کئے جانے والے پروگرام میں اسے پارٹ نہیں ملا تو یہ ایک ناپختگی کی علامت تو ہو سکتی ہے لیکن اس وقت اس کو مستقل لڑکی نہیں سمجھنا چاہئے جب تک یہ ردِعمل بہت نمایاں نہ ہو جاتے۔ اگر وہ صدر نہ بنائے جانے کی وجہ سے روٹھی ہوتی ہے۔ کھیل میں اس لئے حصّہ نہیں لے رہی ہے کہ اس کی مانگ پوری نہیں ہوئی اور گفتگو پر اس لئے نہیں آمادہ ہے کہ اس کے ہاتھ اٹھانے پر اس کی طرف توجہ نہیں کی گئی تو اس طرح کے گوناگوں ناپسندیدہ کرداروں سے ایسی علامتوں کا اظہار ہوتا ہے جو مشکلات پیدا کرتی ہے۔

تشخیص مختلف النوع علامتوں پر مبنی ہو ذہنی حفظان صحت کے مطالعے سے طالب علم کو ان علامتوں کے بارے میں خود اتنی آگاہی ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے اندر اعصابی اور نفسی امراض کی نشانیاں محسوس کرنے لگتا ہے۔ میڈیکل اسٹوڈنٹ میں یہ بات عام ہوتی ہے کہ وہ شروع شروع میں زیر مطالعہ علامتیں اور لبعدہٗ امراض بھی خود محسوس کرنے لگتے ہیں لیکن عام طور سے میڈیکل اسٹوڈنٹ اس مرحلے سے گذرتا ہے اسی طرح استاد کو بھی فرق محسوس کر لینا چاہئے کہ وقتی کردار کون سے ہوتے ہیں اور کون سے کردار ایسے ہوتے ہیں جن سے مسلسل ناکامی کا اظہار ہوتا ہے۔ سینے پر سرخ دانے نظر آنا خسرے کی یقینی علامت نہیں ہے۔ ڈاکٹر اس کی تشخیص اسی وقت کر سکتا ہے جب اس کے ساتھ اور علامتیں بھی ظاہر ہوں۔ اسی طرح استاد کو بھی کسی ایک علامت کی بنیاد پر نہ اپنے بارے میں اور نہ اپنے شاگردوں کے بارے کوئی قطعی رائے قائم کرنی چاہئے۔

ذہنی حفظان صحت کا ایسا مطالعہ ناپختہ ہے جس کے تحت جماعت کے تمام بچوں میں نقص مطابقت نظر آئے ایسا علم بھی ناقص ہے جس کی رو سے اساتذہ ذہنی صحت کی خرابیوں کو اس حد تک محسوس کرنے لگیں کہ متفرق علامتوں کو بھی اتنی ہی اہمیت دیں جتنی اہمیت وہ ان علامتوں کو دیتے ہیں جو شدید صورتحال کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

شاگردوں کے معروضی مشاہدے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان کے کردار کے مثبت پہلوؤں کی ستائش کی جاتے اور نمایاں علامتوں کو ملحوظ رکھا جائے۔

طلبا کی تفہیم کے لیے نارمل ہونے کا ایک قابل عمل تصور لازمی ہے

جماعت کے اندر ذہنی صحت کے لئے کام کرتے وقت جو مسائل پیش آتے ہیں وہ اس لئے اور بھی زیادہ شدید ہو جاتے ہیں کہ ایک نارمل کردار کو سمجھنا مشکل ہے۔ معلمین کی تعلیم کے بنیادی مضامین جیسے تعلیمی نفسیات اور طریقہ تعلیم کا بڑا مقصد اس قسم کے مسائل کی تفہیم ہے۔ اس کے تحت انفرادی فرق اور اس کے تعلیمی اثرات پر زور دیا جاتا ہے۔ بالیدگی سست ہو جاتی ہے۔ اس کی ترقی کی رفتار بھی مختلف سمتوں میں یکساں نہیں ہوتی۔ بچہ مطابقت پذیری کا تجربہ کرتا ہے اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے غلطی کر جاتا ہے اسی لئے "مسئلی بچہ" کے بجائے "بچہ مسئلے کے ساتھ" کی اصطلاح بن گئی ہیں۔ یہ ہیں وہ باتیں جن پر بہتر تفہیم پیدا کرنے کی غرض سے زور دیا جاتا ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ اس معاملے میں کچھ ابہام پیدا ہو گیا ہے کہ نارمل کیا ہے اور پسندیدہ کیا ہے ؟ مثال کے طور پر ہر جماعت کے بچوں کے لیے تعلم میں مشکلات پیدا ہونا نارمل بات ہے۔ ظاہر ہے کہ تمام بچے جماعت کے لیڈر کی طرح پڑھائی لکھائی اور ریاضی میں تیز نہیں ہوں گے۔ بچوں کے لئے یہ بات بھی نارمل ہے کہ جوں ہی انھیں قانونی طور پر اجازت مل جاتے وہ مدرسہ چھوڑ دیں۔ آج بھی ۲۵ سال سے زیادہ عمر والی آبادی کی ۶۰ فیصدی تعداد آٹھویں جماعت تک یا اس سے بھی کم درجے تک تعلیم حاصل کرتی ہے۔ ہائی اسکول کا اوسط طالب علم ایک سے چار مضامین تک میں فیل ہوتا ہے۔ اوسط درجے کا لڑکا یا لڑکی ڈاکٹر وکیل یا ٹیچر نہیں بنے گا۔ اوسط درجے کے افراد اس قسم کے والدین ہوں گے جو انتخابات کے دوران اپنے ووٹ کے ذریعہ تہذیبی ترقی کی رفتار کا تعین کریں۔ جب تک ہم یہ بات ذہن نشین نہ کر لیں کہ برتر افراد ہی اعلیٰ پیشہ ور کارکن بنتے ہیں۔ انتخابات میں مسائل کا فیصلہ اور

قومی پالیسی کا تعین کرتے ہیں اس وقت تک نارمل یا اوسط شاگرد سے ہماری توقعات بہت زیادہ وابستہ رہیں گی اور ہم اسی طرح اس کو بوجھ تلے دباتے رہیں گے۔ یہ کوئی قنوطی نقطۂ نظر نہیں ہے بلکہ حقیقت پسندانہ روّیہ ہے۔ جب اساتذہ حقیقی معنوں میں یہ تفہیم پیدا کریں گے کہ نارمل طور و طریق اور حصول کیا ہے اس وقت وہ تمام بچوں کے لئے اپنی امکانی قوتیں بروئے کار لانے میں مددگار ثابت ہو سکیں گے۔

اگر قاری کو اس بیان پر اعتماد نہیں ہے تو وہ خود بھی اس کا جائزہ لے اور دیکھے کہ نارمل یا اوسط شاگرد کو تعلیم کے کیا مسائل درپیش آتے ہیں۔ مواد تعلیم میں کیا مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ کسی درجے کے طالب علموں کی اوسط تکمیل کیا ہے اور ایک شہری کا تعلیمی حصول کیا ہے۔ اس لئے نارمل بچوں کو مستثنیٰ بچہ نہیں سمجھنا چاہئے۔ لیکن جب تک اساتذہ، بالیدگی، کردار اور ذہانت کا ایسا تصور نہ رکھتے ہوں جو نارمل ہونے کے قابل عمل تصور پر مبنی ہو اس وقت تک اس کا امکان رہے گا کہ شاگردوں کی تفہیم میں کمی رہے گی۔

مزید براں نارمل ہونے کے تصور میں یہ بات بھی شامل ہونی چاہئے کہ کوئی بھی بچہ اس قیاسی اوسط پر پورا نہیں اترتا۔ ہر بچہ اپنی جگہ پر بے مثل ہے درسی کتابوں سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ کافی نہیں بلکہ ان کے ساتھ ایسی معلومات بھی فراہم ہونی چاہئیں جن کے ذریعے افراد کی تحسین ہو سکے۔ اس قسم کی تفہیم مدرسے میں صرف ذہنی صحت کی ترقی کے لئے ضروری نہیں ہے بلکہ موثر تعلیم کے لئے بھی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ معلّم کی حیثیت سے ہم ہیری ایمرسن فوسڈیک کے ان مشوروں کو قبول کر سکتے ہیں۔ جن کا تعلق اس بات سے ہے کہ جمہوریت میں یقین کیا جائے اور اس کے اصولوں کو ذہنی حفظان صحت پر لاگو کیا جائے۔

• بنیادی طور پر جمہوریت ایک ایسا عقیدہ ہے جس کے تحت یہ سمجھا جاتا ہے کہ معمولی آدمیوں میں غیر معمولی صلاحیتیں پائی جاتی ہیں۔ اگر ہم ایسے امکانات پیدا کر دیں کہ تمام لڑکے اور لڑکیاں اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لا سکیں تو ہمیں ناموزوں حالات میں بھی حیرت خیز نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے اسی

کی تمام خامیوں کو مدنظر رکھتے ہوتے ہیں اس بات پر دوامی عقیدہ رکھنا چاہئے"

توجہ کے ساتھ سن کر بچوں کی مدد کرنا

توجہ کے ساتھ سننے سے رابطہ پیدا ہوتا ہے

بچوں کی موثر امداد کا ایک اچھا طریقہ کار یہ ہے کہ ان کی باتوں کو توجہ کے ساتھ سنا جائے۔ توجہ سے سننا بہت مددگار ثابت ہوتا ہے اس کے بہت سے شواہد ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کی وجہ سے افراد میں وقعت یا اہمیت کا احساس پیدا ہوتا ہے کہ کوئی شخص اس کی باتوں کو توجہ سے سن رہا ہے، ہم میں سے بہت سے لوگوں نے اس وقت اپنی توہین محسوس کی ہوگی جب ہم نے کسی سے کچھ کہنا چاہا ہوگا اور اس نے ہماری طرف ذرا بھی توجہ نہ دی ہوگی۔ بہت سی نوجوان لڑکیاں اس گر سے واقف ہیں کہ کسی نوجوان کو متاثر کرنے کے لیے اس کی طرف برابر متوجہ رہنا ضروری ہے۔ چنانچہ دوسروں کی طرف دیکھنے کے بجائے وہ برابر اسی پر اپنی توجہ مرکوز رکھتی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ وہ ان کی ہر بات سے چمٹی جاتی ہے۔ اساتذہ اور خاص طور سے موثر اساتذہ اپنے شاگردوں کی باتوں کو بہت توجہ کے ساتھ سنتے ہیں، معمولی سی بات بھی بولنے والے میں اپنی اہمیت کا احساس پیدا کرتی ہے۔ اور اس کام میں اس کی ہمت افزائی کرتی ہے کہ وہ اپنے مسائل کو مکمل طور پر صفائی کے ساتھ پیش کر سکے

توجہ کے ساتھ سننے سے تنقیہ حاصل ہوتی ہے

متوجہ سامع جب اپنے مخاطب کو اظہار جذبات کا موقع دیتا ہے تو اس پر تنقیہ کے اقوال کا اطلاق ہوتا ہے۔ سگ منڈ فرائڈ تحلیل نفسی کے ایک بڑے ماہر اور ریڈیکل ڈاکٹر نے یہ بات واضح طور سے بتائی ہے کہ کسی کو اپنی بات کہنے کا موقع دینا اس کی ناکامی سے نپٹنے کا اچھا ذریعہ ہے۔ وہ لوگ جو جذباتی طور سے بہت مضطرب ہوتے ہیں وہ کسی دوا یا مصنوعی نیند کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تاکہ تنقیہ کا پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں۔ لیکن اگر کوئی شخص معمولی اضطراب میں مبتلا ہو اور دوسرا شخص جس پر اس کو بھروسہ ہو اس سے بات چیت کرے تو اس سے بھی اس آدمی

کو اپنے جذبات کے اظہار کا موقع ملتا ہے۔ اس طرح کو معقول مشورہ دیئے بغیر استاد طلبا کو اس بات کے مواقع فراہم کر کے ان کی امداد کر سکتا ہے کہ وہ آزادانہ طور پر بات چیت کے ذریعہ اپنے احساسات کو رفع کر سکیں۔

ایک ہائی اسکول کے استاد نے طلبا پر پڑنے والے ان اثرات کی وضاحت کی ہے جو ان کی گفتگو سننے سے مرتب ہوتے ہیں۔ ایک سینئر طالبہ اسکول کے اوقات کے بعد استانی کے کمرے میں داخل ہوئی اور کہا کہ اس کو کچھ دشواریاں درپیش ہیں اسے پوری توقع ہے کہ استانی صاحبہ مناسب مشورے دے کر اس کی مدد کریں گی۔ استانی فوراً سنجیدہ ہوگئیں اور فرمایا، "مجھے توقع ہے کہ میں مدد کر سکوں گی، "بتاؤ دشواری کیا ہے" لڑکی نے اپنی دشواریاں بیان کرنا شروع کیں۔ بات یہ تھی کہ انگریزی کی استانی نے گرامر اور صحیح تلفظ کرانے میں صبر کا رویہ نہیں اپنایا۔ ایک لڑکا جو اس کا دوست تھا، وہ اس لڑکی کے مقابلے میں دوسری لڑکی کی طرف زیادہ متوجہ تھا اور اس کو توقع تھی کہ آئندہ ہونے والے ڈرامے میں اس کو کوئی پارٹ ضرور ملے گا لیکن وہ پارٹ دوسرے کو دیدیا گیا۔

جوں جوں تفصیلات بیان کی جاتی رہیں۔ استانی مشورے کے لئے کچھ سوچتی رہی لیکن ہر بار جب استانی کچھ کہنے کے لئے منہ کھولیتں لڑکی اپنی مغموم کہانی کا کوئی اور ٹکڑا سنانے لگتی اس نے بتایا کہ دوسرے والدین کی طرح اس کے والدین دوستوں کے ساتھ گھومنے پھرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ استانی کے ذہن میں یہ بات تھی کہ شاید اس کے والدین اپنی لڑکی کو خراب صورت حال سے بچانا چاہتے تھے اور یہ دراصل ان کی محبّت پر مبنی تھا۔ اس مغموم لڑکی نے اور بھی بپتائیں سنائیں۔ دوسری لڑکیوں کے پاس اس کے مقابلے میں زیادہ دلکش سوئٹر تھے اس کے پاس صرف ایک سوئٹر تھا جب کہ دوسروں کے پاس دو تین سوئٹر موجود ہوتے۔ اس کو یقینی طور پر یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اس نے تحصیل علم کے بارے میں جو فیصلہ کیا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں۔ اچانک لڑکی اٹھ کھڑی ہوئی اور کہا "شکریہ مس آپ نے میری بہت مدد کی" اور وہ کمرے سے باہر چلی گئی اور استانی کو اس عالم میں چھوڑ گئی کہ وہ کچھ مشورے دینا چاہتی تھی لیکن اس کا موقع نہ ملا۔ بعد میں استانی نے اقرار کیا کہ

اس کو اس بات پر صرف تعجب ہی نہیں ہوا بلکہ مایوسی بھی ہوئی کہ وہ اس لڑکی کی کوئی مدد نہ کر سکی۔ ایک دو دن بعد لڑکی نے ہال میں استانی کو روکا اور کہا مس۔ میں آپ کی دوبارہ مشکور ہوں کہ آپ نے اس شام میری بہت زیادہ مدد کی۔ چونکہ استانی کو اپنی کلاس میں پہنچنا تھا اس لئے اس کو صورت حال کے تجزیئے کا موقع نہیں تھا۔ لیکن اسی شام پھر لڑکی استانی کو روکا اور شکریہ دہرایا "آپ کو اندازہ نہیں آپ نے ہماری کتنی مدد کی"، "میرے مسائل اب بہت کچھ کم ہو گئے" استانی نے اس سے یہ نتیجہ نکالا مجھے اندازہ ہے کہ اس پر کیا گذری۔ میں نے تنقیہ کے اصول کے بارے سنا تھا لیکن اس لمحے مجھے یاد نہیں رہا۔ میں نے غیر ارادی طور پر محض اس کو سنا۔ اس لئے نہیں کہ مجھے کچھ کہنا نہیں تھا بلکہ اس لئے کہ مجھے کہنے کا موقع نہیں ملا۔ میرے ساتھ بات چیت کرنے کی وجہ سے اس کے دل کا غبار نکل گیا کچھ مشورہ دیئے بغیر میں نے اس کی باتوں کو توجہ سے سن کر اتفاقیہ طور اس کو مدد پہنچائی۔

لڑکی کی امداد دو طرح سے ہوئی۔ ایک طرف تو اس نے اپنے مسائل کو بیاں کر کے اپنا بوجھ اتار لیا۔ اس کا بھی امکان نظر آتا ہے کہ اس نے اپنے مسائل کو بیان کرنے کے دوران کچھ سلجھا بھی لیا ہو۔ یعنی وہ مسائل جو پہلے پراگندہ نظر آتے تھے اب محض الفاظ کے قالب میں ڈھل جانے کی وجہ سے زیادہ واضح نظر آنے لگے ہوں۔ دوسروں کے سامنے اپنے احساسات بیان کرنے سے اپنے نقطہ نظر میں جو نقائص ہوتے ہیں وہ بھی نظر آنے لگتے ہیں۔

توجہ کے ساتھ سننے سے بصیرت پیدا ہوتی ہے

توجہ کے ساتھ سننے کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اساتذہ یہ معلوم کر لیتے ہیں کہ لڑکے مختلف صورتِ حال میں کیا محسوس کرتے ہیں۔ کسی شاگرد کا گھر بظاہر اچھا ہو سکتا ہے اور اگر استاد کو اس کے گھر کا دورہ کر کے رپورٹ پیش کرنی ہو تو لڑکا یہ محسوس کر سکتا ہے کہ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں ہوا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے بھائی بہنوں سے حسد رکھتا ہو۔ وہ یہ بھی سوچ سکتا ہے کہ ممکن ہے استاد کسی ایسے گھر کو اچھا سمجھتا ہو جس کا ماحول تحکمانہ ہو۔ لڑکا اپنے مسائل کو حل کرنے میں امداد چاہتا ہے اور اس نقطہ نظر سے وہ جو کچھ محسوس کرتا ہے وہ اس کے لئے حقیقی اور معروضی حالات

سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ ان محسوسات کو دریافت کرنے کے بہت سے طریقے ہیں ان میں سے ایک طریقہ توجہ کے ساتھ سننا بھی ہے یہ واقعی کہا جاتا ہے "واقفیت کے لئے تفہیم ضروری ہے "، اور واقفیت کا ایک ذریعہ توجہ کے ساتھ سننا بھی ہے"

راقم الحروف مشورے دینے کے خلاف نہیں ہے لیکن مناسب مشوروں کی بنیاد کم سے کم جزوی طور سے اس بات پر ہونی چاہئے کہ ایک شخص کے محسوسات کیا ہیں. ان محسوسات کو اتنی آسانی سے بیان نہیں کیا جا سکے گا جتنی آسانی سے مذکورہ بالا لڑکی نے بیان کئے ہیں۔ بہت سے لوگ اپنے احساسات چھپا لیتے ہیں۔ بہت سے لڑکوں کو احساسات بیان کرنے کے لئے الفاظ کی سہولت نہیں میسر ہوتی۔ اس لئے یہ بات اہم ہے کہ شاگردوں کی بات سننے کی عادت پیدا کی جائے۔ اس کی وجہ سے استاد اور شاگرد کے درمیان رابطہ پیدا ہوتا ہے اور شاگرد آسانی سے اپنی رام کہانی سنا سکتا ہے۔ جب ایک نوجوان کسی آدمی پر یہ بھروسہ کرتا ہے کہ وہ اس کی باتوں کو دھیان سے سنے گا اور جب اس کو یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس پر مشوروں کی بھرمار نہیں ہو گی اس وقت اس کی ہمت افزائی ہوتی ہے۔ اور وہ اپنے واقعات کو بیان کر سکتا ہے۔ واقعات کو بیان کر کے وہ اپنے مسائل کو سمجھ بھی سکتا ہے

والدین کے ساتھ رابطہ پیدا کر کے بچوں کی تفہیم

والدین کے ساتھ کام کرنا

جیسا کہ عام طور پر کیا جاتا ہے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ بچے بہت حد تک ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، یہ بات والدین کے لئے بھی درست ہے کچھ لوگ اپنے بچوں کی بالیدگی پر متواتر اچھا اثر ڈالتے رہتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا اثر اپنے بچوں پر اتنا برا ہوتا ہے کہ ان کی سرپرستی میں بچوں کو دینے میں تامل ہوتا ہے۔ والدین کے درمیان جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کی وجہ سے اساتذہ اور والدین کے درمیان رابطہ پیدا کرنے کے سلسلے میں کوئی عام اصول مرتب کرنا مشکل ہے۔ بچوں اور ان کے والدین سے متعلق استاد جتنی زیادہ معلومات فراہم کرے گا اتنے ہی زیادہ اس کے امکانات ہوں گے کہ مسائل

کو حل کرنے کے لئے معقول رویہ اختیار کیا جا سکے۔

والدین کے ساتھ کام کرنے میں تین باتوں کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ پہلی بات یہ ہے کہ عام طور پر والدین کا برتاؤ اپنے بچوں کے ساتھ اچھا ہوتا ہے۔ بہت سے والدین اپنی اولاد کی ہر ممکن بہتری چاہتے ہیں۔ راقم الحروف نے استاد اور والدین کے درمیان رابطے کی جو بات چھیڑی ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ عام طور سے اساتذہ بچوں کے والدین کی اچھی نیتوں سے کم واقف ہوتے ہیں۔ اساتذہ چونکہ بچوں اور نوجوانوں کی نفسیات سے واقف ہوتے ہیں، ذہنی حفظان صحت کا مطالعہ کر چکے ہوتے ہیں اور بچوں کو معروضی ڈھنگ سے پرکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اس لئے شاید والدین کے برتاؤ کی کوتاہیوں پر ان کی نظر آسانی سے پڑ جاتی ہے۔ چنانچہ وہ والدین کے اچھے ارادوں کو بھی نظر انداز کر جاتے ہیں۔ اساتذہ بہت جلد اس رجحان کو محسوس کر سکتے ہیں اس لئے تنبیہ کا ایک لفظ کافی ہوتا ہے۔ یہاں احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ اساتذہ اور والدین کے درمیان اعتماد باہمی کا احساس رابطہ پیدا کرنے کے لئے ایک بہت اچھا نقطۂ آغاز بن سکتا ہے۔

دوسری بات جو ملحوظ رکھنی چاہئے وہ یہ ہے کہ والدین کے ساتھ پوری ایمانداری برتی جائے۔ بہت سے والدین اپنے بچوں کی بہتر بالیدگی کے لئے معلومات فراہم کرنا چاہتے ہیں اور اگر اس سلسلے میں انھیں خوش خلقی کے ساتھ مشورہ دیا جائے تو ماننے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ محل شناسی اچھی چیز ہے لیکن جہاں کامیاب نہ ہو وہاں راقم الحروف کا تجربہ ہے کہ کھری ایمانداری اور صاف بات یعنی تم "غلطی پر ہو" کہنے سے ہمیشہ ناراضگی نہیں پیدا ہوتی۔ جن اساتذہ نے اس طرح کی رائے زنی کی تکنیک اختیار کی ہے انھوں نے اس کو پسند کرنے کے باوجود بہت زیادہ موثر پایا ہے۔ حتی الامکان اس صاف گوئی کو حقیقی واقعات اور صحت مند نظریات کا سہارا بھی دینا چاہئے۔ جہاں تک والدین کو مشورے دینے کا سوال ہے اس میں بچوں کی بہبودی کو ہی معیار سمجھنا چاہئے۔

تیسری بات جو ملحوظ رکھنی چاہئے وہ یہ ہے کہ والدین بھی اپنے بچوں کی طرح اپنے تجربات کی پیداوار ہیں۔ جب والدین غلطی کرتے ہیں تو ممکن ہے وہ اپنے بچپن کے تاثرات کی تقلید کر رہے ہوں یا ان کے خلاف سرکشی کا اظہار کر رہے ہوں۔ بہت سے طریقہ کار جو وہ اپنے بچوں پر استعمال کرتے ہیں وہ اپنے ان والدین کی تقلید ہو سکتی ہے جن کے

بارے میں شاید ان کا خیال ہے کہ انھوں نے کارہائے نمایاں انجام دیتے ہیں۔ اساتذہ جو اس کے اثرات سے واقف ہو گئے ہیں، ان کو خود اپنی تفہیم کے لئے ہی نہیں بلکہ والدین کی تفہیم کے لئے بھی ایک اچھا سراغ مل جاتا ہے۔ اگر والدین کو ان رجحانات سے باخبر کر سکیں تو بچوں پر زیادہ سودمند اثرات مرتب کرنے میں والدین کی معاونت ہو سکتی ہے۔

مذکورہ بالا مباحث سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ موثر آبائیت اور تعلیمی یا اقتصادی حیثیت میں لازمی ربط نہیں ہے۔ متوسط اور کھاتے پیتے گھرانوں کی طرح اکثر گھرانوں کا بھی جذباتی ماحول خوشگوار ہوتا ہے جن کی معاشی حالت بس گزارنے کے قابل ہوتی ہے۔ کبھی محبت سے مادّی محتاجی کی تلافی ہو جاتی ہے۔ قابلِ اعتراض طریق کار بھی اگر استقلال کے ساتھ اپنایا جائے تو ان برتر طریقوں سے بہتر ثابت ہوتے ہیں جو متفرق طور پر استعمال کئے جائیں۔ معاشی طور پر بدحال گھرانوں میں بھی بچوں کو قبولیت اسی طرح ملتی ہے جس طرح خوش حال گھرانوں میں جہاں خوش و خرم زندگی کے وافر وسائل موجود ہوتے ہیں یعنی بچے جیسے ہیں ان کو ویسا ہی تسلیم کیا جائے نہ کہ انھیں والدین کی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جائے۔ تعلیم کے ساتھ بھی یہی صورتِ حال ہے۔ بچوں کی ضروریات سے متعلق خصوصی تعلیم حاصل کئے بغیر یا گھریلو روابط سے متعلق نصاب پورا کئے بغیر کالج اور یونیورسٹی کی رسمی تعلیم حاصل کی جا سکتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ خصوصی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی اس کا امکان ہے کہ اس خصوصی تعلیم کا پورے طور پر اطلاق نہ ہو سکے۔ ہو سکتا ہے کہ بچپن کے ابتدائی حالات کے سبب اس پر پابندیاں عائد ہو گئی ہوں اس کے برعکس وہ شخص زیادہ خوش نصیب ہے جس نے اعلیٰ پیمانے پر رسمی تعلیم نہیں حاصل کی پھر بھی معقول ذہنی صحت سے استفادہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، ہو سکتا ہے اس کا سبب خود اس کے والدین کی ذہنی صحت کا استحکام ہو جس کے اثرات کو وہ غیر شعوری طور پر محسوس کرتا ہو اور اپنی پدرانہ ذمے داریوں سے عہدہ برا ہونے میں اس کو استعمال کرتا ہو۔

گھر کے منفی اثرات

اکثر حالات میں استاد گھر کے منفی اثرات کو دور نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر اس کو پدرانہ فروگذاشتوں کی بصیرت حاصل ہے تو وہ والدین کی معاونت اس طرح کر سکتا ہے کہ وہ اپنے آپ پر معروضی نظر ڈال سکیں۔ مدرسے کے اندر بچوں کے برتاؤ پر بعض پدرانہ فروگذاشتوں

کا بہت اثر ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض معاملات میں اسکول کا مطمع نظر، گھر کے مطمع نظر سے متصادم ہوتا ہے۔ یہاں استاد کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس کشاکش کی طرف اشارہ کرے اور اسکول کے نقطۂ نظر کی حمایت کرے۔

ایک استانی نے اس قسم کی کشاکش کا مطالعہ کیا۔ اس مطالعے میں ہر جماعت کے دو ایک ایسے بچوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جنھیں مطابقت پیدا کرنے میں سب سے زیادہ دشواری محسوس ہوتی تھی۔ اس استانی نے ہر بچے کے گھر کا دورہ کیا۔ سوالات کے ذریعے اس کو مندرجہ ذیل باتوں میں کشاکش کا اندازہ ہوا (۱) مدرسے کے اندر مسائل کو حل کرنے کے لئے اشتراک باہمی اور تعقل کا رویہ اپنانے پر زور دیا گیا ہے جبکہ گھر میں یہ اصول سکھایا گیا تھا کہ کسی سے کوئی چیز قبول نہ کرو۔ (۲) مدرسے کے اندر ہر بچے کو یہ سکھایا گیا کہ اپنی صلاحیتوں میں پر سبقت حاصل کرے اور گھر کے اندر ہمیشہ اس بات کو ملحوظ رکھا گیا کہ بچہ اگر اپنی جماعت میں سر فہرست نہ رہے تو کم سے کم پڑوسی بچے پر تو سبقت لے جائے (۳) اسکول میں صحت کی اچھی عادتوں پر زور دیا گیا اور راست گوئی کی تلقین کی گئی۔ جب کہ گھر پر نا سمجھی میں یہ رویہ اپنایا گیا کہ بچے کی غذا یا اس کے دانت کی صفائی سے دوسروں کو سروکار نہیں ہونا چاہئے یا مدرسے میں بچے کے داخلے کی عمر چھ برس ہونی چاہئے اور گھر کا یہ رویہ کہ بچہ اگر بس پر سفر کے قابل ہو جائے تو پانچ برس عمر میں ہی مدرسے بھیج دیا جائے۔ (۴) اسکول میں لڑنے جھگڑنے کو عزت کی بات نہیں سمجھا گیا لیکن گھر پر والد بزرگوار نے کچھ ایسا اشارہ کیا کہ اگر وہ اسکول سے پٹ پٹا کر آئے گا تو گھر پر بھی اس کی مرمت ہو گی۔ ان کے علاوہ استانی کو یہ پتہ چلا کہ جن گھروں سے ایسے لڑکے آتے ہیں جن میں مطابقت پذیری مشکل ہوتی ہے ان میں سے اکثر گھروں میں والدین کا رویہ اسکول کی طرف مفسدانہ ہوتا ہے تاہم استانی نے ان گھرانوں میں جا کر نظریات کے اختلافات کی وضاحت کی اور ان کو اس بات پر راضی کیا کہ وہ اسکول کے نقطۂ نظر کو تسلیم کریں ؎۱ ایسے عمدہ نتائج نیک نیتی اور سلیقے سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔

ذہنی حفظان صحت کے سلسلے میں اسکول کے ذمہ دار حضرات نے جن منفی اثرات کا مشاہدہ کیا ہے۔ ان کے علاوہ ایک منفی رجحان یہ بھی ہے کہ والدین اپنے بچوں کے ذریعے خود اپنی تلافی کرتے ہیں۔ والدین اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیمی حصول کے لئے آگے ڈھکیلتے ہیں یا ان

سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی جماعت کے اندر کوئی رتبہ حاصل کریں یا جسمانی مقابلوں میں شہرت حاصل کریں ان کاموں میں آگے ڈھکیلنے سے بچوں میں تناؤ پیدا ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ کامیابی نہیں ہو پاتی جو اس کے بغیر ممکن ہو سکتی ہے۔ پانچویں جماعت کی ایک لڑکی جو ذہنی طور پر برتر تھی لیکن پڑھائی میں کمزور تھی، تشخیصی جانچ سے اس کی کسی خاص دشواری کا پتہ چلا۔ والدین سے ملاقات کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس کے والدین پڑھائی میں بہتر معیار حاصل کرنے کی وجہ سے متفکر ہیں اس لئے گھر پر اس کو پڑھاتے ہیں۔ والدین نے اس بات کا اقرار کیا کہ تمام پڑھائی کے اسباق بخیر و خوبی نہیں ختم ہو پاتے بلکہ عموماً ان اسباق کا خاتمہ لڑکی کے آنسو اور والدین کے غصے کے ساتھ ہوتا ہے۔ استانی نے والدین سے کہا کہ گھر کی پڑھائی ختم کر دیں اور کچھ دن کے لئے اس کو آزاد چھوڑ دیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ اکثر یہی ہوتا ہے ایک ماہ کے اندر ہی لڑکی نے پڑھائی میں ایسی مہارت حاصل کر لی کہ اپنی جماعت سے کچھ اوپر ہی ہو گئی۔ اس قصے میں ماں کا اقرار بہت دلچسپ تھا اس کا کہنا تھا کہ وہ اپنی پڑھائی میں کمزور تھی۔ اسی لئے اس کی کوشش تھی کہ اس کی لڑکی پڑھائی میں کمزور نہ رہے۔ والدین کبھی کبھی اپنے لڑکوں کو جسمانی مقابلے میں زبردستی بھیجتے ہیں اور نمایاں شہرت حاصل کرنے کے لئے ان کی ہمت افزائی کرتے ہیں محض اس لئے کہ وہ خود جسمانی مقابلوں میں کوئی تمغہ حاصل کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

"وہ والدین جو احساسِ کمتری میں مبتلا ہوتے ہیں اکثر بچوں کے لئے ان میدانوں میں شاندار کامیابی حاصل کرنے کا منصوبہ بناتے ہیں جن میں وہ خود ناکام رہے ہیں۔ پال کے واقعے سے اس رجحان کی وضاحت ہوتی ہے۔ پال کے والد ایک کامیاب دوا ساز تھے انھوں نے بغیر کسی باقاعدہ تعلیم کے یہ کامیابی حاصل کی تھی۔ زندگی بھر ان کی یہ تمنا رہی کہ کامیاب معالج بن جائیں لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ چنانچہ پال کو بچپن سے ہی ڈاکٹری کا پیشہ اپنانے کا حکم ملتا ہے۔ پال نے بدقت تمام کالج کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد میڈیکل کالج میں داخلہ لیا۔ لیکن پہلے ہی سمسٹر میں وہ اناٹمی اور کیمسٹری میں فیل ہو گیا تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس کے دوسرے ساتھیوں کے مقابلے میں اس کا طبعی میلان واضح طور پر کم تھا۔ معروضی تکنیک سے یہ بھی پتہ چلا کہ اس پیشے سے اس کو دلچسپی بھی نہیں تھی۔ جانچ اور انٹرویو کی بنیاد پر یہ معلوم ہوا کہ اس کو تجارت سے خاص لگاؤ تھا۔ اور اسی کی اس

میں صلاحیت بھی تھی۔ چوں کہ اپنی ناکامی کے باعث اس کو میڈیکل کالج چھوڑنا پڑا اس لئے اس پیشے کے دروازے اس کے لئے بند ہو گئے۔ یہ اس کے حق میں بہت اچھا ہوا۔ کئی برس ضائع کرنے کے بعد آخر اس نے یہ محسوس کر لیا کہ بعض شخصی کوتاہیوں کے باعث اس کے لئے یہ مشکل ہوگا کہ ہر میدان میں کامیابی حاصل کر پائے۔ کالج میں فیل ہونے والے بہت سے لڑکوں کو اعلیٰ تعلیم کے لئے بھیجا جاتا ہے جس کے لئے وہ موزوں نہیں ہیں محض اس لئے کہ ان کے والدین خود اعلیٰ تعلیم اور اعلیٰ حیثیت نہیں حاصل کر سکے جس کی تلافی وہ اپنے بچوں کے ذریعے کرنا چاہتے ہیں بعض صورتوں میں البتہ یہ ممکن ہے کہ کچھ لڑکوں کے لئے پدرانہ تلافی حصول کا ایک اچھا ذریعہ بن جائے "

ایک غلطی جو خاص طور سے با اصول والدین سے سرزد ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کو آزادانہ طور پر نمو پذیر نہیں ہونے دیتے۔ استانیوں نے اکثر یہ شکایت کی ہے کہ کچھ مائیں اپنے بچوں کو اسکول پہنچاتی ہیں یا اسکول سے بحفاظت گھر لے جاتی ہیں پہلی جماعت کے بہت سے بچے اپنے جوتوں کے فیتے نہیں باندھ سکتے یا اپنے برساتی جوتے نہیں پاتے اس لئے کہ یہ تمام کام ان کی شفیق مائیں انجام دے لیتی ہیں۔ یہ بات صرف ابتدائی مدرسے تک محدود نہیں ہے۔ یہی صورت حال اس وقت پیش آتی ہے جب ایک نوجوان لڑکی کو اپنے دوست لڑکے سے ملاقات کی اجازت نہیں ملتی یا جب ایک ہائی اسکول کے لڑکے کو رات بھر کے لئے اپنے ہم جماعتوں کے ساتھ سیر پر جانے سے باز رکھا جاتا ہے۔ گذشتہ گرمامیں کالج کے ایک سال اول کے طالب علم کے سلسلے میں یہ دوہری مشکل پیش آئی۔ اس لڑکے میں کالج کے پسندیدہ کام کرنے کی صلاحیت تھی۔ لیکن اس کے ہائی اسکول کا ریکارڈ چوں کہ معمولی تھا اور اس کی ماں چوں کہ ہر وقت اس کے سر پر سوار رہتی تھی اس لئے وہ یہ جماعت پاس بھی نہ کر سکا۔ اس کے ہائی اسکول کے سابق پرنسپل نے یہ رپورٹ دی کی ماں اکثر اس کے پاس مشورے کے لئے آتی رہی۔ اس کے لئے اچھے نتائج حاصل کرنے کے ذرائع تلاش کرتی رہی اور نئے نئے منصوبے پیش کرتی رہی۔ جب وہ کالج میں داخل ہوا تو اس کی ماں کئی سو میل دور ہونے کے باوجود ہوائی جہاز سے تین بار دیکھنے کے لئے آئی کہ وہ اپنے لڑکے کے لئے کچھ کر سکتی ہے یا نہیں۔ اس تمام امداد کے باوجود وہ لڑکا کسی

مضامین میں فیل ہوا۔ پھر وہ اس اسکول میں منتقل کیا گیا جس میں راقم الحروف خود پڑھاتا تھا۔ اور حسبِ سابق ماں نے مجھ سے ملاقات کی۔ مندرجہ بالا رپورٹ حاصل ہونے اور بچے سے گفتگو کرنے کے بعد میں نے یہ مشورہ دیا کہ وہ واپس لوٹ جائے اور بچے کو اس بات کا موقع دیا جائے کہ وہ اپنے آپ اپنی ذمے داریاں سنبھالے۔ اس کا جواب ہمت شکن تھا۔ "میں اس سے بات کروں گی اور دیکھوں گی کہ وہ ایسا کر سکتا ہے یا نہیں۔" لڑکے نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اس ریاست کے ایک دور افتادہ کالج میں داخلہ لے گا لیکن ماں کو اندیشہ تھا کہ وہ نہ تو اپنے لڑکے کے پروگرام کی نگہداشت کر سکے گی اور نہ اس کی پڑھائی کی۔ یہاں پر یہ بتا دوں کہ وہ لڑکا اس کے ایک کھلنے والی کیڈلک کار کا نیا ماڈل چلا رہا تھا لڑکے کے لئے ابھی گنجائش تھی لیکن ماں کے لئے بالکل گنجائش نہ تھی۔ چنانچہ مسئلے کا کوئی مناسب حل ڈھونڈا جا سکا۔

والدین سے اور بھی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں جن کا بچوں کے کردار پر براہ راست اثر پڑتا ہے کبھی وہ بیجا قبولیت اور نا قبولیت، ضرورت سے زیادہ سے تسلّط یا تابعداری کا رویہ اپناتے ہیں وہ اپنے بچوں کے ساتھ یکساں برتاؤ نہیں کرتے اور کبھی کبھی وہ اپنے بچوں کی خداداد صلاحیتوں اور ان مجبوریوں کو معروضی ڈھنگ سے دیکھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ ایک استاد کو یہ کبھی نہیں سوچنا چاہیئے کہ وہ مدرسے کے دوران بچوں کے کردار کا مشاہدہ کر کے ان کے گھریلو حالات دریافت کر سکتا ہے۔ مثال کے لئے اسکول میں اگر ایک بچہ جارحانہ رؤیہ اختیار کرتا ہے وھونس جماتا ہے اور اپنی بات پر جما رہتا ہے تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے یہ خصوصیات اس لئے پیدا کر لی ہوں کہ گھر پر ضرورت سے زیادہ قبولیت گرم جوشی ناز برداری اور لاڈ پیار کا رؤیہ اپنایا جاتا ہو۔ اسی قسم کے کردار کسی دوسرے بچے میں تلافی کے جذبے کے تحت ظاہر ہو سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اپنے گھر میں اس کو قبولیت نہ ملتی ہو۔ اس کو نظر انداز کیا جاتا ہو اور اس کے ساتھ سخت گیری کا رویہ اپنایا جاتا ہو۔

گھر کے منفی اثرات کا اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ استاد ان معلومات کو تین طرح سے استعمال کر سکتا ہے۔ اوّل اس طرح سے کہ اگر استاد کو بچے کی شخصیت پر اثر انداز ہونے والے عوامل سے آگاہی ہو تو بچے کی تفہیم میں آسانی ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ ان معلومات

کی بنیاد پر بچے کے مسائل سے نپٹنے کے لئے والدین کو مدرسے میں بلایا جا سکتا ہے۔ تاکہ اس کے بارے میں صلاح و مشورہ کر سکے۔ تیسرے یہ کہ فراہم کردہ معلومات سے ان عوامل کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے جو بچے کے گھر پر اثر انداز ہوتے ہیں یہی معلومات اسکول میں بھی بچے کے سدھار کا ذریعہ بن سکتی ہیں

گھر کے سود مند اثرات

جس طرح استاد گھر کے منفی اثرات سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اسی طرح مقاصد کو واضح کر کے گھر کے سود مند اثرات سے بھی مستفید ہو سکتا ہے۔ گھر کی لغت پیار ہے۔ پیار سے بچوں کے لئے لطف کا سامان فراہم ہوتا ہے۔ بچہ جیسا بھی ہے اگر اس سے پیار کیا جائے تو جسمانی تسکین سے زیادہ اس کو تسکین حاصل ہو گی۔ اس میں یہ احساس پیدا ہو گا کہ وہ بھی قابلِ قدر اور اہم ہستی ہے۔ اس میں یہ اعتماد بھی پیدا ہو گا کہ وہ زمانے کو اپنا حلیف سمجھے اور زمانے پر بھروسہ کرے۔ اگر وہ گھر پر پیار کی نعمت سے محروم ہے تو اس کا امکان ہے کہ وہ اپنی سماجی دنیا کو حریف سمجھے اور ایک قنوطی نظریہ پیدا کرے۔ بچوں کی ذہنی صحت اور شخصیت کی نشوونما سے متعلق حالیہ مضامین اور کتابوں میں پیار کو اہم ترین حیثیت دی گئی ہے۔ وہ بچے جو پرورش کے اداروں میں پرورش پا رہے ہیں ان کے لئے پیار کی کیا اہمیت ہے اس کا اندازہ تحقیقی مطالعوں سے ہوتا ہے۔ ایک ڈاکٹر نے ایک ایسے ہی تحقیقی مطالعے کے دوران ان بچوں کے بارے بتایا کہ انھیں خوب بھوک لگتی ہے خوب گہری نیند سوتے ہیں۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مزے سے کھیلتے ہیں۔ ان کا وزن بھی تیزی سے بڑھتا ہے اور جب ڈاکٹر کے حکم کے مطابق نرس نے ان بچوں کے ساتھ روزانہ ایک گھنٹہ گذارنا ان سے بات چیت کرنا اور انھیں گلے لگانا شروع کیا تو بچے اپنے گرد و پیش کی چیزوں سے زیادہ باخبر نظر آنے لگتے۔ بچوں کی نشوونما کے لئے ماحول کا استحکام بھی ضروری ہے جس کی کسی قدر تلافی اسکول میں ہو سکتی ہے۔ دوران اسکول بچوں کے تجربات میں ایک باقاعدہ اور تدریجی ترقی ہوتی رہتی ہے۔ سال میں کم سے کم ایک بار یا کبھی اس سے زیادہ مرتبہ استاد اور مضمون دونوں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ (جن مدرسوں میں ایک

یا دو استاد ہیں وہ سے شناشنی ہیں) اس کے برعکس گھر کا ماحول برسوں کم وبیش ایک ہی رہتا ہے۔ رہائش کی جگہ بھی تبدیل ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے کبھی کبھی شخصیت کے استحکام میں بہت دشواری پیش آتی ہے۔ پھر بھی برسہا برس تک وہی والدین ہوتے ہیں اور وہی گھر۔ تحقیقات سے پتہ چلا کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران مانوس جگہوں سے دوسری جگہ جانے کا بچوں پر بہت برا اثر پڑا۔ اگر نقل مکانی کے وقت والدین ساتھ نہ ہوں، تو بچوں پر منفی اثر ہوتا ہے چنانچہ بہت سے لوگ خطرات لاحق ہونے کے باوجود یہ سمجھتے تھے کہ بچوں کو اپنے گھروں میں ہی اپنے والدین کے ساتھ رہنا چاہیے۔

گھر کے اندر بچے کے تصرف میں کئی چیزیں ہوتی ہیں اور وہ سمجھتا ہے کہ ان چیزوں پر اس کا قبضہ ہے۔ یہ احساس بچے کی متوازن نشو ونما میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ گھر میں اس کی کتابیں، اس کے کھلونے، اس کے کپڑے، اوزار اور فرنیچر اس کے اپنے ہوتے ہیں اور صرف اس کے۔ یہ احساس بچوں اور بڑوں کے لیے اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس سے اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ والدین کو سنجیدگی سے یہ سوچنا چاہیے کہ نوجوان لڑکے یا لڑکی کے لیے ایک علیحدہ کمرہ ہو۔ ایک ایسا کمرہ جس میں والدین بھی کسی کام سے جانا چاہیں تو اجازت لے کر جائیں اس سے نوجوان میں شخصی تحفظ اور خلوت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ یہ غلط تصور ہے کہ لڑکوں کو ایسی تربیت دینی چاہیے کہ ہر چیز میں دوسروں کو شریک کرلیں۔ اشتراک باہمی کا رویہ اس وقت پیدا کیا جاسکتا ہے جب گھر میں کوئی ایسی چیز ہو جس کو گھر کے تمام افراد استعمال کرتے ہوں۔ دوسری چیزیں پورے طور پر افراد کے تصرف میں ہوسکتی ہیں دوسروں کی ملکیت کا لحاظ رکھنا اسی وقت سکھایا جاسکتا ہے جب بچوں کے پاس خود ایسی چیزیں ہوں جو اس کی اپنی ہوں۔ بچہ جب چوری کرتا ہے تو دوسروں کے حق ملکیت کا لحاظ نہیں رکھتا۔ جب اس کا سراغ لگایا گیا تو پتہ چلا کہ اس کی ذمے داری ان حالات پر ہے جن میں بچہ ان چیزوں سے محروم رہتا ہے جو اس کی اپنی ہوں اور دوسرے بچے اگر ان چیزوں کو استعمال کرنا چاہیں تو اجازت لے کر ہی استعمال کرسکتے ہیں۔ "میں آپ کی بائیسکل چلا سکتا ہوں"، "کیا آپ اپنا لغت مستعار دیں گے"، "کیا آپ اپنا سلائی کا سامان استعمال کرنے دیں گے" اس قسم کے سوالات ان گھروں میں اکثر سنائی دیتے ہیں جن میں ایک سے زیادہ بچے ہیں۔

اور ان گھروں میں اور زیادہ سنے جاتے ہیں جن میں دو یا تین سے زیادہ بچے ہیں۔

والدین کے ساتھ کام کرنے کے بجائے دوسری صورت

یہ محسوس کیا گیا ہے کہ مندرجہ بالا معلومات اساتذہ کے لئے زیادہ فائدہ مند نہیں ہیں وہ والدین کے ساتھ بات چیت اور صلاح مشورہ کرنے میں ان معلومات کو استعمال کر سکتا ہے۔ تاہم اس کی سب سے زیادہ اہمیت یہ ہے کہ والدین کو ان اثرات سے واقف کرا دیا جائے جو دوران مدرسہ بچے کے طور طریق کی تشکیل کرتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی با ہمت اساتذہ کو بھی جو والدین کے غلط تصورات کی اصلاح کرنا چاہیئے۔ یہ پتہ چلتا ہے کہ والدین ان کے مشوروں پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں۔ کبھی کبھی والدین کی عادتیں اتنی پکی ہوتی ہیں کہ ان کو تبدیل کرنا اگر ممکن نہیں تو بعید از قیاس ضرور ہے۔

ان تجربات کی روشنی میں اکثر یہ سوال پیدا ہوتا ہے " اگر والدین کا رویہ تبدیل کرنے میں آپ کو ناکامی ہو تو کیا کریں گے۔ اس سوال کا جو جواب میں دینے جا رہا ہوں اس میں گریز کا پہلو نکل سکتا ہے۔ تاہم جواب یہ ہے کہ استاد مدرسے کے اندر اپنے شاگردوں سے ان محرومیوں کی تلافی کرائے جن سے وہ گھر پر دوچار رہے ہے۔ استاد کے اخلاقی ضابطے میں یہ بات شامل ہے کہ والدین کے منصب کو نہ گھٹائے۔ اس کے لیے طور وطریق پر تنقید کئے بغیر مدرسے کے طور وطریق کی برتری ثابت کرنے میں کبھی زبانی ہدایات کے ذریعے اور کبھی مثالوں کے ذریعے اس بات کو منوائے مثال کے طور پر مدرسے کے پروگرام میں یہ بات شامل ہو سکتی ہے کہ مقابلے کے بجائے پیش قدمی اجازت کے بجائے اشتراک باہمی اور انفرادی کام کے بجائے مل جل کر کام کرنے کے محاسن کا مطالبہ کیا جائے۔ ان بچوں کے جماعت کے اندر ایسی ذمے داریاں سونپی جا سکتی ہیں جن کی مدد سے ان پابندیوں کو توڑا جا سکتا ہے جو ان کے متفکر والدین نے عائد کر رکھی ہیں اسی طرح ان بچوں کو آگے بڑھنے کا موقع فراہم کیا جا سکتا ہے۔ اگر گھر پر زیادہ مان جان ہونے کی وجہ سے بچہ زیادہ توجہ کا طلبگار رہے ہے تو اس کو نظر انداز کرنا چاہیئے۔ یا اس کو اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہیے تاکہ وہ کٹھن حالات میں کام کرنا سیکھ جائے۔ اگر بچے میں جھجک پائی جاتی ہے اور رجحان بین سے اس کا ثبوت مل گیا کہ گھر پر اس کو دھتکار دیا

جاتا ہے تو اس استاد کا فرض ہے کہ بچے سے پیار کرے اور اس کو وہ اپنائیت فراہم کرے جس سے گھر پر محروم ہے۔

اسکول کے اثرات گھر کی کمیوں کی تلافی کرسکتے ہیں

چاہے بچوں کے گھر سے کوئی حقیقی رابطہ نہ پیدا ہو پایا ہو پھر بھی بچوں کو اپنے گھریلو مسائل حل کرنے میں مدد دی جاسکتی ہے۔ استاد اور مدرسے کے مشاغل گھر کی تلافی کرسکتے ہیں اور ان کے ذریعے بچہ اپنے گھر کے مسائل کرسکتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ استاد اور والدین کے درمیان رابطہ پیدا کرنے کا کام نظر انداز کر دیا گیا بلکہ یہاں ایسے تعمیری ڈھنگ بتائے گئے ہیں جو اس وقت استعمال کئے جاسکتے ہیں جب اساتذہ اور والدین کے درمیان رابطہ پیدا کرنا دشوار ہو۔

والدین یا ان کے بدل بچے کے اندر نقص مطابقت بڑھانے میں ایک عامل ضروری ہیں اس لئے کھیل کے طریقہ علاج میں اگر ان کا بھی معالجہ شامل رہے تو بچے کے علاج میں مدد ملتی ہے لیکن بچے کے علاج میں کامیابی کے لئے بڑوں کا علاج ضروری نہیں ۔

"اس کتاب میں جتنی مثالیں دی گئی ہیں وہ مثالیں ان بچوں کی ہیں جن کے مسائل کو حل کرنے میں بالغوں نے بصیرت نہیں دکھائی۔ لیکن ان میں بہت کم واقعات ایسے ہیں جن میں بالغوں کا بھی علاج کیا گیا ہو۔ پھر بھی بچوں کا علاج اتنا کامیاب رہا کہ انھوں نے مشکل حالات سے نپٹنے کی صلاحیت پیدا کرلی۔ ایسا لگتا ہے کہ ان بچوں نے خود جو بصیرت حاصل اور جو سمجھ بوجھ پیدا کی ان کی وجہ سے انھیں اپنے حالات سے نپٹنے کا سلیقہ آگیا اور چوں کہ تناؤ ختم اس لئے اس کی وجہ سے بڑوں میں بھی کسی قدر تبدیلی واقع ہوگئی ۔

باوجودیکہ اس میں کھیل کے طریقے علاج کا حوالہ دیا گیا ہے پھر بھی یہ اقتباس بہت اہم ہے۔ تلافی کے ذریعے تسکین فراہم کرنے کے بہت سے طریقے ہیں۔ آزادی فراہم کرنے کے بہت سے ڈھنگ ہیں۔ ایسے بھی بہت سے طریقے ہیں جن کی مدد سے جماعت کے کاموں میں شرکت کرائی جاسکتی ہے۔ ہمارے لئے جو بات اہم ہے وہ یہ ہے کہ مسائل پیدا کرنے والے عوامل اگر بہت سے ہیں تو مسائل کو حل کرنے کے بھی بہت سے راستے ہیں۔

درجے کے استاد شفقت کا رویہ اختیار کر سکتے ہیں۔ ایک تیسری جماعت کی بچی کو ایک دن دیکھا گیا کہ وہ جماعت کے مباحثے میں حصہ نہیں لے رہی تھی نہ ہی اس نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے بچوں سے بات کی۔ تفریح کے وقت بھی وہ خاموشی سے اپنی کرسی پر بیٹھی رہی۔ کچھ شاگردوں کو اپنا تحریری کام اپنی استانی کو دکھانا ہے۔ بعض کا کام دیکھا جا چکا تھا اور بعض کو ابھی کام دکھانا ہے۔ لڑکی بھی بھیڑ کے ساتھ اٹھی اور اپنا کام دکھانے کے لئے میز تک گئی۔ استانی بھی میز تک پہنچ گئی اور دوسرے شاگردوں سے بات چیت کے دوران اس نے اپنے ہاتھ لڑکی کی کمر میں حائل کر دیئے۔ جب اس نے بات چیت ختم کر لی تو اس لڑکی کو چمٹاتے ہوئے کہا، تم نے بہت صاف ستھرا کام کیا ہے،، لڑکی نے تو پہلے اپنے کو چھڑا لیا پھر ایک لمحے کے لیے اپنا سر استانی کے کندھے سے ٹکا لیا۔ گھر کے حالات جانے بغیر استانی اس بات کو جانتی تھی کہ لڑکی کو ایسی ہی بے ساختہ محبت کی ضرورت ہے۔ ضروری نہیں کہ کسی کو چمٹا کر ہی پیار کا ثبوت دیا جائے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی جانب انفرادی توجہ کی جائے، کبھی اس کے کام پر رائے زنی کی جائے، اس کے کام کو سراہا جائے اور کبھی محض مسکرا کر اس کی جانب دیکھنے سے اس کے اندر محبت کا احساس پیدا کیا جا سکتا ہے۔

اگر شاگردوں میں یہ احساس پایا جاتا ہے کہ وہ کسی قسم کی ملکیت سے محروم ہیں تو اساتذہ اس کی تلافی کی صورت پیدا کر سکتے ہیں۔ افراد کو سامان فراہم کیا جا سکتا ہے۔ یہ احساس پیدا کیا جا سکتا ہے کہ کتابیں بچوں کی عارضی ملکیت ہیں اسی طرح یہ بھی محسوس کرایا جا سکتا ہے کہ انھیں بیٹھنے کے لئے جو جگہ دی گئی ہے وہ ان کی اپنی ہے۔ جماعت کی صفائی اور آرائش میں بچوں کی ہمت افزائی کر کے ان کے اندر جماعتی افتخار کا احساس پیدا کرایا جا سکتا ہے۔ جماعت کے معمولات میں اس کی گنجائش نہیں ہے کہ بچوں کو اجنبی لوگوں سے ملوایا جائے اور اس طرح ان کے ماحول میں استحکام پیدا کیا جائے۔ لیکن ان کے مسائل سے زود آگہی ضرور ہو سکتی ہے۔ کوئی بچہ جب دوسرے استاد کی زیر نگرانی آئے تو سابق استاد کو چاہیئے کہ اپنے شاگرد سے متعلق چند تعریف کے کلمات کہلوا بھیجے۔ اس کے نئے ہم جماعتوں

سے بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ اپنے نئے ساتھی سے دوستی اور گرم جوشی کے ساتھ ملیں۔ اس کی وجہ سے بھی بچے میں قبولیت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

مختصر یہ کہ استاد ان طالب علموں کے لئے ترقیاں مہیا کر سکتا ہے جو اپنے گھر میں محرومی اور مایوسی کا شکار ہیں۔ اگر نقص مطابقت پیدا کرنے والے حالات سے واقفیت پیدا کر لی جائے تو اس کے برعکس حالات پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ عموماً گھریلو حالات کو سدھارنا ناممکن ہوتا ہے۔ (یہ تو کسی سماجی ادارے کی ذمے داری ہونی چاہئے) لیکن بچے کو سدھارا جا سکتا ہے اور مدرسے کے اندر گھر کی کمیوں کی تلافی کی جا سکتی ہے۔ بے شک یہ تسکین کی محض ایک صورت ہے اور یہ صورت اس وقت کارگر ہو سکتی ہے جب بچہ اپنی ابتدائی کمیوں پر قابو پانے یا انھیں نظر انداز کرنے کے قابل ہو سکے۔

ہمسروں کے اندازۂ قدر سے شاگردوں کی تفہیم

شاگردوں کی تفہیم کیلئے ہمسروں کے اندازۂ قدر کی اہمیت ہے

سماجی مطابقت پیدا کرنا ذہنی حفظان صحت کا ایک سرایت کن مسئلہ ہے اور تعلیم کا ایک نمایاں مقصد بھی۔ دی نیشنل ایوسی ایشن آف سیکنڈری اسکول پرنسپلس نے نوجوانوں کو لازمی ضروریات کے ضمن میں بتایا ہے ”تمام نوجوان اس بات کی ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ اخلاقی اقدار اور اصولوں میں بصیرت پیدا کریں اور دوسروں کے ساتھ مل جل کر کام کرنے اور زندگی گذارنے کی عادت ڈالیں[6]“۔ اگر یہ بات صحیح ہے اور شاید ہی کوئی اس پر اعتراض کرنے کی جرأت کرے تو پھر کسی شاگرد کی تفہیم میں اس بات کی واقفیت ضروری ہے کہ اس کے ہمسر اس بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ ہمسروں کے تعلقات صرف فوری طور پر مطابقت پیدا کرنے میں مددگار نہیں ہوتے بلکہ آگے چل کر ایسی شہرت کو برتنے کا موقع فراہم کرتے ہیں جس کی بنیاد مانع نظری اور بار آوری پر ہو ہمسروں کے مطابقت کا خود اندازہ

کرنے سے استاد کو تسکین نہیں ہو سکتی محض اس لئے کہ کردار کے بارے میں بڑوں کے نظریئے اور اقدار چھوٹوں سے مختلف ہوتے ہیں ۔

"یہ صاف ظاہر ہے کہ اگر کسی طالب علم کے بارے میں ہم اچھی طرح جاننا چاہیں تو محض اپنے داخلی تاثرات کی بنیاد پر نہیں بلکہ خارجی مشاہدے سے بھی نہیں جان سکتے ہماری بہتر سے بہتر خارجی معلومات اور مشاہدے کی وہ اہمیت نہیں ہو گی جو بذات خود شاگردوں کے ذریعے حاصل کی جا سکتی ہے ۔ ہمیں کوئی نہ کوئی ایسا طریقہ دریافت کرنا ہو گا جس کی مدد سے ہر بچے کو اس کے گروپ کے نظر سے دیکھ سکیں ۔ ہمیں گروپ کی رائے جاننے کا کوئی نہ کوئی طریقہ سوچنا ہو گا ۔

ہمسروں کے اندازۂ قدر کی تکنیک

گزشتہ باب میں اس کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ توجہ کے ساتھ سننے سے افراد کے محسوسات کی بصیرت حاصل کی جا سکتی ہے ۔ ایک سوچے سمجھے پروگرام کے تحت ہم جماعتوں کی باتیں سن کر ان کی اقدار کا اندازہ کیا جا سکتا ۔ وہ رائے جو کسی شخص کی موجودگی میں دی جاتی ہے اور وہ بات جو کسی کے پیٹھ پیچھے کہی جاتی ہے ، دونوں سے جان کاری حاصل ہوتی ہے ۔ کسی فرد کے بارے میں اس طرح سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دوسرے اس سے کس طرح مخاطب ہوتے ہیں ، اس کو کس لقب سے پکارتے ہیں اور اس سے کسی قسم کے سوالات کرتے ہیں لیکن جو کچھ سنا جاتے اس کی ترجمانی بھی ہونی چاہئے اور اس کو اچھے طور پر تسلیم بھی کرنا چاہئے ۔ مندرجہ ذیل سوالات یا ایسے ہی اور سوالات کی مدد سے توجہ کے ساتھ سننے میں رہنمائی ہو سکتی ہے ۔ رائے زنی کرنے والوں کے محرکات کیا ہیں ؟ کن حالات میں رائے زنی کی گئی ہے ؟ کیا ایک ہی رائے کو مکرر اور مستقل طور پر پیش کیا جاتا ہے ؟ کیا طلبا اتفاق رائے سے بات کہتے ہیں ؟ استاد اپنے مشاہدے کی بنیاد پر جو رائے پیش کرتا ہے وہ مناسب ہے یا نہیں ؟

زیر ہدایت مشاہدہ کرانے سے بھی ہمسروں کی رائے معلوم کی جا سکتی ہے ۔ ایک طالب علم کو کتنی بار جماعت کا عہدہ ملا ، کتنی بار کسی گروپ کا صدر منتخب ہوا ، اور اس بات سے قطع نظر رہنما کی حیثیت سے یا ایک پیروکار کی حیثیت سے اس کا کیا منصب ہے

اور مشوروں پر وہ کس طرح کا ردِ عمل ظاہر کرتا ہے۔ ان سب باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ دوسروں کا اس کے بارے میں تخمینہ ہے، ایک شخص کا دوسروں سے کیا تعلق ہے اس کا بھی مشاہدہ کیا جاسکتا۔ کون سے دو افراد ایک ساتھ نہیں رہ پاتے، کون سے طلبا زیر مشاہدہ لڑکے کی رفاقت کے طلبگار ہیں کیا وہ گروپ میں شامل ہونے کے قریب ہے یا گروپ کا کلی جزو ہے۔ دوسرے لڑکے جب اس سے سوالات کرتے ہیں تو کس قسم کی معلومات کے طلب گار ہوتے ہیں۔ ہمسروں کی طرف سے یہ اور اس قسم کے دوسرے سوالات پیمائش قدر میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

ایسی فرد مطابقت جو سوال نامے کی انفرادی مدات پر مشتمل ہو اگر احتیاط کے کے ساتھ اور سراغ جوئی کی غرض سے استعمال کی جائے تو انٹرویو کے لئے نقطۂ آغاز بن سکتی ہے اور اس کی وجہ سے ہمسروں کی پیمائش میں مدد مل سکتی ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ ہر مد پر مکرر نظر ڈالی جائے اور اس قسم کی مدات جیسے کبھی شاگرد کا مشورہ نہ قبول کرنے یا تنہا کام کرنے کو ترجیح دینے میں جو اسباب بیان کئے گئے ہیں ان کا تجزیہ کیا جائے اور پتہ چلایا جائے کہ کوئی مخصوص جواب کیوں نہیں دیا گیا ہے سننے، مشاہدہ کرنے یا سوشیوگرام کے استعمال کے ذریعے مشکلات کی پیش بینی سے قبل بھی ان فہرستوں کی مدد سے ہمسرانہ مطابقت کے ابتدائی سراغ لگائے جا سکتے ہیں۔ مطابقت کا کوئی مسئلہ ہو اگر ابتدا ہی میں اس کو حل کرنے کی کوشش ہو جائے تو بعد کے مشکل مسائل سے بھی نجات حاصل ہو سکتی ہے۔

پیشہ ورانہ تعلیم کے ذریعے بچوں کی تفہیم

کالج کا نصاب

اساتذہ کی تربیت کے نمائندہ اداروں میں ایسے کئی قسم کے پیشہ ورانہ نصاب پڑھائے جاتے ہیں جن سے بچوں کی بہتر تفہیم میں مدد ملتی ہے۔ ایسی تفہیم کے لئے جو نمائندہ کورس دئے جاتے ہیں ان میں تعلیمی نفسیات، ذہنی حفظان صحت بچپن

کی نفسیات، شباب کی نفسیات، غیر معمولی بچوں کی نفسیات، شاگردوں کی رہنمائی طلبا کی صلاح کاری، تعلیمی پیمائش اور نصاب مدرسہ کی تیاری شامل ہیں۔ ان مضامین میں ان باتوں پر خاص طور سے زور دیا جاتا ہے جو اساتذہ کی نظر میں وسعت پیدا کرتی ہیں اور جن کے ذریعے شخصیت کی نشوونما کے گوناگوں مسائل کو حل کرنے میں مدد ملتی ہو۔

بچوں کی تفہیم کے سلسلے میں کالج کے نصاب میں دو باتوں کی کمی ہے۔ ایک کمی تو یہ ہے کہ جن الفاظ میں اس کو بیان کیا جاتا ہے ان میں ایک ایسے فرد کی تصویر نہیں ابھرتی جو بے مثل اور جیتا جاگتا انسان ہو۔ نمائندہ صورتِ حال کی جس طرح تعلیم کی جاتی ہے یا جس طرح اس پر زور دیا جاتا ہے ان سے ایسے مشکل سوالات کے جواب نہیں ملتے "افراد کے لئے کیا کرنا ہوگا" ہمسروں کے ساتھ کام کرنے کا تجربہ حاصل کرنے سے پہلے ہی چوں کہ طالب علموں کو یہ مضامین پڑھا دیئے جاتے ہیں اس لئے اس کوتاہی کو اور تقویت ملتی ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ استاد کو وہی مضامین دہرانے پڑتے ہیں جو اس نے انڈر گریجویٹ منزل پر پڑھے تھے۔ اس لئے وہ اکثر اس قسم کی باتیں کرتا ہے "اس مضمون میں بہت معقول مشورے دیئے گئے ہیں سمجھ میں نہیں آتا میں نے اس کے قبل انھیں کس طرح نظر انداز کر دیا تھا" اس نقصان کی دو طرح سے تلافی ہوسکتی ہے۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ مضامین کی تعلیم کے ساتھ ساتھ جہاں بھی ممکن ہو بچوں کا مشاہدہ، ان سے بات چیت اور ان کے ساتھ کھیلنا کودنا اور ان پر نظر رکھنا بھی پروگرام میں شامل کرلیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ استاد اپنے ساتھ اپنا پرانا متن بھی رکھے تاکہ استاد بننے کے بعد جہاں کہیں بھی کوئی خاص مسئلہ در پیش آئے وہ اس کی روشنی میں متن پر نظر ثانی کر سکے۔

دوسری کوتاہی تو اس وجہ سے ہے کہ نفسیات کی سائنس ابھی اپنے عنفوان شباب میں ہے، جب کہ مڈیسن، فزکس، کیمسٹری اور ریاضی کے پیچھے صدیوں تک پھیلی ہوئی تاریخ ہے۔ لیکن سائنس کی حیثیت سے نفسیات کی عمر پچاس برس سے کچھ ہی زائد ہوگی۔ یہ صحیح ہے کہ اس سلسلے میں تمام سلیقے فراہم نہیں ہو سکے ہیں نفسیات کی ایک کتاب ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی اور دوسری ۱۹۵۰ء میں دونوں میں اس قدر تضاد ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں نمایاں ترقی ہوئی ہے لیکن ابھی تک بہت سے سوالات کے جواب نہیں مل پاتے۔ ان حالات میں یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اساتذہ معاصر ادب کا مطالعہ کرتے رہیں۔ خوش قسمتی

سے بہت سے اچھے رسالے شائع ہوتے رہتے ہیں جن سے اساتذہ کی معلومات تازہ ہوتی رہتی ہیں۔

ان دقتوں کے باوجود انسانی نشوونما سے متعلق جو علم اساتذہ کو حاصل ہوتا رہتا ہے وہ ایک کامیاب استاد بننے میں بہت مددگار ثابت ہوتا ہے۔ اس سے کردار کی بصیرت حاصل ہوتی ہے (افراد کی نوعیت اور حدود کی تفہیم، محرکات پیدا کرنے کے طریقے، تعلیم میں جذبات کی اہمیت، طبی طور طریق اور ان کے مختلف پہلوؤں کا علم) اگر استاد کو تعلیمی کام یا ذہنی صحت کو کامیاب بنانا ہے تو ان باتوں کا علم ضروری ہے۔ یہ بات بہت محسوس کی جا رہی کہ صرف مواد تعلیم کو جاننا کافی نہیں ہے۔ بلکہ ثانوی تعلیم میں استاد سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ شاگردوں کی متوازن بالیدگی کے لئے زیادہ سے زیادہ موزوں حالات پیدا کرے۔

دوران ملازمت ٹریننگ

دوران ملازمت ٹریننگ میں کالج کے مضامین کے مقابلے میں شاگردوں کی تفہیم کی زیادہ اہمیت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جو لوگ اس میں شرکت کرتے ہیں انھیں بچوں کی انفرادی اور براہ راست تجربہ ہوتا ہے۔ رہنماؤں کے ذریعے یا گروہی مباحث میں جو کچھ سکھا جائے اس کا مقابلہ اس علم سے کیا جا سکتا ہے جو ذاتی تجربات کے ذریعے حاصل کیا گیا ہے۔ اس ٹریننگ کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ بڑے شہروں میں جہاں خصوصی ماہرین دستیاب ہو سکتے ہیں وہاں مطالعہ گروپ کی تشکیل کرنی چاہئے۔ یہاں اساتذہ کو ایسے طور طریق سکھانے چاہئیں جن سے ان سروس کے اغراض و مقاصد پورے کئے جا سکیں ضرورت کی بات ہے کہ یہ طور طریق اساتذہ کے لئے امر واجب کی حیثیت اختیار کر لیں کیونکہ اکثر موقعوں پر ان طور و طریق کو برتنے میں انھیں معاونت کرنی ہو گی۔ جن جگہوں پر ماہرین براہ راست شاگردوں کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں جیسے ریڈنگ کلنک وہاں اساتذہ کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ مدرسے کے دوسرے کاموں میں شاگردوں کے ساتھ مل جل کر کام کریں۔ استاد کو شاگردوں کے مشاغل سے باخبر رہنا چاہئے ایسا نہ ہو دونوں متضاد مقاصد کے پیش نظر کام کر رہے ہوں۔

بہت سی یونیورسٹیاں دوران ملازمت ٹریننگ کا انتظام یونیورسٹی سے باہر کرتی ہیں تاکہ شہر اور شہر کے قریب وجوار میں رہنے والے اساتذہ اس میں شرکت کر سکیں یونیورسٹی سے ایک ماہر اس کام پر مامور کیا جاتا ہے جو پروگرام اور لکچر کا خاکہ مرتب کرتا ہے مطالعے کے لیے کتابیں تجویز کرتا ہے اور کبھی کبھی پیشہ ورانہ کتب خانہ بھی مہیا کرتا ہے۔ ان اساتذہ کے لیے جو شہر میں مناسب فاصلے پر رہتے ہیں ان کے لیے شام کی کلاس منعقد کی جاتی ہے۔ اس قسم کی ٹریننگ لوگوں کو گرویدہ بنا لیتی ہے اس لیے کہ اس موقع پر عام طور سے ڈگری سرٹیفیکٹ تقسیم کیے جاتے ہیں۔ مجھ کو ایسی بہت سی جماعتوں میں شرکت کرنے کا موقع ملا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ ان اساتذہ کی تفہیم میں جو پڑھاتے ہیں اور ان کی تفہیم میں جو زیر تربیت ہیں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ اول الذکر ان جماعتوں میں ٹھوس اور عملی تعلیم کا مطالبہ کرتے ہیں اور آخر الذکر صرف زبانی اور عمومی باتوں سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔

دورافتادہ مقامات پر اساتذہ کو یہ سہولت نہیں فراہم ہوتی۔ اس کا بدل مراسلاتی کورس ہے چونکہ معلم اپنے شاگردوں کے ساتھ روزانہ مصروف کار ہوتا اور اس کے مسائل کا تعلق روزمرہ کے تجربات سے ہوتا ہے اس سے ان کو یہ کورس زیادہ جیتا جاگتا لگتا ہے۔ مراسلاتی کورس میں دو فائدے ہیں (۱) مالی اعتبار سے اس میں کفایت ہے (۲) استاد کے لیے ضروری کہ اپنا کام بھی کرے اور سیکھے بھی۔

دوران ملازمت ٹریننگ کی ایک دوسری شکل ورکشاپ ہے۔ عام طور سے اس کا انعقاد تعطیلات میں ہوتا ہے۔ مدرسہ شروع ہونے سے فوراً پہلے یا کچھ دن کے لیے مدرسہ کو ملتوی کر کے ورکشاپ کا اہتمام کیا جا سکتا ہے۔ یہاں معلمین اور ماہرین دونوں ہی مطالعہ گروپ میں حصہ لے سکتے ہیں۔ اس موقع پر معلم سے توقع کی جاتی ہے کہ اپنے خیالات پیش کرنے اور دوسروں کے خیالات کو سنے۔ کبھی کبھی اس کام کو بامعنیٰ بنانے کے لیے کچھ تجربے اور عملی کام کے نمونے پیش کیے جاتے ہیں اسی سلسلے میں ایک ایسی ورکشاپ کا انتظام کیا گیا جو نمونے کے پروگرام پر مشتمل تھی۔ اس میں ملک کے تمام معلمین نے کئی دن کے لیے شرکت کی۔ اس پروگرام میں عام مسائل اور ذہنی حفظان صحت کے قیام کے سلسلے میں مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت بات چیت ہوئی

- پڑھائی اور ذہنی حفظان صحت کے درمیان باہمی تعلق
- درجے کا ماحول پر معلم کا اثر
- درجے میں ذہنی خرابی کی علامتیں
- ہمسفروں کی مطابقت کو بہتر بنانا
- استاد کی شخصی ذہنی صحت
- گھر میں بہتر ذہنی صحت کا قیام
- جسمانی صحت اور ذہنی صحت
- سوشیو گرام اور فرو سوالات کا استعمال
- کھیل کے ذریعے علاج، آرٹ کے ذریعے علاج اور تخلیقی انشا
- جذبات تعلم پر کیسے اثر انداز ہوتے ہیں
- معلمین مسائل کو حل کرنے میں ایک دوسرے کی کیسے مدد کر سکتے ہیں
- اکائی کا طریقہ اور بچوں کی نشوونما
- ضبط اور ذہنی صحت
- ذہنی صحت کے لئے بلاوی کے وسائل کا استعمال

یہاں معلمین نے ایسے موضوعات کو منتخب کیا جن میں انھیں دلچسپی تھی۔ کلنکی نفسیات اور تحلیل نفسی کے ماہروں اور کالج کے پروفیسروں کو مختلف گروپ کا سربراہ بنایا گیا۔ ان کی رہنمائی میں ان موضوعات سے پیدا ہونے والے سوالات کے جوابات فراہم کئے گئے۔ مدرسے کے مسائل کو حل کرنے کے لئے عملی مشوروں کے علاوہ معلمین کو پیشہ ورانہ اشتراک عمل سے بھی فیضان حاصل ہوا۔ منتظمین اور معلمین دونوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ حاصل شدہ معلومات سے طلبا کی تفہیم میں اس درجہ مدد ملتی ہے کہ کام کی تاثیر اور لطف بڑھ جاتا ہے۔

شخصی تجربے کرنا

بچوں کی بہتر تفہیم کے لئے معلومات حاصل کرنے کا ایک ذریعہ شخصی تجربہ ہے۔ اس قسم کی معلومات ہر استاد کو حاصل ہو سکتی ہیں چاہے وہ ایسے مدرسے میں

کام کرتا ہو جس میں وہی واحد استاد ہو یا کسی بڑے مدرسے کا ایک رکن ہو۔ مثال کے طور پر وہ آزاد کھیل، آرٹ کے مشاغل، تخلیقی انشا، شخصیت کے مطالعے کے لئے فرد سوالات وغیرہ سے متعلق شخصی تجربے کر سکتا ہے اور اس طرح شاگردوں کی مکمل تفہیم پیدا کر سکتا ہے وہ مسائل کی شناخت اور ان کے انسداد کی غرض سے مطالعہ فرد بھی کرتا ہے اس سلسلے میں معلمین کو مندرجہ ذیل کتابوں سے دلچسپی ہو سکتی ہے۔

ورجینیا۔ لے ایکسلین کی کتاب پلے تھراپی، کارل۔ آر۔ روگرس کی کتاب کونسلنگ اینڈ سائکو تھراپی، ایڈمنڈ بلیز کی کتاب ہیومن ریلیشنز ان دی کلاس روم اور جولیا ویبر کی کتاب مائی کنٹری اسکول ڈائری اور خود اپنے شاگردوں کے مطالعے سے متعلق جو طریقے بتلائے گئے ہیں استاد ان کا بھی اطلاق کر سکتا ہے۔ ان تجربوں سے عام طور پر ایسی معلومات حاصل ہو سکتی ہیں جو شاگردوں کے لئے تعمیری طور پر معاون ثابت ہوں منصوبہ اگر جماعتی ہے تو زیادہ معلوماتی اور محرک ثابت ہوگا۔ دو یا تین استاد ایک ساتھ مل بیٹھیں تو کالج کے فاضل پروفیسر کی مدد کے بغیر تجرباتی اور معالجاتی طریقے استعمال کر سکتے ہیں، انفرادی نتائج کی بنیاد پر تبادلہ خیال کر سکتے ہیں اور بہت سے تعمیری نظریے قائم کر سکتے ہیں۔ ایک ایسے ہی مفید جماعتی منصوبے کے تحت ایک بچے کے مسائل کا مطالعہ کیا گیا جس کی نوعیت مطالعہ فرد کی تھی۔ پھر تمام معلمین سر جوڑ کر بیٹھے اور انسداد کے مختلف طریقوں پر تبادلہ خیال کیا۔

بچوں کی تفہیم میں انفرادی اور اجتماعی تجربوں اور مطالعوں کے ساتھ ساتھ پیشہ ورانہ ادب کے مطالعے سے بھی مدد لی جا سکتی ہے۔ اگر مطالعہ منظم طور پر منصوبے کے تحت کیا گیا ہے تو زیادہ سے زیادہ مفید نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ ہاں یہ خیال ضرور ہے کہ توجہ کسی خاص مسئلے یا مضمون پر مرکوز ہوتا ہے کہ مختلف رائیں حاصل کی جا سکیں۔ یہاں متفرق مطالعے کی برائی مقصود نہیں لیکن یہ بات واضح ہونی چاہئے کہ اغراض و مقاصد ہی کارکردگی اور ذہنی حفظان صحت کے نمایاں پہلو ہیں۔

خلاصہ

مدرسے کا پروگرام جو اس غرض سے مرتب کیا گیا ہو کہ بچوں کی بہترین ذہنی صحت

کے لیے فضا تیار کی جائے تو اس کی بنیاد تفہیم پر ہونی چاہئے۔ یہ ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ کردار کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے اور اس بات کا امکان ہے کہ صریحی کردار کسی نہ کسی دشواری کی علامت ہو اس لئے اگر مدرسے کے بچوں کی امداد کرنی ہے تو ضرورت اس بات کی ہوگی کہ ان کے صریحی کردار کے بجائے اسباب کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

تمام بچے کسی نہ کسی دشواری سے دوچار ہوتے ہیں، کسی نہ کسی نقص سطابقت کی علامت کا اظہار کرتے ہیں۔ نامکمل مطابقت ایک نارمل بات ہے اور اساتذہ کو اس بات سے باخبر ہونا چاہئے کہ تمام بچے مسئلی نہیں ہوتے۔ البتہ ان کی امداد اور تفہیم کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے انھیں مسئلہ نہیں تصور کرنا چاہئے۔ لیکن اگر ان دشواریوں کی تکرار ہونے لگے اور بار بار علامتیں نظر آنے لگیں تو پھر انھیں غیر نارمل سمجھنا چاہئے۔

بچوں کی تفہیم کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ ان کی باتوں کو توجہ کے ساتھ سنا جائے اساتذہ کو یاد رکھنا چاہئے کہ سالم بچے کو (جذباتی جسمانی اور ذہنی عوامل کو شامل کرکے) ملحوظ رکھا جائے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس سے متعلق مدرسے اور گھر سے معلومات فراہم کی جائیں۔ کیا محض گھریلو حالات کی تفہیم سے ہم ان اسباب کی جڑ تک پہنچ سکتے ہیں جو استاد اور بچے کے ہم جماعتوں کے لئے انتشار کا باعث بنتے ہیں۔ کبھی کبھی گھریلو حالات سے شروع کرنا مفید ہوتا ہے لیکن اگر قابل عمل نہ ہو تو گھر کے منفی اثرات دور کرنے کے لئے مدرسے کے اندر بہت کچھ کیا جاسکتا ہے۔ بچے کو دلچسپ مشاغل میں لگایا جاسکتا ہے اور اس طرح جذبات سے رہائی دلائی جاسکتی ہے۔ ایسے مشاغل میں بھی رہنمائی کی جاسکتی ہے جن سے بچے کے اندر تکمیل کا احساس پیدا ہوسکے۔ بچوں کی قبولیت کے ذریعے ان کے اندر سماجی تحفظ کا احساس پیدا کیا جاسکتا ہے۔

مدرسے کے ریکارڈ سے بہت سی ایسی معلومات فراہم کی جاسکتی ہیں جو اس کی تفہیم میں معاون ثابت ہوں۔ اس قسم کی معلومات معیاری جانچ کے عطیے، سابق تعلیمی تجربوں کے ریکارڈ اس کے کردار کے نمائندہ پہلو سے متعلق کوئی حکائی روداد اور سابق اساتذہ کے ذریعے مرتب کی ہوئی پیمائش قدر پر مشتمل ہوں گی۔

استاد بچے کی مکمل تفہیم اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک وہ اس بات کو ملحوظ نہ رکھے کہ اس کے ہمسر اسے کسی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس طرح کی بصیرت حاصل کرنے کی تکنیک یہ ہے کہ درجے کے اندر شاگردوں کے مابین شخصی رائے زنی ہوتی ہے وہ توجہ کے ساتھ سنی جائے سماجی مطابقت سوشیوگرام اور مطابقت پیدا کرنے والی فہرست کے سوالات کی ترجمانی سے متعلق جو رائے زنی کی جائے اور خاص طور سے سنی جائے۔

پیشہ ورانہ تعلیم کے ذریعے بچوں کی تفہیم کے بہت سے وسیلے پیدا ہو جاتے ہیں ان میں سے خاص خاص وسائل یہ ہیں۔ خود وہ نصاب جو ایک زیر تربیت استاد پڑھتا ہے۔ دوران ملازمت ٹریننگ کورس، ورکشاپ میں شرکت اور مراسلاتی نصاب اگر تعلیم کے یہ رسمی وسائل میسر نہ آسکیں تو بھی انفرادی اور جماعتی مطالعے اور تجربے کی گنجائش باقی رہتی ہے۔

بچوں کی تفہیم کا معاملہ آسان نہیں اور نہ ہی اس کا تعلق علم سینہ سے ہے کہ محض چند لوگ اس کا حوصلہ کر پائیں۔ بلکہ یہ لگن اور محنت کے ساتھ کام کرنے کی بات ہے یہ بات اس لحاظ سے بہت سود مند ہے کہ بچوں کی تفہیم کے ذریعے ایک بہتر ذہنی صحت کے حصول میں ان کی معاونت کی جائے اور اس کو شخصی تسکین کا ذریعہ بنایا جائے۔

۱۔ استاد کے لئے یہ بات کیوں اتنی اہم ہے کہ کردار کے اسباب کی تفہیم کی جائے؟ علامتوں کی کیا اہمیت ہے؟

۲۔ اگر کشاکش نارمل ہے تو پھر کیوں اس بات کی کوشش کی جائے کہ بچے کی بالیدگی کی راہ جو رکاوٹیں ہیں ان کو دور کیا جائے؟

۳۔ کوئی ایسا واقعہ بیان کیجئے جس میں آپ نے (بچے یا بڑے) کی بات کو ہمدردی کے ساتھ سنا ہو اور اس طرح اس کی امداد کی ہو۔

۴۔ ذرائع آمدنی کس حد تک گھریلو حالات کو صحت مند بنانے میں معاون ہوتے ہیں؟

۵۔ کیا آپ گھر کے منفی اثرات کی فہرست تیار کر سکتے ہیں؟ ایسے اثرات جو اس باب میں مذکور ہیں یا جن کا عام طور پر آپ نے مشاہدہ کیا ہو۔

۶۔ اگر گھر کے منفی اثرات دور نہ کئے جا سکیں تو استاد کے لئے کوئی صورت باقی رہ

جاتی ہے یا نہیں۔

۷۔ ابتدائی درجوں میں جانچ کا کم سے کم کیا پروگرام بنایا جا سکتا ہے؟ ہائی اسکول کے لئے کم سے کم جانچ کا پروگرام کیا ہو سکتا ہے۔

۸۔ ایسی تکنیک بیان کیجئے، جس کے ذریعے ہمسروں کی پیمائش قدر کا پروگرام لاگو کیا جا سکے۔

۹۔ پیشہ ورانہ نصاب کو زیادہ عملی بنانے کے لئے آپ کیا مشورے پیش کرتے ہیں؟

۱۰۔ ایک استاد کو شخصی تجربات کے دوران کن کن غلطیوں سے احتراز کرنا چاہیے؟

۱۱۔ استاد کی خود اپنی ذہنی صحت کہاں تک بچوں کی تفہیم پر اثر انداز ہوتی ہے۔

باب۹

ضبط اور ذہنی حفظان صحت

تعلیم کی تاریخ میں ایک ایسا دور گزرا ہے جب معلم بننے کے لئے ضبط قائم کرنے کی صلاحیت ایک لازمی شرط تھی وہ شخص جو اپنے طالب علموں میں زیادہ خوف پیدا کرتا، زیادہ کامیاب معلم سمجھا جاتا۔ اگر وہ اپنے شاگردوں میں خوف نہ پیدا کر پاتا تو کم سے کم جسمانی طاقت سے ضبط قائم کرتا۔ اس وقت سلیٹ اور چاک کی طرح چھڑی اور ڈنڈا بھی درجے کے سامان کا ایک جز تصور کیا جاتا تھا۔ اکثر درجوں میں یہ اصول عمل کارفرما تھا کہ "پڑھو" یا "بھاگ جاؤ" ہونے والے استاد سے جو سب سے پہلا سوال پوچھا جاتا وہ یہ ہوتا "کیا تم ضبط قائم کر سکتے ہو؟" اور سب سے زیادہ موثر استاد اس شخص کو سمجھا جاتا جو درجے میں ضبط و نظم قائم رکھے چاہے لڑکے کچھ پڑھیں یا نہ پڑھیں۔ اس وقت کا ضبط یقیناً تحکمانہ تھا۔

یقیناً آج ضبط کا وہ تصور نہیں رہا لیکن ابھی تک مکمل طور پر اس کو رد بھی نہیں کیا جاسکا ہے۔ دوسری طرف اس بات کا امکان ہے کہ اس تصور سے چھٹکارا حاصل کرنے کے دوران ہم دوسری سمت بہت دور جا پڑیں۔ آج کچھ ایسے اساتذہ بھی موجود ہیں جن کا خیال ہے کہ جدید اور کامیاب مدرسے میں ضبط کا کوئی مقام نہیں۔ یہ خیال کہ ضبط کی کوئی ضرورت نہیں ہے شاگردوں کی بالیدگی کے لیے اتنا ہی مضر ہے جتنا قدیم جابرانہ ضبط کا نظریہ۔ استاد کو ضبط تو بہر حال قائم کرنا ہے اس کی آج بھی بڑی اہمیت ہے یہ اور بات ہے کہ نظری اعتبار سے اس کے مفہوم اور اس کے حصول کے طریقوں میں نمایاں تبدیلی ہو چکی ہے۔ یہ تصور کہ ضبط کیا ہے اور کیسے حاصل کیا جائے؟ ذہنی حفظان صحت کے مطالعے کا ایک خصوصی مسئلہ ہے

ضبط کا مفہوم

ضبط کے قدیم تصورات: ضبط کے قدیم تصورات، یورپ کے ابتدائی نمونوں سے ستعار لیے گئے ہیں۔ جس کے تحت شاگردوں کو ایک ایسے سماج کے لیے تیار کیا جاتا تھا جو طبقات پر مشتمل ہو۔ ان کے پیش نظر تعمیل اور فرمانبرداری سکھانا بھی ضبط کا مقصد تھا۔ باوجودیکہ امریکی مدارس کا منشا یہ تھا کہ شاگردوں کو ایک جمہوری سماج کے لیے تیار کیا جائے لیکن زور تعمیل اور فرمانبرداری ہی سکھانے پر تھا۔ چنانچہ اگر کوئی شاگرد اپنے استاد کے کسی لفظ کی گرفت کر لیتا تو اسے چھچھورا سمجھا جاتا اور اس کی سخت مذمت کی جاتی۔ استاد کے منہ سے نکلا ہوا لفظ قانون تھا اور اس کی عدم تعمیل ڈنڈے کھانے کی موجب تھی۔ یہاں تک کہ اگر کسی شخص میں سیکھنے کی صلاحیت نہ ہوئی تو اس کو بھی خلقی سرکشی تصور کیا جاتا اور بید سے پٹائی کی جاتی تاکہ اس کی گمرہی کو دور کیا جا سکے۔ کھانا پھوسی کرنا، اپنی باری کے علاوہ بولنا۔ بغیر اجازت اپنی جگہ یا کمرہ چھوڑنا۔ یہ سب کے سب کام نافرمانی کے مترادف تھے۔ دراصل اگر ہم سو پچاس برس پہلے کے نظام مدرسہ پر ایک نگاہ واپس ڈالیں تو بہت حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح اس سخت ماحول میں کوئی بچہ ذی فہم، خوش خلق اور مسرور آدمی بن سکتا تھا۔

ضبط کے معاصر نظریات: ضبط کے موجودہ مقاصد اور طریق کار پہلے سے مختلف ہیں آج اس کا مقصد یہ ہے کہ بہتر سلسلہ نظم و ضبط قائم ہو اور ایک سماج رخ خود ایتی ماحول پیدا کیا جائے۔ جبر کی حالت میں جو نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے وہ ضروری نہیں کہ معقول ہو دراصل جب خارجی پابندیاں اٹھا دی جاتی ہیں تو اس نظم و ضبط میں جو بہت وقیع سمجھا گیا تھا انتشار پیدا ہو جاتا ہے لیکن وہ ضبط جو کسی بامقصد کام میں منہمک ہونے سے پیدا ہوتا ہے مکمل سکوت سے کم تر ہی بالغوں کی نگرانی کے بغیر بھی قائم رہتا ہے۔ ہر اس شخص کو جو ذہنی صحت حاصل کرنا چاہے یہ سبق سیکھنا چاہیے کہ جماعتی مفاد کا خیال رکھے، قانونی پابندیوں کی تعمیل کرے اور عارضی طور پر اپنی ذاتی خواہشات سے درگزر کرے بالغوں کے سماج کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہم کو اپنی مرضی کے خلاف بھی بہت کچھ کرنا پڑتا ہے اس لیے ضبط کی تعریف یہ بیان کی جا سکتی ہے کہ اس

کے تحت تندہی کے ساتھ فرائض کو انجام دیا جائے آزادی کے ساتھ بامقصد کام کا انتخاب کیا جائے اور دوسروں کے حقوق و فرائض کا پاس رکھا جائے۔

موجودہ دور میں ضبط کا ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ خود مختاری حاصل کرنے میں نوجوانوں کی مدد کی جائے۔ شاگردوں کو ہوبہو اپنے ہی جیسا ناقص فرد بنانے کے بجائے مقصد پیش نظر ہونا چاہیے کہ ایک بے مثل شخصیت کی تشکیل کی جائے ایسی ہی بے مثل شخصیتیں سماج کو آگے بڑھاتے ہیں اور اپنی خوبیوں کی بنیاد پر حصول آرزو کی تسکین بر آری کرتی ہیں۔

ظاہر ہے ان باتوں پر زور دینے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آزادی اور مطلق العنانی کے مفہوم میں الجھاؤ پیدا کیا جائے۔ مطلق العنانی سے مراد ہے کہ دوسروں کی مرضی کا خیال کیے بغیر کوئی شخص اپنی خواہش کے مطابق کام کرنے میں اپنے حقوق کا استعمال کرے۔ اس کے برعکس آزادی کا مطلب ہے کہ ایک شخص کو اپنی مرضی سے کام کرنے کا اسی وقت تک اختیار ہوتا ہے جب تک وہ دوسروں کی آزادی میں مخل نہ ہو۔ خود مختاری حاصل کرنے کا مطلب ہے کہ ایک شخص دوسروں کی ہدایت کے بغیر اپنے مشاغل کا انتخاب کرے اور پھر بھی سماج رج جماعت کا ایک رکن بنا رہے۔ ایک طرح سے دیکھا جائے تو ہمارے مدرسوں میں آج یہی تصور کارفرما ہے۔ ابتدائی مدرسوں میں بہت حد تک اساتذہ کی ہدایت کا عمل دخل ہوتا ہے لیکن ثانوی مدارس میں ہدایت کا پہلو کم ہو جاتا ہے یہاں طلبا اپنی مرضی کے مطابق آزادی کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں۔ کالج میں کسی قسم کی نگرانی نہیں ہوتی۔ تفویضات کی تکمیل کی ذمے داری طالب علموں پر ہوتی ہے اور پی۔ ایچ ڈی کے بارے میں تو یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ طالب علم خود اپنے لیے موضوع مطالعہ تفویض کرے اور بغیر کسی ہدایت کے اس پر عمل کرے کیوں کہ وہ اب خود مختاری کی منزل پر آگیا ہے۔

چنانچہ اس بات کی بہت ضرورت ہے کہ پوسٹ گریجویٹ منزل سے پہلے ہی خود مختارانہ عمل کی صورت پیدا کر دی جائے۔ خوش قسمتی سے اس بات کے بہت سے شواہد ملتے ہیں کہ اس قسم کی خود مختاری بہت تیزی سے ہو سکتی ہے۔ چونکہ ابتدائی مدرسے کے طالب علموں کو خود اپنی رہنمائی کی بنیاد پر ضبط کے مواقع فراہم کیے جاتے ہیں اس لیے کالج اور یونیورسٹی میں پہنچنے سے قبل ہی زیادہ سے زیادہ خود مختاری حاصل کی جاسکتی ہے۔ اگر اس کے مواقع فراہم کرتے ہیں تو بچے خود اپنی رہنمائی میں حیرت انگیز صلاحیتوں کا اظہار کر سکتے ہیں۔

ضبط کے جدید نظریے کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ سزا کے معاملے میں بدکرداری کی علامت کے بجائے اسباب پر غور کیا جائے۔ خارجی طور پر عائد کیا ہوا ضبط بدکرداری کی طرف لے جاتا ہے جب کہ اپنے آپ پیدا کیا ہوا ضبط اچھے کردار کا پیش خیمہ ہے۔ خود اپنی رہنمائی میں جب کوئی بامقصد کام کیا جاتا ہے تو اس وقت عمدہ ضبط کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔ یقیناً موجودہ نظریہ پورے طور پر ذہنی حفظان صحت کے نظریوں سے مطابقت رکھتا ہے یعنی مرض کو دور کرنے سے پہلے تعین اسباب زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے۔ جابرانہ ضبط سے تعمیل کا مادہ پیدا تو ہوتا ہے۔ لیکن اکثر صورتوں میں تناؤ باقی رہتا ہے۔ جو کسی دوسری شکل میں نمودار ہو جاتا ہے۔ ایک استاد ڈانٹ ڈپٹ کر اپنی جماعت کو خاموش تو کر سکتا ہے لیکن طالب علموں کے اندر یہ دبا ہوا تناؤ کوئی اور شکل اختیار کر سکتا ہے۔ دیواروں پر لکھنا، ڈیسک اور میز کو خراب کرنا یا غسل خانے کا سامان توڑنا پھوڑنا، یہ سب اسی بات کا اظہار ہے مثال کے طور پر ایک مدرسے میں سپرنٹنڈنٹ کے حکم کے مطابق جابرانہ ضبط کا ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ جماعت کا نظم و نسق بہت اچھا تھا شاگرد اپنے استاد سے کسی قسم کا سوال نہیں پوچھتے اسباق وقت کے اندر ختم ہو گئے اور کوئی بھی لڑکا اِدھر اُدھر گھومتا نظر نہیں آتا۔ اس کے باوجود اس درجے میں ضبط کی کمی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کئی موقعوں پر اسکول کی عمارت کو نقصان پہنچایا گیا، سامان ادھر اُدھر بکھیر دیا گیا۔ اور دوسری جگہوں پر بھی کافی نقصان پہنچایا گیا۔ چنانچہ فوراً بدنظمی کی علامتوں پر توجہ کی گئی لیکن وہ تناؤ جو پیدا ہو چکا تھا اس کا اظہار مختلف قسم کے برے کرداروں کے ذریعہ ہوتا رہا۔

تعمیری ضبط اس تربیت کا نام ہے جس کے تحت کردار کو موڑا جاتا ہو اور اس کی اصلاح ہوتی ہے۔ اس سے کردار کو تقویت ملتی ہے اور کردار بہتر ہو جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ضبط کی ضرورت ہے۔ اہم سوال یہ ہے کہ ضبط پیدا کرنے کے لیے کون سے طریقے اپنائے جائیں درجے کے استاد کے لیے سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ من مانی پابندیاں عائد کرنے کے بدلے ایک بامقصد کام کے ذریعے ضبط قائم کرنے کی کوشش کرے۔

موثر ضبط کے فوائد اور نتائج: ضبط دونوں صورتوں میں ضروری ہے چاہے وہ افراد کی امکانی صلاحیتوں کو بدرجہ اتم بروئے کار لانے میں مدد کرے یا ایک سماجی گروہ میں ہم آہنگ ہونے اور بار آور زندگی گزارنے کا موقع فراہم کرے۔ ایک سماج مرغ ضبط

جو خود اپنی ہدایت کے تحت قائم کیا جائے جسمانی اور ذہنی صحت کے لیے ضروری ہے۔ ہمارے سماج میں یہ بات نہ تو ممکن ہے اور نہ مناسب کہ ایک شخص جو صاحب اقتدار ہے پورے وقت دوسروں کی نگرانی کرتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ضبط، اندر سے پیدا ہو، موثر اندرونی ضبط ذہنی بیماری کو کم کرتا ہے۔ یہ بات وثوق کے ساتھ نہیں کی جاسکتی کہ جابرانہ ضبط سے نقص مطابقت پیدا ہوتا ہے ہاں یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ یہ نقص مطابقت کے رجحان کو بڑھاتا ہے۔ ضبط کے اقدامات کی وجہ سے جب ایک طرف تناؤ میں اضافہ ہو جاتا ہے اور دوسری طرف احساسات کے اظہار کا موقع نہیں ملتا تو جذبات میں ٹیس سی اٹھنے لگتی ہے۔ خوش قسمتی سے بہت سے بچوں کو اسکول کے اندر اور باہر ایسے مواقع مل جاتے ہیں کہ وہ اپنے خدمات کا اظہار کر سکیں لیکن ایسے بھی لڑکے ہوتے ہیں جو اس تناؤ کو برداشت کر لیتے ہیں۔ کچھ بچے مدرسے کے دوران اس کا شکار ہو جاتے ہیں اور بعض بچوں میں یہ تناؤ بلوغت تک باقی رہتا ہے جس کی وجہ سے جذباتی استقامت نہیں پیدا ہو پاتی۔ جو لوگ اپنے مسائل کا حل کسی مقتدر شخص کی مدد کے بغیر اپنے آپ تلاش کرتے ہیں وہ ہمیشہ اپنے تجربے اور آزمایش میں کامیاب نہیں ہوتے لیکن ان میں اس ضبط کی صلاحیت ضرور رہتی ہے کہ اپنی کوشش جاری رکھیں۔

موثر ضبط میں بھی وہی باتیں سکھائی جاتی ہیں جو تحکمانہ ضبط کے ذریعے بتائی جاتی ہیں مثلاً معقول حد تک تعمیل، دوسروں کے حقوق کا خیال اور نظم وضبط کی پابندی۔ اس کے علاوہ اس کے اندر قانون اور عوام کا احترام بھی شامل ہوتا ہے۔ ایسا احترام جو تفہیم اور تحسین سے پیدا ہوتا ہو نہ کہ مصنوعی احترام اور کہنے سننے سے دراصل مدرسے کے بہت سے کارکن اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جب آپ تعمیل کا مطالبہ کریں تو آپ کو خود بھی قابل احترام ہونا چاہیے۔ یہ احترام اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اجتماعی کاموں میں شرکت کی جائے اور امداد باہمی کے کاموں میں یقین رکھا جائے۔ ایک تحکمانہ کمرۂ جماعت جس میں استاد اور شاگرد کے دو مخالف کیمپ ہوں اور ایک ایسا کمرۂ جماعت جس میں یہ احساس پیدا کیا گیا ہو کہ استاد اور شاگرد دونوں کو ایک مشترکہ مہم درپیش ہے۔ ان دونوں قسم کے درجوں میں جو رویے کا اختلاف ہوگا اس کو آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔

موثر ضبط کی دوسری خوبی یہ ہے کہ اس کے ذریعے سماجی شعور بڑھتا ہے اور اجتماعی مشاغل میں شرکت کا موقع ملتا ہے۔ منصوبہ بندی میں شرکت کرنے اور پالیسی کو چلانے میں خود بھی فرد یہ محسوس کرتا ہے کہ دوسروں کے حقوق اور دوسروں کی خواہشات، اس کے اپنے حقوق اور خواہشات سے بظاہر ٹکراتے ہیں۔ چونکہ وہ جانتا ہے کہ دوسرے اس کے نقطہ نظر کو کبھی کبھی تسلیم کر لیتے ہیں اس لیے خود بھی آسانی سے اس بات کو تسلیم کرے گا کہ دوسروں کی خواہشات کا احترام کرے۔ یہ بصیرت خود بخود اس لیے نہیں پیدا ہوتی کہ ایک شخص اپنی قانونی عمر کو پہنچ گیا ہے بلکہ یہ نتیجہ ہے بڑھتے ہوتے تجربات کا اس لیے پورے طور پر بار آور بننے کے لیے اوائل عمر سے ہی تجربات بڑھانے کی کوشش شروع کر دینی چاہیے۔

ان باتوں کا مطلب ہے کہ موثر ضبط کے ذریعہ جمہوری کاموں میں شرکت کا موقع ملتا ہے۔ تعمیل کی ضرورت بہر کیف ہوتی ہے، لیکن لکیر کا فقیر بننے سے جمہوریت کے طریق عمل میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے جمہوریت میں فرد کی قدر و قیمت تسلیم کی جاتی ہے اور اس بات کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کہ مختلف افراد میں جماعتی کام کرنے کی صلاحتیں مختلف ہوتی ہیں اس لیے یہاں ایسے ضبط کا تصور کار فرما ہوتا ہے جس میں افراد کو بامقصد مشاغل اپنانے پر زور دیا جائے۔ اس طرح موثر ضبط افراد کے لیے ایک مکمل تکمیل کا ہی ذریعہ نہیں جو ذہنی صحت پر ایک سود مند اثر ڈالے بلکہ یہ بنیاد ہے اس نظریے اور عمل کی جس پر سماجی اور سیاسی زندگی کا انحصار ہے۔

پختگی کا ایک اصول خود اعتمادی ہے۔ موثر ضبط کی صورت میں افراد ایک دوسرے پر کم انحصار کریں گے۔ جس طرح والدین کی معقول نگرانی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ والدین کی ضرورت کم باقی رہتی ہے اسی طرح موثر تعلیمی عمل کا بھی یہ نتیجہ ہونا چاہیے کہ افراد اپنے مسائل کا تجربہ کر سکیں، ان سے متعلق معلومات فراہم کر سکیں اور اپنے مسائل کو خود حل کر سکیں۔ والدین کی نگرانی کی دوسری مثال یہ ہے کہ بچہ جب اس کی ضرورت کم محسوس کرتا ہے تو اپنے والدین سے زیادہ عقیدت رکھتا ہے اسی طرح طالب علم اس وقت موثر تعلّم کی جانب زیادہ مائل ہوگا جب وہ خود اپنے مقاصد کا انتخاب کر سکے اور ان کے حصول کے لیے کام کر سکے۔ اس طرح معقول ضبط کے تحت فرد کو بار آور شہریت کے لیے

تیار کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ اس کی وجہ سے ذہنی صحت میں ترقی ہوئی ہے۔

بامقصد کام کے ذریعے جس قسم کا ضبط پیدا ہوتا ہے اس سے تجسس کی بنیادی حاجت پوری ہوتی ہے۔ اگر ہم اپنے تعلیمی تجربات پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوگا کہ اسکول کے وہ کام جو ہم نے انجام دیئے ہیں ان میں تجسس کی بہت کمی تھی۔ اس لیے کہ ذرائع معلومات اور مطالعے کے نتائج پیش کرنے کے طریقوں کو پہلے ہی واضح کر دیا گیا۔ درحقیقت تعلّم ایک ناپسندیدہ مشغلہ بن گیا تھا اس لیے کہ عمل تعلّم پر ناکام ہونے، درجے میں روک لیے جانے اور مرعات کے چھین جانے کا خوف مسلّط تھا۔ بہت سے لوگوں میں یہ صلاحیت نہیں ہوئی تھی کہ رسمی ضبط کے منفی اثرات کو جھیل سکیں اس لیے لوگ رسمی تعلیم سے بالکل ہی کنارہ کش ہو گئے۔

بامقصد ضبط کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ ضبط پیدا کرنے کا کام مناسب موقع پر شروع کر دیا جائے۔ شخصیت کی تعمیری نوعیت کا جائزہ لیتے وقت ہم کو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کردار اچانک رونما نہیں ہوتے۔ اگر کوئی شخص اس بات کا عادی ہو گیا ہے کہ دوسرے اس کے لیے منصوبہ بنا دیں اور طریقہ کار متعین کر دیں تو وہ کبھی بھی بالغوں کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے قابل نہ ہو سکے گا۔ خوش قسمتی سے آج ایسے آجر موجود ہیں جو اپنے کارکنوں کو خود ہدایتی ضبط پیدا کرنے کا موقع فراہم کرتے ہیں اس طرح کارکن اپنے اندر خود مختاری پیدا کر سکتے ہیں۔ بعض لوگ البتہ اپنے پرانے اثرات سے نہیں بچ پاتے اور دوسروں کی انحصار کرتے ہیں۔

<u>خلاصہ:۔ ضبط کا منصب:۔</u> ضبط کی مندرجہ بالا تعریف کے ذریعے ان تمام مقاصد کی تکمیل ہو جاتی ہے جو کہ کردار کو بہتر بنانے کے لیے درکار ہوتے ہیں۔ بہتری کا یہ عمل طبعی عمر کی پختگی کے بجائے نفسیاتی پختگی کی سمت موڑنا چاہیے۔ مختصر یہ کہ اساسی مقصد پیش نظر یہ ہونا چاہیے کہ ایسا فرد تیار کیا جائے جو خود ہدایتی کی صلاحیت پیدا کر سکے۔ خود ہدایتی میں پختگی پیدا کرنے کے لیے اس بات کو ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ فرد ایک سماجی گروپ کے اندر رہتا ہے۔ جہاں حقوق، آزادیاں اور پابندیاں سب کے لیے برابر ہیں۔

جماعت کے اندر ضبط کے تین مقاصد ہیں۔ (۱) ان عناصر کو دور کرنے جو تعلیم و

تعلم سے توجہ ہٹاتے ہوں اور ایسے مشاغل کی طرف رہنمائی کرے جو تعلم میں زیادہ سے زیادہ سہولت پیدا کریں۔ (۲) عام شاگردوں کی ذہنی صحت جسمانی تحفظ اور فلاح وبہبود کا مدرسے کی جانب سے تحفظ ہونا چاہیے۔ (۳) تعمیل، امداد باہمی، قیادت اور پیروی اور شخصی کفالت کی عملی تربیت کے مواقع فراہم کیے جائیں تاکہ طالب علموں کو ایک ذمے دار شہریت کے لیے تیار کیا جاسکے۔

استاد اور شاگرد دونوں کے لیے یہ بات اہم ہے کہ اگر ذہنی صحت کا حصول اور قیام مقصد ہے تو ضبط کے تعمیری منصب کو سمجھیں۔ اگر ضبط میں کمی واقع ہوگی تو اس کا امکان ہے کہ گھر اور مدرسے سے جو بچے نکلیں گے وہ ناخوش رہیں گے کیوں کہ وہ اس بات کو فراموش کر چکے ہوں گے کہ کسی سماجی گروہ میں زندگی بسر کرنے کے لیے دوسروں کی خواہش اور مرضی کا احترام بھی ضروری ہے۔ بہت سے بالغوں میں ذہنی بیماری کی علامتیں پائی جاتی ہیں اس کی ذمے داری کسی حد تک اس بات پر ہے کہ وہ نہ تو کبھی باطنی ضبط پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ خارجی پابندیوں سے مطابقت پیدا کرتے ہیں۔ ان علامتوں کا اظہار کبھی جرائم کبھی کثرت شراب نوشی اور کبھی ذاتی غرض کے لیے فریب دہی کی صورت میں ہوتا ہے۔ کبھی اپنی ملازمت کو باقی رکھنے کی بھی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے اور کبھی ازدواجی زندگی میں بے اطمینانی اور حصول مقصد میں ارادے کی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔

متوازن ضبط کے عوامل

اب چوں کہ یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ ضبط کے قیام کی وجہ سے افراد کی ذہنی صحت بہتر ہوتی ہے اس لیے مناسب ہوگا اگر ہم ان عوامل پر نظر ڈالیں جو ایک متوازن ضبط پیدا کرنے میں معاون ہوتے ہیں۔ یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ ضبط کے نظریات کا عمل درآمد چوں کہ جماعت کے اندر رہوتا ہے اس لیے ضبط کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ معلم کا اقتدار کم ہو تاکہ شاگرد اپنے اندر ضبط کا مادہ پیدا کر سکیں۔

ایک موثر ضبط کے قیام میں معلم کی ہدایت کا ایک مقام ہے:۔ اگر معلم اچانک یہ فیصلہ کرے کہ بالغوں کی مداخلت کو کم کر دینا چاہیے تو یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ شاگرد اپنی ہدایت کی ذمے داری خود سنبھالیں۔ چونکہ خود ہدایتی کے پہلو ہر درجے کے اندر خاص طور سے زور دیا جاتا ہے اس لیے شاگردوں کو ضبط کے اندر رکھنا اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ اگر یہ مطالعہ منصف مزاجی، رحم دلی پر مبنی ہے تو سخت گری کے باوجود طلبا اس کو پسند کریں گے اس قسم کے ضبط کے لیے ان دو ایک لڑکوں کو جو استاد کے لیے مشکلات پیدا کرنا چاہتے ہیں، متوجہ کیا جاسکتا ہے۔ عام طور پر بدکرداری سے اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ دشواری بہت راسخ ہے۔ بلکہ طلبا میں محض کچھ کر گزرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ یہ ابتدائی مدارس کے بچوں پر بھی اتنا ہی صادق آتا ہے جتنا سنیئر ہائی اسکولوں کے طلبا پر۔ اگر طلبا کو یہ اندازہ ہو جائے کہ درجے کے پسندیدہ طور وطریق کے لیے استاد ذمے دار ہے تو نازک شخصیتوں کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ ایک صحت مند اور جمہوری ضبط کے ماحول میں اختیار و اقتدار کا ایک مقام ہے۔ جمہوری زندگی کا ایک عنصر جو نظر انداز کر دیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ کبھی کبھی جماعت کے ایسے فیصلوں کے مقابلے میں جو لاعلمی پر مبنی ہوتے ہیں ایک ماہر اور خصوصی رائے زیادہ موثر ثابت ہوتی ہے۔ سرکاری صنعتی اور تعلیمی تنظیمیں ایسے خصوصی ماہروں سے فائدہ اٹھاتی ہیں۔ بچوں کو یہ بھی سیکھنا چاہیے کہ اقتدار کی تشکیل اگر مناسب طور پر ہوتی ہے تو شخصی آزادی پر حرف نہیں آتا۔ یہ سمجھنا چاہیے کہ وقت کے ساتھ ساتھ ضبط کے کھردرے طریقے کم ہوتے جائیں گے یا سرے سے ہی ختم ہو جائیں گے

بچوں کی فطرت کی تفہیم معاصر ضبط کے ضمن میں ایک قابل لحاظ امر ہے:۔

منجملہ اور باتوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ بچوں کے افعال کبھی کبھی ان کے ارادوں سے مطابقت نہیں رکھتے۔ اکثر ان کی نیت بُری نہیں ہوتی بلکہ کوئی مخصوص فعل اِن سے اس لیے سرزد ہو جاتا ہے کہ وہ سوچ سمجھ کر کام نہیں کرتے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ بالیدگی ہر سمت یکساں نہیں ہوتی اگر طالب علموں نے کسی ایک کام میں خود مختاری حاصل کر لی ہے تو

اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمام مشاغل میں خود مختاری حاصل کریں گے۔ چنانچہ مختلف صورت حال میں ضبط کی صورت مختلف ہو سکتی ہے۔ یہ قدرتی امر ہے کہ طلبا اپنی نقل و حرکت کے لیے آزادی کے خواہش مند ہوں، اس آزادی پر پابندی عائد کرنا اس بات کے مترادف ہوگا کہ ان کے خلقی میلانات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ جسمانی اور ذہنی کام کے بعد وہ آرام کریں۔ طلبا کو تازہ دم رکھنا ضروری ہے ورنہ ناپختگی کی وجہ سے جسمانی اور ذہنی کام پر بہت دیر تک توجہ مرکوز رکھنا مشکل ہو جائے گا
بچوں کی تفہیم کے لیے جو باتیں درکار ہیں ان میں ایک اہم بات یہ ہے کہ بچوں کی انفرادیت کو تسلیم کیا جائے۔ جس طرح جماعت میں موثر تدریس کے لیے افراد کی صلاحیتوں اور دلچسپیوں کی تفہیم ضروری ہے اسی طرح موثر ضبط کا انحصار اس بات پر ہے کہ ہر شخص کو بے مثل تصور کیا جائے۔ کسی بچے کے لیے یہ دشوار ہو سکتا ہے کہ گفتگو اور فعل میں برجستگی سے کام نہ لے، دوسرے کے نزدیک ان کا حصول ہی دشوار ہو سکتا ہے۔ مختصراً یہ توقع بے جا ہے کہ تمام شاگردوں کو ایک ہی سانچے میں ڈھال دیا جائے انفرادی طور بچوں کا احترام اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ انہیں نام سے پکارا جائے ان سے گفتگو کرتے وقت "مہربانی کر کے" اور "شکریہ" جیسے الفاظ استعمال کیے جائیں اور مسکرا کر ان سے بات کی جائے۔ ان سب سے بڑھ کر بچوں کے احترام میں یہ بات بھی شامل ہے کہ استاد ہر بچے کے سابقہ ماحول سے واقفیت پیدا کرے۔ تاکہ بچے کا کردار جب اس کی فطرت اس کے سابقہ تناؤ اور اس کی محرومیوں سے علیحدہ نظر آئے تو وہ اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کر سکے۔

متوازن ضبط کا تقاضا ہے کہ شرم دلانے اور طنز و تضحیک سے پرہیز کیا جائے

کوئی ایسا طریق کار جس سے دوسرے شخص کی توہین ہوتی ہو مناسب نہیں کیوں کہ اس کی وجہ سے خود اس کی شخصیت گھٹتی ہے یا اس کے خلاف ناراضگی پیدا ہوتی ہے۔ یہ دونوں باتیں جماعت کے خوشگوار ماحول کو پراگندہ کرتی ہیں۔ اگر طنز و تضحیک سے کام لیا گیا تو مدرسے کے اندر بچوں کی حاجت روائی کا امکان کم ہو جاتا ہے ان کے تحفظ، ان کی قدر شناسی اور رفاقت کی حاجتیں تشنہ رہ جاتی ہیں ہم میں سے ہر شخص اپنے

ذاتی تجربے سے یہ جانتا ہے کہ توہین آمیز باتوں سے گروہ کی سالمیت ختم ہوجاتی ہے اور یہ سالمیت جمہوری طرز زندگی کا ایک اہم پہلو ہے۔ اگر کسی شخص کو سرعام جسمانی سزا دی جائے تو یہ تصور مجروح ہوجاتا ہے۔ اس لیے طعن تضحیک، توہین آمیز تقابل (کسی بھی شخصی تقابل سے توہین کا امکان ہے) اور طالب علموں کو شرم دلانے سے متواتر پرہیز کرتے رہنا چاہیے۔ ذہنی حفظان صحت کے نقطۂ نظر سے ہر اس بات یا فعل کی مذمت کرنی چاہیے جس سے شخصی قدر قیمت گھٹتی ہے چاہے اس کا فوری ردعمل تعمیل ہی کیوں نہ ہو۔

توانین، قواعد وضوابط کی تعمیل کے مقابلے میں ضبط کی بنیاد اخلاق اور مہربانی پر ہونی چاہیے۔ یہ طرز نظر بھی بچوں کے اپنے تجربے اور جماعتی تبادلہ خیال کی بنیاد پر قایم کرنا چاہیے استاد کے فرمان اور حکم پر نہیں۔ اس کی وضاحت اس ماں کے واقعے سے ہوجاتی ہے جو اپنے بچوں کو ماہر نفسیات کے پاس لے گئی اور جب اس نے کہا "مجھے نہیں معلوم کہ ٹامی کو کیسے مہذب بنایا جاسکتا ہے" تو ماہر نفسیات نے پوچھا کیا آپ اس سے "مہربانی کرکے" اور "شکریہ" جیسے کلمات کہتی ہیں۔

بچوں کو دلچسپ مشاغل میں مصروف رکھا جائے

دلچسپی کی تعریف یہ ہے کہ اس سے مناسب طریقۂ کار تک رسائی ہوتی ہو، دلچسپی نام ہے کسی شے، مقصد یا شخص سے پورے طور پر افراد کے اتحاد تمثّل کا۔ ان معنوں میں تمثّل تحفظاتی تدابیر سے مختلف نہیں کیوں کہ اس کے اندر احساسات کی یکسانی اور ایک طرح کی اپنائیت شامل ہوتی ہے دلچسپ مشاغل وہ ہیں جن کو شاگرد اپنے طور پر اہم اور بامقصد سمجھیں اور یہ تصور کریں کہ ان کا تعلق ان کی خواہشات اور ضروریات سے ہے۔ ایسی صورت میں ضبط عائد کرنے کی بہت کم ضرورت باقی رہتی ہے کام میں دلچسپی رکھنے والے مشغول شاگردوں کو کہاں اتنا وقت ملے گا کہ وہ اپنے پسندیدہ مقاصد کے حصول میں مداخل ہو درجے کے استاد کے لیے قابلِ قبول نہیں یہاں اساتذہ پر یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ مقاصد کی وضاحت کریں اور اپنے طالب علموں میں ان مقاصد کا شعور پیدا کریں۔

کام اپنا خود انعام ہے اس پہلو کو اجاگر کیجیے

اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ تحریک پیدا کرنے میں انعام واکرام کی

کوئی جگہ نہیں۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ انعام کو باطنی تحریک کا سبب بننا چاہیے۔ جتنی ہی تیزی سے باطنی محرکات پیدا ہوں گے اتنی ہی تیزی کے ساتھ کام کے ذریعے تسکین حاصل ہوگی۔ اور اس بات کی ضمانت ہوتی رہے گی کہ تعلم، متعلم کے لیے ایک پسندیدہ کام ہے۔ کام اپنا خود انعام ہے، اس تصور کو طلبا میں اس طرح پیدا کیا جاسکتا ہے کہ ان کے کام کی تعریف کی جائے، ان کی کوششوں کو سراہا جائے اور ان سے حاصل ہونے والے نتائج کو واضح کیا جائے۔

بامقصد کام کے ضبط کو جہاں تک ممکن ہو۔ استعمال کرتے رہنا چاہیے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر استاد پر یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مدرسے کے فرائض اور ذمے داریوں کو سمجھنے میں بچوں کی امداد کرے۔ مواد تعلیم کو پیش کرتے وقت ہر استاد کو سوالات کے جوابات فراہم کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ چاہے بچے پوچھیں یا نہ پوچھیں ایسے اساتذہ موثر ثابت نہیں ہو سکتے جو خراب سے خراب مضمون کو پڑھانے کا بہتر سے بہتر جواز نہ پیش کرسکیں۔ جب شاگردوں کو اپنا مطالعہ اور کام بامقصد نظر آنے لگے تو پھر ضبط کے بندھے ٹکے ضابطوں کی ضرورت باقی نہیں رہتی ان باتوں سے مراد ہے کہ اسکول کی تفویضات چاہے جیسی بھی ہوں وہ بچوں کی تفہیم اور صلاحیت کے مطابق ہونی چاہئیں۔

سخت گیر تسلط سے پرہیز کرنا چاہیے سخت گیری کے ساتھ بچوں کے طور و طریق میں یکسانیت پیدا کرنے کی کوشش اس بات کے منافی ہے کہ بچوں کے درمیان خلقی اور اکتسابی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ گو یہ بات صحیح ہے کہ بارآور کام کے لیے نظم وضبط ضروری ہے پھر بھی سخت گیری کے ذریعے بارآوری نہیں ہوتی۔ مندرجہ بالا سطور میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سخت گیر ضبط کے ماحول میں درجے کا نظم وضبط اسی وقت قایم رہتا ہے جب تک تسلط رکھنے والی ہستی موجود ہے۔ یہاں کام جبر کے تحت ہوتا ہے اس میں برجستگی نہیں ہوتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کام سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ آزادی۔ مقاصد سے زیادہ اہم ہے، یہ عملی اصول ہے۔

گروہی روایات کو تسلیم کیجیے اس بات کا تعلق بچوں کی فطرت کی تفہیم سے ہے لیکن اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ایک برادری کے طور وطریق دوسری برادری کے طور وطریق سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس لیے استاد کو

چاہیے کہ بچوں کے بیاس، پہننے بال سنوارنے (چاہے لڑکا ہو یا لڑکی) مقامی بولیوں اور ان کے سیاسی و سماجی رویوں کے مطابق اختلاف پر کھردرے انداز سے نکتہ چینی نہ کرے۔ بلکہ یہ دریافت کرنے کی کوشش کرے کہ ان کی ابتدا کہاں سے ہوتی ہے اور چاہے یہ طور وطریق قابل اعتراض ہی کیوں نہ ہوں ان کا احترام کیا جائے۔ عام طور سے گروہی روایات کے خلاف اساتذہ جو رویہ اپناتے ہیں اس کے تحت شاگردوں سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے بُرے افعال سے مطلع کرتے رہیں۔ اس طرح ایک دوسرے کی چغلی کھانے کی وجہ سے ان کی حیثیت بہت مشتبہ ہو جاتی ہے۔ اگر وہ اس طرح مخبری کرے تو گروہ میں اس کی مذمت ہوتی ہے اور اگر وہ خاموشی اختیار کرے تو استاد ناراض ہوتا ہے۔ دونوں صورتوں میں وہ گومگو اور شک شبہے کی کیفیت میں مبتلا رہے گا۔ اس کی وجہ سے اس کے احساس تحفظ کو صدمہ پہنچے گا۔ روایات کو تسلیم کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان روایات کو جاری رکھنے کی اجازت مل گئی بلکہ اس کے ذریعے ان روایات کو جانچا پرکھا جا سکتا ہے اور اس کے ذریعے بچوں کی تفہیم اور ان کے احترام کی صورت پیدا ہوگی۔

بدکرداری کے اسباب تلاش کیجیے

ذہنی حفظان صحت کا یہ اصول ہے کہ کردار میں ظاہر ہونے والی علامتوں کو تلاش کرنے کے بعد ان کے اسباب کا سراغ لگایا جائے کبھی کبھار طلبا محض اپنی بچت کے لیے کچھ کر گزرتے ہیں لیکن عام طور سے بچوں میں بدکرداری اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ان کے اندر تناؤ یا محرومی کی کیفیت پیدا ہو جائے۔ اس کے باوجود کہ بچوں کے کردار کی فوری اصلاح کبھی کبھی ضروری ہو جاتی ہے، استاد کا فرض ہے کہ اس کے اسباب کا سراغ لگائے اور اگر ممکن ہو تو بدکرداری کے اسباب کو دور کرے تو' عمد وضوابط کی خلاف ورزی جماعتی مفاد سے روگردانی اور فرائض کی عدم ادائیگی وغیرہ بدکرداری کے اسباب ہو سکتے ہیں یہ باتیں اس وقت پیدا تی ہیں جب داخلی یا خارجی طور پر ہیجان پیدا ہو گیا ہو بچوں سے تقلید و تعمیل کا مطالبہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے ان سے یہ کہا جائے کہ وہ خواب بیداری ترک کر دیں، اپنی دشواریوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا بند کر دیں یا دانت سے ناخن کاٹنے کی عادت چھوڑ دیں۔ چاہے کوئی استاد فخریہ طور پر یہ بات کہے کے اس نے میری

کو انگوٹھا چوسنے پر شرم دلائی لیکن وہ اس بات سے بے خبر ہوگا کہ میری اس گروپ سے علیحدہ ہوتی جارہی ہے جس میں استاد کام کررہا ہے اور اس کے اندر عدم تحفظ کا احساس پیدا ہوتا جارہا ہے۔

ہائی اسکول کے ایک حادثے سے اس نکتے کی وضاحت ہوسکتی ہے کہ جیومیٹری کی ایک کلاس میں ایک لڑکے نے کہا "استاد نے جو کچھ بتایا ہے وہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا" استاد نے یہ سن کر فرمایا "اچھا دانت نکالنا بند کرو" "گنوار کہیں کے" "میں تمہیں کھڑکی سے باہر پھینک دوں گا"۔ ایک دوسری کلاس میں لڑکے نے کہا "یہ نظم اتنی مبہم ہے کہ اس کو پڑھنا تضیع اوقات ہے یہاں استاد نے اس کو اپنی توہین نہیں سمجھا بلکہ اس کے برعکس اس نے جواب دیا، اچھا اب وقت ختم ہوگیا لیکن اگر تم تھوڑی دیر رکو تو تمہارے ساتھ بیٹھ کر یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ اس کا کچھ مفہوم نکلتا ہے یا نہیں۔ دونوں صورتوں میں بچے نے کسی قسم کی بدکرداری کا ثبوت نہیں دیا لیکن اسی طرح کا رویہ اس وقت بھی اپنایا جاسکتا ہے جب بچہ ربر اٹھا کر باہر پھینک دے۔ اپنے کسی ساتھی کو ٹھوکر لگائے یا اس کی کوئی چیز چھین لے۔ بدسلوکی کی علامتوں سے نپٹنے میں اور ان کے اسباب کو دور کرنے میں بہت فرق ہے۔

اچھے ضبط کے لیے ایسے استاد کی ضرورت ہے جس کو خود اپنے شاگردوں پر اعتماد ہو

عام طور سے اساتذہ تحکمانہ طریقہ کار اس لیے اپناتے ہیں کہ وہ خود احساس عدم تحفظ میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ایسا استاد حکم تعمیل اور انہماک کار پر اس لیے سختی سے زور دیتا ہے کہ کہیں حالات اس کے قابو سے باہر نہ ہوجائیں۔ اعتماد پیدا کرنے کی دو صورتیں ایسی ہیں جن میں جبری ضبط ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ایک تو یہ ہے کہ استاد اپنی جماعت کے کاموں پر غور و خوض کرنے اور منصوبہ مرتب کرنے پر کافی وقت صرف کرے۔ یہ اعتماد کہ ایک آدمی اپنے مضمون کو اچھی طرح جانتا ہے، نتیجہ ہے شخصی بالیدگی کا قدرت کی طرف سے کوئی عطیہ نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ درجے میں ایسا ماحول پیدا کیا جائے جس سے استاد اور شاگرد کے درمیان رابطہ پیدا ہوسکے۔ ایسا رابطہ جس کے تحت شاگرد کو ایسے کام کرنے کی ہمت ہی نہ ہو جس سے استاد ناراض ہو۔

ان حالات میں استاد کو جہاں خود اعتمادی پیدا کرتی ہے وہاں اپنے شاگردوں پر بھی یہ بھروسہ کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ خود اپنے ذمے داریاں سنبھالنے کے لائق ہو گئے ہیں جس طرح معلّمین، منتظمین مدرسہ کے اعتماد کو بھانپ لیتے ہیں اور اس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ انہیں یہ اندازہ ہو جائے کہ ان سے پختہ کاری کی توقع کی جاتی ہے تو وہ اس کے لیے کوشاں ہوں گے۔ لیکن اگر وہ یہ بھانپ لیں کہ معلّم کو ان کی صلاحیتوں پر شبہ ہے تو اپنے عمل سے اس شے کی تصدیق کرنے میں ان کو تامل نہ ہوگا۔ اس لیے بہتر ہے کہ اعتماد کی سطح اونچی رکھی جائے۔ ہو سکتا ہے کسی وقت طالب علم معلّم کی توقعات پر پورا نہ اترے پھر بھی اس قسم کے کلمات سے اس کی بالیدگی میں ترقی ہو سکتی ہے۔ "یہ کام کسی قدر مشکل تھا مجھے پوری توقع ہے کہ اگلی بار تم اس کام کو بہتر طور پر انجام دے سکتے ہو۔"

معقول ضبط میں مثبت تحکم کا ایک مقام ہے

طلبا کے خود ہدایتی پہلو پر زور دینے کے باوجود یہ بات واضح ہے کہ معلّم کو تحکم کا حق ہے اور اس پر تحکم کی ذمے داری بھی عائد ہوتی ہے۔ خود ہدایتی کی صلاحیت عملی بالیدگی کا نتیجہ ہے اور اس کی شروعات اس طرح کی جاسکتی ہے حکم کے لیے تحسین کا جذبہ پیدا کیا جائے شاگردوں کو ضبط کے قواعد وضوابط مرتب کرنے اور ان کی تعمیل میں خود شریک ہونا چاہیے۔ یہاں معلّم کی رہنمائی کی بھی ضرورت ہوگی کیوں کہ لڑکوں کو جب ضبط کی ذمے داریاں سونپی جاتی ہیں تو وہ بہت سخت گیری سے کام لیتے ہیں تاہم جہاں کہیں بھی عمل کے ذریعے بالیدگی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہاں شاگردوں کے اشتراک عمل سے ہی اطمینان بخش نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ بدعنوانی کرنے والا بھی جب خود اپنے مرتب کیے ہوئے ضابطوں کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ اس کے نتائج کو بھی بخوشی بھگتنے کے لیے تیار رہتا ہے۔

شروع شروع میں خاص طور سے معلّمین حکم چلانے کے مواقع ڈھونڈھتے ہیں تاکہ شاگردوں کو اس بات کا اندازہ ہو جائے کہ ان کے ساتھ سختی کی جائے گی۔ یہ صورت حال اس وقت خصوصی اہمیت حاصل کر لیتی ہے جب معلّم نووارد ہو۔ اس کی آزمائش اس وقت تک ہوتی رہے گی جب تک وہ اچھی طرح اپنی شہرت نہ پیدا کرے۔ سخت

گیری اور دوستی میں کوئی تضاد نہیں ہے لیکن جب خود مختارئی عمل میں اضافہ کرنا مقصود ہو تو پھر موثر ضبط کے لیے ان دونوں باتوں کی ضرورت ہوگی۔

باوجودیکہ ضبط نفس اور خود ہدایتی کی صلاحتیں پیدا کرنا ضبط کے مقاصد قرار پاتے ہیں پھر بھی اس کی ذمے داری معلم پر ہی عائد ہوتی ہے اور وہی درجے کے نظم وضبط کا ضامن ہے چنانچہ ہم پھر بھی اسی اصول کا اعادہ کرتے ہیں کہ تجربے اور خصوصی مطالعے کے ذریعے ضبط سے متعلق خصوصی علم ضرور حاصل کرنا چاہیے لیکن اس کا استعمال تعمیری ڈھنگ سے ہونا چاہیے کسی مناسب. جماعتی کام کے دوران اس موضوع پر تبادلہ خیال کرنا مناسب ہوگا تاکہ شاگردوں کو اس سے متعلق اپنی خصوصی ذمے داریوں اور اپنے اشتراک عمل کا اندازہ ہو سکے۔

درجے کا ماحول خوشگوار ہونا چاہیے اگر متوازن ضبط کا حصول مقصود ہو تو درجے کا ماحول خوشگوار ہونا چاہیے۔ یہ کوئی نیا نکتہ نہیں ہے بلکہ تمام مباحث کا خلاصہ ہے۔ لیکن ہے بہت اہم۔ ماحول کی خوشگواری میں جذباتی کیفیت اور مادی وسائل دونوں شامل ہیں، روشنی ہوا، حرارت کا معقول انتظام، آرائش وزیبائش میز کرسیاں اور نقل وحرکت کے لیے مناسب جگہ کا انتظام یہ سب خوشگوار ماحول کے عوامل ہیں۔ صنعتی تنظیموں اور کارخانے داروں کی انجمنوں نے ان عوامل کا مطالبہ کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان کی وجہ سے پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے اور وقت کم ضائع ہوتا ہے۔ اختیاری تعلّم کے حالات میں ان عوامل پر قابو پانا مشکل ہوتا ہے لیکن اختیار اور مشاہدہ کرنے والے اس بات سے متفق ہیں کہ اس کے ذریعے انسانی وسائل کا تحفظ ہوتا ہے چنانچہ تعلّم کے کام میں مادی لوازمات کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔

جماعت کا جذباتی ماحول شاید اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ جماعت کے اندر اگر خوشی اطمینان، انسانیت مہربانی اور تفریح کا ماحول ہو تو شاگرد استاد کی سرگرمی عمل کو بہت جلد قبول کر لیتے ہیں اور جواباً اشتراک باہمی اور تندہی کے ساتھ کام کرنے لگتے ہیں۔ ان کی ذہنی پراگندگی دور ہو جاتی اور ان کے اندر تناؤ برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تحکمانہ غلبہ کم ہو جاتا ہے اور

شاگردوں کے اندر باطنی ضبط پیدا ہو جاتا ہے۔

ضبط کے اندر ذہنی حفظان صحت کی قدروں کو اجاگر کرنا

ضبط کے بہتر طریقوں کو اپنانے سے اس کی صحیح نوعیت کا پتہ چلتا ہے اور ان عوامل کی تفہیم ہوتی ہے جن کی پابندی حصول ضبط کے لیے ضروری ہے۔ اگرچہ یہ پچھلی ہی باتوں کا اعادہ ہے پھر بھی مندرجہ ذیل مشورے قیام ضبط میں مددگار ثابت ہوں گے ان کے ذریعے شاگردوں کی ذہنی صحت بہتر ہو سکتی ہے۔

استقلال ضروری ہے بلوغت کے جن معیاروں کا اکثر ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ایک معیار صلاحیت ہے جس کے تحت دوسروں کی مرضی اور مفاد کا احترام کیا جائے انا مرکزی کردار کی نشو و نما لڑکپن کی خصوصیت ہے اور بے نفسی بالغ کی بچوں کو اس بات کے لیے آزاد چھوڑ دینا کہ وہ متواتر الگ راستے پر چلتے رہیں ان کے ساتھ مہربانی نہیں ہے۔ یہ سبق وہ جس قدر جلد سیکھ لیں اتنا ہی اچھا ہو کہ زندگی میں کامیابی حاصل کرنے کا دارو مدار دوسروں کے ساتھ ساتھ چلنے کی صلاحیت پر ہے جب ہم یہ کہہ کر درگزر کر جاتے ہیں کہ یہ بچے ہیں تو سماج کے کچھ ٹھوس حقائق کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ اگر معلمین اور والدین اپنے بچوں کو یہ سبق نہیں سکھائیں گے لیکن اس میں مہربانی کا پہلو کم ہوگا اور ان کی شخصیت کا بھی کم لحاظ رکھا جائے گا۔ اس لیے ضرورت ہے کہ لاڈ پیار اور سخت گیری کے درمیان کا راستہ اختیار کیا جائے۔ بچوں کو من مانی کرنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے اور نہ ہی حکم محض استاد کی مرضی پر منحصر ہو۔ اس لیے استقلال کا معیار وہ کام، قواعد و ضوابط اور روایات ہیں جو جماعتی مفاد سے تعلق رکھتے ہیں اگر ایک بچہ سماجی طور پر خود مختار نہ ہو پائے یعنی ضبط نفس پیدا کرنے سے قاصر ہو تو اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں کہ استاد گروپ سے مطابقت پیدا کرنے کی تلقین کرے۔

ضبط میں موزونیت استقامت ہونی چاہیے: ان الفاظ کی وضاحت مشکل ہے اس لیے کہ موزونیت کے لیے یہ ضروری ہے کہ ناپسندیدہ طور و طریق کو روکا جائے اور اس کے لیے متنوع تدابیر اختیار کی جائیں۔ مدرسے سے کسی بچے کی غیر حاضری کو اگر معاف کر دیا جائے تو ہو سکتا ہے دوسرے بچے کے لیے وہ عذر معقول نہ ہو۔ اگر کوئی لڑکا اپنے کسی پر انے ساتھی کے ساتھ تیرا

کی کے لیے جماعت سے غائب ہو جائے تو اس کو مدرسے کی کسی سہولت سے محروم کر دینا مناسب ہے۔ کسی دوسرے لڑکے کی غیر حاضری کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس دوران کسی کے باغ میں کام کرے اور اتنا کمائے کہ اپنی بائلوجی کی کتاب خرید سے۔ استاد اگر اس کو معقول سبب قرار دیتا ہے تو محض اس موضوع پر بات چیت کر لینا ہی کافی ہوگا مناسب ضبط کے تحت افراد زمانہ، مجموعی صورت حال اور کردار کے اختلافات کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

استقامت کیسے پیدا ہوتی ہے ؟ استقامت اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ کسی خاص ردّ عمل پر توجہ مرکوز رکھی جائے اور اس کی اصلاح کی جائے اور نہیں ہو سکتا کہ کبھی تو اس کو نظر انداز کر دیا جائے اور کبھی اس پر کوئی قطعی فیصلہ کر دیا جائے۔ اگر استاد اور شاگرد درجے میں سامان تقسیم کرتے وقت سرگوشی کو پسند نہیں کرتے تو پھر یہ مناسب نہیں کہ سرگوشی میں مداخلت کرنے پر ناک بھوں چڑھائی جائے اور نہ ہی یہ مناسب ہے کہ سرے سے اس کو نظر انداز کر دیا جائے

بالغوں کو اچھا نمونہ قایم کرنا چاہیے بہت کچھ براہ راست اور بہت کچھ غیر شعوری طور پر نقل سے یا ایسے کردار سیکھے جاتے ہیں۔ شاگرد اپنے ممدوح استاد کی نقل کرتے ہیں خاص طور سے ہائی اسکول میں لڑکے اور لڑکیاں شعوری طور پر اپنے منتخب ہیرو کے کردار کی نقل کرتے ہیں اس سلسلے میں ضبط کے مختلف پہلوؤں (جھوٹ، فریب، کام کی عادتیں اور طرز تنقید) کی طرف استاد کا جو بھی رویہ ہوتا ہے اس کا براہ راست اثر نوخیز لڑکوں کے طور وطریق پر پڑتا ہے۔ اگر وہ استاد کو ایسے جواز پیش کرتے ہوئے سنتے ہیں جو ان کے نزدیک صحیح نہیں ہے اور اگر وہ استاد کو اپنے رفقائے کار اور منتظمین پر نکتہ چینی کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو پھر وہ ان سب باتوں کو صحیح سمجھنے لگتے ہیں ایسی صورت میں صرف استاد کی باتوں کو نہیں بلکہ تمام رویوں کو مثالی سمجھانے لگتا ہے درستی، وسیع المشربی دوسروں کا احترام، شک، حسد اور تعصب اپنے واقف کاروں سے ہی سیکھے جاتے ہیں۔

بعض اوقات اساتذہ اس بات پر معترض ہوتے ہیں کہ انہیں ایک نمونہ سمجھا جائے ان کے خیال میں یہ صحیح نہیں ہے کہ انہیں نیکوں کا مجسمہ بننا چاہیے۔ ان کی رائے میں استاد کو

کامل بننے کی ضرورت نہیں حال ہی میں کچھ عملی ماہرین نفسیات نے والدین کو اس بات سے مطلع کیا کہ اگر بچوں سے وقتاً فوقتاً کوئی فروگذاشت سرزد ہو جائے تو ضروری نہیں ہے کہ ان کی نشوونما پر خراب اثر پڑے۔ والدین اگر کبھی کبھار غصے کا اظہار کر دیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ انہیں یہ محسوس نہیں کرنا چاہیے کہ ان سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہو گئی ہے جو ناقابل اصلاح ہے۔ اساتذہ بھی اسی صف میں آتے ہیں۔ ان کو بھی یہ نہیں محسوس کرنا چاہیے کہ اگر ان کو گاہے بگاہے غصہ آجائے تو وہ مردود قرار پا گئے۔ استاد کو نمونہ سمجھنے والے اگر اس کو پسندیدہ کردار سے کبھی کبھار منحرف پاتے ہیں تو بھی نظر انداز کر جاتے ہیں۔ طالب علم صرف استاد کے انہیں خصائص اور مثالی کرداروں کو جزو شخصیت بناتے ہیں جو انہیں نظر آتے ہیں، اگر استاد ہمیشہ ضبط و نفس کا مکمل نمونہ نہیں رہ پاتا تو بھی بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کم سے کم اسے خود پر قابو رکھنے کی متواتر کوشش کرتے رہنا چاہیے اس بات میں زیادہ مبالغہ نہیں کہ بہت سے خوش نصیب شاگرد اپنے اساتذہ کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ نمو حاصل کرتے اور سیکھتے ہیں۔ ان کے سامنے ایک متحرک۔ متلون اور نمو پذیر نمونہ ہوتا ہے دوسری طرف اگر کوئی شخص پہلے ہی سے کامل ہو تو وہ ایک جامد مقصد پیش کرتا ہے۔

استدلالی طریقے کو استعمال کیجیے

اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ضبط نفس کے لیے تفہیم ضروری ہے۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ قواعد وضوابط کی عام ضرورت سے خطا وار طالب علم کو آگاہ کر دیا جائے اور یہ بتا دیا جائے کہ کسی مخصوص صورت حال میں اس سے کیا توقع کی جاتی ہے۔ یہ استدلال جذباتی سکون کی فضا میں کرنا چاہیے استدلال اگر جذباتی دباؤ کے تحت کیا گیا تو یہ تو۔ تو۔ میں میں اور نکتہ چینی میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ اساتذہ کو ہائی اسکول کے لڑکوں سے بھی یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ اپنے محرکات کو سمجھ لیں گے۔ اس لیے ان سے اس قسم کا استدلال کرنا مناسب نہیں ہو گا "کس چیز نے تم کو اس کام پر مجبور کیا؟ یا تم نے ایسا کیوں کیا؟" عموماً لڑکا اس قسم کے سوالات کے جواب ایمانداری سے نہیں دے سکتا کہ ایسی صورت میں شاگرد کو یہ محسوس کرنا بہتر ہو گا کہ وہ خود کو دوسرے کی صورت حال میں رکھ کر دیکھے اور یہ سمجھنے کی کوشش کرے کہ جو کردار اس سے سرزد ہوا ہے وہی اگر اس کے ساتھ سرزد ہوتا تو وہ کیا محسوس کرتا۔

یہ ظاہر ہے کہ ضبط کی غرض سے استدلال کرتے وقت جرح کرنے کے بجائے بات چیت کا طریقہ اختیار کرنا زیادہ موثر ہوگا، یہ بات چیت جذباتی سکون کے ماحول میں معروضی سطح پر ہونی چاہیے۔ اس کی ابتدا اس طرح کی جاسکتی ہے کہ کسی اور کے مسئلے کا تجزیہ کیا جائے، اس میں وقت ضرور زیادہ صرف ہوگا لیکن انجام کار اس میں وقت کی بچت ہوگی اور اس کے ذریعہ لڑکے میں خودداری بھی پیدا ہوگی

کردار کا بدل فراہم کیجیے بچوں کی نفسیات کے ماہر والدین کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ بچوں کو جن مشاغل کا موقع نہیں ملا ہے ان کے بدل فراہم کرتے جائیں بچہ اگر کسی غلط جگہ میں ہاتھ ڈالے (باورچی خانے کی دراز جس میں چاقو رکھے ہوں) تو والدین کو یہ کہہ کر اس کا ہاتھ نہیں جھٹک دینا چاہیے "نہیں نہیں" "یہ مت کرو" اس کے بجائے بچوں کو ممنوعہ جگہ سے باخبر کر دینا چاہیے اور کچھ ایسی چیزیں مہیا کر دینی چاہئیں جن سے وہ محفوظ طریقے پر کھیل سکیں اساتذہ کو بھی اس مشورے سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ درجے میں جب کوئی بچہ کہہ رہا ہو تو اس وقت کسی بچے کی دخل اندازی پر ممانعت لگانے کے بجائے یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ جو کام اس کے سپرد ہے اس میں اس کا جی کیوں نہیں لگتا اگر وہ کام اس کے لیے دلچسپ نہیں ہے تو پھر دلچسپی کا کام تلاش کرنے میں اس کی مدد کرنی چاہیے۔ اس پر کم سے کم یہ تو ظاہر ہی کر دینا چاہیے کہ مخصوص کام سے اس کی نشوونما کا کیا تعلق ہے اگر کوئی لڑکا باسکٹ بال کھیلنے کے لیے باہر گیا ہوا ہے اور کسی ریسٹوران میں بیٹھ کر بد تمیزی کر رہا ہے تو اس کو یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے طور و طریق کو کیسے سدھارے تاکہ ایک شریف آدمی کا کردار پیش کر سکے۔

مشغلوں کا بدل پیش کرنا فن تعلیم کا کوئی سیدھا سادا اصول نہیں بلکہ اس کے تحت یہ سب باتیں تسلیم کی جاتی ہیں کہ کردار کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے ضبط کا بنیادی مقصد خود ہدایتی ہے۔ نمو ایک انفرادی عمل ہے اور ایک پختہ کار شخص وہ ہے جو مستقل طور پر کسی نگرانی کا محتاج نہ ہو۔ بدل پیش کرنا تو محض اس بات کا اعتراف ہے کہ امتناع کا اثر بہت حد تک عارضی ہوتا ہے۔ لیکن امتناع سے فرد کے اندر اس قدر آزردگی اور نامرادی پیدا ہوتی ہے کہ وہ اپنی شخصیت کا توازن کھو بیٹھتا ہے یا پھر

اس کی وجہ سے احساسات اس قدر گھٹ کر رہ جاتے ہیں کہ لڑکا جوں ہی درجے سے باہر نکلتا ہے وہ سماج دشمن کا کام کرنے لگتا ہے۔

ضبط کو جمہوری ہونا چاہیے جمہوری ضبط کے تہرے فائدے ہیں۔ یہ سماج کے اغراض و مقاصد کے عین مطابق ہے یہ بالغ زندگی کی تیاری کا ایک موثر وسیلہ ہے اور ایک ایسا اثاثہ ہے جس سے فرد کی نمو ہوتی ہے جس کے تحت وہ خود مختاری اور خود ہدایتی حاصل کرنے لگتا ہے اور بالآخر وہ عادتیں چھوٹ جاتی ہیں اور وہ دباؤ کم ہو جاتا ہے جو ذہنی صحت کے لیے مضرت رساں ہوتا ہے یہ فوائد کسی بھی ایسے درجے میں دیکھے جا سکتے ہیں جہاں جمہوری ضبط کا طریقہ اپنایا گیا ہو، کے۔ لیون۔ آر پیٹ اور آر۔ کے۔ وہائٹ کے اختیارات میں ان فوائد کی وضاحت کی گئی ہے۔ ان فوائد کو ذیل میں بیان کیا جا رہا ہے۔

لیون اور دیگر اختیاکاروں نے کئی سلسلہ وار اختیارات کیے ہیں جن میں مصنوعی سماجی فضا (کلب کے مشاغل کے ساتھ) تیار کی گئی اور یہ دیکھا گیا کہ دس برس کے بچوں کے کردار پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے ان میں سے ایک جمہوری فضا کا قیام بھی تھا۔ یعنی گروپ کے فیصلے سے پالیسی مرتب کی گئی، اغراض و مقاصد پر تبادلہ خیال ہوا اور گروپ کے سربراہوں نے متبادل صورت حال پیش کیں۔ تمام ممبروں کو اس کی آزادی تھی کہ جس کے ساتھ چاہیں کام کریں، کام کی تقسیم گروپ کے ذریعے ہوئی اور گروپ کے سربراہوں کا رویہ تعریف کا ہو یا تنقید کا، غیر شخصی ہوتا۔ دوسری فضا تحکمانہ تھی یہاں گروپ کے سربراہوں نے پالیسی مرتب کی، کام کے طریقے تجویز کیے، ورکنگ گروپ بنائے اور کام مقرر کیے۔ اس گروپ میں تعریف و تنقید کا انداز شخصی ہوتا ہے۔ تیسرا گروپ آزاد پسندوں کا تھا یہاں سربراہوں کی شرکت کے بغیر فیصلہ کرنے کی آزادی تھی وہ مشورے اسی وقت دیتا جب اس سے پوچھا جاتا اس کے علاوہ اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا یہاں تک کہ گروپ بھی بغیر سربراہ کے بنائے گئے۔ اس گروپ میں اکثر نکتہ چینی ہوتی اور کبھی دخل اندازی کی کوشش نہیں کی جاتی۔

جہاں تک ممکن تھا ان تینوں گروپ کو ہم پلہ بنایا گیا۔ چھ ہفتے تک ان کا مشاہدہ کیا گیا۔ اُن سے حسب ذیل نتائج برآمد ہوئے۔ آزاد پسند گروپ میں اڑتیس تحکمانہ

میں تیس اور جمہوری گروپ میں بیس جارحانہ اطوار فی نشست نظر آتے یہ بات قابل غور ہے کہ تحکمانہ گروپ کے بعض لڑکوں نے بے اعتنائی دکھائی مشاہدہ کرنے والوں نے دیکھا کہ جارحانہ اطوار کے سلسلے میں تحکمانہ گروپ کے لڑکے سست، بے جان اور بے اعتنا نظر آتے۔ اس کے مقابلے میں جمہوری گروپ کے اندر لڑکوں میں خود آمادگی، واقعات سے دلچسپی اور دوستی کا رجحان نظر آیا۔ لڑکوں نے خود بھی اپنے مشاغل کا جائزہ لیا انہوں نے باتفاق رائے تحکمانہ گروپ کے سربراہ کو ناپسند کیا لیکن یہ ناپسندیدگی کلب کے ممبروں کی مخاصمت میں تبدیل ہو گی۔ جمہوری لیڈر کو پسند کیا اور سراہا گیا لیکن یہ بھی محسوس کیا گیا کہ آزاد پسند گروپ کے مقابلے میں ان کو اور زیادہ امداد اور ہدایت کی ضرورت تھی تحکمانہ گروپ کا لیڈر جوں ہی درجے سے باہر جاتا جارحانہ واقعات کچھ اور بڑھ جاتے جب کہ جمہوری گروپ میں لیڈر کی عدم موجودگی میں کام معمول کے مطابق جاری رہتا۔ تحکمانہ گروپ کے ان لڑکوں کی جان ضیق میں پڑ جاتی جن کے سر دوسروں کے الزامات تھوپے جاتے ایسے دو لڑکے چھوڑ بھاگے لیکن جمہوری گروپ میں ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ ان کو اپنے کام پر فخر تھا اس کا اظہار اس بیان سے ہوتا ہے۔ "واضح طریقے سے یہ بات نظر آتی کہ تحکمانہ گروپ میں کسی باعث فخر کام کے بجائے لڑکوں کا مقصد یہ ہوتا کہ کسی ساتھی پر جارحانہ حملہ کریں۔

جمہوری گروپ میں بھی کچھ انتشار پایا گیا۔ لیکن مجموعی طور سے اس بات کا پتہ چلا کہ ضبط کی نوعیت تعمیری تھی۔ تحکمانہ گروپ میں ناپسندیدہ کردار کی نشو و نما ہونے لگی۔ اختیار سے جو نتائج برآمد ہوتے ان کا مشاہدہ درجے میں بھی کیا گیا توقع کی جاتی ہے کہ اساتذہ کو اندرونی ضبط پیدا کرنے میں ان نتائج سے واضح طور پر مدد ملے گی۔

خلاصہ۔ **تعمیری ضبط قایم کرنے کا اصول** مناسب ذہنی صحت پیدا کرنے میں ضبط کے جو اصول کارفرما ہیں اساتذہ کو ان سے عملی طور پر مستفید ہونے کا مشورہ دیا گیا ہے۔

(۱) شروع شروع طالب علموں سے رابطہ پیدا کرنے کا کام عملی طریقے سے یعنی بامقصد کام کے ذریعے ہونا چاہیے۔ اساتذہ کو چاہیے کہ دن اور ہفتے کے منصوبوں کی طرف شاگردوں کو متوجہ کریں۔ پہلے دن کا منصوبہ مکمل طور پر پیش کرنا چاہیے تاکہ مشاغل میں

کوئی کمی نہ رہ جائے۔ مبتدی اساتذہ کے لیے خاص طور سے اس کی اہمیت ہے پہلے دن یہ تاثر پیدا کرنا چاہیے کہ کچھ کام کرنا ہے اور کچھ فرض انجام دینا ہے۔ پہلی نشست پورے وقت کی ہونی چاہیے۔ چھوٹے گھنٹے اسکول کھلنے کی علامت سمجھے جاتے ہیں اس لیے ان گھنٹوں میں ماحول اتنا سنجیدہ نہیں رہتا جتنا ہونا چاہیے۔ چنانچہ ہائی اسکول کے اساتذہ کے لیے عملی طریقہ بہت سود مند ثابت ہوگا۔ (۲) ایک خوشگوار اور دوستانہ ماحول پیدا کرنے کی کوشش کیجیے۔ اگر گھر کے کام کی نگرانی کرنے والا استاد ہے تو اس کو ایک دن کے اندر اور اگر شعبے کا استاد ہے تو ایک گھنٹے کے اندر بچوں کے نام معلوم کر لینے چاہیں۔ ہر طالب علم سے متعلق چند انوکھی باتیں جتنی جلد ممکن ہو دریافت کر لینی چاہیں مثلاً وہ کہاں رہتا ہے۔ اس کی کیا دلچسپیاں ہیں، اس کی خاص عادتیں کیا ہیں یا وہ اپنا فالتو وقت کیسے گزارتا ہے۔ یہ سب معلومات بات چیت کے ذریعے یا بچوں کے ریکارڈ سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

(۳) لڑکوں کو خاص طور سے سمجھائیے کہ انہیں کیا حاصل کرنا ہے۔ پرائمری اور ابتدائی اسکول کے بچوں کو اگر فوری مقاصد سے آگاہ کر دیا جائے تو اس بات کی تشریح ہو جاتی ہے۔ ہاں اسکول کے لڑکوں کو البتہ مقاصد کی آگاہی سے کام چل سکتا ہے کیونکہ انہیں دیر حصول مقاصد سے بھی تسکین ہو جاتی ہے۔ دونوں صورتوں میں جس قدر قریب حصول مقاصد ہوں گے اسی قدر طلبا کے ردعمل میں سرگرمی ظاہر ہوگی، بار بار مقاصد کو بیان کرنے اور ان پر تبادلہ خیال کرنے سے بھی طالب علموں کو زیادہ با مقصد طور پر سعی تکمیل کے لیے اکسایا جا سکتا ہے۔

(۴) طالب علموں کی ہمت افزائی کی جا سکتی ہے کہ وہ خود ضبط کی پالیسی مرتب کریں انہیں یہ ذمے داری بھی سونپی جا سکتی ہے کہ وہ جماعت کے معمولات کو مرتب کریں اور چلائیں۔ ابتدائی اور ثانوی مدرسے کے بہت سے اساتذہ نے یہ طریقہ دریافت کیا ہے کہ کچھ فرائض طالب علموں کے سپرد کریں (جیسے مناسب ہوا کا انتظام۔ درجے کا رجسٹر سامان تعلم کی تقسیم، ساز و سامان کی دیکھ بھال، شلف اور فرش کی صفائی) اس کی وجہ سے ضبط عائد کرنے کی ضرورت کم ہو جاتی ہے۔ طالب علموں کو یہ محسوس کرایا جا سکتا ہے کہ درجے کے کام میں ان کا بھی حصہ ہے اس کی مدد سے ان میں مزید اشتراک کے لیے آمادگی

پیدا کی جا سکتی ہے۔ بلاشبہ تعریف اسی وقت کرنی چاہیے جب اس کا موقع ہو۔ ضرورت پیش آنے پر اظہار ملامت بھی کر دینا چاہیے۔

(۵) خوش خلقی کا تعلق خیال اور عمل دونوں سے ہے۔ استاد کو شکریہ اور مہربانی جیسے الفاظ صرف عادتاً نہیں کہنا چاہیے بلکہ جہاں اخلاق کا تقاضا ہو، آواز کے زیر و بم سے بھی اس کا اظہار کرنا چاہیے اساتذہ کو یہ بھی سیکھنا چاہیے کہ اونچی آواز سے نہ بولیں بلکہ مناسب لہجہ اختیار کریں کسی بھی مدرسے کی جماعت میں جب کوئی مہمان داخل ہوتا ہے تو اس کو فوراً ایسے استاد کا اندازہ ہو جاتا ہے جو اپنے لہجے اور آواز کی گونج سے مشاغل کی نغمگی پر غالب آنا چاہتا ہے اگر اساتذہ خود اپنا تجربہ کریں یا اپنے رفقائے کار کے ذریعے اپنا تجربہ کرائیں تو وہ اس رجحان سے بچ سکتے ہیں۔ اچھی ذہنی صحت کی وجہ سے جو باطنی سکون حاصل ہوتا ہے اور احتیاط کے ساتھ مشاغل کی منصوبہ بندی سے جو تیقّن پیدا ہوتا ہے اس کے ذریعے اس تناؤ پر قابو پایا جا سکتا ہے جو اونچی آواز کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ مناسب آرام تفریح اور موزوں غذا کی وجہ سے جسمانی صحت قایم رکھنے میں اور تناؤ کو کم کرنے میں مدد ملتی ہے۔

(۶) شاگردوں میں ذاتی قدر و قیمت کا احساس پیدا کیجیے۔ اس مقصد میں کامیابی اس وقت ہو سکتی ہے جب درجے کے اندر کام لڑکوں کی صلاحیت کے مطابق ہو۔ تاکہ عام درجوں کے مقابلے میں یہاں کامیابی اور ناکامی دونوں قسم کے تجربات حاصل ہو سکیں بچوں سے متعلق تفصیلی معلومات فراہم کرنے سے اساتذہ کو یہ فائدہ ہو گا کہ بچوں کی مخصوص صلاحیتوں سے واقفیت پیدا ہو جائے گی۔ بچوں میں ذاتی قدر و قیمت کا احساس پیدا کرنے کے لیے حقیقی دوستی کا جذبہ بہت ضروری ہے۔

(۷) درجے کے بھلائی کے لیے اگر ضروری ہے۔ ذہنی حفظانِ صحت کا یہ ایک موثر اصول ہے کہ استاد منحرف اطوار کی علامتوں اور عوامل میں امتیاز کرے۔ استاد کو مطالعے اور تجربے سے پتہ چل جاتا ہے کہ کسی ایک مخصوص کردار کے مہیج مختلف ہو سکتے ہیں۔ اور ایک مخصوص مہیج سے مختلف قسم کے جوابی عمل ظاہر ہو سکتے ہیں۔

(۸) استاد صرف درجے کے نظم و نسق کا ذمے دار نہیں ہے بلکہ درجے میں ایک مناسب فضا پیدا کرنے میں بھی وہ ایک بنیادی عامل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی اپنی ذہنی

صحت (انمول جسمانی صحت۔ پیشے کی طرف اس کا نظریہ، اس کی مہارتیں اور اس کا تیقن) یہ سب عوامل بہت اہمیت رکھتے ہیں۔

بہتر ضبط میں رکاوٹ

ضبط کے طریقہ کار کی بہتری کا دارومدار صرف ان عوامل کی تفہیم پر نہیں ہے۔ جن سے نظم و نسق بہتر ہوتا ہے بلکہ ان عوامل کو بھی جاننا چاہیے جو اس کی راہ میں حائل ہوتے ہیں۔ اگر ان عوامل کی صحیح شناخت ہو جائے تو مثبت عوامل کو استعمال کرنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

اساتذہ کا عدم تحفظ یا ان کی کوتاہی موثر ضبط میں رکاوٹ ہے

برنیس۔ بیکٹر اور نارمن فنٹم نے کئی مطالعۂ فرد کا ذکر کیا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ استاد کا احساس عدم تحفظ فوراً اس کے شاگردوں کے عمل میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ اگر معلم کی پرورش بھی تحکم پرست والدین کے سائے میں ہوئی ہو، یا اس کو مالی پریشانی ہو، ملازمت ختم ہونے کا اندیشہ ہو، اپنے منتظمین اور رفقائے کار کے ساتھ ہم آہنگی نہ ہو اور گھر کی ذمے داریاں بہت شدید ہوں، اس وقت اس بات کا امکان پیدا ہوتا ہے کہ وہ درجے کے ماحول کو ناخوشگوار بنا دے۔ شاگردوں پر بھی اس کا ردعمل ہوتا ہے۔ ان سے برے فعل سرزد ہونے لگتے ہیں یا کم سے کم ان میں جذباتی شورش پیدا ہو جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ استاد زیادہ تنک مزاج ہو جاتا ہے اور کھنچاؤ بڑھ جاتا ہے۔ عدم تحفظ کے احساس کی وجہ سے استاد کو اپنے شاگردوں کے معمولی برتاؤ میں بھی بغاوت اور حکم عدولی کی جھلک نظر آنے لگتی ہے۔ اس طرح استاد کی جذباتی کیفیت کی وجہ سے خیالات و حالات میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔

اسی طرح استاد کی کوتاہی کا بھی اثر اسی قسم کا ہوتا ہے، اگر اس نے منصوبے اچھی طرح نہیں تیار کیے ہیں یا مواد تعلیم پورے طور سے مہیا نہیں ہو پایا ہے تو اس کو یہ خوف لاحق ہو جاتا ہے کہ اپنی ناواقفیت کی بنا پر وہ لڑکوں کے سوالوں کے جواب نہ دے پائے گا۔ چنانچہ وہ ایسی پیش بندی کرنے لگتا ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ کام کے منصوبے

پر بہت سختی سے کاربند ہونا چاہتا ہے۔ وہ کسی کو بھی سوال پوچھنے اور موضوع سے متعلق امدادی سامان استعمال کرنے کا موقع نہیں دیتا۔ استاد کی کوتاہی اس وجہ سے بھی پیدا ہوتی ہے کہ کہ وہ بچوں کی بالیدگی اور بچوں اور نوجوانوں کی نفسیات کے عام اصولوں سے ناواقف ہوتا ہے۔ اس وجہ سے وہ شاگردوں کے کردار کی صحیح ترجمانی نہیں کر سکتا اور نہ ہی ان کے محرکات کو سمجھ پاتا ہے۔

استاد کو یہ بات اچھی طرح سمجھنی چاہیے کہ درجے کے حالات کو سنوارنے اور ضبط کی ضرورت کا احساس پیدا کرنے میں ان کا ایک حرکیاتی منصب ہے۔ مدرسے کے حالات کو ذمے دار ٹھہرانے سے کام نہیں چلے گا کبھی کبھی حالات کو بھی ذمے دار ٹھہرانا پڑتا ہے۔ کوئی بھی شخص جس کو جس کو اس بات کا موقع ملا ہو کہ کمرۂ جماعت میں جا کر لڑکوں کے طور طریق کا مشاہدہ کرے! ایسے کمرۂ جماعت کے بارے میں معروضی طور پر اطلاع دے سکتا ہے جن میں ایک آزاد اور خوشگوار ماحول میں کام ہوتا ہو ضبط کی راہ میں پیش آنے والی دشواریوں کو دور کرتے وقت اگر استاد اپنے من کے اندر جھانک کر دیکھے تو بہت اچھا ہو۔

تعلیم کا ایک فرسودہ فلسفہ ضبط میں کوتاہی پیدا کرتا ہے فلسفہ تعلیم پر پوری پوری کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن ابھی اس بات پر سب کا اتفاق نہیں ہو پایا ہے کہ ایک معقول فلسفہ تعلیم کے کیا اصول ہونے چاہیں۔ پھر بھی ضبط سے متعلق اگر پورے طور پر نہیں تو کم سے بڑی حد تک کچھ باتوں پر اتفاق ہو گیا ہے فلسفۂ تعلیم کے اس پہلو کا تعلق جو براہ راست ضبط پر اثر انداز ہوتا ہے اس بات سے ہے کہ بچوں کی بالیدگی اور نشو نما کے مقابلے میں زور اس بات پر دیا جاتا ہے کہ مواد تعلیم پر قدرت حاصل کی جائے یہ دونوں ایک دوسرے سے متضاد نہیں ہیں بلکہ زیادہ اچھا یہ ہو کہ ان دونوں پہلوؤں پر مساوی زور دیا جائے یہاں مواد مضمون کو کم تر ثابت کرنا مقصود نہیں بلکہ با مقصد کام کے لیے جس ضبط کی ضرورت ہے اس میں بچوں کی نشو نما پر اولین توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ مدرسے کے ضبط کے سلسلے میں بہت سی دشواریاں محض اس لیے پیدا ہوتی ہیں کہ مواد تعلیم پر قدرت حاصل کرنے کی زیادہ کوشش کی جاتی ہے اور صلاحیتوں اور دلچسپیوں میں انفرادی فرق کو مکمل طور پر نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے تناؤ پیدا

ہوتا ہے اور اس کے جواب میں خارجی ضبط کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ جب اساتذہ اس نقطۂ نظر کو تسلیم کر لیتے ہیں کہ مواد تعلیم بچوں میں نمو پیدا کرنے کا محض ایک ذریعہ ہے بجائے خود مقصد نہیں تو پھر ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ موثر ضبط کے لیے ضروری اقدامات کریں۔

حالیہ برسوں میں ان عوامل کا جائزہ لینے کے کام میں بہت ترقی ہوئی ہے جن سے شاگردوں میں بدکرداری پیدا ہوئی ہے، قدیم طرز کے مدرسوں میں جو طریقہ رائج تھا "پڑھو یا بھاگ جاؤ" اس اصول سے چند ہی اساتذہ متفق ہوں گے۔ اب اس بات کو نہیں تسلیم کیا جاتا کہ آموزش میں ناکامی کا باعث بچوں کی خلقی گمراہی ہے جس کو زبردستی دور کیا جا سکتا ہے۔ سست آموزی بدکرداری میں نہیں شمار ہوتی۔ جدید نظریے کے مطابق یہ اس بات کی علامت ہے کہ بچے میں، مدرسے کے نصاب میں اور طریقہ تدریس میں کچھ نقص موجود ہے۔ ای۔ کے۔ وکیمین ہہ نے حال ہی میں تاریخ تعلیم کا جائزہ لیتے ہوئے اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ بہت سے اساتذہ اس قسم کی علامتوں کو بدکرداری تصور کرتے ہیں جیسے ڈیسک کی دوسری سمت کھڑے ہو کر پڑھنا، قلم اور پنسل سے لکھتے وقت آواز کا پیدا ہونا، پنسل کو فوراً نہ رکھ دینا اور سیدھی لائن میں نہ چلنا آج بھی اساتذہ اس بات پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں کہ بچے کھانا پھوسی کرتے ہیں، توجہ سے نہیں سنتے اور گھر کے کام کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ لیکن ان علامتوں کو شاید ہی کبھی شدید تصور کیا جاتا ہو۔ حالیہ مطالعوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کردار کے مسائل پیدا کرنے والے عوامل کی طرف اساتذہ کا جو نظریہ ہے اسی سے ملتا جلتا نظریہ حفظان صحت کے ماہروں کا ان کرداروں کی طرف ہے جن سے توجہ مبذول کرانا مقصود ہوتا ہے۔ بدکرداری کو زیادہ تر ایسی علامت تصور کیا جاتا ہے جس کے ذریعے بچہ شخصی مطابقت کے مسائل میں امداد کا طلب گار ہوتا ہے۔ تعلیم کا کام کرنے والے جس قدر ذہنی حفظان صحت کے ماہرین سے اتفاق کریں گے، اسی قدر اساتذہ کو ضبط کے معاملے میں کم ناگواری ہوگی اور شاگردوں کے لیے اس کے اثرات بہت زیادہ سودمند ثابت ہوں گے۔

ضبط اور فلسفۂ تعلیم کے دوسرے عنصر کا تعلق عادات و اطوار کی ذمے داریوں

سے ہے۔ گذشتہ زمانے میں یہ ذمے داری کلیتاً استاد کی تھی۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ تدریس کی تاثیر کو قیام ضبط کی صلاحیت سے جانچا جاتا تھا اور استاد بڑا آقا تصور کیا جاتا تھا۔ بعض جری شاگردوں کی طرف سے اگر اس خواہش کا اظہار ہوتا کہ قواعد مرتب کرنے میں ان کا بھی مشورہ لیا جائے تو یہ تخریبی اور باغیانہ رویہ تصور کیا جاتا۔ لیکن آج اساتذہ کی اکثریت اپنی ذمہ داریوں کو فراموش کیے بغیر ضبط کے معاملے کو اجتماعی معاملہ سمجھتی ہے۔ اور طالب علموں کو نظم و ضبط کے جن قواعد کے تحت کام کرنا ہوتا ہے اس کو مرتب کرنے میں ان کا مشورہ شامل ہوتا ہے ان کی اپنی کمیٹیاں ہوتی ہیں جو گروپ کو مشورہ دیتی ہیں اور گروپ کے ممبروں کو یہ دیکھنے کی ذمے داری سونپی جاتی ہے کہ ان فیصلوں پر عمل درآمد ہو رہا ہے یا نہیں۔ ضبط جب اجتماعی ہوتا ہے اس وقت انفرادی ذمے داریاں سنبھالنے کا تجربہ ہوتا ہے اور سیاسی سماجی روایات کے فلسفے کو عمل میں لانے کا موقع ملتا ہے۔

یہ عقیدہ کہ سزا بہتر ضبط کے لیے کردار پر قابو رکھنے کا مجرب طریقہ ہے عمدہ ضبط کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ تعزیری طریقوں کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ جہاں تک کردار پر قابو پانے کا تعلق ہے سزا کا طریقہ ہر جگہ یکساں طور سے ناکام رہا ہے۔ جن اداروں میں سزا کا جبری طریقہ اختیار کیا جاتا ہے ان میں عود جرم کے اکثر واقعات اس لیے پیش آتے ہیں کہ سزائے جرم کی وجہ سے عادتیں راسخ ہو جاتی ہیں۔ آج علم جرائم کے ماہرین اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ضبط قایم کرنے کے لیے سزا کے بجائے اور بہت سے طریقے اپنائے جا سکتے ہیں۔ اسی لیے اسباب جرم، دفاع جرم یا رفاہ جرم کے سلسلے میں تحقیقات پر زور دیا جاتا ہے اور ناپسندیدہ عادتوں کو چھڑانے کے بجائے بہتر عمل کے مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔ اس کے حصول کے لیے افراد میں قدر و قیمت کا احساس پیدا کیا جاتا ہے انہیں بار آور مہارتیں سکھائی جاتی ہیں کسی قدر جرم کی بھی آزادی ہوتی ہے لیکن ذمے داریاں زیادہ سونپی جاتی۔ ہیں جیل خانوں میں بڑھتی ہوئی تعداد کی وجہ سے ان طریقوں کی آزمائش میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ اس بات پر عام طور سے اتفاق پایا جاتا ہے کہ سزا اور انتقام کے مقابلے میں مرتکب جرم کی بحالی زیادہ موثر ہوتی ہے۔ چونکہ سزا دوسروں کو جرم سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہے اس لیے خاص خاص

صورتوں میں اس کا استعمال بھی حق بجانب ہوسکتا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ سزا مجرموں کی اصلاح کے لیے غیر موثر ہے۔

مدراس کے اندر شاگردوں کو سزا دینے کے جواز کی گنجائش اور بھی کم ہے۔ ضبط ہمیشہ خارجی ہوتا ہے۔ اس سے وہ باطنی ہدایت نہیں ملتی جو سماج کے لیے پسندیدہ ہوتی ہے باوجودیکہ سزا سے تعمیل حکم کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔ پھر بھی مدرسے کے تحکمانہ ماحول سے نکلنے کے بعد یہ خطرہ لاحق ہو جاتا ہے کہ شاگردوں کے ردعمل میں شدید انتشار پیدا ہو جائے اس لیے مدراس کے اندر سزا کو موزوں نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔

"سزا کے لیے اگر کوئی جواز ہوسکتا ہے تو صرف یہ کہ بچوں کو ان کاموں سے باز رکھا جائے جن سے خود انہیں یا دوسروں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو ایسے کاموں کی ممانعت اور روک تھام ہونی چاہیے۔ لیکن جب ایک قسم کے طریقِ عمل کے بجائے دوسرے قسم کے طریقِ عمل کی گنجائش نظر آئے تو اس وقت بچوں کو وضاحت کے ساتھ سمجھا دینا چاہیئے تاکہ وہ ناپسندیدہ طور وطریق اپنا سکیں۔"

جان جے۔ بی۔ مارگن نے من مانی سزا کے جو مہلک نتائج بتاتے ہیں وہ یہ ہیں۔ بالغوں کو فریب دینا، بالغوں سے نفرت کرنا، خوف کے رویے کی نشوونما اور بے رحمی اور عدم رواداری کا اظہار۔ اس طرح سزا ان عادتوں اور رویوں کو پیدا کرنے میں مانع ہوتی ہے جو ہم ذہنی طور پر صحت مند بچوں میں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

انفرادی فرق اور انفرادی قدر قیمت کو تسلیم کرنے سے موثر ضبط کی راہ میں دشواریاں پیدا ہوتی ہیں

انفرادی فرق کو نہ تسلیم کرنے سے معقول ضبط کی راہ میں دشواریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس کے دو اسباب ہیں۔ پہلے کا تعلق اس بات سے ہے کہ جب تک یہ فرق تسلیم نہ کر لیا جائے اس بات کا امکان ہے کہ بچے کے بجائے کردار سے سروکار ہو اور ساری توجہ کردار کی علامت پر مرکوز ہو فعل کے سبب پر نہیں اور معلمین کا تعلق فعل پر عائد ہونے والے قواعد وضوابط سے ہو فاعل سے نہیں یہ دیکھا گیا ہے کہ ایک ہی کردار مختلف لوگوں کے لیے مختلف معنی رکھتا ہے۔ یہ بات استاد کو تسلیم کرنی چاہیے۔ دوسرا سبب جو براہ راست انہیں باتوں سے پیدا ہوتا ہے یہ ہے

کہ مختلف لوگوں کے لیے ضبط کے طریق کار مختلف معنی رکھتے ہیں۔ ایک بچہ سخت کلمات سن کر بے پرواہی کا اظہار کر سکتا ہے دوسرا بچہ انہیں الفاظ کو سن کر بہت افسردہ ہوجاتا ہے ایک لڑکا اسکول میں روک لیے جانے پر خوش ہوسکتا ہے کیونکہ اس طرح اس کو گھر کے کام سے چھٹکارا مل جائے گا دوسرے کی جز وقتی ملازمت اسی بات پر ختم ہوسکتی ہے کیونکہ آجر کا اعتبار اس کے اوپر سے اٹھ جائے گا۔

اس طرح انفرادی قدر وقیمت کو تسلیم نہ کرنے سے ضبط کے قیام میں دشواری ہوتی ہے۔ خارجی ضبط سے اس بات کی دلالت ہوتی ہے کہ اپنے بارے میں فرد خود کوئی فیصلہ کرنے کے قابل نہیں ہے اس کے علاوہ ایسے ضبط میں اس بات کا موقع نہیں ملتا کہ فرد اپنی خود ہدایتی صلاحیتوں کو بروے کار لاسکے سخت الفاظ اور جسمانی تشدد سے قدر وقیمت کا احساس پیدا کرنے میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ یہ بات وہ لوگ بھی تسلیم کرتے ہیں جو سزا کے حق میں ہیں۔ اسی لیے وہ اس طریقے کو تنہائی میں استعمال کرنے کا مشورہ دیتے ہیں شرم دلانا، کمتر بنانا، شخصی طعن و تشنیع اور دوسروں سے مقابلہ کرنا یہ سب وہ طریقے ہیں جن سے انفرادی قدر وقیمت گھٹتی ہے۔ ظاہر ہے تعلیمی عمل میں ان طریقوں کی کوئی جگہ نہیں ہے کیونکہ اس کا مقصد سماج کے لیے ایسے افراد تیار کرنا ہے جو شخصی اور سماجی طور پر بہتر مطابقت رکھتے ہوں۔ استاد کے لیے انفرادی فرق کی طرف متوجہ ہونے کی معقول وجہ ہے لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ ان میں کوئی وجہ تعمیری ضبط کے لیے زیادہ معقول ہو اور کوئی کم۔

ضبط کے اچانک حصول کی توقع سے بہتر ضبط کے لیے دشواریاں پیدا ہو سکتی ہیں چونکہ اساتذہ ضبط نفس کو نشو و نما کے بنیادی اصولوں کو تسلیم کرنے سے قاصر ہوتے ہیں اس لیے خود رہنمائی کو شبہے کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ نمو کا عمل بتدریج اور مسلسل ہوتا ہے، تیزی کے ساتھ نہیں ہوتا کسی شخص میں خود انحصاری اور خود رہنمائی پیدا کرنے کے لیے مشق درکار ہوتی ہے اور چونکہ اس کے لیے مشق ضروری ہوتی ہے اس لیے اس کا امکان بہت ضروری ہے کہ پوری مدت میں اگر بے چوں چرا اطاعت گزاری کا مطالبہ کیا جائے تو مدرسہ چھوڑنے کے بعد خود رہنمائی پیدا ہوسکے۔ نہ تو پہلے درجے میں اور نہ ہی ہائی اسکول کے آخری برسوں میں شخصی ضبط

کی افادیت پر لیکچر دینے سے شاگردوں کے نقطہ نظر میں فوری تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے بلکہ ذہنی حفظان صحت اور ضبط کے نقطہ نظر کے لیے اس وقت گنجائش نکل سکتی ہے جب تھوڑا بہت لیکچر دیا جائے اور اس کے بعد خود رہنمائی کے وافر مواقع فراہم کیے جائیں۔

نشوونما کا عمل چونکہ مسلسل رہتا ہے اس لیے اساتذہ اور خاص طور سے ہائی اسکول کے اساتذہ اس بات سے مایوس ہو سکتے ہیں کہ سابقہ زمانے میں خود رہنمائی کی مشق کم ہوئی ہے اس قنوطی نظر کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ نمو کے اور بھی اصول ہیں جو ان حالات میں استاد کی معاونت کریں گے۔ مثلاً مہارتوں کے اکتساب اور آموزش کا انحصار افراد کی سطح پختگی سے ہے۔ ثانوی مدرسے کے طلبا ابتدائی مدرسے کے طالب علموں کے مقابلے میں اگر تجربے میں نہیں تو کم سے کم جسمانی ساخت اور ذہانت کے اعتبار سے پختہ کار ہوتے ہیں اس لیے وہ ان اسباق کو جو ان کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں جلدی سیکھ لیتے ہیں۔ مختصر یہ کہ اگر مناسب ماحول مہیا کیا جائے تو یہ لڑکے ابتدائی مدرسے کے لڑکوں کے مقابلے میں خود رہنمائی زیادہ تیزی سے سیکھ سکتے ہیں اس لیے کہ اس کے رموز سے یہ زیادہ باخبر ہوتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ابتدائی منزل کے معلمین محض اس لیے اس سے کوئی سروکار نہ رکھیں کہ اس کی ضرورت بعد میں ہوگی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ تمام بچے ہائی اسکول میں نہیں پہنچتے۔ اس لیے ان لڑکوں کو بھی جو آگے اپنی تعلیم جاری نہیں رکھ سکتے خیال وعمل کی خود انحصاری سے مستفید ہونے کا موقع ملنا چاہیے۔ دوسری بات یہ ہے کہ زائد آموزش، تعلیم کا اصول کفایت ہے۔ ثانوی مدارس کے طلبہ کو چونکہ پہلے سے مشق ہوتی ہے اس لیے وہ اہم اسباق کی آموزش بہتر طریقے سے کر سکتے ہیں۔ لیکن اس میں اس بات کا بھی خطرہ ہے کہ گزشتہ ساختہ لزوم اور پچھلی عادتیں جن سے ثانوی مدرسے کے شاگردوں کی تشکیل ہوئی ہے ان اسباق کی آموزش میں دشواریاں پیدا کریں۔ وہ اساتذہ جو ضبط سے متعلق ذہنی حفظان صحت کا نظریہ رکھتے ہیں انہیں اپنی صلاحیتوں پر پورا بھروسہ رکھنا چاہیے اور نوجوانوں میں نشوونما کی امکانی صلاحیتوں کو پروان چڑھانا چاہیے

خلاصہ

ضبط کا وہ تصور جس کے تحت خارجی ذرائع سے بچوں میں ضبط کا ارادہ پیدا

کیا جائے۔ اب نہیں رہا۔ اس کے بجائے تعلیم کے معاصر نظریوں میں ایک متوازن ضبط کا رجحان پایا جاتا ہے جس میں بچہ خود اپنی رہنمائی کرے۔ اور اپنے کردار کو سماج رخ بنائے۔ یہ دونوں باتیں بامقصد مشغلے سے پیدا ہوتی ہیں۔ حسب سابق آج بھی موثر طور پر زندگی گزارنے کے لیے ضبط کی بہت اہمیت ہے۔ مسرور اور بار آور شہریوں کو یہ سیکھنا چاہیے کہ دوسروں کی فلاح، خود اپنی زندگی لطف کے ساتھ گزارنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس کا حصول اس صورت میں آسانی سے ہو سکتا ہے جب ہر شخص اپنی انفرادیت کو گروپ سے منسوب کرلے۔

موزوں ضبط کی نشوونما اس وقت ہو سکتی ہے جب استاد کی ہدایات میں صراحت اشتراک عمل، معقولیت، یکساں روی اور انفرادی فرق کی طرف جھکاؤ نظر آئے۔ اس قسم کے ضبط کا انحصار ان معلمین پر ہے جو نمو کے اصولوں سے عام طور پر اور مدرسے کے اندر و باہر رونما ہونے والے کردار کے اسباب و مدلل سے خاص طور پر واقف ہوتے ہیں، اگر استاد ان عوامل سے واقفیت پیدا کرلے تو سوائے اس کے کہ وہ خود عدم تحفظ اور نقص مطابقت میں مبتلا ہو، ضبط کے لائحہ عمل میں شرمندہ کرنے اور طنز و تمسخر جیسے اصلاحی طریقوں کی کوئی گنجائش نہیں۔

ضبط کے نئے تصور کا تقاضا ہے کہ اقدامات میں استقامت اور موزونیت ہو استاد خود بھی اپنے کردار کے ذریعے شخصی ضبط کا نمونہ پیش کرے اور حتی الامکان اس بات کی کوشش کرے کہ ان کے لیے مشاغل کا بدل فراہم کرے نہ کہ اس بات کا مطالبہ کرے کہ وہ ناپسندیدہ کردار کو ترک کردیں۔ استدلال پر مبنی گروپ کنٹرول ضبط کا بڑا مقصد ہے کیونکہ اس کے ذریعے ایسے مطابقت پذیر افراد کی نشوونما ہوتی ہے جنہیں جمہوری طریقہ کار کی مشق کے مواقع مل چکے ہوں گے۔

درجے کے اندر ضبط کے بہتر طریق عمل میں جو کوتاہیاں نظر آتی ہیں ان میں سب سے بڑی کوتاہی یہ ہے کہ استاد خود بھی بنیادی تحفظ اور اعتماد کی کمی محسوس کرتا ہے خوش قسمتی سے اس کمی کو دور کرنے کے طریقے معلوم ہیں۔ دوسری کوتاہی کا مرکز خود استاد ہے اور اس کا تعلق اس بات سے ہے کہ معاصر فلسفہ تعلیم کا اعتراف کیا جائے اور یہ خیال دل سے نکال دیا جائے کہ سزا پانے والے پر سزا کا اچھا اثر پڑتا ہے بہتر ضبط کی راہ میں۔

دوسری رکاوٹیں یہ ہیں کہ انفرادی قدروقیمت اور انفرادی فرق کو نہیں تسلیم کیا جاتا اور اس بات کو نہیں سراہا جاتا کہ نمو مسلسل اور بتدریج ہوتی ہے۔

بہتر ضبط کے طریق عمل سے دو طرح کا اثر پڑتا ہے ایک تو یہ کہ شاگردوں کی ذہنی صحت بہتر ہو جاتی ہے اور دوسرے یہ کہ معلمین کے کام میں حقیقی لطف پیدا ہو جاتا ہے،

مطالعہ اور مباحث کی مشقیں

۱۔ دس تجربہ کار اساتذہ کے نظریات کا خلاصہ پیش کیجیے۔ درجے میں عمدہ ضبط پیدا کرنے کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے کیا وہ کثرت رائے کے ساتھ اس نقطہ نظر سے اتفاق کرتے ہیں جو اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے؟

۲۔ کیا آپ کوئی ایسا موقع سوچ سکتے جب جسمانی سزا کو حق بجانب سمجھا جائے

۳۔ ایک جمہوری سماج اور ایک تحکمانہ سماج کے تصور ضبط میں کیا اختلاف ہوگا؟

۴۔ دو یا تین ہائی اسکول کے درجوں کا معائنہ کیجیے اور خاص طور سے ضبط قائم کرنے کے طریقوں کو نوٹ کیجیے۔ درجے کے اندر نتائج کو پیش کیجیے۔

۵۔ ابتدائی درجوں میں اساتذہ کے کیا وظائف ہیں۔ کیا ہائی اسکول میں پڑھانے والے اساتذہ کے وظائف سے یہ مختلف ہوں گے۔

۶۔ عمدہ ضبط کے قیام کے لیے طلبا کی تفہیم کی اہمیت کیوں بہت زیادہ ہے؟

۷۔ کچھ ایسی مثالیں پیش کیجیے جن سے اس بات کی وضاحت ہو سکے کہ کام کی تکمیل بذات خود ایک انعام ہے

۸۔ کیا استقلال ضبط کا مطلب ہے کہ تمام بچوں کی خطاؤں کے لیے ایک ہی برتاؤ کیا جائے؟ کیا آپ کو اس سے اتفاق ہے کہ کسی ایک کے لیے جو برتاؤ صحیح ہے وہی دوسروں کے لیے صحیح ہے۔

۹۔ کیا آپ اپنے تجربے سے کوئی ایسا موقع یاد کر سکتے ہیں جب شاگردوں کے کردار میں استاد کے کردار کی جھلک نظر آتی ہو۔

۱۰۔ مدرسے کے اندر کس سطح تک بچوں کی حکومت قائم ہو سکتی ہے۔

۱۱۔ بعض ایسی شہادتیں پیش کیجیے جن سے پتہ چلے کہ سزا گمراہوں اور مجرموں کو سدھارنے کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ جرم سے متعلق کون سا نظریہ ہے جس کے تحت سزا کو حق بجانب بتایا جاتا ہو۔

باب۹

طریقۂ تدریس اور شاگردوں کی مطابقت

یہ بات اچھی طرح واضح ہو جانی چاہیے کہ شاگردوں میں ذہنی صحت کی تحصیل کسی ایک اصول پر عمل کرنے سے نہیں ہو سکتی چاہے وہ اصول کتنا ہی عظیم اور موثر کیوں نہ ہو۔ اگر ہم بچے کے توارث اور خاندانی حالات کو نظر انداز کر دیں تو بھی یہ جاننا ضروری ہے کہ بچے کی جسمانی صحت کیسی ہے اس کے اساتذہ کس قسم کے ہیں، ہمسروں سے اس کے روابط کیسے ہیں اور مدرسے کے نصاب کی طرف اس کا ردعمل کیا ہے۔ اگر مذکورہ عوامل میں سے صرف ایک پر توجہ دی گئی تو حفظان صحت سے متعلق اسکول کے بچوں کی حاجتیں کبھی پوری نہ ہو سکیں گی۔ پچھلے باب میں اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ شاگردوں کی ذہنی صحت کے اہم عوامل میں سے ایک بہت ہی اہم عامل خود استاد کی ذہنی صحت ہے اور دوسرا، طریقہ تدریس۔

راقم الحروف کو ولیم۔ ایچ۔ بروٹن (WILLIAMH. BRUTN) کے نظریے سے اتفاق ہے کہ آموزش میں عام طور سے یہ غلط تصور کار فرما رہا ہے وہ آموزش کے ماحاصل کو پیچیدہ سمجھنے کے بجائے سادا اور کثیر التعداد اور متنوع سمجھنے کے بجائے واحد سمجھا جاتا ہے۔[1] اس کا مطلب ہے کہ طلبا صرف پڑھائی، لکھائی، ریاضی، جیومیٹری، ہسٹری اور تاریخ کی آموزش نہیں کرتے بلکہ ساتھ ہی ساتھ ان میں کچھ رویے، دلچسپیاں، عادتیں، نصب العین اور امنگیں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ جب استاد خواندگی کی بنیادی مہارتیں سکھا رہا ہوتا ہے اس وقت لازمی طور پر خواندگی کی پسند و ناپسند، کتابوں سے دلچسپی یا تنفر اور ساتھ ہی ساتھ لطف یا بے لطفی بھی ذہن نشیں کراتا ہے۔ ریاضی کا استاد اسی طرح حساب کتاب سے یا تو احترام یا دلچسپی پیدا کرتا ہے یا خوف۔ یہی بات سائنس کے استاد پر صادق آتی ہے۔

وہ چاہتے یا نہ چاہے اپنے طالب علموں میں اعتباریت اور تحقیق کی طرف مناسب رویہ اور صحتِ حساب سے لگاؤ پیدا کراتا ہے یا تفصیلات سے گریز کرنا سکھاتا ہے۔ جس طرح قدیم رُوما کی زندگی پر درس دیتے وقت استاد، دوسری قوموں کے ساتھ بھی شہرت اور یگانگت کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ بہرکیف یہ ضمنی آموزش ان منتشر واقعات کے مقابلے میں زیادہ اہم ہوتی ہے۔ جن کو شاگرد سالانہ امتحان کے وقت لکھ آتے ہیں۔ ضرورت نہیں کہ اس بات سے پروگیسو ایجوکیشن کی تصدیق ہوتی ہو یا تردید۔ یہ تو آموزش کے بارے میں محض ایک اظہار واقعہ ہے جیسے ایک موثر استاد کو ضرور ذہن نشین کرنا چاہیے۔ چاہے زور مواد تعلیم پر ہو یا شاگردوں کی لغت پر۔

تصویر

.شاگردوں کے لیے پڑھانے کے سامان کی ایک فہرست بنانے کے کیا فوائد ہیں کیا گروپ آموزش اتنی ہی موثر ہے جتنی تکمیل دی اور ؟ ہر شاگرد کو اشتراک کے لیے کیسے اکسایا جاسکتا ہے ؟

چوں کہ آموزش ایک پیچیدہ، متنوع اور کثیر العناصر عمل ہے اس لیے کوئی بھی ایک طریقہ موثر نہیں ہوسکتا۔ جس طرح ذہنی صحت کے حصول کے لیے کوئی ایک عظیم اور ہمہ گیر اصول نہیں ہے اسی طرح کامیاب تدریس کے لیے بھی کوئی ایک ایسا طریقہ تدریس نہیں ہے جو لازمی طور پر کامیابی کی منزل تک پہنچائے۔ استاد چاہے کوئی بھی طریقہ اختیار کرے کامیابی حاصل کرنے کے لیے بچوں کی خصلتوں کا علم ضروری ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل باتوں پر زور دینا چاہیے۔

۱۔ الگ الگ بچوں کے ساتھ الگ الگ برتاؤ

۲۔ خود اپنی تسکین کے لیے مسلسل آموزش کی بنیاد پر حصولِ علم کی اہمیت

۳۔ موثر آموزش میں شاگردوں کی فعالیت (جسمانی اور ذہنی) کا منصب۔

۴۔ بامعنی اور بامقصد آموزش کے لیے مشاغل کے امکانات

آج کی مسرت بخش زندگی کی بنیاد پر کل کی فراواں زندگی گزارنے کی تیاری۔

۶۔ ایک موثر شہریت اور جمہوری سماج کی تیاری کے لیے اشتراک عمل کی بنیاد پر آموزش

اس کتاب کے مختلف حصوں میں انہیں تمام باتوں پر زور دیا گیا ہے۔ یہاں زور کسی ایک بات پر نہیں کیوں کہ آموزش ایک پیچیدہ، متنوع اور کثیر العناصر عمل ہے۔

جواب دینا یا جواب حاصل کرنا

اساتذہ کا وہم : موثر طریقہ تدریس پر بہت کتابیں لکھی جا چکی ہیں اس لیے ایک باب میں اس مضمون کو پیش کرنا جرات بیجا ہوگی لیکن بچوں کی ذہنی صحت سے کچھ باتوں کا اتنا گہرا تعلق ہے کہ ان کی طرف متوجہ کرانا ضروری ہے۔ ان میں سے ایک بات اساتذہ کا وہم ہے جو اکثر گرفتار رہتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ درجے میں جو بھی سوال پوچھا جائے اس کا جواب دینا ضروری ہے عام طور سے اساتذہ اس کو اور مشکل بنا دیتے ہیں۔ ان کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ سوالات کے جواب انہیں الفاظ میں دینے چاہیں جو اس نے سوال کرتے وقت سوچ رکھے ہیں۔ یہاں طالب علموں کو دو طرح کی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ اوّل یہ کہ جواب تلاش کرکے خود پہل کرنے میں ان کی ہمت شکنی ہوتی ہے کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ جوابات آخرکار استاد ہی کے الفاظ میں دینے ہیں۔ دوم یہ کہ ان میں گمراہ کن تصور پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ ہر سوال کا جواب موجود ہے۔ وینڈل جانسن (WENDELL JOHNSUN) نے اس دشواری کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"انسان کی طاقت اس سے زیادہ کبھی رائیگاں نہیں ہوتی جتنی مبہم اور بے معنی سوالات کے جواب تلاش کرنے میں ہوتی ہے۔ نظام تعلیم پر جو شدید الزام لگایا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں طالب علموں کے لیے جواب فراہم کیے جاتے ہیں لیکن ایسے سوال پوچھنے کی مہارت بہت کم پیدا کی جاتی ہے جن میں تفتیش اور جائزے کا رجحان نظر آئے۔ اس کے ذریعے طالب علم کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ وہ ارادہ تو مصمم کرے چاہے اس کے لیے تیار ہو یا نہ ہو لیکن یہ نہیں سکھایا جاتا کہ وہ اپنی مرضی سے اپنا ارادہ بدل سکے۔ اگر اس خرابی کو تسلیم نہ کیا گیا تو نظام تعلیم کو سدھارنے کی ہر کوشش ناکام ہوگی۔ دراصل نقص مطابقت رکھنے والے ہر فرد کو سدھارنے کی کوشش پر اس وقت تک بھروسہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے جب تک تفتیش کی موثر تکنیک نہ سکھائی جائے۔"

لڑکے اگر یہ بات سیکھ جائیں کہ مکمل جوابات نہیں معلوم یا ادھورے جواب معلوم ہیں تو یہ بات غیر معمولی طور پر اہم ہوگی۔ پہلے ہی سے ایسے بہت سے لوگ موجود ہیں جن کا انحصار دوسروں کے علم اور جواب پر ہے۔ اس کے پیش نظر افراد میں ایسے رویئے پیدا کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جن کے ذریعے وہ خود جواب دریافت کر سکیں۔ چاہے وہ جواب عارضی ہی کیوں نہ ہو۔ دنیا کے جو پیچیدہ اور تغیر پذیر مسائل ہیں ان سے نپٹنے کا اور کوئی طریقہ نہیں۔ ذہن میں جب ایسے سوالات پیدا ہوں جن کے جواب نہ مل پائے تو طالب علموں میں ان مسائل سے مطابقت پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا ہو سکتی ہے جو مدرسے کے دوران پیش نہیں آتے۔ طالب علم اس کے ذریعے تفتیش کی لیاقت پیدا کر سکتے ہیں اور اس ناگزیر دور کے لیے تیار ہو سکتے ہیں جن میں انہیں باہم متصادم پیچیدہ مسائل کے حل سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اگر کوئی استاد اپنے شاگردوں میں یہ صلاحیت نہ پیدا ہونے دے کہ وہ اپنی رائے تبدیل کر سکیں اور انہیں اس حق سے محروم کر دے کہ وہ استاد کے خیال سے اختلاف کر سکیں تو یہ بہت نقصان دہ ہوگا۔ بے شک یہ خصلت تمام اساتذہ میں نہیں پائی جاتی لیکن بعض اساتذہ کے سلسلے میں یہ بات بالکل درست ہے۔ شاید استاد نادانستہ طور پر جواب فراہم کرنے کی جانب مائل ہوتا ہے لیکن یہ کوئی ایسی بُری عادت نہیں جس سے تمام اساتذہ کو پرہیز کرنے کی ضرورت پیش آئے۔

مس۔ ایم (M. R. M.) جو ہائی اسکول میں سماجی علام کی استانی ہیں، اس کی ایک مثال ہیں۔ وہ قطعی طور پر فلاحی ریاست کے تصور کو نامناسب سمجھتی ہیں۔ طالب علم جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے استاد کے خیال پر تعرض کیا تو انہیں کم نمبر دیے جائیں گے۔ اس معاملے میں ان کی اتنی شہرت ہو گئی ہے کہ بعض ہوشیار طالب علم انہیں چکما دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ محض جرح کرنے کی غرض سے اپنی دلیل پیش کرتے رہتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں نتیجہ کیا ہوگا۔ شروع کے چھے ہفتوں کے بعد یا وسط سیمسٹر گزرنے پر وہ یہ ظاہر کرنے لگتے ہیں کہ ان میں تبدیلی آ گئی ہے اور جب استانی اپنے نظریات پیش کرتی ہیں تو وہ مسکین صورت بنائے اپنے سر ہلاتے رہتے ہیں۔

ایک ہائی اسکول کے لڑکے نے ابھی حال ہی میں بیان کیا کہ اس نے درجے میں بالکل خاموش رہنا غنیمت سمجھا کیوں کہ وہ ان خیالات کو پیش کرنا چاہتا تھا جو اس نے گھر

میں اپنے والدین سے سنے تھے (اس کے ماں باپ دونوں قابل احترام معلم سمجھے جاتے تھے) لیکن وہ استاد کے خیال سے مختلف تھے، اس لیے وہ خاموش رہا۔ پہلی بار جب اس نے متصادم خیال پیش کرنے کی کوشش کی تو استاد کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا اور وہ لڑکے پر برس پڑا۔

اس قسم کی ادعائیت بچوں کی ذہنی صحت پر ایک منفی اثر ڈالتی ہے لیکن اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ استاد کا ذہن بند ہے۔ تمام سوالوں کے جواب سے واقف ہونا اور سوال پوچھنے کے حق سے محروم کرنا، جمہوری نصب العین سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اگر استاد اپنے شاگردوں کے ساتھ ساتھ خود بھی متعلم بن جائے تو یہ ذہنی صحت اور موثر طریقہ تدریس دونوں ہی کے نقطہ نظر سے مستحسن ہوگا۔ اس طرح اشتراک باہمی کے ذریعے استاد اور شاگرد دونوں ایسی معلومات فراہم کر سکتے ہیں جن سے طالب علموں میں دریافت کا حوصلہ پیدا ہوگا اور مسلسل بالیدگی کے لیے ایک ایسی بنیاد پڑ جائے گی جو حقیقی ذہنی صحت کے لیے اساسی حیثیت رکھتی ہو۔

آٹھویں درجے کی ایک استانی نے بیان کیا کہ اس نے کس طرح اس اصول کو استعمال کرنا سیکھا۔ اس کی جماعت میں ایک فطین لڑکی تھی۔ جانچ سے تو یہ پتہ چلتا تھا کہ اپنے کام سے اس کو بے اعتنائی ہے۔ وہ اکل کھری تو نہ تھی لیکن جواب سے بے اعتنائی اور عدم دلچسپی ظاہر ہوتی تھی۔ عام طور پر اس کی شرکت بے دلی کے ساتھ ہوتی تھی۔ ایک دن وہ استانی کے پاس نظام شمسی سے متعلق ایک ایسا سوال لے کر آئی جس کا جواب اس کی کتاب میں نہیں تھا لڑکی کو اپنے جواب سے مطمئن کر کے استانی کو بہت خوشی ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ آخر کار دلچسپی کا ایک پہلو تو سامنے آیا لیکن لڑکی نے صرف شکریہ ادا کیا اور اپنی جگہ پر تضیع اوقات کے لیے بیٹھ گئی۔ کچھ دن کے بعد لڑکی نے دوسرا سوال پوچھا۔ استانی اس کا جواب نہ دے سکی لیکن کچھ حوالے بتا دیے اور کہا کہ وہ خود بھی جواب جاننا چاہتی ہے لڑکی دل و جان سے جواب کی تلاش میں لگ گئی اور بعد میں اس مسئلے پر تفصیل کے ساتھ اظہار خیال کیا۔ اس کے بعد استانی نے اس کی ہمت بڑھائی کہ وہ جماعت کے سامنے اپنی تحقیقات پیش کرے۔ دوسرے دن لڑکی دوسرا سوال لے کر آئی۔ استانی کو جواب معلوم تھا لیکن اس نے نہیں بتایا۔ لڑکی پھر اس سوال کا جواب ڈھونڈنے میں مصروف ہوگئی۔ استانی

نے دوسرے طالب علموں کے ساتھ بھی یہی طریقہ کار اپنایا اور مختلف طریقے سے اپنے شاگردوں کی امداد کی۔ ان شاگردوں نے بھی معلومات حاصل کرنے میں اسی قدر سرگرمی دکھائی۔

دلچسپی کا منصب

دلچسپی کا گہرا تعلق مقصدیت کے تصور سے ہے۔ عام طور سے شاگردوں میں دلچسپی پیدا کرنے کی جس قدر کوشش ہوگی اسی قدر ان میں مقصد کی تفہیم بڑھے گی۔ دراصل اس حصے میں انہیں مقاصد کا توسیعی بیان ہے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

دلچسپی کا مفہوم اور اس کی اہمیت

دلچسپی کی تعریف یوں بیان کی جاسکتی ہے کہ یہ اس باطنی تعلق کا نام ہے جو افراد اور اشیا حالات اور مشاغل کے درمیان پایا جاتا ہے۔ یہ باطنی تعلق کسی شے کے ساتھ اتفاق یا اتحاد سے پیدا ہوتا ہے۔ دلچسپی شاگردوں کی خوشگوار مزاجی کیفیت کا نام ہے۔ دلچسپی ان حالات یا اشخاص کے ذریعے پیدا ہوتی ہے جن کی جانب جسمانی یا ذہنی قوت کی رہنمائی ہوتی ہو۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ دلچسپی کوئی دریافت نہیں بلکہ ایسی چیز ہے جو پیدا کی جاتی ہے۔ طلبا کچھ خاص چیزوں سے قدرتی طور پر دلچسپی لیتے ہیں۔ وہ اپنی دلچسپی کو بالیدگی، پختگی، تجربہ اور روابط کے ذریعے بڑھائے رہتے ہیں۔ دلچسپی شاگردوں کے فعال احساس کا نام ہے اساتذہ دلچسپی نہیں پیدا کرسکتے بلکہ صرف ایسے حالات پیدا کرسکتے ہیں جو دلچسپی پیدا کرنے میں معاون ہوں۔

معاصر تعلیم میں دلچسپی کا ایک کلیدی تصور ہے۔ یہ ان باتوں سے مختلف ہے جن کو تعلیم کے سلسلے میں بہت اہم سمجھا جاتا رہا ہے۔ اگر اساتذہ ان حالات سے باخبر ہوسکیں جو دلچسپی پیدا کرنے میں معاون ہوتے ہیں تو ان کے بہت سے مسائل ختم ہوجائیں (خاص طور سے ضبط، سریع آموزش، موثر تطبیق اور خود انحصاری پیدا کرنے سے متعلق) لیکن دلچسپی کے ساتھ جو سب سے زیادہ اہم بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے رسمی تعلیم کے بعد آموزش کے لیے ایک مناسب رویہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر ہم استاد کی حیثیت سے شاگردوں میں حقیقی دلچسپی پیدا کرسکیں تو آموزش کا وہ اہم مقصد حاصل ہو جائے گا

جس کا تعلق اس تعلیم سے ہے جو پوری زندگی پر محیط ہے۔ ای۔ ای۔ بولٹن (E.E.BOLTON.) ان اہم مقاصد کو حسب ذیل طریقے سے بیان کرتے ہیں۔

ہائی اسکول کی تعلیم ختم کرنے کے بعد یہ بات زیادہ اہم نہیں کہ طالب علم کیا جانتا ہے بلکہ اہم بات یہ ہے کہ اس کی دلچسپیاں کیا ہیں، وہ کن ساتھیوں کا انتخاب کرتا ہے، کون سی کتابیں پڑھتا ہے اور اس کا نصب العین کیا ہے۔ دراصل یہی وہ خصوصیات ہیں جن پر اس کی ترقی کا دارو مدار ہے۔ کیا اس کی دوستی معقول لوگوں کے ساتھ ہے کیا وہ منتخب ادب کا مطالعہ کرتا ہے، کیا وہ اچھے لکچر سے لطف اندوز ہوتا ہے اکیا وہ بے ضرر تفریحات میں شریک ہوتا ہے اور وہ شہریت کے فلاحی کاموں سے دلچسپی لیتا ہے یا اس کے بجائے وہ ان گھٹیا ساتھیوں کی تلاش میں رہتا ہے جو فحش کہانیاں سناتے ہیں اور قابل اعتراض کام کرتے ہیں، کیا وہ گھٹیا اور نامعقول رسالے اور کتابیں پڑھتا ہے اور چرچ، اسکول، عمدہ کتابوں اور سنجیدہ مشاغل کا مذاق اڑاتا ہے۔

• سماج اور اس کے مسائل، مذہب اور اخلاق اور حقوق و فرائض کی طرف بچے کا رویہ کیسا ہے، اس بات کی زیادہ اہمیت ہے بجائے اس کے کہ وہ کچھ علمی باتوں سے واقفیت پیدا کرے۔ وہ کس قسم کا آدمی بنے گا اس کا انحصار اس کی پسند و ناپسند، محبت و نفرت اور اس کی رغبت اور کراہت پر ہے۔"

یہ درست کہ یہ باتیں بیس برس پہلے لکھی گئی تھیں لیکن اس کی وجہ سے ان کی اہمیت کم نہیں ہو جاتی بلکہ انہیں تسلیم کرنے میں اگر کسی قسم کی تساہلی دکھائی گئی تو پھر اس بات کی زیادہ ضرورت ہوگی کہ پوری سنجیدگی کے ساتھ مذکورہ اصولوں کا مطالعہ کیا جائے۔

دلچسپی کی تحریک پیدا کرنے کا طریقہ

دلچسپی کی تحریک پیدا کرنے کیلئے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ انہیں اختصار کے ساتھ اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ راقم الحروف یہ تاثر نہیں پیدا کرنا چاہتا کہ یہی مشورے قطعی اور کل ہیں۔ یہ توقع کی جاتی ہے کہ قاری ان مشوروں میں وسعت پیدا کرے گا اور حالات کے مطابق انہیں استعمال کرے گا۔

۱۔ عمدہ مثال قائم کیجیے۔ دلچسپی جذبے کی ایک شکل ہے، جذبات متعدی ہوتے ہیں۔ اس لیے استاد کو حصول تعلیم کی ایک پُرجوش اور پُر اعتماد مثال قائم کرنی چاہیے۔ ہر

منزل کے بچے عام طور پر استاد کے جوش اور ولولے سے متاثر ہوتے ہیں۔ ایک اُکتائے ہوئے اور اچاٹ طبیعت رکھنے والے استاد سے شاگردوں کو دلچسپی نہیں ہوتی لیکن شوقین اور جاندار استاد اپنے شاگردوں میں بھی اپنے ہی جیسا کردار پیدا کرتا ہے۔

۲۔ یقین کیجیے کہ شاگردوں سے جو توقع رکھی جاتی ہے اس سے وہ باخبر ہوتے ہیں۔ چھوٹے بچے جب کبھی کل پرزے والے کھلونے سے کھیلتے ہیں جس کو وہ اچھی طرح نہیں سنبھال پاتے تو ان کی طبیعت جلد ہی اچاٹ ہو جاتی ہے لیکن جب وہ سادے کھلونے سے کھیلتے ہیں، جنہیں وہ آسانی سے سنبھال سکتے ہوں تو زیادہ دیر تک مصروف رہتے ہیں۔ اسی طرح بالغ بھی ان لیکچروں میں دلچسپی لیتے ہیں جو ان کی سمجھ میں آجاتے ہیں لیکن وہ لیکچر اگر ایسی زبان میں ہوں جو ان کی سمجھ میں نہ آتی ہو تو وہ بے چین ہو جاتے ہیں۔ اس بات کو تسلیم کر کے تعلیمی عمل میں یقیناً ترقی ہوئی ہے کہ شاگردوں کے لیے کون سی باتیں بامعنی ہیں اور کون سی نہیں۔ انہیں کے مطابق مدرسے کے نصاب کا بھی انتخاب کیا جاتا ہے۔

۳۔ مقاصد کو واضح اور صاف طریقے پر پیش کرنا چاہیے۔ صرف وہی لوگ طویل مدت تک اپنی سعی جاری رکھ سکتے ہیں جو نفسیاتی طور پر پختہ کار ہوں۔ شاگرد جتنا ہی کم عمر ہو گا اتنا ہی قریب الحصول مقصد بھی ہونا چاہیے۔ شوق پیدا کرنے اور قائم رکھنے کی یہ لازمی شرط ہے۔

۴۔ معلوم باتوں کا نامعلوم باتوں سے تعلق پیدا کیجیے۔ دلچسپی آسمان سے نہیں ٹپکتی یہ قدرتی بات ہے کہ ہم کسی دور افتادہ آدمی کے بجائے اپنے بچوں اور پڑوسیوں کی فلاح وبہبود کی زیادہ فکر کرتے ہیں اگر آپ نے کوئی مخصوص چڑیا نہیں دیکھی ہے تو اس کی انواع واقسام کے بارے میں علم حاصل کرنے سے آپ کو دلچسپی نہیں ہوگی لیکن آپ نے اگر کسی چڑیا کے بارے میں پڑھا ہے، اس کی عادتوں کے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں، اس کی اقسام سے واقفیت پیدا کر لی ہے اور اس کے کھانے دانے کی جگہ مقرر کر لی ہے تو اس سے متعلق آپ کی دلچسپی بڑھ جائے گی۔ ہم بچوں سے یہ توقع نہیں کر سکتے کہ وہ مجرد تصورات میں دلچسپی لیں۔ ہمیں تو ان چیزوں کے بارے میں بچوں کے علم کو بڑھانا ہے جن سے وہ جزوی طور پر واقف ہیں۔

۵۔ معلومات اکتسابی ہوتی ہیں۔ ایک شخص جو پڑھ نہیں سکتا، پڑھائی میں دلچسپی نہیں

لے گا۔ ایک شخص جو حساب کتاب نہیں کر سکتا، اس کو ریاضی سے دلچسپی نہیں ہوگی۔ اگر ایک آدمی کو تاریخ سے دلچسپی نہیں ہے تو وہ قوموں کے آغاز میں دلچسپی نہیں لے گا۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ دلچسپی معلومات کے اکتساب پر موقوف ہے۔ کبھی کبھی اکتساب کے لیے مشق کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی کبھی دباؤ کی لیکن مشق میں اگر تنوع ہو اور دباؤ میں اختیار تمیزی سے کام لیا جائے تو کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ دلچسپی نئے علم سے بڑھتی ہے۔

۶۔ کامیابی کا اہتمام کیجیے۔ اس فرسودہ فقرے میں سچائی ہے "کامیابی سے بڑھ کر کوئی چیز کامیاب نہیں ہوتی"۔ کامیابی حاصل کرنے میں انفرادی طور پر شاگردوں کی صلاحیت کا علم ضروری ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مشکلات کا ادراک کر لیا جائے اور مشاغل میں تنوع پیدا کیا جائے۔ مقاصد کی قربت یا دوری سے کامیابی پر اثر پڑتا ہے کیونکہ کامیابی کا معاملہ ایک انفرادی معاملہ ہے۔ مختصر یہ کہ کامیابی کا انحصار مقاصد کو موزوں طریقے پر پیش کرنے سے ہے۔

۷۔ مشاغل کو صلاحیتوں کے مطابق بنائیے۔ ان مشاغل میں کامیابی حاصل نہیں کی جا سکتی جو انفرادی صلاحیتوں سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ اس کی وضاحت دو مثالوں سے ہو سکتی ہے۔ پڑھنے کے لیے آمادگی پیدا کرنے والے عوامل میں سے ایک عامل یہ ہے کہ بچے کی ذہنی عمر ساڑھے چھ سال ہو۔ اگر اس سے کم عمر میں پڑھائی پر زور دیا گیا تو الجھن، اچاٹ پن اور احساس کمتری کا باعث ہوگا۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ الجبرا باوجودیکہ جونیر اور سنیر کلاسوں میں پڑھا گیا تھا سال اول میں نہیں پھر بھی ہائی اسکول کے طلبا کی کامیابی کا تناسب زیادہ ہر ذہانت کا خارج قسمت برابر ہوتے ہوئے، بعد کے برسوں میں ذہانت کا خارج قسمت نہ بڑھنے کے باوجود ذہنی لیاقت بڑھ جاتی ہے۔ بدقسمتی سے ہم ٹھیک ٹھیک اور قطعی طور پر اسکول کے دوسرے مضامین کا آغاز کرنے کے بارے میں وقت کا کوئی تعین نہیں کر سکتے۔ اس لیے ہر استاد کی ذمے داری ہے کہ ان علامتوں کو پہچانے جن سے اس بات کا پتہ چلتا ہو کہ طالب علم میں پست ہمتی پیدا ہونی شروع ہو گئی ہے۔

۸۔ شاگردوں کی ہمت افزائی کیجیے کہ روزانہ کی تفویضات مکمل کر لیا کریں۔ پیچھے رہ جانے کی وجہ سے ہمت شکنی ہوتی ہے۔ کامیابی سے کامیابی اور ناکامی سے ناکامی جنم لیتی ہے۔ اگر کوئی شاگرد بیماری کی وجہ سے پیچھے رہ گیا ہے یا اس کا کام بگڑ گیا ہے تو اس کے ساتھیوں کے برابر لانے اور نصاب پورا کرنے میں ہر استاد اس کی پوری مدد

کرے گا۔ اگر کوئی طالب علم معمول کے مطابق ترقی نہیں کرتا تو اس کو متنوع قسم کی تفویضات دی جانی چاہیے تاکہ وہ اپنی ترقی کی رفتار کو اطمینان بخش تصور کرے اور یہ سمجھے کہ اس سے جو توقع کی جاتی ہے وہ پوری ہو گئی۔

۹۔ سیکھے ہوئے علم کی تطبیق فراہم کیجیے۔ پڑھنے کی ایک خوبی یہ ہے کہ جو کچھ سیکھا جا چکا ہے اس کی تطبیق کا موقع مل جاتا ہے۔ سیکھی ہوئی باتوں کا ایک عملی استعمال یہ ہے کہ جہاں بھی ضرورت محسوس ہو ان کی مدد سے مسائل حل کر لیے جائیں۔ اس طرح علم تمدن کی معلومات جانچ میں کامیابی حاصل کرنے کے بجائے نوجوانوں کے لیے تفریحی مراکز کھولنے میں زیادہ بامعنی طریقے سے استعمال ہو سکتی ہیں۔ گو دلچسپی پیدا کرنے میں جانچ کی بھی اہمیت ہے۔ ہم میں سے اکثر لوگ مختلف رسالوں کو پڑھتے وقت جانچ کی منزل سے گزرتے ہیں۔ فرق صرف نتائج کے استعمال کا ہے۔ اگر جانچ کی بنیاد پر مدرسے میں گریڈ دیا جائے تو دلچسپی پیدا ہونے کے بجائے ختم ہو جاتی ہے۔ دیواری مصوری بنانے میں، رپورٹ تیار کرنے میں کھیت کی سیر کا جائزہ لینے میں، طلبا کی بہبودی سے متعلق اسکول کے مسائل کو حل کرنے میں یا کسی جماعتی منصوبے میں حاصل شدہ معلومات کا معقول استعمال کیا جا سکتا ہے۔

۱۰۔ یہ معلوم کرنے میں طالب علموں کی مدد کیجیے کہ انہیں کیا حاصل کرنا ہے۔ نتیجے سے آگاہی بھی ایک بڑا محرک ہے۔ طالب علموں کو یہ جاننے کا موقع دیجیے کہ ان کے آج کے جوابی عمل کل سے بہتر ہیں۔ بچوں کو خاص طور سے بتائیے کہ ان کی خواندگی بڑھ رہی ہے، ان کا تحریری انشا بہتر ہو رہا ہے۔ وہ پہاڑے سیکھنے میں ترقی کر رہے ہیں اور ان کی تاریخ کی معلومات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر استاد ان ذمے داریوں سے عہدہ برا نہیں ہوتا تو اسے سمجھنا چاہیے کہ طالب علموں کو اپنی بالیدگی کی رفتار کا جائزہ لینے میں دشواری پیش آ سکتی ہے۔ اس منزل پر امتحان کے طریقے کا استعمال یہ ہو سکتا ہے کہ طلبا نتائج کی مدد سے گراف اور چارٹ بنائیں۔ چارٹ کا تعلق اشخاص سے ہوتا ہے اشخاص کے مابین مقابلے سے نہیں۔ تعلیمی نفسیات کے سلسلے میں ایسے متعدد تجربات کیے گئے ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اگر طالب علموں کو بتا دیا جائے کہ وہ ترقی کر رہے ہیں تو ان کا کام بہتر ہو جاتا ہے، بمقابلے ان کے جنہیں نتائج کا علم نہیں ہوتا۔

۱۱۔ ٹھوس قسم کے حسیاتی سامان استعمال کیجیے۔ بچوں کے لیے لفظی بیانات کا سمجھنا مشکل

ہوتا ہے اور ہائی اسکول کے لڑکوں کے لیے بھی یہ اتنے معنی خیز نہیں ہوتے جتنے سمجھے جاتے ہیں۔ مزید یہ کہ آموزش، سمعی وسیلوں کے علاوہ اور کئی وسیلوں سے ہوتی ہے۔ ایسے سامان سے آموزش میں تیزی پیدا ہوتی ہے جن کو برتا جا سکے۔ چھوا جا سکے، دیکھا جا سکے اور چکھا جا سکے۔ اساتذہ اس وقت حیاتی سامان سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جب بچے سیر پر جاتے ہوں اپنے منصوبوں کی تکمیل کرتے ہوں، فلم، فونوگرام کے ریکارڈ اور ماڈل استعمال کرتے ہوں چڑیوں اور جانوروں کی کھال بھرتے ہوں اور تجربے کرتے ہوں۔ یہ امدادی سامان دلچسپی پیدا کرنے اور دلچسپی قائم رکھنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں اس لیے کہ یہ بچوں کے لیے بامعنی ہیں۔ چنانچہ اگر عمل کے ذریعے آموزش بہتر ہوتی ہے تو دیکھنا سننا اور محسوس کرنا صرف تحریک پیدا کرنے کا ذریعہ نہیں بلکہ آموزش کے لیے بھی زیادہ موزوں ہے۔

۱۲۔ فعالیت مکمل اور موثر ہونی چاہیے بچے جسمانی طور پر فعال رہنا پسند کرتے ہیں ان کے لیے غیر فعال رہنا بہت مشکل ہے۔ اگر ان کے لیے تعمیری مشاغل مہیا نہیں کیے گئے تو وہ اپنے لیے کوئی نہ کوئی مشغلہ ڈھونڈ ہی نکالیں گے۔ ان کے لیے بہت سے مشاغل تجویز کیے جا سکتے ہیں، جیسے خوش خوانی، زبانی پڑھنا، ہجے کی مشق، رپورٹ پیش کرنا اور سوالات پوچھنے کے لیے اکسانا لیکن یہ سب کام اس دوران ہونے چاہئیں جب بچے اپنے کام کی نمائش کر رہے ہوں۔ سیر پر گئے ہوں ڈراما تیار کر رہے ہوں، مصوری یا ڈرائنگ میں مصروف ہوں یا قینچی اور گوند سے کام کرنے میں مشغول ہوں آخر الذکر مشاغل کو تعلیمی مشاغل کا ہی درجہ دینا چاہیے۔ اسی طرح ہائی اسکول میں بھی مشاغل مہیا کرنے چاہیں جیسے تجربے کرنا، منصوبوں میں مصروف رہنا، لباس تیار کرنا، کھانا پکانا غیر درسی مشاغل کو استعمال کرنا اور کھیت کی سیر کے لیے جانا، وغیرہ مشاغل شامل کیے جا سکتے ہیں۔

۱۳۔ اپنائیت کے احساس سے فائدہ اٹھانا۔ تمام شاگردوں کو یہ محسوس کرانا چاہیے کہ وہ گروپ کا ایک اہم حصہ ہیں۔ یہ احساس صرف الفاظ سے نہیں پیدا ہوتا گو یہ صحیح ہے کہ بعض وقت الفاظ بھی بہت معاون ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ درجے کے اندر مختلف قسم کے مشاغل فراہم کیے جائیں تاکہ ہر طالب علم کو کچھ نہ کچھ بامعنی شغل کا موقع مل جائے ہر طالب علم کو کوئی نہ کوئی منصب ادا کرنا ہے۔ درجہ چہارم کے ایک استاد نے طالب علموں کو کچھ نہ کچھ کام مہیا کر کے اس مقصد کو حاصل کیا۔ اس نے ایک صدر، ایک سکریٹری،

ایک مانیٹر، ایک میزبان، آگ بجھانے کا ایک منتظم کار، ایک تزئین کار، ایک سامان اور کھیل کا مہتمم، ایک پیغامبر، ایک انجمن طلبا کا رکن ایسے ہی دوسرے عہدیدار مقرر کیجیے یہاں اس بات کا بھی ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ ایک ہی ساتھ طالب علموں کو ایک ہی کام پر لگا دینے سے اپنائیت کا احساس ختم ہو جاتا ہے اس لیے کہ ہر کام سے متعلق طلبا میں انفرادی صلاحیتیں مختلف ہوتی ہیں اگر ہم چاہتے ہیں کہ درجے کے مشاغل میں تمام لڑکوں کو دلچسپی پیدا ہو تو اپنائیت کے احساس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

۴۔ ان شدید جذبات سے محتاط رہیے جو مطلوبہ محرکات میں دخل انداز ہوتے ہوں اگر ابتدائی یا ہائی اسکول کے کسی بچے کو والدین کے آپسی تعلقات، ان کی ملازمت یا لمبی بیماری کی فکر لاحق ہو گئی ہے تو وہ اسکول کے مشاغل پر اپنی پوری توجہ مرکوز نہیں رکھ سکتا اس معاملے میں استاد اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا پھر بھی وہ اس کے مطالبات میں جائز طور پر رعایت کر سکتا ہے۔ اس کی عدم توجہی کو نظر انداز کر سکتا ہے اور اس کی بہت کچھ ہمت افزائی کر سکتا ہے کبھی کبھی مدرسے کے حالات کی وجہ سے بھی شدید جذبات پیدا ہو جاتے ہیں جو مداخلت کا سبب بنتے ہیں۔ استاد اس مسئلے کو حل کرنے میں معاونت کر سکتا ہے۔ مداخلت کے حالات اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب بچہ اپنے ہم سروں میں قبولیت نہ پائے۔ تفویضات کی کسی منزل پر دشواری محسوس کرے، استاد کا خوف لاحق ہو اور وہ مرتبہ اور حیثیت نہ حاصل ہو پاتی ہو جس کا وہ خواہش مند ہے۔ استاد خود اپنے ان جذبات کے اظہار پر قابو حاصل کر سکتا ہے جن سے طلبا میں پراگندگی کی کیفیت پیدا ہوتی ہو۔

۵۔ مناسب سزا اور انعام سے بھی فائدہ اٹھانا چاہیے۔ تحقیقی مطالعوں سے پتہ چلتا ہے کہ اگر طالب علموں کو ایسی سزا دی جائے جو مناسب اور جائز ہو تو طلبا اس کے خلاف ناراضگی کا اظہار نہیں کرتے بلکہ مستحسن سمجھتے ہیں۔ اس لیے یہ احتیاط ضرور برتنی چاہیے کہ سزا اصلاح عمل کے لیے دی جائے اور اس میں استاد کے اپنے جذبات کا دخل نہ ہو۔ کوئی فعل سرزد ہونے پر کبھی درگزر کر جانا اور کبھی سزا دینا مناسب نہیں۔ سزا غلطی کے حسب حال ہونی چاہیے عموماً یہی کافی ہوگا کہ بچے کو رعایتوں سے محروم کر دیا جائے۔ سزا سے چونکہ تکمیل اور تعمیل پیدا ہوتی ہے جو موثر آموزش کا ایک بڑا ذریعہ ہے اس لیے اس کے

ذریعے دلچسپی بھی پیدا ہوتی ہے۔

تحریک پیدا کرنے میں سزا کے مقابلے میں انعام عام طور پر زیادہ موثر ہوتا ہے بچوں میں اگر بڑھیا کام کرنے کی صلاحیت پیدا ہو تو اس کے ساتھ کچھ رعایت کی جاسکتی ہے۔ انعام دینے کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ اس کا نام امتیازی فہرست میں درج کر دیا جائے، اس کو امتیازی درجہ دے دیا جائے اور امتیازی گروپ میں شامل کر لیا جائے بشر طیکہ انعام کا یہی واحد ذریعہ نہ ہو نوجوانوں کے لیے شخصی اور سماجی پسندیدگی کا اظہار انعام کا کام کرتا ہے اور مضبوط محرکات کا باعث بنتا ہے پھر بھی یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ انعام ہی دلچسپی کا وسیلہ نہیں بلکہ بہت سے وسیلوں میں سے ایک اہم وسیلہ ہے جو توجہ کا مستحق ہے۔

۱۶۔ ایسی ستائش کیجیے جس کا بچہ مستحق ہو۔ اگر ستائش کا اثر دیرپا ہو تو حق کے مطابق ضرور ہونی چاہیے۔ بچے جھوٹی تعریف کو فوراً بھانپ لیتے ہیں۔ نارمل آدمی چاہے بچے ہوں یا بالغ اپنے کردار کی ستائش پسند کرتے ہیں" استاد جب شاگردوں کی تعریف کرتا ہے یا الزام لگاتا ہے، سراہتا ہے یا طعن و تشنیع کرتا ہے تو ان پر جس قدر اثر ہوتا ہے اس کا اندازہ بہت سے اساتذہ کو نہیں" ؎ ہم میں ہر شخص اگر اپنے حالات پر ایک نگاہ واپسیں ڈالے تو یہ یاد کر سکتا ہے کہ استاد کی تعریف و تحسین سے مشاغل کو جاری رکھنے میں کتنی ہمت افزائی ہوئی ہے۔

تحقیقی مطالعوں سے پتہ چلتا ہے کہ تعریف و تحسین عام طور سے ان بچوں کے لیے زیادہ موثر ہوتی ہے جو سست آموز ہوتے ہیں اس کے برعکس تیز بچوں پر لعنت ملامت کا اثر اچھا پڑتا ہے اور سست ذہن بچوں کے مقابلے میں زیادہ محرک ثابت ہوتا ہے لیکن اس تعمیم سے اس نتیجے پر حرف نہیں آتا کہ لعنت ملامت کا طریقہ بس کبھی کبھی استعمال کرنا چاہیے یہ یقینی بات ہے کہ ہم جس قدر مثبت جذبات پیدا کریں گے اسی قدر زیادہ دلچسپی بھی پیدا ہوگی۔

اگر ہم کسی نامعلوم ماہر نفسیات کے اس قول کو یاد کریں کہ " ذہن، احساسات کے سمندر میں تیرتا ہوا ایک ذرّہ ہے" تو مذکورہ بالا سفارشات کو اور زیادہ تقویت ملے گی۔ ان عوامل پر، جن سے درجے کے اندر دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ غور و خوض کرنا احساسات کو تسلیم

کرنے کا صرف ایک راستہ ہے لیکن یہ استاد اور شاگرد دونوں کے لیے اہم ہے۔

ذہنی صحت اور تعلیمی دستور

ذہنی ضبط کا نظریہ تعلیمی دستور کا ایک ایسا دور بھی گزرا ہے جب زور اس بات پر دیا جاتا تھا کہ عمل مضامین کے ذریعے بچوں میں مطابقت پیدا کی جا سکتی ہے چنانچہ مدرسے کا نصاب اس وقت کی ضرورت کے پیش نظر مرتب کیا جاتا تھا لیکن زمانے کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ یہ محسوس ہونے لگا کہ وہ نصاب مدرسہ نہ صرف جامد ہو کر رہ گیا اس میں نصابی تاخر بھی پیدا ہو گیا۔ سماج میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں لیکن مدرسہ ان تبدیلیوں کا ساتھ دینے سے قاصر رہا ہے۔ مدرسے کے کارکن ان مشاغل کو حق بجانب ثابت کرنے میں بہت دقت محسوس کرتے رہے ہیں چنانچہ ذہنی ضبط کے نظریے میں اس کی معقولیت ڈھونڈھ لی گئی۔ اس کو مختصر اً یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ اس نظریے کے مطابق ادق مضامین کی آموزش سے ذہنی استعداد میں تیزی آتی ہے اور ضبط پیدا ہوتا ہے۔ یہ بھی خیال کیا جاتا تھا کہ مشکل مشغلوں کے ذریعے دماغ میں مضبوطی، تیزی اور لچک پیدا ہوتی ہے۔ اسی نقطۂ نظر سے خشک مضامین بہت بیش قیمت سمجھے جاتے تھے اس لیے کہ دلچسپ مضامین کے مقابلے میں ان کی آموزش کے دوران زیادہ تطبیق کی ضرورت پیش آتی تھی۔ تعلیمی نفسیات کے ماہروں نے بڑی حد تک یہ نظریہ ترک کر دیا ہے۔ مشکل مضامین کی اب بھی مدرسے کے نصاب میں جگہ ہوگی لیکن محض اس لیے نہیں کہ وہ مضامین مشکل ہیں۔ آج کے معلمین یہ کوشش کرتے ہیں کہ اسکول کا کام بچوں کی محسوس ضروریات کے مطابق ہو یا کم سے کم انہیں اس کا یقین ہو کہ یہ ضروریات آئندہ زندگی میں پیش آئیں گی۔

یہ بات ضرور مان لینی چاہیے کہ ذہنی ضبط کے نظریے کے اثراتِ مابعد اب بھی کار فرما ہیں۔ مثال کے لیے کسی زمانے میں لاطینی کی تعلیم ان لڑکوں کے لیے مفید سمجھی جاتی تھی جو چرچ کے عہدوں کی تیاری کرتے تھے لیکن اس کے باوجود کہ آبادی کا ایک بڑا حصہ مدرسے میں داخل ہونے لگا صرف چند لوگ پادری بننے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ آج لاطینی عموماً اس لیے پڑھائی جاتی ہے کہ گویا یہ ذہنی ضبط پیدا کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اساتذہ اور والدین دونوں محسوس کرتے ہیں کہ لاطینی سے طالب علموں میں انہماک پیدا ہوتا ہے

اور مشکل کام کرنے کی عادت پڑتی ہے۔ راقم الحروف کو ایسے کئی اساتذہ سے سابقہ پڑا جو صرف اسی بنا پر لاطینی کی حمایت کرتے ہیں۔ یہاں کوئی ایسا ارادہ نہیں کہ تعلیمی سہو زمانی سمجھ کر لاطینی کی مذمت کی جائے۔ یہی مضمون طالب علموں کے لیے مفید ثابت ہو سکتا ہے اگر اس کو ان کی ضروریات کے مطابق ڈھال لیا جائے، کوئی شخص بھی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ آج بھی طالب علم کو سہولت کے ساتھ اپنی مادری زبان استعمال کرنے کی ضرورت ہے اور تعلیمی مقاصد کی فہرست میں اس کو اہم جگہ دی گئی ہے۔ جب لاطینی اس ڈھنگ سے پڑھائی جائے کہ اس کے ذریعے انگریزی کے مشتق الفاظ کا علم ہو سکے یا اس کی تعلیم سے جدید زبانوں کو سیکھنے میں مدد ملے تو اس وقت اس کی تعلیم سے عصری مقاصد حاصل ہو سکیں گے اور بہت سے اساتذہ ان مقاصد کو حاصل بھی کرتے ہیں لیکن دیگر اساتذہ عام اور مبہم طریقے سے یہ سمجھا کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ اس کے اندر ذہنی مشق کی بہت گنجائش ہے۔

بہت سے طالب علموں کو محض اس لیے ریاضی جیسا خشک مضمون پڑھنا پڑتا ہے کہ اس کے ذریعے ذہنی ضبط پیدا ہوتا ہے اور جب وہ سوال کرتے ہیں کہ الجبرا کیوں پڑھیں تو یہ جواب دیا جاتا ہے "تمہارے لیے بہت مفید ہے۔" "کالج میں داخلے کے وقت اس کی ضرورت پیش آئے گی" یا آیندہ زندگی میں اس کی ضرورت محسوس ہوگی۔ اسی طریقے سے ادب، تاریخ، معاشیات اور سائنس کی بھی حمایت کی جاتی ہے لیکن کیا یہ مضامین کار آمد نہیں ہیں اس کی مبہم توجیہہ سے فائدہ ضرور ہوتا ہے لیکن خاطر خواہ نہیں۔ عام طور سے اس کا ردعمل یہ ہوتا ہے کہ ان مضامین سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور طالب علم اگر انتخاب کا موقع پائیں تو اکثر مضامین کو رد کر دیں۔ اس کتاب کے پڑھنے والوں میں اکثر وہ طلبا بھی ہوں گے جنہیں مذکورہ بالا مضامین میں سے بعض مضامین پڑھنے کے لیے جدوجہد کرنی پڑی ہوگی کیونکہ ان کے سامنے ان مضامین کو ذہنی ضبط کے نظریے کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔

خوش قسمتی سے ایسے اساتذہ موجود ہیں جو ذہنی ضبط کے غلط تصورات سے باخبر ہیں یہ اساتذہ ان تمام مضامین کو پڑھائے جانے کے حق میں ہیں جو طالب علموں کی ضروریات اور مقاصد کو پورا کرتے ہیں۔ یہ مضامین اکتساب علم کا بھی ذریعہ بنیں گے لیکن طریقہ تدریس مختلف ہوگا۔ یہاں اساتذہ اس بات پر زور دیں گے کہ ایک قسم کی اکتسابی خوبیاں دوسرے

مشاغل میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔

انتقال آموزش

عام آدمی بھی یہ تسلیم کرے گا کہ ہر قسم کی آموزش مدرسے میں ممکن نہیں استاد کی حیثیت سے ہم جانتے ہیں کہ آموزش ایک مسلسل عمل ہے۔ جان ڈیوی نے کئی برس تک اس بات پر زور دیا کہ تعلیم تجربات کی مسلسل تعمیر نو کا نام ہے اور بعد میں اس سے بہتر نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مدرسے کے زیادہ سودمند تجربے وہ ہیں جن کے ذریعے بعد میں تعلمی تجربات موثر ڈھنگ سے حاصل کیے جا سکیں انتقال آموزش کے علم اور تطبیق سے ایسی تعلیم کے دروازے کھل جائیں گے جو بعد میں منفعت بخش آموزش کی بنیاد بن سکیں گے۔

انتقال آموزش کا مطلب ہے ایک چیز کو سیکھ کر دوسری چیز سیکھنے میں سہولت پیدا ہوتی ہے۔ مضمون (الف) کو پڑھنے سے مضمون (ب) کو پڑھنا سہل ہوگا اسی طرح لاطینی پڑھ کر انگریزی پڑھنا آسان ہو سکتا ہے۔ پھر بھی انتقال آموزش اپنے آپ نہیں ہوتا بعض صلاحتیں بغیر شعوری توجہ کے منتقل ہو سکتی ہیں لیکن یہ عمل اسی وقت بہتر ہوگا جب تعلیم میں کچھ خاص باتوں کو ملحوظ رکھا جائے۔ ان باتوں کا علم اسی وقت ہو سکتا ہے جب انتقال آموزش کے اصولوں سے واقفیت پیدا کر لی جائے۔ اس کے اصول یہ ہیں۔ (۱) جب دو تعلمی حالات میں مشترک عناصر پائے جاتے ہوں (۲) جب تعمیم اخذ کی جائے (۳) جب آموزش مثالی درجے کی ہو (۴) جب ذہانت کی سطح بلند ہو۔

اگر اساتذہ ان باتوں کو ہوشیاری کے ساتھ استعمال کریں تو طالب علموں کے تعلمی عمل کو تقویت ملتی ہے اور وہ بہتر کام کر سکتے ہیں۔

۱۔ تعلمی حالات میں جو مشترک عناصر ہوں ان سے طلبا کو خبردار کر دینا چاہیے۔ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ مختلف مضامین میں جو مماثلت پائی جاتی ہے اور ایک ہی بات کا جو اعادہ ہوتا ہے، طلبا اس کا ادراک کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے ایسی توضیحات پیش کی جا سکتی ہیں جن میں مشترک عوامل پائے جاتے ہوں اور موثر عناصر کی مثالیں بھی دی جا سکتی ہوں۔

۲۔ اصول اور تعمیمات پر خاص طور سے زور دینے کی ضرورت ہے۔ انہیں اتفاقات پر نہیں انحصار رکھنا چاہیے اور نہ ہی طالب علموں کی اپنی ادراک بصیرت پر چھوڑ

دینا چاہیے بلکہ عام اصولوں کو مختلف صورت حال میں پیش کرنا چاہیے تاکہ طالب علم ان اصولوں کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ طلبا کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ آپ تعمیمات کو اہمیت دیتے ہیں اور تبصرے، مشق اور امتحانات کے دوران ان پر زور دینا چاہیے۔

۳۔ جہاں تک ممکن ہو نصب العین کی طرف ضرور اشارہ کیجیے (دراصل یہ بھی تعمیم کی ایک شکل ہے) یہ نصب العین مختلف حالات تعلم میں مشترک ہوتا ہے۔ اس طرح اگر املا اور ریاضی میں صفائی پر زور دیا جائے تو اس کی طرف بھی اشارہ کیجیے کہ اسی اصول کو اسکول کے میدان اور درجے کے فرش پر بھی برتنا چاہیے۔ جس طرح وقت پر تفویضات دینا بہت اچھا ہے اسی طرح وقت پر اسکول آنا بھی ضروری ہے۔ مستعدی ایک وصف ہے۔ ایک آجر اس کی توقع ان کارکنوں سے کرتا ہے جو ترقی کے خواہش مند ہیں۔ کھیل روزانہ کی تفویضات اور گھر کے متفرق کاموں کو مستعدی کے ساتھ پورا کرنا اتنا ہی اہم ہے جتنا بیس بال کا خوبی کے ساتھ کھیلنا۔

۴۔ نصابی مطالعے یا منصوبے کا کام طالب علموں کی صلاحیتوں سے بالاتر نظر آئے تو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ طالب علموں کی سطح ذہانت کو بڑھانا تو ممکن نہیں لیکن اس فرق کو تسلیم کرنا ممکن ہے جو بعض میں کم اور بعض میں نسبتاً زیادہ پایا جاتا ہے۔ اگر رفتار تھوڑی سست کر دی جائے تو کام مشکل نہیں معلوم ہوگا۔ ہم جانتے ہیں کہ ہر لڑکا دس سکنڈ میں ۱۰۰ گز کی دوڑ نہیں دوڑ سکتا لیکن ہم اکثر اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ گویا ذہنی رفتار میں یہ فرق نہیں ہوتا۔

ذہنی ضبط، انتقال آموزش اور ذہنی صحت

کئی اسباب کی بنا پر ذہنی ضبط کا نظریہ ذہنی صحت کے نظریے کے خلاف پڑتا ہے۔ بہت سے طالب علموں کے لیے ادق اور بے کار مضامین کی وجہ سے پڑھائی کا کام بے لطف ہو جاتا ہے اور مدرسے کے بعد بھی اس کا اثر باقی رہتا ہے۔ کوئی بھی تجربہ کار استاد ایسے شاگردوں کی مثال پیش کر سکتا ہے جن کی دلچسپیاں مدرسے کے مشاغل میں محض اس لیے ختم ہو گئیں کہ ان میں اعداد و الجبرا، لاطینی اور یہاں تک کہ ادب کی بھی صلاحیت کم تھی۔ ان لڑکوں کے سلسلے میں بھی ذہنی ضبط کے نظریے پر اعتراض کیا جا سکتا ہے جنہوں نے اچھا کام کیا اور اوّل درجہ حاصل کیا، اطاعت شعاری اور تعمیل گزاری بھی سیکھی باوجودیکہ

ان کی استعداد نسبتاً زیادہ تھی اور مضمون کا مطالعہ مقصود بالذات سمجھ کر کیا نہ کہ صلاحیتوں اور رویوں کی تحصیل کا ذریعہ سمجھ کر جو آگے چل کر بار آور تجربات پیدا کرنے میں معاون ہوتے۔

طریقہ تدریس اور بامقصد کردار

ایک عمدہ ذہنی صحت کے حصول کے لیے جو طریقہ تدریس اپنایا جائے اس کی بنیاد ایک معقول تعلیمی نفسیات پر ہونی چاہیے۔ اس میں شک نہیں کہ تعلیمی نفسیات کے کئی پہلو ہیں اس لیے یہ ضروری ہے کہ ان میں سے بعض پہلوؤں کو الگ کر لیا جائے اور انہیں گرفت میں لایا جائے۔ ان میں سے ایک پہلو جس پر ان دنوں بہت زور دیا جا رہا ہے یہ ہے کہ تمام کردار ارادی ہوتے ہیں یا بامقصد۔ یعنی مشاغل کے ذریعے حصول مقصد مطلوب ہوتا ہے۔ وہ طریقہ تدریس جن کے تحت مقصدی عوامل کے اصول کو تسلیم کیا جاتا ہے یقیناً ان طریقوں سے برتر ہوں گے جن میں انہیں تسلیم نہیں کیا جاتا۔

بامقصد ہونے کا مفہوم بامقصد ہونے کے مفہوم کی وضاحت ارادی عمل کے تقابل سے کی جاسکتی ہے۔ ارادی کردار وہ ہوتے ہیں جو عضلاتی توازن کو قائم رکھتے ہیں اور بڑی حد تک غیر شعوری ہوتے ہیں۔ حیاتیاتی اور خلیاتی عمل کے توسط سے بچوں کو سمجھنے کی کوشش آزادی نوعیت کی حامل ہے۔ دوسری طرف بامقصد کردار ایسی فعلیت سے تعلق رکھتا ہے جو شعوری ہوتی ہے اور مقصد کی جانب رہنمائی کرتی ہے۔ یہ شعوری عمل کا معاملہ ہے۔ دونوں ہی قسم کے کردار میں مقصدیت ہوتی ہے لیکن بامقصد کردار میں مقاصد کا ادراک نسبتاً زیادہ واضح ہوتا ہے۔

یہ تصور اس بات پر مبنی ہے کہ جب مقاصد کا واضح ادراک ہوتا ہے اس وقت ترقی بھی زیادہ تیز اور مستحکم ہوتی ہے

"محرکات اور میلانات چاہے شعوری ہوں یا غیر شعوری چونکہ مقصدی ہوتے ہیں یعنی پیش نظر ایک معین اور قابل حصول مقصد ہوتا ہے اس لیے لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مقصد کا ادراک جس قدر واضح ہوگا اسی قدر تحریک بھی زیادہ ہوگی۔ چنانچہ کوئی بھی طریقہ کار جو شروع ہی سے مقاصد کا ادراک کرنے اور ماحصل پر توجہ مرکوز رکھنے میں طلبا کا معاون ہو عملی

آموزش میں بھی نفع بخش ثابت ہوگا۔

مدرسے کے مشاغل کو بامقصد بنانے پر ان تمام تدریسی طریقوں میں زور دیا جاتا ہے جن کے تحت مندرجہ ذیل ذرایع استعمال کیے جاتے ہیں۔ شاگردوں کی زندگی کے واقعات کی مدرسے مدرسے کے منصوبے مرتب کرنا۔ شاگردوں کے لیے قابل فہم اور واضح تشریح سے استاد کا کام لینا۔ مشغلے کو بذات خود دلچسپی کا باعث سمجھ کر جاری رکھنا اور کسی انعام یا گریڈ پانے کا ذریعہ نہ تصور کرنا۔ اسکول کے مشاغل کو پیشہ ورانہ توقعات سے منسوب کرنا اسکول کے جن موضوعات پر طلبا اپنے فالتو وقت میں تبادلہ خیال کرتے رہے ہوں ان سے اسکول کے کام کا تعلق پیدا کرنا اور اپنے مشاغل کو حل کرنے میں جماعتی طور پر ان کو استعمال کرانا۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ مقصد نہ تو کام میں پوشیدہ ہوتا ہے اور نہ مضمون میں بلکہ اس بات میں مضمر ہوتا ہے کہ شاگرد اپنے کام کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ کردار بامقصد اسی وقت ہوتا ہے جب طالب علم کام کو اپنالے۔ اس طرح شاگردوں کے کام میں مقصدیت پیدا کرنے کے لیے تفہیم اور قبولیت کی کلیدی حیثیت ہے۔

مقصد اور ابتدائی مدرسے کا طالب علم

ابتدائی مدرسے کے طالب علم کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ اس کا حیطۂ توجہ نوجوان اور بالغ کے مقابلے میں نسبتاً کم ہوتا ہے گو فرد اور فرد کے درمیان اور درجے اور درجے کے درمیان فرق ہوتا ہے پھر بھی احتیاطاً یہ کہنا مناسب ہوگا کہ بچوں میں چونکہ حیطۂ توجہ کم ہوتا ہے اس لیے ابتدائی مدرسے میں بمقابلے ہائی اسکول، مقاصد قریب الحصول ہونے چاہئیں۔ اگر کسی ڈرامے کو مستقل مشق کے بعد پیش کرنے یا چھ ہفتے کی جانچ کے بعد فارغ التحصیل ہونے کی نوبت آئے تو ہائی اسکول کے مقابلے میں ابتدائی مدرسے کے بچوں میں سعی عمل کا امکان کم ہوگا

فوری مقصد ہم سب کے لیے کشش کا باعث ہے لیکن چھوٹے بچوں میں کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ مقاصد کو فوری حیثیت اور تکمیل سے بلند ہونا چاہیے لیکن اتنا بلند نہیں کہ اس کی کشش فاصلے میں گم ہو جائے۔ لہٰذا حدود کے اندر رہنا بہت ضروری ہے۔

" چھوٹے بچوں کے لیے انعام کی اگر کوئی حیثیت ہے تو بس اس قدر کہ فوری طور پر ملے۔ چھوٹے بچے کو اگر اس مقصد کے پیش نظر ہمارے سیکھنے کے لیے آمادہ کیا جائے کہ وہ

بینک کا منیجر ہو جائے گا یا اس غرض سے نیکی کی تحریک پیدا کی جائے کہ جنت میں جگہ ملے گی، فعل عبث ہے۔ اس کو تو انعام فوراً ملنا چاہیے۔

• جوں جوں اس کی عمر بڑھتی جائے گی اس کے حصول تسکین کی مدت میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا یہاں تک کہ وہ اس مقام تک پہنچ جائے گا جہاں وہ برسوں حصول مقصد کے لیے کوشاں رہے۔ متوازن شخصیت وہ ہے جو فوری انعام کی خواہش اور اس کے انتظار کے درمیان تناسب پیدا کر سکے۔

بچوں میں فوری مقاصد کے حصول کے لیے اس قسم کے مشاغل کا اہتمام ہو سکتا ہے ڈیری کے سیر کی تیاری، انجمن والدین و معلمین کے لیے نمائش کا اہتمام، ایک غیر رسمی ڈرامے کی تیاری یا مدرسے سے ماں کے لیے کوئی چیز بنا کر لے جانا۔ وغیرہ۔ اگر بچوں کو درمیانی اقدام کا صحیح صحیح ادراک ہو سکے تو طویل المدت منصوبے بھی کامیابی کے ساتھ استعمال ہو سکتے ہیں ہیلوین تہوار کی تیاری کے سلسلے میں شروع اکتوبر میں اگر میوروں کا کام شروع ہو تو وہ ایک طویل المدت مقصد کا حامل ہو سکتا ہے اس لیے کہ درمیانی اقدام واضح شکل میں نظر آتے ہیں۔ لیکن اگر ڈرامے کی مشق کی جائے تو اس سے اکتاہٹ پیدا ہوتی ہے اس لیے کہ درمیانی اقدام میں ترقی کی رفتار کم محسوس ہوتی ہے۔

بعض ذمے دار حضرات گریڈ، نمبر اور امتیازی نشان کے استعمال پر لعن طعن کرتے ہیں اس لیے کہ یہ مصنوعی ہوتے ہیں اور ان کی وجہ سے حقیقی مقاصد شاگردوں کی نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں یہ درست کہ گریڈ اور انعام کو بذات خود آموزش کا مقصد نہیں تصور کرنا چاہیے لیکن یہ فوری مقاصد کے وسیلے کی حیثیت ضرور رکھتے ہیں۔ نمبروں کو انفرادی ترقی کا مظہر سمجھنا بظاہر معقول بات ہو سکتی ہے لیکن اس بات کی شعوری طور پر کوشش کرنی چاہیے کہ شاگرد اس کو ترقی کا آخری مقصد نہ سمجھیں۔ علیاتی شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ نمبر شاگردوں میں تحریک پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں اس لیے اس کی کوئی معقول وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ نمبروں کی قطعی طور سے محض اس لیے مذمت کی جائے کہ بعض اساتذہ اس کا استعمال نادانی کے ساتھ کرتے ہیں۔

• گریڈ دینے کے خلاف ایک بڑی دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ کچھ بچے چونکہ کم تر حیثیت رکھتے ہیں اس لیے ہمیشہ خراب نمبر حاصل کرتے ہیں۔ اس کے سبب بعد میں ان کے اندر احساس کمتری پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کمی کو اس طرح دور کیا جا سکتا ہے کہ مدرسے کے نصاب کو اہم

زیادہ مختلف النوع بنایا جائے۔ محض گریڈ کا طریقہ ختم کر دینے سے یہ بات نہیں پیدا ہو سکتی ریاضی بچے اور دوسرے مضامین میں کم نمبر حاصل کرنے کے باوجود اگر بچے میں اپنی قدر و قیمت کا احساس پیدا کرا دیا جائے تو اس کا امکان ہے کہ وہ احساس کمتری کا شکار نہ ہو۔ ایک زیادہ مختلف النوع نصاب اور بچوں کی کارکردگی پر استاد کے مناسب رویے سے گریڈ دینے کے مضر اثرات کو دور کیا جا سکتا ہے۔

اگر نمبر اور نشاناتِ امتیاز جیسے اعلیٰ حصول کو تسلیم کرتے وقت شہریت، صفائی میدان کھیل کی سربراہی، ضمنی سامان کی تیاری اور تعلیمی حصول کو بھی ملحوظ رکھا جائے تو یہ نکتہ چینی ختم ہو سکتی۔ اس کے ساتھ ساتھ فوری مقاصد کا یہ بھی فائدہ ہوگا کہ ابتدائی مدرسے کے شاگردوں کے مشاغل بامعنی ہو جائیں گے۔ اچھے شہری بنانے، پیشہ ورانہ کارکردگی بڑھانے اور آئندہ زندگی سے متعلق اچھی عادتیں پیدا کرنے کے لیے مبہم تعمیمات سے کام لینے کے بجائے مذکورہ بالا باتوں کو تسلیم کر لینا زیادہ سودمند ہوگا۔

بچے کے لیے کھیل ایک فطری اور سنجیدہ مشغلہ ہے۔ اس کے لیے کھیل کا یقیناً ایک آزادی مقصد ہوتا ہے اور رہنمائی کی صورت میں زیادہ بامقصد ہو سکتا ہے یہ ایسا مشغلہ ہے جس کو ایک موثر استاد نظر آتا ہے۔ مدرسے کے اکثر کاموں میں لڑکوں کو کوئی واضح مقصد نظر نہیں آتا۔ اگر ہمیں بچوں کی فطری نشوونما سے فائدہ اٹھانا ہے تو کھیل کو ایک فضول مشغلہ سمجھنے کے بجائے اہم مشغلہ سمجھنا چاہیے۔ اگر ہم بچوں میں مقصدیت پیدا کرنا چاہیں تو کھیل کی تعلیمی قدروں سے استفادہ کرنے کے لیے مناسب قدم اٹھانے ہوں گے۔

بچوں میں کھیل کا فطری شوق ہوتا ہے اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے پہلا قدم یہ ہے کہ استاد کھیل کی مثبت قدروں کو اجاگر کرے۔ ان میں سے بعض قدروں کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ (۱) کھیل سے مسرت اور برانگیختگی جذبات کی تربیت ہوتی ہے اور اس کے ذریعے زندگی کی امنگ پیدا ہوتی ہے (۲) اس کا تعلق وفور قوت اور صحت افزا اخراج قوت سے ہے اور یہ فرحت بخش ہے۔ (۳) اس میں جسمانی، جذباتی اور ذہنی صلاحیتوں کی مشق کا موقع ملتا ہے جس کی مدد سے بالغ اپنی زندگی کی تیاری کر سکتا ہے (۴) اس کے ذریعے ایسے ناخوشگوار اور غیر دلچسپ حالات سے نجات مل جاتی ہے جن سے عام طور پر بچنا مشکل ہوتا ہے (۵) کھیل سے مشاغل کی تلافی ہو جاتی ہے یعنی بچے کو ان مہارتوں کی نشوونما

کا موقع ملتا ہے جنہیں بصورت دیگر استعمال کرنا ممکن نہیں۔(۹) اس کے ذریعے بچوں کو ایسے مواقع فراہم ہوتے ہیں جن میں وہ اپنی قوت تخیل کو کام میں لا سکیں۔ اس طرح اختراعی فعالیت کی امکانی قوتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ ان عوامل کی قبولیت اور شمولیت سے فلسفہ تعلیم کے اندر ذہنی ضبط کے نظریے کی تردید ہوتی ہے۔ چونکہ کھیل دلچسپ ہوتا ہے اور اس میں نسبتاً کم جبر کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے ذہنی ضبط کے نظریے کے مطابق کھیل کی افادیت مشکوک ہو جاتی ہے لیکن نظریہ انتقال کی رو سے اس کو تقویت ملے گی کیونکہ کھیل میں ایسی خوبیاں پائی جاتی ہیں جو اثباتی ڈھنگ سے بالغوں کے مشاغل میں منتقل ہو سکتی ہیں۔

ذہنی حفظان صحت اور تعلیم کے موجودہ پروگراموں میں کھیل کی بڑی اہمیت ہے ابتدائی مدرسے کے اساتذہ، مدرسے کے منصوبوں میں ایسے پروگرام بخوبی شامل کر سکتے ہیں جو جسمانی مشاغل، مقابلے اور اشتراک باہمی، تخیلی اور استعمال سامان پر مبنی ہوں ان میں کھیل اور مقابلے دونوں شامل ہوں گے۔ اس کی وجہ سے ماحول میں زیادہ آزادی ہوگی اور مشاغل کے یقین میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے۔ ریت پر کھیلنے سے ساخت الفاظ کی تحریک پیدا ہو سکتی ہے۔ ڈرامے کی تیاری سے تاریخی واقعات کا علم حاصل ہو سکتا ہے اسٹور میں سامان کھیل کا انتظام کرنے سے عملی حساب کتاب سیکھا جا سکتا ہے اور معاشیات کا بھی علم ہو سکتا ہے۔ ڈرامے اور اداکاری کے ذریعے مثالی شاگردوں کو زبانی اظہارِ خیال کی مشق کرائی جا سکتی ہے اور اس کے علاوہ ان بچوں کی بھی امداد ہو سکتی ہے جن کی گفتگو میں خامی پائی جاتی ہو۔ اسی طرح زبان کی مہارتیں پیدا کرنے میں کھلونوں سے مدد لی جا سکتی ہے اور باتصویر کہانیوں کے ذریعے حصول معلومات اور اظہار ذات کے مواقع فراہم کیے جا سکتے ہیں۔

اغراض و مقاصد اور ثانوی مدرسے کے شاگرد

ہائی اسکول کے شاگردوں میں پختگی زیادہ ہوتی ہے لیکن اس کے سبب ابتدائی مدرسے کے شاگردوں کے مقابلے میں مقاصد کی اہمیت کم نہیں ہوتی۔ گویہ بات صحیح ہے کہ ان شاگردوں کے لیے فوری مقاصد کی اہمیت کم ہے۔ ابتدائی مدرسے کے شاگردوں کے لیے مقاصد کی جو اہمیت بنائی گئی ہے وہ کسی قدر ثانوی مدرسے کے شاگردوں پر بھی صادق آتی ہے۔ ان شاگردوں کے لیے بھی متنوع، مسرت بخش اور بامعنی مشاغل فراہم کرنے میں یقیناً کوئی اعتراض نہیں ان کے لیے بھی گریڈ اور نشانات امتیاز کی اہمیت ہے لیکن

نو بالغ ان باتوں کے علاوہ اپنی توجہ اس بات پر بھی مرکوز رکھتا ہے کہ وہ ایک بالغ بننے والا ہے۔

• ہائی اسکول کی منزل پر کامیاب تدریس کے لیے منجملہ اور باتوں کے پیشہ ورانہ انتخاب اور تیاری بھی شامل ہے۔ شرمیلے پن کی وجہ سے نو بالغوں کو اس بات کی ہمت نہیں ہوئی کہ اپنی شادی اور خاندانی زندگی کے بارے میں دلچسپی کا اظہار کرسکیں جبکہ یہ حقیقت ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگ اسکول کے دوران اس لیے فکر مند رہتے ہیں کہ تین اور پانچ برس کے درمیان ان کی شادیاں ہو جاتیں۔ ایسی تدریس جس میں اس دلچسپی کا ذکر ہو گا شاگرد کے لیے زیادہ قابل قبول ہوگی ہائی اسکول میں چونکہ اس موضوع پر بہت زور دیا جاتا ہے اس لیے اس منزل پر اس کی قبولیت اور بڑھ جائے گی ہائی اسکول کے شاگردوں میں یہ احساس زیادہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ خریدار بھی ہے اور صارف بھی۔ چنانچہ نصاب مدرسہ میں ان موضوعات کو شامل کرنے سے ریاضی، سماجیات، معاشیات اور امور خانہ داری کی جماعتوں میں جان پڑ جاتی ہے۔ نوجوانوں کو فرصت گزاری سے عملی طور پر سروکار ہوتا ہے۔ اس کے پیش نظر ادب، تاریخ، مطالعہ زبان اور آرٹ کے نصاب کا انتظام ہو سکتا ہے انہیں اپنے ہم سروں اور بالغوں سے تعلقات قائم کرنے کا بھی مسئلہ درپیش ہوتا ہے اور چونکہ انہیں سماجی مہارتوں کے مطالعے اور عمل کا موقع ملتا ہے اس لیے ان کے مشاغل میں ارادی مقاصد کا دخل ہوتا ہے اور ان کے مشاغل بامقصد بھی ہوتے ہیں۔ نوجوان اپنی شخصی نمود کا بہت خیال رکھتے ہیں لڑکیاں اپنے لباس اور صفائی ستھرائی میں بہت محتاط رہتی ہیں اور لڑکے اپنی قوت اور طاقت کی نشوونما میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان فطری دلچسپیوں کے باعث عضویات، حیاتیات اور علم الصحت کے مطالعے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔

اگر طلبا خود ہی درجے کے کام کا منصوبہ بنائیں اور اس کو انجام دیں تو مذکورہ بالا مضامین کے مطالعے سے تدریس کے موثر طریقے دریافت کیے جاسکتے ہیں اور انہیں بامقصد مشاغل کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ طلبا کے مشاغل میں مقصدیت پیدا کرنے کی بہترین کوششیں بھی اکثر رائیگاں جاتی ہیں اس لیے اگر منصوبہ کمیٹیوں کے ذریعے شاگردوں کو ارادی عمل کی دعوت دی جائے تو پھر وہ ایسے مشاغل کے لیے آمادہ ہو سکتے ہیں جو زیر عمل مقاصد سے مطابقت رکھتے ہوں۔ شاگردوں کی منصوبہ بندی اور اپنے کام کا جائزہ لینے کی جو اہمیت ہے اس کو روز شینی ڈی من (Rose Schneideman) نے یوں بیان

کیا ہے۔

"احساس ذمے داری شاگردوں کو سوچنے، بولنے اور تعمیری کام کرنے پر آمادہ کرتا ہے اکثر اساتذہ کے بہترین تدریسی طریقے اور عمل بچوں کی تنقید کا نتیجہ ہیں۔ اساتذہ عموماً آخری فیصلے کی ذمے داری ان لڑکوں پر ڈال دیتے ہیں جنہوں وہ کام انجام دینا ہے اور اس بات پر وہ خوشی کا اظہار کرتے ہیں" ۵۱؎

محض یہ نہیں کہ خود منصوبہ بنانے اور اس کے مطابق کام کرنے سے شاگردوں کی آموزش میں ترقی ہوتی ہے بلکہ اس تکنیک کے تحت جمہوری عمل کے ذریعے آموزش میں حقیقی تفاعل پیدا ہو جاتا ہے جسکی اہمیت ہمارے سماج میں بہت زیادہ ہے۔

کام کے تجربے کا پروگرام اور ثانوی مدرسے کے شاگرد

وہ تحریک جو بظاہر قوت پکڑ رہی ہے اور جس کے باعث ثانوی تعلیم اور زیادہ بامعنی ہو گئی ہے اس کو کام کے تجربے سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس پروگرام کا محرک یہ تصور ہے کہ نوجوان عنقریب جو پیشے اختیار کرنے والے ہیں ان کے مقاصد سے اگر تعلیم کو مربوط کر دیا جائے تو زیادہ موثر ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس منصوبے کی کئی شکلیں ہیں لیکن مرکزی تصور یہ ہے کہ طالب علم دن کے کسی وقت کام کریں اور بقیہ اوقات میں مدرسے جائیں۔ کام کے وقت صنعتی، تجارتی نمایندوں اور اساتذہ (کام کے تجربے کے کوارڈینیٹر) کی مشترکہ نگرانی ہوتی ہے۔ مدرسے میں طالب علم کے کام کا صرف نصاب نہیں ترتیب دیا جاتا بلکہ کوارڈینٹر استاد اس کام میں بھی دوسرے اساتذہ کی مدد کرتا ہے کہ وہ تعلیمی اور روایتی نصاب سے مواد کو مربوط کریں۔ کام کے تجربے کے تحت اگر مناسب نگراں کی جائے تو حسب ذیل گنجائش نکل سکتی ہے۔

۱۔ کام کے تجربے سے شاگردوں کو بحیثیت فرد ایک نئی حیثیت ملنی چاہیے۔
۲۔ کام کے تجربے کی مدد سے کاروباری دنیا کی تفہیم ہونی چاہیے۔
۳۔ کام کے تجربے سے پیشوں کے تعین اور پیشہ ورانہ تجسس کے مواقع ملنے چاہئیں۔
۴۔ کام کے تجربے سے کام کی طرف صحت مند رویہ پیدا ہونا چاہیے۔
۵۔ کام کے تجربے سے آموزش کی بھرپور خواہش ہونی چاہیے۔
۶۔ کام کے تجربے سے شہریت کی بصیرت ہونی چاہیے۔ کیونکہ کام میں شرکت کرنے

والوں کو سماجی اور صنعتی حالات سے براہ راست تعلق ہوتا ہے۔

۷۔ کام کے تجربے سے طالب علم میں اس بات کی اہلیت پیدا ہونی چاہیے کہ وہ اپنے مستقبل کے منصوبوں کو زیادہ ہوشیاری کے ساتھ پرکھ سکیں۔

۸۔ کام کے تجربے سے طالب علموں میں ایسی لیاقت پیدا ہونی چاہیے جو تعلیم جاری رکھنے میں معاون ہو۔

۹۔ کام کے تجربے سے ضرورت مند طالب علموں کو کچھ ضمنی آمدنی ہونی چاہیے۔

۱۰۔ کام کے تجربے کے ذریعے نوبالغوں کو چاہیے کہ بالغوں کے گروپ سے اتحاد پیدا کریں

۱۱۔ کام کے تجربے سے سماجی طور پر مفید کام انجام پانے چاہئیں۔

۱۲۔ کام کے تجربے سے کوشش کو تعلیم کے لیے ایک محرک کے طور پر استعمال کرنا چاہیے۔

اس فہرست کی اگر جانچ کی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ نوبالغوں کی مخصوص ضروریات سے ان مقاصد کا گہرا تعلق ہے (جیسا کہ باب ۵ میں بیان کیا گیا ہے) ساتھ ہی ساتھ یہ مقاصد ذہنی حفظان صحت کے اصولوں سے ہم آہنگ ہیں۔ اس طرح کام کا تجربہ ایک ایسا تدریسی طریقہ ہے جو مدرسے کے اس پروگرام میں جگہ پا سکتا ہے جس کے تحت ذہنی حفظان صحت کے مقاصد پر زور دیا جاتا ہے

مدرسے کے وسائل کو استعمال کرنا

استاد بحیثیت فراہم کار وسیلہ بچوں کے مسائل کو حل کرنے کے لیے اگر ماہرین نفسیات اور نفسیاتی معالجین کی کمی ہے

تو ضروری نہیں کہ عقل سلیم کا بھی فقدان ہو یہ بات خاص طور سے ان باتوں کے سلسلے میں کہی جاسکتی ہے جو اپنے ہمسروں سے نمایاں طور پر مختلف نہیں ہیں۔ کسی ایسے استاد کے لیے یہ کام مشکل ہو سکتا ہے جو نہ تو کلینکی نفسیات میں مہارت رکھتا ہو اور نہ ان بچوں سے نپٹنے کا گر جانتا ہو جن کے سلسلے میں اس سے رجوع کیا گیا ہے۔ ایسا استاد دوسرے اساتذہ کو کسی تعمیری پروگرام میں صلاح اور مشورہ بھی نہیں دے سکتا۔ اساتذہ جب کسی خاص مسئلے پر اپنی سمجھ بوجھ اور اپنے نقطہ نظر کو مشترک طور پر پیش کرتے ہیں تو یہ مشورے بڑی حد تک ماہرین کے مشوروں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کئی موقعوں پر استادوں کے

گروپ کے سامنے راقم الحروف نے جب کوئی علامت بیان کی تو ان سے گراں قدر مشورے حاصل ہوتے۔ گروپ کا کوئی استاد اگر قابل اعتراض تجویز پیش کرتا ہے تو دوسرا اسے ٹوک دیتا ہے اور اس کو غلط بات کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ جب زیر غور معاملے پر کوئی مشورہ پیش کیا جاتا ہے تو پھر اس کی تصدیق کرائی جاتی ہے یا اس میں کوئی ٹھوس ترمیم پیش کیا جاتا ہے اس طرح گروپ کی مشترک فہم درست بھی ہوتی ہے اور مکمل بھی۔

اس کا بھی امکان ہے کہ ہر مدرسے میں کچھ ایسے اساتذہ موجود ہوں جو کچھ خاص قسم کے مسائل سے نپٹنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ مثال کے طور پر ایک مدرسے میں انگریزی کا ایک ایسا استاد موجود تھا جو نوجوانوں کے مسائل میں مہارت رکھتا تھا۔ مشاغل کا نگراں استاد خاص طور سے ان بچوں کو ڈھونڈھ نکالنے میں ماہر تھا جو آرٹ ذوق رکھتے اور ریاضی کی استانی مسئلی لڑکوں سے نپٹنے کی ماہر تھی۔ ایک دوسرے مدرسے میں آرٹ کی استانی نے مختلف بچوں کے مسائل کے سلسلے میں دوسری استانیوں کی مدد کی۔ وہ استانی ذہنی حفظان صحت کا نظریہ رکھتی تھی اور اپنے طالب علموں کو آرٹ کے کام کے ذریعے اظہار ذات کا موقع فراہم کرتی تھی۔ اس نے زبردستی کیے بغیر مصوری اور ڈرائنگ کا ذوق پیدا کیا اور اس طرح یہ سمجھنے کی کوشش کی کہ بچوں میں تناؤ کیوں پیدا ہوتا ہے۔ استانی کا جب بچوں سے رابطہ قائم ہو گیا تو بچے براہ راست اپنی مشکلات پیش کرنے لگے۔ شہر کے بھگوڑے بچوں کے ایک نگراں استاد نے بیان کیا کہ ایک مدرسے کے دو اساتذہ چونکہ اپنے شاگردوں میں حقیقی دلچسپی لیتے تھے اس لیے اس مدرسے میں بھگوڑے پن کی شکایتیں بہت کم ہو گئیں لیکن شہر کے دوسرے مدرسوں میں بھگوڑے بچوں کا فی صد بہت زیادہ تھا اور انہیں بچوں کی عدالت میں بار بار حاضر ہونا پڑتا تھا۔

بچوں کے مسائل پر اگر جماعتی مباحثوں کا انتظام کیا جائے تو وسائل فراہم کرنے والے ایسے اساتذہ کی صلاحیتیں بروے کار لائی جا سکتی ہیں جن کی مثالیں اوپر دی جا چکی ہیں مزید یہ کہ ان جلسوں کے ذریعے اساتذہ، دگر اساتذہ کی خوبیوں اور دلچسپیوں سے باخبر ہو سکتے تھے اور چاہے کوئی تعمیری سفارشات نہ بھی پیش کی جائیں (جس کا امکان نہیں ہے) یہ جلسے مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ ڈاکٹر جارج۔ ایس۔ اسٹیونسن (Dr George S. Stevenson) نے ذہنی صحت پر منعقد ہونے والی بین الاقوامی کانفرنس میں کہتا تھا اگر کانگریس آخری وقت میں منسوخ بھی ہو جاتی تو بھی اس کی تیاری کے سلسلے میں

شرکا کو بہت فائدہ ہوتا اور ان کی فکر اور بالیدگی میں کافی ترقی ہو جاتی ہے۔ اس طرح کی جماعتی کانفرنسوں سے یہ توقع کرنا مناسب ہے کہ مدرسے کے اندر ذہنی صحت کے مسئلے پر اساتذہ کی تفہیم میں وسعت، ضروریات سے آگاہی اور شاگردوں کے مسائل کو حل کرنے کے سلسلے میں مناسب طرز نظر پیدا ہو۔

انسانی وسائل کے علاوہ مادی وسائل بھی ہیں جنہیں کبھی کبھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ بچوں کی مختلف دلچسپیوں سے متعلق کتابیں معاون ہو سکتی ہیں۔ موسیقی کا ساز وسامان شاگردوں کے تناؤ کو دور کرنے کا اتنا ہی موثر ذریعہ ہے جتنا مدرسے کے اندر تفریحات یا آئندہ زندگی میں تعمیری طور پر فرصت گزاری کی تیاری۔ مادی وسائل کا استعمال مختلف برادریوں میں وسیع پیمانے پر ہوتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مدرسے کے مشاغل کے علاوہ موسیقی کے مواقع فراہم کیے جاتے ہیں اور موسم گرما میں بھی اس کی بعض سہولتیں مہیا کی جاتی ہیں۔

مزید انفرادی توجہ اور مدرسے کے پھیلے ہوئے پروگراموں کے لیے جو مادی وسائل استعمال کیے جاتے ہیں ان کا بھی ذکر کر دینا یہاں مناسب ہوگا۔ اساتذہ سے یہ توقع کرنا کہ وہ مذکورہ بالا مشورے کے مطابق اپنے موجودہ کام کے بوجھ کو بڑھائیں مناسب نہیں۔ اس کے لیے زیادہ اساتذہ اور زیادہ مادّی وسائل درکار ہوں گے۔ بہتر ذہنی صحت کے نقطۂ نظر سے ان کوششوں سے جو فائدہ ہوگا اس کی قیمت مدرسے کے منتظموں اور سرپرستوں کو ضرور ادا کرنی چاہیے۔ اس دوران اساتذہ کو چاہیے کہ اپنے آپ کو ٹٹولیں اور یہ اندازہ لگائیں کہ کون اس کام کو انجام دے سکتا ہے اور کون نہیں۔ وہ یہ بھی کر سکتے ہیں کہ اپنے موجودہ کام کے بوجھ کو بڑھائیں اور بغیر کسی مالی معاوضے کے ذہنی صحت کی اصلاح کے لیے ضروری خدمت انجام دیں۔ اس کی انجام دہی سے انہیں زیادہ تسکین ہوگی اور وہ مزید ذمے داریوں کو سنبھالنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔

طلبا خود وسائل ہیں مدرسے کے اندر ذہنی صحت کی اصلاح کے لیے جو دوسرے وسائل استعمال کیے جاتے ہیں ان میں شاگردوں کی انوکھی شخصیت بھی ہے۔ اساتذہ اس وسیلے کو اس وقت استعمال کرتے ہیں جب وہ شاگردوں سے رقص موسیقی، خوش خوانی یا جادو کے کرتب دکھانے کے لیے کہتے ہیں لیکن اس کا

استعمال اور زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔ شاگردوں نے اس بات کا اکثر ثبوت دیا ہے کہ وہ ادارے کی پالیسی اور خود اپنی ذات سے متعلق مسائل کو نہایت ہوشیاری کے ساتھ حل کر سکتے ہیں۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ انہیں مباحثے اور جائزے کا موقع دیا جائے۔

اتچ۔ ای۔ بلس (H.E. Bullis) نے اپنی کتاب نیور یلیشنز ان دی کلاس روم میں ایسی متعدد مثالیں پیش کی ہیں جن میں اونچی جماعت کے لڑکوں نے خود اپنے مسائل کا حل ڈھونڈھ نکالا ہے۔ اس میں جو طریقہ استعمال کیا گیا وہ یہ تھا کہ استاد نے گروپ کے سامنے کوئی فرضی مطالعۂ فرد پڑھ کر سنایا، جس پر بحث کی گئی۔ جوں جوں بحث آگے بڑھتی گئی شاگردوں نے فرضی مطالعہ فرد سے اپنی توجہ ہٹا کر خود اپنے مسائل کی طرف منتقل کر لی۔ جب ایک بچہ اپنی دشواریاں بیان کرتا تو جماعت کے دوسرے بچے اس کی دشواریاں کو حل کرنے کے سلسلے میں مشورے دیتے اور یہ بتاتے کہ آئندہ کیا کرنا چاہیے۔ اس طرز نظر سے دوگونہ فائدہ ہوا۔ ایک طرف تو طالب علموں کو یہ اندازہ ہوا کہ دوسروں کو مسائل درپیش ہیں۔ اور دوسری طرف مسائل کو حل کرنے کے سلسلے میں بالغوں کے بجائے خود اپنے ساتھیوں سے مشورے ملے۔

ایولین ملس ڈول (Evelyn Mills Duvall) نے سفارش کی ہے کہ سماجی اور جنسی مطابقت پیدا کرنے کے لیے نوجوان جماعتی مباحثوں کا طریقہ اپنائیں۔ انہوں نے موجودہ وسائل کے استعمال پر بہت زور دیا ہے۔

• نوجوان لڑکے اپنے مسائل کو حل کرنے کے سلسلے میں ان مباحث کے دوران اپنے ہمسروں اور تعاون کرنے والے بالغوں سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ ہزاروں ہائی اسکول اور سیکڑوں کالجوں میں خاندانی رشتے، لڑکے اور لڑکی کے درمیان تعلقات شادی کی تیاری اور موثر زندگی پر درس دیا جاتا ہے۔ وائی۔ ایم۔ سی۔ اے۔ وائی ڈبلو۔ سی۔ اے چرچ اور نوجوانوں کی دوسری تنظیمیں، وسیع پیمانے پر غیر رسمی تعلیم اور تفریح کے مواقع فراہم کرتی ہیں۔ نوجوان اور ذہین بالغوں کی مانگ پر ایسے پروگرام ایسے شروع کیے جا سکتے ہیں ... یہ نوجوانوں اور سربراہوں پر منحصر ہے کہ ان وسائل کو کس حد تک استعمال کریں اس کام میں اجتماع، جماعتی مباحث اور جماعتی صلاح کاری کے طریقے بہت سود مند ہوتے ہیں[8]

مدرسے کے وسائل کے طور پر طلبا کو استعمال کرنے کی بات بہت واضح ہے۔ اس کے استعمال کے لیے یہ طریقے اپنائے جا سکتے ہیں کہ طلبا سے منصوبہ بندی کرائی جائے، سامان مہیا کرایا جائے اور ان کے لیے تبادلۂ خیال کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ شاگردوں کی انوکھی صلاحتیں، دلچسپیاں اور تجربے، درجے کی پڑھائی اور منصوبوں کے لیے مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ ان وسائل کو بہت سے اساتذہ استعمال کرتے ہیں، جو نہیں کرتے انہیں بھی ان وسائل سے فائدہ اٹھانا چاہیے دوسری جنگ عظیم میں فوجی رہنماؤں نے اس بات کو بار بار دہرایا ہے کہ ریاست ہائے متحدہ میں معدنیات، زراعت، جنگلات کے گراں قدر وسائل موجود ہیں یہاں کی معیشت، تجارت اور صنعتی تنظیموں کی کارکردگی بہت اچھی ہے لیکن ان سب سے بڑا سرمایہ ہمارے ملک کے نوجوان ہیں، اطاعت گزار، سرگرم اور باصلاحیت مرد اور عورتیں فوجی کامیابی کی بنیاد ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ اساتذہ ان گراں قدر وسائل یعنی انسانی وسائل کو ترقی دینے اور انہیں استعمال کرنے کی خدمت بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔

خلاصہ

خاندانی پس منظر، قبل مدرسہ تجربات، فطری امکانی قوتیں، سماجی اور تمدنی عوامل شاگردوں کی ذہنی کے معمار ہیں۔ جب وہ مدرسے میں داخل ہوتے ہیں تو دوسرے اثرات بھی پڑنے لگتے ہیں۔ اس سلسلے میں استاد کی شخصیت بہت اہمیت رکھتی ہے لیکن جو طریقے وہ استعمال کرتا ہے ان کی بھی بہت اہمیت ہے۔ کسی مخصوص طریقے کی سفارش عبث اور مغالطہ آمیز ہے۔ ذہنی حفظان صحت کے نقطۂ نظر سے مختلف اساتذہ کے لیے مختلف طریقوں کی شفارش کی جاسکتی ہے لیکن بعض ایسے طریقے ضرور موجود ہیں جن پر زور دیا جاسکتا ہے اور انہیں مخصوص حالات میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اساتذہ کو سوالات کے جواب فراہم کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اس سفارش کے حق میں بہت سی باتیں کہی جاتی ہیں (۱) آموزش عمل کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے اگر شاگرد بتائے ہوئے جوابات کے مقابلے میں خود اپنے طور پر جواب فراہم کرنے کی کوشش کریں تو انہیں تسکین ہوگی (۲) ایک جواب ہر زمانے اور وقت کے لیے موزوں نہیں ہوتا اس لیے

خود انحصاری کی عادت ڈالنی چاہیے (۳) شخصی دریافت میں ایک مزا ہے جس سے شاگردوں کو محروم نہیں کرنا چاہیے (۴) ایک جمہوری زندگی کے لیے تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ حصول علم کے لیے مسلسل کوشش کی جائے۔

دلچسپی کا تصور تعلیم میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے اندر تفہیم، وضاحت مقاصد اضافہ علم، تجربۂ کامیابی، توقعات سے ہم آہنگی اور حاصل شدہ معلومات کا استعمال مزید تحریک پیدا کرسکتا ہے۔ شخصی محرکات جیسے اپنائیت کا احساس، اظہارِ جذبات میں مانع ہونے والے اثرات سے بچنا، احساس تکمیل اور تعریف اور انعام سے تسکین کے ذریعے دلچسپی بڑھتی ہے۔ دلچسپی پیدا کرنے والے عوامل میں اس بات کی بھی بڑی اہمیت ہے کہ استاد خود سرگرم — خوش و خرم، اور شاگردوں کی بالیدگی کی طرف سے پر اعتماد ہو۔

استاد جو بھی طریقہ عمل اختیار کرے اس کو یہ کوشش ضرور کرنی چاہیے کہ مدرسے کے کام میں انتقال آموزش سے فائدہ اٹھائے۔ اس کی تکمیل اس طرح کی جاسکتی ہے کہ باہم متعلق صورت حال میں مشترک عناصر کی طرف اشارہ کیا جائے، تعمیات سے فائدہ اٹھایا جائے، موثر نصب العین پر زور دیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ تدریس طالب علموں کی ذہنی سطح کے مطابق ہو۔

تمام کردار ارادی ہوتے ہیں یا مقصدی، لہذا مدرسے کے کام میں مقصدیت کا اضافہ کرنے کے لیے استاد کو چاہیے کہ مقاصد کو واضح، پسند اور قابلِ حصول بنائے اور گریڈ، امتحان اور انعام کو مقصود بالذات بنانے کے بجائے ایک ذریعہ تصور کیا جائے۔ اس کی وجہ سے ابتدائی منزل پر بچوں میں کھیل کا شوق پیدا ہوگا اور ثانوی سطح پر نوجوانوں کو خاندان اور پیشوں سے دلچسپی پیدا ہوگی۔

مدرسے کے وسائل کو استعمال کرنے سے دوسرے تعلیمی طریقوں میں ضمنی طور پر مدد ملے گی ان وسائل میں اساتذہ کی دلچسپیاں اور ان کی لیاقت، مدرسے کے مختلف مشاغل کا کمرہ موسیقی کا کمرہ، کتب خانہ، آرٹ کا کمرہ، معاشیات خانہ داری کی لیباریٹری) اور ان سب کے علاوہ شاگردوں کے انوکھے توارثی وسائل شامل ہیں۔

روایتی طریقہ تدریس کی بھی افادیت ہے، نئے طریقے اس میں مزید اضافہ کرسکتے ہیں، استاد کے طریقہ تدریس میں جو سب سے بڑا مسئلہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ ہر طریقے میں جو فوائد مضمر ہیں استاد ان کی نشاندہی کرے اور شاگردوں کی ذہنی صحت کو بہتر بنانے میں انہیں

مطالعے اور مباحثے کی مشقیں

۱۔ کیا طریقۂ تدریس کو استاد کی شخصیت سے ممیز کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ شاگردوں کی اپنی فعالیت کامیاب طریقۂ تدریس کے لیے ایک عنصر کی حیثیت کیوں رکھتی ہے ؟

۳۔ استاد کے لیے جواب کو روکے رکھنا کب تک ممکن ہے ؟ شاگردوں پر جواب فراہم کرنے کی ذمے داری کس حد تک ڈالی جا سکتی ہے۔

۴۔ کیا استاد اپنے طالب علموں پر یہ واضح کر دے کہ بعض مسائل کے سلسلے میں اس کے ذاتی اصول ہیں۔ کیا اس کی یہ کوشش مناسب ہے کہ شاگرد اس کے نقطۂ نظر کو تسلیم کریں۔

۵۔ اس باب میں دلچسپی پیدا کرنے کے جو اقدامات پیش کیے گئے ہیں کیا وہ اس نظریے سے مطابقت رکھتے ہیں کہ دلچسپی شخصی مقصدیت کا معاملہ ہے۔

۶۔ بعض ایسے شعبے بتائیے جن میں ذہنی ضبط کا تصور موثر ثابت ہوا ہے کیا یہ فوائد انتقال آموزش سے منسوب کیے جا سکتے ہیں ؟

۷۔ گریڈ اور نمبر کو مقصود بالذات بنائے بغیر کیسے استعمال کیا جا سکتا ہے ؟

۸۔ ابتدائی مدرسے کے شاگردوں کے اغراض و مقاصد ہائی اسکول کے مثالی مقاصد سے کس طرح مختلف ہیں ؟

۹۔ آپ کو خود اپنی برادری میں کام کرنے کا کتنا موقع ہوگا ؟

۱۰۔ طریقۂ تدریس کو سدھارنے کے لیے اپنے مدرسے کے وسائل کی ایک فہرست بنائیے۔ دوسری جماعت کے لڑکوں کی فہرست سے اس کا موازنہ کیجیے اور بتائیے کہ کیا آپ کی فہرست میں اضافہ ہو سکتا ہے۔

۱۱۔ فی الوقت آپ جو کچھ پڑھا رہے ہیں اس میں کن کن شاگردوں (یا موجودہ ہم جماعتوں) کو وسائل کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

باب ۔ ۱۰

مدرسے کے چند قابل اعتراض معمولات

ذہنی حفظان صحت کا مطالعہ اس لیے اشد ضروری ہو جاتا ہے کہ کمرۂ جماعت میں بعض معمولات جن میں سے چند وسیع پیمانے پر رائج ہیں مدرسے کے بچوں کے لیے بہت مضر ہیں گو یہ معمولات اچھی نیت کے ساتھ شروع کیے گئے ہیں پھر ذہنی حفظان صحت کے ماہروں نے اس پر کسی قدر نرم تنقید کی ہے مگر اوروں نے اس کی سخت مذمت کی ہے۔ اس تنقید کے باوجود یہ معمولات ابھی تک قائم ہیں۔ اس کی وجہ ہے کہ اساتذہ کی تعلیم خود اسی نہج پر ہوتی ہے اور پیشہ ورانہ تربیت میں بھی یہی دستور برتا گیا ہے۔ لیکن ہمارے سماج میں ایسے ادارے موجود ہیں (جہاں بدراہی اور جرائم سے نپٹنے کے جو طریقے برتے جاتے ہیں ان پر اعتراض کیا جاتا ہے) جہاں یہ معمولات اس لیے قائم ہیں کہ کردار کی تشکیل میں عادت کا بہت دخل سمجھا جاتا ہے۔ اور عادت کو انسانی کردار کی تفہیم کا ایک ذریعہ تصور کیا جاتا ہے۔ اس باب میں قابل اعتراض معمولات میں سے صرف چند کا ذکر کیا جائے گا تاکہ اساتذہ ان پر ایک تنقیدی نظر ڈالیں اور اگر ضرورت سمجھیں تو ان کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔

مواد تعلیم کی آموزش کرائی جاتی ہے

آموزش کے علیحدہ علیحدہ حصے اس میں شک نہیں کہ پڑھے لکھے لوگوں کے پاس ایک مشترک ذخیرہ علم ہوتا ہے جو ان کی انفرادی ملکیت ہوتی ہے۔ لیکن کسی بندھے ٹکے نصاب، مجوزہ متن یا درسیات کے ذریعے اس کو حاصل کرنا قابل اعتراض بات ہے۔ کیونکہ اس طرح جو آموزش ہوتی ہے وہ زندگی کے ان حالات سے بہت کم علاقہ رکھتی ہے جن میں اس علم کو بامعنی طریقے پر استعمال کیا جا سکتا ہو۔ اس کی وجہ سے مواد تعلیم میں مصنوعی پن پیدا ہو جاتا ہے۔ اور طالب علم کی

خارجی دنیا سے اس کا تعلق باقی نہیں رکھتا۔ اس بے تعلقی کے ساتھ جو آموزش ہوتی ہے اس سے معلومات تو فراہم ہو سکتی ہیں لیکن کردار کے تفاعل میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا ہوتی چنانچہ عموماً مقصد کی تفہیم نہیں ہو پاتی جس کے سبب طالب علموں میں تعلیم کا شوق اور احترام کم ہو جاتا ہے۔

اس قسم کی تعلیم کا آغاز نہ صرف نوآبادیات کے قدیم تعلیمی دستور میں نظر آتا ہے بلکہ یورپی تعلیم میں بھی اس کا سراغ ملتا ہے۔ قدیم نظام تعلیم کی تشکیل اسی کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ تعلیم کے مورخین نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس طرز نظر سے مذہب، قانون اور کسی قدر تعلیم کے علوم کے لیے بھی ایک بنیاد قائم ہو جاتی تھی اور کسی حد تک یہ رجحان کامیاب بھی رہا لیکن اگر ہم اس بات کو ملحوظ رکھیں کہ شاید ایک بڑی تعداد انتخابی طریقہ کار کی وجہ سے رسمی تعلیم سے محروم رہ گئی یا مسلسل محروم ہوتی چلی آرہی ہے۔ تو یہ شک پیدا ہونے لگتا ہے کہ یہ تعلیمی دستور کبھی بھی زیادہ کامیاب ثابت ہوا ہو۔ وہ طالب علم جو مساوی طور پر اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل تھے لیکن ان کی صلاحیتیں تعلیمی نہیں بلکہ دوسرے قسم کی ہوتی تھیں اُن کو اس بات کا موقع نہیں ملتا تھا کہ وہ اپنی امکانی قوتوں کو پروان چڑھا سکیں۔ آج جب کہ مختلف ریاستوں میں چودہ، سولہ اور اٹھارہ برس تک کے بچے مدرسے جانے پر مجبور کیے جاتے ہیں۔ یکساں نصاب پر بہت سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیے۔

مواد تعلیم کے طرز نظر کا مغالطہ آمیز جواز

بدقسمتی یہ ہے کہ جو لوگ ایسی حیثیت رکھتے ہیں کہ نظام تعلیم کو موثر طور پر تبدیل کر سکیں وہ جب اس نظام تعلیم پر ایک نگاہِ واپسیں ڈالتے ہیں تو یہ کہتے ہیں "ہمیں دیکھیے ہم نے اسی قسم کے مدرسے میں تعلیم پائی ہے" یہ کہتے وقت ناقدین اس بات کو سمجھنے سے قطعاً قاصر ہوتے ہیں کہ یہ لوگ چونکہ اہلیت اور تجربہ رکھتے تھے اس لیے محدود طرز تعلیم کی خامیوں پر قابو پا لیتے تھے اور اس لحاظ سے یہ لوگ خوش قسمت تھے۔ دوسری طرف موجودہ تعلیم کی بے اثری کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے۔ وہ لوگ اس بات سے بخوبی واقف ہیں جو اس کے بارے میں زیادہ بُری رائے نہیں رکھتے۔ اکثر طلبا مدرسے سے اپنی غیر حاضری کا یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ ان کو پیسے کی کمی تھی یا گھر پر ان کی ضرورت تھی یا وہ مدرسے سے بہت دور رہتے ہیں جب کہ اول سبب یہ ہے کہ انہیں اپنی پڑھائی جاری رکھنے کے لیے کوئی بامعنی مقصد نظر نہیں آتا۔ بعض بچے جواز بھی نہیں تلاش کرتے وہ صرف مدرسے سے غائب ہو جاتے

ہیں اور مستقل طور پر بھگوڑے بچے بن جاتے ہیں۔ بہت سے بچے مدرسے میں بیٹھتے تو ہیں لیکن تمام محرکات سے آنکھ، کان اور دماغ کو بند کر لیتے ہیں اور گونگے بن کر گھنٹی کا انتظار کرتے رہتے ہیں یا مدرسے کے کیلنڈر کو دیکھتے رہتے ہیں کہ چھٹیاں کب شروع ہو رہی ہیں اس قسم کے دوسرے بچے فلم دیکھنے چلے جاتے ہیں اور کچھ یادداشت اور پڑھنے کی لیاقت پیدا کر لیتے ہیں۔ ان کے کردار میں مشکل سے ہی کوئی تبدیلی نظر آتی ہے۔ صرف چند بچوں کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اپنی علمی ذہانت کی وجہ سے وہ مدرسے کے کام کو بامعنی طریقے سے انجام دے لیتے ہیں۔ اور ان میں کچھ عام ذہانت بھی ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنی علمی لیاقت کو اپنی زندگی کے مشاغل میں استعمال کر سکتے ہیں۔ اس انتقال آموزش میں مدرسے کے کام کا مشکل ہی سے دخل ہوتا ہے۔

ایک تشریحی مطالعہ فرد راقم الحروف نے کئی برس تک ایک بچے کا مطالعہ فرد کیا۔ اس کے مطالعے سے اس شدید غلطی کی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے جو بچوں کی مخصوص صلاحیتوں اور دلچسپیوں کو نہ تسلیم کرنے سے سرزد ہوتی ہے۔ چار برس کے ایک بچے کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ صرف مٹی کے کام میں دلچسپی لیتا ہے اس کے بمقابلہ مدرسے کے دوسرے کاموں میں بظاہر اس کو کوئی دلچسپی نظر نہیں آتی تھی۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے دوسرے بچوں کے ساتھ بہت چستی کے ساتھ کھیلتا لیکن جلد ہی مٹی کے کام کی طرف لوٹ آتا۔ اس نے مٹی کے جو ماڈل بناتے وہ دوسرے بچوں کے بمقابلہ بہت بہتر ہوتے۔ اس کے ڈیسک پر گھوڑے، مکان آدمی، ہرن، مرغی، پن چکی اور اس قسم کے دوسرے ماڈل کا انبار نظر آتا ہے اس نے ایک زراعتی فارم کا مکمل ماڈل تیار کیا جس کے اندر مکان، غلہ رکھنے کا کوٹھا، چارہ رکھنے کی جگہ، جانور، پالتو مرغیاں ویگن، گھاس کا ڈھیر اور دوسری چیزیں دکھائی گئی تھیں، یہ ماڈل اس نے بہت سی تصویریں دیکھنے کے بعد بنایا تھا لیکن استانی کو صرف اس بات کی فکر تھی کہ وہ ہندسوں کو استعمال نہیں کر پاتا اور مناسب طور پر پڑھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ان تمام کاموں میں اس بچے کو بہت مشکل پیش آتی۔ آخر کار جماعت کی استانی نے یہ طے کیا کہ جب تک دوسرے اسباق میں اس کو کامیابی نہ حاصل ہو پائے اس بچے کو مٹی کے کام سے روک دیا جائے لیکن دوسرے اسباق کے محرکات کمزور تھے اس لیے وہ لڑکا اپنے وقت کو بے کار تخیلات میں ضائع کرنے لگا

پھر جلد ہی وہ لڑکا مدرسے سے غائب رہنے لگا اور کچھ وقت گزرنے کے بعد یہ پتہ چلا کہ وہ بے عذر بھی غائب رہنے لگا ہے۔

اس کے والدین اس کے بھگوڑے پن کی وجہ سے بے حد متفکر تھے انہوں نے یہ دھمکی دی کہ اگر وہ دوبارہ غیر حاضر ہوگا تو سخت سزا دی جائے گی۔ بظاہر ایسا لگتا تھا کہ اس لڑکے کو پابندی کے ساتھ مدرسے جانے کے مقابلے میں اپنے والدین کی عائد کی ہوئی سزا گوارا تھی اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بھگوڑے پن کو روکا نہیں جاسکا وہ اپنے مضامین میں اور پیچھے رہنے لگا۔ اس نے گھر کی ناخشگوار صورت حال سے بچنے کے لیے رات کو بھی باہر رہنا شروع کیا کبھی باکس گاڑی اور کبھی ٹھیلے میں سو رہتا اور ادھر اُدھر سے کچھ چیزیں چرا کر کھا لیتا۔ مقامی سوداگروں کو متنبہ کر دیا گیا کہ اس کو کھانے پینے کی کوئی چیز نہ دیں اور جب اس کو چوری کا موقع نہ رہا تو وہ اور دور دراز کے علاقوں میں مسٹر گشتی کرنے لگا۔ اس وقت اس کی عمر بارہ برس کی ہو چکی تھی، اس نے ویسٹ کوسٹ تک کئی سو میل کا سفر کیا اور مہینوں گھر سے غائب رہنے لگا۔ ایک برس بعد اس نے ایک لدو جہاز پر کیبن بوائے کی حیثیت سے نوکری کر لی اور اورینٹ بھی ہو آیا۔ اس تمام عرصے میں اس کا مٹی کے کام کا شوق جاری رہا اور وہ اپنے ساتھ گیلی مٹی لیے لیے پھرتا جس سے مختلف قسم کے ماڈل بناتا، کبھی وہ سور، کبھی بارہ سنگے اور کبھی مرد عورت کے چہرے اور سر سے متشابہ حیرت انگیز ماڈل۔

جب اس کی عمر بیس کی ہوئی تو کسی کو یہ توقع نہیں تھی کہ وہ ایک آوارہ گرد کے علاوہ بھی کچھ بنے گا۔ ایک دن ایک اخبار کا نامہ نگار نے اس کو لاس اینجلز کے ایک پارک میں بیٹھے ہوئے مٹی کے کچھ ماڈل بناتے دیکھا۔ مٹی کے کام میں اس کی فنی مہارت کو دیکھ کر نامہ نگار انگشت بدنداں رہ گیا۔ بات چیت کے دوران نامہ نگار نے اس کے سر سپاٹے کی دلچسپ داستان سُنی۔ نامہ نگار نے اس کو اپنے الفاظ میں لکھ کر ایسٹیرن نیوز پیپر کے اس کہانی ضمیمے میں شائع کر دیا جو اتوار کے دن نکلتا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ اس کے کچھ ماڈل کی تصویریں بھی چھاپ دیں جو اس نے محض اپنی فنی مہارت کے ثبوت کے طور پر بنائے تھے۔ دو برس بعد اسی اخبار کے دوسرے کہانی ضمیمے میں اس کی اشاعت ہوئی اس اشاعت میں اس شوکیس کا ذکر تھا جس کی نمائش ایک بڑے شہر کے مشہور ٹیکنیکل

میوزیم میں کی گئی تھی ۔ اس شوکیس میں انسانی عضویات کے ماڈل کی نمائش کی گئی تھی۔ یہ بات بہت مسرت بخش تھی کہ اس لڑکے کی صلاحیتوں کو دریافت کر لیا گیا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے اس کی زندگی کا ایک ڈھرا بن چکا تھا۔ وہ اب بھی دل سے ایک آوارہ گرد اور غیر تربیت یافتہ آدمی تھا جس سے کبھی کسی ڈھنگ کے کام کی توقع نہ تھی۔

ایک دن وہ لڑکا اس نامہ نگار کے پاس آیا۔ اس نے اس کہانی کی تصدیق کی جو اخبار میں شائع ہوئی تھی۔ لیکن وہ ایک لدو جہاز میں باورچی خانے کا اسٹیورڈ تھا اس کا لباس بے ڈھنگا تھا، اس کی گفتگو غیر شائستہ تھی اور اس میں لکھنے کی صلاحیت بہت معمولی تھی۔ اس کو لکھنے میں اس قدر دشواری محسوس ہوتی تھی کہ اپنے بھائی اور بہن کے نام اور پتے بھی مشکل سے لکھ پاتا تھا۔ لیکن اس میں ماڈل بنانے کی اب بھی صلاحیت تھی۔ اس نے اپنی جیب سے گیلی مٹی نکالی اور نامہ نگار کے چھوٹے بچے کے لیے جانوروں کے چند دلچسپ نمونے بنائے۔

اگر استانی نے ذہنی حفظان صحت کے نقطۂ نظر سے اس لڑکے کی صلاحیتوں کو دوسرے قسم کی آموزش میں استعمال کیا ہوتا یعنی اس کو مٹی کے کام کا جس قدر شوق تھا اس کو اگر استانی نے ہندسے اور الفاظ سیکھنے میں استعمال کیا ہوتا تو نہ جانے کتنے تعجب خیز نتائج برآمد ہوتے۔ ہم یہ بھی قیاس کر سکتے ہیں کہ اس نے گننا اور پڑھنا نہیں سیکھا تھا اس کے باوجود اسکول اس کے لیے قابل قدر ثابت ہو سکتا تھا۔ ماڈلنگ میں اس کی جو صلاحیتیں تھیں وہ ڈرائنگ مصوری اور مجسمہ سازی میں اس طرح استعمال ہو سکتی تھیں کہ اسکول کا کوئی حرج بھی نہ ہوتا۔ اس سے یقیناً یہ فائدہ ہوتا کہ اپنے ہمسروں سے اس کا رابطہ قائم رہتا۔ اس کے بجائے اس کو اپنے بچپن میں ہی بالغوں کی دنیا میں زبردستی ڈھکیل دیا گیا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اس کے مقابلے میں ایک بدترین شکل اختیار کر لیتا اور ایک ایسی ہستی بننے کے بجائے جس کا وجود اور عدم وجود برابر ہوتا ایک بدراہ اور بالغ مجرم بن کر سماج کے سینے پر ایک بوجھ بن جاتا۔ لیکن مصنف کے نزدیک سب سے زیادہ قابل قبول قیاس یہ ہے کہ ایک ہوشیار اُستاد کی رہنمائی میں وہ تعلیم کی بنیادی باتیں سیکھ لیتا جس کی وجہ سے وہ ایک اچھا خاصا آرٹسٹ بن گیا ہوتا۔

اہمیت میں تبدیلی بعض باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ مواد مضمون کے اکتساب کی کوتاہی اب ذہنی صحت کے لیے پہلے کے مقابلے میں کم اہمیت حاصل کرتی جارہی ہے۔ بہت سے ابتدائی مدرسوں میں بچے ایسے مشاغل میں مصروف رکھے جاتے ہیں جوان کے لیے پڑھائی یا ریاضی کی کتاب کے مقابلے میں زیادہ بامعنی ہوتے ہیں۔ مدرسے کے اندر جو مشاغل انہیں مہیا کیے جاتے ہیں وہ تجربہ رخ ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر سیاحت، میوزیم کی سیر، تعلیمی سیر یا کسی ایسے شخص سے ملاقات کے لیے جانا جو کوئی خصوصی علم رکھتا ہو اور گروپ کی دلچسپی کا باعث ہو، ریاضی، پڑھائی اور زبان کے عملی سبق پر اسی قدر زور دیا جاتا ہے جس قدر منصوبے کو چلانے میں ان کو استعمال کیا جاتا ہے۔ ریاضی کا استعمال سواری اور باربرداری کا کرایہ نکالنے اور سیر وسیاحت کے لیے وقت کا تخمینہ تیار کرنے میں ہوتا ہے۔ پڑھائی کا استعمال مجوزہ منصوبے کی تربیت اور متعلقہ مشاغل سے متعلق معلومات فراہم کرنے میں ہوتا ہے اور سیر وسیاحت سے متعلق اجازت طلب کرنے یا کسی کی عنایت کے لیے شکریہ ادا کرنے یا ضمنی معلومات فراہم کرتے وقت زبان کا استعمال ہوتا ہے۔ منصوبے سے متعلق سفر کے مختلف پہلوؤں کی روئداد لکھنے اور مزید مطالعے کے موضوعات پر بحث کرنے میں بھی زبان کا استعمال ہوتا ہے۔ اس قسم کے کام کی اہمیت پہلی جماعت میں ہوتی ہے جہاں بچے اپنے تجربات مثلاً گلاب باڑی کی سیر کے حالات خود لکھواتے ہیں اور پڑھائی کا سامان تیار کرتے ہیں۔ اونچی جماعتوں میں جماعت کا کام طویل مدت کے منصوبوں پر مرکوز ہوتا ہے مثال کے طور پر مقامی حکومت کی مختلف شکلوں یا مقامی صنعتی مشاغل کے بارے میں معلومات فراہم کرنا۔ اس طرح کام کے بنیادی عمل میں جو مشق ہوتی ہے۔ وہ ضمنی طور پر نہیں ہوتی اور نہ مشق سے بے توجہی ہوتی جاتی ہے بلکہ ایک ٹھوس صورت حال میں اس کو متعارف کرایا جاتا ہے اس طرح بچوں کو حقیقی تجربہ حاصل ہو جاتا ہے۔

اسکول میں ایسے تیس تجربے کیے گئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس قسم کے بامعنی تجربے ہائی اسکول کے روایتی مضامین کے لیے حصول معلومات کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ یہ مطالعہ آٹھ برس کی مدت پر پھیلا ہوا ہے اور اس سے بہت دلچسپ نتائج برآمد ہوتے ہیں ان تجربوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ طالب علم جو پروگیسو ہائی اسکول کے فارغ التحصیل

ہیں ان کو کالج میں پہنچ کر اس وجہ سے کوئی کمی نہیں محسوس ہوئی کہ انہوں نے مضامینی طرز کے نصاب کے ذریعے تعلیم نہیں پائی۔ خاص طور سے روایتی اور پروگیسو اسکولوں کی جن باتوں میں ایک دوسرے سے مقابلہ کیا گیا ہے وہ قابل توجہ ہیں۔ پروگیسو مدرسوں سے کالج میں جانے والے طلبا میں سے کالج چھوڑنے والوں کی تعداد ۲۴٫۰ فی صد ہے جب کہ روایتی مدرسوں سے کالج میں جانے والے طلباء میں کالج چھوڑنے والے طلباء کی تعداد ۲۱٫۸ فی صد ہے۔ پروگیسو مدرسوں کے فارغ طلبا کا درجہ کامیابی کا اوسط ۴٫۰ پوائنٹ زیادہ تھا، اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں لیکن یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ ان کو کوئی نقصان نہیں رہا۔ غیر ملکی زبان کے مطالعے میں پروگیسو مدرسوں کے طلبا ۰٫۲ پوائنٹ پیچھے رہے اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ روایتی مدرسے کے لوازمات کی وجہ سے کوئی خاص نقصان نہیں رہا۔ پروگیسو طلبا میں سے ۵۰ فیصدی کے بارے میں ان کے استادوں کا یہ کہنا تھا کہ ان میں اپنے کام کرنے کی صلاحیت موجود تھی۔ اس بات کو اگر "مکمل بچے" کی تعلیم کے ضمن میں بیان کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ پروگیسو طریقے کو فوقیت حاصل ہے یعنی پروگیسو ہائی اسکول کے جو طلبا کالج میں تھے وہ ریڈیو پر تقریر اور موسیقی زیادہ سنتے، انہوں نے تقریروں اور موسیقی کے پروگرام میں زیادہ شرکت کی، درسی کتابوں کے علاوہ زیادہ کتابیں پڑھیں اور تہذیبی مشاغل سے زیادہ لطف اٹھایا اس کے علاوہ ان طلبا نے کسرتی مشاغل کے علاوہ کالج کے تمام مشاغل میں زیادہ حصہ لیا۔

باوجود اس کے کہ مقررہ نصاب کو چھوڑ دینے سے فوری طور پر کوئی نمایاں نقصان نہیں اور نہ آگے چل کر تعلیمی اور تہذیبی طور پر سود مند ہے پھر بھی مجوزہ نصاب کا اب بھی عمل دخل ہے۔ یہ اساتذہ اور منتظمین کے لیے بہت ہمت کی بات ہے کہ وہ مقبول زمانہ دستور سے انحراف کریں خاص طور سے ایسی صورت میں جب اسکول کے مربی اس دستور کے لیے جواز پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں "ہم کو لاطینی اور یونانی زبان پڑھنے میں بہت زیادہ محنت کرنی پڑی جب کہیں ہم اس قابل ہوئے" جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ہائی اسکول کے طالب علموں میں سے ۲ فیصدی سے بھی کم اور بعض برادریوں میں ۱۰ فیصدی سے بھی کم طلبا کالج میں اپنی تعلیم جاری رکھتے ہیں اس لیے اس کی وجہ سے کوئی خاص فرق نہیں ہوتا لیکن اس بات کا اعادہ کیا جا سکتا ہے کہ کچھ باتیں امید افزا ہیں بعض مدارس میں

تنظیم نصاب کی بڑی اکائی کے ساتھ تجربہ ہو رہا ہے ان میں ریاضی، انگریزی کے گھنٹے مقرر نہیں ہوتے اور نہ گھنٹے کے بجنے سے کام رکتا ہے۔ اکثر انگریزی اور سماجی علم کے گھنٹے اور ریاضی اور سائنس کے گھنٹے ملے جلے ہوتے ہیں۔ بہت سے اساتذہ مقامی یا رسمی طور تجویز کیے ہوئے نصاب سے انحراف کرنا پسند کرتے ہیں۔ وہ طالب علموں کے شوق، ان کی لیاقت اور ان کے ماحول کا تجزیہ کر کے مطالعے کے لیے عنوانات کا انتخاب کرتے ہیں۔ اس بات کی بھی سنجیدگی سے کوشش کی جاتی ہے کہ عنوانات وقتی طور پر منتخب کیے جائیں اور مدرسے کے باہر کی زندگی سے مطابقت رکھتے ہوں۔ بعض اساتذہ مقررہ نصاب پڑھاتے تو ہیں لیکن اس رفتار سے اس کو ختم کر لیتے ہیں کہ بچوں میں بس زیر مطالعہ مؤد کی تفہیم پیدا ہو جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی تو وہ مقررہ رفتار سے کم پڑھاتے ہیں اور کبھی اس سے تجاوز کر جاتے ہیں بجائے اس کے کہ وقت گزاری کریں تاکہ پڑھائی کے دنوں کی تعداد ان صفحات کی تعداد سے تجاوز کرتی رہے جو پڑھانے کے لیے باقی بچتے ہیں۔

اس نقطہ نظر سے ان اقدار کی تردید نہیں ہوتی۔ جو فراہمی علم اور معلومات سے حاصل ہوتی ہے بلکہ اس کے تحت علم برائے علم کا تصور کارفرما ہوتا ہے اور یہ تصور ابتدائی اور ثانوی منزل کے مقابلے میں زیادہ پختہ ہو جاتا ہے۔ معلومات اور صحت حساب کا فائدہ اسی وقت زیادہ ہوگا جب ان مسائل سے معلومات اور حساب کا تعلق پیدا کیا جائے جو خود طلبا محسوس کرتے ہوں اور وہ مسائل جوان کی زندگی سے مربوط ہوں۔ مزید براں یہ محسوس کیا جاتا ہے کہ مقررہ نصاب کو سیکھنے پر زور دینے سے موثر تعلیم کے کچھ پسندیدہ متلازمات چھوٹ جاتے ہیں۔ ان کے اندر اقدار کی پیمائش کام سے متعلق رائے کی نشوونما، تعلیم جاری رکھنے کا شوق اور جمہوری مشاغل میں مشق بہم پہنچانے کا کام شامل ہے۔ یہ نقطہ نظر مختصر اور جامع طور پر درج ذیل الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔

نئے مدرسے میں معلومات کے اکتساب کے لیے مختلف طریقے اپنائے جاتے ہیں پہلے طالب علم کے لیے ایک ایسے گھنٹے کا انتظام کیا جاتا ہے جس میں اس کو اپنے مضمون سے مانوس کیا جائے۔ یہاں وہ سوال پوچھتا ہے، مختلف ذرائع سے معلومات فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر معلومات کو ترتیب دیتا ہے۔ اور ان پر غور و فکر کر کے مسئلے کا حل دریافت

کرتا ہے۔ وہ اپنے مطالعے کو اپنی تفہیم کی حدود کے اندر کسی ایک اکائی پر مرکوز رکھتا ہے وہ جو کچھ سیکھتا ہے اس کا تعلق اس کے تجربات سے ہوتا ہے۔ اس طرح وہ نئی معلومات کو سابقہ معلومات سے مربوط کرتا ہے۔ نئے مدرسے کی لازمی شرط یہ ہوتی ہے کہ سوالات کے جوابات معلوم کرنے کی خواہش پیدا ہو، دوسری شرط یہ ہوتی ہے کہ مشاغل سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے کا طریقہ معلوم کیا جائے اس کے لیے جو طریقے اپنائے جاتے ہیں اور انفرادی طور پر ان کا جو اثر ہوتا ہے انہیں خصوصیات کی بنیاد پر نئے مدرسوں کو پرانے مدرسوں سے میز کیا جاتا ہے۔ کردار کی طرح آموزش کسی بچے پر زبردستی تھوپ کر نہیں حاصل کی جاسکتی ذہنی فعالیت شاگرد کا کام ہے۔ اس کو استاد سے معلومات حاصل کرنے کے بجائے وہ تمام ضروری کام کرنے کے لیے آمادہ ہونا چاہیے جو حصول علم سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۲

ذہنی صحت کی ترقی اس طرح ہوسکتی ہے کہ بندھے ٹکے نصاب کا طریقہ کار ختم کر دیا جائے اور باب نمبر ۲ اور ۵ میں جو بنیادی حاجتیں بتائی گئیں ہیں ان کو پورا کیا جائے آزادی کی حاجت پوری کرنے کا بہر حال موقع ملتا ہے۔ اتحاد باہمی کے ذریعے رفاقت کی بھی حاجت پوری ہو جاتی ہے نئے طریقہ کار میں تعلیم کے مقاصد زیادہ واضح نظر آتے ہیں اس لیے کہ ان کا تعلق طالب علموں کی زندگی سے ہوتا ہے اس کے تحت مشاغل میں تنوع ہونے کے باعث "پنسپل۔ کاغذ آزمائش" میں اول آنے کے علاوہ، مختلف طریقوں سے قبولیت حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے۔ ان مسائل کو حل کرنے میں ایسے تناؤ کو برداشت کرنے کی مشق ہوتی ہے۔ جو طلبا کے لیے بامعنی ہوں حقیقی ماحول یقیناً اور بھی ہیں جن میں فرد اپنی دست درزی اور تجسس کی حاجت پوری کر سکتا ہے۔ لیکن تجرباتی نوع کے ماحول میں حقیقی نفسیاتی تحفظ کا احساس پیدا ہوتا ہے یہاں شاگرد کو اس بات کی تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ ایک متوازن زندگی بسر کرے اور اپنے پیروں پر کھڑا ہو۔ ذہنی حفظان صحت میں بہت سے معمولی عوامل بھی شامل ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ اہم عامل یہ ہے کہ نصاب مدرسہ سے اس کا مصنوعی پن نکال دیا جائے

یکساں گریڈ، امتحان اور نمبر

گریڈ، زندگی کی جیتی جاگتی صورت حال کے لیے موزوں نہیں

تعلیم میں اس قیاس کا بہت حوالہ دیا جاتا ہے جس کے تحت سب کو ایک ہی پیمانے سے ناپنے کی بات کہی جاتی ہے موجودہ مدارس میں اس کا استعمال بہت وسیع پیمانے پر ہوتا ہے۔ گریڈ کا نظام زندگی سے اس وقت قریب ہو سکے گا جب تمام شہروں کو ایک ہی کام اور ایک ہی تنخواہ پر ملازم رکھا جائے اور ہر شخص سے ایک ہی طرح کے نتائج برآمد ہونے کی توقع ہو، لیکن زندگی میں ایسا ہوتا نہیں۔ ملازمین کو مختلف اسامیوں پر مختلف تنخواہ کی شرح سے منتخب کیا جاتا ہے۔ روزانہ اجرت کے مزدوروں کو اسی وقت کامیاب سمجھا جاتا ہے جب وہ پابندی اور حسن کارکردگی کے ساتھ کام کریں چاہے ان کی تنخواہ ایک کامیاب وکیل، پروفیسر اور ڈاکٹر کی تنخواہ کی نصف ہی کیوں نہ ہو۔ دراصل تمام کارکن ایک ہی طرح کا کام نہیں کرتے بلکہ وہ ایسے کام کرنے کی طرف مائل ہوتے ہیں جس کی ان میں لیاقت ہوتی ہے اور جس کا انہیں شوق اور تجربہ ہوتا ہے انہیں اگر اسکول کا تجربہ نہ ہوتا تو شاید وہ اپنے کام کو بہتر طور پر انجام دے سکتے۔ اسی کی وجہ سے ان میں احساس کمتری اور ناکامی کا اندیشہ پیدا ہوتا ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود ہم کو توقع ہوتی ہے۔ کہ تمام شاگرد ایک طرح کی خدمت انجام دیں گے اور صلے کے طور پر بعض کو، جو دوسروں کے مقابلے میں نسبتاً کم تندہی سے کام کرتے ہیں، کم تنخواہ ملے گی جس کی وجہ سے انہیں رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس صورت حال میں جو پست ہمتی، ناراضگی اور مایوسی پیدا ہوگی اس کا تصور کرنا مشکل ہے۔ ایک ہی پیمانے سے سب کو ناپنے کے قدیم اصول کی طرح گریڈ کا نظام بھی افراد کے لیے مناسب نہیں کیوں کہ اس کے تحت افراد کو نظام کے مطابق ڈھالنا پڑتا ہے۔

٭ قبل نوح زمانے میں جب تمام حیوانات کو تیرنے، چڑھنے دوڑنے اور اڑنے والے جانوروں میں تقسیم کیا جا رہا تھا اس وقت جانوروں کی تربیت کے لیے ایک مدرسہ کھولا گیا۔ اس مدرسے کا نظریہ تھا کہ سب سے اعلیٰ حیوان وہ ہے جو ایک کام کے ساتھ دوسرا کام بھی اسی خوبی کے ساتھ انجام دے سکے اگر ایک جانور کی ٹانگیں چھوٹی ہوتیں لیکن

اس کے پر مضبوط ہوتے تو دوڑنے پر توجہ مرکوز کی جاتی تاکہ جہاں تک ممکن ہو صفات کو مساوی کر لیا جاتے۔ اس لیے بطخ کو تیرنے کے بجائے پوقدمی سکھائی گئی اور ماہی خور سارس کو اڑنے کی کوشش میں اپنے پیروں کو ہلانے پر معمور کیا گیا۔ عقاب کو دوڑنے پر لگایا گیا۔ اس کو اڑنے کی اجازت محض تفریح کے لیے نصیب ہوئی۔ میڈک بچہ نہ یہاں کا رہا اور نہ وہاں کا اس کی بُری گت بنی۔"

وہ جانور جو اس قسم کی تربیت کے لیے راضی نہیں تھے بلکہ اپنی بہترین صلاحیتوں پر قانع رہے۔ انہیں کئی طریقوں سے رسوا کیا گیا۔ انہیں تنگ نظر یک فنی بھی کہا گیا۔ مدرسے سے کسی بھی ایسے جانور کو اس وقت تک پاس نہیں کیا جاتا جب تک وہ کسی متعین رفتار سے چڑھنا، تیرنا دوڑ اور اڑنا سیکھ لیتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بطخ نے دوڑنے کی کوشش میں جو وقت ضائع کیا وہ تیرنے میں رکاوٹ کا باعث بنا اس کے تیرنے والے رگ و پٹھے سکڑ گئے تھے اور وہ مشکل سے ہی تیرنے کے قابل تھی۔ مزید یہ کہ اس دوران ڈانٹ ڈپٹ، سزا اور برے برتاؤ کی وجہ سے اس کی زندگی عذاب بن گئی تھی اور اس نے اپنی توہین سمجھ کر مدرسے کو خیر باد کہا۔ عقاب درخت کے آخری سرے تک چڑھنے میں کامیاب نہ ہو سکا باوجودیکہ اس کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ایسا کر گزرے گا لیکن اس کی کارکردگی کو نقص تصور کیا گیا کیونکہ اس نے مجوزہ نصاب تعلیم کے مطابق عمل نہیں کیا تھا۔"

ایک بام مچھلی جو سموں سے ہٹی ہوئی تھی، جس کے بڑے بڑے پر تھے اس نے ثابت کیا کہ وہ دوڑ سکتی ہے۔ تیر سکتی ہے۔ درخت پر چڑھ سکتی ہے اور تھوڑا سا اڑ بھی سکتی ہے۔ اس نے اپنی تمام تربیتوں میں اوسطاً + فیصدی کامیابی حاصل کی۔ چنانچہ اس کو جماعت کے الوداعی جلسے کا مقرر بنایا گیا۔ "سکہ

جب مدرسوں میں یکساں گریڈ دینے کا رواج ختم ہو جائے جس کی کافی توقع ہے تو اس وقت ہم دیکھیں گے کہ شاگردوں کے اندر اعتماد پیدا ہوگا وہ اپنی قدر و قیمت پہچانیں گے اور شخصی تحفظ کا احساس پیدا کریں گے۔ اس وقت انہیں اس بات کا پتہ چلے گا کہ وہ اسکول اور زندگی کے لیے کیا کچھ کر سکتے ہیں یہ اور بات ہے کہ وہ جو کچھ بھی کریں گے وہ پاس میں بیٹھے ہوئے ہم جماعت کے کاموں سے مختلف ہوگا۔ اسکول اسی وقت زندگی کی جیتی جاگتی تصویر ہوگا جب "تنخواہ کا شیڈول" ہر بچے کو اس کی اپنی انوکھی خصوصیت کے ساتھ

تکمیل کے مواقع فراہم کرے۔

گریڈ کی بے اعتباری

گریڈ دینے کے نظام پر جو سخت تنقید کی جاتی ہے اس میں سب سے کم تنقید اس کی بے اعتباری پر ہے۔ اس موضوع پر بہت سے مطالعے ہو چکے ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی بھی دو اساتذہ کسی معروضی نوعیت کی تعلیمی لیاقت کی جانچ پر ایک درجہ نہیں دیتے۔ مختلف مدرسوں میں درجے دینے کے معیار میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک ہی پرچہ کو جب مختلف اساتذہ نے جانچا تو مختلف درجے دیئے۔ یہاں تک کہ ایک ہی پرچہ ایک ہی استاد اگر مختلف اوقات میں جانچے تو ہمیشہ ایک ہی درجہ نہیں ملے گا۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ مضحکہ خیز صورت حال اس وقت پیش آتی جب درجے دینے کے سلسلے میں ایک مطالعہ کیا گیا تو پتہ چلا کہ استاد کا پرچہ یعنی جانچ کی کنجی اتفاق سے طالب علموں کے پرچوں کے ساتھ مل گئی اور ممتحن نے جانچتے وقت اس کو فیل کر دیا تھا۔ درجے دینے میں جو بے اعتباری پائی جاتی ہے وہ اپنی جگہ پر اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ یہ دستور قابل اعتراض ہے اس نامناسب دستور کے اثرات جن لوگوں پر پڑتے ہیں ان کا کہنا ہی کیا۔

درجے دینے کے نظام پر نظر ثانی کرنے کی کوششیں بذات خود نظام کو سدھارنے اور اس کو زیادہ معروضی بنانے کی حد تک محدود رہی ہیں۔ اس طرح صحیح غلط تعددی انتخاب اور مماثل قسم کی معروضی جانچ، وسیع مطالعے اور احتیاز کا موضوع بنے رہے۔ مقصد یہ تھا کہ جہاں تک ممکن ہو نمبر دینے کے عمل میں شخصی عنصر کو کم کیا جائے۔ معیار موافق بنائی ہوئی آزمائشوں کو استعمال کرنے کی کوشش میں بھی یہی خیال کارفرما ہے فرق سب اتنا ہے اس کا استعمال بڑے پیمانے پر ہوا ہے۔ ان کاموں پر رائے زنی ہو سکتی ہے لیکن اس میں شک ہے کہ اس سے مسئلے کی جڑ تک پہنچ سکیں گے۔ شک محض اس کی وجہ سے ہے کہ طلبا کو ایک ہی پیمانے سے ناپنے پر جو تنقید کی جاتی ہے وہ اب بھی ختم نہیں ہوتی اس کے اندر اس فرق کو معلوم کرنے کی گنجائش نہیں ہے جو ایک ہی شہر کے مختلف علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ معیار موافق بنائی ہوئی آزمائشیں اساتذہ میں یہ تحریک پیدا کرتی ہیں کہ اپنے طالب علموں کو ایسی معلومات بہم پہنچائیں جو آزمائش کو کامیابی کے ساتھ حل کرنے میں کام آسکیں۔ اس طرح اس کی وجہ سے مدرسے کے نصاب میں مصنوعی پن پیدا ہو جاتا

ہے اور مقامی اور عصری حالات نظر انداز ہو جاتے ہیں۔

گریڈ دینے میں داخلی عنصر

مصنف کو اس قیاس سے اتفاق ہے نمبر دینے میں شخصی عنصر کو کم کرنے میں کچھ خدشات بھی ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ کسی بھی شعبہ عمل میں کامیابی ایک حد تک اس بات پر منحصر ہے کہ دوسروں کے ساتھ کیسے روابط رکھے گئے ہیں اور کیسے عمدہ تاثرات پیدا کیے گئے ہیں ایک شاگرد اپنے استاد پر جو اثر مرتب کرتا ہے وہ تعلیمی اعتبار سے غور کرنے کی بات ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اپنی بات کو سمجھانے اور غور طلب بنانے کے لیے اظہار خیال کی صلاحیت بھی ضروری ہے۔ راقم الحروف کی رائے میں جس بات کی ضرورت ہے وہ یہ نہیں ہے کہ گریڈ دینے میں داخلی عناصر کی تردید کی جائے بلکہ استادوں کو اس کی اجازت دی جائے کہ وہ اس کو تعمیری طور پر استعمال کرے تعصب تو یقیناً ختم کر دینا چاہیے لیکن ایک معیار موافق یا معروضی آزمائش میں کامیابی حاصل کرنے کے مقابلے میں بچے کی مجموعی شخصیت کو ملحوظ رکھنے میں کچھ مزید فائدے ہو سکتے ہیں۔

نمبر دینے کے طریقوں پر استاد کا جو نقطہ نظر ہے اس کا گہرا تعلق فلسفہ تعلیم سے ہے اگر اس کا نظریہ یہ ہے کہ مواد مضمون پر عبور حاصل کرنے کا نام تعلیم ہے اور مدرسے کا کام یہ ہے کہ نفس مضمون کا اکتساب اور ذہن کی اصلاح کرائے، تو وہ گریڈ نمبر اور امتحان کو بھی تسلیم کرے گا۔ دوسری طرف اگر وہ تصور کرتا ہے کہ تعلیم نام ہے فرد کی خلقی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اور اس کے ذریعے فرد کی کامل شخصیت کو پروان چڑھانے کا۔ تو اس صورت میں یکساں نمبر، اور گریڈ کی معیار بندی پر اس کو اعتراض ہوگا اس لیے کہ وہ ان باتوں کو تعلیمی مقاصد کے منافی سمجھتا ہے۔

اوپر جو ذکر کیا گیا ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ نظام تعلیم میں امتحان کی کوئی جگہ نہیں بلکہ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اس قسم کی ترکیبیں تعلیم کے عمل کا صرف ایک حصہ ہیں، ذریعہ تعلیم یا مقصد تعلیم نہیں۔ عملی تعلیم میں آزمائش اور امتحان کا ایک تعمیری منصب ہے، لیکن جس طرح اس کو جا و بیجا استعمال کیا جاتا ہے وہ ایک منطقی سوال ہے کہ وہ " وہ استعمال کیا ہے ؟"

نمبر اور گریڈ کی پابندیوں سے جس تصور کے تحت کسی قدر چھٹکارا ملتا ہے اس کو

پیاس قدر کہتے ہیں ۔ پیمائش قدر میں اس بات کی کوشش ہوتی ہے کہ مدرسہ میں طالب علم کی ترقی کی پیمائش وسیع بنیاد پر ہو، معلومات حاصل کرنا تو پیمائش قدر کا صرف ایک حصہ ہے اس میں طالب علم سے متعلق اور بہت سی مدات شامل ہوتی ہیں اس کے سابقہ حالات کام کرتے وقت کی کیفیت اس کے کام کی عادت، اس کے رویے، دوسروں کے ساتھ مل جل کر کام کی صلاحیت، حصول گریڈ کے مقابلے میں اس کی امکانی توتیں، اس کی جسمانی صحت اور جسمانی اور جذباتی کوتاہیاں، پالیسی اور بھی بہت سی باتیں ہیں اختصار کے ساتھ اس کو یوں بیان بیان کیا جاسکتا ہے پیمائش قدر بچے کا نامیاتی نظریہ ہے، یہ وہ تصور نہیں جس کے تحت ان نتائج پر بھروسہ کر لیا جائے جو مواد مضمون پر عبور پانے سے حاصل ہوتے ہیں۔

اصلاح کی صورتیں

پیمائش قدر میں تجربہ کرنے کے لیے بہت سی تکنیک استعمال کی جاتی ہیں، اس ضمن تھوڑی بہت اصلاح یہ کی گئی ہے کہ شخصی تقابل کے بجائے کامیابی کو لیاقت کے لحاظ سے گریڈ کیا جاتا ہے۔ اس طرح (ت۔ب) تسلی بخش اس طالب علم کو دیا جاسکتا ہے جو اپنی لیاقت کم ہونے کی وجہ سے بس واجبی واجبی کام کر لیتا ہے لیکن اسی کارکردگی پر دوسرے طالب علم کو جو اعلیٰ امکانی قوتوں کا حامل ہو (غ۔ت۔ب) کا گریڈ دیا جاسکتا ہے اور تیسرے لڑکے کو اسی کام کے لیے (ق۔ت) قابل تعریف گریڈ دیا جاسکتا ہے کیونکہ اس نے بیّن طور پر ناموافق حالات میں کام کیا ہے اس نظام میں ایک غیر رسمی اور معیار موافق امتحان کی ایسی بنیاد پڑتی ہے جو قابل عمل ہوتی ہے اس میں بچے کی جسمانی صحت اور اس کے گھریلو حالات کو بھی ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ ایک لڑکا جس نے سال کے آخر میں اوسط سے کم گریڈ حاصل کیا ہے وہ بھی اس نظام میں تسلی بخش طور پر کامیابی کی توقع کر سکتا ہے، جب مدرسے کے ایک مہمان نے اس لڑکے کو اس بات کی طرف متوجہ کرایا کہ دوسرے لڑکے اس کے مقابلے میں نمایاں طور پر بہتر کام کر رہے ہیں تو اس نے جواب دیا "یہ صحیح ہے کہ جماعت میں میرا مقام بہت اعلیٰ نہیں پھر بھی یہ تو دیکھیے میں نے کتنی ترقی کی ہے" اس کے اپنی ابتدائی جانچ کے نتیجے کی طرف اشارہ کیا جس میں اس کے ہم جماعتوں کو اعلیٰ درجے ملے تھے۔

ت۔ب ۔ تسلی بخش
غ۔ت۔ب ۔ غیر تسلی بخش

اس نے یہ بھی دکھایا کہ اس مخصوص امتحان میں اس نے تیئس پوائنٹ حاصل کیے ہیں جب کہ اس کے ساتھی صرف بارہ پوائنٹ حاصل کر سکے۔ اس نے بجا طور سے اس کام پر (ق۔ ت) قابل تعریف گریڈ حاصل کیا جس پر اس کے ہم جماعتوں کو (ت۔ب) یا (غ۔ ت۔ ب) گریڈ مل سکتا ہے۔ اگر کسی کو یہ اندیشہ ہو کہ اس گریڈ سے آجر کو یا کالج کے داخلہ بورڈ کو غلط گمان پیدا ہو سکتا ہے تو اس سے یہ سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ "کیا مدرسہ جس حد تک آجر کے لیے ہے اسی حد تک انفرادی طالب علم کے لیے نہیں ہے؟" ذہنی حفظان صحت کے نظریے کے مطابق شاگرد کو پہلے ملحوظ رکھا جائے گا۔

گریڈ اور نمبر دینے کے مخالفین کی دوسری قسم وہ ہے جو اس بات کے حق میں ہے کہ حروف اور ہندسوں کے رسمی استعمال کو ختم کیا جائے اور اس کے بدلے مختلف قسم کی کانفرنس کا طریقہ شروع کیا جائے ان میں سے ایک طریقہ اساتذہ اور والدین کی ملاقات ہے۔ اس کانفرنس کی غرض سے استاد شاگردوں کے والدین کے گھر ان کی مرضی سے جاتا ہے اور شاگرد کی ترقی اور اس کی دشواری کے بارے میں بات چیت کرتا ہے اس بات پر بھی غور کرتا ہے کہ اس کی نشو ونما کے کون کون سے پہلوؤں پر توجہ دینے کی ضرورت ہے، اس کے کون سے کردار قابل تعریف ہیں اور کن کرداروں کو بہتر کرنے کی ضرورت ہے، وہ کون کون سے طریقے ہیں جن سے والدین مدرسے کے ترقیاتی پروگرام میں مدد کر سکتے ہیں اور کردار کے وہ کون سے عوامل ہیں جن کو پسندیدگی حاصل ہوئی ہے۔ گھر کا دورہ کرنے سے استاد کو براہ راست اس بات کا موقع ملتا ہے کہ وہ شاگرد اور شاگرد کے گھریلو حالات کو سمجھ سکے اور مدرسہ میں شاگرد کے ان افعال پر رعایت کر سکے جن کی عام حالات میں وہ مذمت کرتا۔ بعض والدین استاد کے متوقع دورے سے کسی قدر پریشان ہوتے ہیں۔ ایسے والدین کو استاد خود مدعو کرتا ہے کہ وہ مدرسے کا دورہ کریں۔ گو اس طرح استاد کو شاگرد کے گھریلو حالات کی بصیرت حاصل کرنے کا موقع نہیں ملتا، پھر بھی والدین کو مدرسے کے طریقۂ کار سے براہ راست واقف ہونے کا موقع مل جاتا ہے۔

ابتدائی درجوں میں معلمین اور والدین کی کانفرنس خصوصیت کے ساتھ مفید ہوتی ہے۔ جن معلمین نے اوپر کے درجوں میں اور ہائی اسکول میں اس قسم کی کانفرنس کا تجربہ کیا ہے انہوں نے اس کے بارے میں بہت موافق رائے دی ہے۔ اس کانفرنس میں متعلم اور معلم

دونوں کو روبرو گفتگو کا موقع ملتا ہے کہ طالب علم نے کتنی ترقی کی ہے اس کی کون سی عادتیں چھڑانی چاہئیں اور کون سی عادتیں ڈالنی چاہیئے۔ اور علم اور کردار کے کون کون سے پہلو ہیں جن پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس طریق کار میں یہ فائدہ ہے کہ طالب علم کو اپنی پیمائش قدر میں خود آگے بڑھ کر شریک ہونے کا موقع ملتا ہے۔ یہ موقع عام طور سے حروف یا ہندسوں کی شکل میں گریڈ دینے سے نہیں حاصل ہوتا۔ معلم اور متعلم کی کانفرنس کے ذریعے گریڈ کے اس نظام کو معتدل کرنے کا تجربہ کیا گیا ہے۔ یہاں شاگرد کو یہ سمجھانے کی بھی کوشش کی جاتی ہے کہ شاگرد جیسا تھا ویسا ہی گریڈ ملا ہے تاکہ اگر اس میں کسی غلط فہمی کا امکان ہو تو وہ صاف ہو جائے اس میں اور کوئی فائدہ ہو نہ ہو اس بات کا امکان ضرور ہوتا ہے کہ شاگرد اور استاد کے درمیان مفاہمت پیدا ہو جائے اور شاگرد کو اس بات کا مزید موقع ملے کہ وہ اپنے منصوبے کو بامعنیٰ بنا سکے۔

گریڈ کے تمام طریقوں کا مقصد شاگردوں کی بالیدگی میں اضافہ کرنا ہوتا ہے۔ یہ مقصد برآری اس سے بہتر اور کسی بات سے نہیں ہو سکتی کہ شاگرد خود اپنی پیمائش قدر کرے۔ اس طرح کے منصوبے میں مختلف اغراض و مقاصد اور حالات تعلم کی وضاحت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر میقات کی ابتدا ہی میں شاگردوں پر اغراض و مقاصد واضح کر دینے چاہئیں۔ بہت سی جگہوں پر اغراض و مقاصد کو مرتب کرنے میں شاگردوں کا اشتراک ہوتا ہے اس طرح ہر طالب علم کو معیاری طور پر اپنی پیمائش قدر کا موقع ملتا ہے اور اس کو پتہ چلتا ہے کہ کس حد تک اس کے مقاصد کے حصول میں کامیابی ہوئی ہے۔ اسی دوران اساتذہ بھی شاگردوں کے حصول مقاصد کی پیمائش قدر کرتے ہیں۔ اگر دونوں پیمائشوں میں کوئی اختلاف نظر آتا ہے تو استاد اور شاگرد مل کر بیٹھتے ہیں اور اس اختلاف کا سبب دریافت کرتے ہیں اس سلسلے میں اگر کوئی غلط فہمی ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے دور ہو جاتی ہے اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جماعت کا ماحول بہتر ہو جاتا ہے۔

موجودہ تعلیمی ادب کے تجربے سے یہ بات پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ پیمائش قدر کے نقطہ نظر میں اور گریڈ اور نمبر میں بہت بعد ہے۔ گذشتہ دہے میں اس موضوع پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں گریڈ اور نمبر دینے کے کام میں زیادہ معروضیت اور صحت کا خیال رکھنے پر زور دیا گیا ہے، اب اس کی بنیاد کو وسیع کیا جا رہا ہے اور ان ذریعوں کو استعمال کیا

جارہا ہے جو پیمائش قدر کے تصورات میں مضمر ہیں۔ محاضراتی ریکارڈ نمائندہ کاموں کے نمونے صحت کی روئداد ذہانت اور لیاقت کی معیاری آزمائش، کی جانچ کے میزانچوں کا ردعمل، استاد، استاد، شاگرد، اور معلمین اور والدین کی کانفرنسیں یہ تمام باتیں توسیعی تصورات کا جز وہیں لیکن تعلیمی تاخر ایک ایسا وقوعہ ہے جو ہمہ وقت موجود رہتا ہے یہ تو جماعت کے استاد پر موقوف ہے کہ اس کے نمبر دینے کا دستور اس طرح بدلا جاسکتا ہے یا نہیں کہ مکمل بچے کی بہتر تعلیم ہو سکے۔ اگر اس بات پر زور دیا جائے کہ نمبر محض تحصیل کی بنیاد پر دیئے جائیں تو جماعتوں کے اساتذہ اس پر بے اطمینان کا اظہار کریں گے۔ روایتی نظام سے اور بہت سے لوگوں نے بھی جو ردعمل پیش کیا ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کے اندر ذہنی حفظان صحت کا ایک پہلو ضرور پوشیدہ ہے

ترقی نہ دینے کا مغالطہ

ناکامی کا خوف ایک منفی ترغیب ہے

بعض ایسے منتظمین اور اساتذہ ہیں جن کے خیال میں معیار قائم رکھنے کے لیے جماعت میں کچھ فی صد شاگردوں کو ضرور فیل ہونا چاہیے ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر ناکامی کا خوف دور ہو جائے تو شاگردوں کے لیے کام کے محرکات ختم ہو جائیں گے نتیجہ یہ ہوگا کہ کام میں تاخیر کی عادت پیدا ہو جائے گی۔ ذہنی حفظان صحت کا نظریہ یہ ہے کہ تحریک پیدا کرنے کے مثبت ذرائع خوف وخطر سے زیادہ بہتر نتیجے ثابت ہوتے ہیں۔ بہت سے منتظمین اور اساتذہ کا کہنا ہے کہ ناکامی کا خوف پیدا کرنے کا دستور قابل اعتراض ہے۔ جب وہ بیان سنتے ہیں کہ "دو طالب علم فیل ہو گئے" تو پوچھتے ہیں "وہ کیوں فیل ہو گئے" ایسی کیا بات ہوئی جو مناسب نہیں تھی اور کیا کچھ کرنا چاہیے تھا جو نہیں کیا گیا۔ اس نقطہ نظر کے مطابق الزام وہاں عائد ہوتا ہے جہاں ہونا چاہیے۔ فیل ہونے والے طالب علم سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یا تو استاد نے تعلیم کے مقاصد کو واضح کرنے میں کوتاہی کی ہے یا وہ انفرادی فرق کی معذوریوں کو سمجھ نہیں پایا ہے۔

فیڈرل سیکوریٹی الحسینی نے ایک تحقیقی مطالعہ شائع کیا ہے جس میں ترقی دینے سے متعلق رجحانات پیش کیے گئے ہیں اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ذہنی حفظان پر اس کے کیا اثرات پڑتے ہیں۔

"اسکول میں اسراع اور تنزل کا طریقہ ختم ہوتا جا رہا ہے۔ ہائی اسکول کی بڑھتی ہوئی تعداد میں نصاب مدرسین کو وسیع کیا جا رہا ہے اس میں شاگردوں کے مفصل مطالعے کا اہتمام ہوتا ہے اور مہارتوں کے لیے صلاح کاری مہیا کی جاتی ہے تاکہ شاگرد جس کام کو بھی کریں اس میں انہیں حقیقی کامیابی حاصل ہو سکے۔ نفسیات کے بہت سے ماہروں نے اس رجحان کو پسند کیا ہے اس لیے کہ شاگردوں کو اگر کم سے کم ناکامی کا سامنا کرنا پڑے تو ان کی شخصی ساخت پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔"

"اگر مدرسے کے حالات کو ایسے تجربوں میں تبدیل کر دیا جائے جو ان کی زندگی کے لیے بامعنیٰ ہوں تو شاگرد بہتر طریقے پر تعلیم حاصل کر سکیں گے۔ اگر مدرسہ شاگردوں کی خصوصی حیثیتوں کو تسلیم کرتا ہے اور ناکامیابی کے بجائے کامیابی حاصل کرنے میں ان کی مدد کرتا ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ مدرسے کے اندر آموزش کے متنوع مواقع فراہم کیے جائیں اور شاگردوں کی نالائقی اور ناکامیابی پر کم زور دیا جائے۔ اسی کے ساتھ یہ ذمے داری بھی قبول کر لینی چاہیے کہ شاگردوں کی آموزش کے لیے بامعنیٰ تجربات فراہم کیے جائیں چاہے ان کے شوق اور ان کی لیاقت میں بہت زیادہ فرق کیوں نہ ہو"

ترقی کا جدید دستور

تجربہ کار اساتذہ اکثر اس دستور پر شد و مد کے ساتھ معترض ہیں کہ معیار پر پورا نہ اترنے کے باوجود سب طالب علموں کو پاس کر دیا جائے۔ ان کے خیال میں اس طرح ناکامیابی کو محض ملتوی کر دیا جاتا ہے۔ وہ یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ فوری طور پر طالب علم کو فیل کرنے میں ان کی بھلائی ہے۔ بجائے اس کے پیش آنے والی ناکامی کو ملتوی کر دیا جائے۔ ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ طالب علم جس کو سماجی طور پر ترقی دے دی جائے بہت بڑھا چڑھا کر اپنی لیاقت کا اندازہ کرے گا۔ شاید یہ صحیح بھی ہو کہ کچھ طالب علم اس طرح کے گمان میں مبتلا ہو جائیں گے لیکن ان کی بڑی تعداد گریڈ نمبر اور ناکامیابی کے بغیر بھی یہ جان لیں گے کہ تعلیمی اعتبار سے ان کا کام ان کے ہم سروں کے معیار سے کم ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ استاد اپنے تجربات کی روشنی میں دیکھے اور اس بات کو سمجھے کہ پہلی جماعت سے لے کر آگے کی جماعتوں کے اندر بیشتر لڑکوں کو مقابلتاً اپنی لیاقت کا اندازہ ہوتا ہے یا نہیں۔ یہ مناسب نہیں ہے کہ محض ایک دو طالب علموں کے مغالطے میں پڑ جانے کے خوف سے طلبا کی اکثریت کو شرمندہ کیا جائے اور ان کی توہین کی جائے

ایک دو سے نپٹنا تو بہت آسان ہے۔ انہیں شخصی انٹرویو صفائی کے ساتھ اس مغالطے کے بارے میں بتایا جاسکتا ہے۔

پوری جماعت کو ترقی دینے کے خلاف دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ طالب علم جو اگلی جماعت کے کام سنبھالنے کے لیے تیار نہیں ہیں وہ اس جماعت کو بھی پیچھے روکے رکھیں گے شماریات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تصور بھی غلط ہے۔ مطالعوں سے پتہ چلتا ہے کہ ایک مضمون مرکز مدرسے میں جن شاگردوں کو آزمائشی طور پر ترقی دی گئی تھی ان میں سے ۸۰ اور ۹۰ فی صد طالب علموں نے اگلی جماعت میں بہت اچھا کام کیا پھر یہ دلیل بھی صحیح نظر آتی ہے کہ کچھ طالب علموں کو فیل کر کے شاگردوں کے درمیان انفرادی فرق کے پھیلاؤ کو کم نہیں کیا جا سکتا۔ فرق تو اب بھی بہت زیادہ رہے گا۔ یہاں تک کہ چھوٹی جماعت میں بھی انفرادی فرق نظر آئے گا مثال کے طور پر تیسری جماعت کا ایک استاد جو پڑھائی کی ایک معیار موافق ازمائش کی تنظیم اور اس کی توضیح سے واقف ہے اس موقع پر کہے گا کہ ایک ہی جماعت کے اندر پہلی جماعت کی سطح سے لے کر چھٹی جماعت یا کبھی کبھی اس سے بھی اعلیٰ سطح تک کا فرق نظر آتا ہے اس اس کے باوجود تمام بچوں کو پڑھانے میں اس کو کوئی دقت پیش نہیں آتی حقیقت تو یہ ہے کہ برسہابرس سے ایک مدرس والے مدرسوں کے اساتذہ اس سے بھی زیادہ وسیع سطح پر انفرادی فرق سے نپٹتے آتے ہیں اور اکثر انہوں نے اس کام کو بہت موثر طور پر انجام دیا ہے۔

• سب سے زیادہ خراب بات یہ ہے کہ ایک شاگرد کی ناکامیابی اس کے مدرسے کے ساتھیوں، رشتہ داروں اور دوستوں کی نظروں میں بھی ناکامیابی ہوتی ہے۔ ناکامیابی سے یہ خطرہ ہے کہ اس میں احساس کمتری اور مدرسے اور سماج کے خلاف بغض پیدا ہو جائے۔ جب ایک بچہ مدرسے میں فیل ہوتا ہے تو اس کا امکان ہے کہ وہ زندگی میں بھی فیل ہو جائے،،

اے۔ اے۔ سنڈرین نے ویلنگ فورڈ، کنکٹی کٹ کے پانچ ابتدائی مدرسوں کے ۱۶۴۴ لڑکوں پر ایک مطالعہ کیا۔ ان میں ۱۲۹ لڑکے ایسے تھے جن کے سیکھنے کی رفتار سست تھی۔ شاگردوں کا انتخاب سولہ جماعتوں سے اس طرح کیا گیا کہ ہر جماعت کی سطح پر ہر آٹھ میں سے ایک کو منتخب کر لیا گیا۔ اس سے یہ نتیجہ برآمد کیا گیا کہ جن طالب علموں کو ترقی نہیں دی گئی انہوں نے ایک ایسی صورت حال پیدا کر دی جس میں معقول سماجی روابط پیدا کرنے میں اس وجہ سے رکاوٹ پیدا ہو گئی کہ ان کے قد و قامت جسمانی پختگی اور کھیل کے

شوق میں فرق تھا۔ اسکول کے دوران کئی موقعوں پر دیکھا گیا کہ ترقی نہ پائے ہوئے طالب علم اپنے محبوب رفیقوں سے اس وجہ سے بچھڑ گئے کہ وہ اگلی جماعت میں پہنچ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پسماندہ گروپ میں سماج دشمن کردار کا اظہار ہونے لگا اور اسکول کی طرف ایک ناقابل اطمینان رویہ پیدا ہو گیا

یہ تصور مواد مضمون کو یاد کرانے کے تصور سے قریبی تعلق رکھتا ہے جس کے تحت یہ کہا جاتا ہے کہ طالب علم اگر معیار کے مطابق نہیں ہے تو اس کو فیل ہو جانا چاہیے۔ اگر اساتذہ پر ریاست یا مقامی نصاب کی جانب سے کوئی پابندی عائد ہوتی ہے اور اگر وہ سمجھتے ہوں کہ اس کی وجہ سے کم سے کم تحصیل ہوتی ہے اور اساتذہ کو کوئی رہنمائی بھی نہیں ملتی تو ایسی صورت میں فیل کرنے کا خیال ترک کرنا مشکل ہے تاہم بعض اساتذہ اس بات کی جرات رکھتے ہیں کہ شاگردوں کا نقطہ نظر پیش کریں انہیں اس بات پر یقین ہوتا ہے کہ اگلے گریڈ یا جماعت میں جانے والے طلبا تعلیمی اعتبار سے بہتر ثابت ہو سکتے ہیں بجائے اس کے کہ وہ ناکامی سے دوچار ہوں اور زیادہ محرومیوں کا شکار ہوں۔ اگر موثر طریقے سے شاگردوں کی رہنمائی کی جائے تو فیل کرنے کا موجودہ دستور ختم ہو سکتا ہے لیکن جہاں اس کی غلطیاں سرزد ہوں وہاں طالب علموں پر پوری ذمہ داری ڈال دینا دانش مندی کے خلاف ہے۔ اگر ہمارے مدرسوں میں ذہنی صحت کے لیے موافق ماحول پیدا کرنا ہے تو ناکامیابی کے منفی اندیشوں کی جگہ تعلیمی تحصیل کے لیے مثبت کشش پیدا کرنی ہو گی۔

ہوم ورک

ہوم ورک کی مشتبہ قدریں ناکامیابی کے خوف سے اس بات کا بھی قریبی تعلق ہے کہ اپنے گریڈ یا جماعت کا کام مکمل کرنے کے لیے طالب علموں کو ہوم ورک دیا جائے اس تصور کے پیش نظر کہ درسی کتاب یا نصاب کا مجوزہ کام مقررہ وقت کے اندر مکمل ہونا چاہیے، بہت سے طالب علموں کو ہوم ورک کرنا پڑتا ہے۔ میں شاید اس معاملے میں بہت شدت کے ساتھ اپنی دلیل پیش کروں کہ یہ دستور کمزور، اوسط اور تیز سبھی طالب علموں کی عمدہ ذہنی صحت کے لیے ناموزوں ہے لیکن کیا کیا جائے کہ یہ اکثر مدرسوں میں برتا جاتا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہوم ورک سے تعلیمی تحصیل میں انفرادی فرق کم ہونے کے بجائے بڑھتا ہے۔ جس بچے کو اپنے ہم جماعتوں کے برابر آنے میں دشواری محسوس ہوتی ہے ہو سکتا ہے اس کے گھریلو حالات ایسے ہوں کہ وہ اپنے کام پر توجہ مرکوز نہ کر پاتا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اس کو گھر پر کام کرنا پڑتا ہو۔ اخبار بیچنا پڑتا ہو یا بچوں کی دیکھ بھال کرنی ہوتی ہو اس پر بچوں کی دیکھ بھال یا گھر کی اور بھی زیادہ ذمہ داریاں ہو سکتی ہیں۔ اس کے گھر میں بہت بھیڑ بھاڑ ہو سکتی ہے، جس کی وجہ سے اس کو پڑھنے کے لیے تنہائی نہ ملتی ہو یا اتنی بھی جگہ نہ میسر آتی ہو کہ وہ اپنی کتابیں اور کاغذات پھیلا سکے۔ اس کے برعکس کسی لائق لڑکے کو ایسے والدین مل سکتے ہیں جو اس کی پڑھائی کی طرف بہت ہمدردی کا رویہ رکھتے ہوں، شاید اس کے لیے علیحدہ کمرہ ہو، پڑھنے کے لیے میز ہو اور گھر کے دوسرے افراد اس کی خاطر ریڈیو کی آواز کم لیتے ہوں اور ضرورت کے وقت اس کو مناسب امداد بھی مل جاتی ہو۔ ایسے بچے کے اندر اپنے ان ہم جماعتوں کے مقابلے میں احساس برتری پیدا ہو جاتا ہے جو نسبتاً کم خوش قسمت ہیں لیکن برابر کے ذہن ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ نوجوان جن میں ہائی اسکول کی عمر کے لوگ بھی شامل ہیں اس بات کی ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ انہیں کھیل اور سماجی نشوونما کے لیے کچھ وقت ملے۔ مدرسے کی حاضری سے طلبا کے تعلیمی مشاغل میں خانقاہی ریاضت کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے سردی کے دنوں میں خاص طور سے اس بات کے لیے اکسانا چاہیے کہ طالب علم باہر کھلی فضا میں کھیلے اور ورزش کرے۔ چونکہ ذہنی صحت میں افراد کی ذہنی، جسمانی، جذباتی اور سماجی زندگی کا بھی دخل ہوتا ہے اس لیے ذہنی پہلو پر اتنا ہی وقت صرف کرنا چاہیے جتنا اس کے لیے ضروری ہو۔

تیسری بات یہ ہے کہ ہوم ورک کی وجہ سے گھر اور مدرسہ دونوں جگہوں پر خراب تعلیمی حالات پیدا ہونے کا امکان ہے۔ جو بچے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنا کام گھر پر بخوبی انجام دے سکتے ہیں وہ اپنی پڑھائی لکھائی کے لیے اسکول کے وقت کا کم استعمال کرتے ہیں اس طرح ان کے کام کی عادت بگڑ جاتی ہے جب کہ کام کو پہلا مقام دینا چاہیے علاوہ ازیں جو بچے ہوم ورک اچھی طرح نہیں کر سکتے مدرسے کے اندر ان کے کام میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ اس کا امکان ہے کہ گھر پر انہیں مناسب رہنمائی نہیں مل رہی ہو، جب والدین اپنے بچوں

کو درس دینے کے لائق نہیں ہوتے تو طالب علم الجھن میں پڑ جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ والدین جو تعلیمی اعتبار سے اہل بھی ہوتے ہیں لیکن اپنے بچوں میں جذباتی طور پر مبتلا ہو جاتے ہیں، وہ کام کے لیے ایک گمبھیر صورت حال پیدا کر دیتے ہیں۔ ہم میں بہت سے لوگوں کو اپنے والدین سے کار چلانے برج کھیلنے اور اسکیٹنگ سیکھنے کا تجربہ ہو گا۔ ہر صورت میں اس بات کا خطرہ ہے کہ ہوم ورک کے سلسلے میں والدین کی طرف خود رہنمائی ملی ہو اس سے اکثر موقعوں پر منفی آموزش کا رویہ پیدا ہو جاتے۔

بامعنی ہوم ورک

اب جب کہ اس مباحثے کی گرمی ختم ہو چکی ہے، یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ کچھ خاص نوعیت کے ہوم ورک کی بہر کیف ضرورت پڑتی ہے، سماجی علم کی کسی جماعت کو اگر نسلی رویوں جیسے بالغوں کے ردعمل کو جاننے کی ضرورت ہو تو اس جماعت کے لڑکے اپنے والدین سے تبادلہ خیال کر سکتے ہیں اس کا دوہرا فائدہ ہو گا ایک طرف تو اس سے معلومات میں اضافہ ہو گا دوسری طرف والدین بھی مدرسے کے وسائل میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اس کے ذریعے طالب علم اور والدین کے درمیان ذہنی سطح پر ایک پختہ تبادلہ خیال کی بنیاد بھی قایم ہو جائے گی اور اس طرح طالب علم کے اندر سماجی پختگی بھی پیدا ہو سکتی ہے ایسے کاموں میں جو مسائل کو حل کرنے میں ضروری سمجھے جاتے ہوں وہ مشاغل بھی شامل کیے جا سکتے ہیں جنہیں مدرسے کے اندر انجام نہ دیا جا سکے۔ جیسے رپورٹ مرتب کرنے کے لیے فراہمی معلومات کی غرض سے میوزیم کی سیر، اسکول کے کتب خانہ سے جو مواد فراہم ہو سکے اس کے لیے مقامی کتب خانے سے استفادہ یا کوئی پمفلٹ حاصل کرنے کے لیے چیمبر آف کامرس کی سیر۔ اس قسم کے کام صرف انہیں شاگردوں کے سپرد کرنا چاہیے اور صرف انہیں کو سیر پر بھیجنا چاہیے جنہیں گھر کے کاموں سے فرصت ہو غرض ہوم ورک کی اجازت رضاکارانہ طور پر محض اس وقت دینی چاہیے جب استاد یہ جانتا ہو کہ اس کی وجہ سے ان کاموں میں کوئی دخل اندازی نہیں ہو گی جو بچے کی ذہنی صحت کے لیے ضروری سمجھے گئے ہیں، مثال کے لیے اگر کسی شاگرد کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اس کا ہوم ورک مدرسے کے اوقات میں بھی ہو سکتا ہے تو تفویض کو مزید جاری رکھنے سے رد کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی ایسا طالب علم ہے جو طبعی سماجی اور تفریحی شوق رکھتا ہے تو اس کو اکسایا جا سکتا ہے کہ وہ امدادی کتابوں پر رپورٹ مرتب کرے، کسی انسائکلوپیڈیا سے متعلق معلومات فراہم

کرے یا مدرسے کے لیے ان شماروں کا مطالعہ کرے یا جو مدرسے میں دستیاب نہ ہو سکیں۔

ہوم ورک اور کالج کی تیاری

بعض اساتذہ کا خیال ہے کہ مدرسے کے لیے جتنا وقت درکار ہوتا ہے اگر ہائی اسکول کا طالب علم اس سے زیادہ دیر تک کام کرنے کی عادت نہ ڈالے تو وہ کالج کے لیے پورے طور پر تیار نہ ہو سکے گا۔ یہ بات آیندہ کالج میں داخل ہونے والے بعض طالب علموں کے لیے اہم ہو سکتی ہے لیکن ہوم ورک پر اعتراض اس لیے کیا جاتا ہے کہ اگر روشنی کا کافی انتظام نہ ہو تو بینائی کے لیے اور اگر پڑھنے لکھنے کے لیے فرنیچر موزوں نہ ہو تو جسمانی صحت کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور کبھی ہوم ورک کی خاطر ورزش اور نیند پر پابندی عائد کر دی جاتی ہے مزید براں یہ کہ وقت چاہے زیادہ دیا جائے چاہے کم، کام کی معقول عادت دونوں صورتوں میں پیدا ہو سکتی ہے۔ وہ طالب علم جس نے اپنے وقت کو بہتر طور استعمال کرنا سیکھ لیا ہے وہ کالج میں باقاعدہ طور پر زیادہ وقت صرف کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں پختگی زیادہ ہوگی اور ایک ایسی فضا اس کو میسر آچکی ہوگی جس میں شام کے وقت بھی مطالعہ جاری رہتا ہوگا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ذہنی صحت کے پیش نظر ورزش، تفریح اور کام کا ایک متوازن پروگرام کالج کے لیے بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا اسکول کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ لڑکے چھوٹے ہوں یا بڑے کسی کام کو زبردستی نہیں سیکھتے ہیں۔ اگر جبر کو ختم کر دیا جائے تو لڑکے کام کو شوق سے سیکھ لیتے ہیں اور اگر کام بامعنی ہو اور نگران اسٹاف کے ساتھ بہتر رابطہ قائم کیا جا سکے تو یہ لوگ اور بہتر طریقے سے کام سیکھ سکتے ہیں۔

حاکمیت

حاکمیت کی صحت مند نوعیت

ضبط کے اہم موضوع اور ذہنی حفظان صحت کے اصولوں پر اس کے اثرات کو تفصیل کے ساتھ دوسرے باب میں بیان کیا گیا ہے تاہم اس سلسلے میں جو قابل اعتراض دستور ہیں ان میں حاکمیت کا دستور بھی شامل ہے جس سے ذہنی صحت کے حصول اور قیام میں کوتاہی پیدا ہوتی ہے۔

"امریکی تہذیب کا نمونہ بنیادی طور کئی اعتبار سے غیر صحت مند ہے۔ انسانی روابط کے مختلف پہلوؤں میں اختلاف ہونے کے باعث تحکمانہ رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ ایک وسیع تہذیبی مسئلہ بن گیا ہے کہ کس طرح بچوں کے لیے ایسا ماحول پیدا کیا جائے جو ان کی

نمو کے لیے سازگار ہو۔ مدرسہ یہ کر سکتا ہے کہ اس تحکمانہ ماحول کو ختم کرے اور زیادہ آزادی اور تحفظ فراہم کر کے بچوں کی نمو میں اضافہ کرے۔ اس کے ذریعے بچہ اس قابل ہو سکتا ہے کہ اپنی لیاقت کے مطابق اپنی سطح پر سماجی روابط کو بہتر بنالے۔"ہے

ایسی بہت سی دلیلیں ہیں جن کی وجہ سے حاکیت ذہنی صحت کے لیے مضر ہے، ایک دلیل تو یہ ہے کہ اس کی وجہ سے فکر کی خود مختاری کا موقع کم ملتا ہے۔ جب شاگردوں پر یہ حکم چلایا جائے کہ وہ کیا سوچیں تو پھر ان میں فکر انگیزی کی صلاحیت نہیں پیدا ہوتی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اس کی وجہ سے خود بخود آزادی کے ساتھ کام کرنے پر پابندی عائد ہو جاتی ہے حالانکہ یہ انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ نمو کی آزادی اور خود انحصاری کے عملی مواقع، ایک صحت مند نفسیاتی تحفظ کی نشو ونما کے لیے لازمی شرائط ہیں۔ حاکموں کی سرپرستی میں رہنے کی وجہ سے تحفظ کا غلط احساس پیدا ہوتا ہے۔ تجربی اور تجرباتی شماروں سے پتہ چلتا ہے کہ حاکیت سے ناراضگی کا رویہ پیدا ہوتا ہے، اور اس طرح ایک ہم آہنگ رشتہ پیدا کرنے میں رکاوٹ ہوتی ہے ؎ جیسا کہ ہم نے ترقی اور ناکامی کے ذکر میں پہلے بتایا ہے کہ منفی کی جگہ مثبت صورت حال پیش کرنا ذہنی حفظان صحت کا ایک معقول طریق کار ہے۔ ایسی صورت میں جبری تحریک کے بجائے گفت وشنید کے ذریعے امداد باہمی کی کوششوں سے زیادہ ترغیب ہو سکتی ہے مختصر یہ کہ حاکیت کا ٹکراؤ عمل سے تو نہیں لیکن بالغوں کے اس سماجی نصب العین سے ضرور ہوتا ہے جس کے لیے ہم طالب علموں کو تیار کرتے ہیں۔

حاکمانہ روش سے انحراف حاکمانہ روش سماج کی بڑی خصوصیت ہے، اس سے جو انحراف نظر آتا ہے وہ کسی قدر امید افزا ہے بمتعدد اساتذہ ان منصوبوں پر تجربہ کر رہے ہیں کہ جماعت کے کنٹرول اور انتظام میں طالب علموں کا مشورہ شامل ہو، یہ مشورے مختلف کمیٹیوں۔ کونسلوں اور جماعتی وضع قوانین کے ذریعے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ اس کی شکل عموماً بچوں کی حکومت جیسی نہیں ہوتی پھر بھی اس سے طالب علم کو اس بات کا موقع ضرور ملتا ہے کہ نظم وضبط کے ان مسائل پر جن کا تعلق حالات آموزش سے ہے، تبادلہ خیال کر سکیں تعلیمی مقاصد پر طالب علموں سے بات چیت۔ مطالعے کے موضوعات کا انتخاب اور آموزش کی ذمہ داریوں کو متعین کرنا یہ سب ایسے منصوبے ہیں جو حاکمانہ پابندیوں سے باہر ہیں۔ اس سلسلے میں جو طریق کار اپنایا گیا اس سے قطع نظر زور اس بات پر دیا جاتا ہے کہ

طالب علموں کا اشتراک زیادہ معنی خیز ہو اور اس بات کو بھی ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ خارجی کنٹرول کم کیا جائے اور طالب علموں کی خود رہنمائی کو بڑھاوا دیا جائے۔

حاکمیت کو کم کرنے کا مطلب نہیں ہے کہ ہدایت اور کنٹرول کو ختم کر دیا جائے بلکہ اس سے مراد ہے کہ سماجی اور شخصی کردار کی موثر نشو و نما کے لیے کس قسم کے حالات پیدا کیے جائیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اطاعت شعاری افراد کے لیے اسی قدر مستحسن ہے جس قدر کام سے اپنائیت کا احساس پیدا کرنا اور سماجی کاموں میں ہاتھ بٹانے کی عادت ڈالنا۔ وہ شخص سب سے بہتر انتظام کی ذمہ داری سب سے کم ہوتی ہے۔ یہ بات جس قدر لوگوں کی سیاسی زندگی سے متعلق کہی جاسکتی ہے اسی قدر اسکول کے بچوں سے متعلق بھی مناسب ہو سکتی ہے۔

ذہنی حفظان صحت پر حاکمانہ رویوں کا جو اثر پڑتا ہے وہ واضح ہے۔ ایک طرف تو بچہ ایک غالب شخصیت کا محکوم ہوتا ہے اور آنکھ بند کر کے تعمیل کرنا سیکھتا ہے چنانچہ وہ ایک اطاعت گزار فرد بن جاتا ہے اور کسی کام میں پیش قدمی کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ وہ ہدایات، اجازت اور منظوری کا منتظر رہتا ہے۔ اس کے دل میں ارباب اختیار کے ناراض ہونے کا خوف مستقل طور پر سمایا رہتا ہے۔ دوسری طرف حکم کی تعمیل سے اس کے اندر ارباب اختیار کے خلاف ناراضگی بڑھتی رہتی ہے اور جب حلقہ تسلط سے جس کا وہ عادی ہو چکا ہوتا ہے، وہ باہر نکلتا ہے تو وہ ہر قسم کے تسلط سے منکر ہوتا ہے، کبھی کبھی یہ صورت حال اس وقت پیش آتی ہے جب ایسے لڑکے کالج میں پہنچتے ہیں جو اپنے گھر میں تو مثالی کردار کے حامل ہوتے ہیں لیکن کالج میں پہنچ کر ان کے سماجی اور اخلاقی کردار اور ان کے پرانے کردار میں بہت نمایاں فرق ہو جاتا ہے۔ حاکمیت کے اثرات مابعد بیشتر معلمین میں بھی نظر آتے ہیں۔ ایسے اساتذہ پر جنہوں نے اپنی سابقہ زندگی میں ایک غالب باپ کی تقلید کی ہو سپر وائزر کی ناراضگی کا خوف چھایا رہتا ہے یا پھر ان کا ردعمل یہ ہوتا ہے کہ جان بوجھ کر وہ انتظامی نظام کی تضحیک کرتے ہیں۔ ایک استانی جو اپنے تدریسی طریقہ کار میں بہت زیادہ مطلق العنان تھیں اور اپنی جماعت میں مکمل خاموشی کا مطالعہ کرتی تھیں جماعت کے اندر کا مزاج بے حد برہم رہتا تھا ان کے بارے میں پتہ لگا کر پرورش ایک نہایت ہی تحکمانہ خاندان میں ہوئی تھی وہ اپنے خاندان سے بہت ناراض تھیں اور اپنی ناراضگی ان طالب علموں پر اتارتی تھیں جو بدقسمتی

سے اس جماعت میں پڑ گئے تھے۔

حاکمیت کا تعلق جابرانہ ضبط سے ہے۔ وہ شخص جو بالغوں کے حکم مطلق پر یقین رکھتا ہے اس بات کو حق بجانب سمجھ سکتا ہے کہ جسمانی سزا کے ذریعے قواعد اور ضوابط کی پابندی کرائی جائے۔ انفرادی فرق اور حالات کے اختلاف کے باوجود یکساں سزا دی جائے اور خوف کو مانع کے طور پر استعمال کیا جائے۔ ذہنی حفظان صحت کے ادب کا سرسری مطالعہ کرنے سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ان رویوں اور دستوروں میں اور ذہنی حفظان صحت کی تدریس میں تضاد ہے۔ خود مختاری، باہمی امداد، رجائیت اور اپنے فرض کی ادائیگی، جن کو ذہنی صحت کا بہترین انعام سمجھا جاتا ہے۔ کسی بھی ایسی فضا میں نہیں پروان چڑھ سکتی جس میں ضبط بہت سخت ہوا ور فوجی حکم چلتا ہو۔

آزادی پر پابندی ایک اوسط مدرسے میں ایسے بہت سے طریقے اپنائے جاتے ہیں جن سے آزادی سلب ہوتی ہو اس فہرست میں مندرجہ ذیل طریقے شامل ہو سکتے ہیں۔

(۱) جماعت کے معمول کا یہ تصور جس میں طلبا سے یہ توقع کی جائے کہ پورے وقت اپنی کرسی پر بیٹھے رہیں اور کبھی کبھی ایک جگہ پر بیٹھے رہنے پر مجبور کیے جائیں۔

(۲) ایک بند حالکا نصاب جس میں شاگردوں کی آزادی پر پابندی عائد کر دی جائے اور وہ خود اپنی ہدایت کے مطابق کام نہ کر پائیں (۳) مدرسے کے قواعد وضوابط کو مرتب کرنے میں طالب علموں کا کوئی حصہ نہ ہو۔ (۴) استاد کا یہ اندیشہ کہ اگر وہ بلا ارادہ کام کرنے کی اجازت دے دے تو جماعت ہاتھ سے نکل جائے۔ (۵) ایسے کاموں کے انتخاب اور عمل کی آزادی کے مواقع کم کرنا جو روایتی مضامین کے دائرے سے باہر ہیں۔ (۶) درسی کتابوں اور جوانوں کے دائرے سے باہر نکل کر معلومات فراہم کرنے کی آزادی کا فقدان۔

جماعت کے اندر زیادہ آزادی دینے کا طریقہ اس طرح شروع ہو سکتا ہے کہ استاد خود اپنے لیے زیادہ آزادی فراہم کرے۔ اس سے مراد بس یہ نہیں کہ قواعد وضوابط پر اعلیٰ عہدیداروں کا اختیار کم ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے تنظیمی مسائل کو حل کرے۔ وہ اساتذہ جو اوپر سے حکم ملنے پر چیں بہ چیں ہوتے ہیں وہی سب سے پہلے تنظیمی مسائل کو حل کرنے کے لیے وقت کی تنگی کی شکایت کرتے ہیں، استاد کو اس بات سے تو چوکنا رہنا چاہیے کہ ان کی

زادی تقریر میں کوئی مداخلت نہ ہو لیکن یہ بھی نہیں سمجھنا چاہیے کہ انہیں کھلی چھوٹ مل گئی ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اساتذہ کے مروجہ اخلاق اور جمہوری فلسفے کی حدود کے اندر انہیں یہ فیصلہ کرنے کا حق ہونا چاہیے کہ پڑھنا کیا ہے۔

بڑی حد تک استاد کو یہ طے کرنے کا بھی حق ہونا چاہیے کہ شاگردوں کو کتنی آزادی دی جائے چاہے وہ ایک مثالی ہی مدرسہ کیوں نہ ہو۔ مثلاً استاد کو یہ دیکھنا چاہیے کہ شاگردوں کو اپنی مقررہ جگہ پر بغیر کسی وقفے کے بہت دیر تک بیٹھنے کے لیے نہ کہا جائے۔ وہ اپنے شاگردوں کو اس بات کی اجازت دے سکتا ہے کہ ادھر اُدھر جا کر سامان اکٹھا کریں اور امدادی حوالے فراہم کریں وہ شاگردوں کی ہمت افزائی کر سکتا ہے کہ مدرسے کے کتب خانے سے استفادہ کریں۔ وہ اس کام میں بھی اپنے شاگردوں کی حوصلہ افزائی کر سکتا ہے کہ اپنی دلچسپی کے مقامات کے لیے وہ تعلیمی سیر و سیاحت منصوبہ بنائیں۔ وہ اس بات پر کے مواقع فراہم کر سکتا ہے کہ طلبا خود اپنے مطالعے کے لیے موضوعات کا انتخاب کریں اور مطالعے کے طریق کار کو متعین کریں۔ وہ طالب علموں کو خود اپنی جماعت کی حکومت کا منصوبہ تیار کرنے، پالیسی مرتب کرنے اور پالیسی کو چلانے کے لیے ذمہ دار عہدیداروں کا بھی انتخاب کرنے پر آمادہ کر سکتا ہے۔ وہ اساتذہ جو پہلے محض نفس مضمون پڑھایا کرتے تھے لیکن بعد میں انہوں نے اپنے درس میں تنوع پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ان سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے شاگردوں سے خود اپنی ہدایت کے مطابق کام کرنے کے سلسلے میں تعریفی کلمات سُنیں اور استعجاب اور اطمینان کا اظہار کریں۔ مزید براں ان کو یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مختلف قسم کا تناؤ جو پہلے جماعت میں پایا جاتا تھا اب ختم ہو رہا ہے۔

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ ان میں سے کسی بات سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ہدایت اور کنٹرول فضول ہے یا نامناسب۔ کوئی بھی ذی فہم شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ حکومت غیر ضروری ہے۔ لیکن ہر شخص یہ ضرور محسوس کرتا ہے کہ جو قوانین اس کے اوپر لاگو کیے جاتے ہیں اس کے بنانے میں اس کا بھی حصہ ہو۔

"مختصر یہ کہ جو لوگ جمہوری اصولوں کی روشنی میں اپنے معاملات کو درست کرنا چاہتے ہیں انہیں اس بات کا پکا یقین ہے کہ جوں جوں لوگ اپنے عمل، ادارے اور انتظام کار کی تشکیل دوسروں کے بجائے خود اپنے استدلال پر کریں گے اسی قدر

انفرادی آزادی اور استکمال نفس میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ ہر فرد کے ذہنی عمل کی رہنمائی میں اس کی خلقی قوتوں اور اس کے حقوق کو ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے۔ ساتھ ہی ساتھ اشتراک باہمی کے ذریعے فرد کے تحفظ اور مفاد کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ ایک جمہوری گروپ کا سب سے زیادہ بیش قیمت سرمایہ یہ عقیدہ ہے کہ اچھی زندگی کے دوسرے تمام سماجی اصولوں جمہوریت کو فوقیت دی جائے۔ یہ نصب العین طالب علموں کے خیال اور عمل کا جزو بن جانا چاہیے۔ مدرسوں میں جمہوری نصب العین پڑھانے کی ضرورت ہے۔ اس سے عہدہ برا ہونے کی خصوصی ذمے داری امریکہ کے ثانوی مدارس پر عائد ہوتی ہے"۔9

خلاصہ

مدرسوں میں بعض ایسے دستور رائج ہیں جن کی وجہ سے شاگردوں کی اچھی ذہنی صحت کے حصول میں دشواری ہوتی ہے۔ یہ دستور ذہنی صحت کے حق میں اس لیے مضر ہیں کہ ان کی وجہ سے انسان کی بعض بنیادی حاجتیں روا ہونے میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ جب حاجتیں پوری نہیں ہوتیں تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خراب ذہنی صحت کی علامتیں ظاہر ہونے لگتی ہیں۔

ایک بندھے ٹکے نصاب سے آزادی کی حاجت پوری کرنے اور اپنی غرض و غایت متعین کرنے میں رکاوٹ ہوتی ہے ہمیں معلوم ہے کہ بہت سے بچوں کے پاس کام ہوتا ہے لیکن ان کے پاس کام کا اپنا منصوبہ نہیں ہوتا۔ بندھے ٹکے نصاب کی وجہ سے دست ورزی اور تجسس کی حاجت پوری ہونے میں رکاوٹ ہوتی ہے اس کے ذریعے بچوں کو زبردستی ایک سانچے میں ڈھالا جاتا ہے اور اس بات کا خیال نہیں رکھا جاتا کہ ہر ایک کے سابقہ حالات میلانات طبع اور تجربات انوکھے ہوتے ہیں۔

یکساں گریڈ دینے سے یہ حاجت تشنہ رہ جاتی ہے کہ بچے کو ویسا ہی تسلیم کیا جائے جیسا وہ ہے۔ نہ کہ جیسا دوسروں کی نظر میں ہونا چاہیے۔ اس کی وجہ سے ان بچوں میں شخصی قدر و قیمت کا احساس ختم ہو جاتا ہے جو پاس کرنے اور گریڈ حاصل کرنے کے تعلیمی تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتے یا جن کے سیکھنے کی رفتار سست ہوتی ہے۔ یکساں طور پر گریڈ دینے سے تحصیل کی ضرورت پوری نہیں ہوتی جس کا تعلق انفرادی فرق سے ہے اور جس پر بچے کا بہت کم یا سرے سے اختیار نہیں ہوتا۔

فیل کرنے کے دستور سے بچوں میں ندامت کمتری اور عدم تحفظ کا احساس پیدا ہوتا ہے اس کی وجہ سے بچے کو اپنے ہم عمر ساتھیوں کے ساتھ سماجی میل جول پیدا کرنے میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ فیل ہونے کا عموماً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بچہ جھگڑالو، مائل بہ تخریب، تنہائی پسند، مردم آزار اور لاچار بن جائے

ہوم ورک سے یہ نقصان ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے بچوں کو معیار کے مطابق لانے کے بجائے ان کے درمیان انفرادی فرق بڑھ جاتا ہے اور تعلیمی برتری کے احساس کو نامناسب حد تک تقویت مل جاتی ہے۔ لیکن اس پر جو سب سے زیادہ شدید اعتراض کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں بچے کو آزاد کھیل کا موقع نہیں مل پاتا جو صحت بخش بھی ہے اور باعث نمو بھی۔ اچھی ذہنی صحت کے لیے اس کی بنیادی باتوں کا جاننا ضروری ہے اتنا ہی جسمانی ورزش کے بارے میں جاننا بھی اہم ہے۔ بچے کی زندگی میں دونوں ہی باتیں اہم ہیں کسی ایک پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں۔

شاید مدرسوں میں سب سے زیادہ قابل مذمت دستور حاکمیت کا ہے۔ اس خیال کے پیش نظر کہ مدرسہ کا کام جمہوری زندگی کے لیے تیار کرتا ہے ہم ادعائی حاکمیت کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتے۔ ادعائی حاکمیت سے آزادی کی حاجت پوری نہیں ہوتی اور نہ فرد کی بے شل امکانی اور تخلیقی قوتوں کی نشوونما کا موقع ملتا ہے۔ دنیا کی دوسری قوموں کو اس کا تجربہ بھی ہو چکا ہے

خوش قسمتی سے صورت حال امید افزا نظر آرہی ہے کیونکہ ان میں سے بہت سی قابل اعتراض باتوں کو مدرسہ کے اندر چیلنج کیا جارہا ہے۔ اساتذہ ایسے مطالعے اور تجربے کی بنیاد پر بہتر دستور رائج کرسکتے ہیں۔ روایات، اسکول بورڈ اور منتظمین پر الزام لگانے سے کوئی فائدہ نہیں اساتذہ کا فرض ہے کہ وہ والدین کے ساتھ بھی تعلیمی خدمت انجام دیں۔ ان کے شاگردوں کو اس سے بہت فائدہ ہوگا۔ جب تک ان کوتاہیوں کو دور نہیں کیا جاتا یا ان میں مناسب ترمیم نہیں کی جاتی اس وقت تک یہ قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ طالب علموں کی ذہنی صحت کی ترقی میں مدرسے نے اپنا پورا حق ادا کر دیا ہے۔

مطالعے اور مباحثے کی مشقیں

(۱) ریاست ہائے متحدہ میں جس پیمانے پر تعلیم عام ہوگئی ہے اس کا نصاب کی تنظیم پر کیا اثر ہوا ؟

(۲) کیا آپ ایسی مثالیں پیش کر سکتے ہیں جس میں مدرسے کے بے لوچ مطالبے کی وجہ سے بچے کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہوگئی ہو۔

(۳) پروگیسیو مدرسوں میں پڑھنے والے طالب علموں کی تعلیمی جانچ سے اگر پتہ چلے کہ وہ بہتر نہیں ہیں تو پھر بھی کیا پروگیسیو دستور کو حق بجانب قرار دیا جاسکتا ہے۔ ؟

(۴) تناؤ برداشت کرنے کا کوئی تصور مرتب کیجیے اور دوسرے افراد کے سامنے تنقید اور مشورے کے لیے اس کو پیش کیجیے۔

(۵) اس دعوے پر نکتہ چینی کیجیے کہ گریڈز زندگی کی حقیقی صورت حال سے مطابقت نہیں رکھتے۔

(۶) اس کی موافقت میں دلیلیں پیش کیجیے کہ گریڈ میں بھی داخلی عناصر کارفرما ہوتے ہیں۔

(۷) گریڈ اور نمبر دینے کے جو جدید طریقے آپ نے اپنائے ہیں ان کی پیائش قدر کیجیے

(۸) ترقی نہ دینے کا دستور کن حالات میں مناسب نہیں ہوتا۔ کیا آپ کے رفیق کار آپ سے اتفاق کرتے ہیں

(۹) ابتدائی مدرسوں کے بچوں کے لیے ہوم ورک کن حالات میں مفید ہوتا ہے۔ ہائی اسکول کے شاگردوں کے لیے کب مناسب ہوگا ؟

(۱۰) حاکمیت کو کم کرنے کے لیے کون کون سے مخصوص قدم اٹھائے جا سکتے ہیں۔

باب ۱۱

درجے کے اندر شخصیت کے مسائل

ایسے کرداروں کے سلسلے میں جنھیں شخصیت کے مسائل سے تعبیر کیا جاتا ہے، استاد جب کوئی معقول رد یہ اختیار کرتا ہے، تو اس میں کئی باتیں شامل ہوتی ہیں، پہلی بات تو یہ ذہن نشین کرنی ہے کہ کردار کا کوئی سبب ہوتا ہے، یعنی پسندیدہ فعل کی طرح ناپسندیدہ کردار کی بھی کوئی نہ کوئی وجہ یقیناً ہوتی ہے، اگر شاگرد کا کوئی کردار استاد کے لئے ناراضی گی کا باعث ہے، تو اس سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ مطابقت پیدا کرنے کی ایک کوشش ہے، وہ فطرتاً بُرا نہیں ہوتا، جیسا بعض اساتذہ سمجھتے ہیں، بلکہ اس کے بنیادی اسباب غدودی نفیاتی یا اعصابی نوعیت کے ہو سکتے ہیں، اور اس کے حالات کی ابتری کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوگا یسی صورت میں علاج کا مسئلہ ایک طبی مسئلہ ہے، مسائل عموماً ماحول کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، وہ مسائل جو عام طور پر مسلسل تناؤ، الجھن، محرومی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں ن کی شدّت کو ایک سمجھدار استاد کم کر سکتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قابلِ اعتراض جنھیں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش سے تعبیر کیا جاتا ہے (جس کو عام طور سے تحفظاتی میکانیہ کہتے ہیں) استاد کے لئے پریشانی کا باعث تو ہوتے ہیں، لیکن کبھی کبھی ان میں معقولیت کا بھی پہلو ہوتا ہے، مثال کے طور پر جارحیت، استاد کے لئے چاہے کتنی ہی آزردگی کا باعث ہو ایک امتیازی وصف ثابت ہو سکتی ہے، پھر یہ کہ جس حد تک اور جس شدّت سے کردار سرزد ہوتا ہے وہ بذاتِ خود کردار سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ دراصل دَورِ حاضر کے ماہرین نفسیات کسی مخصوص عمل کی شدّت کا جائزہ لینے میں دلچسپی نہیں رکھتے، بلکہ وہ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اس کا موجب کیا ہے، اور کردار کے دوسرے اور کون کون سے پہلو ہیں، مثال کے طور پر جھوٹ بولنے پر جب بچے کو کسی مشاہدہ بین کے پاس مشاہدہ کے لئے بھیجا جاتا ہے، تو وہاں جھوٹ بولنے پر اس کی مذمت نہیں کی جاتی، ہمیں جاننا ضروری

ہے کہ یہ جھوٹ کس نوعیت کا ہے، کیا اسے جھوٹ بولنے کا کوئی خاص انداز ہے، کیا وہ کردار کسی خاص معاملے سے (سماجی روابط) تعلق رکھتا ہے، کیا خوف، رتبے کی تمنا یا کسی ذاتی ملکیت کی آرزو اس کردار کے محرکات ہیں، کیا جھوٹ بولنے کے علاوہ کوئی ایسا ثبوت ہے، جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ اس میں مطابقت کی صلاحیت نہیں ہے گھر کا ماحول کیسا ہے، کیا اس میں کوئی جسمانی نقص ہے، مختصر یہ کہ جھوٹ بولنا کردار کا صرف ایک پہلو ہے، کل کردار نہیں، اس لئے جھوٹ سے کم اور اس کی شدت اور تکرار سے زیادہ سروکار ہونا چاہیئے :۔

تیسری بات یہ ہے کہ تحفظاتی کردار کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ دشواریوں کی علامت کا اظہار ہے، یا مطابقتی کوشش کا ایک پہلو، لہذا کردار کو بدلنے کے لئے اسباب کا تدارک ضروری ہے، جیسا کہ ذہنی حفظان صحت کے مباحث میں زور دیا گیا ہے کہ علامتوں کے بجائے، اسباب کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے، یہ استاد کے لئے ایک اہم مسئلہ ہے، اس کی دردسری کے باعث چونکہ فوری کردار ہوتا ہے، اس لئے اس کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ صرف میکانیہ کی اصلاح کرے، وہ اسباب کو ڈھونڈھنے کی کوشش نہیں کرتا، لیکن اچھی ذہنی صحت کا تقاضا ہے کہ اس کے اسباب دور کئے جائیں ۔

شخصیت کے نمائندہ مسائل

منفیت ا: منفیت کی تعریف یوں بیان کی جا سکتی ہے: کہ یہ ایک عبادت ہے، ایک رجحان ہے، اور ہدایت، اور التماس، یا ضوابط کے خلاف اپنی مرضی سے کام کرنے کا نام ہے، یہ اساتذہ کے کام میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے جماعت کے معمولات میں، انتشار پیدا ہو جاتا ہے؛ اس لئے عام طور پر یہ رجحان پایا جاتا ہے، کہ ان علامتوں کو اچانک، اور فوری طور پر دبا دیا جائے۔ وہ کردار جن سے اساتذہ کی شان میں گستاخی جھلکتی ہے، یا ان کے باضابطہ اختیارات چیلنج کیا جاتا ہے، چونکہ بہت جلد نظر آجاتے ہیں، اس لئے ان علامتوں کو دبانے کے رجحان میں شدت پیدا ہو جاتی ہے: ذہنی حفظان صحت کی رو سے منفیت بلوغت

کے عمل کا ایک پہلو ہے، تعلیمی کام کرنے والے اس کا اعتراف کرتے ہیں، کہ منفیت جائز آزادی حاصل کرنے کی ایک کوشش ہے۔ یہ اس بات کی بھی سعی ہو سکتی ہے کہ منفی شخص اپنی جدت پسندی کو کام میں لا رہا ہو جس کی وجہ سے معمولات کی پابندی کرنا اس کے لئے مشکل ہو گیا ہے، پھر یہ کہ منفیت ایک عارضی پہلو ہے، جوں ہی فرد کو تعمیل منفعت نظر آئے، اس کی منفیت ختم ہو سکتی، اور یہ بھی ہو سکتا کہ منفیت شدید دشواریں میں تبدیل ہو جائے، اس کی وجہ سے ناپسندیدہ عادتیں، اور منفی طرز عمل بھی پیدا ہو سکتا ہے، ہر منزل کے طالب علموں (اور اکثر بالغوں) نے نصیحت، ہدایت، اور مشورے کے خلاف مسلسل مزاحمت کی ہے، اور اساتذہ نے اس کا مقابلہ بھی کیا ہے، طالب علم اپنی ڈگر پر چلتا ہے، بظاہر اس کی وجہ کچھ اور نہیں، کہ اس کی یہی ڈگر ہے، اصل میں ان کے کردار کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے، ہو سکتا ہے، کہ یہ سبب ماضی بعید میں پوشیدہ ہو، اور موجودہ عدم تحفظ کے اثرات سے اس کا تعلق نہ ہو،

اساتذہ ذہنی صحت کو اس وقت بخوبی کام میں لا سکتے ہیں، جب وہ منفعت کے اسباب دریافت کر لیں، ہو سکتا ہے کہ یہ اسباب شاگردوں کی نظر میں نامعقول ہوں یہ بھی ممکن ہے کہ معمولات کی حد سے زیادہ پابندی کرائی جاتی ہو، گھر کے اندر ضبط کے معاملات میں سختی برتی جاتی ہو، اور کبھی یہ صورت حال بھی پیش آتی ہو، کہ جو کام سونپا گیا ہو، بچہ اس کے انجام دینے کے قابل ہی نہ ہو یا گھر پر جن مشاغل میں وہ مصروف ہے ان میں دخل اندازی کی جاتی ہو،

نرسری اسکول کے بچوں کے عمل سے اس نظریئے کو جانچا جا سکتا ہے کہ جس قدر بالغوں کی طرف سے دخل اندازی ہو گی، یقیناً اسی قدر کردار بھی منفی ہو گا، فریڈرک سن Fredericksen نے مسلسل معیار موافق آزمائشوں، اور مشاہدوں کے تحت منفیت کی پیمائش کی ہے، بچوں کے ایک گروپ (جو شکست خوردہ تھا) ایک ایسا تدریسی طریقہ آزمایا گیا جس سے شکست خوردگی میں کچھ افاقہ ہوا، اور دوسرے گروپ پہ جو آزاد تھا، ایسا طریقۂ تدریس اپنایا گیا جس سے شکست خوردگی کم ہو، اس پیمائش سے پتہ چلا کہ آزاد گروپ میں خاص طور سے بالغوں کے اندر منفیت کم تھی، اور پابند گروپ میں خاص طور سے بچوں کی منفیت میں اضافہ ہو گیا تھا، اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے

کہ کچھ مخصوص حالات میں منفیت پیدا ہوتی ہے، تو پھر یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ان حالات سے نبٹنے کے لئے جبر اور دھمکی کے بجائے مناسب اور موزوں طریقہ اختیار کیا جائے، کبھی کبھی منفیت کی علامتوں سے نبٹنا ضروری ہو جاتا ہے، پوری جماعت کی ذہنی صحت کے پیش نظر کبھی کسی ایک بچے کی طرف فیصلہ کن رویہ اختیار کرنا پڑتا ہے، اگر ایک بچہ جو تاریخ عالم میں کوئی مخصوص نقشہ بنانے سے اس لئے انکار کرتا ہے، کہ کتاب میں بہتر نقشے موجود ہیں، تو وہ دوسرے شاگردوں کے سامنے نہ صرف اس وقت بلکہ دوسرے موقعوں پر بھی غلط مثال قائم کرتا ہے، یا اس کے اس فعل کی وجہ سے مجموعی طور پر جماعت کے بہت سے ضروری کاموں میں رکاوٹ پیدا ہو سکتی ہے، تعمیل کا سبق دونوں طرح سے دینا چاہیئے کبھی خوش گوار تجربات کے ذریعے، اور کبھی عدم تعمیل کی بنا پر کسی رعاریت سے محروم کر کے" لیکن یہاں تفہیم کا مسئلہ بھی اہم ہے، شاید بچہ یہ نہیں سمجھتا کہ نقشہ بنانے کی وجہ سے جغرافیہ کی بہتر معلومات حاصل کرنے میں اس کو مدد ملے گی؛ اس طرح صبر اور سمجھ کے ذریعے منفیت پر قابو پایا جا سکتا ہے،، اور اس بات کی بڑی اہمیت ہے؛

دروغ گوئی دروغ گوئی کسے کہتے ہیں اس کا تعلق تعریف بیان کرنے والے کے اپنے ذہنی جھکاؤ سے ہے، کچھ لوگ کسی بھی جھوٹ کو دروغ گوئی سے تعبیر کر سکتے ہیں، دوسرے لوگ ایسے جھوٹ کو دروغ گوئی نہیں سمجھتے جس کا تعلق کسی دوسرے شخص یا معاملے سے نہ ہو، یا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے، کہ سچ بولنا جھوٹ بولنے کے مقابلے میں زیادہ مضر ثابت ہو سکتا ہے، دراصل بچوں کو جھوٹ نہ بولنے کی تعلیم دینا بہت پیچیدہ مسئلہ ہے، اور یہ ایک سماجی جھوٹ ہے، جو بہت وسیع پیمانے پر تسلیم کیا جا چکا ہے اگر معقول طور پر تربیت یافتہ شخص سے پوچھا جائے، کہ وہ دوسرے کی ہیٹ کیوں پسند کرتا ہے، تو ہو سکتا ہے، تو وہ یہ نہ کہے، اور بارہ برس کے بچّے کے لئے یہ ہیٹ بہت اچھی ہے، یا کسی اور شائستہ عنوان سے کوئی اور بات کہہ کر سچائی سے انحراف کر جائے،،

تاہم چونکہ سچائی پر کاربند ہونا، ایک مسلمہ اصول ہے، جس کو بچوں کے سامنے پیش کرنا بھی چاہیئے، اس لئے اساتذہ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے، کہ پیچیدگی میں الجھنے کے بجائے، وہ سچائی کی تعلیم دینے میں معاون ثابت ہوں، راست گوئی کا احترام

کرنا، سکھانے کی بہتر صورت یہ ہو سکتی ہے، کہ انھیں خود اپنے اعتبار اور خلوص پر فخر کرنا سکھایا جائے، اکثر ایسے اساتذہ، اور والدین ملتے ہیں، جو بچے کی ہر بات پر اعتساب کرنے لگتے ہیں، محض اس خیال سے کہ وہ دروغ گوئی سے کام لے رہا ہے، واقعہ تو یہ ہے کہ جھوٹ سے جو بہت کچھ منسوب کیا جا سکتا ہے، وہ سب کچھ بچے کے تخیل میں نہیں آ سکتا، بچوں کے جھوٹ بولنے سے اس بات کا بھی اظہار ہوتا ہے، کہ ان کے اندر ابھی مشاہدے میں آنے والی اشیاء کو معروضی طور پر سمجھنے اور ان کے درمیان امتیاز کرنے کی پختگی نہیں پیدا ہوئی، جھوٹ اس بات کا بھی ثبوت ہو سکتا ہے، کہ ترجمانی خام ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جھوٹ محض واہمہ اور تخیل کی بات ہو، اس لئے کہ بچے عموماً اپنے تخیل کو حقیقت سے میز نہیں کر پائے، در اصل بعض بالغ بھی گذشتہ اور متوقع واقعے کے اندر تفریق کرنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں، وہ یہ بھی نہیں کر پاتے، کہ جو کچھ انھوں نے پڑھا ہے، اور جو کچھ تجربہ کیا ہے، اس میں کوئی مماثلت پائی جاتی ہے، یا نہیں، بعض واقعات کے بارے میں انھیں یہ یقین نہیں ہوتا کہ وہ پیش آئے ہیں، یا انھوں نے کوئی خواب دیکھا ہے، یہ صورت حال اس وقت پیش آتی ہے جب کچھ وقت گذر چکا ہوتا ہے، اس طرح بچے نے جو کچھ کہا ہے اس کو جلد بازی میں جھوٹ سمجھ کر اس کی مذمت کرنے سے بچہ الجھن میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس کے بجائے بچے کی اس معاملے مدد کرنی چاہیئے کہ وہ اپنے تجربات کا تجزیہ کرے، تاکہ زیادہ صحت کے ساتھ اپنے تجربات کا ادراک کر سکے۔

بعض نوجوانوں کی یہ خصوصیت ہوتی ہے، کہ سچائی کو بیان کرنے میں مبالغے سے کام لیں، اور دوسروں کو متأثر کرنے، اور ان پر اپنا نقش بٹھانے کی خاطر شیخی بگھارنے، اور ہانکنے لگیں، بچوں کو کمی کا جس قدر احساس ہوگا، اسی قدر وہ شیخی بگھاریں گے، وہ بچے جو اپنی طرف توجہ مبذول نہیں کرا پاتے، یا وہ مناسب اثرات قائم کرنے میں ناکام رہتے ہیں، وہ اپنی ملکیت، اپنے آبا و اجداد، ان کے کارنامے یا ان کی قابلیت کے قصے بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں، بعض نوجوان اکثر شیخی بگھار اور ان کی یہ عادت اتنے دنوں تک باقی رہتی ہے، کہ وہ پکے دروغ گو بن جاتے ہیں اور جب دروغ گوئی مسلسل ہونے لگتی ہے، تو یہ اس بات کی علامت بن جاتی ہے

کہ وہ بچہ اپنا مقام چاہتا ہے، تحفظ کی تلاش میں ہے، یا کسی زیادہ تعمیری طریقے سے توجہ حاصل کرنے کا خواہاں ہے۔ ان میں سے بعض نوجوانوں کو یہ سیکھنے کی ضرورت ہے، کہ غلط قسم کے جوش و خروش سے پرہیز کریں، اور مناسب موقع پر صحیح جوش اور ولولہ پیدا کریں"۔

دروغ گوئی جب تحفظاتی میکانے کے طور پر کی جاتی ہے، تو اس کے ذریعے اس بات کی کوشش ہوتی ہے، کہ فرد پر عائد ہونے والے ان الزامات سے بچے، جو ناپسندیدگی کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن ایک ہوشیار استاد اپنے برتاؤں سے صرف اظہار ناپسندیدگی نہیں، بلکہ اس کے ماوراان بنیادی اسباب کو بھی تلاش کرے گا جو ذمے داریاں قبول کرنے میں مانع ہوتے ہیں، یہاں اسباب کو ایک دوسرے سے ممیز کرنے کی کوشش کی جائے گی، ان اسباب میں سے کچھ تو نا پختگی، اور کچھ محرومی کے حالات کا نتیجہ ہوتے ہیں، اور بغیر سوچے سمجھے کام کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، اس لئے ان عوامل کو دور کرنے سے جو متعلقہ حالات کے پیچھے کارفرما ہیں، دروغ گوئی کی ضرورت بھی رفع ہو جائے گی، لیکن کبھی کبھی بچوں اور بالغوں کو یہ سمجھانے کا بھی موقع مل جائے گا، کہ تحفظاتی میکانیہ کے کارفرما ہوتا ہے، مختصر یہ کہ اصلاح کردار صرف اسباب کو فوری طور پر دور کر دینے کا نتیجہ نہیں بلکہ، اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مقاصد کا تعین بہت صاف اور واضح طور پر کیا جائے۔

دروغ گوئی کی جو تشریح پہلے کی جا چکی ہے، وہ ذہنی حفظان صحت کے نقطۂ نظر کا اظہار ہے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ علامتوں کے تدارک کی کوشش فضول ہے، ہاں اسباب کے ڈھونڈنے میں افادیت ہے۔ اس لئے کہ اسباب بہت متنوع ہوتے ہیں، دروغ گوئی یا تحفظاتی میکانیے کے تدارک کا کوئی واحد طریقہ نہیں تجویز کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ اسباب متنوع ہوتے ہیں اور شخصیتوں میں بنیادی فرق ہوتا ہے۔

خواب بیداری یا خیالی پلاؤ نفسیات کے حالیہ ادب میں اس مراجعتی کردار کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جس کا اظہار خواب بیداری میں ہوتا ہے، اس کا مطالعہ بہت احتیاط کے ساتھ کرنا چاہیئے، خواب بیداری اس بات کی علامت

ہے کہ فرد اپنی روزانہ زندگی میں متعدد قسم کی محرومیوں سے دوچار ہے، اس کی وجہ سے وہ واہمے میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور اسی میں سکون محسوس کرنے لگتا ہے، جب محویت خیال میں زیادہ سکون ملنے لگتا ہے، تو محویت اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ فرد حقائق سے تمام روابط کھو بیٹھتا ہے، اور وہ ایک نفسی مریض بن جاتا ہے، استاد کو چاہیئے کہ کسی مخصوص صورت حال کا جائزہ لیتے وقت اس انتہائی کیفیت کو ملحوظ رکھے، انتہائی درجے کی خواب بیداری اس قدر قابل توجہ نہیں جس قدر اس کے اثرات مابعد محتاج توجہ ہیں؛

شاگردوں سے زیادہ توجہ طلب کرنا، شاگردوں پر طنز کرنا، ان کے کھوئے ہوئے رہنے پر توہین آمیز کلمات کہنا، یا جماعت میں پیش کی ہوئی باتوں پر متوجہ نہ ہونے کی صورت میں سزا دینا، یہ سب باتیں فرار کی ہی بدلی ہوئی صورتوں کا نتیجہ ہیں، خواب بیداری کی انتہائی کیفیت مختلف وجوہات سے پیدا ہوئی ہے کبھی کوئی شخص سماجی طور پر ناپسندیدہ ہوتا ہے ریہ ناپسندیدگی خیالی بھی ہو سکتی ہے) یا مدرسے کی تفویضات کو مکمل کرنے سے معذور رہتا ہے، کبھی مقابلوں میں ناکام ہوتا ہے اور کبھی اپنے والدین کے حالات کی وجہ سے سبکی محسوس کرتا ہے، بسا اوقات کسی ناخوشگوار یا نئی صورت حال سے وہ خائف رہتا ہے،، ان تمام صورتوں میں وہ خواب بیداری کی انتہائی کیفیت محسوس کرتا ہے، لہٰذا، ان اسباب کے مطالعے سے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ علامتوں کے تدارک کا طریقہ ترک کرنے میں افادیت ہے اور اسباب کو دریافت کرنا مفید ہے :

خواب بیداری کے بعض نمایاں افادی پہلو ہیں، بعض افراد اگر پہلے سے کسی کام کے بارے میں خیالی پلاؤ نہ پکائیں تو وہ بہتر کام انجام دیتے ہیں، لیکن خواب بیداری کی اس حد تک ہمت افزائی کرنا سودمند ہوتا ہے، جس حد تک خواب بیداری سے مقاصد کی وضاحت میں مدد ملی ہو، یہاں استاد کا کام یہ دیکھنا ہے کہ خواب بیداری کس حد تک عمل کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، اور کس حد تک خواب بیداری خود ایک مقصد بن جاتا ہے، ایک استاد نے ہائی اسکول کے ایک بچے کے بارے میں یہ مشاہدہ کیا، کہ وہ اکیلا ہی رہتا ہے، وہ کبھی کبھی کسی خیال

میں محو ہوتا ہے، اور کبھی کبھار کاموں میں بھی شرکت کر لیتا ہے۔ اس کے استاد کو اس کے مشاغل سے دلچسپی پیدا ہوئی، اس کو پتہ چلا کہ اس کے شوق کی ایک خاص نہج ہے، جیسے جنگلات کا انتظام جب بھی کوئی رپورٹ، کوئی مضمون، کوئی مسئلہ جنگلات کے انتظام یا تحفظ سے متعلق ہوتا، وہ بچہ بہت خوش نظر آتا۔ اس کے اس خیالی پلاؤ نے کہ وہ جنگلات کا افسر بن جائے گا۔ اس کے اسکول کے کام میں بھی تحریک پیدا کی، لیکن استاد نے یہ بات محسوس کی کہ خیالی پلاؤ کے سبب وہ بے تعلقی کا اظہار کرتا ہے۔ وہ یہ بھی خیالی پلاؤ پکایا کرتا تھا، کہ وہ بیس بال کا اچھا کھلاڑی بن جائے جہاں تک جسمانی ورزشوں کا تعلق تھا اس نے ہائی اسکول کی کسی بھی ورزش کے لئے آمادگی کا اظہار نہیں کیا۔ اس کی بصارت کا علاج دبیز شیشوں سے کیا گیا، اس کے پاس اتنا وقت بھی نہیں تھا کہ بیس بال کھیلے، اس لئے کہ اسے اخبار بھی بیچنا پڑتا تھا چنانچہ پتہ چلا کہ اس کا دوسرا خواب حقیقی نہیں تھا، یہ نہایت تعجب خیز بات ہے کہ وہ کبھی باقاعدہ طور پر بیس بال نہیں کھیلا پھر بھی اس کو یہ خیال رہا کہ وہ ایک اچھا بال پھینکنے والا بن سکتا ہے، یہ خیال اس لئے پیدا ہوا کہ ایک بار اس نے بال کو کافی دور تک اچھالا تھا۔ استاد نے سوالات کے ذریعے اس پر یہ بات واضح کر دی کہ اس کے خواب کتنے غیر حقیقی تھے، اور ساتھ ہی ساتھ اس بات کی اہمیت بھی سمجھائی کہ جنگلات سے اس کو کس قدر دلچسپی ہے، اور وہ جنگلات کے سلسلے میں کتنی لیاقت رکھتا ہے؛

خواب بیداری دوسرے تحفظاتی میکانیوں کی طرح شدت اور نتائج کے لحاظ سے قابل مذمت بھی ہے، اور قابل تعریف بھی کبھی کبھی کسی شدید واقعے سے عارضی طور پر رہائی پانے کی صورت میں خواب بیداری کی کیفیت طاری ہوتی ہے، جب یہ کیفیت تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد یا عارضی ہوتی ہے تو اس کو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ قابل قبول ہے، جب خواب بیداری عمل میں رہنمائی کرے تو اس وقت اس کو سراہنا چاہیئے، استاد کو اس شدید خواب بیداری پر تشویش ظاہر کرنی چاہیئے، جو خفیف سے رابطہ توڑ دے۔

تاویل ، اس کی تعریف یوں بیان کی جاسکتی ہے، کہ یہ وہ عمل ہے جس میں

کسی مکمل یا نامکمل فعل کا سبب غلط بتایا جائے، اور غلط بیانی سے کام لیا جائے اور فرد اپنے فعل کی ندامت محسوس کرے، اور اس لئے حیلہ تراشنے کی ضرورت پیش آئے، اس فراری میکانیہ کے بہت سے نام دیئے گئے ہیں (۱) پالی اناٹائپ Polly anna type وہ قسم ہے، جس میں ناخوش گوار صورت حال کو بے چون وچرا تسلیم کرلیا جاتا ہے، میرا پرنسپل بہت چڑچڑا ہے، اور اس کا عمل توہین آمیز ہے، لیکن میری آسودہ خاطری ختم ہونے کی ضرورت بھی تھی، وغیرہ وغیرہ، انگور کھٹے ہیں، اس میکانیئے کے تحت ایک شخص اپنے آپ کو سمجھاتا ہے، کہ جس بات کے لئے اس قدر جدوجہد کی گئی، وہ دراصل مطلوب تھی ہی نہیں، اس بات کے پیش نظر کہ وہ حاصل نہیں ہوسکی، دراصل میں کھیل میں حصہ نہیں لینا چاہتا تھا، اس لئے کہ میری پڑھائی کا نقصان ہوتا۔

(۲) تظلیل میں اس بات کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنی غلطیوں، کوتاہیوں، اور ناکامیوں کے لئے دوسروں پر الزام لگا کر خود کو بری الذمہ کرلیا جائے۔ میں نے اپنے نصاب کا پورا مطالعہ کیا، اور اس پر پورا درک حاصل کیا، لیکن جس قسم کا امتحان لیا جاتا ہے، اس میں اچھے نمبر حاصل کرنا کسی کے بس کی بات نہیں، اس لئے کہ جو سوالات پوچھے گئے تھے ان پر درجے کے اندر کبھی گفتگو ہی نہیں ہوئی۔

تاویل کا خطرہ تاویل کی معقولیت ہی میں مضمر ہے ذہنی اعمال اس قدر منطقی نظر آتے ہیں کہ اس کی وجہ سے نہ صرف سننے بیان کرنے والا بھی فوراً بے وقوف بن جاتا ہے یہی وہ نقطہ ہے جہاں پہنچ کر تاویل ذہنی صحت کے لئے خطرہ بن جاتی ہے، غلط استدلال کے سبب فرد ٹھوس مسائل کو حل کرنے کی جدوجہد سے بری ہوجاتا ہے، یہ بھی حقائق سے اسی قدر کنارہ کش ہونے کی کیفیت ہے، جس قدر خواب بیداری تاویل کے رجحان کو موڑنے میں اساتذہ مدد کرسکتے ہیں، اور اس صورت حال کا تدارک کرسکتے ہیں جس میں بچہ اپنے افعال کے لئے جواز کی ضرورت محسوس کرے، بچہ کیوں دیر سے آیا اس نے اپنی تفویض کیوں مکمل نہیں کی، اس نے کیوں حجت کی، یا اس نے میری پنسل کیوں لے لی، ان باتوں کے لئے جواب طلب کرنے سے عموماً بچہ ایسے جوابات

کے لئے مجبور ہو جاتا ہے، جن کو وہ خود بھی ایمانداری کے ساتھ اپنے کردار کا سبب نہیں سمجھتا۔ مطلب یہ ہے کہ جب بچہ کہتا ہے، مجھے خود نہیں معلوم کہ میں نے کیوں ایسا کیا، تو وہ عام طور پر پوری صداقت بیان کر دیتا ہے، وہ خود بھی اپنے محرکات سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے، اس سے جب بظاہر معقول جواب طلب کیا جاتا ہے تو وہ اپنے عمل کی تاویل پیش کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، اس نکتے کو جان، جے، بی، مارگن نے بہت برمحل پیش کیا ہے۔

بچوں کی باطنی زندگی میں تاویل کا عمل اتنی بار اور اتنے مؤثر طور پر ہوتا ہے کہ والدین اور اساتذہ آسانی سے اس کی شناخت کر سکتے ہیں، انھیں چاہیئے کہ کبھی بھی بچوں سے ان کے افعال کا سبب نہ دریافت کریں، بچے جو وجہ بتائیں گے، اس میں یقیناً غلط بیانی ہوگی، اس لئے بہتر یہ ہوگا کہ ان سے اس مسئلے پر بات ہی نہ کی جائے۔"

تاویل سے بچنے کے سلسلے میں ہائی اسکول کے طالب علموں کی اس طرح امداد کی جا سکتی ہے، کہ ان کے سامنے تاویل کے عمل کی پوری وضاحت کر دی جائے تاکہ وہ سمجھ لیں کہ تاویل شخصی ذمہ داری سے بچنے اور غلط بیانی کا عمل ہے اور اس کے پیچھے یہ احساس پوشیدہ ہے، کہ شخصی وسائل درکار ہیں، اس طرح وہ یہ بھی سیکھ سکتے ہیں، کہ میکانیت کے طور پر تاویل بہت عام ہے، اس لیے طالب علموں کو یہ نہیں سمجھنا چاہیئے، کہ اس میکانیت کے استعمال کی وجہ سے وہ خراب ذہنی صحت میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

تمثّل : اس میکانیت کی تعریف یوں بیان کی جا سکتی ہے، کہ یہ خود کو دوسروں کی حالت میں متصور کرنے کے رجحان کا نام ہے، دوسروں کی جیت کو اپنی جیت سمجھنا اور دوسروں کا دکھ اپنا دکھ تصوّر کرنا، یہ ایک ایسی میکانیت ہے، جو چھوٹی جماعتوں میں شاذونادر ہی نظر آتی ہے، لیکن ثانوی مدارس کے اندر کسی خصوصی گروپ کی رکنیت کی شکل میں اکثر اس کا اظہار ہوتا رہتا ہے یہاں وہ اپنی بے پناہ وفاداری کا اظہار کرتا ہے، جو نوبلوغیت کی ایک خصوصیت ہے، اس میں شک نہیں کہ اس طرح کے تمثّل سے کسی حد تک معقول تسکین بھی ہو

جاتی ہے، دوسروں کی تسکین اور دوسروں کی مایوسی میں شریک ہونا سماجی نشوونما کا ایک پسندیدہ پہلو ہے، تمثل اگر انتہائی شکل میں ہو تو خطرناک ہے۔ یہ بالکل ممکن ہے، اور یقیناً ایسا ہوتا بھی ہے کہ کوئی شخص تمثل سے اس حد تک مطمئن ہو جائے کہ انفرادی کوشش کی ضرورت ہی نہ محسوس کرے، چنانچہ کوئی لڑکی فخریہ طور پر محسوس کر سکتی ہے، کہ وہ اس ہوم روم کی ممبر ہے جس نے علمی اعزاز کو نہ صرف حاصل کیا، بلکہ قائم رکھا، دراں حالیکہ وہ کوتاہی کا باعث ہے، تفویضات اور دوسرے مشاغل میں اس کی کوتاہی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے ساتھیوں کو اس کے خراب ریکارڈ کی تلافی کرنے میں زیادہ جانفشانی سے کام لینا پڑتا ہے ایک لڑکا کسی فلم کے ہیرو سے تمثل پیدا کر لیتا ہے، اور اس صفت کی برتری کا مظاہرہ کرنے لگتا ہے، حالانکہ وہ خود شخصی اوصاف پیدا کرنے سے قاصر ہوتا ہے، اور سماجی خوبیوں کو بھی حاصل کرنے میں کوئی حصّہ نہیں لے پاتا۔

واضح علامتوں کا تدارک کافی نہیں، اگر استاد حقیقی طور پر مدد کرنا چاہے تو استاد کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ کمتری یا احساس کمتری کے بنیادی اسباب معلوم کر لے، اور ان پر قابو پانے میں طالب علم کی مدد کرے، اوپر کے پیراگراف میں جس لڑکی کا ذکر کیا گیا ہے اس میں ذمے داری قبول کرنے کی نااہلیت کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ اس کا تقابل ناموافق طور پر ہوا ہے، اور ان بھائیوں اور بہنوں سے ہوا ہے جو تعلیمی مشاغل میں اس سے برتر ہوں، ہو سکتا ہے، وہ محسوس کرتی ہو کہ تقابلی ریکارڈ سے بہتر یا کم سے کم برابر ریکارڈ حاصل کرنا فضول ہے، چنانچہ وہ خود کو اس حالت میں نہیں رکھنا چاہتی کہ بڑھ کر مقابلہ کرلے اور ہار جائے، اوپر جس لڑکے کی مثال دی گئی ہے، وہ شاید اپنے پست سماجی پس منظر پر ندامت محسوس کرتا ہے اور شخصی طور پر یہ یقین کرنے میں وہ امداد کا طلب گار ہے، کہ ان حالات میں اس نے جو کچھ کیا ہے، وہ اس کے لئے بہت اہم ہے

تمثل کی انتہائی شکل ان افراد میں نظر آتی ہے، جنھوں نے مفلوک الحالی میں اپنی زندگی گذاری ہو، اور شکست خوردگی کی حالت میں ان کے اندر یہ یقین پیدا ہو گیا ہو، کہ اب وہ خود کو، نپولین، جارج واشنگٹن، یا مسیح جیسے ہیرو سمجھنے

لگے ہوں۔

تلافی: جیسا کہ نام سے مفہوم نکلتا ہے، تلافی حصولِ تسکین یا الجھن کے تناؤ سے بچنے کا نام ہے، الجھن کے تناؤ سے بچنے کے لئے فرد یا تو زائد کوشش کرتا ہے، یا الجھن کے حلقے سے نکل کر دوسری طرف رجوع کرتا ہے، اس کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں (۱) بلاواسطہ جس کے تحت فرد مقاصد کے حصول کی کوشش کرتا ہے، اور اس کے ذریعے مایوسی اور کمزوری کے حلقے میں تسکین حاصل کرتا ہے (۲) بالواسطہ جس میں فرد میدان چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے، اور اس کے بدل مشغلے میں تسکین حاصل کرتا ہے، بلاواسطہ تلافی کی مثال اوسط ذہنی ملکہ رکھنے والے شاگردوں میں دیکھی جا سکتی ہے، جو اس لئے زیادہ پڑھتے ہیں اور ایمانداری کے ساتھ (شاید مجبوراً) زیادہ پڑھتے ہیں کہ انھیں مثالی طالب علموں کے مقابلے میں زیادہ بہتر گریڈ حاصل کرنے ہیں، چوتھی جماعت کا لڑکا تیسری جماعت میں روک لیا گیا تھا، اس نے اس حد تک پست ہمتی اور گھبراہٹ کا ثبوت دیا کہ اس کو وقتی طور پر چوتھی جماعت میں بھیج دیا گیا، اس نے چوتھی جماعت میں بہت مستعدی کے ساتھ کام کیا، وہ وقفے کے اندر بھی باہر نہیں نکلتا، اور سہ پہر میں اس کو گھر بھیجنا پڑتا تھا، لیکن اب بھی وہ چوتھی جماعت کا کام نہیں کر پارہا تھا، زائد کوشش اس وقت سراہی جائے گی جب کچھ نتیجہ برآمد ہو، اس مثال میں افسوس ناک بات یہ ہے کہ لڑکے پر اس طرح کا بوجھ ڈالا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معمول کے مطابق بچوں کے جو مشاغل ہو سکتے تھے، ان کو بھی اس نے نظر انداز کر دیا۔

بالواسطہ تلافی کا مفہوم ہے کہ دشواری کے رقبے میں تفاعل کو ختم کر دیا جائے اور کسی دوسری جگہ تسکین حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، اوسط درجہ کا طالب علم اس وقت بالواسطہ تلافی سے کام لیتا ہے، جب وہ مقصد کے طور پر کسی تعلیمی حصول کو خیرباد کر دیتا ہے اور اپنی قوت کو جسمانی جوانمردی یا سماجی کام کی رہنمائی میں صرف کرنے لگتا ہے، اوپر جو مثالیں پیش کی گئی ہیں ان کے پیش نظر تلافی میں یقیناً کچھ خوبیاں بھی ہوتی ہیں، دشواری اس بات میں ہے کہ اس کی اہمیت پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے، چنانچہ اس کا امکان ہے، اور عام طور سے دیکھا بھی گیا ہے

جب زائد سعی کے ذریعے کسی کو ممتاز طالب علم بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، تو اس کی متوازن نشو ونما رک جاتی ہے، آنکھوں پر زیادہ زور پڑنا اور سماجی تجربہ اور دلچسپی کی محدود نشو ونما اس بات کا نتیجہ ہو سکتی ہے کہ علمی تحصیل پر بہت زیادہ توجہ دی گئی ہے، اس طرح جو طالب علم پہلے سے ہی بوجھ تلے دبا ہوا ہے اس پر ذہنی صحت کے مسائل کا اور اضافہ کر دیا جاتا ہے، تاہم معقول نشو ونما کی راہ میں حائل ہوئے بغیر اگر مقصد حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، تو تلافی زیادہ مفید ثابت ہو سکتی ہے، بالواسطہ تلافی کے بھی کچھ مفید پہلو ہیں، اس کی وجہ سے مشاغل کی جستجو شروع ہوتی ہے، جو دوسری صورت میں نہیں ہو پاتی، احترازی حالات پر قابو پانے کے لئے زائد سعی کی تحریک ہوتی ہے، اس کی وجہ سے زائد تحصیل بھی ہو سکتی ہے، بالواسطہ تلافی میں سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ فرد تلافی کرنے والے مشاغل سے حقیقی تسکین نہیں حاصل کر پاتا، اس طرح اگر ایک طالب علم تعلیمی میدان میں امتیاز حاصل کرنے کی اہلیت نہیں پاتا، اور اس کی وجہ سے متفکر رہتا ہے، تو ذہنی صحت کے نقطۂ نظر سے اس بات میں بھی شبہ ہے کہ متبادل مشغلے سے اس کو تسکین حاصل ہو سکے، بالواسطہ تلافی کے نتیجے کے طور پر اگر بچہ ایمانداری کے ساتھ یہ کہنے کے قابل ہو سکے کہ تعلیمی تحصیل ہی دنیا میں سب کچھ ہے، ـــــ، تو ایسی صورت میں تلافی قابل قبول ہے،، دوسری طرف اگر ایمانداری کے ساتھ یہ کہا جائے کہ، اگر میں امتیازی فہرست میں شامل ہوتا تو مجھے تسکین ہوتی، تو ایسی صورت میں کردار کی مطابقتی افادیت مشکوک ہے،،

ہمیشہ ایسے رقبے دریافت کر لینا آسان نہیں جن کے بارے میں یہ کہا جا سکے کہ ان میں بلاواسطہ یا بالواسطہ تلافی مؤثر ہوگی، یہ بھی ہو سکتا ہے، کہ زائد مطالعے سے کوئی اعلیٰ تحصیل نہ ہو پائے، اور زائد فعلیت کا یہ بھی نتیجہ ہو سکتا ہے کہ تناؤ بڑھتا جائے، اور جمع ہوتا جائے، یا اگر طالب علم جسمانی ورزشوں میں زیادہ کامیابی نہ حاصل کر پائے، تو اس احساس کمتری میں جو تعلیمی میدان میں پیدا ہوئی تھی، اور شدت پیدا ہونے کا امکان ہے،

اوپر جو مثال پیش کی گئی ہے، اس میں کسی کلیئے کے طور پر تلافی نظر نہیں

آ تی ۔اس کا اظہار مردم آزادی میں ہوتا ہے، جو نا اہلیت کی تلافی کی ایک کوشش ہے، یہ احساس اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب فرد اپنی سماجی مقبولیت کا خواہش مند ہوتا ہے، جو اسے نصیب نہیں ہوئی، جب کپڑے میسّر نہیں آتے، اور ساتھیوں کے برابر خرچہ نہیں ملتا تو اس کی تلافی چوری کی شکل میں ہو سکتی ہے، اسی طرح اگر حسن اخلاق میں کمی نظر آئے تو اس کو صرف عادت سے نہیں تعبیر کرنا چاہیئے، بلکہ یہ اس بات کی بھی غماز ہو سکتی ہے کہ جماعت میں جو کچھ پڑھایا گیا ہے، اس کو سمجھنے سے وہ قاصر ہے، اسی طرح طنز کی عادت اس وجہ سے پیدا ہو سکتی ہے، کہ اس نے بجا یا بیجا طور پر محسوس کیا ہو کہ دوسرے لڑکوں کو مراعات حاصل ہیں، بلاشبہ تلافی کی یہ شکلیں پسندیدہ نہیں ہیں، اس کے برعکس بعض کرداروں سے مختلف قسم کے تناؤ کی تلافی کا اظہار ہوتا ہے، مثلاً کبھی طالب علم اپنے استاد کی مدد کرنے کے لئے اسکول کے بعد رک جاتا ہے، یا کبھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ انتہائی اخلاق کے ساتھ پیش آتا ہے۔ یا کبھی اپنا کام پوری لگن کے ساتھ کرتا ہے، یہ بات انوکھی ہو سکتی ہے، کہ ایک اچھے لڑکے کے لئے بھی کوئی دیرینہ تناؤ محرک ثابت ہو، لیکن جب تک دوسری علامتیں بھی ساتھ ہی ساتھ نہ ظاہر ہوں اس وقت تک تلافی کی ناپسندیدہ شکلوں کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیئے۔

استاد اپنے طلبا کی تین طرح سے مدد کر سکتا ہے (۱) استاد، ان مشاغل میں طلبا کی مدد کر سکتا ہے، جن میں پسندیدہ تلافی کے امکانات نظر آئیں، اس کے لئے طالب علم کی دلچسپی اور اس کی لیاقت کا علم ہونا ضروری ہے، طالب علم کے ریکارڈ اس کے شوق اس کے غیر ارادی مشاغل کے مشاہدے سے اور اس کے ساتھ بات چیت کر کے یہ علم حاصل کیا جا سکتا ہے (۲) استاد طالب کی اس طرح مدد کر سکتا ہے، کہ حالات کو معروضی طور پر پیش کرے مختلف میدانوں کے اندر تحصیل کی لیاقت میں جو فرق ہوتا ہے، اس کی وضاحت کرے، اور یہ سمجھائے کہ ہمارے سماج کی معنویت اسی انفرادی فرق میں مضمر ہے (۳) وہ میکانیت کے عمل کی تشریح کر سکتا ہے، اس طرح شاگردوں میں

اپنے عمل کی بصیرت پیدا ہو سکتی ہے، ایسی بصیرت جس کے تحت وہ خلوص کے ساتھ اپنی ذات اور اپنی شخصی حدود کو تسلیم کر سکے۔

انتقال جذبہ! یہ میکانیت بھی تلافی ہی کی طرح ہوتی ہے، سوائے اس کے کہ یہ زیادہ عارضی ہوتی ہے، بعض محرومی کے حالات میں جذبات جب محبوس ہو کر رہ جاتے ہیں، تو اس کے ذریعے اخراج ہو جاتا ہے۔

بوائلر کے اندر بھاپ بننے اور انسانی عضویات کے اندر جذبات پیدا ہونے کے عمل میں کافی مماثلت ہوتی ہے، دونوں صورتوں میں حفاظتی یا فراری وسیلے کی ضرورت ہوتی ہے، اگر بھاپ یا جذبات کا دباؤ بڑھ جائے یا اخراج کے راستے مسدود ہو جائیں، تو جذبات گھٹ کر رہ جاتے ہیں، اور اگر اخراج کے ذرائع نہ فراہم کئے جائیں تو جذبات کا بھڑک اٹھنا لازمی ہے، بعض دفعہ اتفاقی طور پر اخراج کا وسیلہ فراہم ہو جاتا ہے، جو فراری وسیلے کا کام کرتا ہے، آپ نے دیکھا ہوگا، کہ بھاپ کسی شگاف یا بوائلر کے زنگ آلود سوراخ سے باہر نکلتی رہتی ہے، اسی طرح بیویاں شوہر بچے، اور دوسرے پالتو جانور بھی منتقلی جذبات کے لئے حفاظتی وسیلے سے کام لیتے رہے ہیں،

جب کوئی بچہ اپنے سے چھوٹے ہم جماعت کا ہاتھ مروڑتا ہے، اور اس طرح اس کوفت سے نجات حاصل کرتا ہے، جو استاد کی سرزنش یا ادنی گریڈ حاصل ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، تو وہ اس موقع پر انتقال جذبہ کو ہی استعمال کرتا ہے، وہ اپنے استاد سے تو خائف ہوتا ہے، لیکن دوسرے شخص پر حملہ آور ہو کر اپنے جذبات کا اخراج کرتا ہے، اس کا امکان ہے کہ اسکول کے ڈیسک پر جو بری طرح کندہ کاری ہوتی ہے، وہ بھی محض آمرانہ ضبط کے خلاف اپنی نفرت کا اظہار ہو، اساتذہ کے بارے میں دیواروں پر یا کتابوں میں جو نازیبا کلمات لکھے ہوئے ہیں، وہ بھی ان جذبات کے اخراج کی ہی صورت ہوتی ہے جو ناکامیابی یا پابندی کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں،،

ان علامتوں کے تدارک کا عام طور پر یہ طریقہ اپنایا جاتا ہے کہ ضبط کو زیادہ سخت بنا دیا جائے، مراعات سے محروم کر دیا جائے، اور نمبر گھٹا دیئے جائیں

لیکن اس کی وجہ سے صورت حال اور بگڑ جاتی ہے، اس طرح ظاہری طور پر تعمیل تو ضروری کرالی جاتی ہے، لیکن یہ تعمیل بہت عارضی ہوسکتی ہے، اور آخر میں اس کے نتائج زیادہ تباہ کن اور بدنامی کا باعث ہوسکتے ہیں، اس طرح کے احتمالی نتیجے کی وجہ سے بعض نفسی معالج، والدین اور معلمین کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ انتقال جذبہ کو نظر انداز کر جائیں، اور کردار کا سبب تلاش کرنے کی کوشش کریں، اس طرح جب چھوٹا بچہ اپنی ماں کو ٹھوکر مارتا ہے، تو والدین کو اس حد تک سختی نہیں برتنی چاہیئے کہ وہ دوبارہ ایسی حرکت نہ کرے بلکہ اس کو نظر انداز کر دینا چاہیئے اور اس کو اس وقت تک ہٹا دینا چاہیئے، جب تک کہ اس کے دل کا بخار نہ نکل جائے اور اس دوران اس کی ناراضگی کا بنیادی سبب دریافت کرنے کی کوشش کی جائے جب استانی نے ایک ہائی اسکول کے طالب علم کو اس کا پرچہ اس ریمارک کے ساتھ واپس کیا، کہ یہ اس کے اوسط معیار کے مطابق نہیں ہے، تو طالب علم نے تیز آواز میں اور دیدہ دلیری کے ساتھ استانی سے بات کی استانی نے اس کا گلا دبانے کے بجائے اس پر ایک افسردہ نظر ڈالی، اور کہا، کیوں جان! تم اتنے شریف ہوکر یہ بات کہتے ہو، باوجودیکہ اس سے معافی نہیں طلب کی گئی، پھر بھی چونکہ وہ واقعی شریف تھا، اس لئے بغیر کہے ہوئے اس نے اظہار افسوس کیا، اور استانی کو یقین دلایا کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں ہوگی، استانی نے اس طالب علم میں انتقال جذبہ کی میکانیت کا ردیہ محسوس کرلیا تھا، اور ایک سرسری علامت سمجھ کر اس کا تدارک کیا۔

انتقال جذبہ ایک تعمیری مقصد کے لئے استعمال ہوسکتا ہے، اور آرٹ کے علاج (تیرہویں اور پندرہویں باب میں جس کا ذکر کیا گیا ہے)، سے اس کو بامقصد بنایا جاسکتا ہے یعنی بچہ اگر ایسی ڈرائنگ بنائے جس میں ایک بچہ کسی آدمی کو ٹھوکر مار رہا ہو، تو اس کے ذریعے بھی کسی حد تک اخراج جذبہ کی وہ کیفیت پیدا ہوسکتی ہے، جو واقعی ٹھوکر مارنے سے پیدا ہوتی ہے، لیکن اگر کوئی بالغ اس سے متعارف نہ ہوا اور اس قسم کی ڈرائنگ کو اخلاقی پہلو سے دیکھنے لگے تو اس طریقہ علاج کی افادیت ختم ہوجاتی ہے، ایسا بچہ جس سے دوسرے بچے نفرت کرتے

ہوں، اگر دوران کھیل میں بیمار پڑ جائے، یا شدید طور پر زخمی ہو جائے تو انتقال جذبہ کی ایک کیفیت پیدا ہو سکتی ہے۔

چونکہ انتقال جذبہ کی میکانیت مختلف حالات میں مختلف طرح سے استعمال کی جاتی ہے، اس لئے اس کا کوئی مخصوص مداوا نہیں تجویز کیا جا سکتا، یہ ایسی کیفیت ہے جس میں ایسا شخص بھی جو مطابقت پذیر رہا ہو، عارضی طور پر مبتلا ہو سکتا ہے، پھر بھی اس کی دو تعمیمیں ہو سکتی ہیں (۱) اساتذہ کو میکانیت کی نوعیت پہچاننی چاہیئے تاکہ اس بات پر وہ اپنے ردِ عمل کا اظہار کر سکیں جس سے وہ میکانیت منسوب ہے (۲) محرومی اور فراہمی کے ان حالات سے چوکس رہنا چاہیئے، جن میں یہ میکانیت استعمال ہو سکتی ہے، بیشک یہ بہت مشکل امر ہے کیونکہ اس میں کئی باتیں شامل ہوتی ہیں، جیسے ایک ایسا نصاب مدرسہ جس میں انفرادی فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے، مطابقت پذیری کا امکان ہو، باہمی اشتراک اور تفہیم کا ایسا ماحول جو مدرسہ پر جاری وساری ہو، ایسے اساتذہ جو بچوں کو سمجھتے ہوں اور انھیں پسند بھی کرتے ہوں، اور ان مشاغل کی فراہمی جن سے منفی جذبات کی رہائی ہو سکتی ہو۔

اشعاع: یہ فراری میکانیت یا اس سے بہتر لفظا اخراجی میکانیت ہے جس کو کثیر انتقال جذبہ کہا جا سکتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اشعاع میں تناؤ کے اخراج کی مختلف صورتوں کی طرف اشارہ ملتا ہے، اس میں کسی ایک شے یا حالت کے ذریعہ اخراج نہیں ہوتا، اس طرح کا اخراج بچوں اور بڑوں دونوں میں ہوتا ہے۔ ایسا شخص جو ہر فرد اور ہر شے پر ضرب لگاتا ہے، وہ اپنی محرومی کے باعث اشعاع میں مبتلا ہوتا ہے، وہ بچہ جو اپنے استاد کی نافرمانی کرتا ہے، دوسرے بچوں کو ٹھوکر مارتا ہے، اپنے ساتھی کھلاڑیوں سے لڑتا جھگڑتا ہے، کیفیٹیریا کی لائن میں کھڑے ہونے والوں سے دھکم دھکا کرتا ہے، اور جہاں بھی ہو عام طور پر گڑبڑ کرتا ہے، وہ اسی میکانیت کی مثال پیش کرتا ہے، جس کو عام طور پر تندمزاجی سے تعبیر کیا جاتا ہے، شاید اسی کو اشعاع کہتے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ یہ کیفیت عارضی ہوتی ہے، تناؤ کی کیفیت سے بحال ہونے کی نااہلیت

کا نتیجہ اشعاع ہے، اور اس کا الزام فرد کی جسمانی حالت پر عائد ہوتا ہے، اس لئے جب اس عمل کی وضاحت کی جائے تو اس کے اندر ان باتوں کی چھان بین شامل ہوتی ہے، جیسے غذا، نیند، عارضی چھوت، نزلہ، آشوب چشم، پھوڑا، پھنسی وغیرہ اور زائد تفاعل جو تھکان کا باعث ہو، محرومی کا سبب بن جاتی ہے ناکامی عدم مقبولیت، استبدادی نظم جماعت اور مرضی کے خلاف مشاغل کو تھوپنا عاجلانہ عوامل کا کام کرتے ہیں، پس اگر بہت سے طالب علموں میں یہ میکانیت نظر آئے، تو جماعت کے پورے ماحول کی چھان بین کی ضرورت ہے یہ تعمیم مدرسے کی ہر منزل واسطہ رکھتی ہیں۔

علاحدگی پسندی: علاحدگی پسندی سے اس رجحان کی طرف اشارہ ملتا ہے، جس کے تحت فرد دوسروں کے ساتھ رابطہ پیدا کرنے سے پرہیز کرتا ہے شرمیلا پن دکھاتا ہے خوش خوانی میں پس و پیش کرتا ہے، اپنے آپ سے کھیلتا اور پڑھتا ہے، اور عام طور سے گرگِ تنہا ''کا کردار ادا کرتا ہے، ان سب کرداروں سے علاحدگی پسندی کی میکانیت کا اظہار ہوتا ہے، اگر کسی شخص میں مطابقت کی اہلیت کا فقدان ہو تو ماہرین نفسیات اور معالجین نفسی اس کو شدید علامت تصوّر کرتے ہیں، اور ان اساتذہ کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے، جو اس علامت کو تشویشناک سمجھنے لگے ہیں، لیکن ای۔ کے وِک مین، پال، ایل، بوائنٹس، اور بی، ایچ میگرانے ۱۹۲۸ء اور ۱۹۲۴ء میں اپنے مطالعے کی بنیاد پر دریافت کیا، کہ لگ بھگ ایک دہائی پہلے اساتذہ کو ان کرداروں کی زیادہ فکر ہوتی تھی جو جماعت کے معمولات کو درہم برہم کرنے کی طرف مائل ہوتے تھے۔

کھانا پھوسی، عدم توجہی، نافرمانی اور دروغ گوئی جیسے کرداروں کی طرف زیادہ توجہ دینا اساتذہ کے لئے قدرتی امر ہے، کیونکہ اس طرح کا اظہارات خود ان کے منصوبوں میں دخل اندازی کا باعث ہوتا ہے، اور ایسا لگتا ہے کہ ان کے کرداروں کے ذریعے ان کے شخصی وقار کو چیلنج کر دیا گیا ہو، ان کے موقف کی تاویل اس طرح بھی کی جا سکتی ہے، کہ وہ مجموعی شکل میں جماعت کے

مفاد کو ملحوظ رکھتے ہیں، تاہم اگر ذہنی حفظانِ صحت کے نظریئے کو پیش نظر رکھا جائے، تو انتشار پیدا کرنے والے اس طرح کے ظاہری کردار علیحدگی پسند کرداروں کے مقابلے میں کم سنگین سمجھے جائیں گے، آخر الذکر افعال کے نسبتاً زیادہ سنگین ہونے کے دو اسباب ہیں (۱) صریحی کرداروں سے چاہے گمراہ شدہ، ہی کیوں نہ ہوں، تناؤ دُور ہو جاتا ہے، جب کہ علیحدگی پسند کردار میں بنیادی تناؤ ناراضگی کا باعث بنا رہتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے، کہ شخصیت میں مکمل طور پر کجی پیدا ہو جائے، اور بعد میں مطابقت کا کم امکان باقی رہ جائے، جس کے نتیجے کے طور پر کسی نمایاں مجرمانہ فعل کی شکل میں تناؤ نکاسی کا راستہ ڈھونڈھ لے (۲) استاد پر ہنگامی اثر ڈالنے کے باوجود صریحی کردار میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش ہوتی ہے، فرد اپنی محرومیوں کے خلاف ایک قسم کی جنگ لڑ رہا ہوتا ہے، جب تک وہ جنگ لڑتا رہے گا، اس کا امکان ہے کہ وہ اپنے مسائل کا حل ڈھونڈھ لے خاص طور سے اگر اس کو اپنے والدین اور اساتذہ کی قابل فہم رہنمائی حاصل ہوتی رہے، دوسری طرف علیحدگی سے شکست کا احساس پیدا ہوتا ہے، اور مطابقت پیدا کرنے کی کوئی صریحی کوشش نہیں نظر آتی، چنانچہ ان حالات میں جب استاد مدد پر آمادہ ہو تو اس کو صرف کردار کی رہنمائی نہیں کرنی چاہیئے، بلکہ چند مشغلے بھی ضرور فراہم کر دینے چاہئیں، اس کے دوہرے فرائض ہیں، ایک طرف تو جمود کو توڑنا ہے، دوسری طرف جب شوق پیدا ہو جائے تو مشغلے میں اس کی رہنمائی بھی کرتی ہے:

یہاں تنبیہ کے طور پر بھی کچھ کہنا ہے، جس طرح ہم دروغ گوئی، چوری، غصہ، تاویل کو کسی گہری عدم مطابقت کی علامت نہیں گردانتے، اسی طرح ہم کو ہر خاموش فرد کو علیحدگی پسندی کا مریض نہیں سمجھنا چاہیئے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سماجیت کے میلانات میں مدارج کا فرق ہے، شاید کچھ میلانات جسمانی ورثے کے طور پر کارفرما ہوتے ہیں۔ یہ نظریہ ماننے کے بعد بھی سماجیت کلیتاً اکتسابی ہوتی ہے یہ تسلیم کر لینا چاہیئے، کہ مدرسے کی عمر میں پہنچنے کے بعد بہت سے بچوں کے تجربات میں خاصا فرق پیدا ہو جائے گا، ای، کرشمر نے دعویٰ کیا ہے کہ بعض شخصیتی انواع

کا انحصار جسمانی ساخت پر ہوتا ہے، کارل ینگ نے شخصیت کو دروں بین، اور بروں بین کی نوع میں تقسیم کیا ہے؛

ڈبلو، ایچ شیلڈن نے اشارہ کیا ہے کہ بعض سماجی خصوصیات (اور دوسری شخصی خصوصیات) جسم کی ساخت سے تعلق رکھتی ہیں، یعنی بھاری اور دوہرے بدن کے مقابلے ایک دبلے پتلے آدمی میں ملنساری کا زیادہ رجحان ہوتا ہے، باوجودیکہ ان کے نظریات کو قبول عام حاصل نہیں ہوا، پھر اس نظریئے پر سنجیدگی کے ساتھ غور وفکر کرنا چاہیئے کہ بنیادی شخصیتوں میں فرق ہوتا ہے، اور اس کے اندر سماجیت کا بھی میلان شامل ہے؛

یہ مناسب بات ہے کہ فرد کی سماجیت پر زیادہ زور دیا گیا ہے، لیکن اگر اس کی ترجمانی اس طرح کی جائے، کہ تمام بچے دوستانہ تعلقات رکھیں، اور اپنے بڑوں میں کردار کا اظہار کریں، تو ان کے ساتھ بے انصافی ہو سکتی ہے، رہبرانہ منصب رفاقت، خوش خوانی، اور اس طرح کے دوسرے کاموں کے لئے بچوں کو مجبور کرنے سے انتشار کا رُخ پھیرا نہیں جا سکتا، بلکہ یہ مزید انتشار کا باعث ہو سکتا ہے، شرمیلے، اور اکیلے رہنے والے بچے بھی بہت زیادہ بروں میں بچوں کی طرح خوش وخرم رہ سکتے ہیں، آر۔ ڈی کی ایک عمدہ مثال ہے، جس نے ایک بچے کی حیثیت سے ابتدائی اور ہائی اسکول میں بہت نمایاں کام کئے، لیکن اس نے پڑھائی کیمسٹری کے تجربوں، اور دوسرے منصوبوں پر جو وقتاً فوقتاً شروع کردیئے گئے تھے، زیادہ وقت صرف کیا، کبھی کبھی وہ بیس بال کھیلتا، اور اچھا کھیلتا، لیکن اس میں وہ دلولہ نہیں ہوتا، جو اوسط نوجوان میں نظر آتا کالج میں اس کے کچھ دوست بھی بن گئے، اور وہ وقفے میں کبھی کبھی ان کے ساتھ باہر چلا جاتا لیکن شاذونادر ہی وہ کسی جشنے میں شامل ہوتا، جب تک وہ فوج میں رہا وہ فوجیوں کی فضول نشستوں کی جانب کبھی راغب نہیں ہوا، وہ یا تو پڑھنا پسند کرتا یا معمّر آدمیوں کے ساتھ سنجیدہ گفتگو میں مصروف رہتا، فوج سے سبکدوش ہونے کے بعد اس نے شادی کی، پھر معلمی کا پیشہ اختیار کیا، اور اب اس کی زندگی میں خور، مطابقت پائی جاتی ہے، اور بظاہر وہ ایک مسرور زندگی گذار رہا ہے

مدرسے کے دنوں میں کسی بھی وقت ممکن ہو سکتا تھا کہ ایک فرد تنہا کی حیثیت سے اس کی شناخت کی جا سکے۔ اس سلسلے میں ایک خاص بات یہ تھی کہ کسی اور معاملے میں اس کی مطابقت میں دشواری کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ پس جب ہم کسی ایسے فرد سے سروکار رکھیں جس نے علیحدگی اختیار کر لی ہو، تو اس کو مجموعی کردار کی روشنی میں دیکھنا چاہیئے، اور یہ احتیاط برتنی چاہیئے کہ اس کی تشخیص صرف انھیں علامات کی بنیاد پر نہ کر دی جائے جن سے علیحدگی کا اظہار ہوتا ہو:

تظلیل :- اپنی لاج رکھنے کا ایک عام طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص ناکام ہو جاتا ہے، جب اس سے کوئی غلطی سرزد ہوتی ہے، یا کسی کام کی تکمیل میں کمی رہ جاتی ہے تو وہ بجائے اس کے کہ اپنی غلطی کی ذمے داری قبول کر لے، اپنی کوتاہیوں کا الزام دوسرے شخص یا دوسری کسی شے پر ڈال دیتا ہے، وہ اپنی کوتاہی کا اظلال دوسرے شخص یا حالات پر کرنے لگتا ہے، اس فرسودہ فقرے کا اطلاق "ناچ نہ آوے آنگن ٹیڑھا"، عام طور سے تظلیل پر ہوتا ہے، کم و بیش تمام عمر کے لوگ اس میکانیت کو استعمال کرتے ہیں، یہاں تک کہ بہت چھوٹے بچوں کو جب میز سے چوٹ لگ جاتی ہے تو ان سے کہا جاتا ہے، میز بہت خراب ہے، اس کو مار دو، سوائے اس کے کہ غصہ اور مایوسی دور ہو جائے، اس کا کوئی بھی تعمیری مقصد نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بہتر ہو گا کہ اپنے احساسات پر کنٹرول رکھا جائے، اور راستے کی دشواریوں پر قابو پانے کی کوشش کی جائے یا کم سے کم یہ عادت پیدا کر دی جائے کہ لوگ اپنی کوتاہیوں کو حقیقت کے طور پر تسلیم کرنے لگیں،

دی جیمس، لینج نظریے The James - Lange Theory میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جذبات جسمانی فعالیت کا نتیجہ ہیں، اور جسمانی فعالیت حالات کے سبب پیدا ہوتی ہے، عام طور سے جذبات کے پیدا ہونے کی ذمہ داری حالات پر ہی ڈالی جاتی ہے، اس نظریے میں اور فہم عام نظریے میں تضاد ہے، جس کے مطابق یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ جذبات حالات کی پیداوار ہیں، یعنی فہم عام کے مطابق جب آپ بھالو دیکھیں گے تو ڈر جائیں گے، اور بھاگیں گے

لیلن جیمس، لینج نظریئے کے مطابق واقعات کا سلسلہ یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ ایک بھالو نظر آیا، پھر بھاگے اور خوف زدہ ہوئے، گو اس نظریئے میں ان سب باتوں کی تشریح نہیں کی گئی ہے، جن کو ہم جذبات سے منسوب کرتے ہیں، لیکن پھر بھی اس میں اتنی صداقت ضرور معلوم ہوتی ہے، کہ احساسات کے اظہار کے مواقع فراہم کرنے سے جذبات پیدا ہوتے ہیں، اگر کسی شخص کی توہین کی جائے، اور جوشس میں آکر فوراً ترکی بہ ترکی جواب دے تو اس کی وجہ سے اس کا غصہ اور بڑھتا ہے، اور اگر وہ مسکرا کر یہ کہے، آپ کو غلط فہمی ہوئی تو احساس میں شدت نہیں پیدا ہوتی۔

جیمس لینج نظریئے کی روشنی میں جب تظلیل کا جائزہ لیا جاتا ہے، تو پتہ چلتا ہے کہ تظلیل ایک مطابقتی میکانیت ہے، چاہے ہم اس بات کو تسلیم نہ کریں کہ اظہار سے جذبات پیدا ہوتے ہیں، پھر بھی اگر تظلیل کا اظہار جسمانی، یا زبانی طور پر ہو جائے، تو جذبات بہت زیادہ برانگیختہ ہو جاتے ہیں، دوسری طرف اگر جذبات کو برانگیختہ ہونے کا موقع نہ دیا جائے تو اس بات کا امکان ہے کہ حالات کو بہتر بنانے کے لئے کچھ تعمیری اقدامات کئے جا سکیں، اسی طرح ایک طالب علم جو کھیل میں وہ مقام حاصل نہیں کر پاتا جس کا وہ خواہش مند ہے تو اپنے استاد کو اس کا ذمہ دار ٹھہرانے کے بجائے وہ اس بات کو موردِ الزام ٹھہرا سکتا ہے، کہ اس نے پچھلے دنوں کھیل میں غفلت برتی اور اپنی ذمے داریاں نہیں نبھائیں، اس طرح اس کے سر الزام تھوپ کر اس کے طور طریق کو سدھارنے کا منصوبہ بنایا جا سکتا ہے، بچے کو یہ بتایا جا سکتا ہے کہ اگر اس کا پرچہ گندا ہے، تو قلم کو موردِ الزام نہ ٹھہرائے، بلکہ معروضی طور پر حالات کا جائزہ لے اس نے دراصل کام اس وقت شروع کیا جب کام سر پر آگیا اس لئے تاخیری عمل کی وجہ سے کام میں عجلت ہوئی، اب اس بات کا موقع ہے کہ وہ اپنے کردار کو سدھارنے کی کوشش کرے۔

تظلیل کے استعمال سے بچنے کے سلسلے میں بچوں کی امداد کی جو کوشش ہوتی ہیں، ان میں مندرجہ ذیل اقدامات شامل ہیں، بچوں کے سامنے بالغوں

کی ایک عمدہ مثال پیش کرنی چاہیئے، خاص طور سے اپنی شخصی کوتاہی کے لیئے بے جان اشیاء کو الزام نہ دیا جائے، کسی کام کو معقول طریقہ سے انجام نہ دینے کا جواز تظلیل کی صورت میں نہ ڈھونڈا جائے، اور اونچی جماعت اور ہائی اسکول کے طالب علموں کو اس میکانیت کا عمل سمجھا دیا جائے، کام کے دوران کس قسم کی ذمّے داریاں سنبھالنے کی ضرورت پیش آتی ہیں، اس کو نمونے کے طور پر پیش کرکے اس کی وضاحت کردینی چاہیئے، اور آخر میں طلبا کے اندر ایسی مہارت پیدا کردینی چاہیئے جس کی مدد سے وہ تظلیل کی حاجت کا تدارک کرسکیں،،

اس بات کو ذہن نشین کرنا چاہیئے کہ تظلیل بنیادی طور پر جذباتی ناپختگی کی علامت ہے، اس لئے اسکول کی عمر کے بچوں کے لئے یہ بہت ہی نارمل حالت ہے، تاہم بچپن میں جو عادتیں پیدا ہوجاتی ہیں، ان پر بعد کی عمر میں مشکل سے ہی قابو پایا جاسکتا ہے، تظلیل کو عمل کا عارضی پہلو تصور کرنا چاہیئے، جس حد تک اس میکانیت سے بالغوں کا پیچھا نہیں چھوٹتا، اس حد تک ان میں جذباتی ناپختگی باقی رہتی ہے، جتنی جلدی تظلیل کی مہملیت کو ذہن نشین کرلیا جائے، اور یہ سمجھ لیا جائے، کہ تظلیل سے ناراضگی اور غصّہ پیدا ہوتا ہے، اسی قدر پختگی کی بنیاد پڑنے میں مدد ملے گی، اسی پختگی کا قیام حفظانِ صحت کا مقصد ہے:-

حیلہ بیماری:- اس میکانیت کے تحت کسی بھی ناخوش گوار صورت حال سے بچنے کے لئے کوئی بیماری گڑھ لی جاتی ہے، اس میکانیت کی مثبت افادیت بہت کم ہے، اس کے اندر جارحیت کی ان خصوصیات کا فقدان ہوتا ہے، جو دروغ گوئی، منفیت، تلافی، انتقالِ جذبہ اور اشعاع کے کرداروں میں نظر آتی ہیں، حیلہ بیماری نمایاں طور پر ایک قسم کی مراجعت ہے، اس لئے علیحدگی پسندی کی طرح اس کی بھی مذمت کرنی چاہیئے، حیلہ بیماری کو رد کرنے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ نفسی جسمانی خلل پیدا کرنے میں معاون ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ایک فرد جب بیمار بن جاتا ہے تو دراصل وہ بیماری کے منفی ایما سے متاثر ہوتا ہے، اور اس کی دماغی ردِ

میں بیماری کا خیال طاری رہتا ہے، یہ خیال اگر غالب نہیں ہوتا، تو کم سے کم دماغی رَو میں موجود ضرور، رہتا ہے، نتیجے کے طور پر وہ مبالغہ آمیزی کی طرف مائل ہوتا ہے اور اگر وہ ہلکا سا درد یا ذرا بھی ٹیس محسوس کرتا ہے، تو اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اس میں یہ مزید خطرہ بھی لاحق ہو سکتا ہے، کہ اس کا ضمیر ملامت کرے، اس لئے اب اس صورت حال سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں، سوائے اس کے کہ وہ خود کو واقعی بیمار سمجھنے لگے۔

والدین نیک نیتی کے ساتھ بچوں کی صحت کے معاملے میں بیجا تشویش کا اظہار کر کے حیلہ بیماری کی تحریک پیدا کر سکتے ہیں۔ ان کے لئے یہ بہت ہی معقول بات ہے کہ بچوں کی صحت کا خیال رکھیں، اور معمولی سی علالت میں بھی انھیں بستر پر لٹا دیں، معمولی علالت کے باوجود وہ اس بات کا اطمینان کر لینا چاہتے ہیں، کہ معمول کے مشاغل میں ان کی شرکت بتدریج ہو، لیکن اسی کے ساتھ یہ احتیاط بھی برتنی چاہیئے کہ بیمار بچوں پر بیجا توجہ نہ دی جائے، کیونکہ بیجا توجہ سے ان کی علالت خوشگوار بن جائے گی، اگر اس کو ضرورت زیادہ پڑھ کر سنایا گیا اگر خاندان کے لوگ اس کی دلجوئی کریں کھانے پینے میں اس کے نخرے برداشت کرنے لگیں، اور اس کی بہت زیادہ خدمت کی جانے لگے تو آسانی سے وہ محسوس کر سکتا ہے، کہ علالت سے کافی فوائد حاصل ہوتے ہیں، وہ جلد ہی سیکھ لیتا ہے کہ بیمار بن کر وہ مرکز توجہ بن سکتا ہے، وہ بیماری گڑھ بھی سکتا ہے، تا کہ اس کے ساتھ ایک اہم آدمی کا سا سلوک ہوتا رہے، گھر میں یہ ترکیب سیکھنے کے بعد وہ اسکول میں بھی اس کو آزمانے لگتا ہے، اگر وہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جاتا ہے، تو یوں سمجھیئے کہ اس نے ایسی ترکیب سیکھ لی ہے جس سے اس کو انجام کار نقصان ہوگا:

استاد قابل رشک حیثیت میں نہیں ہوتا ہے، اس کو اس معاملے میں محتاط رہنا چاہیئے، کہ اگر بچہ جسمانی طور پر کسی کام کے لئے موزوں نہیں ہے تو وہ بچے پر دباؤ نہ ڈالے، لیکن اس کو یہ نہیں محسوس ہونے دینا چاہیئے کہ اس کا کوئی مقام نہیں ہے، خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ اس کو کام میں شریک نہ کرنے

کی معقول وجہ موجود ہو۔ دوسری طرف استاد کو اس معاملے میں محتاط رہنا چاہیئے کہ بچہ بیماری کا روپ نہ بھر لے، دونوں قسم کی انتہائی صورت حال سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ جو بچہ مشاغل میں شمولیت سے کتراتا ہے، اور علالت کا بہانہ کرتا ہے، اس کا گہرا مشاہدہ کیا جائے، اگر یہ پتہ چلے کہ جس دوران بچے کی نگرانی نہیں ہوتی وہ فعال اور خوش نظر آتا ہے، اور نگرانی کے دوران بیمار بن جاتا ہے، تو ایسی صورت میں استاد کو مشکوک ہو جانا چاہیئے۔ ان حالات میں ایک ڈاکٹر یا نرس مدد مفید ثابت ہو سکتی ہے، لیکن اس قسم کی امداد مہیا نہ ہو پائے استاد کی ہی رائے کافی سمجھنی چاہیئے، اگر استاد کو یہ شبہ ہو جائے، کہ کسی بچے نے بیماری کا بہانہ کیا ہے، تو اس کا عمدہ مگر بے قاعدہ علاج یہ ہو سکتا ہے کہ اس بچے کو شامل کئے بغیر کھیل شروع کر دیا جائے، ہاں اگر یہ پتہ چلے کہ فرار کی مختلف صورتیں ہیں، اور بیماری کا بہانہ ان میں سے صرف ایک ہے تو اس کا موقع نہیں دینا چاہیئے کہ بچہ ہنسی خوشی گھر پر بیمار بننے کا تجربہ کرے، بلکہ فرار کے اسباب تلاش کرنے چاہئیں، اور اس بات کا موقع دینے کے بجائے کہ وہ مزے سے گھر پر بیمار بن کر بیٹھے اس کے لئے دیر پا مطابقت کی صورتیں، نکالنی چاہئیں۔

حالت مراق! اس تحفظاتی میکانیت کی عمدہ تعریف مندرجہ ذیل مزاح میں بیان کی گئی ہے، ایک مراقی وہ ہے، جس سے اگر آپ پوچھیں، کیسے مزاج ہیں تو وہ اپنی خیریت بتانے لگے، بیماری کا بہانہ تو بیمار بننے کی بات ہے، لیکن حالت مراق ایک ایسا رجحان ہے، جس میں وہ تمام بیماریاں پیدا کر لی جائیں، جن کا واقعی تجربہ ہو چکا ہو، سر کا درد، موچ، اور معدے کی خرابی ایک مراقی کے لئے بڑی معذوری ثابت ہو سکتی ہے۔

حالت مراق میں اس فرسودہ تصور سے تقویت ملتی ہے، کہ ایام حیض میں لڑکیوں کو بہت محتاط رہنا چاہیئے، کوئی جسمانی ورزش نہیں کرنی چاہیئے، غسل کرنے سے پرہیز کرنا چاہیئے، اور جب تک ایام ختم نہ ہو جائیں، یا ختم ہونے کے قریب نہ ہوں، اس وقت تک آرام کرنا چاہیئے، بالغوں میں یہ رجحان پایا

جاتا ہے کہ ایام حیض کی تکلیف کو بڑھا چڑھا کر پیش کریں، اور اس کا احساس دلائیں، چنانچہ ایام حیض کے لئے، علالت، یا عذاب، جیسی اصطلاحیں استعمال کی جاتی ہیں، آج کل مستند ماہرین کا اس مسئلے پر اتفاق رائے ہے کہ حیض کی اکثر تکلیفیں تردد، ناسمجھی اور غلط فہمی کا نتیجہ ہیں، یہ تصور بڑے پیمانے پر کار فرما ہے، کہ حیض ایک طرح کی معذوری اور مشقت ہے، لیکن بہت کم عورتوں میں اس کی کوئی جسمانی وجہ قرار دی جا سکتی ہے۔

حیض کی خصوصیات کے علاوہ حالت مراق کی اور بھی علامتیں ہیں، لیکن ان کے علاج کے طریقے مخصوص علامتوں کے پیش نظر ہی تجویز کئے جا سکتے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے، کہ منجملہ اور نفسیاتی پہلوؤں کے علالت کی نوعیت وضاحت کے ساتھ بتا دی جائے، اور اس بات کی طرف اشارہ کر دیا جائے کہ اس کیفیت کی وجہ سے وہ بہت سے دلچسپ مشاغل سے محروم ہیں، اس سلسلے میں بیجا تردد کے رجحان سے پرہیز کرنا چاہیئے، خوف کے عناصر کی تشریح کر دینی چاہیئے، اور اس خیال کو تقویت دینی چاہیئے کہ اکثر باتوں میں لوگوں کا خوف بے بنیاد ہوتا ہے اس تحفظاتی میکانیت کی تشریح کرنے کے بعد استاد اس معاملے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے، کہ جو لوگ اس عارضے میں مبتلا ہوں ان کے علاج کی فکر کرے استاد کو چاہیے کہ جو لوگ اس میں مبتلا ہیں ان کی شکایتیں شائستگی کے ساتھ سُنے لیکن بہت زیادہ دلچسپی کے ساتھ نہیں وہ یہ بھی کر سکتا ہے کہ وہ معمولی بیماریوں کی ناز برداری نہ کرے، اور کام میں تاخیر کے لئے اگر بیماری کا عذر پیش کیا جائے تو اس کو تسلیم نہ کرے۔

استاد کو یہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ جس طرح بیمار بننے کے پیچھے محرومی کار فرما ہے، اسی طرح ہو سکتا ہے کہ بیماری کو بڑا چڑھا کر پیش کرنے کا سبب بھی محرومی ہی ہو، اور یہ نامراد عادت محض ایک اتفاقی امر نہ ہو، استاد کو چاہیئے کہ بچوں کی معمولی بیماریوں کو خاطر میں نہ لائے، اور ان اسباب کا سُراغ لگانے کی کوشش کرے، جن سے محرومی پیدا ہوتی ہو، اگر اسکول کے کام کا کوئی مقصد نہ ہو، اگر سماجی روابط تسلی بخش نہ ہوں، اگر تعلیم میں ناکامی کا خوف ہو

یا اگر اس ناکامی کا جواز پیش کیا جائے جو کسی عہدے یا اعزاز کو حاصل کرنے میں پیش آئی ہو، تو یہ سب محرومی کے اسباب ثابت ہو سکتے ہیں۔

شخصیتی مسائل کے سلسلے میں استاد کے عام ملحوظات

غیر مطابقی کردار کے تحت عام طور پر تناؤ اور قابلِ اعتراض حالات سے چھٹکارا پانے کی کوشش کی جاتی ہے، جس کے اندر فرد گمراہ ہو جاتا ہے۔ اس بات کو ذہن نشین کرنا استاد کے لئے بہت اہم ہے، کہ بچے اپنے کردار کے ذریعے کبھی کبھی منفعل (خواب بیداری، شرمیلا پن) اور کبھی فعال (دروغ گوئی اور تاویل وغیرہ) صورت میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان میں سے بعض کو نظر انداز کر دینا آسان ہے، لیکن دوسرے بہت سے کردار اپنی جانب توجہ مبذول کرانے پر مجبور کرتے ہیں، اگر اس نقطہ نظر کو تسلیم کر لیا جائے تو دشواریوں سے چھٹکارا پانے کے لئے کچھ مطالبہ کرنے یا شرمندگی دلانے کے بجائے کرداروں کے اسباب کا سراغ لگانے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔

بہت سی تحفظاتی میکانیتیں اس وقت تک سنگین نہیں بھی جائیں جب تک کہ ان کو بڑی حد تک نہ استعمال نہ کیا جائے۔ مثال کے طور پر اگر خواب بیداری اس حد تک ہونے لگے کہ حقائق سے رشتہ ٹوٹ جائے، یا دروغ گوئی اتنی بار کی جائے کہ جھوٹ بولنے والے کے لئے سچ بولنا بھی مشکل ہو جائے تو یہ سنگین بات ہے لیکن ایک ہی فرد اگر مختلف موقعوں پر اور متعدد بار اس کو استعمال کرے تو اس کا معمولی استعمال بھی سنگین ہو سکتا ہے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے چند اعمال کی تاویل کرے تو اس کی ذہنی صحت کا مسئلہ نہیں سمجھنا چاہیے لیکن اگر کوئی شخص اپنے افعال کی بالکل تاویل نہ کرے بلکہ خواب بیداری میں مبتلا ہو جائے، مراق کی حالت ظاہر کرنے لگے۔ اور علیحدگی اختیار کرے تو اس وقت یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اس کے بارے میں مزید معلومات فراہم کی جائیں۔ راقم الحروف نے بحری ملازمت کے سلسلے میں موزوں رنگروٹوں کو چھانٹنے کے لئے جو تجربہ کیا تھا اس سے اس نکتے کی وضاحت ہو سکتی ہے۔ اس تجربے سے یہ پتہ چلا کہ مطابقتی سوال نامے کی پچپن مدات میں

سے تقریباً تمام رنگروٹوں کے بعض جوابات معمول کے خلاف تھے، چنانچہ اگر کسی رنگروٹ نے گیارہ یا گیارہ سے زیادہ سوالوں کے جواب نفی میں دیئے، تو ان سوالوں کی اہمیت سے قطع نظر اس کو فوجی خدمت کے لئے موزوں نہیں سمجھا گیا (جانچ کے نتیجے پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ یہ احتیاط برتی گئی کہ جن رنگروٹوں کو ان جوابات کی بنیاد پر چھانٹا گیا تھا جو معمول کے خلاف تھے ان کا انٹرویو کیا گیا، تاکہ ان کے جوابات کی صحت کا اندازہ ہوسکے، اور پھر اس کو مزید مطالعے کے لئے نفسی معالجین کے بورڈ کے پاس بھیج دیا گیا۔

انفرادی فرق کی نوعیت اور اس کے اثرات کے بارے میں اساتذہ اس قدر سنتے اور پڑھتے ہیں کہ جب ان کو اس کی طرف متوجہ کرایا جاتا ہے، تو وہ یہ محسوس کرنے لگتے ہیں، کہ یہ وہی پرانی بات ہے، تاہم یہ حقیقت ہے کہ دانشمندی کے ساتھ ذہنی حفظان صحت کے اصولوں کا اطلاق کرنے میں مرکزی حیثیت انفرادی فرق کو حاصل ہے، تحفظاتی میکانیت سے نپٹنے کے لئے یقیناً ضروری ہے کہ کوئی مناسب قدم اٹھانے سے پہلے اس شخص کا پتہ لگایا جائے جو اس سلسلے میں کوئی طریقہ استعمال کررہا ہو، یہ بات بھی یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ ذہنی صحت کا دارومدار اس بات پر ہے کہ فرد کے بارے میں پوری معلومات حاصل ہوں، اور اس کے گذشتہ تجربات، اس کے محرکات اس کی دلچسپیاں اس کی صلاحیتیں، اس کی مجبوریاں اس کی گھریلو زندگی، بھائی بہنوں کے تعلقات اور اس کے موجودہ مسائل کا پورا پورا علم ہو، یہ کوئی ناممکن بات نہیں ہے، بہت سے اساتذہ نے اس قسم کی معلومات فراہم کرلی ہیں اس لئے کہ وہ بہت احتیاط کے ساتھ مشاہدہ کرتے ہیں، اور توجہ کے ساتھ بچوں کی باتیں سنتے ہیں، بچوں کی ترقی کے مجموعی ریکارڈ کو دیکھنے سے بہت کچھ ضروری معلومات فراہم ہوسکتی ہیں بشرطیکہ اس قسم کا ریکارڈ رکھا جاتا ہو، بچے کے لکھے ہوئے کاغذ سے، اس کی بنائی ہوئی تصویروں سے اس کے کھیلنے کے طریقوں سے اس کے کردار کی بصیرت حاصل کی جاسکتی ہے، جیسا کہ اس کتاب میں کسی اور جگہ ذکر کیا گیا ہے، سماجیت پیمائی سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ بچے میں دوست بنانے، اور گروہ

یں گھل مل جانے کی کتنی صلاحیت ہے، ایسے سوال نامے بھی بہت مفید ثابت ہو سکتے ہیں، جن سے سوالات پوچھنے کا آغاز ہو سکے، لیکن یہ بات پھر دہرائی جاتی ہے، کہ روزانہ کے واقعات پر نظر رکھنا اور ان کی خبر رکھنا بہت اہم بات ہے تعلیمی نفسیات، بچوں کی نشو و نما، طریقہ تدریس، اور حفظان صحت کی کتابوں میں س بات پر بار بار زور دیا گیا ہے، کہ بالغوں کی طرف سے عمدہ مثال قائم کرنے کی اہمیت بہت زیادہ ہے، یہ اچھی طرح معلوم ہے، کہ بچے پند و نصائح کے مقابلے میں طور و طریق کے نمونوں سے زیادہ سیکھتے ہیں حقیقت تو یہ ہے، کہ بچپن اور عنفوان شباب میں جن لوگوں کی رائے مستند پائی جاتی ہے، انھوں نے اعلانیہ طور پر یہ بات کہی ہے، کہ کردار کی نشو و نما کا خاکہ مرتب کرنے میں صرف ایک عامل کارفرما ہے، اور وہ ہے بالغوں کی مثال، جیسا استاد ویسا مدرسہ، یہ اسی بات کا مظہر ہے کہ شاگرد کے سامنے جو مثال پیش کی جاتی ہے، اس پر وہ کیا ردعمل ظاہر کرتا ہے، اگر استاد تحلیل انتقال جذبہ تاویل اور مذاق سے کام لیتا ہے، تو یقیناً وہ ایک ایسا اسٹیج فراہم کرتا ہے، جس پر شاگرد اپنے کرداروں کا مظاہرہ کر سکیں، یہ بات سب لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ شاگرد استاد کے کردار کی خصوصیات بہت مستعدی سے اپنا لیتا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں، کہ شاگردوں کے تمام اعمال کی ذمّے داری صرف استاد پر عائد ہوتی ہے، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جہاں تک جماعت کے اندر بچوں کے کردار کا تعلق ہے، پوری جماعت پر اس کا گہرا اثر پڑتا ہے،

جماعت کا ماحول جیسا کہ پچھلے صفحات میں ذکر ہو چکا ہے ان میکانیتوں کے علاج اور تدارک میں کئی مخصوص عناصر کارفرما ہیں، لیکن ضرورت اس بات کی ہے، کہ جماعت کے ماحول کو مجموعی حیثیت سے ملحوظ رکھا جائے یہاں اس بات کا اعادہ کیا جا رہا ہے، کہ اس بات کا تعلق استاد کے کردار سے ہے، اس کتاب میں استاد کی ذہنی صحت پر اس قدر زور اسی لئے دیا گیا ہے، کہ جماعت کی فضا پیدا کرنے میں اس کی ذمّہ داری بہت بنیادی ہے، شاگرد کی ذہنی صحت پر جو عوامل کارفرما ہوتے ہیں، ان میں مہربانی کے

برتاؤ کو اولین حیثیت دینی چاہیئے، مدرسے کے اندر محض ہمدردی کا رویہ اپنا نے سے آسانی کے ساتھ وہ حالات پیدا ہو سکتے ہیں، جن سے انسان ذہنی صحت بہتر ہو سکے۔ لیکن اسکول کا معائنہ کرنے والے کو یہ دیکھ کر بہت دُکھ ہوتا ہے کہ شاید ہی کسی مدرسے میں ایسا ماحول نظر آتا ہو، ۵ہ۔ ہمدردی کا یہ ماحول محض استاد کے رویئے کا نتیجہ نہیں بلکہ جماعت کے نظم ونسق کی بھی اس سے عکاسی ہوتی ہے۔ ہمدردی اور مہربانی کا ماحول اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب تبادلۂ خیال کی آزادی ہوتی ہے، اشتراک باہمی کی کوشش کی جاتی ہے، ذمّے داریوں میں ہاتھ بٹایا جاتا ہے، اور شخصی قدر وقیمت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

جماعت کے ماحول پر اس بات کا بھی اثر ہوتا ہے، کہ مدرسے کے مشاغل کو کتنی وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، اور ان میں کتنی شخصی معنویت پیدا کی گئی ہے۔ اگر ہر منزل کے شاگرد تعلیم کے مقاصد کو سمجھیں اور ان کو اپنائیں، تو جماعت کا ماحول ذہنی صحت کے لئے بہت موافق ثابت ہو سکتا ہے، دوسری طرف اگر یہ ماحول پیدا ہو جائے کہ مدرسے کے کام کو اوپر سے عائد کیا ہوا۔ ایسا کام سمجھا جائے جو کسی حد تک بطور سزا کے سونپا گیا ہو تو اس جابرانہ ماحول میں استاد اور شاگرد، دونوں تلملاتے رہیں گے۔ بامعنی کام۔ کی صورت میں لازمی طور سے انفرادی فرق کو ملحوظ رکھنا چاہیئے، گریڈ پانا، پاس ہونا۔ استاد کو خوش کرنا ان سب باتوں کا مطلب مختلف شاگردوں کے نزدیک مختلف ہوتا ہے، تقابلی اثرات کا بھی ضرور جائزہ لینا چاہیئے، اگر تمام شاگرد ایک ہی مقصد کے حصول کے لیے کوشاں ہوں تو اس مقابلے کی دوڑ میں بعض لوگ لازمی طور سے پیچھے رہ جائیں گے، اور ناکامی کی وجہ سے ان کی ہمت شکنی ہو گی، اس کے برعکس جو لوگ کامیاب ہوں گے، ان کے اندر اپنی اہمیت اور قابلیت کا بیجا تصور ہو جائے گا۔ اس قسم کا کوئی بھی رویہ جماعت کے متوازن ماحول کے لئے معاون نہیں ہو گا۔

جماعت کے مادی پہلوؤں کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے، جماعت کے کمروں میں سے بہت سے کمرے اس وقت سے تھے جب مادی وسائل کو

اتنی اہمیت نہیں دی جاتی تھی، لیکن ان جماعتوں میں ایسی تصویریں لگائی جا سکتی ہیں جن کو وقتاً فوقتاً تبدیل کیا جاتا رہے، کتابوں اور رسالوں کے شلف اور مچھلی گھر بنائے جا سکتے ہیں، استاد کے ڈیسک کو سلیقے سے رکھا جا سکتا ہے۔ اور جاذب نظر گلدانوں سے سجایا جا سکتا ہے، اگر جماعت کے کمرے کی سجاوٹ میں طلبا کا بھی اشتراک حاصل ہو تو مادی وسائل کی افادیت اور بڑھ سکتی ہے، اس لئے کہ اس اشتراک کی وجہ سے بچوں میں یہ جذبات پیدا ہو سکتے ہیں، کہ جیسے یہ تمام سامان آرائش اس کی ذاتی ملکیت ہوں۔

بدقسمتی سے بہت سے اسکولوں کا بنیادی مقصد امتحان پاس کرنا، اور قابل اطمینان گریڈ حاصل کرنا ہے، جب تک یہ صورت حال باقی رہتی ہے، اسکول کو ایک روایت تصور کیا جاتا رہے گا، لیکن جب ان مقاصد کو ضمنی قرار دے دیا جائے، اور جب انھیں بالیدگی اور ایسے دوسرے موضوعات سے متعلق حصول علم کا ذریعہ تصور کیا جائے، جو مزید توجہ کے محتاج ہوں، تو اس وقت شاگردوں میں یہ احساس پیدا ہو سکتا ہے، کہ وہ کسی بار آور، اور تخلیقی کام میں مصروف ہیں۔

ڈبلو۔ کارسن ریان نے جماعت کے ماحول سے متعلق مندرجہ ذیل باتیں بتائی ہیں: "ایسا استاد جو ایک موزوں انسان ہو، اور مکمل طور پر مطابقت پذیر ہو وہ جماعت کے اندر ایسا ماحول پیدا کرنے میں بہت زیادہ مؤثر ثابت ہو سکتا ہے۔ جس میں دوسرے انسان بھی پھول پھل سکیں، ہمدردی، سمجھ بوجھ، توافق پرہیزی، روزمرہ زندگی کی بہت معمولی باتیں ہیں، لیکن ان میں بعض ایسے عوامل شامل ہیں، جو ذہنی حفظان صحت کے لئے بہت اہم ہیں، جماعت کے اندر، اور اپنے شاگردوں کے درمیان، استاد ان عوامل پر قابو پا سکتا ہے"[۱۱]....

یہ آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے، کہ اگر جماعت کے ماحول پر غور و خوض کے ساتھ توجہ دی جائے، تو بہت حد تک ان حالات سے گریز کیا جا سکتا ہے، جو جماعت کے اندر تحفظاتی میکانیت کے استعمال میں بچوں کی رہنمائی کرتے ہیں، جماعت کے اندر مناسب حالات کی موجودگی سے ایک طرح کی

سازگاری ماحول پیدا ہو جاتی ہے، جو بیرونِ مدرسہ ماحول کی وجہ سے پیدا ہونے والے تناؤ کو کم کر دیتی ہے۔..

خلاصہ

ایک عام کمرۂ جماعت میں تحفظاتی میکانیت سے نبٹنے کے لئے، مندرجہ ذیل باتوں کو ملحوظ رکھنا چاہیئے (۱) ان میکانیتوں کے ذریعے افراد مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں (۲) ایک شخص اگر دو ایک میکانیتوں کو استعمال کرتا ہو تو اس کو نارمل فرد نہیں سمجھنا چاہیئے، اور نہ اس کے پیش نظر اس کا علاج کرنا چاہیئے (۳) مہارتوں کی نشوونما سے میکانیتوں کے استعمال کی ضرورت رفع ہو جائے گی۔ (۴) شاگردوں میں مصروفیت پیدا کرنے کی مسلسل ضرورت ہو گی۔ (۵) عمدہ جسمانی صحت کو قائم رکھنے سے تحفظاتی میکانیتوں کو استعمال کرنے کی ضرورت رفع ہو جائے گی۔ (۶) سماجی مشاغل میں مناسب اور موزوں اشتراک عمل سے اس تناؤ کا تدارک ہو جائے گا، جو فراری میکانیت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، (۷) یہ بنیادی بات ہے کہ علامتوں کے علاج کے بجائے اسباب کو تلاش کرنے، اور انھیں دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے (۸) بالغوں کی عمدہ مثال سے نامطابقت کی تیکنک استعمال کرنے کا رجحان کم ہو جائے گا، (۹) جذباتی انتشار کے بہت سے اسباب ہیں، اس لئے جماعت کے ماحول کو بہتر بنانے میں مجموعی حیثیت سے دونوں کا باہمی اشتراک حاصل ہونا چاہیئے، (۱۰) بامقصد مشاغل کی موجودگی میں ایسے خیالات پیدا ہونے کا بہت کم موقع ملے گا، جن کی وجہ سے جذباتی تناؤ پیدا ہوتا ہو۔ (۱۱) تحفظاتی میکانیت کا کوئی واحد قطعی علاج نہیں، اس لئے کہ مختلف افراد مختلف وجوہات کی بنا پر اس کو استعمال کرتے ہیں۔..

مطالعہ، مباحثہ اور مشق

(۱) اپنے ہم جماعتوں کے سامنے طالب علموں کی بدکرداری کے کچھ ایسے واقعات بیان کیجیے، جن میں وجوہات دریافت کرنے، اور کامیابی کے ساتھ

ن کے تدارک کرنے کا ذکر ہو:۔

(۲) کن حالات میں آپ جھوٹ بولنے کو جائز سمجھیں گے۔؟

(۳) جونیر ہائی اسکول کے ان طالب علموں کے لئے طریق کار کا ایک خاکہ مرتب کیجئے، جو بظاہر بہت زیادہ خواب بیداری میں مبتلا ہیں:۔ ......

(۴) اپنے پچھلے تین دن کے کردار پر ایک نظر ڈالیئے۔ کیا آپ نے اس دوران کسی قسم کی تاویل سے کام لیا ہے؟ کیا اس عمل سے کوئی فائدہ ہوا:۔ ..

(۵) تفصیل سے وضاحت کیجئے، کہ جسمانی کیفیت سے اشتعال کا اظہار کیوں ہوتا ہے۔

(۶) ایک ایسا خاکہ مرتب کیجئے جس میں کسی ایسے بچے کا خیال رکھا جائے جو واقعی بیمار ہو، لیکن اس بات کا احتمال ہو کہ وہ بچہ بیمار بننے کی طرف مائل ہو رہا ہے؟

(۷) اپنی جماعت کے بچوں کی رائے شماری کرائے، اور معلوم کیجئے کہ کتنے بچے کسی قسم کے خوف میں مبتلا ہیں، اگر کسی بچے میں اس کا سراغ ملے تو اس کی وجوہات خود اسی سے دریافت کیجئے۔

(۸) دس یا بارہ مدات کی ایک فہرست بنایئے، جو استاد کی نظر میں کردار کے مسئلے سے تعلق رکھتے ہوں۔

(۹) کسی بھی مدرسے میں عام جماعتوں کے ماحول کو بہتر بنانے کے کون کون سے مخصوص قدم اٹھائے جا سکتے ہیں؟

باب ۱۲

ذہنی صحت کے لیے درجے کا تعمیری طرز نظر

پہلے بھی اس کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ جماعت کے اندر ذہنی صحت کے تصور پر زور دینے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ عام صورت حال میں بہت کم ماہرین کی خدمات حاصل ہو پائی ہیں، مزید برآں بہت سے بچوں کو اتنی شدید مشکلات نہیں پیش آئیں، کہ کسی ماہر کی ضرورت محسوس ہو، بہت سے بچوں کو محض اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ انھیں پورے طور پر سمجھا جائے تاکہ ان کی نشوونما کے لئے زیادہ سے زیادہ مواقع حاصل ہو سکیں، ان وجوہات کی بنا پر ذہنی صحت کے سلسلہ میں تعمیری طرز نظر اختیار کی جاتی ہے، لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ زیادہ وسیع پیمانے پر اس کی وضاحت کی جائے، اور اس کی اہمیت پر زور دیا جائے:۔

اس کتاب کے دوسرے حصوں کی طرح یہاں بھی اس بات پر زور دیا گیا ہے، کہ بچوں کی حاجتیں پوری کی جائیں، اس کام کے لئے بچے کو پورے طور پر سمجھنے کی ضرورت ہے، اس لئے جماعت کے تعمیری طریق کار کی بنیاد ان مختلف ذرائع پر ہے، جن سے بچوں کے بارے میں واقفیت حاصل ہو سکے، اور ان کی انوکھی حاجتوں کو پورا کیا جا سکے،

اسکول کا ریکارڈ

اسکول کے نمبر:۔ نمبر دینے کا روایتی نظام (چاہے حرف میں ہو چاہے ہندسے میں) کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے، کہ اس کے مفہوم میں بہت تنوع ہے، الف، یا ب، اساتذہ کے نزدیک تحصیل کے مختلف درجے ہیں، ایک استاد کے نزدیک: الف کا مطلب ہے کہ شاگرد بہت اچھا کام

کررہا ہے، اور وہ جماعت کے اوپری ۵ یا ۱۰ فیصد طالب علموں کی فہرست میں ہے، لیکن دوسرے استاد کے نزدیک "الف" کا مطلب ہے کہ وہ بہت سنجیدہ ہے، محنتی ہے، ایماندار ہے، اور سماجی معاملات کا لحاظ رکھتا ہے باوجودیکہ اس کا کام اوسط درجے کا ہے، پھر بھی وہ اپنے بس بھر پوری محنت سے کام کرتا ہے، اسی طرح تنظیمی پالیسی میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے،، بعض پرنسپل صاحبان کو محض یہ درکار ہوتا ہے، کہ تمام بچے پاس ہو جائیں، دوسرے اس بات کے حق میں ہو سکتے ہیں کہ ایک مقررہ نسبت سے جماعت میں لڑکے فیل بھی ہوتے رہیں۔

اس موقع پر گریڈ دینے کے کسی کامل نظام کا مطالبہ کرنا مناسب نہیں، یہ کہنے کی مزید ضرورت نہیں ہے کہ کسی اسکول کے اندر اساتذہ کے متعدد جلسوں میں اس بات پر تبادلۂ خیال کرنا مفید ہوگا کہ اسکول میں شاگردوں کو جو نمبر دیئے جاتے ہیں، ان کا کیا مفہوم ہے، اور اس کے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں، چاہے مروجہ نظام میں کوئی تبدیلی نہ ہو پائے، پھر بھی بحث کے دوران کچھ ایسی باتیں نکل سکتی ہیں، جن سے اس کے مفہوم کو سمجھنے میں مدد ملے، ساتھ ہی ساتھ اس بات کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے، کہ رکارڈ کارڈ پر شاگردوں کے جو گریڈ درج ہوتے ہیں، ان کی حدود کیا ہیں، کسی شاگرد کو سابقہ استاد نے جو گریڈ دیئے ہیں، ان کی تفہیم سے موجودہ استاد کو تعمیری امداد مل سکتی ہے، مثال کے طور پر استاد یہ معلوم کر سکتا ہے، کہ کیا کوئی طالب علم بہتر سماجی مطابقت پیدا کرنے میں امداد کا خواستگار ہے یا تعلیمی نوعیت کے کسی کام کے ذریعہ اس میں مزید تحریک پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

استاد کو سابقہ گریڈ سے متاثر نہیں ہونا چاہیئے پھر بھی سابقہ گریڈ کے تقابل سے خود کو کسی بیجا طرف داری سے پاک رکھنا چاہیئے، ایک استانی نے جان۔ ایم کو اعلیٰ گریڈ دیا، اس نے جب جان کا سابقہ گریڈ دیکھا، تو اس کو پتہ چلا کہ موجودہ گریڈ کے مقابلے میں اس کا سابقہ گریڈ بہت کم تھا، اس کی وجہ سے اس نے اپنے جائزے کو بیچ ہی میں روک دیا، اور اس کو پتہ چلا

کہ جان کا کام اور اس کا سماجی رویہ واضح طور پر اوسط درجے کا ہے، اس نے یہ سوچنا شروع کیا کہ جان چونکہ اس کے ساتھ بہت اخلاق سے پیش آتا ہے اس کا بہت خیال رکھتا ہے، اور ہمیشہ مسکرا کر اس سے ملتا ہے، اس لئے اس نے جان کو اعلیٰ درجے کے قابل سمجھا، لیکن محتاط جائزے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا گریڈ گھٹا دیا گیا، اس کو سماجی مطابقت پیدا کرنے پر زیادہ تاکید کی گئی، اور ساتھ ہی ساتھ اس کی تعلیمی دشواریوں پر بھی توجہ بڑھا دی گئی،

جب استاد اسکول کے نمبروں کو ذہنی حفظان صحت کے لئے تعمیری طور پر استعمال کرنے جا رہا ہو، اس وقت اس کو یہ ایک بات خاص طور سے ذہن نشین کر لینی چاہیئے، کہ نمبروں کی اہمیت درجہ تحصیل کے تعین سے زیادہ ہے، نمبر کو ان کاموں کے لئے استعمال کرنا چاہیئے،،

(۱) ان کے ذریعہ اس بات کی جانچ کرنا کہ خود اپنا طریقۂ کار کتنا مؤثر ثابت ہو رہا ہے،،

(۲) اس کے ذریعہ اس تعلیمی فسلفے کا جائزہ لینا جس کے مطابق اسکول عمل پیرا ہے۔

(۳) اس کے ذریعہ انفرادی طور پر طالب علموں کی مؤثر رہنمائی کرنا۔

(۴) اس کے ذریعہ استاد، والدین، اور خود شاگرد اپنی تعلیمی ترقی کا اندازہ کرنا۔ (۵) اس کے ذریعہ آئندہ کے اساتذہ، اور شاگرد کی صلاحیتوں سے آگاہ کرنا۔

واقعاتی ریکارڈ واقعاتی ریکارڈ میں شاگرد کے کردار سے متعلق کسی واقعہ یا کسی انوکھے پہلو کا لفظی بیان ہوتا ہے، بدقسمتی سے بعض اساتذہ نے اوٹ پٹانگ، خلاف معمول افعال یا واقعات کو ریکارڈ کر کے، واقعاتی ریکارڈ کا غلط استعمال کیا ہے، اس کی وجہ اس کو بحیثیت ترکیب استعمال کرنے کا مقصد فوت ہو جاتا ہے، اس ترکیب کے استعمال سے بچے کی نمائندہ خصوصیات کا پتہ چلتا ہے، اس کے ذریعہ بالیدگی کے جائزے کے لئے مقاصد کے تعین میں مدد ملتی ہے، اس قسم کے ریکارڈ سے پیشہ ورانہ بصیرت پیدا ہوتی ہے

اور ایسے ذرائع فراہم ہوتے ہیں جن سے بچے کی بہتر تفہیم ہو سکے، واقعاتی ریکارڈ کو خصوصی نوعیت کا حامل ہونا چاہیئے، اور اس میں مختلف واقعات کی شمولیت ہونی چاہیئے، تاریخ اشخاص اور کارنامے معروضی ڈھنگ سے ریکارڈ کرنے چاہیئں ایک استانی نے ذیل میں جیکی نام کے ایک بچے کا واقعاتی ریکارڈ مرتب کرنا شروع کیا، اور اس ریکارڈ کو اپنے مخصوص مطالعہ کے لئے منتخب کیا، وہ چاہتی تھی کہ اس مطالعہ کے ذریعہ اس کے کردار کی مثالی خصوصیات پیش کی جائیں:۔

ستمبر ۲۴، آج کی صبح جیکی کے پاس نئی قمیص ہے، دوسرے بچے لغت کا مطالعہ کر رہے ہیں، لیکن وہ باردے سے اشارتی زبان میں بات چیت کرنے کی کوشش کر رہا ہے، اپنی حرکات و سکنات سے مجھے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہے، وہ یہ بھی دیکھ رہا ہے، کہ اس پر میری نظر ہے، پھر وہ اپنی کتاب میں دیکھنے لگتا ہے، اور آخر میں ڈیسک کے اوپر اس طرح حرکت کر رہا ہے، جیسے لڑھک رہا ہو:۔

جیکی تم نے لغت کا کام مکمل کر لیا؟

نہیں بس اب میں کرنے جا رہا ہوں،

وہ اٹھا اور اس نے سامنے بیٹھے ہوئے، بوب سے کانا پھوسی کی: ــــ

بوب نے جیکی کو ایک لمبی سُرخ پنسل دی۔

جن الفاظ کا املا غلط ہو گیا تھا وقفہ میں جیکی نے اس کو تیزی سے لکھنا شروع کیا، پھر فٹ بال کھیلنے کے لئے باہر چلا گیا، باہر دوڑتے وقت اس نے فٹ بال کا نعرہ لگایا،،۔

راقم الحروف کا جائزہ استانی نے جیکی کی مصروفیات کا ریکارڈ اس طرح مکمل کیا کہ پہلے جیکی کی نقل و حرکت درج کی، پھر فٹ بال میں اس کی دلچسپی دوستوں سے اور استانی سے بات کرنے کا طریقہ، باہر کی دلچسپیوں کے مقابلے میں سکول کے کام کو سمیٹا، اور آخر میں اس کی سرگرمیوں، اور ہدایت سے آزادی پانے کی کیفیت کا اندراج کیا، یہ ہے پورا واقعاتی ریکارڈ جس سے شاگرد

کے کردار کی بصیرت حاصل ہوتی ہے، جوں جوں استانی رپورٹ کو پڑھے گی شاگرد کے رنگ ڈھنگ اس کے مسائل اور محرکات کی واضح تصویر ابھرتی جائے گی، ساتھیوں کے بارے میں اس کی خوبیاں، اور اس کی کمزوریاں سبھی باتیں واضح ہوتی جائیں گی، اور اس کی بہتر تفہیم میں معاون ثابت ہوں گی۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ یہی ایک واحد قطعی ترکیب ہے، بلکہ یہ وہ ترکیب ہے، جس کو استاد آسانی سے حاصل کر سکتا ہے۔ اور استعمال میں لا سکتا ہے۔ جوں جوں وہ واقعاتی رکارڈ کو استعمال کرے گا۔ اور اس کے بعض اندراجات کی موزونیت، اور افادیت کو محسوس کرے گا، اسی قدر اس کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

مطالعۂ فرد باوجودیکہ واقعاتی ریکارڈ سے بچے کی زندگی کے صرف چند پہلو اجاگر ہوتے ہیں، پھر بھی اس کی افادیت یہ ہے کہ اس سے بچے کے کردار کی معروضی بصیرت حاصل ہوتی ہے، لیکن ایسے مواقع بھی پیش آتے ہیں، جب افعال کے تفصیلی جائزے کی ضرورت پیش آتی ہے، باوجودیکہ بیشتر بچے ان دشواریوں سے مطابقت پیدا کر لیتے ہیں، جو کبھی کبھار پیش آتی ہیں، تاہم بعض بچے ان دشواریوں سے بیحد پریشان بھی ہو جاتے ہیں، اس کا اظہار مندرجہ ذیل صورتوں میں شدید پریشانی کے اظہار سے ہوتا ہے"

(۱) علامتوں کے مسلسل اظہار پر (۲) یکسر خلاف معمول کردار پر (۳) کسی کام میں بے حد انہماک دکھا کر، پریشانی کا اظہار کرتے وقت "مطالعۂ فرد کی ضرورت کسی بھی بچے کے لئے مفید ثابت ہو سکتی ہے، لیکن چونکہ استاد کے پاس وقت کم ہوتا ہے، اس لئے عام حالات میں بہتر یہی ہوتا ہے، کہ مطالعۂ فرد کو صرف ان افراد کے لئے اٹھا رکھا جائے جو بہت ہی نمایاں طور پر معمول کے خلاف نظر آتے ہیں، اگر مطالعہ فرد سے یہ مراد ہو کہ تعمیری طور پر فرد کی امداد کی جائے، تو ایسی صورت میں مکمل معطیے کی ضرورت ہو گی، اور مکمل معطیے کا ریکارڈ کرنا ممکن بھی ہے، اس قسم کی مدد ماہرین سے مل سکتی ہے، دراصل یہاں بنیادی ضرورت اس بات کی ہو گی کہ اس کے لئے وقت نکالا جائے، بچے میں دلچسپی

پیدا کی جائے، اور اس کے کام کا خاکہ تیار کیا جائے، اگر پہلی دو باتیں استاد فراہم کر دے، اور ذیل میں جو منصوبہ پیش کیا گیا ہے، اس میں تھوڑی بہت ترمیم کر کے اس کو اپنا لے، تو وہ مشکل ترین مطابقت کی صورت میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے، اور ایک صحت مند شخصیت کی نشو و نما کے لئے بنیاد ڈال سکتا ہے۔

(۱) ابتدائی معطیہ: اس مد میں جن خصوصیات کی شناخت شامل ہو گی، وہ ہیں نام، جنس، صحیح عمر، پتہ، اسکول کا گریڈ، مذہب، والد کا نام پیشہ اور تعلیم، ماں کا نام پیشہ اور تعلیم، قومیات، اور بھائی بہنوں کے نام اور ان کی عمر۔

(۲) لیاقت: اس کے اندر ذہنی جانچ کے معطیے، مخصوص لیاقتوں کی جانچ کے نتائج، (آرٹ) موسیقی، مشینی صلاحیت، رسمی مشاہدات جیسے روزنامچہ اور رسمی مشاہدے شامل ہیں۔

(۳) تعلیمی پس منظر: ان باتوں کے علم سے معلومات میں اضافہ ہوگا، اسکول میں داخلہ کی عمر، ان اسکولوں کے نام جن میں تعلیم پائی ہو، حاضری کی پابندی، سابقہ پیمائش قدر، سابقہ ہم جماعتوں سے تعلقات، اور شاگرد کا اسکول کی طرف موجودہ رویہ، موجودہ حیثیت کا جائزہ لیتے ہیں۔ تحصیلی جانچ کے معطیئے سے بہت مدد ملتی ہے چاہے وہ پرائمری اسکول کا بچہ ہو، یا ہائی اسکول کا۔

(۴) گھر اور پڑوس: اس معطیئے سے گھر کی مادی خصوصیات کا پتہ چلے گا، کہ گھر کی وسعت، گھر کی سہولتیں اور تہذیبی پہلو، پڑھائی کا سامان، ریڈیو اور کھیل کا سامان، والدین، بھائی بہن اور عزیز و اقارب کی ذہنی اور جسمانی صحت کا حال معلوم ہوگا، اور یہ بھی پتہ چلے گا، کہ گھر میں استقامت ہے کہ نہیں، اور گھر کا جذباتی ماحول کیسا ہے؟ پڑوس کی بھی اہم مدات یہ ہیں، کھیل، اور تفریح کے مواقع، مالی اور تہذیبی پہلو، اور اسکول کا فاصلہ، اور ذریعۂ آمد و رفت۔

(۵) صحت: تقابلی طاقت، اور قوت، جسمانی معذوریاں، جسمانی معائنے کی تعداد، صحت اور صفائی ستھرائی کی طرف رویہ، جسمانی بدنمائی جیسے جسم کے نشانات

پیدائشی نشانات، اور بدنما خدوخال وغیرہ، آپریشن، اور اصلاحی طریقۂ علاج اور دانتوں کے ریکارڈ سے دشواریوں کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔

(۶) سماجی مطابقت :- ایسی باتیں جیسے دوستی، تنہائی پسندی، اشتراک باہمی کی صلاحیت، بے ایمانی، خود غرضی حبیت، ناراضگی اور ضبط نفس کے اندراجات فائدہ مند ثابت ہو سکتے ہیں، ہمسروں، بھائی بہنوں، والدین، اور دوسرے اقربا سے تعلقات کے اندراج سے پچھلی خصوصیات معلوم کی جا سکتی ہیں، فرد کے سماجی روابط کا ردِ عمل ریکارڈ کرنا، بہت اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ، زیادہ معروضی معلومات فراہم کی جا سکتی ہے۔

(۷) دلچسپی :- کھیل اور پڑھنے کا شوق، پیشہ ورانہ امنگ یا اس کی کمی، مشغلے خاندان، اور بھائی بہنوں کے وہ شوق جن سے مشترکہ طور پر دلچسپی لی جاتی ہے، اور اسکول کے معاملے میں دلچسپی لینے سے احوالی مطالعے میں بہتر اندراجات ہو سکتے ہیں، واقعاتی ریکارڈ معلومات کا ایک مفید ذریعہ ہیں، معیاری کھیلوں سے خصوصی دلچسپیوں کے سلسلہ میں مفید معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔

(۸) ایجنسیوں سے رابطہ! اگر کسی سماجی ایجنسی کے ذریعے بچے کی ملامت کی گئی ہے تو اس کا ریکارڈ، اور اس کی سفارشات حاصل کیجئے، اگر بچہ کبھی بچوں کی عدالت میں پیش ہوا ہو، تو اس کی تاریخ، اس کے خلاف الزامات، اور مقدمے کے فیصلہ کے بارے میں معلومات درج کرنی چاہیئے، بہت سی ایسی ایجنسیاں ہیں جو بچوں کے بارے میں معلومات مہیا کرتی ہیں، کسی مخصوص بچے کی مطابقت بہتر بنانے میں ان معلومات سے مدد ملتی ہے، بدقسمتی سے کوئی ایک رائے نہیں ملتی کہ استعمال شدہ معطیوں میں تطابق کی ذمہ داری کس پر ہے؟ کہیں سے تو اس کی شروعات ہونی چاہیئے، یہ سفارش بہت کار آمد ثابت ہو سکتی ہے کہ دوسروں پر ذمے داری ڈالنے کے بجائے، اساتذہ معطیوں کو یکجا کرنے کی ذمہ داری قبول کریں۔

(۹) کردار) اوپر جو کچھ کہا گیا ہے، اس کا تعلق فرد کے مطالعہ کردار سے ہے، تاہم اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ خواب کی کیفیت، گھبراہٹ

مردم آزاری، انحصار، شدید غصہ، استقامت، مزاجی کیفیت، پیش قدمی، سچائی، معافی کا خواستگار ہونا، کام کی عادتیں، فرماں برداری، محل شناسی مزاج، اور اس قسم کی دوسری علامتوں کے اظہار پر خصوصی توجہ دی جائے اور جذباتی اظہار، ضبط جذبات کی تمام شکلیں نوٹ کر لی جائیں۔

(۱۰) ضروری اقدامات:۔ مندرجہ بالا معطیے کی بنیاد پر استاد کو چاہیئے کہ وہ قطعی طور پر اپنی رپورٹ اور سفارش پیش کرے، جس کو گھر اور مدرسہ میں استعمال کیا جا سکے، اگر یہ سفارشات خود شاگرد کے استعمال کے لئے، ہوں تو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے، کہ اس میں بہت زیادہ تلقین نہ ہو، یہ مشورے ایک، یا دو مدات تک محدود ہونے چاہئیں۔ اگر ان مشوروں کو تسلیم کر لیا جائے تو اس وقت مزید مشورے دینا مناسب ہوگا، اکثر ایسے بھی مواقع پیش آسکتے ہیں کہ مذکورہ بالا نو مدات کو مکمل کرنے سے قبل ہی کچھ اہم مشورے کر دیئے جائیں، لیکن مطالعۂ فرد اس وقت تک نامکمل رہے گا، جب تک اس قسم کی چند مخصوص سفارشات نہ پیش کی جائیں۔

(۱۱) فالو اَپ:۔ مطالعہ فرد کے اس حصہ کو اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے، دراصل سفارشات کی طرح یہ بھی پورے طریق کار کا ایک بنیادی حصّہ ہے تین وجہوں سے اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے، (۱) والدین اساتذہ، اور بچے یہ دیکھنے کی ضرورت محسوس کریں گے، کہ کچھ ترقی ہو رہی ہے، یا نہیں، انھیں اس سلسلہ میں کچھ تاکید کی بھی ضرورت محسوس ہو سکتی ہے، ایک ایسے سوال نامہ سے جس میں وقت کا پورا خیال رکھا گیا ہو والدین، اساتذہ، اور بچوں میں اس بات کی تحریک پیدا ہو سکتی ہے کہ ان سفارشات کے مطابق کام کریں (۲) فالو اَپ سے استاد کو یہ مدد ملے گی، کہ وہ اپنے مطالعہ کی اثر پذیری کو جانچ سکے، وہ موجودہ مطالعہ کی خامیاں، اور اس کی خوبیاں، نوٹ کر کے، دوسرے مطالعہ میں بحث کر سکتے ہیں، فالو اَپ سے یہ بھی فائدہ ہوگا، کہ طریقۂ کار بہتر ہو جائے گا، اور سفارشات کو تقویت ملے گی (۳) فالو اَپ سے مزید معلومات حاصل ہو سکتی ہیں، ان معلومات سے یہ کام لیا جا سکتا ہے، کہ موجودہ مطالعہ

میں ضروری ترمیم کر کے اس کو زیادہ کارگر بنایا جا سکے، مطالعۂ فرد کے تحت ایک اور مشاہدہ نوٹ کرنا چاہیئے، معلومات کی فراہمی سے تشخیص کا کام نہیں چل سکتا۔ ڈاکٹر آلات کی مدد سے تشخیص نہیں کرتا، بلکہ آلات اور مریض سے سوالات کے ذریعہ جو معطیہ فراہم ہوتا ہے اس کی وہ ترجمانی کرتا ہے، اسی طرح استاد کو بھی مطالعۂ فرد کے معطیئے کی ترجمانی کرنی چاہیئے، مختلف عوامل کے درمیان اس کو ایک دوسرے کا تقابل کرنا چاہیئے، معطیئے کی صحت کو ضرور پرکھ لینا چاہیئے اس کو یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ زیر مطالعہ فرد، گرد و پیش کے حالات سے باخبر ہونے کے علاوہ کیا سوچتا، اور محسوس کرتا ہے اندازے سے بھی کام لینے کی ضرورت ہے، لیکن ایک شخص کے اندازے سے دوسرے شخص کا اندازہ زیادہ صحیح ہو سکتا ہے، اس لئے ترجمانی کی ضرورت پیش آتی ہے، ایک موقع پر آپ سے غلطی ہو گئی، تو دوسرے موقع پر صحت پیدا ہو سکتی ہے۔

اس بات کو یاد رکھیئے کہ اکثر صورتوں میں اگر استاد اس بچے کی جو مشکل میں پھنسا ہوا ہے، امداد نہیں کرے گا، تو اس کے امکانات بہت کم ہو جائیں گے کہ کوئی دوسرا شخص اس کی معاونت کر سکے۔

معیار کے مطابق جانچ کے معطیئے کا استعمال

جماعت کے اندر معیار کے مطابق جانچ کی شکل میں بہت سود مند امداد فراہم کی جا سکتی ہے، بشرطیکہ ہوشیاری کے ساتھ نتائج کو دیکھا جائے، لیکن ان جانچوں کو بہت مفید بنانا ہو تو اس کی حدود کا خیال رکھنا ضروری ہے، بچے کی مصروفیات کا بھی علم ضروری ہے، ہم جانچ کی تحسین کے ذریعہ تفہیم کی ابتدا کر سکتے ہیں، ہر جانچ صرف ایک نمونہ ہے، ایک نفسیاتی جانچ، کردار کا، ذہانت کی جانچ، تفصیلی کردار کا اور لیاقت کی جانچ، تعلیمی معلومات کا ایک سامپل ہے، ہمیں ہوشیاری کے ساتھ اس طرز فکر سے پرہیز کرنا چاہیئے کہ ایک جانچ کسی چیز کی بھی پیمائش ہو سکتی ہے، نمونہ تو کسی شے کا ایک کارآمد مظہر ہے، شخصیت، علم اور ذہانت یہ بذات خود کوئی چیز نہیں۔ اگر ہم اس

نظریئے کو مان لیں کہ ذہانت کی جانچ مطابقت کی لیاقت کا ایک مظہر ہے، تو فوراً یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے، کہ ذہانت کی بہت سی قسمیں ہیں، اور اس کے کئی مرحلے ہیں، ذہانت کی مثالی جانچ سے جس قسم کی ذہانت نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے، وہ تعلیمی کاموں کے لیے درکار ہوتی ہے، اس جانچ سے سماجی ذہانت اس درجے تک ظاہر نہیں ہوتی، کہ اس کی صحت پر بھروسہ کیا جا سکے مطابقت کے وسیع حلقہ میں ذہانت کے اثر انداز ہونے کا انحصار جن قوتوں، تحریکوں، اور عادتوں پر ہے، ان کی طرف بھی اس جانچ سے کوئی اشارہ نہیں ملتا، اس طرح لیاقت کی جانچ کی بھی حدود ہیں، اس جانچ سے جغرافیہ اور ریاضی کی ایسی معلومات کی طرف اشارہ نہیں ملتا، جو عملی طور پر روزمرّہ کے مسائل کو حل کرنے میں مددگار ثابت ہوں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان جانچوں کی کوئی افادیت نہیں، بلکہ شاگرد کی تفہیم میں کردار کے سراغ کی بہت اہمیت ہے، "داخلی انداز سے قریبی تخمینہ بہتر ہے، اشکل بچّہ جائزے کے مقابلے میں پابند فیصلہ برتر ہے" لیکن اگر ان جانچوں کو اپنی ذہنی صحت کی ترقی کا ذریعہ بنانا مقصود ہو، تو اس غلط تصور کو ترک کر دینا چاہیئے، کہ جانچ کوئی صحیح پیمانہ ہے۔

جانچ محض قریبی تخمینہ کا کام کرتے ہیں، اس بیان کو پسند نہیں کیا جاتا اور اس کا اظہار، اساتذہ کے ان اقوال سے ہوتا ہے، میری ذہانت کی قدر ۱۱۸ ہے؟

وہ بے وقوف ہے، اس کی قدر ذہانت ۸۸ ہے،، استاد کو کب ۱۱۸ کا شمارہ نصیب ہوا؟ ہائی اسکول کے جونیئر سال میں جانچ کیسی تھی، اس کو یہ یاد نہیں کیا، اس بچے کو جس کا شمار ۸۸ تھا کوئی دوسری جانچ دی گئی تھی، "نہیں بلکہ اس کو یہ یقین دلایا گیا تھا، کہ اس کی جانچ کی صحت اور اعتباریت زیادہ تھی، جانچ کے استعمال کا تجربہ رکھنے والا شخص یہ جانتا ہے، کہ کسی جانچ کے ایک مساوی فارم دم، پر ایک شخص کو پہلے زیادہ شمارہ حاصل ہو چکا ہے دوسری جانچ میں کم شمارہ حاصل ہو سکتا ہے، میقات کے اختتام پر دی جانے والی جانچ میں اگر میقات کے شروع کی جانچ کے مقابلے میں شمارات

کم آئیں، تو اس سے لازمی طور پر ذہانت میں کمی کا اظہار نہیں ہوتا۔ اس میں جس بات کا لحاظ رکھنا چاہیئے وہ ہے شمارات کا رجحان۔ اس رجحان کو اس وقت دیکھا جا سکتا ہے، جب جانچ کے مسلسل پروگرام چلائے جائیں، جس بیان میں ہم نے جانچ کا مفہوم پیش کیا ہے۔ اس میں اب ہم ان الفاظ کے ساتھ تھوڑی بہت ترمیم کر سکتے ہیں۔ ایک جانچ فرد کی موجودہ حیثیت کا اظہار ہے، چاہے، جس بات میں بھی جانچ کی گئی ہو۔ نتائج کی رپورٹ پیش کرتے وقت ہم کو یہ کہنا چاہیئے، ذہنی لیاقت کی خود عملی اوٹس جانچ Otis Self Adminis tering Test میں فارم (ب) پر جب درمیانی امتحان لیا گیا، تو فرینک کی قدر ذہانت تقریباً ۱۱۸ نکلی۔ لیکن ذہنی پختگی کیلیفورنیا جانچ میں جو شمارات حاصل ہوئے ان سے اس بات کی رہنمائی ہوتی ہے کہ نقطۂ نظر بدلا جائے۔ جانچ کے نتائج کا جائزہ لیتے وقت جن احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے، اس کی پوری وضاحت اس رائے ہوتی ہے، جو ضعیف العقل بچوں کے گھر کے سپرنٹنڈنٹ نے پیش کی ہے۔ مجھ سے اکثر پوچھا گیا ہے، کہ کس بنیاد پر حتمی طور پر کوئی بات کہی جا سکتی ہے مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں، کہ میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا، یہ مختلف باتوں پر منحصر ہے۔ بعض بچے جن کی قدر ذہانت ۰۰۰ ہے، وہ سماجی طور پر خود انحصاری کے لئے ناموزوں، اور نااہل ہیں۔ بعض بچے جن کی قدر ذہانت ۵۰ ہے، وہ کسی فارم میں، یا گھر میں کام کرنے کے لئے بہت موزوں ہیں، اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض افراد جن کی قدر ذہانت بہت کم ہے یعنی ۵۰ ہے وہ سماجی طور پر موزوں ہوتے ہیں۔ وہ خصوصی استعداد بھی رکھتے ہیں، اس لئے ان کو ایسے اداروں میں رکھنا دانشمندی کے خلاف ہے، جن جانچوں کا اس نے حوالہ دیا ہے، ان کو نفسی پیمائش کے لائق ماہرین

۸؎ جانچ کا مساوی فارم دو، یا زیادہ جانچوں پر مشتمل ہوتا ہے، لیکن مواد وہی ہوتا ہے، سوالات مختلف ہوتے ہیں، لیکن ایک ہی جیسے مشکل ہوتے ہیں۔ نظری اعتبار سے اگر لگاتار گھنٹوں میں دونوں جانچ ایک ہی فرد پر آزمائی جائیں تو شمارات میں مماثلت ہو گی۔
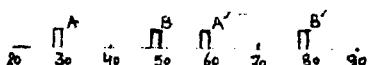
سے نے برتا ہے، اس کی بنیاد پر اساتذہ کو اس بات کی ترغیب ہو سکتی کہ جن نتائج سے انھیں اسکول میں دوچار ہونا پڑتا ہے، ان کو تنقیدی نظر سے دیکھنے لگیں ۔

ذہانت کی جانچ شاگرد کی ذہنی بالیدگی کا ایک مفید مظہر ہے، قدر ذہانت سے جہاں فرد کی امکانی قوتوں کا پتہ چلتا ہے، وہاں استاد کو ذہنی عمر سے بھی آگاہی ہو جاتی ہے، استاد کے لئے ذہنی عمر کا جاننا بہت اہم ہے ساتویں یا آٹھویں جماعت کے دو بچے مختلف گریڈ حاصل کر سکتے ہیں، لیکن دونوں کی ذہنی عمر ایک ہو سکتی ہے، ذہنی عمر سے ہی شاگرد کی موجودہ اکتسابی لیاقت کا تیز تر سراغ ملتا ہے، مثال کے لئے یہ فرض کر لیا جائے کہ کامیاب خواندگی کی ابتدا کے لئے ۵، ۶ ذہنی عمر درکار ہے، تو ایسی صورت میں ایک بچہ جس کی ذہانت کا حاصل قسمت ۸۰ ہے اس وقت خواندگی کے قابل ہو سکے گا، جب وہ تقریباً ۸ برس کا ہو جائے،،

کیونکہ اپنی نشو و نما کی رفتار سے وہ اسی وقت مطلوبہ ذہنی عمر پر پہنچ سکے گا، کم و بیش اسی طرح ذہنی عمر سے استاد کو بہت جلد یہ بصیرت حاصل ہو سکتی ہے کہ جماعت کے جس کام میں دوسرے ہم جماعت مصروف ہیں، اس میں شاگرد کی اضافی لیاقت دانشمندی کے ساتھ لیاقت کی جانچ کی ترجمانی کی جائے تو تحریک پیدا ہو سکتی ہے،، ساتویں جماعت میں ایک مہمان نے کسی قدر تشویش کے ساتھ یہ بات نوٹ کی کہ لیاقت کی جانچ کے نتائج ایک بورڈ پر ہسٹروگرام Histogram کی شکل میں لگا دیئے جائیں، جب ایک طالب علم سے یہ پوچھنے کا موقع ملا کہ بورڈ پر چسپاں کرنا کیسا لگتا ہے تو مہمان کو یہ جان کر بہت جرأت ہوئی کہ وہ شاگرد بہت مطمئن تھا، حالانکہ اس کی درجہ بندی اعلیٰ نہیں تھی، اس نے کہا، ہاں یہ بات درست ہے کہ جماعت میں میری اعلیٰ ترین حیثیت نہیں ہے، لیکن سب نے جو ترقی کی ہے، اس پر ایک نظر ڈالئے، فرینک اب بھی مجھ سے آگے ہے، لیکن پہلے سال کے مقابلے میں کتنا آگے بڑھ گیا ہوں، دیکھو شکل نمبر ۳

میں شروع سال میں یہاں تھا د A کو ظاہر کرتے ہوئے، اور اب میں

یہاں ہوں د A کو ظاہر کرتے ہوئے) فرینگ یہاں تھا د B کو ظاہر کرتے ہوئے
لیکن اس نے میرے مقابلہ میں د A کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، صرف چند
درجوں کی ترقی کی ہے، دونوں شاگردوں کو اس بات پر فخر ہونا چاہیئے، فرینگ
کو اپنے درجے پر اور دوسرے شاگرد کو اپنی ترقی پر لیاقت کی جانچ جن مقاصد
کے لئے کی جا رہی ہو، ان کو ملحوظ رکھنا چاہیئے، یعنی ان کے مقاصد یہ ہو سکتے
ہیں کہ شاگرد کی اضافی قوت یا کمزوری کو پیش کیا جائے، اس کی بالیدگی کی
شرح کا جائزہ لیا جائے، اور اسکول کے مابین تقابل کیا جائے، یقیناً لیاقت
کی جانچ کا غلط استعمال ہوگا، کہ اس کو گریڈ کی بنیاد بنایا جائے، طالب علموں
کو ایک مقررہ میعاد پر لانے کے لئے تیار کیا جائے اور جب دو اسکولوں کے
درمیان موٹے طور پر تقابل کیا جائے، تو اسکول کے انوکھے مسائل اور نصابی طرز
نظر سے گریز کیا جائے''

انفرادی طور پر بچوں کا مطالعہ کرنے کے سلسلہ میں استاد کی توجہ فرد
شخصیت پر ضرور ہونی چاہیئے، لیکن ذہانت اور لیاقت کی جانچ کی طرح کچے
شمار کی ترجمانی احتیاط کے ساتھ ہونی چاہیئے، یقیناً یہ جاننا کافی نہیں ہوگا، کہ
جماعت کے مجموعی شمارات میں کسی طالب علم کا درجہ ادنیٰ ترین ربع سے تعلق
رکھتا ہے، اس بات کا علم ہونے سے کوئی زیادہ بصیرت نہیں حاصل ہوگی کہ
وہ شمارات کے جس درجے سے تعلق رکھتا ہے، وہ ادنیٰ مطابقت کا درجہ
ہے، یا اسی طرح کسی لفظی صفت سے اس کو منسوب کر دیا جاتا ہے، اہم بات
یہ معلوم کرنا ہے، کہ شمار اتنا کم کیوں ہے، کبھی کبھی ماحولی عوامل کو بدلنا ضروری
ہو جاتا ہے، کبھی کبھی فرد جوابات میں بہت ایمانداری برتتا ہے، مثال کے
طور پر ہائی اسکول کے ایک لڑکے سے جب پوچھا گیا، کیا تمہارے سر میں

شکل نمبر ۲

20	30	40	50	60	70	80	90
	A		B	A′		B′	

کچا شمار۔
شاگردوں میں تحریک پیدا کرنے کے لئے جانچ کے شماروں کو استعمال کرنا۔

درد ہے؟ تو اس نے جواب میں، ہاں، کہا جب وہ پہلے درجے میں تھا تو چیچک کا ٹیکہ لگوانے کے بعد دردِ سر میں مبتلا ہو گیا، وہاں نیند میں وہ چلتا تھا اس کی ماں نے بتایا کہ تین برس کی عمر میں ایک بار اس وقت نیند میں چلتا ہوا دیکھا گیا، جب یہ لوگ اس کے دادے اور دادی سے ملنے گئے تھے، وہاں، اس کا سر ایک بار چکرایا تھا جب وہ لائبریری میں ایک نیچے شلف پر لمحے بھر کو جھکا جب وہ سیدھا ہو رہا تھا، اس وقت اس کا سر چکرایا تھا، ہاں اس کو خلاف معمول کسی بات کا خوف تھا، دو برس پہلے کچھ لڑکوں نے اس کو اس برفیلے چشمے کو پار کرنے پر مجبور کیا،

جس میں سیلاب آیا ہوا تھا، اگر محض جوابوں کی بنیاد پر اس کا شمار لیا گیا تھا، تو اس کو اعصابی خلل کا مریض سمجھنا چاہیئے تھا، لیکن جب ان جوابوں کے اسباب پر غور کیا گیا، تو تشویش کی کوئی وجہ نظر نہیں آئی۔

فرد شخصیت سے شخصی انٹرویو کے لیے بہترین نقطۂ آغاز مل سکتا ہے

غیر مثالی سوالات سے زیر تفتیش دشواریاں کم ہو جاتی ہیں، اگر غیر مثالی سوالات کسی مخصوص رقبہ پر مرکوز ہوں، جیسے گھر، مدرسہ، صحت، سماجی مطابقت یا جذباتی ضبط، یا اظہار جذبات، تو تفتیش کا کام آسان ہو جاتا ہے، لیکن یہاں بھی سوالات کے غیر مثالی جوابات اہم نہیں، بلکہ اس بات کا سراغ لگانا اہم ہے کہ وہی جوابات کیوں دئے گئے جو سوالات سے نکلتے تھے، یہ کہنا بیجا نہ ہوگا، کہ کسی فرد مطابقت پر درج کئے ہوئے، کچے یا لحاقی شمار کو مستقل ریکارڈ پر نہیں چڑھانا چاہیئے، تاکہ دوسرے لوگ اس کے مفہوم کی غلط ترجمانی نہ کریں بلکہ ان شماروں کا استعمال موجودہ استاد کو ہی کرنا چاہیئے، تاکہ ان دشواریوں کا پتہ لگایا جا سکے، جن میں امداد کی ضرورت ہے، ایسا نہ ہو کہ یہ دشواریاں نظر میں آنے سے رہ جائیں۔

استاد ان دشواریوں کی حدود کو بھی کم کر سکتا ہے، جن میں مزید تفتیش کی ضرورت ہے۔

معیار مطابق جانچوں کا مندرجہ ذیل مدات میں غلط استعمال ہوتا ہے۔
(۱) نیچے کی بنیاد پر گریڈ یا نمبر دینا؟
(۲) ان شمارات کی بنیاد پر شاگردوں کو مختلف قسموں میں تقسیم کرنا۔
(۳) جانچ کے شمارات میں غلطی کا کوئی امکان نہ سمجھنا۔ شمارات کی حدود کے پیش نظر انھیں سرے سے استعمال ہی نہ کرنا

مندرجہ ذیل مدات میں معیار مطابق جانچوں کو استعمال کیا جاسکتا ہے"
(۱) کسی خاص مقصد کے حصول کی ترقی، اس کی وضاحت، اور پیمائش قدریں۔
(۲) کہاں زیادہ زور دیا گیا ہے یا زور دینے کی ضرورت ہے، اس کا پتہ لگانے میں؟
(۳) تدریس اور اصلاح کاری کے مؤثر طریقوں کا تعین کرنے میں؛
(۴) نتائج کے ذریعہ تحریک کے طور پر استعمال کرنے میں؛
(۵) گروہی تحصیل کا جائزہ لینے میں؛
(۶) استعمال زبان اور تفکر کی تربیت دینے میں؟

شاگردوں کے کردار کی مزید بصیرت حاصل کرنے میں معیار مطابق جانچوں کو سودمند طریقے سے استعمال کیا جاسکتا ہے، ان جانچوں کو ان کی حدود کی بنیاد پر سرے سے رد نہیں کر دینا چاہیئے، البتہ نتائج کی ترجمانی میں مہارت کی ضرورت ہوتی ہے، دوسرے الفاظ میں "عملی شخص" کا انداز اختیار کرنا چاہیئے یعنی اس صورت حال میں سب سے معقول بات یہ ہے کہ موجودہ آلات جانچ کو بہتر سے بہتر طور پر استعمال کیا جائے، اور اس وقت کا انتظار کیا جائے جب بہتر آلات جانچ دستیاب ہو سکیں۔

تعلیمی مقاصد کا میقاتی جائزہ

ایک سند یافتہ استاد بننے کے لئے جو کورس درکار ہوتا ہے، اس کو حاصل کرنے کے باوجود تعلیم کے بنیادی مقصد اساتذہ کی آنکھوں سے آسانی کے ساتھ

اوجھل ہو جاتے ہیں،، چوتھے گریڈ یا ہائی اسکول کی فرانسیسی کلاس میں تدریس کی مختلف تفصیلات پر توجہ دینے کی وجہ سے اکثر یہ خیال غالب ہو جاتا ہے کہ تعلیم ایک کثیر رخ عمل ہے، موثر تعلیم کے تحت بالیدگی کے متعدد رقبوں میں توجہ دینا ضروری ہے، جب توجہ کا کافی حصہ تعلیم کے علمی پہلو پر صرف ہو جاتا ہے، تو تعلیم کے وسیع مقاصد کی طرف ضروری توجہ نہیں ہو پاتی، ان مقاصد پر زور دینے کی غرض سے یہاں تعلیمی مقاصد کا اعادہ کیا جا رہا ہے، اس میں یہ خطرہ ضرور ہے، کہ مقاصد کے اعادے کے ساتھ ساتھ دیگر نصابوں کا بھی اعادہ ہو جائے گا۔

۱۹۱۸ کا کمیشن ثانوی تعلیم کی تنظیم نو اور مقاصد کا بیان

تعلیم کے وہ مقاصد جن کو وسیع پیمانے پر تسلیم کیا جاتا ہے، وہی شاید ثانوی تعلیم کے سات بنیادی اصول کہلاتے ہیں، یہ سات اصول ہیں (۱) اچھی صحت (۲) بنیادی عمل پر قدرت حاصل کرنا (۳) گھر کا لائق رکن ہونا (۴) پیشہ ورانہ حسن کارکردگی (۵) فرصت کے وقت کا بہتر استعمال (۶) اخلاقی سیرت ان اصولوں پر تھوڑا بہت بھی غور و فکر کرنے سے اساتذہ یہ محسوس کر سکتے ہیں، کہ جماعت کے مسائل کی طرف تعمیری طرز نظر اس وقت پیدا ہو سکتی ہے، اور بہتر ذہنی صحت اس صورت میں حاصل ہو سکتی ہے جب ان مقاصد کو جماعت کے اندر برتا جائے، یہ مقاصد جس قدر ثانوی منزل پر اہم ہیں، اسی قدر ابتدائی منزل پر بھی اہمیت کے حامل ہیں:۔

نیو یارک ریاست کے مقاصد؟ اساتذہ اور منتظمین نے ریاست نیو یارک میں ابتدائی اسکول کے حسب ذیل سات بنیادی مقاصد مرتب کئے ہیں:۔

(۱) پسندیدہ سماجی روابط کو سمجھنا اور ان پر عمل کرنا۔

(۲) اپنے بچوں کے پسندیدہ طبعی میلانات کی دریافت اور ان کی نشوونما

(۳) تنقیدی فکر کی عادت پیدا کرنا۔

(۴) کار آمد مشاغل کی آرزو اور ان کی تحسین ؛
(۵) مشترکہ اور مربوط علم وفن پر قابو حاصل کرنا ،
(۶) صحت مند جسم اور طبعی ذہنی رویہ پیدا کرنا ۔

ان مقاصد کے ایک تنقیدی جائزے سے اس نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے کہ بعض مقاصد کے حصول کی خاطر ، دیگر مقاصد کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے ، فہرست بالا سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ سماجی روابط ، انفرادی میلانات ، طبع کے سعی اور اچھی جسمانی اور ذہنی صحت کے مقابلے میں مشترک اور مربوط علم وفن ، کی اہمیت زیادہ ہے ، ، اوپر جو مقاصد بیان کئے گئے ہیں ، ان پر نظر ثانی کرنا ، متوازن نشو نما کے لئے سُود مند ہے ۔

تعلیم میں کنڈر گارٹن کی غرض وغایت

مقاصد کی اہمیت کے سلسلے میں قبل مدرسہ ، ابتدائی اور ثانوی تینوں منزل کے تعلیمی رہنما کم وبیش ایک سی مدات کو تسلیم کرتے ہیں ، کنڈر گارٹن کے مقاصد کو ذہن نشین کر کے اس بات کا بخوبی علم حاصل کیا جا سکتا ہے :

(۱) بچے کو آسانی کے ساتھ اپنے ماحول سے توافق پیدا کرانے کی تربیت دینا ۔
(۲) اس بات کو محسوس کرانا کہ ایک فرد کی حیثیت سے بچے کی پہلے جو عادتیں تھیں ، اور جو حقوق حاصل تھے ، وہ تنہا اس کے لئے نہیں رہے ، کیونکہ وہ اب ایک گروہ کا رکن ہے ، ،
(۳) اپنے گھر کے علاوہ دوسرے لوگوں سے تعلق پیدا کرنے کی تعلیم دینا ،
(۴) ضبط نفس کی قوت پیدا کرنا ،
(۵) دوسرے بچوں کے لئے ایک پُر لطف ماحول پیدا کرنا ۔

ایجوکیشن پالیسی کمیشن کی طرف سے مقاصد کا بیان

سنہ ۱۹۳۷ء میں ایسوسی ایشن کے ایجوکیشنل پالیسی کمیشن نے امریکی جمہوریت کے اندر زندگی بسر کرنے کی بات کو حسب ذیل اقسام میں مرتب کیا ہے ۔

(۱) استکمالِ نفس کے مقاصد۔
(۲) انسانی روابط کے مقاصد۔
(۳) معاشی حسنِ کارکردگی کے مقاصد۔
(۴) شہری ذمّے داری کے مقاصد۔

تعلیمی مقاصد کا استعمال

مذکورہ بالا فہرست کو صرف پڑھ لینا کافی نہیں اور یہ ضروری ہے کہ اس فہرست کو رٹنے کے بعد اس پر عمل بھی کیا جائے تمام اساتذہ کو کچھ مدت کے بعد ان مقاصد پر انفرادی حیثیت سے نظرِ ثانی کرنی چاہیئے، اور دیکھنا چاہیئے کہ اس سلسلہ میں جماعت کے اندر کیا کچھ کیا جا سکتا ہے، یا کسی خاص مقصد کو کس حد تک عملی طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے، یہ مقاصد اثر پذیری کے لئے پڑتالی فہرست کا کام دے سکتے ہیں، اس سلسلے میں عام طور پر کسی نمایاں، یا اچانک ترقی کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے بلکہ زیادہ امکان بتدریج ترقی کا ہے، استاد جماعت کے فرائض، تخت دشوار اور عموماً اشتعال انگیز بھی ہوتے ہیں، لیکن جو لوگ اپنے کام کو بہتر بنانے کے لئے وقت نکالتے ہیں، اور سر کھپاتے ہیں، ان کو یقیناً صلے کے طور پر باطنی تسکین بھی حاصل ہوتی ہے، یہ تسکین اس وقت حاصل ہوتی ہے جب استاد اپنے شاگردوں کو استقلال اور موزونیت کے ساتھ ترقی کرتے ہوئے دیکھے،

پیشہ ورانہ جلسوں کے لئے تعلیمی مقاصد کا تفصیلی مطالعہ ایک مفید مرکز ثابت ہو سکتا ہے، اگر اسکول میں جلسے پابندی کے ساتھ ہوا کریں، تو بعض جلسوں میں اس بات کی کوشش کرنی چاہیئے، کہ زیادہ سے زیادہ تخصیص کے ساتھ ان مقاصد کی ترجمانی کی جائے۔

ایک استاد ان مقاصد کی تکمیل کے لئے جتنی دیر تک طریقۂ کار سوچے اور دوسروں کو اپنی رائے سے مطلع کرے، اس کے دوران اساتذہ کو دوسرے وسائل تلاش کرنے چاہیئے، اور مقاصد کو بھی بنانے کی ترکیبیں سوچنی چاہیئے راقم الحروف نے حال ہی میں اسکول کے مختلف ورکشاپ میں ۵ دن تک شرکت کی، یہاں ابتدائی اور ہائی اسکول دونوں کے اساتذہ نے ان

مقاصد کا جائزہ لیا، جو ایجوکیشنل پالیسی کمیشن نے تجویز کئے تھے،، ان چاروں عنوانات کے تحت محدود تعداد میں مدات کو پرکھنے کے لئے مختلف کمیٹیاں بنائی گئیں پھر پورے گروپ کے سامنے رپورٹ پیش کی گئی، ورکشاپ کے اختتام پر حسب ذیل قسم کے ریمارک پیش کئے گئے، بہت سے خیالات سامنے آئے ہیں، میں ان کے پیش نظر فوراً کام کرنا شروع کردوں گا، یہ مقاصد واقعی مستحق توجہ ہیں،،

میں ہائی اسکول کے اساتذہ کے کام کو زیادہ سراہتا ہوں، میں اس بات کو نظر انداز کر گیا تھا کہ میرے رفقائے کار بہت سے مفید خیالات رکھتے ہیں ایک نئے استاد نے کہا، میں نے ابھی ابھی کالج میں ان مقاصد کا مطالعہ کیا ہے، اب یہ مقاصد مجھے بالکل ہی دوسری صورت میں نظر آرہے ہیں۔

راقم الحروف کو سب سے زیادہ تسکین اس بات سے ہوئی، ذہنی صحت ایک مدت سے دلچسپی کا موضوع رہا ہے، لیکن جماعت کے اندر روز مرہ کے مشاغل میں اس کا عمل درآمد کس طرح ہوتا ہے، یہ دیکھنا مفید ثابت ہوا۔

بعد میں پرنسپل نے اس جلسہ کا فائدہ اس طرح بتایا کہ اس کے ذریعہ دوکان اور زراعت کے اساتذہ نے اپنے خصوصی شغل کے غیر پیشہ ورانہ پہلوؤں کے بارے میں زیادہ جانکاری حاصل کرلی ہے۔

موجودہ اثاثے کا تعمیری استعمال

اسکول میں رہنمائی کے لئے ایک ایک کلینک کا ہونا اچھا ہے، جن میں تربیت یافتہ ماہروں کا انتظام ہو، ان کا کام یہ ہو کہ اساتذہ کے مسائل کو حل کرنے میں مدد کریں،، اس قسم کے کلینکوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے لیکن بیشتر اسکولوں میں اس قسم کی خدمات فراہم نہیں ہو پائی ہیں، جہاں کہیں یہ سہولتیں فراہم بھی کردی گئی ہیں، وہاں اساتذہ کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ بچوں کی امداد کے لئے کون کون سے وسائل فراہم ہوسکتے ہیں، اس لئے آخرکار اسی کو خصوصی ماہرین کی سفارشات پر عمل کرنا ہوگا، کتاب کے اس حصہ میں جن وسائل کا ذکر کیا گیا ہے، وہ ایسے اسکولوں میں مہیا کئے جاسکتے ہیں، جن میں کلینک

موجود نہیں ہے:۔

اساتذہ اسکول میں کام کرنے والے اساتذہ یا عمارتیں بچوں کے ساتھ کام کرنے میں وسائل کا کام دے سکتی ہیں، اساتذہ میں سہولتوں اور دلچسپیوں کے اعتبار سے اختلاف ہوتا ہے، یہ بات ہر فرد میں نظر آتی ہے کہ دوسرے کے مقابلے میں کسی مخصوص شخص سے بہتر ذاتی روابط قائم کرے، مثال کے لئے ایک انگریزی کی استانی ہیں جو بائیلوجی میں دلچسپی رکھتی ہیں، اور شرمیلے افراد سے انس محسوس کرتی ہیں، انہوں نے ہائی اسکول کے ایک شاگرد سے رابطہ قائم کیا یہ شاگرد اوسط درجے کا لیکن ہوشیار طالب علم تھا، جو انجنیئر بننے میں دلچسپی رکھتا تھا لیکن یہی لڑکا کھیل کے استاد کی توجہ مبذول نہ کرا سکا، اس لئے کہ نہ تو وہ اسکول کی ٹیم میں دلچسپی لیتا تھا، اور نہ وہ اس کا اہل تھا،

اب ایک اور استانی کو لیجئے وہ چھوٹی جماعت کی ایک بالغ نظر استانی ہیں جو ایسے بچوں کے ساتھ بہت گرم جوشی اور نیک طبعی کے ساتھ پیش آتی ہیں، جو جارحانہ رویہ دکھاتے ہیں، بہت چیختے ہیں چلاتے ہیں، اور قبل تو بلوغیت کا اظہار کرتے ہیں، وہ اس بات سے بھی بخوبی واقف ہیں، کہ پسندیدہ کردار کیا ہوتا ہے پھر بھی جب یہ ناشائستہ اور اڑیل لڑکے بھی گفتگو کے لئے اس کے پاس آتے ہیں،، تو استانی ان سے سوال وجواب کرتی ہیں، اور ان کے ساتھ ہنستی ہنساتی ہیں تاکہ یہ لڑکے اپنے ہم جماعتوں کے بارے میں بہتر تفہیم پیدا کر سکیں، وہ اس بات کو محسوس کرتی ہیں کہ اکثر صورتوں میں جارحانہ کردار تناؤ کے لئے ایک آڑ کا کام کرتا ہے، جس کو وہ خود مشکل سے محسوس کر پاتے ہیں،

ایک اور استانی کو لیجئے جس نے خود ایک ایسے گھر میں تربیت پائی جس میں انتشار پایا جاتا تھا، وہ ہمدردی جتاتے وقت رقیق القلبی سے کام نہیں لیتیں بلکہ وہ ہر درجے کے بچوں کے ساتھ دانشمندی سے پیش آنے کی صلاحیت رکھتی ہیں، اور یہ جانتی ہیں کہ ان بچوں کی مشکلات احساس عدم تحفظ کا نتیجہ ہیں اور عدم تحفظ کا احساس اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب گھر میں انتشار پایا جائے، اب ایک اور استاد کو لیجئے جو اپنے شاگردوں سے بھی دلچسپی رکھتا

ہے، اور سائنس سے بھی وہ قدرتی مظاہر میں وسیع دلچسپی پیدا کر کے اپنے شاگردوں کو یہ محسوس کراتا ہے، کہ ان میں امکانی صلاحیتیں موجود ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ وہ استاد اور اس کے شاگرد اکثر سائنس معمل میں نظر آنے لگے، وہ خود چھان بین کرتے ہیں، اور ایسے عملی مظاہروں کی تیاری کرتے ہیں جنھیں جماعت کے اندر استعمال کر سکیں۔

اس قسم کے اساتذہ اپنی انوکھی دلچسپیوں اور شخصی اپیل کے ذریعہ مخصوص لڑکوں اور لڑکیوں سے رابطہ پیدا کرنے میں دیگر اساتذہ کی مدد کر سکتے ہیں، خود اپنے شاگردوں میں سے کسی مخصوص بچے کا پتہ چلانا مشکل ہے، لیکن اگر آپ ایسے اساتذہ کی امداد طلب کریں، تو وہ ان مشکلات کو جو آپ کو درپیش ہیں حل کرنے میں معاونت کر سکتے ہیں، بچوں میں اگر شوق پیدا ہو جائے تو اس کی توسیع کی جا سکتی ہے، اور جماعت کے اندر جو تناؤ پایا جاتا ہے، وہ دوسرے کاموں میں شعاع کر کے دور کیا جا سکتا ہے۔

مذکورہ بالا انگریزی کی استانی نے دو شرمیلے بچوں کو ایک تعلیمی سال کے اندر، اسی طرح متاثر کیا کہ وہ اپنی جماعت کے علاوہ دوسری جماعتوں میں زیادہ فعال اور پرجوش نظر آئے، چھٹی جماعت کی استانی نے شریر بچوں کو اس حد تک متاثر کیا کہ استاد کی عدم موجودگی میں بھی بچوں نے کم بیہودگی دکھائی جس استاد نے بچوں کے ساتھ ساتھ سائنس کے مضمون سے بھی دلچسپی لی، اس کو بچوں سے متعلق عہدیداروں نے اس بات کی داد دی کہ اس نے برادری کے کئی بدراہ بچوں کو راہِ راست پر لگایا۔

اساتذہ کو ذہنی صحت کے وسائل کے طور پر استعمال کرنے میں جو کوتاہیاں پیش آتی ہیں، وہ بڑی حد تک خود اپنی کوتاہیاں ہیں، اگر کسی مخصوص صورت حال سے نپٹنے کی صلاحیت ہم میں موجود نہیں تو اس کو چھپانے اور ان اساتذہ پر جن کے کام کا طریقہ مختلف ہے، تنقید کرنے کے بجائے ہم کو چاہیئے کہ دوسرے اساتذہ کی طرح اعلیٰ ظرفی کا رویہ رکھیں، اور یہ تسلیم کریں کہ ہر استاد اپنے طور پر شاگردوں کی بالیدگی میں اضافہ کر سکتا ہے، جب ہم ان کی دن بھر کی کارگزاری

پر متوجہ ہوں، تو اس وقت ہم کو شاگردوں کے مسائل کا بھی علم ہو سکتا ہے، اور یہ پتہ لگایا جا سکتا ہے، کہ ان کے خیالات سے مستفید ہونے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ اپنے رفقائے کار کے ساتھ سماجی تعلقات پیدا کرنے سے ہمیں ان کے شوق اور مشغلوں کا علم ہو سکتا ہے۔ یہ علم اکثر شاگردوں کی بالیدگی میں ترقی کا باعث بن سکتا ہے۔

ایسی صورت میں ہم کو ایک ایسے مدرسے کی ضرورت ہے، جس کے کارکن ایک دوسرے کی امکانی قوتوں پر یقین رکھتے ہوں، اور مسائل کو حل کرنے میں انفرادی اور اجتماعی ذہانت پر بھروسہ رکھتے ہوں۔ ایک ایسے مدرسہ کے اندر جس میں مسائل حل کرنے میں بہت سے لوگوں کا اشتراک حاصل ہو اساتذہ صرف اپنی ہی نہیں بلکہ اپنے رفقائے کار کی بھی قدر و قیمت پہچان سکتے ہیں، آپ کا پڑوسی استاد ایسا نہیں ہونا چاہیئے، جس سے آپ تدریس کے گر نہ معلوم کر سکیں، بلکہ ایک ایسا شخص ہونا چاہیئے جس سے نئے طریقۂ کار دریافت کیے جا سکیں، اور اس طرح موجودہ طریقۂ کار کو بہتر بنایا جا سکے۔[9]

شاگرد اس بات کو اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے، کہ عمدہ مطابقت پیدا کرنے کے لئے شاگرد خود ایک وسیلہ ہے، اس تصور کو رد کر دینا چاہیئے کہ بچے بھونڈے اور بے رحم ہوتے ہیں،

بچے جب ایک دوسرے کو ستاتے ہیں تو اس سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کو ستا کر لطف اندوز ہوتے ہیں، لیکن یہ ان کے فطری فسق و فجور کا نتیجہ نہیں ہو سکتا، ہے کہ تجربے اور غور و فکر کی کمی یا کسی رہبر کی کوتاہی کے سبب یہ طریق عمل ظاہر ہوا ہو، استاد کی تھوڑی سی رہنمائی بھی شاگردوں کے لاابالی پن کو دور کر سکتی ہے، اور ان کے افعال کو تعمیری نہج پر موڑ سکتی ہے،

ایک استانی نے اس مدرسے کے اندر جس میں سبھی بچے سعید نسل سے تعلق رکھتے تھے، ایک کالے چہرے والے میکسکن بچے کی پریشانی بھانپ لی، چنانچہ اس نے میکسکو پر ایک یونٹ کی یہ یونٹ میکسکو کی تہذیب اور دنیا کی معیشت میں جو اس کا رول ہے اس پر مبنی تھی، لیکن اس نے اس سلسلہ میں مزید قدم اٹھایا

اور میکسکن لڑکے کی عدم موجودگی میں یہ بحث چھیڑی کہ کس طرح اس لڑکے کو گروپ کے اندر سمونے میں امداد کی جا سکتی ہے، بڑی حد تک جماعت کے اراکین نے ہی جوابات فراہم کئے، اور بعد میں اس لڑکے کی جانب ان کا جو رویہ تھا وہ بہت امید افزا تھا، تمام بچے خود بخود اس کے دوست بن گئے، پہلے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ نووارد کو یہ لوگ تباہ کر دیں گے، لیکن جلد ہی وہ دوستی کے ایک نارمل ماحول میں گروپ کا ایک لازمی جزبن گیا، ہو سکتا تھا کہ جماعت کے اندر کوئی دشواری نہیں پیدا ہوئی، لیکن ایک منحرف بچے پر عموماً اعتبار کم کیا جاتا ہے اس لیے استانی جس تشویش کا اظہار کیا وہ حق بجانب تھی، یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ شاگردوں کے دوستانہ رویئے کی وجہ سے میکسکن لڑکے کی مطابقت پذیری میں ہی سہولت نہیں ہوئی، بلکہ انھیں انسانی روابط کے عملی تجربات سے بھی استفادے کا موقع ملا، یہ تجربات ان کی اپنی زندگی میں مطابقت پیدا کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

اسکول کے اندر امدادی سامان پہنچانے میں بچے مفید ثابت ہو سکتے ہیں امدادی سامان کی وجہ سے رسمی تعلم کو زیادہ موثر اور شخصی بنانے میں مدد ملے گی، جاپان پر جب ایک یونٹ چنی گئی تو لڑکوں نے کچھ نوادرات، جنگ کی نشانیاں اور نیشنل جیوگرافک میگزین فراہم کر کے اس میں جان ڈال دی ایسے موقعوں پر اکثر شاگردوں کے اپنے تجربات سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، خود ان کی سیر و سیاحت سے بزرگوں کے ذریعہ سنی ہوئی کہانیوں سے خود اس کی دیکھی ہوئی فلموں اور پڑھی ہوئی کہانیوں سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

اسکول کے اندر مجموعی طور سے خوشگوار ماحول پیدا کرنے میں شاگرد قومی عوامل کا کام دے سکتے ہیں، اور خود وسیلہ بن سکتے ہیں، اس کے لئے جو طریقے اپنائے جا سکتے ہیں ان کی ایک فہرست مرتب کی گئی ہے، اس میں حسبِ ذیل مشاغل کو پیش کیا گیا ہے۔

(۱) ایک پڑتالی کمیٹی کی تشکیل جس کے تحت یہ دیکھا جائے کہ کتب خانہ صاف رکھا گیا ہے، اور گندگی سے پاک ہے (۲) خوشگوار اور موزوں

ماحول فراہم کرنے کے لئے دوپہر کے کھانے کا کلب کا قیام (۳) جن لڑکوں کے کام غیرحاضری کی وجہ سے پچھڑ گئے ہوں ان کو پورا کرانے کے لئے، بچوں کو ذمے داری سونپنا (۴) میدانی سیر پر جانے کے لئے منصوبہ بنانے میں شاگردوں کا اشتراک (۵) مہمانوں کو حسب خواہش اسکول دکھانے اور ان کے خیر مقدم کے لئے تواضع کمیٹی کی تشکیل (۶) قائم مقام اساتذہ کی دقتیں شکل کو کم کرنے کے لئے ان کے مسائل پر تبادلہ خیال کرنا۔ اور طریقہ کار متعین کرنے کی کمیٹی کی تشکیل (۷) جماعت کے اندر کمروں کے سامنے کے راستے پر کھیل کے میدان میں اور متصل لڑکوں پر ضبط قائم کرنا، اور ذمے داریاں سونپنا۔

اساتذہ کو روزانہ یہ پتہ چلتا ہے کہ نوجوانوں کے پاس مسائل کو حل کرنے کے لئے بے پناہ وسائل موجود ہیں، جب بھی موقع ملے گا وہ ان ذمے داریوں کو سنبھال لیں گے، بہت سے اساتذہ کے لئے یہ تعجب کی بات ہے لیکن اس قسم کے مشاغل کی تفصیل بہت سے تعلیمی رسالوں میں دیکھی جا سکتی ہے پال۔ آر۔ ہنا Paul R. Hanna کی کتاب یوتھ سروس اِن کمیونٹی Youth Service in the Community میں ایسے بہت سے واقعات بیان کئے گئے ہیں جن میں نوجوانوں نے اپنی امکانی قوتوں کو استعمال کیا ہے، اور اپنی برادریوں کو بہتر بنایا ہے وہ اساتذہ جو نوجوانوں کو مقاصد سے روشناس کرتے ہیں جن کی وجہ سے ان کی قوتیں تعمیری راستوں پر صرف ہوتی ہیں، ان کو چاہیئے کہ وہ ان نوجوانوں کی ایمانداری، قوت اور ذہانت پر بھروسہ کریں، یہ بھروسہ پورے طور پر اس وقت پیدا ہوگا جب ان وسائل کا استعمال دانشمندی سے کیا جائے۔

دستی آرٹ کا معلم چھوٹے مدرسوں میں بھی خصوصی ماہرین کا انتظام ہوتا ہے، یہ ماہرین شاگردوں کی بالیدگی میں اضافہ کرنے کے لئے بہت کچھ کر سکتے ہیں جسمانی ورزش کا استاد، معاشیات، خانہ داری کا استاد، ناظم کتب خانہ (اگر مرکزی کتب خانہ ہو) اور موسیقی کا استاد اس سلسلہ میں معاون ہو سکتا ہے، یہ خصوصی ماہرین کیا کچھ کر سکتے ہیں اس کی تفصیل دستی آرٹ کے ایک استاد کے ان کارناموں میں ملے گی جن کے ذریعہ شاگردوں کی ذہنی صحت

کے حصول کی کوشش کی گئی ہے:

یہ استاد برسوں سے یہ محسوس کرتا چلا آرہا تھا کہ اس کی کلاس کی طرف دوسرے اساتذہ کا کیا رویہ ہے، اس کو ایسا لگا جیسے دوسرے اساتذہ اس کی کلاس میں صرف انھیں لڑکوں کو بھیجتے رہے جو تعلیمی کاموں میں بہتر گریڈ نہیں حاصل کر پاتے اور اکتساب میں سست ہوتے. بعض تیز لڑکے دستی آرٹ میں بہت اچھا کام کر رہے تھے، لیکن یہ لڑکے وہ تھے جو کلاس کے اندر مختلف قسم کی دشواریاں پیدا کرتے تھے، اور ان سے محض چھٹکارا پانے کے لئے اس استاد کے پاس بھیج دیا گیا، جب وہ معلمی کا سندی کورس کر رہا تھا، اس وقت کسی انسٹرکٹر نے اور اس کے ہم جماعتوں نے بھی اس امکان کی طرف اشارہ کیا تھا کہ ہوسکتا ہے کہ اس کو ایسی صورت حال سے دوچار ہونا پڑے، جس ان بچوں کی طرف جو اس کے پاس بھیجے جائیں، اس کو کچھ تعمیری قدم اٹھانے پڑیں، اس کو یہ بات یاد آگئی اس لئے اس نے اس کام کو کرنے کا فیصلہ کرالیا، اور ان لڑکوں میں سے جو اس کے پاس بھیجے گئے تھے چند کی اس نے امداد کی،

اس لئے دستی آرٹ کی کلاس میں آرٹ کا کام کرانے کا سلسلہ ختم کر دیا تاکہ بچے اپنے مشاغل میں مصروف ہوکر اپنے تناؤ کو ختم کر دیں. جوں جوں، بچوں نے اپنی دلچسپیوں کا اظہار کرنا شروع کیا، استاد نے دستی مہارتوں کی نشو ونما کی جانب اپنی رہنمائی کا آغاز کر دیا، جب بھی بچے گفتگو کے لئے رضامند نظر آتے وہ غیر رسمی طور پر بات چیت کرنے لگتا، پورے وقت وہ دوستانہ رویہ رکھتا. چنانچہ آزادی اور بھائی چارے کے ماحول میں لڑکوں نے پیار اور کام سمجھ کر دستکاری میں حصہ لینا شروع کر دیا، ان لڑکوں نے اپنے انسٹرکٹر پر بھروسہ کرنا شروع کر دیا، کیونکہ ان کے قصّے دوسری جگہ نہیں مشتہر ہو پاتے انسٹرکٹر نے کسی مسئلی بچے کا معاملہ حکام بالا کے پاس نہیں بھیجا.

ان حالات میں لڑکے اپنی بنائی ہوئی چیزوں پر فخر کرنے لگے، اور اسکول کے جن معاملات سے انھیں دلچسپی تھی ان کی خبر گیری کرنے لگے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کلاس بہت صاف ستھری نظر آنے لگی. اور بچوں کے ہی انتظام

میں باقاعدگی کے ساتھ چلنے لگی، لیکن اس کی کامیابی اسی حد تک محدود نہیں تھی، بلکہ جوں جوں انسٹرکٹر بچوں کے حالات سے واقف ہوتا گیا، بچوں کے اندر تعمیری رجحان پیدا کرنے میں اس کی امداد بڑھتی گئی۔ اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا کہ ان کی یہ ہنرمندی دوسرے مشاغل میں بھی نظر آسکتی ہے، چنانچہ خاص خاص شاگردوں کے بارے میں اس نے دوسرے اساتذہ سے مشورہ کرنا شروع کر دیا، اور ان کی امداد کے لئے خود بھی کچھ باتوں کی طرف اشارہ کیا۔ مثلاً جانی کو اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کی خوب تعریف کی جائے فرینک کو تحت کام سونپے جانے کی حاجت ہے۔ مل کو رہبرانہ حیثیت زیادہ بھاتی ہے، چنانچہ وہ اسی صورت میں اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی نبھاتا ہے اور جبھی اس وقت تعمیل کرتا ہے جب سختی سے حکم دیا جاتا ہے، ان باتوں کی بصیرت اس کو اس لئے حاصل تھی کہ اس نے انفرادی طور پر بچوں کا مطالعہ کیا تھا وہ ان کے ساتھ خوب بات چیت کرتا اور اس سے بھی زیادہ ان کی باتیں سنتا۔

مختصر یہ کہ ذہنی صحت کا نقطۂ نظر اس کے دماغ پر سال بھر چھایا رہا سال بھر بعد بہت سے بچوں کے بارے میں یہ کہا جا سکتا تھا کہ ان کو نظر انداز نہیں کیا گیا، بلکہ ان کی مدد لی گئی، دیگر اساتذہ نے شرارتی بچوں کو دستی آرٹ کے کمرے میں بھیجنے کا سلسلہ جاری رکھا، لیکن اب ان کا رویہ مختلف تھا، اب وہ ان بچوں سے چھٹکارا پانے کے لئے نہیں، بلکہ اس احساس کے تحت ان بچوں کو بھیجتے کہ ان کے لئے کچھ نہ کچھ وہاں کیا جا سکتا ہے۔

دستی آرٹ کی کلاس میں کام کے ٹھوس نتائج برآمد ہوئے، اور شاید جسمانی نقل و حرکت کے مواقع ملنے کی وجہ سے مذکورہ بالا رپورٹ کی معنویت بڑھ گئی ہے، اس طرح کی باتیں موسیقی، معاشیات، خانہ داری اور جسمانی ورزش کی جماعت میں ہو سکتی ہیں۔

معاشیات خانہ داری گھر کو سنبھالنے کے لئے جو مشاغل مدرسے کے اندر جاری ہیں ان پر ذہنی صحت کے نقطۂ نظر سے توجہ دینے کی ضرورت ہے، ایک لڑکی کا مسئلہ جس کا قد بہت بڑھ گیا تھا، معاشیات خانہ داری کی

ہی ایک استانی نے حل کیا، حالانکہ یہ لڑکی اس استانی کی جماعت میں نہیں تھی، نویں جماعت میں پہنچنے کے تھوڑے ہی دن کے بعد اساتذہ اور طلباء میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ یہ لڑکی بہت بدزبان اور لڑاکا ہے، اس کے اشتعال سے بہت سے اساتذہ خوف زدہ ہو گئے، دوسرے کچھ اساتذہ اس کی امداد پر آمادہ ہوئے لیکن معاشیات خانہ داری کی استانی نے یہ کیا کہ ہال میں، اتفاقیہ طور سے اس سے بات کر لیتی، اس کو یہ محسوس ہوا کہ وہ لڑکی اپنے لباس اور اپنی شکل و شباہت پر شرمندہ رہتی ہے، اور اس کا خمیازہ ان لڑکوں کو بھگتنا پڑتا ہے، جو اس کو چھیڑتے ہیں، استانی نے ان کپڑوں کو جو بی، ٹی اے کی طرف سے بطور عطیہ موصول ہوئے تھے، ایسے لباس میں تیار کئے، جو اس لڑکی کی عمر، قد اور رنگ کے اعتبار سے موزوں ہوتے، اس کو کچھ ایسی باتیں بھی بتائی گئیں جس سے جلد کی حفاظت اور بالوں کی آرائش میں مدد مل سکتی تھی اس کے نتائج کو ان لوگوں نے معجزہ سمجھا جن کو عنفوان شباب میں ظاہری شکل و شباہت کا اندازہ نہیں تھا، اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکی نے دوستانہ اور نسوانی انداز اختیار کر لیا، اس کی ذہنی برتری اس وقت نظر آئی جب اس نے علمی مضامین میں نمایاں طور پر رہبری کے فرائض انجام دئے۔

اساتذہ بکثرت رائے اس بات سے متفق تھے کہ یہ لڑکی کمرۂ جماعت میں ایک نئی لڑکی لگتی ہے، ضمنی طور پر یہ بھی ذکر کر دینا چاہیئے کہ کپڑوں کے رجحانات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابتدائی، اور ہائی اسکول دونوں منزلوں پر شاگرد کا لباس بہتر ہو گیا۔

تجرباتی طرز نظر

ذہنی صحت کی خاطر پڑھنا عرصے سے اساتذہ کو محسوس ہو رہا ہے کہ پڑھنا سکھانے میں خواندگی کے میکانکی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ انتخاب کے ذوق پر زور دینا چاہیئے، عام طور سے انتخاب کا معاملہ اساتذہ کے

انفرادی ذوق پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ استاد عام طور سے یہ سمجھتا ہے کہ ہر منزل کے لئے موزوں کتابوں کی فراہمی بہت محدود ہے۔ انتخاب کا معاملہ میں ٹھوس، خصوصی اور تفصیلی امداد امریکی کونسل آف ایجوکیشن سے حاصل ہوئی ہے۔ اس کمیٹی نے مسائل کا مطالعہ کیا ہے، اور انسانی روابط کے پہلو پر زور دیا ہے"۔

ان کا بیان ذہنی حفظانِ صحت کے نقطۂ نظر کے لئے بھی بہت موزوں ہے۔ سوانح، افسانے، ناول اور ڈرامے سے قارئین کو اس بات کے مواقع حاصل ہوتے ہیں کہ وہ جذباتی طور پر بنی نوع انسان کے ساتھ ایک ایسا رشتہ جوڑ سکیں، جو ایک دوسرے کے درمیان آپسی روابط پر مبنی ہو، ان کے مطالعہ سے قارئین کو دوسروں کے احساسات کا پتہ چلتا ہے، بصورت دیگر یہ احساسات دو بدو رابطے سے ہی پیدا کئے جاسکتے ہیں:

سماجیت پیما اور شاگردگی مطابقت

شاگردوں کی تفہیم اور بہتر مطابقت پیدا کرنے کے لئے اساتذہ عام طور سے جو طرز نظر اختیار کرتے ہیں، اس کو سماجیت پیما کہتے ہیں، اختصار کے طور پر اس کی تعریف یوں بیان کی جاسکتی ہے، کہ کسی گروہ کے افراد کے درمیان جس قسم کے بھی روابط موجود ہوتے ہیں، ان کی مکمّل ساخت کو گراف کے ذریعہ یا سادے طریقے پر پیش کرنے کا ایک ذریعہ ہے، اس کے اندر رابطے کے بڑے وسائل یا قبولیت اور غیر قبولیت کے خاکے پورے طور پر ایک نظر میں دیکھے جاسکتے ہیں[12]

گراف کے ذریعہ روابط کے مسائل کو جب پیش کیا جاتا ہے، تو اس کو سماجیت پیما کہتے ہیں، اس کی بنیاد ایک سوال نامے پر ہوتی ہے، جو اسی مقصد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، اساتذہ انفرادی طور پر سوال نامے کی ہدایت تیار کرسکتے ہیں، کیونکہ ہر استاد کے ذہن میں اس کے مختلف مقاصد ہوسکتے ہیں، اس کے مثالی سوالات کی شکل حسب ذیل ہوسکتی ہے، تم کس کو اپنا بہترین دوست سمجھتے ہو، اپنے کمرے کے کن کن طالب علموں کو تم اپنا بہترین دوست بنا سکتے ہو، اگر کسی دیواری مصوری کے کام پر تمام

لڑکوں کو لگا دیا جائے تو تم کس کو اپنا ساتھی بنانا پسند کرو گے؟ کیا تم سماجی علوم کے مباحثے کے لئے بہترین صدر بن سکتے ہو، ؟ جماعت کی صدارت کے لئے تم کس کو اپنا ووٹ دو گے؟ تھوڑی مدت کے لئے اگر استاد غیر حاضر ہو تو تم کس طرح اس کا قائم مقام بنانا پسند کرو گے؟ عام طور سے طالب علموں کو پہلی اور دوسری پسند کا موقع دیا جاتا ہے، ایک مثالی صورت حال میں بہت سے طالب علم مل کر ایک طالب علم کا انتخاب کریں گے، لیکن سوالات کی بنیاد پر کسی کو پسند کا موقع نہیں ملے گا۔

ہر سوال کے نتائج کو ترتیب دیدیا جاتا ہے ایک ہموار خط سے پہلی پسند کو، اور ناہموار خط سے دوسری پسند کو ظاہر کیا جا سکتا ہے،

سماجیت پیما کی وضاحت کے لئے لڑکیوں کو دائرے کی شکل میں اور لڑکوں کو مربع کی شکل میں دکھایا جا سکتا ہے (شکل ۴) کسی مربع یا چوکور شکل کے اندر ناموں کے ابتدائی حروف کی مدد سے افراد کی شناخت کی جا سکتی ہے، فرد گروہ سے الگ ہے، یا گروہ میں مقبول ہے، اس کی اضافی کیفیت کو اشارتی خطوط کے گچھے کی شکل میں دکھایا جا سکتا ہے :۔

سماجیت پیما کے معائنہ سے بہت جلد اور ٹھیک اس بات کا پتہ چل جاتا ہے، کہ فرد گروہ میں کس حد تک گھلا ملا ہے، اس سے ان رقیبوں کا بھی پتہ چلتا ہے (اس کا انحصار ان سوالوں کی نوعیت پر ہے جس پر سماجیت پیما کی تشکیل ہوئی ہے) جن میں شاگرد سماجی مطابقت کے لحاظ سے مضبوط یا کمزور ہے، سماجیت پیما کا مقصد یہ ہے کہ شاگردوں کی گروہ بندی اور گروہ کی تنظیم نو کی جائے، تاکہ بچوں کے انتخاب کو عملی شکل دی جا سکے،"
منتخب بچے کو اپنی پہلی پسند کے مطابق گروہ میں رکھنا چاہیئے، اگر ممکن ہو سکے تو جانبین کی پسند کا احترام کیا جائے،

جن اساتذہ نے سماجیت پیما کا طریقۂ انتخاب استعمال کیا ہے، اور بہت دن تک اس کا اہتمام کیا ہے ان میں سے ایک نے بھی عارضی انتشار کے علاوہ کسی معاملے کی اطلاع نہیں دی، سب نے یہی بتایا کہ اس کی وجہ سے جماعت

کا ماحول اور کام کی فضا نمایاں طور پر بہتر ہو گئی رسالہ
شاگردوں کے اپنے انتخاب کے مطابق گروہ کی تشکیل نو سے انھیں یہ فائدہ ہوا کہ وہ اپنے اپنے انتخابی رفیقوں میں تحفظ کے ساتھ کام کر سکتے تھے، سماجیت پیما کی یہ بھی افادیت ہے، کہ اس کے ذریعہ شاگردوں کے اقدار کی عکاسی ہوتی ہے یہ اقدار کبھی کبھی استاد کے پیش نظر اقدار سے مختلف ہوتی ہے، سماجیت پیما سے جب یہ پتہ چلتا ہے کہ فرد اپنی خوبیوں کے باوجود گروپ سے علیحدہ نظر آتا ہو تو اس کو تعجب ہوتا ہے، سماجیت پیما کے مطالعہ سے ایسی ضرورتوں کا پتہ چلتا ہے، جو میدانی کھیلوں، کیفیٹریا کے اندر نشست و برخاست، ٹریفک کنٹرول کمرۂ جماعت کی تنظیم، یا کلیہ کی رنگینیات کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں، مثال کے لئے بہت سے اسکولوں میں دیکھا گیا کہ لڑکے اور لڑکیوں کو ایک دوسرے سے ملنے جلنے کے زیادہ مواقع نہیں فراہم ہوتے گروپ بندی اور گروپ بندی کی تنظیم نو کی افادیت مندرجہ ذیل الفاظ میں ظاہر ہوتی ہے، ایک فعال عامل کی حیثیت سے بچوں کا جب اشتراک ہوگا، اسی وقت یہ بچے گروپ کے طریق کار کا شعور حاصل کر پائیں گے، یہاں سماجیت پیما کے طریقے کی اہمیت اس بات میں مضمر ہے کہ کس حد تک اساتذہ ایسے مواقع فراہم کر سکتے ہیں جو طلبا کے اندر ایک فعال لین دین کا رجحان پیدا کریں رسالہ

شکل نمبر ۱۳ ب

اس جواب کی بنیاد پر سماجیت پیما کہ استاد کی غیر حاضری میں اس کا بہترین بدل کون ہوسکتا ہے؟ D.E لڑکی اور G A لڑکا اول انتخاب اور DE اور RE دوم انتخاب میں آئے۔ G A دو لڑکوں اور ۴ لڑکیوں کے اول انتخاب میں آیا اور D E دو لڑکوں اور تین لڑکیوں کے اول انتخاب میں آئی، دو لڑکوں اور ایک لڑکی کا پہلا انتخاب K L تھا وغیرہ وغیرہ، دوم انتخاب میں تنوع پایا جاتا ہے لیکن گچھے (جو ستارے کئے جاتے ہیں) اب بھی بدیہی طور پر نظر آتے ہیں، MT اور آئی کسی بھی شخص کے نہ تو اول انتخاب میں ہیں اور نہ دوم میں، اس لئے انہیں الگ تھلگ سمجھا جاتا ہے۔

یہ ایسا اختیار ہے جس کو اساتذہ آسانی کے ساتھ انجام دے سکتے ہیں، انہیں صرف ایسے سوالات مرتب کرتے ہیں، جن کے ذریعہ شاگردوں کی اصل بات میں رہنمائی ہو سکے، کہ وہ مخصوص مشاغل کے لئے کونسے رفقائے کار منتخب کرتے ہیں، پھر وہ ان منتخبات کو گراف کی شکل میں پیش کر سکتے ہیں، اور شاگردوں کی گروپ بندی مذکورہ بالا خطوط کی مدد سے کی جا سکتی ہے، بعد میں سوال نامہ دوبارہ دیا جا سکتا ہے، اور نتائج کے مطالعے کے لئے سماجیت پیما تیار کیا جا سکتا ہے لیکن آخری پیمائش قدر کی بنیاد وہ ظاہری کردار ہو گا، جو آسانی کے ساتھ مشاہدے کی گرفت میں آ سکے ؛؛

انسانی روابط کی جماعت اس کتاب میں ذہنی صحت کو بہتر بنانے کے سلسلہ میں ایسے بہت سے مشورے دئے گئے ہیں، کہ استاد گردوپیش کے ماحول کو کیسے بہتر بنا سکتا ہے، ایک طریق کار جس کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی ہے وہ یہ ہے، کہ شاگردوں کے شخصی مسائل سے براہ راست واسطہ رکھا جائے اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے سب کی موجودگی میں اس کی کوتاہیوں کا اعتراف کرا لیا جائے، اس کا نتیجہ بہت اچھا ہوتا ہے، اس کی کئی وجہیں ہیں، لیکن خاص خاص وجہیں یہ ہیں :-

(۱) اس کی وجہ سے دباؤ کی کیفیت ختم ہو جاتی ہے (۲) شاگرد کو یہ پتہ چلتا ہے، کہ اس کے احساسات دوسرے جیسے ہیں، اس طرح احساس تحفظ قوی ہو جاتا ہے، براہ راست نبٹنے کے طریق کار کو ایچ ایڈ منڈ بلس H. Edmund Bullis اور اس کے ساتھی ایملی۔ ای۔ او۔ میلے Emily E.O. Malley نے جماعت کے اندر ایک معین شکل میں استعمال کیا ہے، اس مطالعہ کا مقصد یہ تھا کہ ذہنی صحت کے فلسفیانہ پہلو سے بلند ہو کر کسی ایسے مسئلے تک طالب علموں کی رسائی کرائی جائے، جو روزمرہ زندگی سے تعلق رکھتا ہو، اور جیتا جاگتا مسئلہ ہو جس کو وہ حل نہ کر پاتے ہوں، اور شدید طور پر نقص مطابقت کا شکار ہو جاتے ہوں یا کم سے کم غیر ضروری طور پر رنجیدہ ہو جاتے ہوں، اس مطالعہ میں کلیتاً اس اہم موضوع پر زور دیا گیا تھا کہ، زندگی کیسے گزاری جائے، اس کا حصول

اس بات پر مبنی تھا کہ اپنے آپ کو اور دوسروں کو کیسے تسلیم کیا جائے، فیصلہ کیسے کیا جائے، کاموں سے کیسے مقابلہ کیا جائے، مصالحت کیسے کی جائے، اور اسی طرح کے دوسرے مطالعے مقصود تھے۔

اس کی تکمیل کے لئے جو طریق کار درکار ہے وہ بہت سہل ہے، اس کے لئے وقت بھی کم درکار ہے، اور اس کے ذریعہ بہتر مطابقت بھی پیدا ہوتی ہے۔ طریقہ یہ ہے، کہ استاد روزمرہ کے ان حالات کا سرسری خاکہ بناتا ہے جو انسانی روابط کے سلسلہ میں روز بروز پیش آتے ہیں، پھر ایک مباحثے کا انتظام کیا جاتا ہے، جس میں شاگردوں کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے،،

آخر میں ایک کہانی سُنائی جاتی ہے، اس کے بعد دوسرا قدم یہ ہوتا ہے کہ شاگردوں سے اس کہانی کے بعض اہم کرداروں کے بارے میں پوچھا جائے شاگرد جب اس صورت حال سے مانوس ہو جاتے ہیں، تو ان سے کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں کو یا ان حالات کو بیان کریں، جن سے ذاتی طور پر واقف ہوں' اور زیر بیان کردار کہانی کے کرداروں سے مشابہت رکھتے ہوں، جوں جوں سبق بتدریج آگے بڑھتا ہے، شاگردوں سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا انہوں نے خود بھی کبھی یہ سب کچھ محسوس کیا ہے، عام طور سے ایک یا دو شاگرد رضا کارانہ طور پر آگے بڑھتے ہیں، پھر دوسرے بھی اپنے خفیہ احساسات کو بے نقاب کرنا شروع کرتے ہیں، ان حالات کا خاکہ مرتب کرنے کے بہت سے طریقے ہیں کبھی کبھی خود شاگردوں سے کہا جاتا ہے کہ وہ کسی موضوع پر لکھیں اور اس طرح خود انھیں کے ذریعہ انہیں مسائل سے متعارف کرایا جاتا ہے، اس کے لئے ایک سپیشل مباحثے کا انتظام کیا جاتا ہے کوئی ناٹک پیش کیا جا سکتا ہے، یا کسی موضوع پر مناظرہ کرایا جا سکتا ہے، لیکن طریق عمل کوئی بھی ہو اس کا مقصد ایک ایسا خیال پیش کرنا ہے، کہ کسی ایک کا بھی مسئلہ انوکھا مسئلہ نہیں ہے، اس طرح ہر شخص بغیر کسی جھجک کے اپنے معیوب کردار کو تسلیم کر لیتا ہے، اور اس کا حل تجویز کرتا ہے نفسیاتی معالجوں نے اس قسم کی جماعتوں کا مشاہدہ کیا، اس نتیجے پر پہنچے ہیں، کہ (۱) شاگردوں کو یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کے مسائل محض ان کی ذات سے تعلق نہیں

رکھتے بلکہ یہ مسائل عمومی ہیں (۲) وہ اپنے احساسات کو کچلنے کے بجائے، زیادہ معروضی بنانے کی طرف مائل ہوتے ہیں (۳) وہ خود اپنی زندگی کا جائزہ لینا سیکھ جاتے ہیں (۴) وہ اس بات کی بہتر سمجھ پیدا کر لیتے ہیں کہ ان کی زندگی میں جذبات کا کیا رول ہے، بلیس Bullis کا کہنا ہے کہ بہتر مطابقت پیدا کرنے کے سلسلہ میں اس کے بہت سے فوائد ہیں

(۱) ماہرین کی ضرورت نہیں پڑتی، اساتذہ خود اس خدمت کو بخوبی انجام دے سکتے ہیں، اور وہ یہ خدمت انجام دیتے بھی ہیں (۲) اس قسم کے اسباق سے معمول کے نصابی کام میں کوئی دخل اندازی نہیں ہونی چاہیئے، بلکہ ان اسباق سے دوسرے مضامین میں بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے (۳) اس کے ذریعہ اساتذہ کو ایسی بصیرت حاصل ہوتی ہے، جو ان کی تدریس کو بہتر بناتی ہے (۴) اشتراک عمل میں کم گو شاگردوں کی ہمت افزائی ہوتی ہے، (۵) شاگرد انسانی روابط کی جماعت میں لطف کے ساتھ شریک ہوتے ہیں (۶) ان انوکھی شخصیتوں کے بارے میں اساتذہ بہتر سمجھ پیدا کر سکتے ہیں، جن سے ان کو سابقہ پڑتا ہے۔

ہیومن ریلیشنز ان دی کلاس روم کے نصاب اول تیس اسباق ہیں، ان اسباق میں حسب ذیل قسم کے نمائندہ عنوانات ہیں، جذبات ہم کو جسمانی طور پر کیسے متاثر کرتے ہیں،، ہمارے باطنی انسانی میلانات،، شخصی معذوریوں پر قابو پانا، شکست کو خوش اسلوبی سے جھیلنا، کوئی مخصوص احساس کمتری، اور مشغلوں کی اہمیت باوجودیکہ ان موضوعات کے تمہیدی بیانات، جو تیر ہائی اسکول کے شاگردوں کے لئے ترتیب دیئے گئے ہیں،

پھر استاد اگر ذہنی اپچ سے کام لیں تو اساتذہ اس مواد کو اس سے پہلے کے درجوں میں یا سینیر درجوں میں بھی استعمال کر سکتے ہیں، ایک کامیاب تدریسی عمل یا ذہنی صحت کے لئے اولین شرط یہ ہے کہ استاد کو اپنے کام کا شوق ہو، اور اپنے شاگردوں پر یہ اعتماد ہو کہ وہ مناسب رہنمائی میں اپنے مسائل کو حل کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں، کرنل بلیس Col. Bullis نے انسانی روابط کے اختیار کا جائزہ مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے، میں تسلیم کرتا ہوں کہ ہم جن شدید مسائل

سے آج دوچار ہیں، ان کا واحد قطعی حل انسانی روابط کی جماعتوں میں ممکن نہیں، اگر ہم معلمی اور دوسرے پیشوں کے بہترین دماغوں کو اس کام پر معمور کرسکیں، کہ وہ دوران مدرسہ ہمارے بچوں کے اندر جذباتی پختگی پیدا کرنے میں مدد کریں، تو آئندہ نسل میں ہم کو ایسے والدین مل سکتے ہیں جو سمجھ بوجھ اور استقامت رکھتے ہوں،

یہ والدین اپنے بچوں کو ایسی پرورش کرسکتے ہیں، کہ وہ موجودہ تمدن کے تغیر پزیر مسائل سے دوچار ہوسکیں۔ ۱۸

مختصر اسباق میں سے کوئی الجبرا نہیں سیکھ سکتا، اس طرح کسی سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ ایک مختصر مدت میں زندگی سے مطابقت پزیری جیسے پیچیدہ اور مشکل مسئلے پر عبور حاصل کرسکے، اپنے تئیں زندگی گذارنے کا سلیقہ سیکھنا ایک فن ہے، دوسروں کے ساتھ زندگی گذارنا بھی ایک فن ہے، اور ان دونوں فنوں پر قدرت حاصل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اس کی ابتدا، اوائل عمر سے ہی کردینی چاہیئے،

اس سلسلہ میں رہنمائی کے لئے ہمیں سمجھدار والدین، احباب، اور اساتذہ کی ضرورت ہوگی، اور صبر و استقلال کے ساتھ برسہا برس تک کام کرنا ہوگا، تب کہیں جاکر ایسی شخصیت کی نشو ونما کی جاسکتی ہے، جس کی بدولت ہم دوسروں کے لئے ہر دلعزیز ہوسکیں، اور اپنے انسانی روابط میں خوش و خرم رہ سکیں۔

دیگر تعمیری طریق کار کی طرح اس طریق کار میں بھی موجودہ وسائل سے ہی ستفادہ کیا جاتا ہے، استاد کا یہاں یہ کام ہے کہ شاگردوں کے ساتھ کام کرتے وقت واضح مقاصد کو پیش نظر رکھے، اور یہ محسوس کرے کہ اس کے چند اختیارات خود اس کے کام کی تسکین کا باعث ہوں گے۔

خلاصہ

مدرسے اور زندگی کے حالات سے مطابقت پیدا کرنے کے لئے مناسب یہ ہوگا کہ کلینکی اور تربیت یافتہ کارکنوں کی امداد حاصل کی جائے، لیکن موجودہ حالات معیار کے مطابق نہیں ہیں، ہاں استاد یہ کام کرسکتا ہے، کہ جو بھی موجودہ

سہولتیں اور وسائل مہیا ہیں، ان کو بہتر سے بہتر طور پر استعمال کرے، اور ضرورت مند شاگردوں کی مدد کرے، اس کام کی ابتدا اس طرح ہو سکتی ہے کہ اساتذہ ذہنی حفظان صحت کے نقطۂ نظر کی تاثیر کو سمجھیں، اور موجودہ سہولتوں کو دانشمندی کے ساتھ استعمال کریں، کلینکی امداد حاصل کرنا اس سلسلے کا دوسرا قدم ہو سکتا ہے، لیکن فوری طور پر کچھ نہ کچھ کرنا ضروری ہے۔

اسکول کے نمبروں کو زیادہ تعمیری ڈھنگ سے استعمال کیا جا سکتا ہے بعض مضامین پر قدرت حاصل کرنے کی مبہم کیفیت کو ظاہر کرنے کے بجائے نمبروں سے جو فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ (۱) استاد کی تاثیر پذیری کی جانچ ہوتی ہے، (۲) تعلیمی فلسفے کی پیمائش قدر ہوتی ہے (۳) زیادہ مؤثر رہنمائی ہوتی ہے (۴) شاگرد کی بالیدگی سے متعلق تمام معلومات ہوتی ہیں، اور (۵) پس منظر سے متعلق بھی جانکاری حاصل ہوتی ہے، واقعاتی ریکارڈ سے موجودہ استاد، اور آئندہ کے استاد کو شاگرد کے خصائص کی بصیرت حاصل ہوتی ہے، مطالعہ فرد خاص طور سے اس لئے مفید ہے کہ اس کے ذریعہ جو معلومات فراہم ہوتی ہیں، ان کی مدد سے افراد کا بہتر علاج ہو سکتا ہے اگر اساتذہ کا ایک گروپ یا اساتذہ اور خصوصی کارکنان فراہم شدہ معلومات پر نظر ثانی کر لیں اور اس کا جائزہ لے لیا کریں تو مطالعۂ فرد اور بھی مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جانچ کا معطیہ کردار کا ایک نمونہ ہے، جس سے نتائج نہیں برآمد ہوتے، بلکہ محض سراغ ملتا ہے۔

معیاری طور پر تعلیمی مقاصد کا جائزہ لینے سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اساتذہ جماعت کے اندر مروجہ مشاغل کی افادیت کو جانچ سکتے ہیں، جن مقاصد کا اعلان کیا گیا ہے، ان کو بار بار پرکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے، کہ مجرد تعلیم پر کس قدر زور دیا گیا ہے، اور شخصیت کی نشوونما اور زندگی کا سلیقہ سیکھنے کو کس حد تک نظر انداز کیا گیا ہے ان مشاغل کی کئی وجوہ سے افادیت ہے، ان میں سے ایک بہت اہم وجہ یہ ہے کہ ان کے ذریعہ تعلیمی میدان کے علاوہ دوسرے میدانوں میں کامیابی حاصل کرنا

کا موقع ملتا ہے،

ذہنی صحت کو مؤثر بنانے کے سلسلہ میں درجے کے اساتذہ آسانی کے ساتھ تجرباتی طرز نظر اختیار کرتے ہیں جس کی رو سے ایسی کتابوں کا انتخاب کیا جانا چاہیئے جو مخصوص عمر اور مخصوص مسائل کے لئے موزوں ہوں۔ شاگردوں کی مطابقت اس وقت بہتر ہوتی ہے، جب شاگرد غیر شخصی طور پر یعنی دوسروں کے تجربے کی روشنی میں خود اپنے مسائل پر غور کریں، یہ مطابقت اس وقت بھی سہل ہو جاتی ہے، جب شاگرد یہ محسوس کرلیں کہ جن احساسات کی بنیاد پر وہ فکرمند ہیں، وہی احساسات دوسروں کے بھی ہیں، اگر بہت زیادہ براہِ راست طریقۂ کار نہ اختیار کیا جائے تو انسانی روابط کی جماعتوں سے مفید نتائج برآمد ہو سکتے ہیں،

ان جماعتوں میں شاگردوں کا سابقہ کم و بیش مجرد حالات سے ہوتا ہے، لیکن جلد ہی وہ مقرون حالات یعنی خود اپنے وسائل سے آگاہی حاصل کر لیتے ہیں اس قسم کی تعمیری طرز نظر پیدا کرنے کے لئے کسی خصوصی تربیت کی ضرورت نہیں ہے البتہ زائد مطالعہ سے اس میں ضرور مدد ملتی ہے،

یہاں درجے کے استاد کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ اپنے منصب کے بنیادی فرائض کا تجزیہ کرلے، اور زیادہ مؤثر طور پر خدمت انجام دینے کی کوشش کرے، اس کے نتیجے کے طور پر استاد اور شاگرد، دونوں کی ذہنی صحت بہتر ہو جائے گی۔

مطالعے اور مباحثے کی مشقیں

(۱) انسان کی وہ کون سی بنیادی حاجتیں ہیں، جنہیں اسکول کے نمبروں کے ذریعہ زیادہ تعمیری طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

(۲) درجے کے طالب علموں سے تبادلۂ خیال کیجئے، اور ان احساسات کا پتہ چلا لیئے جو گریڈ دینے کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں،

(۳) درجے کے اندر اور باہر کچھ طالب علموں کا مشاہدہ کیجئے، اور دو یا تین ایسے واقعاتی مشاہدات مرتب کیجئے، جن سے ان ساگردوں کی ترجمانی ہوتی ہو،

(۴) مدرسے کے فائل سے کسی فرد کا تفصیلی مطالعہ کیجئے، درجہ کے اندر اس

کو پڑھ کر سنائیے، اور درجے کے ساتھیوں سے کہیئے کہ اس کے سلسلہ میں کچھ مزید سوالات یا اس کا حل پیش کریں۔

(۵) ابتدائی کے شاگردوں کے لئے آپ کے خیال میں کس قسم کا معطیہ درکار ہوگا۔

(۶) اس باب میں جو جانچ کے معطیئے درج ہیں ان کے علاوہ جانچ کے معطیئے کا اور کیا استعمال ہو سکتا ہے۔

(۷) ایجوکیشنل پالیسی کمیشن میں جو چار مقاصد بیان کئے گئے ہیں ان میں کسی بھی ایک ذیلی عنوان کو لیجئے اور جماعت کے اندر مباحثے کے دوران اس کی وضاحت کیجئے۔

(۸) کسی ایسے استاد کے بارے میں بتائیے، جس کو جانتے ہوں اور جس نے ذہنی صحت پر مثبت اثر ڈالا ہو۔

(۹) کسی ایسے تجربہ کار استاد کی خدمات حاصل کیجئے، جو یہ بتائے کہ اس نے کس طرح مؤثر مطالعے کے سلسلہ میں شاگردوں کو وسیلے کے طور پر استعمال کیا ہو۔

(۱۰) دستی آرٹ کی جماعت سے شاگردوں کے لئے بہتر مطابقت کے انوکھے مواقع کیونکر حاصل ہوتے ہیں۔

(۱۱) اسکول کے اندر ایسی کون سی سہولتیں موجود ہیں جو ایک اثاثے کا کام دے سکتی ہیں، اور ذہنی حفظانِ صحت کے نقطۂ نظر کی حامل ہوں۔

(۱۲) کسی ایسے استاد کی خدمات حاصل کیجئے، جس نے ریڈنگ لیڈرس فار ہیومن ریلیشنز Reading Ladders for Human Relations میں کوئی کتاب پڑھی ہو اس کی خدمات حاصل کیجئے، تاکہ وہ بتا سکے کہ یہ کتاب شخصی مطابقت پیدا کرنے میں کیسے استعمال ہو سکتی ہے۔

(۱۳) ہیومن ریلیشنز ان کلاس روم Human Relation in Class Room میں سے کوئی کہانی پڑھیئے اور بالغوں کی ذاتی احساسات پر مباحثے کے لئے اس کو بنیاد بنائیے۔

تیسرا حصّہ

ذہنی صحت کی جانب مخصوص طرزِ نظر

باب ۱۳

آرٹ ذہنی صحت کی جانب ایک طرز نظر

معاصر سماج میں وسیع پیمانے پر ذہنی صحت کی خرابی کے سبب بچّوں کے ساتھ کام کرنے والے لوگوں کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ نمو پذیر بچوں کی تفہیم اور امداد کے تمام میسّر ذرائع استعمال کریں۔ انسانی شخصیت چونکہ پیچیدہ ہوتی ہے، اس لئے فرد کی نشو و نما کے لئے کوئی ایک ایسا حل دستیاب ہونا ممکن نہیں جس سے مؤثر مطابقت پیدا کی جا سکے۔

انسانی حاجتیں گوناگوں ہوتی ہیں، اور مختلف لوگوں کے لئے اس کی اہمیّت مختلف ہوتی ہے، اس لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ کسی خاص شخص، زمانے، اور حالات کے پیش نظر کوئی مخصوص طریقۂ کار استعمال کیا جائے۔ لیکن ان تمام بندشوں کے باوجود بچوں کے بہتر نشو و نما کے لئے کچھ امید افزا صورتِ حال پیدا ہوتی جا رہی ہے ان میں سے ایک نئی صورت آرٹ کا استعمال ہے جس کے ذریعہ بچوں سے جانکاری پیدا کی جا سکتی ہے، اور ان کو مدد پہنچائی جا سکتی ہے۔

اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ انسان کی کچھ بنیادی حاجتیں ہوتی ہیں اور اگر ان حاجتوں کی تشفی نہ کی گئی، یا تشفی کے لئے کوئی قدم نہ اٹھایا گیا، تو نتیجے کے طور پر محرومی، نقص مطابقت، اور سماجی طور پر ناپسندیدہ کردار پیدا ہوگا۔ ان میں سے متعدد حاجتوں کی تشفی اگر پوری نہیں تو کم از کم جزوی طور پر آرٹ کے مختلف مشاغل کے ذریعہ کی جا سکتی ہے۔ مثال کے طور پر آرٹ کے وسیلے سے سہولت کے ساتھ، دست ورزی، تجسس، تحصیل، خود مختاری اور تفاعل کی حاجتوں کی تشفی کی جا سکتی ہے۔ اس طرح بہتر ذہنی صحت کے ایک پروگرام کی ترتیب کے لئے، اس بات کی بہت اہمیّت ہے، کہ استاد مؤثر تعلیم میں آرٹ کے استعمال کا مطالعہ

کرے، اچھی بات یہ ہے کہ یہ طریقے بہت آسان ہیں، اس لئے ہر استاد چاہے اس نے آرٹ کی محدود تعلیم کیوں نہ حاصل کی ہو، ان طریقوں کو مؤثر طور پر استعمال کر سکتا ہے، یہ معاملہ ان بنیادی اصولوں کی تفہیم اور تطبیق کا ہے، جو مختصراً اس باب میں بیان کئے گئے ہیں۔

آرٹ اور شاگردوں کی نشوونما

آرٹ کا مفہوم

باوجودیکہ ہمیں اپنی مرضی سے آرٹ کا مفہوم سمجھنے کی آزادی نہیں ہے، پھر بھی گوناگوں تعریفوں میں سے ہمیں انتخاب کی آزادی یقیناً ہے۔

تھامس منرو Thomas Munro نے بیان کیا ہے، کہ آرٹ ایک ایسا نام ہے، جو ہر قسم کی انسانی تخلیق اور مشاغل کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے، آگے چل کر اس نے بائیس مفہوم بنائے ہیں، اور ان کو ایک دوسرے سے تمیز کیا ہے (۲) نظری اور تکنیکی جھگڑوں میں پڑے، بغیر ہم ذہنی حفظان صحت کے نقطہ نظر سے کہہ سکتے ہیں کہ آرٹ سے کردار کی نوعیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے، یہ ایک طریقہ کار ہے جس کے ذریعہ تخلیقی تخیلات کو تعمیری ڈگر پر لگایا جا سکتا ہے، لیون، ایل، ونسلو Leon L. Winslow نے جو تعریف بیان کی ہے، اسکول کے اندر اس کی تصدیق ذہنی حفظانِ صحت کے نقطۂ نظر سے کی جا سکتی ہے،،

" اسکول کے ایک مضمون کے طور پر آرٹ کی تعریف مختصراً یوں بیان کی جا سکتی ہے، کہ یہ ان تعلیمی تجربات کی ایک منظم شکل ہے، جس میں اشیاء کو استعمال کر کے حاجتوں کی بس بھر معقول تشفی کی جا سکتی ہے آرٹ کا مضمون اشیا اور طریقۂ عمل سے تعلق رکھتا ہے، اور نصابی حدود سے باہر ہے، کیونکہ اس کے اندر ایسے تجربات شامل ہیں، جن کا تعلق، معلومات، محسوسات، اور ساتھ ہی ساتھ مشاغل سے بھی ہے (۳)

آرٹ کی اہمیت اور اس کے مفہوم میں کچھ حالیہ تبدیلیاں ہوئی ہیں ان تبدیلیوں کو سمجھنا بہت اہم ہے، کیونکہ پرانے تصورات ابھی پورے طور پر ختم نہیں ہوئے ہیں، یونانیوں نے اپنے نصاب میں فنونِ لطیفہ کو شامل کیا، لیکن بہت ہوشیاری

کے ساتھ اس کو عملی یا صنعتی آرٹ سے ممیز رکھا، بعد کے زمانے میں نصاب کے اندر آرٹ کی شمولیت ہوتی رہی لیکن آرٹ برائے آرٹ کی جگہ آرٹ برائے زندگی پر زور نہیں دیا گیا، اس نظریئے کو اس لئے جاننا ضروری ہے کہ اس کی وجہ سے معاصر نظریئے کو تسلیم کرنے میں جزوی طور پر دشواری محسوس ہوتی ہے، اس کے مطابق زور پیدا اوری اور کسی قدر تخلیقی عنصر پر دیا جاتا تھا جس کے حصول کی توقع صرف چند ہی لوگ کر سکتے تھے، جیسا کہ ذیل کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

آرٹ برائے آرٹ کے نظریئے میں اس بات پر زور دیا جاتا ہے، کہ آرٹ مقصود بالذات ہے، اس کا کوئی افادی، سماجی اور اخلاقی مقصد نہیں ہے اس کے مبلغین نے اس نظریئے کے جو محدود قوانین مرتب کئے جن تکنیکی مہارتوں پر زور دیا۔ اور اپنے خیالات کے مطابق جن تاریخی واقعات کو پیش کیا، ان کے پیروکاروں نے ان پر بہت سختی سے عمل کیا، آرٹ برائے آرٹ کے حامیوں کے مختلف گروہوں میں اس بات پر اختلاف تھا کہ کون سا طریقہ کار اپنایا جائے اور کن کن باتوں پر زور دیا جائے، لیکن ان میں اس بات پر ضرور اتفاق تھا کہ آرٹ بذاتِ خود ایک مضمون ہے، اور اس کی ہئیت کی تخلیق کرنا، ایک تہذیبی عمل ہے جو مقصود بالذات ہے:۔

اکثر صورتوں میں تصویری مطالعہ کے اسباق کسی قدر من مانے طور پر تیار کئے گئے ہیں، اور انھیں ایک مروجہ سانچہ میں ڈھال دیا گیا ہے، تصویریں جب استعمال ہوتی ہیں تو بچوں کی دلچسپی سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، بلکہ یہ تصویریں آج کی زندگی کے کسی پہلو سے بھی اکثر کوئی علاقہ نہیں رکھتیں،،

اٹھارویں اور انیسویں صدی میں کچھ ٹھوس تبدیلیوں کی ابتدا ہوئی، باوجود یکہ کومنیئس Comenius (۱۵۹۲ - ۱۶۷۰) نے مصوری کو بچوں کے نفس باطن کے اصلاح کا ایک ذریعہ بتایا ہے، ردسو، پستا لوزی، اور فروبل اس معاصر تصور کے پیش رو تھے، جس کے تحت آرٹ کو نصاب میں اس وجہ سے ایک خاص مقام دیا گیا ہے، کہ یہ بچوں میں ایک ہم آہنگ نشو ونما کی تحریک پیدا کرنے کے لئے موزوں ہے، تاہم والٹر بک ۵ (Walter Book) کا نقطہ نظر یہ ہے کہ پستا لوزی

اور فرد بل کا تصور آرٹ بہت رسمی تھا، اور جیومیٹری سے بہت گہرا تعلق رکھتا تھا
اس جدید تصور کی رو سے جس کی نشو و نما زمانہ حال تک ہوئی ہے، اس بات پر
زور دیا جاتا ہے، کہ ہر فرد کی امکانی صلاحیتوں کو خلاقی کے لئے استعمال کیا جائے
چاہے وہ کتنی ہی محدود کیوں نہ ہوں، اس کے اندر یہ اصول شدت سے کارفرما
ہے، کہ آرٹ آزادی کا مطالعہ کرتا ہے، چاہے ذریعہ اظہار، رقاصی، مصوری
ماڈلنگ، موسیقی، ڈراما، یا تخلیق انشا ہو، اس کا بنیادی مقصد شخصی اظہار
ذات ہے، جسکی وجہ سے تکمیل، آزادی تفتیش، اور انفرادی قدر و قیمت کی حاجتیں
تسکین پاتی ہیں،

اس کے برعکس آرٹ کا وہ تصور ہے، جس کے تحت تحصیل کی برتری قائم
کی جاتی ہے، اور اس کے ذریعہ اس کو تحسین کا ذریعہ بنایا جاتا ہے، استاد
جب تک ہر منزل پر فرد کی خلاقی تخلیق کی آزادی، اور انفرادیت کے اظہار
کو ذہن نشین نہیں کرے گا، اس وقت تک بہتر ذہنی صحت کے لئے آرٹ کو
وسیلے کے طور پر نہیں استعمال کیا جا سکتا۔

تغیّر پذیر تصورات کی دلالت: اس معاصر تصور میں جو امکانی قوتیں پوشیدہ
ہیں، اگر ان کو تسلیم کر لیں تو ہمیں اس رسمی پروگرام سے کنارہ کشی اختیار کرنا ہو گی
جس کے تحت مختلف شاہکاروں کی نقل اتاری جاتی ہو، اور تصویروں اور مصوّر
کی کہانی سُنائی جاتی ہو،

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی تصویریں نہیں بنائی جائیں گی، جس کی شکل کے
توازن مقام کے تعین اور رنگوں کے استعمال میں کسی خاص ہدایت کے مطابق برش
کو جنبش دی جائے، اور معیاری آلات کو استعمال کیا جائے، بلکہ اس کے
بجائے ہر بچہ کی تخلیقات کو اس نظر سے سراہا جائے گا، کہ ان کے ذریعہ، بعض
محرکات کا اظہار ہوتا ہے، مصوّری، ماڈلنگ، اور، رقاصی کے فن میں مہارت
پیدا کرنے کے بجائے، اس بات پر زور دیا جائے گا، تناؤ دُور ہو، اور انوکھی
دلچسپیاں پیدا ہوں، فنی مہارت کی تردید کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس کی
حیثیت ثانوی ہو گی، اور تدریس کے دوران مہارتوں کو اوّلیت نہیں دی جائے

گی، بلکہ اس وقت پڑھایا جائے گا جب اس کی ضرورت محسوس ہو، اس جدید تصوّر کے تحت استاد کو یہ موقع ملتا ہے، کہ وہ آموزش کو مقرون بنائے، شاگردوں کو بھی درجوں کے اندر اپنی پڑھائی کے دوران سامان کو برتنے اور اس کی مدد سے تصویریں، اور ماڈل بنانے کا موقع ملتا ہے، اس طرح لفظی تدریس اور مباحثوں کی جگہ جو ایک کمرۂ جماعت میں تدریس کی اہم خصوصیات ہیں، آرٹ کے ذریعہ مقرون اور انفرادی آموزش کا اس طرح موقع ملتا ہے، کہ شاگرد اشیاء کو دیکھ سکے محسوس کر سکے، اور ان سب سے بڑھ کر وہ اشیاء کو برت سکے۔

اس تصوّر کے تحت ان شاگردوں کے علاوہ، جو ڈرائنگ، مصوّری، رقاصی اور اداکاری کے نمایاں جوہر رکھتے ہیں،،

بہت سے دوسرے شاگردوں کو بھی اس بات کا موقع ملتا ہے کہ تعمیری مشغلوں میں دلچسپی پیدا کر سکیں، چونکہ اعلیٰ خلاقی کا کوئی معیار نہیں ہے، اس لئے زیادہ تر شاگردوں کو اس بات پر اکسایا جاتا ہے کہ وہ اپنی آزادی کا استعمال کریں، اور ایسی چیزیں تخلیق کریں جن سے ان کو تسکین حاصل ہو، تجربہ کار اساتذہ، یا والدین کو یہ بات آسانی سے نظر آجائے گی، کہ اپنی بنائی ہوئی بھونڈی ڈرائنگ، عارضی طور پر تیار کئے ہوئے کھیل کے سامان اور اپنے خود ساختہ رقص میں بچے بہت زیادہ سرگرمی دکھاتے ہیں،

بالغوں کو یہ بات بھی نظر آجاتی ہے، کہ ایسا کی صورت میں بچے کس قدر شکستہ خاطر ہو جاتے ہیں، اور اگر ان کی امداد کے لئے کسی قسم کی پیش کش کی جائے تو اس کو وہ اپنی تنقید سمجھتے ہیں، بالغوں کے ساتھ بھی یہی صورت حال پائی جاتی ہے، بالغ بھی اس قسم کے مشاغل سے تسکین حاصل کرتے ہیں، بشرطیکہ ان کے پیش نظر مقصد کسی برتر معیار تکمیل کے بجائے اپنی ذات کا اظہار ہو۔

ان کے علاوہ اور بھی باتیں ہیں، جن کا تعلق استاد سے ہے، اور جو مذکورہ بالا باتوں کی طرح اہم ہیں، ان کے ذریعہ استاد کو اس بات کا چیلنج ملتا ہے، کہ وہ اپنی شخصیت میں بالیدگی پیدا کرے، اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ استاد کو آرٹ، تعلیم، آرٹ کے طریقۂ علاج اور آرٹ کے مشاغل کے ذریعہ

بچوں کے مطالعہ کا موقع ملتا ہے، باوجودیکہ مطابقت پیدا کرنے والے مسائل کا یہ کوئی واحد قطعی حل نہیں ہے، پھر بھی اس کے نتائج بہت اہم ہیں، ایک استاد جس نے آرٹ کے میدان میں کوئی پیش قدمی نہیں کی، بلکہ اس کی معنویت کو شک کی نظر سے دیکھا اس نے آرٹ کی تیکنک کا مطالعہ شروع کیا، اور حسب ذیل نتیجہ اخذ کیا۔

چونکہ نام نہاد آلائی مضامین کے مقابلے میں بظاہر آرٹ کی بہت کم اہمیت سمجھی جاتی ہے، اس لئے مجھے ان کی موزونیت میں شک پیدا ہوا لیکن تھوڑی سی ریسرچ کے بعد اس مضمون میں کافی سرگرمی پیدا ہو گئی، اور یہ خیال پیدا ہونے لگا، کہ بچوں کے لئے آرٹ کے بامعنی تجربات، اسکول کی زندگی کا ایک اہم جز ہیں اور اس کی وجہ سے بچوں میں ایک متوازن شخصیت پیدا ہوتی ہے، استاد کے لئے اس کا جاننا اس لئے بھی اہم ہے، کہ اس کی وجہ سے شاگردوں کی لیاقت ان کے تفکران کی شخصیات اور ان کے مسائل کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ شخصی اور پیشہ ورانہ اختیاریت کے لئے یہ ایک دلچسپ موضوع ہے،

تمام اساتذہ اپنے شاگردوں کو یہ آزادی فراہم کرسکتے ہیں، کہ وہ اپنے انتخاب کے مطابق جس چیز کی بھی چاہیں ڈرائنگ، تصویر یا ماڈل بنائیں، عام صورتوں میں ایک استاد یہ کرلے گا کہ آرٹ کے سامان کے منتظم یا نگران سے سامان منگوا کر اپنے شاگردوں کے سامنے مہیا کر دے، پھر جو کچھ منظر عام پر آئے اس کا مشاہدہ کرے، اور اس بات پر غور کرے کہ انفرادی طور پر بچوں کے لئے اس کی کیا معنویت ہے،

استاد یہ ذہن نشین کرسکتا ہے کہ بچوں کی مصوری سے سکون کا اظہار ہوتا ہے یا اضطراب کا، وہ سامان کا استعمال احتیاط کے ساتھ کرتا ہے، یا افراط کے ساتھ اور اپنی بنائی ہوئی چیزوں کو سلیقے کے ساتھ رکھتا ہے، یا پھوہڑ طریقہ سے آرٹ کے مشاغل کے دوران استاد کو جو باتیں نظر آتی ہیں،

ان کو وہ ایسی معلومات سے مربوط کرسکتا ہے جو شاگردوں کے سابقہ ریکارڈ، ہم جماعتوں کے ساتھ روابط، والدین کے ساتھ گفت وشنید، دیگر اساتذہ

کی اطلاعات اور دوسرے مشاغل کے سابقہ مشاہدات سے حاصل ہوتی ہیں اگر استاد محض آرٹ کے مشاغل سے کسی نتیجہ خیز نظریئے پر پہونچنے کی کوشش نہ کرے تو بہت اچھی طرح بچے کی تفہیم کرسکتا ہے. بعض صورتوں میں اس نے آزادی کے ساتھ اظہار کا موقع فراہم کرکے پہلے سے ہی معاونت کی صورت پیدا کردی ہے. اس طریقہ کار سے بچے کی جانب یقیناً ایک منفرد رویہ اختیار کیا جائے گا.

ایک آٹھویں جماعت کی استانی نے آرٹ کے ذریعہ اپنے شاگردوں کی بہتر تفہیم پیدا کرنے کی کوشش کی، اس لئے اپنے کام کو اختصار کے ساتھ یوں پیش کیا ہے.

ربی ایک بھاری بھرکم لڑکی تھی جو بدصورت تھی اور دیکھنے میں پھوہڑ لگتی تھی، اس کو اپنے گروپ کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے میں دشواری محسوس ہوتی تھی. لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کو اس کا مذاق اڑانے میں بہت مسرت ہوتی تھی. وہ اپنے گروپ میں پسند نہیں کی جاتی تھی، اس کی قدر ذہانت کم تھی. وہ تعلیمی کام بہت زیادہ نہیں کرسکتی تھی، لیکن اسے آرٹ میں ہمیشہ دلچسپی رہتی تھی. لاپرواہی کے ساتھ کام کرنے کی عادت کے باوجود مصوّری کے مقابلہ میں حرفے کے کام میں اس کی لیاقت زیادہ اچھی تھی سالِ گذشتہ اس نے اس سے متعلق کئی منصوبوں میں خوش اسلوبی کے ساتھ کام کیا اور تشفی حاصل کی.

اس کے کام کی نمائش کرکے اس کی انا کو تسکین پہنچائی گئی. اس نے جو گڑیا بنائی وہ کیلیفورنیا گروپ کی گڑیوں کے ساتھ نمائش کے لئے بھیجی گئی. اور اوہ رے گاؤں میں متفرق مقامات پر اس کی نمائش کرائی گئی.

تخفی چھان بین کے دوسرے پہلو کا تعلق استاد کے اپنے اشتراک عمل سے ہے. آرٹ کی جماعت میں جو امکانات پوشیدہ ہیں ان کی بھرپور تحسین استاد اسی وقت کرسکتا ہے، جب اس نے خود رنگ وروغن، گیلی مٹی اور کندہ کاری ذرائع خود استعمال کئے ہوں. اگر اس نے خود مشق کرلی ہے، تو خط کھینچنے، برش اور گیلی مٹی کو استعمال کرنے میں، اپنے شاگردوں کی مدد کرسکتا ہے. اس قسم کے مشق کے مواقع، شام کی جماعتوں، اعادی تربیت کے گروہوں، اور گرمائی نصابوں میں

وسیع پیمانے پر میسر آتے ہیں، لیکن نقطۂ آغاز یہ ہونا چاہیئے کہ فرد کے اندر جو کچھ بھی امکانی قوتیں پوشیدہ ہیں، ان کو بروئے کار لایا جائے، تاکہ استاد سرگرمی کے ساتھ ایسے موقعوں سے فائدہ اُٹھا سکے،،

ایک استانی نے آرٹ کی جماعت میں داخل ہوتے وقت کہا کہ وہ آرٹ سے نفرت کرتی ہے، اس جماعت میں اس کے آنے کی ایک وجہ ہے، وہ یہ کہ اس کے لئے اس مضمون میں دو گھنٹے کام کرنا ضروری تھا، لیکن اختتام پر اس نے آرٹ کی استانی کا شکریہ ادا کیا، اور کہا کہ اس نے اس کام کے ذریعہ کچھ دیر کے لئے ایک پُر لطف تجربہ حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا، اس بات کو ذہن نشین کرنا دلچسپی کی بات ہے، اس لئے کہ اس میں مؤثر تدریس کے رموز پنہاں ہیں، اس استانی کے آرٹ کے بارے میں جس ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا وہ دراصل اس کی رائے نہیں تھی، بلکہ اس کی سابقہ استانی کی رائے تھی جو اس نے کسی موقع پر آلو کی تصویر بناتے وقت پیش کی تھی۔

نظری ملحوظات

آرٹ ایک ضمنی مشغلہ کے طور پر ذہنی صحت کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ ایک بھرپور اور مسرت بخش زندگی کے تقاضہ کے رو سے فرد کی متنوع صلاحیتوں کو استعمال کرنا چاہیئے، چونکہ افراد کی استعداد اور امکانی صلاحیتوں میں فرق ہوتا ہے اس لئے تمام بچوں کے لئے یکساں نصاب فراہم کرنے سے انھیں اپنی امکانی صلاحیتوں اور قوتوں کو استعمال کرنے کے مساوی مواقع نہیں حاصل ہو سکیں گے، ٹھیک یہی وہ نقطہ ہے جہاں آرٹ بہت مفید ثابت ہو سکتا ہے،

یعنی اس کے ذریعہ علمی مشاغل کے علاوہ دوسرے میدانوں میں بھی بچوں کو ضمنی طور سے ایسی فعالیت کا موقع ملتا ہے جس کے وہ خواہش مند رہے ہوں مشاغل کا ایسا تنوع براہِ راست اپنے ہاتھ سے کام کرنے کا موقع یعنی بخاری اور خیاطی کے آلات کا استعمال، مصوری کا برش اور اس قسم کے دوسرے وسیلوں کے براہِ راست استعمال سے بچوں کو زیادہ سے زیادہ ایسے مواقع مل سکتے ہیں، جوان کے لئے

دلچسپ اور بامعنی ہوں،

فنکارانہ مشاغل چونکہ مکمل محویت کا باعث ہوتے ہیں۔ ان میں پوری شخصیت فعال ہوتی ہے، اس لئے آرٹ کے کام میں بذات خود آرٹ کی مصرفیت کم ہوتی ہے، بلکہ اس سے تازگی پیدا ہوتی ہے، اور یہ صحت کے لئے مفید ہوتا ہے بھرپور مشغلے، اور فن کارانہ مشغلے میں بذات خود کوئی فرق نہیں، البتہ آخرالذکر ایک جیتا جاگتا مشغلہ ہے، لیکن ایسی بات نہیں کہ صرف چند اشخاص اس کی صلاحیت کے حامل ہوں، اور انہیں بقیہ عوام الناس سے علیحدہ سمجھا جائے، بلکہ یہ صلاحیتیں معمولاً اور قدرتی طور پر پائی جاتی ہیں، اس کی بے ساختگی میں وقتی جوش وخروش نہیں ہوتا، بلکہ یہ ایسی طبعی خاصیت ہے جو تمام ذی روح منظم قوتوں میں پائی جاتی اپنی اپنی پیمائش کے پیمانوں میں اشخاص کے درمیان فرق ہوتا ہے لیکن اس وقت یہ ایک قابل غور اور غیر طبعی امر بن جاتا ہے،

جب کسی انسان کو خارجی حالات کے تحت اس کے پیمانے کے مطابق کسی کام میں مکمل انہماک سے باز رکھا جائے، اور اس کے شوق کو غیر صحت جسمانی اشتغال، اور اس کے رخ کو غیر صحت مند انہماک کی طرف موڑ دیا جائے۔ آرٹ اس وقت بھی مدرسہ کے ضمنی پروگرام کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے جب اس کو آلائی مضامین اور ان سے متعلق دیگر پروگراموں میں توضیح کی غرض سے استعمال کیا جائے،

راقم الحروف نے ایک درجہ میں دیکھا کہ استاد نے ریاضی کو مجرد ہندسوں کے حصار سے باہر نکال کر اپنے شاگردوں کو اکسایا کہ وہ ریت گھڑی، دھوپ گھڑی اور گتے کی مختلف سہ ابعادی شکلیں بنائیں، تو اس کے ذریعہ شاگردوں کو کچھ تخلیق کرنے کے علاوہ سننے اور پڑھنے کے بجائے دیکھنے اور محسوس کرنے کا موقع ملا انھوں نے سننا اور پڑھنا بھی سیکھا، اس لئے کہ استاد نے انھیں ان چیزوں کی رپورٹ تیار کرنے کے لئے کہا تھا، ان رپورٹوں کے ساتھ تیار شدہ اشیا کی تصویریں بھی بنائی گئیں، جن کی پشت پر ان معلومات کو درج کر دیا گیا تھا، جو جماعت میں بتائی گئی چیزوں کو سمجھنے کے لئے ضروری تھیں، تعلیمی پروگرام میں آرٹ کو ضمنی

حیثیت سے پیش کرنا اور اس کے ذریعہ بچوں کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا موقع فراہم کرنا کوئی ایسی بات نہیں ہے، جو یہاں غیر متعلق سی معلوم ہو، چونکہ استاد تعلیمی پروگرام میں جان ڈالنے کے لئے آرٹ کا استعمال کرتا ہے، اس لئے اس کے ذریعہ ان لڑکوں کی تشفی کے لئے ایک راستہ کھل جاتا ہے، جو کلاس کے دوسرے ماحول میں کمزور ہوتے ہیں، اس طرح چھٹی جماعت کے ایک استاد نے اپنے شاگردوں کو جغرافیہ پڑھانے کے لئے دیواری مصوری کو ذریعہ بنایا، اس منصوبے کو پہلے ہی پورے گروپ اور پھر چھوٹے گروپ میں تیار کرلیا گیا تھا، چاک، بورڈ کو اندازے سے تین حصوں میں بانٹ لیا گیا، اور دو یا تین لڑکوں کو یہ کام سونپا گیا کہ وہ میورل کے ایک ایک حصہ میں خاکہ بنائیں، کبھی کبھار یہ خاکے ایک دوسرے کو ڈھک لیتے جیسے آسمان آسمان سے مل جاتا ہے، اور کھیت پہاڑی کو چھو لیتا، اس میورل میں پہاڑ کا گاؤں، چشمے، کھیت، سڑک، پانی کے جہاز، اور ہوائی جہاز دکھائے گئے تھے:۔

یہ بہت دلچسپی کی بات تھی کہ مختلف مرحلوں پر جوں، جوں، بچے اپنے اپنے منصوبوں سے متعلق بات چیت کرتے اپنی بنائی ہوئی تصویروں میں تبدیلی بھی کرتے جاتے۔

سب سے زیادہ دلچسپ ایک بچہ کا طرز عمل تھا جو اپنی جماعت میں نسبتاً چھوٹا تھا اس کے کام کا جائزہ لیا گیا، تو اس کا کام سولہ برس کے بچے کے معیار کا نظر آیا، اس منصوبے کے شروع ہونے سے پہلے یہ لڑکا اپنی تیز گفتگو اور بلا ضرورت شوروغل کی وجہ سے جماعت میں انتشار پیدا کیا کرتا تھا لیکن استاد نے اس کے بارے میں یہ بتایا کہ جب دیواری مصوری کو جماعت کے کام کا حصہ بنا دیا گیا، تو اس بچے نے ایسی فضا پیدا کرنے میں تعاون کیا جس سے دیواری مصوری اور جماعت کے دوسرے کاموں کی ترقی میں اضافہ ہوا، اس کے بارے میں استاد سے جو کچھ اطلاعات ملیں ان سے یہ تو ضرور معلوم ہوا کہ وہ اب بھی تعلیمی کاموں میں سربراہ نہیں بن سکا، لیکن یہ ضرور ظاہر ہوتا تھا کہ اس کی پسماندگی اس کی صلاحیتوں میں کمی کا باعث نہ تھی، دیواری مصوری کے مختلف کاموں کے دوران جو مسائل

پیش آئے ان کو حل کرنے کے لئے اس نے جو کچھ مطالعہ کیا، اور حساب کتاب کا کام کیا، اس سے پہلے اس نے کبھی نہیں کیا تھا۔

آرٹ بطور ایک تظلیلی ضابطہ

ایک ضمنی مشغلہ کے طور پر آرٹ کی قدر و قیمت خصوصی اعتبار سے کوئی نیا نقطۂ نظر نہیں ہے، لیکن آرٹ بحیثیت تظلیلی ضابطہ ایک انوکھا اضافہ ہے، اور اساتذہ کے لئے بہت اہمیت رکھتا ہے، عام طور سے تظلیلی ضابطہ میں اس غیر جانب دار صورت حال کی جانب اشارہ ملتا ہے، جس کے تحت فرد اپنے ردعمل کا اظہار کرتا ہے، اس طرح رد شاخ دھبّے Roschach Blots جو تظلیلی ضابطوں میں ایک رہنما طریقے کی حیثیت رکھتے ہیں، صرف ایک متشاکل اور بے ترتیب دھبّے ہوتے ہیں، کوئی شخص بھی کاغذ کے ٹکڑے پر روشنائی کا قطرہ گرا کر اور کاغذ کو موڑ کر یہ دھبّے بنا سکتا ہے، ان دھبوں کا کوئی مفہوم بھی نہیں ہوتا۔

زیر تجربہ فرد کو ان دھبوں میں جو کچھ نظر آتا ہے، اس کو وہ بناتا ہے، اس طرح وہ اس صورتِ حال پر پورے طور سے چھا جاتا ہے، اور ان دھبوں پر اظہار خیال کرنے لگتا ہے، اظہارِ خیال سے، اظہار خیال کی رفتار سے، اس کی حرکات و سکنات سے، متاثر کرنے والے حصول سے، رنگوں کے اثرات سے اور حس پر وہ ردِ عمل ظاہر کرتا ہے، اس کے ردعمل اور کردار سے اس کی پیمائش قدر کی جاتی ہے۔

مختصر یہ کہ زیر تجربہ فرد ایک غیر منظم صورتِ حال میں تظلیل کرتا ہے، اور اس کو وہ مفہوم دیتا ہے جو اس کے نفسِ باطن کا ترجمان ہوتا ہے۔

تظلیلی ضابطے اور بھی ہیں، ایچ، اے، میورے، (H.A.Murray's) کی نفس مضمون کے ادراک کی جانچ جو ٹی، اے، ٹی، کہلاتی ہے، لفظی ایتلاف کی جانچ کمیں کی تیکنک، کہانی مکمل کرنے کی تیکنک جس میں جانچ کرنے والا کہانی کے محض ٹکڑے سناتا ہے، اور انگلیوں کے ذریعہ مصوّری، اور آرٹ کی تیکنک بھی تظلیلی ضابطوں کی ہی صورتیں ہیں، ان سب ضابطوں کو کم و بیش ایک ہی طرح استعمال کیا جاتا ہے یعنی زیر تجربہ فرد صورت حال کو کوئی مفہوم دیتا ہے، اور اس

طرح اپنی ذات کا اظہار کرتا ہے"

ایل۔ کے۔ فرینک (L.K Frank) نے تظلیلی ضابطے کی یہ تعریف بیان کی ہے، "یہ شخصیت کے مطالعہ کا ایسا طریقہ ہے، جس میں زیر تجربہ فرد اس صورت حال پر اپنا ردِ عمل ظاہر کرتا ہے، جو اس کے سامنے پیش کی گئی ہے، اس طرح وہ اپنے مفہوم کو پیش کرتا ہے، اور اس بات کا اظہار کرتا ہے، کہ ردعمل ظاہر کرتے وقت وہ کس طرح محسوس کرتا ہے" 9 بہرکیف تظلیلی ضابطے مطالعہ سے زیادہ وسیع ہیں یہ طریقہ علاج کا ایک ذریعہ بھی ہیں یعنی فرد، کہانی، ڈرامہ، اور اپنے ماڈل" اور تصویروں میں جوں، جوں، تظلیل کرتا ہے، اسی قدر وہ اپنے تناؤ سے چھٹکارا پاتا ہر کہانیوں اور تصویروں کے ذریعہ بچہ اپنی خواہش کے مطابق واقعات کی تخلیق کرسکتا ہے، وہ ایک ہیرو بن سکتا ہے، اور اپنی اس بنادی حاجت کو پورا کرسکتا ہے جس سے وہ زندگی میں محروم رہا ہے،

وہ ان لوگوں کو تکلیف میں مبتلا کرسکتا ہے جنہوں نے اس کو تکلیف پہنچائی ہے، لیکن وہ یہ کام اس طرح کرسکتا ہے، کہ دوسروں کو تکلیف نہ پہونچے۔۔

تظلیلی ضابطہ کی قدر و قیمت اس بات میں مضمر ہے کہ اس کے ذریعہ شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا اظہار ہوتا ہے، دوسری صورت میں اس کا امکان ہے کہ یہ پہلو مخفی رہ جائیں، اور تکلیف اور درد باقی رہے، چونکہ فرد اپنی زندگی کے ابتدائی ایام میں یہ سیکھتا ہے، کہ زندگی کے مختلف پہلوؤں خاص طور سے بین شخصی تعلقات کے بارے میں اپنے معتقدات، افکار، اور محسوسات مخفی رکھے تظلیلی ضابطوں سے اس بات کا امکان پیدا ہوجاتا ہے کہ زیر تجربہ فرد جس بات کا کبھی اظہار نہ کرنا چاہے، اس کا اظہار ہوجائے ہے۔

عام طور سے یہ فرد کے اپنے انتخاب کی بات نہیں، خاص طور سے بچہ، کہ وہ اپنی پریشانیوں کو اپنے ہی تک محدود رکھے،

بلکہ بات یہ ہے کہ فرد جو کچھ محسوس کرتا ہے اس کو ظاہر نہیں کرسکتا اور اس کا اظہار مبہم پریشانیوں کی شکل میں ہوتا ہے، وہ اس قابل نہیں ہوتا، کہ اپنے خیالات محسوسات کو الفاظ کا جامہ پہنا سکے، جب ہمیں یہ معلوم ہوجائے کہ بچے

کو کچھ پریشانیاں لاحق ہیں تو ہم اس سے یہ پوچھ سکتے ہیں، کیا بات ہے ؟ یہ جواب مجھے نہیں معلوم ،، یا کبھی کبھی، کچھ نہیں ، اس بات کا اظہار نہیں کرسوال پوچھنے والے میں ضد پائی جاتی ہے ، اور اس میں اعتماد کی کمی ہے ، بلکہ یہ اس بات کا غماز ہے کہ سوال پوچھنے والا ان الفاظ میں سوال نہیں پوچھ رہا ہے ، جس سے اس کی پریشانیاں عیاں ہوسکیں ان حالات کی وضاحت ایک نو برس کے اس بچہ سے ہوتی ہیں جو مدرسے کا کام بخوبی انجام نہیں دے رہا تھا ، اور جس کے کرداری ردعمل سے اس کی پریشانیوں کا اظہار ہوتا تھا :

اس کی استانی نے اس کو انگلیوں کے ذریعہ مصوری کے لئے رنگ ، اور کاغذ فراہم کیا ، اور کام پر لگا دیا ، اس نے سلیقے سے کاغذ پر رنگ لگایا ، اور ڈیزائن بنائی ، اس نے کاغذ کے اوپری بائیں کونے پر لکھاوٹ کی طرح بائیں سے دائیں سمت کام کرنا شروع کیا ،

جب اس نے کام مکمل کرلیا تو استانی نے رنگ اور ڈیزائن کی تنظیم کی تعریف کی اور اس سے پوچھا کہ اس کے ذریعہ وہ کونسی کہانی پیش کر رہا تھا ،

بچے نے ڈیزائن اور رنگ کے ذریعہ اپنی مشکلات پیش کردیں ، ایک کالی شکل پیانو کی تھی ، جس پر اس کو مشق کرنے کی ضرورت تھی ، ایک خنجر نما سرخ سی چیز گھڑی تھی جس کی سوئی دھیرے دھیرے آگے کو کھسک رہی تھی ، اور اس وقت کا اظہار کر رہی تھی جو مشق کے لئے درکار تھا ، دوسرا ایک پتلا اور عمودی چاقو اس کے باپ کی ترجمانی کر رہا تھا جو کہہ رہا تھا کہ وہ اس بات پر ناراض ہے کہ اس نے گیند جس طرح کھیلنی چاہیئے تھی نہیں کھیلی ، ایک بڑا سا پیلا دائرہ اس واقعہ کو پیش کر رہا تھا ، جب اس کا باپ اس کو کوسٹ بیگ بیس بال کے کھیل میں لے گیا تھا ، بچہ جب اپنی مشکلات کو پیش کرنے کی کوشش کر رہا تھا ، اس وقت اس کی مزاحمتیں اور اس کی خواہشات ، زیادہ واضح ہوگئیں ، پہلے وہ اپنی مشکلات نہیں پیش کرسکتا تھا ، ایک ناواقف مشاہدہ کار کے لئے یہ دھبے بے معنی ہونگے ، ایک انھیں وسیلوں سے وہ اس قابل ہوگیا ، کہ اپنی مشکلات کو الفاظ میں بیان کرسکے ، بچے کے کردار کی تفہیم نو سے استانی اس قابل ہوسکی کہ اس کے والدین سے

مل کر اس نے بچے کے علاج کا ایک خاکہ تیار کیا، اس نے والدین سے اچھے نتیجہ کا وعدہ کیا اور بچے کی بہتر مطابقت کی امید ظاہر کی۔

آرٹ اور استاد کے ذریعے ذہنی حفظانِ صحت

آرٹ کے ذریعہ تشخیص اور علاج کے نظریاتی پہلوؤں کی ایک اُمید افزا صورت یہ ہے کہ اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے ہر استاد کو اس فن میں مشاق ہونے کی ضرورت ہے، چونکہ آرٹ کی امکانی قوتوں کو سراہا جاتا ہے، اس لئے یہ توقع کی جانی چاہیئے کہ آرٹ عام تعلیم اور پیشہ ورانہ تعلیم میں ایک نمایاں مقام حاصل کرے گا، بے شک یہ بھی ضروری ہے کہ ناکامی اعداد و شمار کی بنیاد پر اس کی بے جا تعمیم نہ کی جائے لیکن اختیاری اور عارضی طور پر نتائج اخذ کرنا خارج از امکان نہیں سمجھنا چاہیئے،

درحقیقت اس پورے طریقہ کار پر ایک تنقید کی جاتی ہے، کہ نتائج کی کمیت اور معیار بندی پر زور دیا جاتا ہے،

ایسے تحلیلی ضابطوں کے مطالعے پر نظر ثانی کی گئی، جن میں تصاویر، روشنائی کے دھبے، بچوں کی ڈرائنگ، بچوں کے بنائے ہوئے مٹی، پلاسٹیسن، اور صابن کے کھلونے انگلیوں کے ذریعہ مصوری اور آزادانہ کھیل جیسے وسیلے شامل ہیں، اور اس سے یہ بات عیاں ہوگئی، کہ نتائج کی کمیت کو ظاہر کرنے کی کوشش میں مختلف قسم کے سامان کو آزادی کے ساتھ برتنے کی اہمیت گھٹ گئی، اور اس کی اہمیت کو جاننے کے لئے جوابی عمل کے مختلف کلینکی ترجمانیوں کا سہارا لینا پڑا[111]۔

ہوسکتا ہے کہ جدید تحقیقات سے ایسی تیز بصیرت پیدا ہوسکے، کہ یکساں طور پر ترجمانی کی جاسکے،

لیکن فی الوقت اس میں کوئی خطرہ نظر نہیں آتا، کہ استاد انفرادی فرق کے پیش نظر حسب حال آرٹ کا استعمال کرے، شاگردوں میں جس قدر بھی خلاقی موجود ہو اس کا استعمال کرے۔

انھیں زیادہ سے زیادہ آزادی کے مواقع فراہم کرے، اس کے ذریعہ مدرسے کے دوسرے پروگراموں کو تقویت پہونچائے، اور ضمنی مواد فراہم کرکے

خاص خاص بچوں میں مناسب تحریک پیدا کرے جس سہولت کے ساتھ درجے میں آرٹ کا استعمال کیا جاتا ہے، اس کی وضاحت ایک زیر تربیت استانی نے کی ہے جس نے معلمی شروع کرنے سے پہلے عملاً یہ فیصلہ کیا کہ شاگردوں میں تعمیری مشاغل کی تحریک پیدا کرنے کے سلسلہ میں جو کچھ اس نے پڑھا ہے، ان میں سے بعض طریقوں کو وہ کمرۂ جماعت میں آزمائے

اس کام کے لئے جس سامان کی ضرورت ہو سکتی تھی اس نے منگوایا، اس کو گوند کاغذ، رنگ، اور رنگین کاغذ، چاک، اور روئی کی حاجت تھی، اس نے اپنے شاگردوں کو اس بات پر اکسایا کہ جغرافیہ میں انھوں نے جو کچھ پڑھا ہے اس کی تصویر بنائیں ہر صبح کو بچے اپنے میورل اور نمائش کی میز پر جانے کے لئے بے چین رہتے، اور تصویروں کے ذریعہ جو کچھ انھوں نے دکھانے کی کوشش کی تھی، اس کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے اپنے اسباق کو تیار کرتے۔

پڑھائی کے گذشتہ اسباق میں جن دو بچوں کی بے چینی کی وجہ سے زیر تربیت استانی فکرمند رہی تھی، وہی بچے کام کی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لئے اب جماعت کے دوسرے بچوں کی طرح سرگرم نظر آتے، شاگردوں کو عام طور سے یہ احساس نہیں تھا کہ وہ اپنی پڑھائی کے سلسلہ میں پہلے کے مقابلے میں زیادہ جانفشانی سے کام لے رہے ہیں،،

اس کی توقع نہیں کرنی چاہیئے کہ آرٹ کی شروعات کے وقت سے اس کی پوری افادیت نظر آنے لگے، اس کے لئے استاد کو وقت مطالعہ اور عمل کی ضرورت ہو گی، لیکن بہت سے اساتذہ اس کو مؤثر طور پر استعمال کرتے ہیں،،

استاد جو آرٹ کا خصوصی استاد نہ ہو اپنے تدریسی کام میں آرٹ کو کیسے استعمال کرسکتا ہے، یہ مہارت اسے ایک مختصر مدت میں حاصل نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کے لئے جانفشانی کرنی ہوگی، لیکن اس کا فائدہ طالب علموں کی ان دلچسپیوں میں نظر آئے گا، جو مدرسہ کے پروگرام میں وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی ہیں، برادری ملک، اور ملک کے بین الاقوامی تعلقات میں اس کے دوررس نتائج پائے جاتے ہیں بسلسلہ ۱۲ ہ

آرٹ کے وسیلوں میں ہر اس قسم کا سامان اور مشغلہ شامل ہے، جس میں تشاکل تناسب رنگ اور ہیئت افراد پر خوشگوار اثر ڈالے، اس بات کی طرف پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے، کہ آرٹ کے وسیع تصور میں، ادب، رقص، ڈراما، اور شخصی آرائش شامل ہیں تاہم مباحث میں سہولت پیدا کرنے کی غرض سے اس حصے کو گرافک اور پلاسٹک آرٹ تک محدود رکھا گیا ہے،

ذہن میں یہ بات رکھنی چاہیئے کہ جن وسیلوں کا یہاں ذکر کیا گیا ہے، وہ اپنی افادیت میں ایک دوسرے سے بہت زیادہ بڑھ چڑھ کر ہیں، کسی ایک وسیلے کے لئے جو کچھ کہا جا سکتا ہے، وہ دوسرے کے لئے بھی درست ہے، اس طرح انگلیوں کے ذریعہ مصوری میں جو فائدے بتائے جاتے ہیں، وہ تجاری کے استعمال سے بھی تعلق رکھتے ہیں، باوجودیکہ تجاری کے مباحث میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا ہے،

کمرۂ جماعت میں آرٹ بطور ایک وسیلہ

برش کے ذریعے مصوری برش کے ذریعہ مصوری کر کے شاگردوں کو رنگوں کے وسیلے سے اپنے خیالات کی تحلیل کا موقع ملتا ہے، برش کو دل اور دماغ کے اظہار کا ایک آلہ تصور کرنا چاہیئے، تصویروں کے ذریعہ منظم شکل میں خیالات کی تحلیل ہوتی ہے، جن کی مدد سے استاد بچوں کے نفس باطن کا علم حاصل کر سکتا ہے، تصویروں سے بچوں کے محرکات کا پتہ چلتا ہے، تصویروں میں جو رنگ استعمال کئے گئے ہیں ان سے غالب جذبات کی عکاسی ہوتی ہے، اور ان کی تفصیلات سے ایک تقابلی پختگی کا اندازہ ہوتا ہے، ۱۳۸

آرٹ کے وسیلے سے بچوں کے اندر اشیاء، صورت حال، اور ماحول کی اضافی معنویت کے تصور کا بھی اندازہ ہوتا ہے، اس طرح استاد کو یہ پتہ چل جاتا ہے کہ بچہ دُنیا کا کیا تصور رکھتا ہے،

شکل ۵ میں ایسے ہی تصورات کو اُبھاگر کیا گیا ہے، باوجودیکہ وسیلہ کوئی اور

استعمال کیا گیا ہے۔

شکل ۵

شکل نمبرہ میں وہ ڈرائنگ دکھائی گئی تھی جو شاگردوں کی تفہیم کے لئے استعمال کی گئی تھی، یہ تصویریں اعادی نصاب کی استانی کی درخواست پر کھینچی گئیں، اس نے کہا تھا، اپنے گھر کی ایک تصویر بناؤ، کیا تم بناؤ گے، ۹، اوپر والی تصویر میں ہاتھوں کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے اس نے پوچھا تمہارے ہاتھ کہاں ہیں، جواب تھا میں دکھا نہیں سکتا، کیونکہ میں نے کوٹ پہن رکھا ہے، اس لڑکے کو شدید قسم کا اکزیما تھا جس کی وجہ سے وہ احساس کمتری اور ندامت کا شکار تھا، استاد نے پڑھائی کی مہارتیں سکھانے کے بجائے ان احساسات کو دور کرنے کی کوشش شروع کر دی، اور جلد ہی اس کو متوقع کامیابی حاصل ہو گئی۔

تعجب کی بات تو یہ ہے، کہ لڑکے کو گھر پر بھی قبولیت کا احساس پیدا ہو گیا اس کا بھائی بھی جونیر ہائی اسکول میں پڑھتا تھا، اور اپنے باپ کی طرح تھا، اس کی ماں، اور خورد سال فریڈی جس کی عمر ۸ برس تھی، جو تیسرے درجے میں پڑھتا تھا لیکن خواندگی کی اہلیت نہیں رکھتا تھا، خود بھی اپنے اکزیما کو چھپانے کے لئے کوٹ پہنے ہوئے تھا۔

انگلیوں کے ذریعہ مصوری

براہ راست ہاتھ کے ذریعہ رنگوں کا استعمال برش کے ذریعہ مصوری کے مقابلے میں نسبتاً گندا کام ہے، لیکن اس کا خاص فائدہ یہ ہے کہ رنگوں کو استعمال کرنے والا جو کچھ تخلیق کر رہا ہے، اس کو محسوس کر سکتا ہے، اور دیکھ سکتا ہے، ان بچوں کو جو برش کے ذریعہ مصوری کی صلاحیت نہیں رکھتے، اس زائد حس کی وجہ سے تخلیق کا موقع مل جاتا ہے، یہ بھی نظر آتا ہے، کہ بچے تخلیقی تسکین سے قطع نظر لعاب دار، رنگ کے محض احساس سے کسی قدر تسکین حاصل کرتے ہیں، کلینیکی مطالعوں میں انگلیوں کے ذریعہ مصوری کے عمل، اور نتائج کو تفصیل سے پیش کیا گیا ہے، ان مطالعوں میں اس بات کی طرف اشارہ

کیا گیا ہے کہ انگلی، ہتھیلی، اور کہنیوں سے کلائی تک کے حصے کی جنبش سے شخصیت کے بعض رجحانات کا پتہ چلتا ہے، مثال کے طور پر وہ بچہ جو ایک انگلی سے رنگ کو صفائی کے ساتھ پھیلاتا ہے، اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس کو بہت صاف ستھرے رہنے کی تربیت دی گئی ہے، اس کو اس بات کا خوف ہے کہ اس کے گندے کام پر بالغوں کو اعتراض ہو سکتا ہے جو بچہ دونوں ہاتھوں کو سان لیتا ہے، وہ تلاش و جستجو کی کیفیت محسوس کرتا ہے ان باتوں سے اس امر کی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے کہ بچہ کا کردار اس کے باطنی احساسات، کا اظہار ہے، اس کا عمل اس کے کردار کی زبان ہے، اس طرح رنگوں کے انتخاب اور کاغذ کے استعمال سے بھی شخصیت کا سراغ ملتا ہے، فی الوقت اس بات پر بڑی حد تک اتفاق نہیں ہے، کہ استاد کے لئے اس سلسلے میں کون سی تفصیلات درکار ہیں،،

تاہم اس کو تخلیقی عمل اور خیالات کی تجسیم کا ایک ذریعہ سمجھنے سے اس حد تک احتراز نہیں کرنا چاہیئے، جس حد تک بچہ یہ بیان کر سکے کہ وہ کس خیال کی عکاسی کر رہا ہے ؛۔

مٹی کا کام

مٹی کا کام کرنا ایک گندا مگر فرصت کا مشغلہ ہے، انگلیاں مٹی میں سن جاتی ہیں، ڈیسک، دروازے اور میز وغیرہ کی درازوں میں دھبے پڑ جاتے ہیں لیکن بچے اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں، شاید اس گندگی میں وہ مدرسہ اور گھر کے اس ماحول سے چھٹکارا پاتے ہیں جس میں انھیں صفائی اور باقاعدگی کا خیال رکھنا پڑتا ہے،

مٹی کے کام میں انھیں اس بات کا موقع ملتا ہے، کہ وہ اپنی غلطیوں کی اصلاح کر سکیں، اور سامان کو ضائع کئے بغیر بار بار تجربہ کر سکیں، گیلی مٹی کو دبا کر اور کچل مختلف شکلیں بنانے میں ان کے جذبات کا اخراج ہوتا ہے، جس کا اظہار چھوٹے بچے اس وقت کرتے ہیں، جب وہ ڈیسک پر سامان پٹک دیتے ہیں، اور گھونسے اور کہنی سے ڈیسک کو پیٹنے لگتے ہیں،،

بعض بچوں کو آدمی کی تصویر بنا کر تسکین ہوتی ہے۔ شاید والد، یا پرنسپل، اور پھر اس کی شکل کو وہ بگاڑ دیتے ہیں۔ ایسی اور بھی باتیں ہیں، جن سے کچھ بچوں کو سابقہ پڑتا ہے۔

تیسرے گریڈ کے ایک بچے کو دیکھا گیا کہ وہ مٹی کے جو جانور بناتا تھا، ان کی پیشانی پر اور نتھنوں میں کسی تنکے سے کھرچا کرتا تھا۔ اس بات کا ذکر پھر کیا جارہا ہے، کہ تخلیقات اور تیکنک کی اہمیت نہیں ہے۔

بلکہ اہمیت اس بات کی ہے، کہ طریقۂ کار اور تخلیقات کے دوران استاد کو جن باتوں کا سراغ تیسرے گریڈ کے ایک بچہ کو دیکھا گیا کہ وہ مٹی کے جو جانور بناتا تھا ان کی پر اور نتھنوں میں کسی تنکے سے کھرچا کرتا تھا۔ اس بات کا ذکر پھر کیا جا رہا ہے کہ تخلیقات اور تیکنک کی اہمیت نہیں ہے۔

بلکہ اہمیت اس بات کی ہے، کہ طریق کار، اور تخلیقات کے دوران استاد کو جن باتوں کا سراغ ملتا ہے، اُن سے بچے کے بارے میں زیادہ معروضی معلومات فراہم ہو سکتی ہیں۔

نجاری کا کام

نجاری کا کام حصے میں پلاسٹک آرٹ کے توسط سے آیا ہے، لیکن چونکہ بہت سے مدرسوں میں اس وسیلے کو استعمال کیا جاتا ہے، اس لئے اس سلسلے میں کسی قدر انحراف کی اجازت ہے۔ اوزاروں کے ساتھ کام کرتے وقت ان اوزاروں کو محفوظ طریقہ سے استعمال کرتے وقت اور سامان کی دیکھ ریکھ کے سلسلہ میں کچھ ہدایات درکار ہیں۔

اس لئے کہ خراب اوزاروں کو استعمال کرنا خطرناک ہے۔ اس کام میں بچوں کو اتنی ہی آزادی دینی چاہیئے، جتنی دوسرے آرٹ میں دی جاتی ہے۔ لکڑی کے کام میں بڑے ٹھپوں کا استعمال ہوتا ہے، یہ ٹھپے ان ٹھپوں کے مقابلے میں زیادہ مضبوط ہوتے ہیں، جو مصوری میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ اس لئے اس کا امکان ہے کہ اس سے زیادہ لڑکوں کو تسکین حاصل ہو۔

یہ بات پھر یاد رکھنی چاہیئے کہ صنعت کارانہ خلاقی ہی واحد مقصد نہیں ہے اس کام میں بالیدگی کا عمل سست ہو تو بھی اساتذہ مطمئن ہو سکتے ہیں اگر مشق جاری رکھی جائے، تو یہ کام تسکین کا باعث اور فرصت کا ایک دلچسپ مشغلہ بن

سکتا ہے، مٹی کے کام کی طرح اس کام میں بھی پٹھوں کی ورزش ہوتی ہے،،
اس کے ذریعہ ان نمو پذیر بچوں کو آسودگی حاصل ہوتی ہے، جو جماعت کے اندر جسمانی تساہل سے دوچار ہوتے ہیں، اس کے علاوہ اور موقعوں پر بھی کام فراہم کر کے خلاقی کے لئے ایک اور موقع کا اضافہ کیا جا رہا ہے،
باوجودیکہ راقم الحروف کو اس نظریئے سے اتفاق نہیں کہ جس شخص میں ذہنی صلاحیت موجود ہے، وہ ہاتھ کے کام میں مہارت حاصل کر کے اس کمی کی تلافی کر سکتا ہے، لیکن یہ بات اطمینان سے کہی جا سکتی ہے، کہ نجاری کے کام میں مختلف قسم کی صلاحیت درکار ہے، اور اس لئے اس کام میں انفرادی فرق کے اظہار کا ایک اور موقع فراہم ہو گا، نجاری کے کام کا دوسرا فائدہ یہ ہو سکتا ہے کہ بیرونِ مدرسہ، ماحول میں جو تناؤ پیدا ہو گیا ہے، وہ اس کام کے ذریعہ دُور ہو جائے
گیری ایک معتوب بچہ تھا، اس کا برتاؤ بہت جارحانہ تھا، اس کو بہت سے تجربات فراہم کئے گئے، جو زیادہ تر لکڑی سے کچھ بنانے کے کام پر مشتمل تھے اس قسم کے کاموں پر گیری کو فطری طور سے قدرت حاصل تھی، وہ اس کو پسند کرتا تھا اور ہتھوڑا، اور آری چلانے میں اس کے جذبات کا اخراج ہوتا تھا، اس نے اس میدان میں کامیابی حاصل کی، اور اس کی وجہ سے اس کو اپنے گروپ میں مقام حاصل کرنے میں مدد ملی،، ۱۴۱
اور ے گون پبلک اسکول پورٹ لینڈ کی آرٹ سپر وائزر، رتھ ہال ورسن (Ruth Holvorson) نے سفارش کی ہے، کہ لکڑی کو تراش خراش کر سڈول بنانے کا آرٹ زیادہ قابل توجہ ہے، یہ آرٹ پورے طور پر ترقی پذیر نہیں ہو سکا ہے لیکن اس میں بچے زیادہ شوق سے مصروف رہتے ہیں، ان بچوں کے لئے جو اپنے چہرے نوچتے رہتے ہیں، اور ناخن کاٹتے رہتے ہیں، انھوں نے بلسا لکڑی کی سفارش کی، یہ لکڑی نرم ہوتی ہے،، اس لئے اس کو چیرنا اور کسی خاص شکل میں گڑھنا آسان ہے، ان لڑکوں کے لئے جو اپنے دباؤ پر قابو پانا چاہتے ہیں، اور کچھ بنانا چاہتے ہیں، انھوں نے، اناناس، یا صنوبر کی سفارش کی ہے، سخت لکڑی وہ

وہ لڑکے استعمال کر سکتے ہیں، جو زیادہ جسمانی طاقت رکھتے ہیں، اور کچھ بناتے وقت اپنے پٹھوں کے کھنچاؤ کو پسند کرتے ہیں، اس کام میں دوہرے فائدے ہیں اس کے ذریعہ بچے کو جمالیاتی ذوق کو کام میں لانے، اور تعمیری خواہش کو پورا کرنے کا موقع ملتا ہے،،

دیگر وسائل اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے، اس میں صنعت کارانہ تخلیق، اور عمل کے تمام امکانی وسیلے ختم نہیں ہو جاتے، اور بھی وسائل ہیں جو استعمال کئے جا سکتے ہیں، لیکن ان کا انحصار سامان کی فراہمی اور موزونی حالات پر ہے، ان میں حسبِ ذیل وسائل شامل ہیں،

پنسل، کوئلہ، رنگین کھریا اور چاک کی ڈرائنگ،

پوسٹر ڈرائنگ اور مصوری،،

دھات کا کام، ٹن، تانبا، اور المونیم کی چادر بنانے کا کام،

چمڑے کا کام اور ٹولنگ،

رنگین کاغذ، ٹن کی بالٹیوں، اور پیرِ باشی سے کرسمس کے موقع پر آرائش گڑیا، اور گڑیا کا لباس بنانا،،

دیواری مصوری، اور اسٹیج کا سین دکھانا،،

کٹھ پتلی بنانا، اور اس کے کھیل دکھانا،

اسٹینسل بنانا، اور اسٹینسل چھاپنا؛

ان وسیلوں میں بھی وہی فوائد نہاں ہیں، جو اس کتاب کے گذشتہ حصّے میں بیان کئے گئے ہیں، یعنی شغل کی آزادی مختلف قسم کی چیزوں کی تکمیل کے مواقع، جذباتی تنقیہ کے لیے جسمانی شغل کا اہتمام، فرصت کے وقت کے تعمیری مشغلہ کی طرف پیش قدمی، آموزش کو محدود لفظی حدود سے باہر نکالنا، یہاں اکتساب کے فوائد کے علاوہ استاد کو اس بات کا بھی موقع ملتا ہے کہ وہ بچے کا مزید نقطۂ نظر دریافت کر سکے،،

اگر ان وسیلوں کی مدد سے وہ نتائج حاصل کرتے ہیں، جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، تو ان نکتوں کو جنہیں ماہرین نے بار بار پیش کیا ہے، ضرور

ذہن نشین کرنا چاہیئے، یعنی بچہ کو آزاد چھوڑ دیجئے، بڑوں کے معیار ان پر نہ تھوپیئے، ارنے، ڈبلیو، رنڈال، Arne W. Randall جو امریکہ کے دفتر تعلیم میں فنون لطیفہ کے ماہر ہیں، ان کے بیانات نہ صرف نمائندہ ہیں، بلکہ انوکھے بھی ہیں،

"بچوں کو وقت اور رہنمائی درکار ہے، اور ان کے اندر احساس تحفظ پیدا کرنے کے لئے ان کے احساس حصول کو بھی پروان چڑھانے کی ضرورت ہے تاکہ وہ جو کچھ محسوس کرتے ہیں، اس کا اظہار کر سکیں،، خاص طور سے بچے کی بالیدگی کے ابتدائی دنوں میں آرٹ ایک کھیل کی حیثیت رکھتا ہے، اور اس کو اسی طرح جاری رہنا چاہیئے"۔

جب بچوں کی امکانی فنی صلاحیتیں فطری طور پر بروئے کار آتی ہیں،، اور جب وہ بالغوں کے مضحکہ خیز معیار سے نجات حاصل کر پاتے ہیں، اس وقت حقیقی معنوں میں تخلیقی عمل پیدا ہوتا ہے، ڈرامہ، طبع زاد مصوری، شاعری، تحریری انشاء کے کاموں میں شرکت کر کے بے ساختہ طور پر تخلیقی فکر پیدا ہوتی ہے[۱۵]

آرٹ صرف انفرادی نشو ونما میں ہی ایک اہم منصب ادا نہیں کرتا، بلکہ اپنے انفرادی منصب کے ذریعہ بحیثیت مجموعی پورے تعلیمی پروگرام میں اس کے وظائف بہت اہم ہوتے ہیں، آرٹ کے مشاغل تعلیم کے عام پیچیدہ مسائل کا حل پیش کر سکتے ہیں، اور اس کے ذریعہ تعلیم کے بعض اہم مقاصد پورے ہو سکتے ہیں، اس حصہ میں انہیں عام ملحوظات سے بحث کی گئی ہے،،

تعلیمی پروگرام میں آرٹ کا منصب

آرٹ کے ذریعہ روابط پیدا کرنا رابطے کی تعریف یوں بیان کی جا سکتی ہے کہ یہ اس احساس کا نام ہے، جو ہم آہنگی، باہمی رضامندی، اور اپنائیت کے تعلق سے پیدا ہوتا ہے، ایک جماعت کے ایسے ماحول میں جس میں زیادہ انضباط پایا جاتا ہو، استاد، اور شاگرد کے درمیان وحدت کا ثبوت ملتا ہے۔ ایسے ماحول میں کام کی عادتوں میں استحکام پیدا ہوتا ہے، شخصیت کو شرف قبولیت حاصل ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کی محرومیوں، اور کامیابیوں میں باہمی شرکت ہوتی ہے

اور ایک دوسرے کا اعتماد حاصل ہوتا ہے، جو بہت قابل قدر سمجھا جاتا ہے اگر مناسب رہنمائی میں آرٹ کے مشاغل انجام پائیں تو اس کے ذریعہ رابطے کی ہر خصوصیت پیدا ہو سکتی ہے؛

آرٹ کے مشاغل کے ذریعہ طبعی اور سماجی دونوں کی طرح کی ہم آہنگی حاصل کی جاسکتی ہے، طبعی ہم آہنگی پھولوں کی آرائش، مصوری کی نمائش، استاد اور شاگردوں کی، رنگ اور متنوع ماڈل دستکاری کے نمونے اور گڑیوں، اور کٹھ پتلیوں کے ذریعہ پیدا کی جاسکتی ہے، سماجی ہم آہنگی اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ دیواری مصوری میں جماعت کی کمیٹیوں کو مشترکہ طور پر کام کرنے کا موقع ملتا ہے، ایسے مشترکہ منصوبوں میں جماعتی منصوبہ بندی اور جماعتی طور پر کام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے ذریعہ بین الشخصی روابط قائم ہوتے ہیں، جماعت کے اندر آرٹ کے متنوع مشاغل، کی وجہ سے بچے کو اس بات کا موقع ملتا ہے کہ وہ خود کچھ کر کے اضافی کامیابی حاصل کرے، اس طرح اپنائیت کے احساس کو تقویت ملتی ہے،،

استاد اور شاگرد میں وحدت کا احساس اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب آرٹ کا وہ معیار نہ تھوپا جائے، جو بالغوں کا ہو (۲)، استاد کے لئے لازمی ہو کہ وہ ہر شاگرد کو، اس کی موجودہ حیثیت میں تسلیم کرے، چونکہ آرٹ کے کام کو اظہار شخصیت سمجھا جاتا ہے، اس لئے ہر شخص، یا گروپ کا کام قابل توصیف ہوتا ہے، چاہے وہ فنی اعتبار سے کمتر ہی کیوں نہ ہو، اس طرح کی قدر شناسی کے ذریعہ رابطہ پیدا کیا جاسکتا ہے، ضرورت اس بات کی ہے، کہ قدر شناسی کے پیش نظر، آرٹ کے ان وسیلوں کا مشاہدہ اور تجربہ کیا جائے، جو مختلف مشاغل میں بچے اختیار کرتے ہیں، اور جن میں مقصدیت، خلاقی اور جسمانی فعالیت پائی جاتی ہو، اسکول کے بچے جس انہماک سے انفرادیت یا گروپ پروجیکٹ میں کام کرتے ہیں، اس کو دیکھ کر بہت حیرت ہوتی ہے، ان کے اندر ذمہ داری کی تحریک اس طرح پیدا کی جا سکتی ہے، کہ گروپ کے کاموں میں اشتراک باہمی کا موقع پیدا کیا جائے ساز و سامان کی دیکھ ریکھ کی جائے، تاکہ آسانی کے ساتھ استعمال کیا جاسکے

اور اس امر کو تسلیم کیا جائے، کہ پیش نظر مشاغل میں ہر شخص کا کوئی نہ کوئی حصہ ہوتا ہے جب ایک بچہ اچھی طرح بلند آواز سے پڑھنے میں ناکام ہوتا ہے، یا جب بہت عمدہ طریقے سے پڑھکر سناتا ہے، تو اس وقت وہ اپنے ہم جماعتوں کے احساس سے بے خبر ہوتا ہے، لیکن جب اس کی کامیابی، ناکامی، دوسروں پر انداز ہوتی ہے تو اس وقت ایک جماعتی احساس پیدا ہوتا ہے، یہ شرکت احساس باعث تسکین بھی ہے،، اور قابلِ توجہ بھی، اور جماعتی انضباط کے لئے نقطۂ ایجاد بھی ہے،، بالغوں کے معیار کو عائد نہ کر کے اعتماد پیدا کیا جا سکتا ہے، تعلیم جب مقرون ہو یعنی ان کے نتائج دیکھے، سنے، او محسوس کئے جا سکیں، اور ان کو زیر بحث لا یا جا سکے، تو اس وقت آرٹ کے مشاغل اور ان سے متعلق علوم کے مطالعے سے پختہ احساس پیدا کرایا جا سکتا ہے،،

آرٹ کے مشاغل سے بآسانی تحریک پیدا ہوتی ہے تحریک پیدا کرنے کا مسئلہ استاد کے لئے ایک مستقل مسئلہ ہے۔ جغرافیہ، ہجے، ریاضی، الجبرا، تاریخ عالم میں دلچسپی پیدا کرنے کی کیا صورت اختیار کی جائے، کسی طالب علم میں بدیہی لیاقت رکھنے کے باوجود مناسب مقداریں اور خوش اسلوبی کے ساتھ حسبِ توقع کام کرنے کی صلاحیت کیوں نہیں ہوتی؟

خارجی انتشار سے شاگردوں پر کیا اثر پڑتا ہے، اور کس طرح انھیں اس قابل بنایا جائے، کہ وہ اپنی پریشانیوں کو بھول کر اپنی قوتوں کو استعمال کرنے لگیں،، اور ترقی حاصل کریں، ان سب مسائل کا کوئی واحد قطعی علاج آرٹ کے ذریعہ ممکن نہیں، لیکن آرٹ ان مسائل کو حل کرنے میں مددگار ضرور ثابت ہوتا ہے،،

دلچسپی، لطف، کامیابی، تفہیم، اور مقاصد محرکات کے عناصر ہیں،، انفرادی فرق کے باعث یہ تمام عناصر پیچیدہ ہو جاتے ہیں، آرٹ کے مشاغل میں چونکہ بہت سے متبادل کام شامل ہوتے ہیں، اس لئے ان کے ذریعہ انفرادی فرق کے تقاضے پورے کئے جا سکتے ہیں، مزید بر آں محسوس کرنے، دیکھنے، اور رکھ کرنے سے تحریک میں اضافہ ہوتا ہے، بے شک اس قسم کے محرکات اسی وقت

حاصل ہو سکتے ہیں، جب آرٹ کے مشاغل علمی اکتساب کا لازمی جز قرار دیے جائیں، آرٹ اور علمی اکتساب کے مضامین کو علیحدہ خانوں میں تقسیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ایک کو دوسرے کی وضاحت، تعین اور صراحت کے لئے استعمال کرنا چاہیئے، انھیں ایک دوسرے سے مربوط کرنے کے لئے، اگر استاد کچھ مشورے پیش کردے اور طالب علموں کو تحقیق و تفتیش کی آزادی فراہم کردے تو طالب علم خود ہی رابطہ کو دریافت کرسکتے ہیں،

آرٹ کے مشاغل سے تحریک پیدا کرنے کے سلسلے میں ایک صاحب فہم استاد بہت استفادہ کرسکتا ہے یعنی وہ بچے کی جذباتی تشکیل کی بصیرت حاصل کرسکتا ہے، بچے کی صنعت کارانہ تخلیقات سے اس کی قوت واہمہ کی طرف اشارہ ملتا ہے، مسائل کو وہ جس طرح محسوس کرتا ہے، اسی طرح اس کا اظہار ہوتا ہے، اس کی اُمنگوں کا پتہ چلتا ہے، اور ان صلاحیتوں کا علم ہوتا ہے، جو اس سے پہلے بردئے کار نہیں لائی گئیں،

مختصر یہ کہ اس کام سے اس کی نجی اور باطنی زندگی کا اظہار ہوتا ہے، آرٹ کے کسی متفرق کام کو زیادہ اہمیت دینے میں استاد کو محتاط رہنا چاہیئے، اور بچے کا مسلسل مطالعہ کرتے رہنا چاہیئے، تاکہ ان مستقل رجحانات کا پتہ چلتا رہے جو اس کی شخصیت کی نشو ونما سے تعلق رکھتے ہیں،

آرٹ کی ایک معالجاتی افادیت بھی ہے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ شاگردوں کی اکثریت کو مطابقت کے بڑے مسائل درپیش نہیں ہوتے، معمولی قسم کے اضطرابات بہت جلدی ختم ہوجاتے ہیں، ان سے قطع نظر زیادہ تر بچے مسلسل مطابقت کی کوشش کے دوران اپنی زندگی کے روزمرہ مسائل سے کامیابی کے ساتھ نبٹ لیتے ہیں، ایسے بچوں کے لئے آرٹ کے مشاغل صرف اظہار ذات کے مواقع فراہم کرتے ہیں، تاہم ایسے بچے بھی ہوتے ہیں جن کے مطابقتی مسائل آسانی سے نہیں حل ہوپائے، اختیاری شہادتوں سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ آرٹ کے مشاغل جیسے مصوری، ڈرائنگ اور ماڈلنگ وغیرہ کے ذریعہ بچے اپنے جارحانہ ہیجانات کا اظہار کرتے ہیں، کم وبیش انھیں

طریقوں سے تو بالغ اپنے جنسی ہیجانات کا ارتفاع کرتے ہیں۔ غرض آرٹ کے وسیلے جذبات کے اخراج اور خیالات کی تظلیل کے کامیاب ذرائع ہیں،،

شکل ۲-۶۔ تناؤ کو ظاہر کرنے اور تناؤ سے نپٹنے کے طریقے،

(۱) احساسات کو دبانا اور شرم و جھجک اور ناراضگی پیدا کرنا، (۲) شدید جذبے کے اظہار کے لئے کتے کو ٹھوکر مارنا، (۳) احساسات کو چھپانے یا ظاہر کرنے کے لئے لڑنا جھگڑنا، اور مارنا پیٹنا (۴) سماجی طور پر پسندیدہ وسیلے کے ذریعہ احساسات کا اظہار:

آرٹ انسانی روابط میں سہولت پیدا کرتا ہے

بہت سے ماہرین تعلیم، فلسفی اور مدبر اس بات پر متفق ہیں کہ آج دنیا میں انسانی روابط کا مسئلہ بہت اہم ہے۔ یقیناً سماجیت پیدا کرنا آج کی تعلیم کا اہم مقصد ہے۔ انسانی رشتوں کو مضبوط کرنے کے عمل میں استاد جس قدر بھی اضافہ کرتا ہے، اسی قدر وہ اپنی تدریس کی لیاقت کا ثبوت دیتا ہے۔ آرٹ کے مشاغل کئی اعتبار سے سماجیت پیدا کرنے میں معاون ہوتے ہیں۔ اس کے ذریعہ افراد یہ تسکین حاصل کرسکتے ہیں، کہ انہوں نے جماعت کے لئے کچھ نئی تخلیقات انجام دی ہیں اور اس تخلیق کی سعی میں انہوں نے جماعت کا ہاتھ بٹایا ہے۔ ایک فرد کی تکمیل پوری جماعت کی کامیابی کا باعث بنتی ہے۔

شاگرد کو استاد کی جانب سے جو تحسین ملتی ہے، اس کی وجہ سے اس کے اندر گرم جوشی کا احساس پیدا ہوتا ہے، یہ احساس شفقت اور توجہ کے سبب نشوونما پاتا ہے، وہ بچے جو ایک دوسرے سے اپنی بات نہیں کہہ سکتے وہ آرٹ کے ذریعہ ایک دوسرے کے بہت قریب آجاتے ہیں، اور آسانی کے ساتھ دوسروں تک اپنے خیالات کی ترسیل کرلیتے ہیں، آرٹ کے مشاغل میں جب کوئی بچہ اپنے جارحانہ ہیجانات کا اظہار کرتا ہے، تو اکثر وہ ان بچوں کے لئے بھی باعث تسکین ہوتا ہے، جو اسی قسم کے احساسات رکھتے ہوں لیکن اظہار نہ کر پاتے ہوں، انسانی رشتوں کو مضبوط کرنے میں آرٹ کا جو مقام ہے، اس کا ذکر امریکہ کے دفتر تعلیم کے ایک بلیٹن میں اس طرح کیا گیا ہے، اس بات کو

فراموش نہیں کرنا چاہیئے، کہ تعلیم کے بنیادی پروگرام میں آرٹ کے مشاغل کو بڑی نفسیاتی اہمیت حاصل ہے، بشرطیکہ ایک ایسی فضا پیدا کی جائے جس میں خیالات کی ترسیل ہو سکے، شہری نشوونما، ذمہ داری اور ضبط ہو سکے، افراد کو اظہار خیال کا موقع مل سکے، اور انفرادی اور سماجی تقاضے پورے ہو سکیں،،

آرٹ ایسے تجربات فراہم کرتا ہے جن کے تحت فرصت کے اوقات کو تعمیری ڈھنگ سے استعمال کیا جا سکتا ہے، فرصت کے اوقات کے تعمیری استعمال کو آرٹ کا تعلیمی پہلو تصور کرنا چاہیئے، ہر منزل پر بار بار تعلیم کا یہ مقصد بیان کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ فرصت کے اوقات کو بہتر طور پر استعمال کرنے کی تربیت ملتی ہے اس سماج میں اس مسئلہ کی خصوصی اہمیت ہے، جس میں بچوں اور نوجوانوں کو قانون کے ذریعہ مزدوروں کی منڈی سے دور رکھا گیا ہے، اور کام کے اوقات دن بدن گھٹتے جا رہے ہیں،

اس مسئلہ کی شدت کا اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ اجتماعی تفریح کے ذرائع تیزی سے بڑھتے جا رہے ہیں جن میں افراد کو فعالی شرکت کا موقع نہیں ملتا، آرٹ مختلف طریقوں سے ان مسائل کا حل پیش کرتا ہے، کیونکہ اس میں حسب ذیل خوبیاں موجود ہیں،

اس میں شخصیت کے مختلف پہلوؤں کے استعمال کا موقع ملتا ہے یہ بنیادی طور پر تخلیقی کام ہے، اس طرح اس کے ذریعے مناسب سمتوں میں جارحانہ ہیجانات کی رہنمائی ہو سکتی ہے،

وہ افراد جو کثیر تعداد میں اپنی امکانی قوتوں، قابلیتوں، اور دلچسپیوں کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، آرٹ کو بآسانی استعمال کر سکتے ہیں، کیونکہ اس میں بہت سے وسیلوں کی گنجائش ہے،

اس کے ذریعہ چونکہ انسان، اظہار خیال کر کے اپنی بنیادی حاجتوں کی تسکین بر اری کرتا ہے، اس لئے یہ جذباتی تناؤ کے اخراج کا ایک ذریعہ ہے،

اس کی وجہ سے روزانہ زندگی میں حسن اور ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے

اس کے ذریعہ ترسیل خیال میں سہولت ہونے کی وجہ سے انسانی رشتوں میں سہولت اور خوش گواری پیدا ہوتی ہے،،
اس میں مہارت کی مشق کا موقع ملتا ہے، جو نہ صرف جمالیاتی اعتبار سے قابل قدر ہے، بلکہ زندگی کے مختلف پہلوؤں کے لئے افادی حیثیت بھی رکھتا ہے؛
اس کام میں ان صلاحیتوں کو جنہیں بصورت دیگر ترقی کا موقع نہ ملتا استعمال کرنے کا موقع ملتا ہے۔
اس کے ذریعہ مشاہیر فن کے فن پاروں سے واقفیت ہوتی ہے، اور اُن کی تحسین پیدا ہوتی ہے، اس طرح اس کے ذریعہ متوازن نشوونما ہوتی ہے،
ان تمام باتوں کو اختصار کے ساتھ یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ آرٹ باطنی وسائل کو فروغ دیتا ہے، جس کے سہارے ان بچوں کو بالغ بننے میں مدد ملتی ہے، جو خود مختار ہیں، اور جن میں پیش قدمی پائی جاتی ہے
آرٹ کی اساسی تعلیم کے میدان میں، یعنی موسیقی، رقص، ڈراما، بت تراشی اور گرافک آرٹ میں اظہار کے روایتی پیکروں کی ہمت افزائی کرنی چاہیئے، اور جہاں تک ممکن ہو تجارتی اثرات کے نقص سے پاک رکھنا چاہیئے، اس بات کی کوشش کرنی چاہیئے، کہ آرٹ کی تخلیق تجارتی پیمانے پر نہ ہونے پائے اور نہ ہی عوامی پیمانے پر کی جائے، تاکہ خارجی تفریح کا ذریعہ نہ بن جائے، ظاہر ہے کہ اس طرح کا آرٹ نہ تو مقامی جگہ لے سکتا ہے، اور نہ اس میں وہ خلاقی پیدا ہو سکتی ہے،،[۵]

آرٹ شخصیت کے تجزیے کی ایک تکنیک ہے

تکنیک کی حدود ابھی تک آرٹ سے متعلق وہ تمام معلومات نہیں فراہم ہو سکی ہیں، جن کے ذریعہ شخصیت کا تجزیہ کیا جاسکے، جو لوگ اس فن میں مستند مانے جاتے ہیں، ان میں اس مسئلہ پر اختلاف رائے ہے، کہ شخصیت کے اظہار میں مخصوص، رنگ، موضوع، سائز اور تعین مقام کا کیا مفہوم ہے، یہ بات

چونکہ معلوم ہے کہ بچوں کی ڈرائنگ، تعمیر اور مصوری میں اظہار ذات کے مقابلے میں نقل زیادہ ہوتی ہے، اس لئے ان کی ترجمانی بہت مشکل ہے، ہوسکتا ہے کہ بچے اپنے استاد کو خوش کرنے یا اپنے ہمسروں کو اچنبھے میں ڈالنے کی کوشش کر رہے ہوں، اور آرٹ کے پیکروں کے ذریعہ اپنے مسائل کو نہ پیش کر رہے ہوں پھر بھی آرٹ کی تخلیق ایک بے ساختہ تخلیق ہوسکتی ہے، آرٹ میں بچوں کا شوق محض وقتی ہوسکتا ہے، جس کے ذریعہ شخصیت کے اوصاف کی عکاسی نہ ہوتی ہو، بچے کو فن کار سمجھے بغیر مندرجہ ذیل اقتباس سے ہم تنبیہ حاصل کرسکتے ہیں:

کسی تصویر میں ایک المیے یا شدید جذبے کی عکاسی ہوسکتی ہے، باوجود اس کے کہ فن کار نے خود اس کو بہت زیادہ نہ محسوس کیا ہو، ایک ڈرامہ نویس جس طرح اپنے الفاظ کے ذریعہ نفرت اور حسد کے جذبات کا اظہار کرسکتا ہے، اور ایک ایکٹر جس طرح خود وہی جذبات محسوس کئے بغیر ان الفاظ کو ادا کرسکتا ہے، اسی طرح ایک مصور خود محسوس کئے بغیر چہرے کے اتار چڑھاؤ، اور حرکات، وسکنات سے دوسروں کے جذبات کو ابھار سکتا ہے، وہ خود صحیح الحواس رہتے ہوئے دیوانگی کی ترجمانی اور اظہار کرسکتا ہے،

کسی بنائی ہوئی چیز سے یہ نتیجہ نکالنا مشکل ہے کہ اس کے تصور و عمل میں کونسے اقدامات شامل تھے،،[۱۸]

شخصیت کے بہت سے مسائل کا سراغ کسی ایک مخصوص دشواری میں نہیں ملتا، اس کے بجائے عموماً مسائل کے کثیر اسباب ہوسکتے ہیں، اس لئے آرٹ کی اس تخلیق سے جو صرف مسئلے کا ایک رخ پیش کرتی ہے، پورے حالات کا اندازہ نہیں ہوتا، مثال کے طور پر رنگین کھریا، یا رنگ سے تصویر بناتے وقت رنگوں کا جو انتخاب ہوتا ہے، اس کی بنیاد محض تقلید اور نقل ہوسکتی ہے، ہوسکتا ہے وہ فرد کا آزادانہ انتخاب نہ ہو،

جس طرح مختلف بچے حالات کے پیش نظر مماثل تحفظاتی میکانیے، یعنی تلافی دروغ گوئی، شرارت اور شرم و جھجک کا اظہار کرتے ہیں، کیا اسی طرح متنوع محرکات کے ردعمل کے طور پر وہ آرٹ کی بھی مماثل تخلیقات کو استعمال

کریں گے؟ ضروری نہیں کہ ہر شرمیلا بچہ ایسا بچہ ہو جس کے والدین نے اس کو بیجا تحفظ فراہم کیا ہو، ہر شریر لڑکا ایسا نہیں ہوتا جس کو حسب خواہش اپنے گھر کے اندر کام کرنے کا موقع نہ ملا ہو؛

ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا چاہیئے کہ کاغذ کے ایک کونے میں چھوٹی سی تصویر بنانے کا جو سبب ایک بچے کے لئے ہو سکتا ہے، وہی دوسروں کے لئے بھی ممکن ہے، دو بچے کالے رنگ کا زیادہ استعمال کر سکتے ہیں، لیکن دونوں کے پیش نظر مختلف مقاصد ہو سکتے ہیں،

ان باتوں کے پیش نظر ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں، کہ آرٹ کے ذریعہ تجزیہ کرنے میں ہمیں بہت محتاط رہنا چاہیئے،، کہ ذریعہ اظہار کو ضمنی معلومات کے طور پر استعمال کرے، فی الحال آرٹ کے ذریعہ تجزیئے کا کام ماہرین پر چھوڑ دینا چاہیئے۔

درجے کا استاد بحیثیت ایک تجزیہ کار

آرٹ کے وسیلوں سے شخصیت کے تجزیئے کے جو طریقے اپنائے جاتے ہیں، ان کی حدود ہوتے ہوئے بھی، درجے کے استاد کو نہ تو رد کرنا چاہیئے، اور نہ ان کے استعمال سے پرہیز کرنا چاہیئے، کوئی وجہ نہیں ہے، کہ استاد آزادی کے ساتھ ان طریقوں پر تجربہ نہ کرے، ہاں یہ ضرور ذہن نشین کرنا چاہیئے، کہ نتائج پر اعتراض کیا جا سکتا ہے، چاہے نتائج منفی ہی کیوں نہ ہوں،

نئے طریقوں کی آزمائش یہ صرف دلچسپی کی بات ہے، بلکہ حصول معلومات کا بھی ذریعہ ہے، آرٹ کے ذریعہ تجزیہ کرنے کا تجربہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ کچھ اور رنگ لے لئے جائیں، اور مصروفیات میں تنوع پیدا کر دیا جائے، یہ دونوں باتیں بیک وقت مشکل ہوتی ہیں۔

جب استاد بچے کے بارے میں دوسری معلومات یعنی اس کے اسکول کا پچھلا کارڈ، جانچ کا معطیہ، مطالعہ فرد، گھر اور خاندان کے بارے میں معلومات اور استاد کی رپورٹ حاصل کرے، اس وقت آرٹ کی تخلیقات کو بہتر طور سے سمجھا جا سکتا ہے، اور ان تخلیقات کے ذریعہ بچے کی بہتر تفہیم پیدا ہو سکتی ہے آرٹ کا فائدہ کچھ اور ہو یا نہ ہو، یہ ضرور فائدہ ہو سکتا ہے، کہ ذہن میں کچھ سوالات

پیدا ہو جائیں۔ مثلاً کیا بچہ اظہار بستہ ہے، کیا اس سے جنسی الجھن کی ترجمانی ہو سکتی ہے، کیا یہ بچہ اپنی جارحانہ اور تخریبی خواہشات کو چھپا رہا ہے"۔

آرٹ کا وسیلہ اس وقت مفید ثابت ہو سکتا ہے، جب یہ احتیاط برتی جائے کہ تجزیئے میں بچہ کی ایک تخلیق کے بجائے متعدد تخلیقات کا مطالعہ کیا جائے متعدد تخلیقات کا مطالعہ کرنے سے رجحانات رغالب موضوع، عمل میں استحکام کو نوٹ کرنے میں سہولت ہو گی،

آرٹ کے ذریعہ شخصیت کا تجزیہ اس وقت محتاط ہو سکتا ہے، جب نتائج صرف عارضی طور پر اخذ کئے جائیں، اور دیگر تائیدی شہادتوں کے ذریعہ ان نتائج کو تقویت پہنچائی جائے، عارضی نتائج معروضے کی اصلاح میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں، معروضے کو چونکہ عمل کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے، اور چونکہ اس میں کامیابی، اور ناکامی دونوں کی جانب اشارہ ملتا ہے، اس لیئے معروضے میں، تبدیلیاں اور عارضی نتائج پر نظر ثانی ہوتی رہے گی،،

یہی نہیں بلکہ جب ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں، کہ درجے کے استاد کے ذریعہ آرٹ کا استعمال کوئی صحیح تجزیاتی تیکنک نہیں ہے، یعنی آرٹ کے مشاغل میں آزادی کے استعمال کی کوئی معالجاتی حیثیت نہیں ہے، تو اس وقت بھی اس بات کی معقول وجہ ہوتی ہے، کہ استاد اس تیکنک کو استعمال کرے،،

کیونکہ آرٹ کی تخلیقات کے ذریعہ بچے کو زبانی طور پر اپنے مسائل بیان کرنے میں آسانی ہوتی ہے،، اور اس کی وجہ سے استاد ان مسائل کو بخوبی سمجھ سکتا ہے، بچوں کو اپنے مسائل کے بارے میں براہِ راست سوال کا جواب دینے کے مقابلے میں آرٹ کے کام کا مفہوم بیان کرنے میں آسانی ہوتی ہے، جو بچے براہِ راست اظہار ہمدردی کو ناپسند کرتے ہیں، وہ اس بات میں زیادہ سہولت سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان کے کام میں دلچسپی کا اظہار کرے، تو وہ اس پر اپنا ردِ عمل ظاہر کریں،

اس طرح استاد اور شاگردوں کے درمیان خفیہ طور پر ایک رابطہ قائم ہو جاتا ہے، اس کی وجہ سے استاد کو بچوں کے کردار کا تجزیہ کرنے میں مدد ملتی ہے،

چنانچہ آرٹ بچوں کے حالات سے باخبر ہونے کا ایک ذریعہ بن سکتا ہے ،

خلاصہ

ذہنی حفظانِ صحت کے پروگرام اور تمام تعلیمی پروگرام میں مدرسہ کے اندر آرٹ کے مشاغل بہت زیادہ قابل غور ہیں ، کیونکہ ان کے ذریعہ بہت سی انسانی حاجتوں کی تکمیل ہوتی ہے ، وہ اساتذہ جو وسیع النظر ہوتے ہیں ، آرٹ کے مشاغل کے تعمیری پہلوؤں پر اس وجہ سے بہت زور دیتے ہیں ، کر وہ ان مشاغل کو اظہار ذات کا ذریعہ سمجھتے ہیں ،

اور سماجیت کے عمل میں ترقی کا ایک عامل تصور کرتے ہیں ، ان وظائف کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے ، جب آرٹ کو ایک ضمنی حیثیت دی جائے اس کو ربط کا ایک ذریعہ تصور کیا جائے ، اور اس کو نصاب کا ایک علیحدہ مضمون نہ سمجھا جائے ، اس طرح آرٹ کو حسب ذیل طریقوں پر استعمال کیا جا سکتا ہے ،،

(۱) مرکز نصاب کو زیادہ مؤثر بنا کر (۲) جمالیاتی لطف ، اور شخصیت کے اظہار کے طور پر ،،

تجزیئے اور طریقِ علاج کے لئے آرٹ کے مشاغل کو تحلیلی ضابطے کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے ، خوش قسمتی سے استاد آرٹ کے طریقۂ علاج کو یہ کہے بغیر استعمال کر سکتا ہے ، کہ آرٹ تجزیئے کی ایک تیکنک ہے ،

چونکہ آرٹ کے وسائل کثیر ہوں گے ، اس لئے عملی طور پر طالب علموں کے درمیان انفرادی فرق کی شناخت کی جا سکتی ہے ، اور آرٹ کو معالجاتی طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے ،،

چونکہ استاد اور شاگرد کے درمیان رابطہ پیدا کرنے میں آرٹ معاون ہوتا ہے ، تحریک ذہنی کو مستحکم کرتا ہے ، اور ان بچوں کے جذباتی اخراج کا موقع فراہم کرتا ہے ، جو اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں ،

اس لئے آرٹ پورے تعلیمی پروگرام میں معاون ثابت ہوتا ہے ، آرٹ کے مشاغل کے ذریعہ بہتر انسانی رشتے قائم ہوتے ہیں ، کیونکہ ایک طرف یہ ترسیل

خیال کا ذریعہ ہے، اور دوسری طرف اشتراک باہمی کے کاموں کے لئے بہت موزوں ہے، لیکن نتائج صرف سماجی حیثیت نہیں رکھتے، بلکہ فرصت گذاری کے لئے تعمیری عادتیں پیدا کرنے میں چونکہ آرٹ معاون ہوتا ہے، اس لئے اس کے اندر بہت سی شخصی قدریں پائی جاتی ہیں۔

آرٹ کو ایک انتہائی تجزیاتی آلے کے طور پر استعمال کرنے کا کام گو ماہرین پر چھوڑ دینا چاہیئے، پھر بھی اس کے ذریعہ دوسرے لوگ بھی بہت سے فوائد حاصل کرسکتے ہیں، ان فوائد میں یہ بات ہرگز شامل نہیں کہ آرٹ بچے کی زندگی کے حالات معلوم کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ بن سکتا ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ آرٹ کے مشاغل بچپن کے اظہار کا فطری ذریعہ ہیں۔ آیئے، ان کا مطالعہ کریں:

مطالعے اور مباحثے کی مشقیں

(۱) آپ کے علم میں کوئی ایسی شہادت ہو تو پیش کیجئے، جس سے یہ پتہ چل سکے کہ مدرسے میں آرٹ کا منصب بدلا ہوا ہے۔

(۲) بچوں کے آرٹ کا کوئی ایسا نمونہ حاصل کیجئے جو تخلیقی ہو، شخصیت کے خصائل کے اعتبار سے اس کی ترجمانی کیجئے، اگر ممکن ہو تو معروضی معطیئے سے اپنی رائے کی تصدیق کیجئے۔

(۳) اپنے ہم جماعتوں سے کسی مجرد احساس کی تصویر کشی کرایئے، جیسے مسرت رنج، کامیابی، ناکامی، امید و مایوسی، پھر دیکھئے کہ جو عکاسی کی گئی ہے، اس میں کوئی مماثلت بھی ہے، یا نہیں۔

(۴) چھٹی جماعت کے اندر ریاضی پڑھانے میں آرٹ کو کیسے معاون بنایا جاسکتا ہے، کیا کیمسٹری کی جماعت میں آرٹ کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔

(۵) آرٹ کے میدان میں اپنے شاگردوں کے ساتھ آپ ذاتی طور پر کیا خدمت انجام دے سکتے ہیں۔

(۶) آپ یہ کیوں سوچتے ہیں کہ زیادہ فعال بچوں کے ہاتھ میں چکنی مٹی ایک

مفید ذریعہ اظہار ہے۔

(۷) کچھ گھنٹوں تک کسی جماعت کا مشاہدہ کیجئے، اور یہ دیکھئے کہ آرٹ کے مشاغل کو انھوں نے کس طرح استعمال کیا ہے۔ کیا اس کا استعمال معمول کے مطابق ہوتا رہا ہے، یا اُپج کا بھی موقع ملتا ہے؛

(۸) کیا آپ کو کوئی ایسا واقعہ یاد آتا ہے، جہاں آرٹ کسی تعلیمی کام میں تحریک ذہنی کا ذریعہ بنا ہو؟

(۹) کیا آپ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جس نے آرٹ کو علاج کے طور پر استعمال کیا ہو، اس کی مشکلات بیان کیجئے، اور اس کی اصلاح کے لئے جو طریقہ کار اختیار کیا گیا ہو اس کو پیش کیجئے؛

(۱۰) شخصیت کے تجزیئے کا ایک خاکہ تیار کیجئے، خاکے کو اپنے ہم جماعتوں کے سامنے پیمائش قدر اور مشورے کے لئے پیش کیجئے۔

(۱۱) تجزیئے اور طریق علاج کے لئے جو آرٹ کے مشاغل استعمال کئے گئے ہوں ان کو ایک دوسرے سے ممیّز کیجئے۔

باب ۱۴

تحریر برائے تفہیم و تسکین

اس بات پر بار بار زور دیا گیا ہے کہ ذہنی حفظان صحت کے مختلف پہلو اور طرز نظر ہیں بنیادی طور سے کامیاب طرز نظر وہ ہے جو انسانی حاجتوں کی تسکین براری میں ضرور معاون ہو۔ گذشتہ ابواب میں ان باتوں کو بیان کیا گیا ہے جو نشوونما کے مختلف مرحلوں پر غالب حاجتوں کی تسکین کا باعث ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں جماعت کے وہ تعمیری طریقے بھی بیان کئے گئے ہیں جن کی مدد سے حاجت روائی ہوتی ہے شاگرد کی شخصیت کی نشوونما، موثر تدریس اور مناسب ضبط کا ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ شاگردوں کی تفہیم کی جائے اس کے پیش نظر آرٹ کو ایک ایسے وسیلہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے جس سے تفہیم پیدا ہو اور تناؤ دور ہو گزشتہ ابواب میں شخصیت کو ایک ایسے وسیلے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے اور اس میں شخصیت کی بالیدگی کے وہ مسائل پیش کیے گئے ہیں جو سماجی طور پر پسندیدہ وسیلوں جیسی تعلیمی تکمیل ہم سرانہ تعلقات، بالغوں کے ساتھ موزوں روابط کے ساتھ حل کئے جاتے ہیں پندرھویں باب میں اس بات پر غور کیا جائے گا کہ کھیل میں بچوں کا اشتراک حاصل کر کے تفہیم اور تسکین کیسے حاصل کی جاسکتی ہے اس میں بنیادی طور پر تشخیص (یا تفہیم) کے معاملے پر توجہ دی گئی ہے۔ تاکہ انفرادی فرق کو مناسب توجہ کا موضوع بنایا جا سکے

اس باب میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ کس طرح تخلیقی تحریر کے ذریعہ تناؤ کو دور کیا جائے اور بنیادی حاجتوں کو پورا کیا جائے۔ چونکہ تخلیقی تحریر بے حد سہل ہوتی ہے۔ اس لئے تشخیص کی تکنیک کے طور پر جماعت کے اندر اس کو بہت زیادہ قبول عام حاصل ہوتا جا رہا ہے۔ اور یہ یقین اب قوی ہوتا جا رہا ہے کہ تخلیقی تحریر مصائب کے تدارک کا ایک کار گر ذریعہ ہے

طرز نظر کے اعتبار سے تخلیقی تحریر کو تحلیلی مکاتبوں کی صف میں رکھا جا سکتا ہے دیگر

تظلیلی مکاتیوں کی طرح اس کو بھی پوری شخصیت کے "شخص باطن" تک پہنچنے کا ذریعہ بنایا جاسکتا ہے اسے ذہنی حفظان صحت کیلئے ایک ترکیب کے طور پر استعمال کر کے زیر تجربہ فرد کی نجی دنیا کو سمجھا جاسکتا ہے۔ افراد کے وہ خیالات، مسائل اور الجھنیں جن کو مخصوص الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے بالواسطہ طور پر تحریر کے ذریعہ بیان کی جاسکتی ہیں الفاظ کے ذریعہ تناقص کے اظہار میں جو مشکلات پیش آتی ہیں وہی شخصیت کی نامطابقت کی علامت ہیں۔ اور تخلیقی تحریر کے ذریعہ ان مشکلات پر قابو پایا جاسکتا ہے وہ طالب علم جس کا تناقص دور ہو چکا ہے اور جس نے آزادی حاصل کر لی ہے وہ اپنی تحریر کو اپنی حاجتوں کی تسکین کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔ اگر وہ حسن و جمال کا محتاج ہے تو وہ کوشش کریگا کہ حسن و جمال کی تخلیق کرے اگر وہ ایسی طاقتوں سے آمادہ پیکار ہے جس کو وہ فاسد تصور کرتا ہے تو اس جدوجہد کو وہ ڈرامہ کی شکل میں پیش کرنا چاہے گا اگر وہ رفاقت کا بھوکا ہے تو وہ ایسی تصویر کشی کریگا جس سے رفاقت کے احساس کی تسکین ہو اور اس کو رفاقت کا لطف آنے لگے اگر وہ غیر محفوظ ہے تو وہ تحفظ کی خیال آرائی کریگا اور اس میں جذبات کا رنگ بھریگا اگر وہ بچپن کی پابندیوں سے مضطرب ہے تو ایسے موضوعات پر طبع آزمائی کریگا جس میں بالغوں کی وسیع اور جامع آزادی کیطرف اشارہ ملتا ہے۔" (۱)

تخلیقی تحریر غیر اظہاریت کا کوئی واحد قطعی علاج نہیں ہے تاہم یہ ایک طرز نظر ہے اس کی مدد سے "فرد باطن" کا سراغ ملتا ہے یہ "فرد باطن" انتہائی مخفی ہوتا ہے اور دوسروں کو ہمراز نہیں بناتا۔ اس باب میں تخلیقی تحریر کے چند فوائد اور اس کی چند حدود اس اعتبار سے بیان کر دی گئی ہیں کہ یہ اظہار کا ایسا ذریعہ ہے جو انسدادی تشخیصی اور معالجاتی وظائف کا کام انجام دے سکتا ہے

"بنیادی ضروریات اور تخلیقی تحریر"

معاصر زندگی اور خلاقی :۔ راقم الحروف کو ان بے شمار بہانوں پر اعتراض ہے جس میں ناخوشگوار طور پر حال کا مقابلہ ایک خوبصورت اور روحانی ماضی سے کیا گیا ہے راقم الحروف کی یقیناً یہ خواہش نہیں ہے کہ وہ "خوشگوار ماضی" کی طرف لوٹ جائے تاہم

اس بات میں کسی قدر سچائی پائی جاتی ہے کہ آج گذشتہ نسلوں کے مقابلہ میں خلاقی کے مواقع کم ہیں۔ اپنا لباس، اپنی توشک، مکمل یا شندرہ بنانے میں جو فعالی تسکین ہوتی ہے اس کی جگہ نسبتاً انفعال عمل نے لے لی ہے جس کے تحت کاؤنٹر پر رقم رکھدی جاتی ہے اور ایک ہی طرز کا تیار شدہ سامان خرید لیا جاتا ہے یہاں تک کہ رقم کمانے کا بھی ایک بندھا ٹکا اور یکساں ڈھنگ ہوتا ہے۔ تیار شدہ اشیاء کو خریدنے میں وقت کی بچت تو ہوتی ہے مگر اس کے ساتھ اظہار ذات اور فعالیت کے مواقع نہیں ملتے بچا ہوا یہ وقت بھی عمومی تفریحوں اور جشن انبوہ میں انفعالی طور پر صرف ہو جاتا ہے۔ اسٹیج یا پردے پر دکھایا جانے والا ترقی یافتہ آرٹ شوقیہ مشارکت سے محروم کر دیتا ہے۔ کھیل میں پیشہ ورانہ ہیجانات کی وجہ سے قصبوں میں فٹ بال اور بیس بال کی ٹیمیں کم ہو گئی ہیں اس طرح اس بات کے مواقع گھٹ گئے ہیں کہ تفریحی پیشوں اور تفریحات کے ذریعہ عمومی پیشکش کی بے لطفی کو دور کیا جا سکے۔ اس کے برعکس وہ مشاغل ہمارے اوپر تھوپ دیئے گئے ہیں جو عمومی پیمانے پر انجام دیے جاتے ہیں۔ ذہنی حفظان صحت کے ماہروں کا اس معاملے پر یقیناً اتفاق رائے ہے کہ آج ذہنی صحت کی جو مشکلات درپیش ہیں ان میں سے ایک مشکل یہ بھی ہے کہ شخصی خلاقی کے ذرائع کم ہو گئے ہیں، بچوں کو بھی تخلیقی مواقع کم ملتے ہیں انہیں خصوصیات کے ساتھ تیار شدہ کھلونے فراہم کئے جاتے ہیں گو بچے ان کھلونوں کو ایک طرف ڈال دیتے ہیں اور اپنے ڈبوں، ڈنڈوں اور گیلی مٹی سے اپنے کھیل کا سامان تیار کرتے ہیں۔ بالغوں کے ذریعہ نیک نیتی کے ساتھ جو رسمی پروگرام مرتب کئے جاتے ہیں ان میں اس بات کی کوشش ہوتی ہے کہ پہلے سے سوچے سمجھے کردار کے سانچے میں بچے کو ڈھال دیا جائے لہذا بچوں کو تخلیقی آزادی کا بہت کم موقع مل جاتا ہے مدرسہ کے ابتدائی دنوں میں بچوں کی فرصت کا بیشتر وقت غیر معمولی طور پر ریڈیو کی نذر ہو جاتا ہے اس طرح ان کی فرصت کا وقت تخلیقی طور پر صرف ہونے کے بجائے انفعالی ڈھنگ سے گزرتا ہے ٹیلی ویژن جو بچوں کیلئے ریڈیو کے مقابلے میں دلکشی کا باعث ہوتا ہے ہیجانات کو بروئے کار لانے میں ریڈیو سے زیادہ مفید نہیں ہوتا

خلاقی مستقبل اور حال دونوں کی ایک بنیادی حاجت ہے مصنفین کے الفاظ

میں اختلاف ہوسکتا ہے لیکن متعدد ماہرین نفسیات نے تخلیق کی خواہش کو بنیادی ضرورتوں کی فہرست میں درجہ کیا ہے ایک نے اس ضرورت کو علت کی خواہش کا نام دیا ہے دوسرے نے اس کو موثر سعی کہا ہے۔ تیسرے نے اس کو تحصیل اور مشاقی کی آرزو قرار دیا ہے۔ کوئی اور اس پر صرف تخلیقی اظہار کا لیبل لگا سکتا ہے مختلف اصلاحات جو استعمال کی گئی ہیں ان سے قطع نظر سائنسی اور تجربی شہادتیں موجود ہیں کہ تخلیقی مشاغل انسانی زندگی کو سنوارنے اور مالامال کرنے میں بہت زیادہ معاون ہوتے ہیں

ایسے مختلف اسباب موجود ہیں جن کی بنا پر اس شخص کیلئے تخلیقی مشاغل کی بہت بہت اہمیت ہے جو ذہنی صحت میں اضافہ کرنا چاہتا ہے بیشک پہلا سبب یہ ہے کہ خلاقی سے ایک فرد کو اپنی صلاحیت کا نشوونما کا موقع ملتا ہے جس طرح ایک بچہ نئے کھلونے سے جو ابھی اس کو ملا ہے فوراً کھیلنا چاہتا ہے۔ اور جس طرح بالغ اپنی نئی کار کو فوراً چلانا چاہتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح عام طور سے لوگ ان صلاحیتوں کو بروئے کار فوراً لانا چاہتے ہیں جن پر انہیں قدرت ہے۔ یہ تعمیم صرف اکتسابی ہنرمندیوں تک محدود نہیں بلکہ اس کا تعلق ان امکانی قوتوں سے بھی ہے جن کا فرد کو شعور ہوتا ہے اور ان امکانی قوتوں سے بھی جن کی ابھی شناخت نہیں ہو پائی ہے۔ مثال کے طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مدرسہ کے اندر بعض بے کرداروں کو جائز طور پر اس بات سے منسوب کیا جاتا ہے کہ مدرسہ کے روایتی نصاب میں ایسے متنوع مشاغل کا اہتمام نہیں ہے جن سے وہ بہت سے بچے جنہیں زبردستی مدرسے بھیج دیا گیا ہے اپنی حاجت روائی کرسکیں گو تیز بچے خاص طور سے گڑبڑی نہیں کرتے پھر بھی کبھی کبھی شرارت پر اسلیے آمادہ ہو جاتے ہیں کہ ان کے اندر معمولات جماعت کے علاوہ کسی دوسرے کام میں مصروف ہو کر تسکین حاصل کرنے کی لگن ہوتی ہے ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ تخلیقی مواقع کی کمی کی وجہ سے تناؤ نہ پیدا ہوا ہو بلکہ والدین کی بے آہنگی یا اقتصادی ذرائع کی کمی اس کا سبب ہوسکتا ہے۔ اس قسم کے تناؤ تخلیقی مشاغل میں مشارکت کرکے دور کئے جا سکتے ہیں۔ مذکورہ بالا باتوں سے اس بات کا کوئی تعلق نہیں کہ تخلیقی مشاغل ذہنی طور پر بیمار لوگوں کیلئے ایک طریقہ علاج ہے اور اس تیکنیک کو ان لوگوں کیلئے وسیع پیمانے پر استعمال کیا جاتا ہے جو ذہنی جذبات اور سماجی ناموافقت کا شکار ہیں

تخلیقی تحریر اور ذہنی صحت

خلاقی کے ضمن میں عام طور پر جو بیانات دے گئے ہیں وہ تخلیقی تحریر پر بھی صادق آتے ہیں۔ تخلیقی تحریر تحصیل اور تخلیق کی حاجت روائی کا ذریعہ ہو سکتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک مناسب ماحول میں تحریر تناؤ دور کرنے کا ایک ذریعہ بن سکتی ہے اور اس طرح ایک معالجاتی خدمت بھی انجام دے سکتی ہے۔ اگر بہت زیادہ قاعدہ قانون نہ تھوپا جائے تو اس کو انفرادی فرق کی شناخت اور تسکین کا بھی ذریعہ بنایا جا سکتا ہے علاوہ بریں تخلیقی تحریر سے صاحب فہم اساتذہ کو انفرادی طالب علموں کی تحریک ذہنی کا پتہ چلتا ہے اس طرح یہ تشخیص یا کم سے کم تفہیم کا ایک ذریعہ ہے اس تفہیم سے ایسے طریق کار کی طرف رہنمائی ہوتی ہے جو بذات خود تحریر سے بالاتر ہے۔

اساتذہ جو اپنے شاگردوں کو اس بات کے مواقع فراہم کر سکتے ہیں کہ وہ تخلیقی تحریر سے مذکورہ بالا فوائد حاصل کر سکیں وہ ذہنی صحت میں مزید اضافہ کرتے ہیں یعنی وہ تناؤ کے احساس کو معروضی اور متعین شکل میں پیش کرنے کا موقع بہم پہونچاتے ہیں اگلے باب میں جب شاگردوں کی تحریر کا تجزیہ کیا جائے گا تو اس کے فوائد زیادہ واضع شکل میں نظر آئیں گے فی الوقت اس نکتے پر حسب ذیل الفاظ میں زور دیا گیا ہے

"ڈاکٹر کیمپ بیل (Dr. Campbell) (نفسیاتی امراض کے معالج) نے کہا ہے کہ اس کے پاس جب ایسے مریض لاتے گئے جنہیں شدید نقص مطابقت کا شکار یا مخبوط الحواس تصور کیا گیا تھا تو ان میں ایک خاص علامت یہ پائی جاتی تھی کہ وہ سب کے سب اپنے مسائل کو واضع طور سے بیان کرنے سے قاصر تھے انہیں جو مشکلات درپیش تھیں انہیں وہ الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے تھے۔ ان بچوں کی دشواریوں کو جو لوگ دور کرنا چاہتے تھے ان میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں تھا جس نے اس غیر اظہاریت کا مشاہدہ نہ کیا ہو۔" (۲)

یہ عین ممکن ہے کہ نوخیز بچوں کو اگر آزادانہ تخلیقی تحریر کے زیادہ مواقع فراہم کئے جائیں تو اظہار ذات اور تناؤ کی دشواریاں کم ہو جائیں گی۔

"ماہرین تعلیم کو ایسے واقعات دیکھنے کا بہت کم اتفاق ہوا ہو گا جن میں تحریر کے ذریعے شخصیت کی مطابقت پذیری کے امکانات بڑھ گئے ہوں۔ لاؤ لا برانٹ

Samuel Barnes نے بیان کیا ہے۔ تخلیقی تحریر ایک ایسا ذریعہ فراہم کرتی ہے جس سے فرد کے شخصی مسائل غیر شخصی بن جاتے ہیں اور ان کے حل کی صورت نظر آنے لگتی ہے۔ پروگیسیو ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی ایک کمیٹی کا خیال ہے کہ وہ تخلیقی کام میں مثلاً آرٹ اور تحریر میں اس کی بہت کم گنجائش ہے کہ جذباتی الجھنوں کو معروضیت کے ساتھ پیش کیا جا سکے۔"(۴)

لیکن شاید آزادانہ تحریر کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے دل کا غبار چھٹ جاتا ہے اس کا ذکر اس مضمون کی تمام کتابوں اور مقالات میں کیا گیا ہے وہ اساتذہ جنہوں نے اگلے باب میں تحریرے نمونے پیش کئے ہیں انہوں نے بھی اس کا ذکر کیا ہے گو انہیں یہ پتہ نہیں کہ اس کے عمل پذیر ہونے کی کیا صورت ہوتی ہے۔ پھر بھی انہوں نے یہ ضرور بتایا ہے کہ شاگردوں کیلئے جو باتیں پریشان کن ہیں ان پر جب وہ تحریری طور پر اظہار خیال کرتے ہیں تو خود کو بہتر محسوس کرتے ہیں۔ جوشوا لیب مین (Joshua Liebman) نے گو کہ تحریر کے بجائے تقریر کا مشاہدہ کیا ہے پھر بھی اخراج جذبات کی اہمیت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

جیسا کہ ایک احسان مند اور ذہین عہدیدار نے لکھا ہے۔ اپنے خدشات کو جب میں نے الفاظ کے ذریعہ ظاہر کرنا شروع کیا تو میرے تمام خدشات اس طرح بے خطر نکل گئے جیسے پتیلی سے بھاپ نکل جاتی ہے۔

"اگر ایک چائے کی چھوٹی پتیلی کو بالکل بند کر دیا جائے اور اس کو آگ میں رکھدیا جائے تو پوری کیتلی تباہ ہو سکتی ہے لیکن اک ذرا بھاپ کو نکلنے کا موقع دیجئے پتیلی سے نغمہ پھوٹنے لگے گا۔"(۵)

تخلیقی انشا کے ذریعے بھڑاس نکلنے کی مثالیں

قبل مدرسہ بچے اپنا اظہار کرتے ہیں | شاگردوں کی تفہیم کیلئے انشا کو بچوں کی تخلیقی کا ذریعہ بنانے کا تصور ایک جدید خیال ہے نسبتاً بہت کم اساتذہ نے اس کا تجربہ کیا ہے کہ اس سے کسی قسم کا نقصان نہیں ہے لیکن اگر یہ کام بندھے ٹکے ڈھنگ سے کیا جائے تو اس کی افادیت ختم ہو جائیگی

اگر استاد تخلیقی افادیت کے نقطہ نظر سے کام کرتا ہے تو وہ اپنی ضروریات اور حالات کے مطابق تیکنیک اختیار کر سکے گا۔ مثال کے طور پر اس باب میں مختلف موقعوں پر ثانوی مدرسے کے لڑکوں کی تخلیقی تحریر کے جو نمونے پیش کیئے گئے ہیں وہ ایک استانی کے اختیالات سے ماخوذ ہیں اس استانی نے اپنے مطالعہ کے بنیاد پر اختیار کا فیصلہ کیا اس کے طالب علموں نے اپنی پہلی ہی کوشش میں جن باتوں کا اظہار کیا انہیں جان کر استانی کو تعجب ہوا اور تسکین حاصل ہوئی اس سلسلہ میں سب سے اہم بات شاگردوں کو یہ سمجھاتا ہے کہ وہ جس طرح چاہیں آزادانہ طور پر اظہار کریں۔

یہاں پہلے تو ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس طرز نظر کو کب عمل میں لایا جا سکتا ہے ڈارتھی والٹر بروچ (Dorothy Walter Baruch) ایک مشیر نفسیات نے جزوی طور پر اس کا یہ جواب دیا ہے کہ قبل مدرسہ بچوں کو تخلیق اظہار کا موقع فراہم کر کے اس طرز نظر کو اپنایا جا سکتا ہے۔(٦) اسی تصور کے تحت ماؤں سے یہ کہا گیا کہ وہ اپنے آزردہ بچوں کی بڑبڑاہٹ کو تحریر کرتی رہیں فرمانبرداری اور تعمیل کرانے کے بجائے اپنے بچوں کو برے خیالات دور کرنے کے مواقع فراہم کریں۔ انہیں قبولیت کا احساس دلائیں اور یہ محسوس کرائیں کہ ان کے احساسات کی تفہیم کر لی گئی ہے ایک ساڑھے چار برس کی بچی کی بڑبڑاہٹ کو اس کی ماں نے ان الفاظ میں تحریر کیا ہے۔

مجھے دودھ پر پپڑی پسند نہیں
یا کسٹرڈ پڈنگ پر پپڑی
مجھے کوکو پر پپڑی پسند نہیں
مجھے پپڑی پسند نہیں
سوائے اپنے جسم کے اوپر
جہاں جلد کی شکل میں ہونی چاہیئے۔

ماں کا بچے سے رابطہ اس وقت قائم ہوا جب ماں نے کہا تم کافی چیزیں پسند نہیں کرتے۔ بچے نے جواب دیا ماں ایسا ہی ہے ایک چار سال کے بچے کو اس کی ماں نے پندرہ بار پڑھ کر وہ عبارت سنائی جو اس کے کہنے پر اس کی ماں

نے تحریر کی تھی اس عبارت کو سن کر اس بچے کو کسی قدر تسکین ہوئی۔ عبارت یہ ہے

میں جو کچھ کرتا ہوں تمہارے کہنے سے
میں کچھ کرنا ہی نہیں چاہتا
مجھے کچھ کرنا پسند نہیں
مجھے تم سے نفرت ہے

پھر وہ اپنی ماں سے بغل گیر ہوا، نیچے کودا اور یہ بڑبڑاتا ہوا دور نکل گیا۔ میں جو کچھ کرتا ہوں تمہارے کہنے سے۔ شہ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ادبی اظہار کو (اگر اس نقطہ کو وسیع معنوں میں استعمال کرنے کی اجازت دی جائے) مدرسے کے تجربات میں ابتدائی سے ہی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اگر استاد معقولیت کے غلط تصور سے چھٹکارا حاصل کرلے تو وہ ہر عمر کے بچوں کو اس بات پر آمادہ کرسکتا ہے کہ وہ اپنے احساسات کی کچھ تلخی تخلیقی اظہار تحریر کر کے ذریعہ دور کرسکیں بعد ازاں ان کی تحریر کو پڑھ کر سنانے سے ان کی اصلاح کی جاسکتی ہے

ابتدائی مدرسے کے بچے اظہار ذات کرتے ہیں جب بچے تحریر کی مہارت حاصل کرلیں اور انہیں آزادی کی فضا میسر آئے تو وہ تخلیقی اظہار کا ذریعہ اپنے احساسات کا ارتفاع کرتے ہیں۔ بروچ (Baruch) نے چوتھی جماعت کے ایک گروپ کے بارے میں اطلاع دی ہے کہ جب ان کی استانی نے ان کی تحریروں کو بلند آواز میں پڑھنا شروع کیا تو وہ نہایت ادب کے ساتھ بیٹھے سنتے رہے

بدمعاش آدمی

آپ کو معلوم ہے کہ بدمعاش آدمی کون ہے؟ مجھے معلوم ہے لیکن میں بتاؤنگا نہیں وہ ایک شخص ہے جس کا نام بل ہے۔ وہ بہت بدمعاش ہے وہ کسی کو پسند نہیں کرتا اور وہ اپنی مرضی کے مطابق ان سے کام لیتا ہے وہ بہت بڑا ہے۔ وہ ایک دیو ہے وہ اپنے باپ اور ماں سے کہتا ہے "لیٹ جاؤ" اور انہیں اس کے

حکم کی تعمیل کرنا پڑتی ہے کیونکہ وہ بہت بڑا ہے اور وہ لوگ اس سے ڈرتے ہیں اور کہتے ہیں ہاں بل، بہت اچھا بل ہاں بل۔"

پس وہ لیٹ جاتے ہیں اور وہ اپنے بڑے بڑے پاؤں کے ساتھ ان کے اوپر سے گزر جاتا ہے وہ ٹھوکر مارتا ہے اور ان کو اپنے قدموں سے روند ڈالتا ہے۔ وہ چلاتے ہیں۔ چلاتے ہیں اور رحم کی بھیک مانگتے ہیں آخر میں وہ ٹھان لیتا ہے اس شرط پر کہ وہ لوگ نیک بننے کا وعدہ کریں گے۔"

مسز نٹالی رابنسن کول (Mrs Natalie Robenson Cole) جو لاس اینجلس کے کلیفورنیا اسٹریٹ اسکول میں چوتھی اور پانچویں جماعت کی ایک استانی تھیں انہوں نے تحریر کیا ہے کہ "میں نے خلاف توقع حالیہ برسوں میں ان بچوں کے بارے میں بہت کچھ سیکھا ہے۔" اس کا پہلا قدم یہ تھا کہ اس نے تمام تعلیمی نظریات اور جمالیاتی طرز نظر کو ترک کر دیا اس کو صرف اس بات سے دلچسپی تھی کہ بچوں کو اظہار کے لئے آزاد چھوڑ دے اور اس کا عقیدہ تھا کہ وہ اپنی رہنمائی خود کر سکتے ہیں اس نے محسوس کیا کہ ان کی پہلی تحریر کمزور اور بے جان تھی اس کے بعد اس کے دل میں دیواری اخبار کا خیال پیدا ہوا چنانچہ ان تمام بچوں نے جن کے کام کو قابل تعریف سمجھا گیا تھا دیواری اخبار پر کام کیا۔ رفتہ رفتہ کام اتنا بہتر ہو گیا کہ حقیقی معنوں میں تخلیقی نظر آنے لگا یہ اور بات ہے کہ ان میں سے کوئی بھی کام ایسا نہیں تھا جو قابل تعریف سمجھا جاتا۔

"لیکن استانی بچے کو اس بات پر اکساتی رہی کہ وہ اپنے تجربات کے پس منظر میں اظہار ذات کرنا سیکھے خود اپنی شخصیت میں دلچسپی لے اور خود اپنا احترام کرنا سیکھے اس مطالعے سے استانی کو مفید معلومات حاصل ہوئیں جو خاص طور سے اس بچے کی تفہیم میں اور عام طور سے تمام بچوں کی تفہیم میں مددگار ثابت ہوئیں جان بچہ تھا اس وقت اس نے جو کچھ کہا تھا اس میں اگر استانی کو دلچسپی پیدا ہوئی تو اس کا مطلب ہے کہ وہ جان کے دل میں دوستی کا احساس پیدا کر رہی ہے اور ایک ایسا رابطہ قائم کر رہی ہے جس کے تحت استانی کو اس کا ہر لفظ سننا ہو گا۔ ہم ہالینڈ یا کسی اور چیز کے بارے میں جاننے کے بجائے کیا ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتے جنھیں ہماری ذات سے دلچسپی ہو۔"

تیسری ملاقات کے اختتام پر مسز کول کو یہ محسوس ہوا کہ وہ اپنے شاگردوں کو اپنے عمیق ترین احساسات کے اظہار پر آمادہ کر سکتی ہیں انہوں نے مختلف موضوعات پر ان سے بات

چیت کی مثلاً بالغ لوگ ان کے بارے میں کیسے مضحکہ خیز خیالات رکھتے ہیں اور بعض ایسی دشواریاں جن کا تجربہ انھیں اپنے بچپن میں ہوا تھا اور انھیں باتوں کو شاگردوں نے اپنی تحریر میں بیان کیا بعض بچوں نے اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا کہ ان کی تحریر جماعت کے سامنے پڑھ کر سنائی جائے لیکن کچھ بچوں نے ایسے راز کی باتیں لکھیں جو صرف استانی پڑھ سکتی تھیں ..... مجھے وہ لوگ پسند نہیں جو مجھے چھیڑتے رہتے ہیں اور اس قسم کی دوسری باتیں کرتے رہتے ہیں۔ مجھے بستر پر پڑے رہنا پسند نہیں اور نہ ہی زیادہ دیر تک گھر پر ٹھہرنا پسند ہے مجھے ایسے لوگ بھی پسند نہیں جو مجھے دھان پان ، چپاسام ، گندا سور ، چوہا اور سب سے زیادہ خراب بات یہ کرتے ہوں کہ مجھے جاپانی کہہ کر پکاریں۔[۳۱]

یہ ظاہر ہے کہ صرف بالغ لوگ تنقیہ سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ بچوں کو بھی اپنے دل کا بخار نکالنا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو کچھ ان کے دماغ میں ہے اس کو قلمبند کر کے انھیں سکون مل سکتا ہے۔ آزادانہ تحریر بچے میں دہرا اثر رکھتی ہے۔ اول یہ کہ اس کے ذریعے اس شدید تناؤ کو دور کرنے میں مدد ملتی ہے جو بصورت دیگر پریشانیوں کی شکل میں پھوٹ پڑتا۔ دوم تخلیقی مشاغل سے بچوں کو اس بات کا موقع ملتا ہے کہ وہ برے نتائج سے بے خبر ہو کر ان ناپسندیدہ احساسات اور زندگی کے تجربات کی تفتیش و جستجو میں مصروف رہیں جو ابھی تک مبہم ہیں اور ان کی سمجھ سے بالاتر ہیں۔[۳۲]

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لڑکے کی حاجتِ تحسین روائی کو اس تصور کے تحت روک دیا جاتا ہے کہ وہ بالغوں کی معقولیت کے معیار پر پوری نہیں اترتی۔

تخلیقی تحریر کا تیسرا فائدہ بالواسطہ طور پر حاصل ہوتا ہے لیکن بچے کے لئے کئی اعتبار سے اہم ہے۔ تخلیقی تحریر سے بالغوں کو بچوں کی تفہیم میں مدد ملتی ہے اس کے ذریعہ اس کی نجی دنیا کا سراغ ملتا ہے جس کی وجہ سے اس کے اندر پوشیدہ طور پر تحریک ذہنی پیدا ہوتی ہے میری پڈاون (Merry Padavan) جو پورٹ لینڈ اور پیگوان پبلک اسکول کی ایک مہمان استانی ہیں بتایا کہ :

ہمارے پاس جو بچے بھیجے گئے ان میں سے بعض کو پہلے انٹرویو میں اپنے احساسات کے اظہار اور مسائل کے بیان میں دشواری پیش آئی مہمان استانی نے ان بچوں کی مختلف طریقوں سے مدد کی ان میں سے تحریر بھی ایک قابل ذکر طریقہ ہے عام طور سے بچے اپنے محسوسات کا

کہانی یا شعر کے پیرائے میں بیان کرتے ہیں ؟

تصویریں وہ بناتے ہیں ان کے بارے میں بھی تحریر کرتے ہیں میرے پاس ایک ایسی لڑکی ہے جو شعر اس وقت کہتی جب افسردہ ہوتی ہے وہ اس بات کو سمجھتی ہی نہیں کہ اس نے کیوں یہ اشعار لکھے ہیں لیکن اس کے اشعار سے اس کا سراغ مل جاتا ہے"

اسی اسکول کی ایک دوسری استانی کا کہنا ہے کہ" ہمارے ذمے لڑکوں کو ان کے بھولے ہوئے سبق یاد کرانے کا کام ہے۔ گر جن بچوں سے ہمارا سابقہ ہے ان کے جذبات سماجی پابندیوں میں جکڑے ہوئے ہیں ان کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ تحریر، ڈرائنگ اور مصوری کے ذریعہ جو تخلیقی اظہار ہوتا ہے اس سے بچوں کی بہتر تفہیم ہو سکتی ہے"

اس قسم کی بہتر تفہیم سے بچوں کی معاونت ہو سکتی ہے اور پیشہ ورانہ لیاقت کے علاوہ اس سے استاد کی نظر میں بھی وسعت پیدا ہو سکتی ہے۔ مسز کول کا کہنا ہے۔

" بچوں میں اعتماد کر کے استانی میں بھی اعتماد پیدا ہوتا ہے بچوں کی مشکلات میں شریک ہو کر ان کا اپنا دل بھی ہلکا ہو جاتا ہے۔ بچوں کے تجربات کو فروغ دے کر اس کے اپنے تجربات میں بھی اضافہ ہوتا ہے" [12]

تیسری جماعت کی ایک استانی کا تحریکیساتھ تجربہ

مسز ہیزل وان کلیو (Mrs Hazel van Cleve) جو تیسری جماعت کی ایک استانی ہیں، اپنے شاگردوں کو یونین پیسنک شاپ پر لے گئیں تاکہ جماعت کے کام کا مشترکہ تجربہ حاصل ہو سکے ایک بچے کا اس پر جو ردعمل ہوا اس سے تخلیقی تحریر کی اہمیت واضح ہوتی ہے استانی نے اس کے ردعمل کو یوں بیان کیا ہے۔

" میرے تیسرے درجے کے " راؤنڈ ہاؤس " میں ان تمام انجنوں کی مرمت کی جاتی ہے جو کسی بھی حالت میں آئے ہوں انھیں سڑک پر چلنے کے قابل بنایا جاتا ہے۔ یہ وہی راؤنڈ ہاؤس ہے جس میں سات سے نو برس تک کے پرانے انجن ہیں جن پر وہ تمام احتیاطات اور تجربات کئے گئے ہیں جو اس مطالعے میں کام آ رہے ہیں۔

جانی کا انجن اندر لایا گیا جس کا بوائلر خراب ہو چکا تھا اس کے سامنے کی بتی نہیں تھی اس کا بھونپو بے کار ہو چکا تھا اس کے باپ نے گولف کا کھیل جس میں اس نے کپ اور ٹرافی

جیتی تھی اس لئے چھوڑ دیا تاکہ بہتر زندگی گزار سکے۔ اس کی ماں اپنے خاندان کے ساتھ جی رہی ہے لیکن اس نے اقرار کیا کہ جب وہ اس کو چھٹے برس میں اسکول لائی تو اس کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکی اس میں اور اس کی بہن میں جو ہائی اسکول میں پڑھتی تھیں پورے وقت جلی کٹی باتیں ہوتی رہتی تھیں اسی سڑک پر کئی مکان چھوڑ کر نیچے ایک بڑا لڑکا رہتا تھا اس نے تمام چھوٹے انجنوں کو خراب کر رکھا تھا جانی نے اپنی قوت عمل کو باقی رکھا اور اپنی بہن کی زندگی اجیرن کر دی۔ تہہ خانے میں اس کا ایک آراستہ کمرہ تھا جس میں وہ گوشہ نشین ہو کر کھیلا کرتا تھا۔ مختلف قسم کے حشرات الارض اس کے رفیق تھے۔

اس نے کرکٹ اور چڑیا کے کھیل کی نقل کرنی چاہی لیکن وہ اپنی ملتجی نظروں سے بغیر کچھ کہے سنے مختلف کھیلوں کو کھڑا دیکھتا رہا۔

ان دنوں اس کے بوائلر سے کم پانی نکلتا ہے انجن کا دباؤ بڑھ رہا ہے اس کی سیٹی سے چار چڑیوں کے سر نکلتے ہیں اور متعدد نغمے چھوٹتے ہیں اور جب اس نے مجھے سونپا اس وقت اس کے سامنے کی بتی جل رہی تھی۔

"چہچہاتی ہوئی چڑیا۔

اپریل میں ایک دن جب دھوپ نکلی ہوئی تھی۔

میں نے ایک چہچہاتی چڑیا دیکھی

پہلے میں نے اس کا رنگ دیکھا

پھر اس کا نغمہ سنائی دیا

اس نے کائی اور تنکوں سے گھونسلہ بنایا۔

اس کو یہ بے حد پسند آتا ہے۔

جانی نے اپنے دوسرے جذبات کا اظہار اس طرح کیا۔

"ایک بار ایک ٹرین تھی جو چگ چگ کہلاتی تھی وہ ایک تیز ٹرین تھی وہ ٹرین یونین پیسفک اسٹیشن پر رہتی تھی وہ بہترین ٹرین تھی لیکن ایک دن کیا ہوا کہ جب وہ پٹڑی سے گزر رہی تھی، بائیں جانب مڑ گئی اس کی جانب ایک سیک سی ٹرین چلی آ رہی تھی اس نے سوچا کاش میں دائیں جانب مڑ سکتی تو یہ حادثہ نہ پیش آتا۔ دونوں میں زبردست ٹکر ہوئی چگ چگ کی مرمت میں ڈیڑھ مہینے لگ گئے اس کے بعد اس نے سوچا"

"خواب دیکھنے والے کو خواب دیکھنے کے لئے اپنے ذہن میں جھانکنے کی ضرورت نہیں لیکن تخلیقی تحریر ایک آئینے کے مانند ہے اس میں اس کے خوابوں کی عکاسی ہوتی ہے۔ اگر وقت صرف کیا جائے شغف اور تفہیم سے کام لیا جائے تو اس کی زندگی کی کتاب ورق درورق کھل جاتی ہے قاری اس کو پڑھ سکتا ہے اور بے اعتنائی کے ساتھ لکھی ہوئی اس کی تحریریں اس کے تجربات کے جو بدنما نشانات ہیں ان کو مٹا سکتا ہے اور مڑے ہوئے صفحات کو درست کر سکتا ہے۔

ثانوی مدرسے کے شاگرد اپنا اظہار کرتے ہیں

وہ اساتذہ جنھوں نے آزادانہ تحریر کی آزمائش کی ہے یہ بتاتے ہیں کچھ شاگردوں کے لئے اپنی مخصوص مشکلات کو زبانی طور پر بیان کرنے کے مقابلے میں تحریری طور پر بیان کرنا آسان ہے اس لئے کہ فرد نجی طور پر تحریر کرتا ہے وہ کسی شخص کی موجودگی کا دباؤ محسوس نہیں کرتا۔ اگر کوئی شخص اپنی مشکلات کو براہ راست بیان نہیں کر پاتا ہے اور نہ اس کی تاویل پیش کر پاتا ہے تو تخلیقی تحریر سے اس کے نجی دباؤ کے اظہار کا موقع مل سکتا ہے اور اس طرح اس کا دباؤ دور ہو سکتا ہے مثال کے طور پر ایک چودہ سال کے لڑکے سے جس کو کچھ گھریلو مشکلات درپیش تھیں استانی نے "مثالی والدین" پر لکھنے کو کہا تو اس کو توقع تھی کہ وہ اپنی مشکلات کا ذکر نہیں کرے گا تاکہ ان مشکلات کا مطلوبہ حل پیش کرے گا لڑکے نے ان الفاظ میں لکھا۔

مثالی والدین، کو ایسا ہونا چاہئے جو اپنے لڑکے اور لڑکیوں کو سمجھیں اور اس طرح ان کی معاونت کریں جس میں ان کے احساسات مجروح نہ ہوں۔ والدین کو اپنے بچے کے ساتھ کھیلنا چاہئے اور یہ محسوس کراتے رہنا چاہئے کہ وہ ہر اس بات کو پوچھنے کے لئے آزاد ہے جس کو جاننے کی اسے تمنا ہے انھیں اپنے بچے کو بیس بال اور ہاکی کے کھیلوں میں کبھی کبھار لے جانا چاہئے انھیں چاہئے کہ اپنے بچوں کو خود کیمپ پر لے جائیں اور انھیں اپنے دوستوں کے ساتھ بھی کیمپ پر جانے کی اجازت دینی چاہئے۔

ل، اپنی ماں کے ساتھ رہتا تھا وہ ابھی بہت چھوٹا تھا کہ اس کے باپ نے انھیں چھوڑ دیا۔ اس کی ماں خود اپنے اور اس لڑکے کے لئے کام کرتی تھی باوجودیکہ وہ اپنے

کام اور مشاغل میں بہت دلچسپی لیتی تھی پھر بھی اکثر وہ اتنی تھکی ہوئی لگتی تھی کہ اس کی طرف وہ توجہ نہیں دے پاتی تھی جس کا وہ خواہش مند تھا استانی نے محسوس کیا کہ وہ ایک مثالی خاندان کا نقشہ پیش کر کے اپنی ناگواریوں کو کسی قدر معتدل کر دیا کرتا تھا اس کا بالکل امکان تھا کہ ل، اپنی ماں پر تنقید کرنے لگتا، احسان فراموش ہو جاتا اور انہیں احساسات میں محصور رہتا جن میں اس کا اضطراب قائم رہتا لیکن ان سب باتوں کے بجائے وہ اپنی تحریروں میں کسی لڑکے یا لڑکی یا کسی بچے کا ذکر کر کے ادھر ادھر کی چال آرائیاں کرتا۔

گھریلو حالات کی وجہ سے جو تناؤ پیدا ہو جاتا ہے اس کو دور کرنے کی دوسری مثال ایک لڑکی ج ۔ نے پیش کی ہے یہ عمر میں اول الذکر سے بڑی تھی۔ اس نے اکثر اپنی استانی سے اپنے والدین اور بڑے چھوٹے بہن بھائیوں کا ذکر کیا ہے اس میں، اور اس کی بڑی بہن کے درمیان کوئی ایسا تناؤ نظر نہیں آتا لیکن اس نے اپنی تحریر میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ چونکہ وہ عمر میں اپنی چھوٹی بہن سے بڑی ہے اس لئے اس کو فوقیت حاصل ہے۔ اسکی تحریر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جب اس فوقیت کی خلاف ورزی ہوتی ہے تو اس کے اندر تناؤ پیدا ہوتا ہے وہ لکھتی ہے

ایک مثالی چھوٹی بہن کو یہ جاننا چاہیئے کہ وہ چھوٹی ہونے کی وجہ سے اپنی بڑی بہن کی مساوی مراعات کی حامل نہیں ہو سکتی۔ مثال کے لئے اس کو دیر تک گھر سے باہر نہیں رہنا چاہیئے ایک مثالی چھوٹی بہن کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ اس کی بڑی بہن زیادہ مراعات کی مستحق ہے اور ان مراعات کو حاصل کرنے کے لئے اسے انتظار کرنا ہوگا۔ عموماً ایک عام چھوٹی بہن ایسا نہیں کرتی وہ انہیں رعایتوں کا مطالبہ کرتی ہے جو بڑی بہن کو حاصل ہیں اور اگر اس کو بھی وہی مراعات حاصل ہو جائیں تو اچھا نہیں ہے کیونکہ اس حق کے استعمال کی وجہ سے وہ بہت تیزی سے سن بلوغ میں قدم رکھنے لگے گی کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے اس کی وجہ سے بڑی بہن کی مراعات چھن جاتی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ج ۔ نے آزادی کے ساتھ اپنے دل کی بھڑاس نکال کر سکون حاصل کر لیا لیکن مندرجہ بالا تحریر کا ایک دوسرا رخ بھی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ج ۔ کی بڑی بہن کا مشاہدہ یہ ہو تا کہ ج ۔ وہ تمام مراعات حاصل کر رہی ہے جن سے اپنی چھوٹی بہن

کو محروم کرنا چاہتی ہے اس بات کا جواب فراہم کرنے کی کوشش کے دوران سے اس کی بہتر تفہیم ہو سکتی ہے تاہم جو کچھ تحریر کیا گیا ہے اس کی تمام ممکن ترجمانیوں کے دوران سے خود اپنی بہتر تفہیم ہو سکتی ہے۔

ایک دوسری لڑکی کی استانی نے یہ بتایا کہ ک، اپنی چھوٹی بہن کی طرف سے مخاصمت کا احساس رکھتی تھی اس نے اپنی چھوٹی بہن کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس میں وہ حق بجانب ہے کیونکہ استانی اس لڑکے سے پورے طور پر واقف تھی۔

ایک مثالی بہن کو اپنے کپڑے خود دھونے چاہئے کپڑوں پر استری کرنی چاہئے دوسروں پر نہیں چھوڑنا چاہئے۔ اسے چاہئے کہ دوسروں کو سکون سے پڑھنے دے اور اونچی آواز میں پیانو یا ریڈیو نہ بجائے اس کو صبح کے وقت غسلخانے پر قبضہ جما کر نہ بیٹھ جانا چاہئے بلکہ دوسروں کے لئے بھی استعمال کا موقع دینا چاہئے اس کا جی اگر کچھ اور کرنے کا چاہے تو بھی اس کو خوشی سے اپنے گھر والوں کا ہاتھ بٹانا چاہئے۔ اس کو اگر کسی شب گھر سے باہر جانے کی اجازت نہ بھی دی جائے تو بھی اس کو ناراض نہیں ہونا چاہئے۔ اسی طرح جب گھر کا کوئی فرد اپنی ضرورت کا سامان خریدنے جائے تو اس کو خود اپنے کپڑوں کی کمی کا شکوہ نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی اس بنیاد پر اس کو ناک بھوں چڑھانا چاہئے۔

ک، کی ماں ایک بیوہ ہے اور اس کو محسوس ہوتا ہے بعض مخصوص ذمے داریاں اسے بھی سنبھالنی چاہئے۔ اس کو گھر کی وفاداری اور ذمے داری کا خیال ہے اور دوسرے طرف اپنی بدراہ اور اکل کھری بہن سے بھی ناراضگی ہے ان متصادم احساسات کی وجہ سے اس کے اندر تناؤ پیدا ہو گیا ہے چنانچہ استانی کے خیال میں اس کی تحریر سے ایک حقیقی تنقیہ کا اظہار ہوتا ہے۔"[16]

خاندان کے حالات کی اوپر جو تین مثالیں پیش کی گئی ہیں ان سے تخلیقی تحریر کے مقابلے میں، آزادانہ تحریر کی وضاحت ہوتی ہے۔ اس کی مندرجہ ذیل تحریر میں زیادہ خیال آرائی معلوم ہوتی ہے جس کو تخلیقی کہنا مناسب ہوگا۔ اس میں زیادہ ذہانت پائی جاتی ہے لیکن وہ بہت شرمیلی اور بودی تھی اس لئے جماعت میں بولنے پر تیار نہیں ہوتی تھی۔ جب اس سے پوچھا جاتا تو وہ صرف زیر لب بڑبڑا کر رہ جاتی حالانکہ سوالوں کے صحیح جواب اسے معلوم تھے اور اس کی معلومات کافی وسیع تھیں۔ اس کی سہیلوں نے

بتایا کہ وہ کسی لڑکی کے ساتھ باہر بھی نہیں جاتی تھی وہ اتنی خاموش تھی کہ لڑکے اس کی طرف نظر بھی نہیں اٹھاتے تھے۔ اس میں جسمانی دلکشی نہیں تھی۔ لیکن اس کے طور طریق دلفریب تھے بدقسمتی سے اس کی یہ خوبی ان لڑکوں کی نظر سے پوشیدہ تھی جو اس سے متعارف تھے۔

جب استانی نے آزادانہ تحریر پر اس کو اکسایا تو اس نے حسب ذیل باتیں لکھیں۔ اس کی تحریر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ محسوس کرتی ہے وہی دوسرے بھی محسوس کرتے تھے۔

چند منٹ پہلے جین جماعت کے تیسرے گھنٹہ میں تھی کسی لڑکے نے اس سے جلدی میں کاغذ مانگا پھر فوراً ہی واپس کر دیا جین کے چہرے پر ناراضگی کے آثار پیدا ہوئے عجیب لڑکا ہے پہلے ہی کیوں سوچ لیا۔

استانی کی تیز سرگوشی سے سکوت ٹوٹ گیا۔ جب اس نے تیز آواز میں کہا اس کو پڑھو، اس نے گھسیٹی ہوئی عبارت پر نظر ڈالی جس کو پڑھنا ناممکن تھا۔ کیونکہ روشنائی مدھم پڑ گئی تھی چنانچہ دو الفاظ "رقص اور سینچر" صاف نظر نہیں آ رہے تھے۔

میں؟ اس نے یقین نہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"اور کون؟" جواب ملا۔

اس کے سر میں خود بخود ایجابی جنبش ہوئی اس نے اپنا سر گھمایا زور زور سے الفاظ نکلنے لگے اور زیادہ مختلف نظر آنے کی کوشش کرنے لگی آخر کار گھنٹہ ختم ہوا۔

وش، کو یقیناً اپنے واہمہ خیال سے نیا بتی تشفی ملی لیکن اس سے زیادہ اس کو براہ راست اور تعمیری تسکین حاصل ہوئی اس کی تحریر سے جس حد تک خیال آرائی کا اظہار ہوا اس حد تک استانی پہلے ہی سے واقف تھی چنانچہ اس نے ارادہ کیا کہ آئندہ وہ ان حالات پر قریب سے نظر رکھے گی جن کے تحت "وش" شرمیلی ہو گئی ہے اور جھوٹ موٹ کے دوست بنانے لگی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ استانی سے بہت زیادہ رابطہ پیدا ہو گیا تھا۔ ورنہ وس، اتنی آزادی کے ساتھ نہ لکھ پاتی۔ لڑکی سے نجی گفتگو میں پتہ چلا کہ وہ اپنے بھائی کی وجہ سے احساس کمتری میں مبتلا ہے کیونکہ اس کا بھائی تعلیمی مشاغل میں بہت ممتاز تھا گو کہ اس کا بھائی صرف دو برس بڑا تھا لیکن وہ سٹینفورڈ کے جونیر سال میں پہنچ گیا تھا اور انجنیرنگ کے کورس میں

بہت نمایاں ریکارڈ حاصل کر چکا تھا اس کے والدین نے بھی اس کی تہذیبی اور علمی فضیلت کی کمی پر تنقید نہیں کی لیکن دوستوں اور عزیزوں کی موجودگی میں خاندان سے متعلق اس کا بھائی ہی موضوع گفتگو بنا رہتا چنانچہ اس میں یہ احساس پیدا ہو گیا کہ وہ کبھی بھی اپنے بھائی کے مساوی ریکارڈ نہیں حاصل کر سکتی۔ استانی نے اس پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ جماعت کے کاموں میں اس کا بھی حصہ ہے درجے کے امتحان میں اس کا نام سر فہرست ہے اور وہ فطری طور پر ایسی شخصیت کی حامل ہے جو سماجی جذبے سے پر ہے۔ چنانچہ وہ بہت جلد مقبول ہو سکتی ہے۔

اس لڑکی کے طرز عمل سے جس احساس کمتری کا اظہار ہوتا تھا اور جس کا مزید اظہار بعد کی تحریروں اور نجی گفتگو میں ہوا۔ استانی نے فراخ دلی کے ساتھ اس کی تعریف کر کے تلافی کر دی سال کے اختتام سے پہلے ہی اس جماعت کے مشاغل میں زیادہ چاق چوبند ہو گئی اور اکثر شاگردوں کے گروپ میں جن میں کبھی کبھار لڑکے بھی شامل ہوتے تھے نظر آنے لگی۔

چودہ برس کے جونیر ہائی اسکول کے اس لڑکے کی تحریروں میں بھی تخلیقی تحریر اور واہمۂ خیال کی جھلک نظر آتی ہے جسے اس بات کا دکھ تھا کہ اس کے ساتھ سماجی تفریق برتی جاتی ہے۔ اس کی نظموں کو چاہے نقل رہی ہوں پارٹی رہی ہوں۔ پڑھ کر ہر شخص اس بات کا اعتراف کر سکتا تھا کہ جہاں وہ اپنے احساسات کو مجسم بنانے کی کوشش کرتا رہا تھا وہیں وہ اپنی ندامت سے بھی چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

خوبصورت آنامے میلون
کا دل سخت تھا پتھر کی طرح
وہ آٹھ برس سے برابر
میرے بچپن کی بہترین ساتھی:

میں اس آئرش لڑکی سے محبت کرتا تھا
جب تک اس نے یہ نہیں کہا تھا
وہ مجھ سے محبت نہیں کر سکے گی
اس لئے کہ اس نے سنا ہے کہ میں نصف یہودی ہوں

اس بات پر اس کو بہت فخر نہیں ہونا چاہئے۔
کہ اس کے باپ نے مقدس پتھر کو چوما ہے
میرا خیال ہے کہ میں مطلق نہیں جانتا
کہ میرے باپ نے بھی دیوار گریہ چھوئی ہے

آنا ہے تمہیں وقت بتائے گا
کہ تم نے آج کتنی بڑی غلطی کی ہے

یہ درست ہے کہ میں نصف یہودی ہوں
لیکن اسی نصف یہودی نے تم سے محبت کی ہے۔

آج کی دنیا میں اگر زیادہ لوگوں کو ایسے اساتذہ کی رہنمائی حاصل ہو جو رپ، کی طرح تحریر کے ذریعہ اظہار خیال کا موقع بہم پہونچاتے ہوں تو یہ قیاس کرنا دشوار نہیں کہ یہ دنیا ایک بہتر دنیا ہو سکتی ہے جہاں اشخاص کے درمیان گھٹیا معاملات اور چھوٹی باتیں کم سے کم ہوں گی۔

اگر اس بات سے انکار بھی کر دیا جائے کہ مذکورہ بالا قسم کی تحریر سے تناؤ کو زیادہ یا کم حد تک بھی دور نہیں کیا جا سکتا تو بھی اس بات پر کوئی معترض نہیں ہوگا کہ تحریر اظہار ذات کا ایسا ذریعہ ہے جو انسان کی شخصیت میں توازن پیدا کرتا ہے۔ تحریر کے درج ذیل نمونے میں کسی قسم کا تناؤ نظر نہیں آتا تاہم استانی ذہنی صحت کے سلسلہ میں ایسی خدمت انجام دے رہی ہے جس سے ایک خوشگوار زندگی کے اظہار کی ترغیب ہوتی ہے۔ یہ نظم شاگرد اور استاد دونوں کے لئے باعث تسکین ہے۔

اے خدایا زمین پر جو کچھ تو نے عطا کیا ہے اس کے لئے ہم تیری مدح کرتے ہیں۔
ہر خوشنما پھول کے لئے
فطرت کی تمام رعنائیوں کے لئے
اے خدا! زمین پر تو نے جو کچھ عطا کیا ہے اس کے لئے ہم تیری مدح کرتے ہیں
الفت پدری کے لئے
آسمانوں کی دلکشی کے لئے
ان تمام چیزوں کے لئے جنھیں ہم چھوتے ہیں۔

چیزوں کے جس کے لئے جنھیں ہم دیکھتے ہیں۔
اپنے گرد و پیش کی تمام چیزوں کے لئے
پیارے خدا! شکر گزار ہیں تیرے
ہم تیرے کریمانہ خیر کے لئے
تیری ضوفشاں محبت کے لئے، تیری عفو پروری کے لئے
پیارے خدا ہم تیرے شکر گزار ہیں۔

"تخلیقی تحریر کے استعمال کیلئے مشورے"

تخلیقی تحریر کیلئے مشورے دینا کسی قدر تناقض کی بات ہے کیونکہ اس تکنیک کا بنیادی پہلو آزادی ہے۔ اس تکنیک کے استعمال کی کامیابی کا انحصار اس بات پر زیادہ ہے کہ اس کو کیسے استعمال کیا گیا ہے۔ بجائے اس کے کہ کس قدر ہدایت کے مطابق عمل کیا گیا ہے اگر اس احتیاط کو ذہن نشین کر لیا جائے تو اس بات کی گنجائش نکل سکتی ہے کہ اساتذہ کے حاصل کردہ تجربات کی بنیاد پر چند مشورے بخوبی پیش کئے جا سکتے ہیں۔

تنقید کا پہلو کم سے کم ہو

راقم الحروف کا یہ ارادہ نہیں ہے کہ اوقاف واعراب فقرے، ہجا اور زبان کے استعمال کی اہمیت گھٹا دی جائے بلکہ ایسا لگتا ہے کہ ان کے زائد استعمال سے خیالات کے اظہار میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور یہی بات بہت اہم چاہے ابتداء میں ترسیل خیالات بھونڈے طریقے پر کیوں نہ ہو اگر اوقاف واعراب اور ہجا پر زیادہ زور دیا جائے تو شاید ترسیلِ خیال کا عمل سہل ہو جائے عام طور سے اوقاف واعراب کے تجربات ان مشقوں تک محدود رہتے ہیں جو کاپی میں کرائی جاتی ہیں۔ یا تختہ سیاہ پر جملوں کے درمیان اوقاف کے نشانات لگا کر استاد جو مشقیں کراتا ہے ان مشقوں کی اپنی اہمیت ہے لیکن ان سے ترسیل خیال میں مدد نہیں ملتی۔ ایک باپ جب اپنے لڑکے کے کھیل کی خامیوں پر متواتر تنقید کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ وہ ایک لڑکی کی طرح گیند پھینک رہا ہے تو وہ اس کے کھیل کے شوق میں خلل پیدا کرتا ہے اسی طرح استاد بھی متواتر تنقید آمیز باتیں

کر کے اپنے شاگرد کے اظہار کی دلچسپیوں کو کم کرتا ہے۔ نفسیات کی کتابوں میں بار بار یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ ایسی تنقید کو کم سے کم استعمال کیا جائے۔ ورزش سکھانے والے اساتذہ کی تکنیک سے عام استاد بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

ورزش کے استاد پہلے اپنے مبتدیوں کو تیرنا، باسکٹ اور ٹینس کھلانا شروع کر دیتے ہیں اور جب انھیں تھوڑا بہت کھیل آجاتا ہے تو اس وقت ایک یا دو تفصیلات کی طرف متوجہ کراتے ہیں اور اس بات کی احتیاط رکھتے ہیں کہ زائد تربیت سے کھیل کا لطف نہ ختم ہونے پائے اس کی توقع نہیں ہے کہ ابتدائی اور ہائی اسکول کے طلبا کسی مشہور ناول نویس اور شاعر جیسی فنی مہارت حاصل کر لیں گے لیکن اس بات کا لحاظ رکھنا بہتر ہے کہ صحت قواعد اظہار خیال میں معاون ثابت ہوتی ہے چنانچہ ایک صاحب فہم استاد کو چاہئے کہ اپنے رویہ سے ان خیالات کی پرورش کرے۔ خیالات کی تحریک پیدا کرنے اور ان کی نشوونما کرائے یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ہیئت اور زبان کا صحیح استعمال اپنے آپ پیدا ہو جائے گا مشق سے بذات خود ملکہ نہیں پیدا ہوتا بلکہ مشق سے زیر استعمال ہیئت کو استحکام ملتا ہے ہدایت ضروری ہے لیکن خاص طور سے اکتساب کی ابتدائی منزل پر تنقید کو کم سے کم دخل ہونا چاہئے

آزاد اظہار کے لئے رابطہ ضروری ہے

یہ بات پہلے بھی کہی گئی ہے کہ موثر تدریس کے لئے استاد اور شاگرد کے درمیان رابطہ ضروری ہے خاص طور سے اس وقت رابطہ اور بھی ضروری ہو جاتا ہے جب طلبہ اپنے نفس باطن کا اظہار کرنے کے لئے کچھ تحریر کر رہے ہوں انھیں اس بات کا ضرور احساس ہونا چاہئے کہ استاد ان کے احساسات سے ہمدردی رکھتا ہے اور ان کی کوتاہیوں کو برداشت کرتا ہے اس طرح کا رابطہ پیدا کرنے میں دو عوامل بہت نمایاں ہیں۔

(۱) استاد کو ہر طالب علم کی تفہیم کے لئے کچھ نہ کچھ وقت صرف کرنا چاہئے طلبا کی تفہیم کے لئے استاد کو ضروری مواد کا مطالعہ کرنا چاہئے ان سے متعلق دیگر اساتذہ سے گفتگو کرنی چاہئے اور انفرادی طور پر طلبہ سے گفت وشنید بھی کرنی چاہئے۔

(۲) جس عمر کے بچوں سے اس کا سابقہ پڑا ہے ان کے احساسات اور ان کے ردعمل

سے متعلق کافی معلومات فراہم کرنی چاہئیں۔

اگر استاد پہلے ہی دن کسی نئی جماعت میں اپنے شاگردوں کی تفہیم کے لئے کوئی تفویض تجویز کرے تو اس سے فائدہ نہیں ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ شاگر اپنی ناخوشگواریوں کو بیان کریں تو یہ منصوبہ اس وقت تک کامیاب نہیں ہوگا جب تک شاگردوں کے ساتھ رابطہ قائم نہ ہو جائے اور نووارد استاد میں ان کا اعتماد پیدا ہو جائے۔ اس کا بھی امکان نہیں ہے کہ پہلی یا دوسری ہی کوشش میں شاگردوں سے ایسا مواد حاصل ہو جائے جو تشخیصی قدر رکھتا ہو۔ یہ بات محض اس وجہ سے درست نہیں کہ استاد نووارد ہے بلکہ اس وجہ سے بھی صحیح ہے کہ اپنے احساسات کو معروضی بنانے کا ابھی شاگردوں نے کوئی تجربہ حاصل نہیں کیا ہے۔

آزادی اور پابندی میں توازن

ایسی تفویضات جن میں آزاد تحریر کا دخل ہو ہدایت کرنا محض اسی حد تک ضروری ہے جس حد تک اظہار میں رکاوٹ نہ ہو چنانچہ طالب علموں سے یہ نہیں کہنا چاہئے کہ وہ اشتعال انگیز اظہار کے ذریعہ اپنی ناراضگی دور کریں حقیقت تو یہ ہے کہ یہ گمان بھی نہیں ہونا چاہئے کہ طلباء کی تحریر کے ذریعہ ان کی تحریک ذہنی کا تجزیہ کیا جائے گا۔

چنانچہ ان سے یہ کہنے کے بجائے کہ وہ اپنے احساسات اور خیالات کا اظہار بے باکی کے ساتھ کریں۔ چند موضوعات تجویز کر دینا مناسب ہوگا اگر وہ متفق ہوں تو موضوع کا انتخاب کرلیں ورنہ خود اپنی پسند کا موضوع منتخب کریں۔ ایسے موضوعات جنھیں اساتذہ نے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا ہے حسب ذیل ہو سکتے ہیں۔

میرا مثالی دوست لڑکا یا لڑکی۔

اچھا استاد

وہ مدرسہ جہاں میں پڑھنا چاہتا ہوں۔

میری سب سے بڑی خواہش

ایک اچھی بہن یا بھائی کیسے بنتا ہے۔

چیزیں جو میرے غصے کا باعث ہیں۔

میری مخصوص ناخوش گواریاں

کیسے تماشا کیا جائے۔

میرے لئے کونسا مذہب اچھا ہے۔

ایسے دوسرے موضوعات بھی اساتذہ کے ذہن میں آسانی سے آجائیں گے جو جماعت کی روش، اور طالب علموں کی عمر کی سطح کے لئے موزوں ہوں گے۔

دیگر ذرائع معلومات کے لئے آزاد تحریر کو بھی استعمال کیجئے

یہ بات واضح کر دینی چاہئے کہ آزاد تحریر کا مشورہ یہاں حصول معلومات کے لئے بطور ایک اضافی ذریعہ کے دیا گیا ہے۔ جماعت کے اندر کھیل کے میدان میں، مطالعہ فرد میں یا واقعاتی ریکارڈ میں کردار کی جو علامتیں نظر آتی ہیں ان کی تشریح کے لئے فرد کی تحریر کو استعمال کرنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ حصول معلومات کا کام بچے کا انشاء اس کی کہانی) یا نظموں کی تفہیم سے پہلے ہی شروع ہو جائے یا انھیں کی بنیاد معلومات کی خوشہ چینی کی جائے اور اس کی بنیاد پر تفہیم پیدا کی جائے یہ ایک بحث طلب نکتہ ہے پرائمری گریڈ سے لے کر ہائی اسکول تک شاگرد جو کچھ لکھتا ہے اس کو اس نظر سے دیکھا جا سکتا ہے کہ کیا اس کے اظہار سے کوئی ایسا موضوع بھی نکلتا ہے جو مزید تفتیش کا مستحق ہو جس کے لئے سوالات گھریلو تفتیش، دوسرے اساتذہ سے مشورہ اور اس کے امتحان کے ریکارڈ کو ذریعہ تفتیش بنایا جا سکتا ہے۔ یہ ذرائع اور طلباء کی تحریر ایک دوسرے کے لئے معاون ہیں شاگرد کے کردار کی بصیرت اس کی تحریر سے حاصل ہو سکتی ہے اور جب اس کے گھریلو حالات مدرسہ میں اس کی ترقی، محرومی کے مسلسل اسباب، سماجی مطابقت، جسمانی معذوریوں اور بیماری کے بارے میں معلومات فراہم کر دی جائیں تو اس کی تحریر اور زیادہ جامع ہو سکتی ہے۔ یہ جاننا کافی نہیں ہے کہ ک، کو اپنی بہن کے طرز عمل سے آزردگی ہے۔ بلکہ یہ بھی جاننا چاہئے کہ اس کے ان احساسات کا کچھ جواز بھی ہے۔

راقم الحروف اس بات کی پوری تائید کرتا ہے کہ شخصی ملاقات کی شروعات کے لئے آزاد تحریر بہت مفید ہے۔ اگر رابطہ کافی پیدا ہو گیا ہے تو استاد اپنے شاگرد کو اس بات پر آمادہ کر سکتا ہے کہ انٹرویو کے وقت وہ زیادہ آزادی کے ساتھ اظہار کرے سے مزید

اظہار پر برابر زور دیتے رہنا چاہئے اور اس بات کی احتیاط برتنی چاہیے کہ اس موقع پر اتالیقوں کی طرح بہت زیادہ ہدایت نہ دی جائیں۔ اس کے برعکس استاد کو ایسے سوالات پوچھنے چاہئے جن سے اس کے اظہار خیال میں رہنمائی ہو سکے۔ جب وہ اپنی تحریر سے ہٹ کر گفتگو کرتا ہے تو وہ خود اپنے مسائل کو زیادہ سمجھنے لگتا ہے۔ اگر یہ احتیاط برت لی گئی تو تحریر واقعی مزید تسکین کا نقطۂ آغاز بن سکتی ہے۔

تحریر کا جو مقصد ہے اس کو ملحوظ رکھنا چاہیئے

آزاد تحریر ایک موضوعی رپورٹ ہے اور اس کو اسی نظر سے دیکھنا چاہتے اس کی غرض و نہایت یہ ہے کہ طالب علم جس طرح محسوس کرتا ہے اس کو دریافت کیا جائے۔ ضروری نہیں کہ حالات سے واقعاتی مطابقت بھی پائی جاتی ہو۔ تاہم یہ معلوم کرنا بہت اہم ہے اور اس پر خاص طور سے زور دینا چاہئے کہ افراد کس طرح کے ردعمل کا اظہار کرتے ہیں۔ ان معلومات کے بغیر مجموعی حالات کی عکاسی نامکمل رہ جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص اس کام میں رکاوٹ محسوس کرتا ہے اگر وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے خلاف تفریق برتی جا رہی ہے یا اس کو محرومی کا احساس ہے تو اس شخص کے لئے جو اس کی مدد کرنا چاہتا ہے یہ ضروری ہے کہ ان احساسات کو شخصی مسائل کے اہم پہلو تصور کرے۔ بار بار ایسا ہوتا ہے کہ سوالات پوچھتے وقت ان احساسات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے یا ان احساسات کو سرسری طور پر ملحوظ رکھا جاتا ہے واقعاتی معلومات کا فراہم کرنا اور معروضی طور پر فرد کا جائزہ لینا کافی نہیں بلکہ موضوعی عناصر کو بھی کم از کم اسی قدر ملحوظ رکھنا چاہئے کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ معروضی واقعات کے مقابلے میں احساسات زیادہ اہمیت رکھتے ہیں ایسی صورت میں جب فرد اپنے احساسات میں حق بجانب نہ ہو تو یہ بات بھی بطور عامل کے ملحوظ رکھنی چاہئے۔

کسی خاص صورت حال میں فرد کے شخصی احساسات کیا ہوتے ہیں اسکو دریافت کرنا بہت اہم ہے ایک سولہ برس کے لڑکے کے حالات سے جو کان کنوں کی برادری میں رہتا تھا اس بات کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے۔ وہ خوب رو تھا پسندیدہ جسامت اور ورزشی صلاحیت رکھتا تھا اس کا تعلق برتر ذہانت کے گروپ سے

تھا، اور مدرسے میں اس کا ریکارڈ بہت اچھا تھا، لڑکوں اور لڑکیوں، دونوں میں اس کی بہت مانگ تھی، اور وہ ان کے سلسلہ جنبانی پر اپنے ردِ عمل کا اظہار بھی کرتا، اس کا گھر برادری کے عام گھروں جیسا تھا، نہ تو نمائش تھا، اور نہ شکستہ حال، اس کی ایک جاذب نظر چھوٹی بہن تھی، لگتا تھا کہ وہ اپنی بہن پر فخر کرتا تھا اس کی ماں برادری کے لڑکوں کے لئے قابلِ رشک تھی، وہ اپنے لڑکے کے دوستوں کو جب وہ اس کے گھر آتے تھے، تو خوش آمدید کہتی، اور انھیں آئس کریم، کوکیز، پائی اور کیک کھلاتی، پھر کمرے سے چلی جاتی، تاکہ یہ لڑکے آزادی کے ساتھ حسبِ منشا کمرے کو استعمال کر سکیں، وہ برادری اور مدرسے کے کاموں میں بہت مستعد رہتی اور اس کے بعد بچوں کے لئے وقت نکالتی، ب، کا باپ جفاکش تھا، اور کھان کے اندر ایک ذمے دار عہدیدار تھا، وہ ایک مقامی پروٹسٹنٹ گرجا میں وعظ دیکر اپنی آمدنی میں اضافہ کر لیا کرتا تھا، معروضی نظر سے دیکھیں تو ب، کے گھریلو حالات میں کسی بات کی کمی نہ تھی، مطالعہ فرد کا ایک کارکن اس کے گھریلو حالات کو ایک عمدہ گھر کا درجہ دے گا،

لیکن ب، کے کردار سے ایک راسخ الجھن کا اظہار ہوتا تھا، اس کے کام کا مدرسے میں بہت نمایاں طور پر گر گیا تھا، اور وہ مدرسے بھاگنے لگا، اور اکثر شراب پینے لگا تھا، اس کے والدین اس کی شراب نوشی سے بہت متفکر ہو گئے وہ مقامی ہائی اسکول کی بعض نئی گریجویٹ کے ساتھ جنسی معاملات میں مبتلا ہو گیا،

اس کی برادری والوں نے اس کو بہت برا بھلا کہنا شروع کیا، اور اس کے ہمسروں نے اس کی صحبت کو محض تصور کرنا شروع کر دیا،

آخر کار وہ نشے کی حالت میں دنگا کرتے ہوئے ایک خمار خانے میں بگڑ اگیا اس کو بدراہ لڑکوں کے حوالات میں ایک افسر کے سپرد کر دیا گیا، اس نے، ب، کی دشواریوں کا سبب دریافت کر لیا، اس کو اپنے باپ کی جانب سے ندامت، اور ناگواری کا احساس تھا، واعظ یا واعظ کا بیٹا کہے جانے پر اس کو غصہ تھا وہ شراب نوشی اور جنسی معاملات کے ذریعہ وہ اپنے ہمسروں کو یہ دکھانا چاہتا تھا کہ اس کا

باپ چاہے جو کچھ ہو وہ یقیناً خود کو اس قدر لئے دیئے نہیں رکھتا، اس فرد کا مسئلہ تحریر سے نہیں حل ہوا، لیکن یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ تحریر میں ظاہر ہونے والے یا مخفی رکھے جانے والے احساسات بہت اہمیت رکھتے ہیں۔

احتیاط اور حدود

تحریر سے ہمیشہ مسئلے کا اظہار نہیں ہوتا، مذکورہ بالا مواد میں بیشتر ان لوگوں کے لئے تخلیقی تحریر کے اقدار پر زور دیا گیا ہے، جو مسائل سے دوچار ہیں،

واقعہ تو یہ ہے کہ معمول کے مطابق نشو و نما پانے والے افراد کے لئے تحریری اظہار میں بے شمار فائدے ہیں، اس کے ذریعہ وسعت نظر پیدا ہوتی ہے اور ایسی راہیں کھل جاتی ہیں، جن سے شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا اظہار ہو سکے، اس کے ذریعہ امکانی قوتوں کے نشو و نما کا موقع ملتا ہے، بلاشبہ بہت سے لڑکوں کے لئے شاید ان میں اکثر و بیشتر اس کے ذریعہ اپنے خفیف تناؤ اور معمول مشکلات کو جھیل جاتے ہیں، آزاد تحریر طریقۂ علاج نہیں ہے، بلکہ فقط ما تقدم کے طور پر اہمیت رکھتی ہے۔

ایک دن ایک استانی نے اپنی میز پر ایک پیلے اور بے حد مڑے تڑے کاغذ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا دیکھا یہ ایک کنکر و ندھا تھا، جس کو جلدی میں ورق کے اندر کونے میں رکھ دیا تھا، اس پر یہ نظم لکھی ہوئی تھی۔

خالص سونا دیکھو،
لوگ کیوں اس سے اتنی محبت کرتے ہیں،
اور کیوں اسے محفوظ رکھتے ہیں،
جبکہ ایک پیلا کنکر وندہ؛
خالص بھی ہے اور سستا بھی،
دھات تو سخت اور سرد ہے،
یہ چھوٹی سی گھاس بہتر سونا ہے،

اس نظم کو پڑھ کر ہر استاد خوش ہو سکتا ہے، لیکن اس بچی کے لئے جس نے

یہ نظم لکھی تھی غیر معمولی تسکین کا باعث ہے، کیونکہ وہ بچی علیحدگی پسند تھی، حساس تھی اور اپنا حوصلہ چھوڑ چکی تھی، اور یہ اس کے لئے استانی نے اس نظم کو اس کی لیاقت کے ثبوت کے طور پر استعمال کیا، اس کی ہم جماعتوں نے اس نظم کی تعریف کی اور اس واقعہ سے اس کی نئی زندگی کا آغاز ہوا، ایک ایسی زندگی جس میں تحفظ تھا اور کامیاب کوشش تھی۔ ۱۷؎

ایک اچھی تخلیقی کوشش سے محض ان بچوں کو درجہ تکمیل کا لطف نہیں حاصل ہوتا جنہیں مشکلات در پیش ہیں بلکہ ہر بچے کو انبساط حاصل ہوتا ہے، ہر بچہ اور ہر جوان اپنے ماحول کو پیش کر سکتا ہے، اور اس سے متعلق اپنے خیالات اور احساسات کو تحریری شکل میں ظاہر کر سکتا ہے، ہر بچہ کسی دوست کے تحریری انشا کوشش کر لطف حاصل کر سکتا ہے، ہر بچہ اپنے احساسات کے مطابق موزوں طور پر زبان کو، استعمال کر کے، عمدہ، صحیح، اور خوبصورت چیزوں کے تحسین کے ذوق میں اضافہ کر سکتا ہے، ہر بچہ اس بات کی جانکاری سے مستفید ہو سکتا ہے، کہ حسن کی تحسین کے بڑھتے ہوئے تقاضے سب کے لئے مشترک ہیں قابل تعریف اور قابل قدر ہیں تخلیقی عمل کے دوران جن احساسات کی عکاسی ہوتی ہے، ان میں ہمیشہ ایسی ناراضگی اور مخاصمت نہیں ملتی، جو سماجی طور پر ناپسندیدہ ہو، ان میں اکثر محبت اور چاہت کے ایسے مثبت احساسات بھی نظر آتے ہیں، جن کا براہِ راست طریقے سے بچے اظہار نہیں کرنا چاہتے، اس قسم کے خیالات عموماً نئے ہوتے ہیں، اور اس حد تک کچے ہوتے ہیں، کہ ان خیالات کو بچہ لفظوں میں نہیں بیان کر سکتا، بلکہ صرف محسوس کر سکتا ہے، اور ان کا تجربہ کر سکتا ہے۔ ۱۸؎

تحسین کا پہلو اور تحسین کے اقدار ذہنی حفظانِ صحت کی رو سے بھی اتنے ہی قابل توجہ ہیں جتنے تادیب اور تنبیہہ کے نقطۂ نظر سے اہم ہیں لیکن اس میں بھی ہمیں آزاد رابطہ اور استاد کی جانب سے تعریفی کلمات کی ضرورت ہوتی ہے۔

تحریر سے ہمیشہ تسکین نہیں حاصل ہوتی، یہ بات واضح ہے کہ تحریر سے ہمیشہ احساسات کا اظہار یا اخفا نہیں ہوتا، خاص طور سے فوقانیہ درجوں اور ہائی اسکول میں تحریر عموماً ایک تکمیل کار کی حیثیت رکھتی ہے، بچہ جو محسوس کرتا ہے، لکھتا ہے

استاد اس کو سراہتا ہے، یا اس کو اچھا گریڈ دیتا ہے، بیشک یہ بھی شخصیت کے رجحان کا اظہار ہے، لیکن حقیقی شخص پورے طور پر اس طرح پوشیدہ ہے کہ اس کی تحریر کے تجزیئے کی تمام کوششیں فضول ثابت ہوتی ہے، اس لئے اس بات کو بھی ذہن نشین رکھنا چاہیئے، کہ کارناموں کو بہت زیادہ معنی پہنانے کی کوشش نہیں کی جائے،،

اس کا بہت امکان ہے کہ تحریر ایک بندھا لگا کام ہو، اور لکھنے والا یہ سوچتا ہو کہ اتنی بات تو اس سے متوقع ہے ہی،،

یہ بھی تسلیم کرنا چاہیئے کہ تحریر واحد قطعی علاج نہیں ہے، بہتوں کے اس کا مصرف بہت تھوڑا یا بالکل ہی نہیں ہے، لیکن یہ ایک طرز نظر ہے، جس سے دوسرے بہت سے لوگوں کو تسکین فراہم کی جاسکتی ہے، بعض کے لئے یہ تخلیقی میلان طبع کی تسکین کا باعث ہوگا، لیکن دوسرے بہت سے لوگ اس کے ذریعہ سماجی اور جسمانی ماحول سے تربیت کی راہ تلاش کریں گے۔

اس کے فائدے محدود ہیں، پھر بھی ذہنی حفظان صحت کے پروگرام میں انھیں ملحوظ رکھنا چاہیئے، اور یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس کے متعدد نظر ہو سکتے ہیں :۔

خلاصہ

تخلیقی تحریر ان بہت سے طریقوں میں سے ایک ہے، جس کے ذریعہ کردار کی اصلاح ہو سکتی ہے، مدرسے کے کام سے لگاؤ پیدا کیا جاسکتا ہے اور بچوں کی بہتر تفہیم کی جاسکتی ہے، یہ بات خصوصیت کے ساتھ اہمیت رکھتی ہے کہ جن لوگوں کو مشکلات درپیش ہیں، ان میں سے عام طور سے یہ خاصیت پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے مسائل کو صریحی طور پر الفاظ میں نہیں بیان کر سکتے، اس لئے اس بات کی اور زیادہ اہمیت ہے کہ ایک ایسے سماج میں جہاں کام، اور تفریح دونوں میں بندھا لگا طریقہ اپنایا جاتا ہو، بچوں میں خلاقی کے وسائل فراہم کئے جائیں تخلیقی تحریر پر مزید اہمیت اس لئے بھی دی جاتی ہے کہ اس کے ذریعہ مبہم مگر شدید طور پر محسوس کئے بغیر تناؤ کی تسکین کا بے خطر موقع ملتا ہے، تخلیقی تحریر کو مدرسے

کی ہر منزل پر استعمال کیا جا سکتا ہے، جن اساتذہ نے تخلیقی تحریر کو ابتدائی منزل پر استعمال کیا ہے، ان کی رپورٹ ہے، کہ جب شاگرد اپنی تحریروں، اور نظموں کو اور زیادہ دیواری اخبار پر دیکھتے ہیں، یا جب انھیں پوری جماعت کو پڑھکر سنایا جاتا ہے، تو وہ صریحی طور پر تسکین حاصل کرتے ہیں،

تخلیق اور تکمیل سے جو تسکین حاصل ہوتی ہے، اس کے علاوہ بھی اس سے طلباء کو اپنے تعلمی تجربات مستحکم اور راسخ بنانے میں مدد ملتی ہے، اس کے ذریعہ انھیں اس بات کا بھی موقع ملتا ہے، کہ وہ اپنے گرد و پیش کے حسن کی تسخیر کرسکیں، اور چونکہ اپنے ردعمل کو انھیں الفاظ میں منتقل کرنا ضروری ہوتا ہے، اس لئے اشخاص اور فطرت سے متعلق ان کے احساسات کی سطح بلند ہوجاتی ہے؛

چونکہ ہائی اسکول کے شاگرد اپنی سماجی دنیا کو فعالی طور پر وسیع بناتے رہتے ہیں اس لئے اکثر انھیں شخصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ اساتذہ جنھوں نے اپنے شاگردوں سے رابطہ قائم کرلیا ہے، یہ محسوس کرتے ہیں کہ تحریری کام سے وہ تناؤ دور ہوجاتا ہے، جس کو بیان کرنے میں شاگردوں کو کسی قدر تذبذب ہوتا ہے، لیکن جب اظہار ہوجاتا ہے، تو یہ ایک متوازن مشغلے اور وسیع تناظر کا ذریعہ بن جاتا ہے؛

تخلیقی تحریر کی خوبیوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے جو مشورے دئے جاتے وہ بہت سہل ہیں، اور اہم بھی، ہیئت، اوقاف، و اعراب، اور استعمال زبان پر کم سے کم تنقید ہونی چاہیئے، گو جب شاگردوں کو پتہ چلتا ہے، کہ وہ چند ایسے خیالات کے حامل ہیں جن کی ترسیل مقصود ہے، تو اکثر وہ استاد کی امداد کے بھی طلب گار ہوتے ہیں،،

یہ بات اس سلسلے میں بہت اہم ہے، کہ تحریر میں اگر کبھی کسی اخلاقی قدر کا ذکر ہوگیا، تو استاد کو برہمی کا اظہار نہیں کرنا چاہیئے، یہاں پھر اس بات کی ضرورت نظر آتی ہے، کہ بچے جیسے بھی ہیں انھیں ویسے ہی تسلیم کرلینا چاہیئے:

ہدایات، نئے خیالات اور نئے موضوعات فراہم کرنا ضروری ہے. لیکن کیا لکھا جائے یہاں تجویز کرنا چاہیئے، ایک جونیئر ہائی اسکول کے لڑکے سے

بہار کے حسن ، پر لکھنے کو جب کہا گیا تو اس نے کہا ، میں ابھی اس کے لئے آمادہ نہیں ہوں ، اس بات سے تحریر کا دوسرا پہلو سامنے آتا ہے ، یعنی طلباء کے ایسے موضوعات ہونے چاہیئے جن پر وہ اظہار خیال کر سکیں ، اس کے لئے ، واضح تجربات کی ضرورت ہے ، جس کا ذکر گذشتہ باب میں کیا جا چکا ہے ؛

تخلیقی تحریر سے اگر بہت زیادہ استفادہ کرنا ہے ، تو کچھ احتیاط ضروری ہے ، اس کو اس نظر سے دیکھا جائے ، کہ یہ ، ہے کیا ، ؟ ، یہ شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا نظارہ ہے ، ضروری نہیں کہ اس سے مسئلہ کا اظہار ہوتا ہو ، ، اور تسکین کی صورت پیدا ہو جاتی ہو ، وہ لوگ جو آزاد اور تخلیقی تحریر کو اظہار کا ذریعہ نہیں بناتے ، انھیں دوسرے وسیلے فراہم کرنے چاہئیں .

آخر میں یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیئے ، کہ تحریر کو معلومات کا صرف ایک ذریعہ تصور کرنا چاہیئے ، اس کے اور بھی ذرائع ہیں ، جنہیں استعمال کرتے رہنا چاہیئے مجموعی طور پر تخلیقی تحریر کے دو مقاصد ہیں ، ایک یہ کہ اس کے ذریعہ شاگردوں کو اظہار کا موقع ملے ، اور دوسرے یہ کہ اس کے ذریعہ شاگردوں کی تفہیم کی جا سکے شاگردوں کی مؤثر ذہنی صحت کے لئے یہ دونوں باتیں بہت زیادہ اہم ہیں

مطالعے اور مباحثے کی مشق

(۱) تطلیلی میکانیئے کی لفظ کی اساس کو بیان کرتے ہوئے اس کی تشریح کیجئے کس اعتبار سے تحریر ایک تطلیلی میکانیہ ہے ؟

(۲) ایسے طریقے بتایئے ، جن کے تحت آج خلاقی کے زیادہ مواقع ملے ہوں جو پہلے ممکن نہیں تھے ؛

(۳) چند ایسے حالات بیان کیجئے ، جن میں آپ نے تحریر کو محسوس احساسات کی رہائی کے لئے استعمال کیا ہو ، ضروری نہیں کہ انشا یا نظم ہو ،

(۴) کیا آپ کو اس سے اتفاق ہے ، کہ قبل مدرسہ بچے اس بات سے زیادہ بہتر تسکین حاصل کرتے ہیں ، کہ ان کا اظہار بیان ملبند ہو ، اور انہیں پڑھ کر سنایا جائے ، آپ اس سے متفق ہیں تو کیوں ، اور نہیں ہیں تو

کیوں؟

(۵) ابتدائی مدرسے کے کسی استاد کو آمادہ کیجئے، کہ وہ اپنے شاگردوں کی تحریر کے بعض نمونے اپنی جماعت کو پڑھ کر سنائیے، تحریر میں سیرت کی عکاسی ہوتی ہو، اس کو دیکھیئے، اور استاد سے پوچھیئے کہ شاگردوں کے بارے میں اس نے کیا معلومات حاصل کیں۔

(۶) کسی نوجوان سے اس کی رضامندی کے ساتھ اس کی ڈائری مستعار لیجئے، کہ اس میں تکرار تو نہیں ہے، اور احساسات کے موضوعات وہ تو نہیں جن کا اظہار پہلے ہو چکا ہو، اپنی بہتر تفہیم کے لئے، اس نوجوان کو چند مشورے پیش کیجئے۔

(۷) نوجوان کو کام کرنے کے لئے چند اور عنوانات تجویز کیجئے، جماعت کے دوسرے ممبروں سے کہیئے کہ ان کا جائزہ لیں اور ان عنوانات کو بہتر بنائیں:

(۸) جماعت کے اندر اس بات پر مذاکرہ کیجئے کہ وہ نظم لکھنے سے پہلے اور نظم لکھنے کے بعد، خوبصورت ابنائے میلوں کے مصنف کے کیا تصورات رہے ہوں گے۔

(۹) اپنی جماعت کے کسی طالب علم کو تیار کیجئے، کہ وہ کسی اونچی جماعت یا ہائی اسکول کے طالب علم کی لکھی ہوئی کسی کہانی کو مطالعے اور ترجمانی کے لئے پیش کرے؛

(۱۰) ابتدائی مدرسے کی منزل پر تخلیقی تحریر کا کام کرانے کے لئے کیا اقدامات کئے جا سکتے ہیں، گروپ مذاکرات میں اس پر بحث کیجئے؛

(۱۱) شاگردوں کی تحریر کی ترجمانی کرتے وقت ضمنی معلومات کیوں ضروری نہیں؟

(۱۲) کیا یہ ممکن ہے کہ تحریر ایک ناپسندیدہ حفاظتی حیلہ بن جائے؟ اپنے جوابات کی تشریح کیجئے۔

باب ۱۵ ڈرامے اور کھیل کا استعمال

شاگردوں کی تفہیم کے ایسے بہت سے طریقے ہیں جن کے ذریعے استاد اپنے شاگردوں کی امکانی قوتیں بروئے کار لانے میں رہنمائی کر سکتا ہے کسی استاد کو بعض طریقے اس لئے پسند آ سکتے ہیں کہ وہ ایک انوکھی نوعیت کے حامل ہیں لیکن دوسروں کی پسندیدگی کا سبب کچھ اور ہو سکتا ہے۔ ان طریقوں کو جن لوگوں نے آزمایا ہے ان میں بہت سے لوگوں نے نفسیاتی ڈرامے، سماجیاتی ڈرامے اور اداکاری کی ستائش کی ہے۔ یہ بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ نقص مطابقت اور تخلیقی اظہار کی حاجتوں کے وہ تمام مسائل جو مدرسے میں پیدا ہوتے ہیں اداکاری کے ذریعہ حل نہیں کئے جا سکتے۔

لیکن بہت سے مسئلوں کو جو پریشانی کا باعث ہوتے ہیں اس کے ذریعہ موثر طور پر حل کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور سے تشریح کلینک میں اداکاری کا استعمال موثر طور پر ہو سکتا ہے۔ اداکاری کے ذریعے شخصی مسائل اور انسانی روابط کی بہتر تفہیم پیدا کی جا سکتی ہے اور طلاق کے اندیشے کو دور کر کے دوبارہ شادمانی حاصل کی جا سکتی ہے۔ ڈرامے کی پیش کش کو ابتدائی تا کالج کی تعلیم کی ہر منزل پر موثر سماجی تعلیم کے لئے تدریسی تکنیک کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اساتذہ نے بین شخصی روابط کے مشکل مسائل کو حل کرنے میں ڈرامے کا طرز نظر اپنایا ہے۔

اداکاری کا طریقہ موثر ہے۔ سہل ہے۔ اور لطف کا باعث ہے اس میں مہنگے ساز و سامان کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ اس کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ اس میں زیادہ تیاری کی بھی ضرورت نہیں اس کے اجزائے ترکیبی ہیں بس ایک استاد جو کچھ نیا پن پیدا کرنا چاہتا ہو اور چند طالب علم جو کچھ تماشا کرنا چاہتے ہوں۔

تفہیم اور تخلیقی اظہار کے لئے تمثیلی تجزیہ اور تمثیلی طریقۂ علاج کی تکنیک ایک جیسی ہیں تمثیل کے ذریعہ شخصیت کا جو تجزیہ کیا جاتا ہے وہ دراصل شاگردوں کے محرکات کی تفہیم کی ایک کوشش ہوتی ہے جس کے تحت ایک ایسے مشغلے میں ان کا مشاہدہ کیا جاتا ہے جو بغیر کسی روک ٹوک کے ہوتا ہے تمثیلی طریق علاج کے ذریعے شاگردوں کے لئے یہ راستہ کھل جاتا ہے کہ وہ ایک فرضی صورتحال میں اپنے احساسات کی تحلیل کر کے تناؤ سے چھٹکارا پا سکیں۔

کھیل اور نفسیاتی ڈرامہ کے ذریعہ ان دشواریوں کے اظہار کا موقع ملتا ہے جنھیں الفاظ کے

ذریعے ظاہر کرنا بہت مشکل ہے۔ اس کے لئے زبان پر اتنی قدرت ہونی چاہئے کہ متعلقہ شخص اپنے احساسات اور تناؤ کو واجبی طور پر بیان کر سکے۔ اس کے لئے خود اپنی تفہیم ضروری ہے۔ جو مشکل سے حاصل ہو پاتی ہے۔ کھیل اور ڈرامے غیر منظم احساسات کا ایک ایسا اظہار ہیں جو منظم صورت حال میں ممکن نہیں۔ یہاں آزادی کے ماحول میں احتساب کے خوف کے بغیر افراد کو اپنے احساسات کے اظہار کا موقع ملتا ہے۔ اس کو میریاں میکنزی نونٹ (Marian McKenzee Ount) حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے: "اکثر وہ اپنے اندیشوں کا ابلاغ لسانی طور پر نہیں کر سکتا لیکن ہم تظلیلی ضابطوں کے ردعمل سے انھیں دریافت کر سکتے ہیں اور ان کی موجودگی کا سراغ لگا سکتے ہیں تظلیلی ضابطہ ایک ایسی ترکیب ہے جس کے ذریعے فرد اپنے میں کم و بیش مبہم تہیجات یعنی خون، خواہشات آرزوئیں مخاصمتیں، دلچسپیاں، اندیشے اور اپنے عدم تحفظ کی شکل میں تظلیل کر سکتا ہے"۔ اس باب میں کھیل اور ڈرامے کو تظلیلی ضابطے کے طور پر بیان کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ تظلیل کیسے عمل میں آتی ہے اور جماعت کے اندر اس کو کیسے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

"نفسیاتی ڈرامے کا مفہوم اور استعمال"

اس اصطلاح کی تعریف: نفسیاتی ڈرامہ کا لفظ اس صورتحال کو ظاہر کرتا ہے جہاں ایک فرد کو فعال مشارکت کے ذریعے ان مسائل سے گزرنے کا موقع ملتا ہے جن کا پہلے وہ سامنا کر چکا ہے اس میں ایسے جسمانی عمل کا دخل ہوتا ہے جو لسانی اظہار یا نسبتاً انفعالی سماعت سے بالاتر ہے۔ نفسیاتی ڈرامہ کسی مخصوص فرد کے مسائل سے تعلق رکھتا ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ فعلیت سماجی ماحول میں سرزد ہوتی ہو۔

اس عمل کا بنیادی عنصر خود ساختگی ہے اس کے تحت جہاں تک ممکن ہو اس کے لئے مجوزہ ہیئت اور مواد کی بندشوں سے زیادہ سے زیادہ آزاد ہونا ضروری ہے اس کو اپنے عمل میں خود ساختگی پیدا کرنے کے لئے اس احساس سے بھی آزاد ہونا چاہئے کہ اس کے عمل کو پسند کیا جائے چنانچہ ڈراما ایک غیر ترکیبی عمل ہے یعنی رسمی طور پر مرتب کیا ہوا عمل اور مقررہ الفاظ باوجودیکہ ڈرامے کی خصوصیات میں سے ہیں لیکن نفسیاتی ڈرامے کی صورت حال کا جزو نہیں ہوتے اس میں منصوبہ بندی ضرور ہوتی ہے اس کے تحت ماحول کا بیان لگ بھگ ماحول کے مطابق ہونا چاہئے لیکن جزئیات کو بیان کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اسی اعتبار سے نفسیاتی ڈرامے کو غیر ترکیبی کہا جاتا ہے۔

لیکن نفسیاتی ڈرامہ بے تنظیم اداکاری کے مانند نہیں ہونا چاہئیے جہاں فرد فعال اور بے ساختہ طور پر حقیقی صورت حال سے دوچار ہوتا ہو۔

سماجیاتی ڈرامہ نفسیاتی ڈرامہ کی توسیع ہے۔ ان کے عناصر کم و بیش ایک سے ہیں سوائے اس کے کہ سماجیاتی ڈراما بنیادی طور پر کسی گروپ کے مسئلہ سے علاقہ رکھتا ہے جیسے سماجی رکاوٹ یا سماجی کاموں کا نقص۔ سماجیاتی ڈرامے میں زندگی ایسے واضح اور عمیق ماحول کی عکاسی نہیں ہے جس کا تعلق گروپ کے ممبروں کے مشترکہ تجربات سے ہوتا ہے یعنی زندگی کے ایسے تجربات جنھیں مختصر کر کے بیان کر دیا گیا ہو جن کے مکمل اظہار کی راہیں مسدود ہوگئی ہوں جنھیں رفع نہ کیا جا سکا ہو اور جن کے جذباتی تاثرات دفن ہو گئے ہوں دراصل یہ امتیاز ظاہری زیادہ ہے حقیقی کم شخصی مسائل کو حل کرنے کے لئے اداکاری کو استعمال کرنے میں سماجی صورت حال کا دخل ہوتا ہے اپنے سماجی مسائل میں بصیرت حاصل کرنے کے لئے جب غیر ترکیبی ڈرامائی صورت حال کا استعمال کیا جائے تو اس کے ذریعے فرد کو خود اپنی تفہیم میں مدد ملتی ہے۔

چونکہ سماجیاتی ڈراما ایک تظلیلی ضابطہ ہے اس لئے اس اصطلاح کا تصوری خاکہ پیش کرنا مناسب ہوگا تظلیلی ضابطے کی بہت سی قسمیں ہیں۔ لیکن ان سب میں مشترک حاصل یہ ہے فرد سے کہا جاتا ہے کہ وہ ایک غیر ضروری اور غیر ترکیبی صورت حال میں اپنا ردعمل پیش کرے۔ چنانچہ اس صورت حال کو وہ جس طرح دیکھتا ہے اور اس میں جس طرح عمل کرتا ہے اس کو فرد کی شخصیت کی تظلیل تصور کیا جاتا ہے۔ مثال کے لئے دو شاخ دھبے رو تظلیلی ضابطہ کا پیش رو ہے) ہم تشاکل سیاہی دھبوں پر مشتمل ہیں۔ فرد جب کسی خاص دھبے کو دیکھ کر اپنی شخصیت کے رجحانات کو ظاہر کرتا ہے تو اس کا اظہار اس کے ادراک کے مقابلے میں نسبتاً کم ہوتا ہے۔ اس طرح زیر تجربہ فرد کو دھبے میں جو کچھ نظر آتا ہے جس طرح وہ ڈرامائی صورتحال میں اپنے ردعمل کا اظہار کرتا ہے جس طرح وہ ان شکلوں کی تعبیر کرتا ہے (اس کے مختلف طریقے ہو سکتے ہیں) جس قسم کی وہ بے ساختگی میں تصویر کشی کرتا ہے اور جو کچھ ان تصویروں میں اس کو نظر آتا ہے۔ ان سب باتوں سے مشاہدہ ہیں کو فرد کی شخصیاتی خصوصیات کا سراغ ملتا ہے۔

اختیار کا جس مقصد کے پیش نظر فرد کو کسی تظلیلی صورت حال میں ڈال دیتا ہے اس کو زیر تجربہ فرد سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اس کو اس بات کا موقع دیا جاتا ہے کہ وہ جس خواہش بے ساختگی کے ساتھ اپنے ردعمل کو ظاہر کرے۔ چونکہ زیر تجربہ فرد کو اظہار کی آزاد ہوتی ہے اس

لئے یہ فرض کرلیا جاتا ہے کہ وہ غیر ترکیبی صورتحال میں اپنی منظم شخصیت کے اعتبار سے پیش آئے گا۔ مختصر یہ کہ غیر ضروری صورتحال کو جس شکل میں پیش کیا جاتا ہے وہ جواب دہندہ کے اپنے محرکات کی ایک توسیع ہے ایک تظلیل ہے۔

نفسیاتی ڈرامے کے مشتمل عناصر

نفسیاتی ڈرامے کی تکنیک کا ایک ضروری جز آزادی ہے اس آزادی میں نقل و حرکت کے لئے جگہ کی افراط اور نفسیاتی آزادی شامل ہے۔ اس لئے کھلی ہوئی فرشی جگہ کافی ہے لیکن ایک اونچا چبوترہ استعمال کیا جائے تو زیادہ اچھا ہو اس لئے کہ اس کی وجہ سے ڈرامے میں انوکھا پن پیدا ہو جائے گا۔ بلند جگہ کو استعمال کرنے سے اس خیال کو تقویت ہوگی کہ موجودہ صورتحال اس کی اپنی حیثیت کا مثنیٰ نہیں ہے۔ بہرکیف اہم خصوصیات یہی ہیں کہ کمرہ کشادہ ہونا چاہئے تاکہ تمام کرداروں کو نقل و حرکت کے لئے جگہ مل سکے۔

اس کے لئے کچھ اداکاروں کی ضرورت ہوگی اگر ان کا انتخاب گروپ سے کیا جائے اور کرداروں کی رضامندی سے کیا جائے تو اچھا ہو جس شخص کے لئے نفسیاتی ڈرامہ منتخب کیا گیا ہو اس کی مشارکت کے لئے دباؤ نہیں ڈالنا چاہئے۔ یہ توقع کرنی چاہئے کہ جب وہ دوسرے بچوں کو تماشا کرتے ہوئے دیکھے گا تو خود بھی حصہ لینے کا آرزومند ہوگا۔ اسٹیج اور صورتحال کی گنجائش کے مطابق اداکاروں کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہو سکتی ہے لیکن گروپ کے بقیہ لوگوں کو محض انفعالی مشاہدہ بین بن کر نہیں رہنا چاہئے بلکہ انھیں دعوت دینی چاہئے کہ وہ مشورہ دیں، تنقید کریں، اور اس کا جائزہ لیں۔

گروپ کے تمام ممبروں کو محسوس کرنا چاہئے کہ پیش کش میں ان کا بھی حصہ ہے اداکاروں اور استادوں کا یہ مدعا نہیں ہونا چاہئے کہ ڈرامے سے تفریح لیں بلکہ اداکاروں کے درمیان خیالات کی ترسیل پیش نظر ہونی چاہئے۔

سمت کا بھی کچھ تعین ہونا چاہئے استاد کو چاہئے کہ وہ صورتحال کو بیان کردے لیکن کوئی حل نہ پیش کرے۔ جب مسئلے کی تمام نوعیت سمجھ میں آجائے تو اس کو علیحدہ ہو جانا چاہئے اور اداکاروں کو فی البدیہہ اداکاری کے لئے چھوڑ دینا چاہئے ان کی ہمت افزائی کرنا مناسب ہے لیکن مشورے دینے اور سوالات کرنے سے اس بات کا امکان ہے کہ بے ساختگی میں خلل پڑ جائے گا اور آزاد اداکاری میں رکاوٹ پیدا ہو جائے گی۔

جب سماجی الجھن رفع کرنے کے لئے نفسیاتی ڈرامہ کو استعمال کیا جائے تو اس وقت میں حسبِ ذیل عناصر شامل ہوتے ہیں۔

(۱) مطالعے کے لئے ایسے سین پیش کرنا جن میں ان الجھنوں کا انتخاب کیا گیا ہو جو بچے پڑھ چکے ہوں یا اس قسم کی دوسری الجھنیں یا وہ الجھنیں جن کا انہیں تجربہ حاصل ہو چکا ہو۔

(۲) کہانی پر تبصرہ کرنا یا واقعے کو مرتب کر کے اپنی زبان میں بیان کرنا۔ یہ اداکاری کو رضاکارانہ طور پر بیان کرنے کی ایک صورت ہوگی۔ (۳) شاگردوں کے ذریعے سین کو پیش کرنا۔ (۴) اس صورت کا جائزہ لینا جس میں اداکاروں نے اداکاری کی ہے (۵) اس بات کے پیش نظر الجھن سے نبٹنا کہ تعلقات بہتر ہو سکیں۔ (۶) استاد اور شاگرد کے درمیان مباحثوں اور کردار کے نمونوں کا جائزہ لینا۔

جس بچے کو کسی مخصوص صورتحال میں مشق کی ضرورت ہوتی ہے اس کو اداکاری کے ذریعہ ایک قدرتی ماحول میں مشق کا موقع ملتا ہے اور وہ ناکامی کے خوف کے بغیر اپنے پارٹ کو ادا کر سکتا ہے۔ والدین نے دانتوں کے ڈاکٹر کے پاس لے جانے سے پہلے یا حفظ ماتقدم کے طور پر گلے کا معائنہ کرانے سے قبل اپنے بچوں کو آمادہ کرنے کے لئے اداکاری کی تکنیک استعمال کی ہے اساتذہ اس کو نئے تجربات کے لئے تیاری کا ذریعہ بنا سکتے ہیں۔ جیسے بس کے لئے سفر پر جاتے وقت کیا طور طریق اپنائے جائیں کسی صنعتی کارخانے کی سیر کے وقت مناسب کردار کیا ہونا چاہئے یا اس طرح کی اور باتیں۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ مشقی سین کی بہت سی خصوصیات حقیقی صورتحال میں منتقل ہوتی رہتی ہیں اسی منتقلی کے سبب ڈرامائی تکنیک تدریسی تکنیک کا ایک اہم ذریعہ بن جاتی ہے اس کے ذریعہ ہر قسم کا تنوع فراہم ہوتا رہتا ہے اس طرح اس کے ذریعہ مفید شخصی مہارتوں کے اکتساب میں شاگردوں کا شوق بڑھتا ہے۔ شاگرد اس مخصوص صورتحال کو محض الفاظ کے ذریعہ ادراک کرنے کے بجائے خود دیکھتا ہے بنتا ہے اور محسوس کرتا ہے۔

تعلیمی نفسیات میں اس آخر الذکر نکتے پر زور دیا گیا ہے۔ "تعلم مخصوص ہوتا ہے" یعنی فرد اس وقت حقیقی بصیرت حاصل کرتا ہے جب لسان تجرید کے بجائے متعین قابل ادراک اور مقرون صورتحال سے اس کا سابقہ پڑتا ہے۔

استاد کی جانب سے صحیح اور غلط میں اخلاقی امتیاز کرنے کے بجائے شاگردوں کو ایسی صورتحال میں مشارکت کرنی چاہئے جس میں پسندیدہ ردعمل کو سراہا جا سکے اور پسندیدہ کردار

کو واقعیت کا رنگ دے کر اپنے کرداروں کو سدھارا جا سکے۔ اداکاری کے میدان میں جن مصنفوں نے کام کیا ہے وہ محسوس کرتے ہیں کہ ڈرامائی صورتحال سے دوسرے مماثل صورتحال میں کافی منتقلی ہوتی ہے۔

نفسیاتی ڈرامہ کے مقاصد

نفسیاتی ڈرامہ بہتر ذہنی صحت کا ایک نظریہ ہے اس میں اس بات کی کوشش ہوتی ہے کہ دو مشترک مگر مضر رد عمل سے پرہیز کرنے میں افراد کی مدد کی جائے اوّل یہ کہ اس کے ذریعہ تناؤ مجتمع نہیں ہونے پاتا۔ یہ تناؤ ایک چاق چوبند زندگی گزارنے کا ناگریز نتیجہ ہے۔

دوم یہ کہ اس کے ذریعہ تحفظاتی میکانیے کی جگہ مسائل کو حل کرنے کی کوئی تعمیری تدبیر نکل آتی ہے۔ روا ہمہ خیال، بیجا تلافی، بد راہی، شدید چڑچڑاپن اس طرح نفسیاتی ڈرامہ کے ذریعہ بار بار اس بات کی کوشش ہوتی ہے کہ مخاصمت کے وہ جذبات جو جزوی طور پر تشکیل پائے ہوتے ہیں ان کا فی البدیہہ اظہار ہو سکے۔

نفسیاتی ڈرامہ ایک تدریسی تکنیک ہے۔ موثر تحریک ذہنی کا ایک آلہ ہے اور حقیقی معنوں میں ہمدردانہ تفہیم کی نشوونما کا ایک ذریعہ ہے۔

نفسیاتی ڈرامہ کا دوسرا تعلیمی مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ تخلیقی اظہار کے لئے ہمت افزائی کی جائے اس جلد میں کسی دوسری جگہ مذکور ہے کہ فرصت کا بہت زیادہ وقت میسر ہونے اور گوناگوں طریقے پر اس کو استعمال کرنے کی وجہ سے تخلیقی اظہار کا مسئلہ بہت پیچیدہ ہو گیا ہے یعنی فرصت کے مشغلے چونکہ تجارتی بندھے ٹکے اور انفعالی نوع کے ہوتے ہیں اس لئے اس بات کی اہمیت بڑھتی جا رہی ہے کہ تخلیقی مشاغل تعلیم کا انتہائی خصوصی مقصد بن جائیں۔

نفسیاتی ڈرامہ۔ انفرادی فرق سے ہٹنے کا ایک نظریہ ہے۔ بعض لوگوں کے لئے لسانی اظہار ایک سہل اور قدرتی رد عمل ہوگا بعض بچے ایسی صورتحال کی مصوری اور تصویر کشی کرنے کے اہل ہوتے ہیں۔ جو ان کی بہتر تفہیم میں استاد کی معاونت کرتی ہیں۔ بہت سے دوسرے بچے صلاح کاری کی صورت میں اپنا رد عمل ظاہر کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ لیکن کسی واحد تکنیک کی خاطر خواہ رسائی تمام بچوں تک نہیں ہو سکتی۔ ہو سکتا ہے یہ تمام ملاحظات درست نہ ہوں تب بھی ایسی بامعنی صورتحال کو پیش کرنا مفید ہوگا جو متنوع تقاضوں کی حامل ہو تاکہ صورتحال کی یکسانیت سے چھٹکارا مل جائے۔ نفسیاتی ڈرامے سے تنوع کا ایک مزید موقع فراہم

ہوتا ہے۔

اس طرح نفسیاتی ڈرامے کے تہرے مقاصد نظر آسکتے ہیں اول یہ ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے ان کی مشکلات کی تشخیص ہوسکتی ہے جن کو مبہم طریقے سے محسوس کیا گیا ہے۔ دوم یہ طریقۂ علاج کی ایک ایسی صورت ہے جس میں آزادی کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ اور فعال ڈھنگ سے تناؤ کو رفع کیا جاتا ہے۔

سوم اس کے ذریعہ بہترین تعلیمی صورتحال فراہم کی جاتی ہے کیوں کہ اس میں شخصی مشارکت کا دخل ہوتا ہے۔ نفسیاتی ڈراما ایسا موقع فراہم کرتا ہے جس میں ایک صورتحال کو پہلے سے بھانپ لیا جائے اس طرح اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس کو انسانی کردار کی آزمائشی حرکت کہا جاسکتا ہے۔ اس کے ذریعہ انسانی روابط اور مسئلے کے حل کی مشق کا موقع ملتا ہے۔ ایک موقع پر نفسیاتی ڈرامے کو تدریسی ترکیب کے طور پر پیش کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کہ:۔

" لوگوں (جاپانیوں) کا جو مطالعہ کیا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے ذریعہ کردار اپنے احساسات کا فی البدیہہ اظہار کرتے ہیں چنانچہ عوام کی تفہیم، آزاد تفکر کی تحریک، تخیلات اور پابند جذبات کے اخراج اور آزاد اور موثر اظہار خیال کی تربیت کے لئے تخلیقی ڈرامہ بہت سود مند ہے اس لئے کہ اس کے ذریعہ مستقبل کے شہریوں کی تربیت ہوتی ہے"

استاد کے ذریعہ نفسیاتی ڈرامے کا استعمال

نفسیاتی ڈرامے کی تیاری:۔ درجے کی چاہے جس سطح پر نفسیاتی ڈرامہ کی تکنیک کو استعمال کرتا ہو منصوبہ کی نوعیت پر تبادلہ خیال ضروری ہے۔ یہاں ان مسائل کو زیر بحث لایا جاسکتا ہے جن سے جماعت کے تمام ممبر واقف ہوں اس کے ذریعہ اس بات کا موقع ملتا ہے کہ شاگرد کسی مخصوص صورتحال میں جس طرح چاہیں بے ساختہ عمل پیرا ہوں۔ صورتحال اور کردار زندگی سے لئے جاتے ہیں دوسرے کس طرح محسوس کرتے ہیں اس کو سکھانے کا یہ ایک طریقہ ہے۔ سننے کے مقابلے میں مباحثے اور سوالات سے مذکورہ عوامل کی زیادہ تسکین ہوتی ہے شاگرد اداکاری کا جیسے جیسے تجربہ حاصل کرتے جاتے ہیں اسی کے مطابق وہ جو کچھ کرتے ہیں اس کی اہمیت کا اعادہ ہوتے

ہنا چاہئے تاکہ حسب خواہش تفہیم میں اضافہ ہوتا جائے۔

موضوع جو پیش کئے جانے والا ہو اس قسم کا ہونا چاہئے کہ اس میں کام کرنے والے اسی طرح محسوس کرتے ہوں جیسے واقعی اس کام کو کرنے والے محسوس کرتے ہیں۔ مدرسے کی زندگی سے ایسے موضوعات جو شاگردوں کے زیر مطالعہ ہوں منتخب کئے جاسکتے ہیں جیسے وطن تبدیل کرنے والوں کی زندگی، یتیم خانے کی سیر کسی اقلیتی گروپ کے رکن کی ملازمت، کوئی حادثہ جو کھیل کے میدان میں پیش آیا ہو یا اخبار کی سرخی جس میں کسی حادثہ کا ذکر ہو، موضوع بنایا جاسکتا ہے۔

ڈبلو۔ ایل۔ وارڈ نے (W. L. Ward) نے ایسے عنوانات تجویز کئے ہیں، "والد صاحبان تمام دن کیا کرتے ہیں،، حفاظتی گشتی عملہ کیسے کام کرتا ہے" ہیلووین کے دن کیا کرنے کا ارادہ ہے" شاید کہانی سنائی جاتی ہو اور اس پر مباحثہ کیا جاتا ہو یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شاگرد نے مباحثہ کے دوران کسی حادثہ کا ذکر کیا ہو۔

مذکورہ مباحث سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ نمائندہ صورتحال کا انتخاب کرنا چاہئے اس کے بعد اشتراک کے لئے شاگردوں کی آمادگی درکار ہوتی ہے بعد ازاں جب صورتحال بیان کر دی جائے تو پھر استاد شاگردوں کو دعوت دے کہ وہ رضاکارانہ طور پر مطلوبہ کرداروں کے لئے اپنے نام پیش کریں اگر کوئی بچہ کہتا ہے کہ وہ اداکاری کے لئے تیار نہیں تو اس کا عذر اس کی بریت کے لئے کافی ہے یہ اور بات ہے کہ استاد ایسے موقع کی تلاش میں رہے کہ بعد میں کسی موقع پر اس کو شریک کرلے اور جس پارٹ سے اس نے انکار کیا ہے اس سے کوئی مختلف پارٹ اس کو دے۔

تیسری ضرورت کا تعلق استاد کے رد یئے سے ہے صرف طالب علم کو نہیں بلکہ استاد کو بھی پیش کش کے بارے میں بہت سرگرمی دکھانی چاہئے تاکہ آزادی کا ایک ماحول پیدا ہوسکے۔ اگر شاگرد یہ محسوس کرنے لگیں کہ نہیں تو حصہ لینا ہی ہے یا انہیں اس طرح اپنا پارٹ ادا کرنا چاہئے کہ استاد کی خوشنودی حاصل ہوسکے تو نتیجہ اطمینان بخش نہیں ہوگا۔

موضوع کا انتخاب:۔ نفسیاتی ڈرامہ ایک تیاری کا عمل ہے اس کی مختلف صورتیں ہیں اور ان کا انحصار تہذیبی حالات اور شاگردوں کی پختگی پر ہے۔ اسکے

اندر اس سوال کا جواب پوشیدہ ہے۔"

تمہارے مسائل کیا ہیں؟ لیکن ان الفاظ میں نہیں ہیلن ہال جیننگ (Helen Hall Jenning) نے حسب ذیل نمائندہ سوالات تجویز کئے ہیں۔

(۱) وہ کون سے حالات ہیں جن میں آپ حسب خواہش مسائل سے نمٹنے کا طریقہ نہ جانتے ہوں اور کسی دوسری صورت حال کی توقع رکھتے ہوں؟ ایسی صورت حال کب ہوتی ہے اور کون سے لوگ آپ کے ساتھ ہو سکتے ہیں؟

(۲) کن حالات میں آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص آپ کو آپ کی مرضی کے مطابق سمجھ رہا ہے۔

(۳) کن حالات میں آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص آپ کو اس طرح نہیں سمجھ رہا ہے جیسے آپ چاہتے ہوں؟

(۴) وہ کون سے حالات ہیں جن میں آپ کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کیا کیا جائے کیا سوچا جائے اور کیا کہا جائے اور آپ خود کو اپنے مافی الضمیر کو بیان کرنے کے قابل نہ سمجھتے ہوں۔

(۵) وہ کون سے حالات ہیں جن میں آپ بغیر دشواری کے آگے قدم بڑھا سکتے ہیں سوچ سکتے ہیں، عمل کر سکتے ہیں اور اپنی بات کہہ سکتے ہیں؟

۶۔ وہ کون سے حالات ہیں جن میں آپ خفا اور بہت زیادہ ناراض ہوتے ہیں؟

(۷) وہ کون سے حالات ہیں جن میں آپ بہت خوش ہوتے ہیں؟

(۸) وہ کون سے حالات ہیں جن میں کوئی شخص آپ سے بہت زیادہ ناراض اور آپ پر خفا ہوتا ہے۔؟

(۹) وہ کون سے حالات ہیں جن میں آپ بہت زیادہ مغموم ہوتے ہیں؟

مذکورہ بالا سوالات کی روشنی میں یہ بخوبی نظر آتا ہے کہ صورت حال کو مخصوص بنانے کی یہ ایک کوشش ہے جس میں کردار، عمر، جنس اور مرتبے کی وضاحت پورے طور پر کر دی گئی ہے واقعے کا تعین مقام کر دیا گیا ہے لیکن جن افعال کی عکاسی مقصود ہے اور جو الفاظ بولتے ہیں ان پر گفتگو نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ باتیں شرکاء کے لئے ساختہ احساس کے نتیجے کے طور پیدا ہونی چاہئیں۔

صورتحال کے مطابق ایکٹ کرنا

اس کے لئے کوئی تجویز نہیں پیش کی جاسکتی شرکاء جو بھی محسوس کرتے ہوں اس کو ایکٹ کرنے میں ان کی ہمت افزائی کرنی چاہیئے۔ یہ قواعد کی غلطیوں کی اصلاح کا وقت نہیں ہے۔ افعال اور احساسات پر احتساب کا بھی وقت نہیں۔ دراصل شرکاء کے لئے یہ بہت مناسب ہے کہ وہ اپنے احساسات سے رہائی حاصل کرسکیں۔ اسی رہائی کے ذریعہ وہ اپنی اور دوسروں کی بہتر تفہیم کرسکتے ہیں۔

سعی مابعد: پیش کش کے بعد استاد اپنے شاگردوں کی ہمت افزائی کرتا ہے کہ وہ کرداروں کی ادائیگی پر مباحثہ اور تنقید کریں۔ اس موقع پر صورتحال اور افعال کا نہ تجزیہ کیا جاتا ہے۔ اس کو بہتر بنانے کی گفتگو کی جاتی ہے اور ضروری سفارشات پیش کی جاتی ہیں۔ اس طرح دوسری پیش کش کی تیاری عمل میں آتی ہے اور نئے سرے سے اداکاروں کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ یہ انتخاب بھی رضا کارانہ ہوتا ہے جن بچوں نے پہلے حصہ نہیں لیا تھا شاید اس وقت تک ان میں سے کچھ بچے مشارکت کے لئے تیار ہو جائیں لیکن یہ پارٹ اس پارٹ سے مختلف ہوسکتا ہے جو حقیقی صورت حال میں پیش آتا ہے مباحثے اور تجزیے کے بعد جب سین کو دہرایا جائے گا تو اس سے صورتحال اور حقیقی مسائل کو سمجھنے میں شاگردوں کو مدد ملے گی۔

استاد کے ذریعہ ڈرامے کا استعمال

چھٹی جماعت کے لڑکوں کا ایک گروہ اسکول کے میدان میں فٹ بال کھیل رہا تھا۔ ایک جاپانی لڑکے نے جھپٹا جھپٹی میں ایک کھلاڑی کی نئی قمیص پھاڑ دی وہ کھلاڑی بہت زیادہ پریشان ہوگیا۔ لیکن بہت طاقتور ہونے کے باوجود وہ جاپانی لڑکے سے بھڑنے میں محتاط تھا وہ چونکہ اپنے گروپ کا مانا ہوا لیڈر تھا اس نے اس کے لئے یہ آسان تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کی مدد حاصل کرے اور اس نلواد کی اچھی طرح مرمت کردے۔ جب لڑکے درجے کے اندر واپس آگئے تو استانی نے محسوس کیا کہ کوئی واقعہ پیش آگیا ہے لیکن اس نے کوئی بات نہیں پوچھی۔ چند دنوں میں جب کہانی طشت از بام ہوگئی تو استانی نے محسوس کیا کہ یہ ناانصافی کی بات ہے

اس نے نفسیاتی ڈرامے کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ صورتحال واضح ہو سکے۔ اس نے دریافت کیا کہ کیا لڑکے کچھ بہروپ کرنا پسند کریں گے چنانچہ بہتوں نے سوچا کہ یہ ایک اچھا تماشا ہوگا بعدازاں اس نے صورتحال کا خاکہ پیش کیا۔

ایک چھوٹا سا نیگرو لڑکا ابھی ابھی مدرسے میں آیا ہے اس کے کچھ دوست بھی ہیں۔ نیگرو کا پارٹ کون کرنا پسند کرے گا۔؟ جس لڑکے کی قمیص پھٹ گئی تھی اس کے ایک ساتھی نے اپنے کو پیش کیا۔ ہمارا سین آرٹ کا کمرہ ہے جس میں بہت سے گروپ کام کررہے ہیں بعض گروپ اشتراک باہمی سے دیواری مصوّری کررہے ہیں۔ میں چاہوں گی کہ تین لڑکے دیواری مصوّری کا کام کریں۔ رضاکارانہ طور پر تین لڑکے منتخب کرلئے گئے۔ دوسرے دو لڑکے ایک ہوائی جہاز کا ماڈل بنائیں گے یہ لڑکے کون سے ہوں گے؟ جس بچے کی قمیص پھٹ گئی تھی اس نے اور ایک دوسرے لڑکے نے اس پارٹ کے لئے اپنے کو پیش کیا۔ اب نیگرو لڑکا جن انگلیوں کے ذریعہ مصوّری کرتا ہے تھوڑی دیر کام کرنے کے بعد وہ کچھ رنگ گرا دیتا ہے رنگ اس نئی پتلون پر بکھر جاتا ہے جو دیواری مصوّری کرنے والوں میں سے کوئی ایک لڑکا پہن کر اسکول کے بعد اسکاؤٹنگ کے ایک جلسے میں جانے والا تھا۔"

لڑکے اپنی استانی کو جانتے تھے چنانچہ اس نئی صورتحال کو انھوں نے بدل وجان قبول کرلیا۔ "گندی پتلون" کو پہننے والے لڑکے نے ناراضگی دکھائی۔ انگلیوں کے ذریعہ مصوری کرنے والے نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ دوسرے لڑکے بھی اس سین میں شامل ہوگئے اور کچھ دھکم دھکا شروع ہوگیا۔ چند منٹ کے بعد جماعت کے باقی افراد سے کہا گیا کہ وہ تنقید کے ذریعہ اپنی رائے کا اظہار کریں کچھ لڑکوں نے فوراً اشارہ کیا کہ رنگ کا گرنا ایک اتفاقی امر تھا۔ دلیلیں دی جانے لگیں لیکن یہ دلیلیں یقین کلی کے مقابلے میں تاویلات کی حیثیت رکھتی تھیں۔

باوجودیکہ استانی نے یہ بتادیا تھا کہ اداکاروں نے بہت اچھی طرح اپنے پارٹ ادا کئے۔ پھر بھی یہی سین نئے کھلاڑیوں کے ساتھ کھیلا گیا۔ جب دوسرا سین دوسری بار کھیلا گیا تو یہ تسلیم کیا گیا کہ گندی پتلون والے کو تکلیف ضرور پہونچی لیکن وہ ایک بھلے مانس کا کردار پیش کرسکتا ہے۔ رنگ گرانے والے لڑکے نے اس حادثہ پر اظہار افسوس کیا اور اس

کو صاف کرنے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔

استانی بالواسطہ نصیحت پر اکتفا نہیں کرنا چاہتی تھی اس نے اپنی گفتگو جاری رکھی اور قمیص پھٹنے کی صورتحال پر مباحثہ شروع کردیا۔ بعض لوگوں نے بھونڈے انتقام کی تائید کی لیکن اتفاق رائے اس بات پر تھا کہ وہ عمل نامناسب تھا۔ آخر کار گروپ کے لیڈر نے تسلیم کیا کہ اس کی غلطی تھی اس نے معافی مانگنے اور ہاتھ ملانے کا فیصلہ کیا۔ استانی اور شاگردوں نے اس عمل پر نعرۂ تحسین بلند کیا۔ استانی نے محسوس کیا کہ اس واقعے کو نظر انداز کرنے، معافی منگوانے یا مباحثے کے ذریعہ دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع دینے کے بجائے موجودہ صورت حال کہیں زیادہ باعث تسکین ہے اس کو اس بات کا یقین تھا کہ اخلاقی درس بالکل بے اثر ثابت ہوتا۔

مذکورہ بالا واقعے کی مدد سے کوئی خاکہ مرتب کرنا نہیں بلکہ یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ جہاں تک درجے کے اندر اس کے استعمال کا سوال ہے یہ تکنیک نسبتاً سہل ہے گو جب صورتحال بہت بگڑ جائے یا شخصیت کے بہت پختہ خصائل کا معاملہ پیش آجائے تو زیادہ جامع علاج کی ضرورت ہوگی۔ استانی اس کو آزمانے پر آمادہ تھی اس نے پہلے ہی منصوبہ بنالیا تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ اس نے شاگردوں کو مرعوب بھی کرلیا ایک بار جب سیٹ تیار کرلیا گیا تو شاگردوں نے مستعدی دکھائی اور قابل ستائش نتائج برآمد ہوئے یہی صورتحال شاگردوں کے مابین بداخلاقی سے بھی اس وقت پیدا ہوسکتی ہے جب شاگردوں کو جو ذمے داریاں سونپی جائیں ان کو وہ پورا نہ کریں یا دو شاگردوں کے درمیان اس بات پر حجت ہوجائے کہ کسی مخصوص کام کے لئے کس کا انتخاب کیا جائے۔

اداکاری کے استعمال کے لئے صورتحال کا مشورہ

نفسیاتی ڈرامے اور سماجیاتی ڈرامے کو تدریس وتفہیم کے لئے ضمنی طور پر ایک وسیلے کی حیثیت سے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً نفسیاتی ڈرامے کو کسی مشغلے کی پیش بینی کے طور پر استعمال کرسکتے ہیں۔ اگر بس کے کسی سفر کا منصوبہ بنایا جائے تو سفر کے دوران بس پر چڑھنے، اترنے اور نشستوں کے انتظام کے سلسلہ میں بچوں سے اداکاری کرائی جاسکتی ہے۔ اسی طرح کسی صنعتی یا تجارتی کارخانہ کی مقررہ سیاحت کے لئے بچوں کے طور وطریق کی اداکاری کرائی جاسکتی ہے۔ انھیں اس بات کی بھی تربیت دی جاسکتی ہے کہ جب

کسی دوسرے مدرسے سے آرکسٹرا کا پروگرام پیش کرنے کے لئے لوگ آئیں تو ان کے ساتھ کس طرح کا سلوک کیا جائے اسی طرح اداکاری کے ذریعہ اس بات کی بھی بصیرت حاصل ہوسکتی ہے کہ جب کہیں مہمان بن کر جانا ہو تو کس طرح کا سلوک کرنا مناسب ہوگا۔

اداکاری کے ذریعہ دوسروں کی بہتر تفہیم اور دوسروں کے لئے بہتر احساس پیدا ہوسکتا ہے اس کے تحت درجے کے کسی ہکلے یا کسی ایسے بچے کے لئے جس کا دماغ شل ہوچکا ہو یا کسی اپاہج بچے کے لئے ایک مفید رویہ پیدا کیا جاسکتا ہے۔ اور جماعت کو یہ محسوس کرایا جاسکتا ہے کہ کسی نئے بچے کو کیسے آرام پہونچایا جائے دوسروں کے لئے احساس پیدا کرنے کی تفہیم کا ایک رخ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بڑے لوگ بچوں کے مشاغل پر کس طرح کا ردعمل دکھاتے ہیں۔

اداکاری جذباتی ربط پیدا کرنے میں بھی معاون ہوسکتی ہے۔ بچے اس بات سے فائدہ اٹھا سکیں گے کہ ان کی ناراضگی، تنگ مزاجی، دھکم دھکا اور لڑنا بھڑنا اس کے ہم جماعتوں کی نظر میں کیسا لگتا ہے۔ ڈرامائی کھیلوں میں نیابتی مشاغل کے ذریعے تناؤ دور کرنے کا جو موقع ملتا ہے وہ بھی جذباتی ضبط پیدا کرنے میں معاون ہوتا ہے۔ مختلف قسم کے طریق کار فراہم کر کے متصادم صورتحال پر بھی قابو پایا جاسکتا ہے۔ اگر چہ شاگردوں کا مطمع نظر نہیں بن سکتا، قمیص پھٹنے کے واقعے سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ استاد کی فرمانبرداری، اپنے حق ملکیت کا احترام اور درجے کے ساز و سامان کے استعمال میں فوقیت دکھاتے وقت اس قسم کی الجھن پیش آسکتی ہیں۔

تعلیمی صورتحال جب معمول بن جاتی ہے تو بعض ضمنی پہلوؤں کی اداکاری سے اس میں جان پڑ جاتی ہے جیسے تاریخی اور ادبی واقعات اس کا مزید فائدہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس کے ذریعے بے ساختہ اور تخلیقی ردعمل کے لئے تحریک پیدا ہوگی۔

خوف پر قابو پانے کے لئے اکثر ڈرامائی صورتحال کو بطور امداد استعمال کیا گیا ہے تعلیمی امتحان، معائنہ بصارت، معائنہ دانت اور طبی معائنوں کی جانب شاگردوں کا جو رویہ ہوتا ہے اس کو بھی اس کے ذریعے پیش کیا جاسکتا ہے۔ پرنسپل کی جانب شاگرد کیا رویہ اختیار کرتے ہیں یہ بھی طریقۂ اداکاری کا موضوع بن سکتا ہے۔

"کھیل کو اظہار اور تفہیم کے لئے استعمال کرنا"

"کھیل ایک فطری عمل ہے اور بچپن کا ایک شغل ہے بہت زمانہ نہیں گزرا جب کم سے کم کچھ لوگ ایسے تھے جو کھیل کو تضیع اوقات سمجھتے تھے۔ آج یقیناً اس خیال کو ترک کر دیا گیا ہے فی الحقیقت اب کھیل کو بچے کی متوازن نشوونما کا ایک لازمی جز سمجھا جاتا ہے اور جن لوگوں کے سپرد بچوں کی رہنمائی کا کام ہے انہیں سخت تاکید کی جاتی ہے کہ وہ جسمانی، جذباتی، ذہنی اور سماجی خصوصیات کی متوازن نشوونما میں کھیل کے منصب کو کم نہ سمجھیں۔

"وہ قدیم تعلیمی تصور مردہ ہو چکا ہے جس کے مطابق اس وقت تک درس کا حق ادا نہیں ہوتا جب تک بچہ اس سبق کو حفظ نہ کرلے جس سے اس کو نفرت ہوئی تھی۔ کھیل کو زندگی کے لئے فضول سمجھنے کا دور گزر چکا ہے اس تصور کے پیش نظر یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ یا تو کھیل کو ترک کر دیا جائے یا اس کو حق بجانب قرار دیا جائے کھیل کے بیشتر نظریوں میں ہمیں افادیت نظر آتی ہے اس کے ذریعہ بچوں کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ مدرسے میں یا کھیل کے میدان میں جو بھی شغل کریں اس سے لطف اندوز ہوں کھیل کے لئے کسی جواز کی ضرورت نہیں یہ تو محض زندگی کے ان مشاغل کا نام ہے جس میں شرکاء کو دلچسپی ہوتی ہے چنانچہ کوئی مشغلہ کھیل بن سکتا ہے۔" ۵۶

کتاب کے اس حصہ میں قارئین کو اس بات سے واقف کرانا مقصود ہے کہ بہتر تعلیم اور موثر ذہنی صحت کے لئے کھیل کو جس طرح استعمال کیا گیا ہے اور اس میدان میں جو معاصر غور و فکر اور اختیارات عمل میں لائے ہیں ان سے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں اس میں یہ بھی مشورہ دیا گیا ہے کہ کھیل کو محض جسمانی ورزش سے زیادہ اہمیت دینی چاہئے گو کھیل کی بھی ایک حقیقی اہمیت ہے۔

تفہیم کے لئے کھیل کا استعمال

کھیل کو تحلیلی ضابطے کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے کھیل کے آزاد ماحول میں کھلاڑی کا جو طرز عمل ہوتا ہے اس سے مشاہدہ بین کو کھلاڑی کے محرکات کا سراغ ملتا ہے۔

بچے جو کچھ کھیلتے ہیں ان سے اسے آپ سیکھ سکتے ہیں۔ انہیں فرضی کھیل کا کوئی موقع دیجئے۔ اس سے یہ پتہ چلے گا کہ وہ آگے کیا کرنے جا رہے ہیں۔ اس کے ذریعے بچوں کو ان

کتابوں کی ترغیب ہو سکتی ہے جن کے بارے میں وہ زیادہ سنتے رہے ہوں کسی سیر و سیاحت کے لئے ان کی آمادگی آپ پر ظاہر ہو سکتی ہے اور اس کے ذریعے ان خیالات کا پتہ چل سکتا ہے جن پر وہ گفتگو کرنے کی خواہش رکھتے ہوں اور انھیں پروان چڑھانا چاہتے ہوں۔

"بچے اور آپ دونوں کو کھیل کے لئے وقت درکار ہے آپ کے لئے یہ ایسا وقت ہے جس میں آپ سین دیکھیں اور مشاہدہ کریں اور جوں ہی سراغ لگے آپ اپنا کام شروع کر دیں۔"

استاد جب بس بانی کا مقابلہ آنکھ مچولی یا سوانگ گھر کا مشاہدہ کرے تو اس کو نظر آئے گا کچھ بچے مخاصمانہ خصلت رکھتے ہیں اور مل جل کر کام نہیں کرتے اور بعض بچے دوستی اور اشتراک باہمی کے ساتھ پیش آتے ہیں ایسی صورت میں کردار عام طور سے شخصیت کی علامت نہیں ہوتا بلکہ مشاہدے سے یہ جانکاری پیدا ہوتی ہے کہ کون سا عمل قابل مشاہدہ ہے۔ مخاصمت اور شور و شغب کوئی خلقی ودیعت نہیں ہیں بلکہ واضح طور پر تجربے اور تجزیے کے ردعمل کا نتیجہ ہیں اور خصوصیت کے ساتھ افراد سے تعلق رکھتے ہیں۔

بچے کے کردار کا ڈھب جاننے کے لئے استاد بہت سی ایسی تدبیر اختیار کر سکتا ہے جس سے ان کھیلوں کا اندازہ ہو سکے جو بچے کو درپیش ہیں۔ مثلاً پرائمری کے بچوں کو سوانگ بھرنے پر آمادہ کیا جا سکتا ہے بعض بچیاں ماں بنیں گی اور اپنی گڑیوں سے مہربانی کے ساتھ پیش آئیں گی وہ ان گڑیوں سے گفتگو کریں گی اور جب وہ رونے لگیں گی تو یہ انھیں بہلائیں گی۔

بعض تنک مزاج ہوں گی جو اپنے بچوں کے چوتڑوں پر تھپڑ لگائیں گی اور ان کو برے آدمیوں سے ڈرائیں گی یا انھیں بستر میں لٹانے کی دھمکی دیں گی۔ وہ لڑکے جو باپ کا سوانگ بھریں گے اس قسم کے طرز عمل کا اظہار کریں گے، بعض کھانے پکانے میں مدد دیں گے۔ بچوں کو جھلائیں گے اور کام کے دنوں میں، جو کچھ واقعات پیش آئے ہیں ان سے متعلق بات چیت کریں گے۔ دیگر فرضی باپ اپنی کرسیوں پر آرام سے بیٹھیں گے، پڑھیں گے اور اپنے گھر والوں سے خاموش رہنے کا مطالبہ کریں گے چونکہ استاد ان باتوں کا مشاہدہ پہلے کر چکا ہے اس لئے وہ ان باتوں سے بخوبی واقف ہے جو بات اس نے تفصیل

ے نہیں دیکھی وہ یہ ہے کہ ان مناظر سے اس کو بچے کے کردار کی اچھی بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا اساتذہ اور بعض والدین بھی، کردار کی ان الفاظ میں اصلاح کرنے لگتے ہیں: "اپنے سے چھوٹوں کے ساتھ یہ طرزِ عمل مناسب نہیں ہے" "اگر تم اپنے شوہر کے ساتھ نرمی سے بات کرو تو بہت اچھا ہو" یا "تم کو اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ گھر کے ہر شخص کو خوش رکھو۔"

اگر استاد اور والدین ان بیانات کی اہمیت پر غور کریں تو ذہنی صحت کے بہتر ہونے کا زیادہ امکان پیدا ہو جائے گا۔ "بچے کے کردار سے والدین کے سلوک کی عکاسی ہوتی ہے" "شاگردوں کے فعل میں استاد کا رویہ جھلکتا ہے" کھیل کی صورتحال سے ایسے سراغ ملتے ہیں جو ناپسندیدہ کردار کے بنیادی اسباب کو سرے سے دور کرنے میں رہنمائی کرتے ہیں۔ اگر سنگین صورتحال کو دور کر دیا جائے تو بہتر کردار پیدا ہو سکتا ہے۔ بجائے اس کے کہ اس قسم کے فضول اور فرسودہ ایملل پر بھروسہ کیا جائے "جب تک تم اچھے نہیں بنو گے لوگ تمہیں پسند نہیں کریں گے" چنانچہ وہ حالات جن میں ناپسندیدہ کردار سرزد ہوتے ہیں جب تک بدلے نہ جاسکیں اس وقت تک بچے کو اس بات کی زیادہ فکر نہ ہو گی کہ لوگ اس کو پسند کرتے ہیں یا ناپسند۔

"یہ رابرٹ ہے" نامی فلم سے منجملہ اور چیزوں کے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کھیل کی تفہیم پیدا کرنے کا بہتر ذریعہ بھی ہے۔ رابرٹ کو جس کی عمر ۵ یا چھ برس ہے کولڈ کریم کا ایک مرتبان دیا گیا۔ اس کو کپڑے سے ڈھک کر ایک سٹرے کاغذ پر رکھ دیا گیا۔ اس سے صرف یہ کہا گیا "اس کے ساتھ جو کچھ بھی کرنا چاہو کرو۔ اس نے نہایت چستی کے ساتھ کولڈ کریم کو کاغذ پر پھیلانا شروع کیا۔ پھر وہ خود بھی اس میں پھسل گیا اس نے دیوار پر ایک دو دھبے لگا دیا اور پھر کاغذ سے باہر فرش پر بھی اپنی کاروائی شروع کر دی اس فعل کے مشاہدے اور اسی قسم کے دوسرے مشاہدات سے جو معروضی معلومات حاصل ہوتی ہیں ان کی بنیاد پر اس کی ترجمانی اس طرح کی گئی ہے کہ رابرٹ نے اپنی آزادی کی حدود کو زیادہ سے زیادہ دریافت کرنے کی حاجت محسوس کی وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ ضبط عائد کرنے سے قبل وہ کہاں تک جاسکتا ہے یہاں محض ایک سراغ ملتا ہے وہ یہ کہ آزادی کی حدود دریافت کرنے کی حاجت کیوں پیدا ہوئی اس کا تعین نہیں ہو سکا۔ تحقیق سے

پتہ چلا کہ وہ پیشہ ور والدین کا بیٹا تھا۔ اس کے دیکھتے دیکھتے بڑی حد تک یکے بعد دیگرے کھلائی یا دادے دادی کے سپرد تھی جو کبھی تو بہت شفقت سے پیش آتے اور کبھی بے شمار کاموں کے مقتضی ہوتے۔ ہر صورت حال میں اس کا رد عمل یہ دریافت کرنا تھا کہ سرزنش سے قبل وہ کس حد تک جا سکتا ہے۔ اس رجحان کے تدارک کے سلسلے میں والدین سے بات چیت کی گئی تاکہ ایک صحت مند ماحول پیدا ہو سکے۔ پھر یہ محسوس کیا گیا کہ اس کے کھیل اور مدرسے کے مشاغل میں جس آزادی کا اظہار ہوتا ہے اس سے بہتر تنقیہ پیدا کی جائے پوری فلم میں یہ دکھایا گیا ہے کہ اساتذہ کس طرح بچوں کے مشاغل منجملہ کھیل کا مطالعہ کرتے ہیں اور کس طرح بچوں کی تفہیم کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔

غیر ہدایتی کھیل کے ذریعہ علاج کے بنیادی اصول

باوجودیکہ استاد سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ کمرہ جماعت کو کھیل کے طریقۂ علاج کی صورت میں تبدیل کر سکے پھر بھی ان میں سے بعض اصولوں کو اگر پرکھا جائے تو مفید معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ تمام کامیاب معالجوں کو نہ صرف انہیں تسلیم کرنا چاہئے بلکہ استعمال بھی کرنا چاہئے اساتذہ پر چونکہ بہت سے بچوں کی ذمہ داری ہوتی ہے اس لئے صرف ایک یا دو بچوں پر ہی جنہیں خصوصی توجہ درکار ہو وہ متوجہ ہو سکتے ہیں تاہم کھیل کے طریقہ علاج کے ذریعے بہت حد تک اس بات کی کوشش ہو سکتی ہے کہ وہ تمام احتیاطی اور تدارکی اقدامات کئے جائیں جو تمام بچوں کے لئے مفید ہوں۔ کارل آر۔ راجرس (Carl R. Rogers) اور ورجینیا میک اکسلین (Virginia MacAxline) دونوں نے ان بنیادی اصولوں کو مرتب کیا ہے جس میں اکسلین نے حسب ذیل باتیں پیش کی ہیں۔

۱۔ معالج کو بچے کے ساتھ ایسے مشفقانہ اور دوستانہ تعلقات پیدا کرنا چاہئے جن سے جہاں تک ممکن ہو بہتر رابطہ پیدا ہو سکے۔

۲۔ بچہ جیسا ہے ویسا ہی معالج اسے تسلیم کرے۔

۳۔ معالج اپنے تعلقات کے ذریعہ بچے میں اس بات کا احساس پیدا کرے کہ وہ آزادی کے ساتھ مکمل طور پر اپنے احساسات کا اظہار کر سکے۔

۴۔ معالج کو چاق و چوبند رہنا چاہئے کہ بچہ جب اپنے احساسات کا اظہار کرے تو

معالج اس کی شناخت کر سکے اور ان احساسات کو بچوں میں اس طرح منعکس کرائے کہ وہ اپنے کردار کی بصیرت پیدا کر سکے۔

۵۔ بچوں کی اس لیاقت کا معالج کو پورا احترام کرنا چاہئے کہ اگر انہیں موقع ملے تو وہ خود اپنے مسائل کا حل ڈھونڈ سکیں مواقع منتخب کرنے اور تبدیل کرنے کا اختیار بچے کو حاصل ہوگا۔

۶۔ معالج بچوں کے افعال اور ان کی گفتگو کے دوران کسی طرح کی ہدایت دینے کی کوشش نہ کرے۔ بچہ راستہ دکھائے معالج اسکے پیچھے پیچھے چلے۔

۷۔ معالج اپنے طریقہ علاج میں جلد بازی نہ کرے۔ یہ ایک تدریجی عمل ہے اور معالجین نے اس کو اسی طرح تسلیم کیا ہے۔

۸۔ معالج صرف ان پابندیوں کو عائد کرتا ہے جو طریقہ علاج کو حقائق سے قریب تر لانے کے لئے ضروری ہوں اور اس تعلق سے بچے پر جو ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں ان سے بچوں کو باخبر کرے۔

مذکورہ بالا اصولوں پر ایک نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ کتاب کے مختار حصوں میں ان بیشتر اصولوں کی پیش بینی کی جا چکی ہے۔ ذہنی حفظان صحت کے یہ پکے اصول صرف کھیل کے طریقہ علاج کے لئے ہی اہم نہیں بلکہ عام طور پر ذہنی حفظان صحت کے لئے بھی اہمیت رکھتے ہیں: ضرورت اس بات ہے کہ دوستی کا ماحول پیدا کیا جائے لیکن اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ کمرۂ جماعت میں اس کا فقدان ہوتا۔ انسانی حاجتوں کے ذکر کے دوران عام طور سے اور بچوں کی ضروریات کے ضمن میں خاص طور سے قبولیت کی قدر پر زور دیا گیا ہے باوجود کہ بچوں کی کھلی ہوئی چھوٹ کا ذکر محض اس باب میں کیا گیا ہے پھر بھی شاگردوں کی ہم آہنگ بالیدگی کے لئے مناسب آزادی کی فراہمی ایک بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتی ہے

اگر ہم ایک نگاہ واپس ڈالیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ بچے کے احساسات کا ذکر پہلے نہیں کیا گیا ہے بلکہ محض اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ بچوں کے احساسات کی تفہیم کی مخلصانہ اور مسلسل کوشش جاری رہنی چاہئے۔ اپنے مسائل کو حل کرنے کی بچے میں جو صلاحیت موجود ہے اس کے احترام کی پیش بینی اس عبارت میں کی گئی ہے اور آزادی دینے اور ذمہ داری سونپنے کی بات کہی گئی ہے بچوں کے افعال پر اثر انداز نہ ہونے کا

اصول کمرۂ جماعت میں ہر جگہ قابل عمل نہیں ہو سکتا پھر بھی آرٹ سے وسیلے اور تخلیقی تحریر کے باب میں آزادانہ اظہار کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے بالیدگی کے عمل کی بنیادی خصوصیات کے ضمن میں جگہ بہ جگہ اس بات پر خصوصی زور دیا گیا ہے کہ جلد بازی سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ تعمیری ضبط کے باب میں صرف وہی پابندیاں عائد کرنے کا ذکر کیا گیا ہے جو بچوں کی حاجتوں سے متعلق ہیں اور مناسب اور موزوں ہیں۔

اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کھیل کے طریقۂ علاج کے بنیادی اصولوں کو کسی حد تک عمل میں لانا ممکن ہے۔ جماعت کے استاد اپنے روزانہ کے کاموں میں عموماً ان اصولوں کو استعمال کرتے ہیں۔ مس اکزلین نے اس نکتے کی تفہیم کرتے ہوئے یہ کہا ہے "شاگردوں کی شدید نقص مطابقت کے تدارک کے لئے فوری اقدامات کے پیش نظر مدرسوں نے اپنے پروگرام میں قابلِ تحسین اضافے کیے ہیں" انہوں نے اساتذہ کی یہ ہمت افزائی کی ہے کہ وہ کم سے کم اس کے تجربے کی کوشش تو کریں" ہاں حفاظتی اقدامات کارکنانِ تعلیم کے لئے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ ان سے حیرت ناک نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ چنانچہ اساتذہ کو اس کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ کم سے کم اسکو آزما کر تو دیکھیں۔

کھیل بحیثیت ایک گروپ طریقۂ علاج

تعلیم کے تسلیم شدہ وظائف میں سے ایک یہ ہے کہ گروپ کے مابین انسانی تعلقات میں اضافہ کیا جائے چنانچہ ذہنی صحت کے اصولوں میں سے ایک اس اصول کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ فرد دوسروں کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کی صلاحیت پیدا کرے فرد کی بالیدگی اور نشوونما گروپ کے اقدار، احساسات اور رویوں سے بہت متاثر ہوتی ہے۔ ذہنی مریضوں کے علاج کی جو تکنیک اختیار کی جاتی ہے وہ گروپ طریقۂ علاج کہلاتی ہے اکثر موقعوں پر یہ تکنیک نمایاں طور پر موثر ثابت ہوتی ہے اس علاج کا مقصد یہ ہے کہ فرد اپنے خاندان، کھیل کے میدان، جماعت کے ساتھی جیسے گروپ سے لگاؤ پیدا کرے۔ بنیادی طور سے یہ تکنیک اس بات پر مشتمل ہے کہ فرد کو ناپسندیدگی یا احتساب کے خوف کے بغیر آزادی کا موقع ملے۔

یہ بات ضرور تسلیم کر لینی چاہئے کہ استاد جماعت حقیقتاً معالج نہیں ہو سکتا کیونکہ

بحیثیت مجموعی اس پر جماعت کی جو ذمے داری ہوتی ہے وہ اس کام میں مانع ہوتی ہے۔ چنانچہ جو بچہ نمایاں طور پر نقص مطابقت کا شکار ہوتا ہے اس کو استاد من مانی کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اگر کسی استاد کو ایسے کمرۂ جماعت کا تجربہ ہے جس میں بچے معمول کے مطابق ہوں۔ ان کی تعداد زیادہ ہو اور ہمہ وقت ضبط قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی تو معالجانہ رویہ اپنانا بہت دشوار ہوگا۔"[۳]

تاہم کھیل کے ایسے مواقع فراہم کرنے سے جن میں وقت کی پابندی کے ساتھ آزادی عمل کی اجازت دی جائے۔ اساتذہ کو ان لڑکوں کے محرکات کی بصیرت حاصل ہوتی ہے جو نمایاں طور پر منحرف نہیں ہیں۔ بلکہ محض مطابقت پذیری میں دشواری محسوس کر رہے ہیں۔ کھیل کے ایک غیر جانب دار ماحول میں بچوں کو اس بات کا موقع ملے گا کہ وہ اپنے بعض احساسات کا اظہار کر سکیں اور تناؤ کو دور کر سکیں۔ بچہ جب یہ دیکھے گا کہ اس کے احساسات کی تحلیل سے دوسروں پر کیا اثر پڑتا ہے تو نتیجے کے طور پر وہ خود بھی اپنی تفہیم کی طرف مائل ہوگا۔

گروپ کھیل کے عناصر تعداد میں چند ہیں۔ پہلا یہ کہ کسی کو اس بات سے آگاہی نہ ہو کہ اس کے عمل اور قول کا مطالعہ کیا جا رہا ہے بلکہ وہ گروپ کے شرکا میں سے صرف ایک فرد ہے دوسرا یہ کہ گروپ کے لئے صورتحال کا خاکہ مرتب کیا جائے۔ شاگردوں کو کہانی دی جائے جس کو وہ کھیل کھیل میں مکمل کرلیں ان سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ جو تصویریں انہیں دکھائی گئی ہیں ان کی مدد سے وہ اپنے ایکٹ کا اشارہ اخذ کریں۔ ٭ جب اسٹیج تیار ہو جائے ٭ اور صورتحال بیان کر دی جائے تو استاد کو بے تعلقی کا رویہ اختیار کر لینا چاہئے اس کو چاہئے کہ وہ کھیل کے شرکاء کے ساتھ خاموشی، سکون اور دوستی کا برتاؤ کرے کسی بھی بات یا فعل کی تعریف بھی نہ کرے یہ آزادی کا ماحول ہے۔

٭ استاد اپنے تعلقات کے ذریعے آزادی کا احساس پیدا کرے گا تاکہ بچہ اپنے احساسات کے اظہار کی آزادی محسوس کر سکے۔ طریق علاج کی صورت میں بچہ اپنے احساسات کا مکمل طور پر اظہار کرتا ہے لیکن کمرۂ جماعت کی صورتحال میں احساسات کے مکمل اظہار کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ یہیں سے پروگیسو ایجوکیشن کے کارکن بڑی حد تک روایتی تعلیم سے منحرف ہو گئے ہیں پروگیسو کارکنان تعلیم نے اس قدر کو تسلیم کر لیا ہے کہ کسی موزوں اظہار کے ذریعے بچوں کے

احساسات کی تسکین ہوتی ہے چنانچہ انھوں نے مصوری گل کاری، تخلیقی تحریر، موسیقی، موزونی ڈراما، آزادانہ کھیل۔ ان تمام وسیلوں کو بچوں کے احساسات کے اخراج کا ذریعہ بتایا ہے۔ یہاں بھی پر گیسو تعلیم کے بہت سے غلط تصورات جنم لیتے ہیں۔ مضحکہ خیز اصطلاح "جگر پاروں کو اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرنے دو" ان لوگوں کے لئے ایک تضحیک آمیز کلمہ بن گیا جو بچوں کی نشو و نما کی ناقص تفہیم رکھتے تھے اور اظہار ذات کی قدر و قیمت کو نہیں سمجھتے تھے۔

جب استانی غیر ہدایتی طریق علاج کے بنیادی اصولوں کو اظہار ذات کے لئے استعمال کرتی ہے تو وہ اس میں چند نہایت اہم باتوں کا اضافہ کرتی ہے۔ اظہار ذات بذات خود بچوں کی تفہیم کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ معالج استانی، ان احساسات کی شناخت کرنے میں چاق و چوبند رہتی ہے جن کا اظہار ہو رہا ہے اور ان احساسات کو بچوں میں اس طرح پھر سے منعکس کراتی ہے کہ وہ انسانی کردار کی بصیرت پیدا کر سکیں۔ اگر شاگرد اور استاد میں معالجاتی روابط قائم ہو گئے تو بچوں کے مسائل قابو سے باہر ہونے اور شدید نامطابقت ہونے سے قبل ہی انہیں اپنے مسائل کی سود مند بصیرت حاصل ہو جاتی ہے[31]

بچے کے احساسات کو منعکس کرنے میں نہ تو تنقید در کار ہے اور نہ تحسین یہ تو محض بچوں کے اظہار پر زور دینے کا ایک ذریعہ ہے "تم اپنی بہن کو نہیں چاہتے۔ تم کو کسی کو ناراض کرنا چاہئے" ان بیانات سے انعکاس ہوتا ہے۔ لیکن ان میں تنقید کا پہلو نہیں ہوتا۔ جب بچہ کھیل کی صورت میں اپنے احساسات کی تظلیل کرتا ہے تو وہ دھیرے دھیرے اس بات کی بہتر تفہیم حاصل کرنے لگتا ہے کہ دوسروں پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ اگر وہ دوسروں کے بارے میں کسی تعلق کا اظہار نہ بھی کرے تو بھی استاد جانتا ہے کہ اس قسم کے دعوے قبولیت اور پسندیدگی حاصل کرنے کی بنیادی خواہش کے غماز ہیں۔

کھیل ایک تدریسی ترکیب کے طور پر

غیر ہدایتی کھیل کے طریق علاج کو عمل آموزش کے لئے بہت کامیابی کیساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ رابرٹ۔ ای۔ بلس (Robert. E. Bills) نے خواندگی میں بچھڑے ہوئے بچوں پر تجربہ کیا۔ ان میں سے بعض نے جذباتی نقص مطابقت کا ثبوت دیا اور بعض کے بارے میں سمجھا تا تھا کہ وہ پورے طور پر مطابقت پذیر ہیں اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ایکزلین (Axline) نے مذکورہ بالا حصے میں جن بنیادی اصولوں کا خاکہ پیش کیا ہے اگر ان سے

استفادہ کیا جائے تو دونوں صورتوں میں نسبتاً کم وقت کے اندر خواندگی میں ترقی ہو سکتی ہے
بلس نے تیسری جماعت کے بچوں کا ایک گروپ لیا یہ بچے خواندگی میں بہت پچھڑے ہوئے تھے اور انھوں نے جذباتی نقص مطابقت کا اظہار کیا تھا بلس نے ان کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی طور پر کھیل کی تکنیک استعمال کی۔ شروع کے تین ہفتوں میں بچے اختیار کار کیساتھ ہفتہ میں ایک پینتالیس منٹ کی ملاقات میں مصروف رہے آخری تین ہفتوں میں اس نے انفرادی اور اجتماعی ملاقاتیں کیں تاکہ پورے چھ ہفتے کی مدّت میں ہر بچے کو چھ انفرادی اور دو یا تین اجتماعی ملاقات کا موقع مل جائے۔ (حاضری کی پابندی کے لحاظ سے) انفرادی اور اجتماعی دونوں ملاقاتیں پینتالیس منٹ کی تھیں۔"
کھیل کے طریق علاج کے تجربے سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا۔
(۱) کھیل کے طریق علاج سے خواندگی کی لیاقت میں نمایاں ترقی ہوگی۔ (۲) چھ انفرادی اور تین گروپ کھیل کے طریق علاج سے کچھ شخصی تبدیلیاں عمل میں آسکتی ہیں (۳) خواندگی میں پچھڑے ہوئے بچوں کے گروپ میں کوئی مشترکہ تشخیصی نقص مطابقت نظر نہیں آیا [۱۴] اس نے اندازہ کیا کہ عام طور سے جذباتی تناؤ میں کمی ہونے کی وجہ سے ترقی ہوئی اسی ترقی کے باعث شاگرد اس قابل ہوگئے کہ وہ اپنی فطری لیاقت سے پورے طور سے مستفید ہو سکیں۔
بلس کے بعد میں خواندگی میں پچھڑے ہوئے ان بچوں کے ساتھ تجربہ کیا جن میں کسی قسم کا جذباتی نقص مطابقت نظر نہیں آیا۔ البتہ صرف چند بچوں میں معمولی سا شخصی انتشار پایا گیا۔ اس کے نتائج بھی بہت امید افزا تھے۔ (۱) خواندگی میں پچھڑے ہوئے بعض بچوں میں جو جذباتی نقص مطابقت نظر آیا ان کا علاج غیر ہدایتی طریق علاج سے کیا گیا اور اس کی وجہ سے خواندگی کی صلاحیت میں نمایاں ترقی ہوئی۔ (۲) بچے میں جس قدر جذباتی نقص مطابقت کی صلاحیت موجود تھی اسی قدر مضامین کے مواد میں استفادہ ہوا۔
(۳) بچہ جب غیر ہدایتی طریق علاج سے استفادہ کرتا ہے تو اس کا فائدہ ہمہ گیر ہوتا ہے اور کسی مخصوص مواد مضمون تک محدود نہیں ہوتا۔ [۱۵]
آخری لفظ استاد جماعت کے لئے خصوصی دلچسپی کا باعث ہے کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آزادروی، دوستی، قبولیت اور فرحت گزاری سے شخصیت کو جو قوت ملتی ہے وہ ایک ہمہ گیر مطابقت پیدا کرنے میں معاون ہوتی ہے۔ چنانچہ بچہ اپنی فطری صلاحیتوں کو پورے طور پر استعمال

کرنے کے اہل ہو جاتا ہے اور اپنی شخصیت سے پورا استفادہ کر سکتا ہے۔ اس طرز نظر کو استعمال کرنے کی حکمت نفسیاتی معالج فریڈرک۔ ایچ۔ ایلن (Frederic H. Allen) کے الفاظ میں جھلکتی ہے "طریق علاج کے سلسلے میں جس قدر ادب فراہم ہو چکا ہے وہ سب خصوصی طور پر کھیل کے طریق علاج کی افادیت پر مرکوز ہے جو بچے کے اظہار کا فطری وسیلہ ہے۔ چونکہ اظہار کے فطری آلات اور وسیلے فراہم کرنا بچے کے لئے لازمی ہے۔ اس لئے ہمیں فوراً یہ بات نظر آجاتی ہے کہ کھیل بچوں کے علاج میں ایک اہم عامل ہے۔

کھیل کی تکنیک تقریر کو سدھارنے میں کامیاب رہی ہے۔ جب کہ ہم جانتے ہیں تقریر کے بہت سے مسائل جذباتی دباؤ کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں یا بڑھ جاتے ہیں جب بچے یہ جان لیتے ہیں کہ ان کا اظہار گویائی پسند نہیں کیا جاتا تو وہ اپنے آپ کو ناپسندیدہ اور مردود تصور کرنے لگتے ہیں۔ لیکن کھیل کے ماحول میں وہ رفتہ رفتہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ قبولیت پانے کے لئے ان کا کامل ہونا ضروری نہیں اور پورا ملکہ رکھنے کے باوجود جب ان سے پیار کیا جاتا ہے اور ان کا احترام کیا جاتا ہے تو ان میں تحفظ کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ وہ اس بات کے متمنی ہوتے ہیں کہ ایسی ترقی کریں کہ جو قابل ستائش ہو کھیل کے طریق علاج کے تمام بنیادی اصولوں میں باطنی تحفظ کی طرف اشارہ ملتا ہے

کھیل اخلاق کے معمار کی طور پر

پرائمری اور ابتدائی مدرسوں میں ایک محتاط استاد جماعت کھیل کی تکنیک کو بہتر طور پر استعمال کر سکتا ہے۔ جب بچے بے ساختہ طور پر فرضی صورتحال پیدا کر لیتے ہیں تو اس کا مشاہدہ اس نظر سے کرنا چاہئے کہ ان کے باطنی احساسات کا پتہ لگ جائے۔ جب بچوں کو بغیر کسی احتساب کے اپنی مخالفت اور آزردگی ظاہر کرنے کی اجازت دی جاتی ہے تو تناؤ کچھ کم ہو جاتا ہے۔ اگر بچے کنڈر گارٹن میں بلاک اور گڑیوں کو کھردرے طریقے سے استعمال کرنا چاہتے ہیں تو ان کو اس کی آزادی ہونی چاہئے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ بات بہتر ثابت ہو اور ان کے منفی احساسات قوی نہ ہونے پائیں ورنہ وہ اپنے کھلاڑی دوستوں پر کھلم کھلا حملہ آور ہونے لگیں گے ابتدائی درجوں میں سب بچے جو کھیل کھیلتے ہیں ان کے ذریعے اپنے احساسات کا اظہار کر لیتے ہیں بچوں کو اس بات کی آزادی ہونی چاہئے کہ فٹ بال کھیلتے وقت یا دوسرے کھیلوں میں کھردرے طریقے اختیار کر سکیں۔ سماجی برتاؤ کے نام پر جلد بازی کے ساتھ مداخلت کرنے کی وجہ سے یہ رکاوٹ

پیدا ہوسکتی ہے کہ لڑکیاں آزادانہ کھیلوں میں اپنے احساسات کا اظہار کرسکیں۔

جماعت کے اندر مخاصمانہ اظہار پر پابندی عائد کرنا ضروری ہوگا لیکن مکمل طور پر ان احساسات کو دبا دینے کی ضرورت نہ ہوگی۔ بلکہ کھیل کے طریق علاج کے بنیادی عناصر کو کام میں لایا جائے گا۔ یعنی بچہ جیسا بھی ہے اس کو تسلیم کرنا چاہئے ہوسکتا ہے اس میں مخاصمت اور آزردگی پائی جاتی ہو اور سستی کا بھی اظہار ہوتا ہو پھر بھی اس کے کردار کو موافق سمت ملتا جاسکتا ہے بشرطیکہ اپنے موجودہ قابل اعتراض برتاؤ کی وجہ سے وہ ناپسندیدہ نہ ہو۔ استاد کا رویہ دوستانہ ہوسکتا ہے اور اس سے جو گرمجوشی پیدا ہوگی وہ انفرادی فرق کے ان تقاضوں کو پورا کرے گی جن کے بارے میں ہم باتیں زیادہ کرتے ہیں اور عمل کم۔ استاد اس بات کی کوشش کرسکتا ہے کہ بچوں کے احساسات کو سمجھے اور تسلیم کرے استاد کو اس بات کی کوشش نہیں کرنی چاہئے کہ وہ آزادانہ کھیلوں کے درمیان کردار کا بہت زیادہ مطالعہ کرے بلکہ ایسے سراغ لگائے جو تفہیم میں معاون ہوسکیں۔ ان سراغوں کی تصدیق دوسرے معطیوں سے ہوسکتی ہے جیسے استاد کی رپورٹ، شخصی گفتگو، مجموعی ترقی کا ریکارڈ والدین سے مذاکرات اور اس قسم کی دوسری باتیں۔ بچوں کو مدرسے کے کاموں کے انتخاب اور ان کی انجام دہی میں زیادہ آزادی دی جاسکتی ہے۔

"حدود اور احتیاط"

نفسیاتی ڈرامے، سماجیاتی ڈرامے اور کھیل کو تجزیاتی اور معالجاتی طور پر استعمال کرنے کا کام خصوصی ماہرین کا ہے۔ چنانچہ نہ تو اس کی توقع کی جاسکتی ہے اور نہ یہ مستحسن ہی کہ استاد درجۂ جماعت کو کلینک میں تبدیل کردے۔

"غلط ترجمانی سے صحیح نتائج کم غلط نتائج زیادہ برآمد ہوتے ہیں جب تک استاد خصوصی طور پر تربیت یافتہ نہ ہو ان کو باقاعدہ ترجمانی سے پرہیز کرنا چاہئے اس کو اس بات کی بھی کوشش کرنی چاہئے کہ انفرادی طور پر بچوں کی ان جذباتی الجھنوں کی اصلاح کرے جن کی جڑیں بہت گہری ہوچکی ہوں۔ چنانچہ ہر استاد کو جو اپنے شاگردوں کی رہنمائی کا خواستگار ہے جتنی جلد ممکن ہو ان تخلیلی ضابطوں کے امکانات سے واقفیت پیدا کرلینی چاہئے جو شاگردوں میں شخصیت کی نمو کے لئے معاون ہوسکتے ہیں اور تفہیم کا وسیلہ بنتے ہیں۔"[1]

مذکورہ بالا تکنیک کو استعمال کرنے میں کوئی خطرہ نہیں ہے کہ کمرۂ جماعت میں نفسیاتی ڈرامہ

اور کھیل کا ایک مقام ہے۔ خطرہ بے جا ترجمانی میں ہے۔ زیادہ تر کھیلوں میں نقل ہی ہوتی ہے
۔ ڈرامائی صورتحال میں مشارکت کا لازمی طور پر یہ مطلب نہیں کہ شخص احساسات کا اظہار ہو۔ ادا
۔ کار خلوص کے ساتھ وہ اداکاری کر سکتا ہے جو اس کی سمجھ میں ایک اداکار سے متوقع ہے اور اس
۔ صورتحال کے بارے میں جو کچھ اس نے پڑھا ہے یا سنا ہے وہیں سے اس کے خیالات جنم لے
۔ سکتے ہیں۔ اگر ہر بچہ محسوس جذبات میں مبتلا نظر آئے تو اس وقت اس تکنیک کو سرے سے ترک
کر دینا شاید زیادہ مناسب ہو۔

ان ضابطوں کو واحد قطعی علاج نہیں سمجھنا چاہئے استاد کی جانب سے دوستی اور آزادی
۔ کا ماحول پیدا کرنے کے باوجود ہو سکتا ہے شاگردوں کے اندر خفیہ تناؤ موجود ہو بعض شاگردوں
۔ نے اپنے مسائل کو کامیابی کے ساتھ حل کیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے عام مسائل حل
ہو گئے چنانچہ اس بات کی مکمل کوشش ہوتی رہنی چاہئے کہ فوری صورتحال اور مخصوص فرد کے
حسب حال نئے طریقہ کار دریافت کئے جائیں مزید برآں یہ بھی ممکن ہے کہ بعض بچے یہ محسوس
کرنے لگیں کہ ان کے اعمال پر احتساب کیا جاتا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اگر کوئی بچوں کے
اعمال سے ایسا واسطہ رکھے جو ان کی دیکھ ریکھ سے متعلق ہوں تو ان میں تحفظ کا مزید احساس
پیدا ہو سکتا ہے۔

کمرۂ جماعت ایک نفسیاتی معمل نہیں بن سکتا۔ جن بچوں کو مشکلات درپیش ہوں۔
۔ ان کی معاونت کی خواہش کے تحت خوش و خرم اور مستعد بچوں کی رہنمائی کی مستقل ذمے داری
۔ کو فراموش نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جماعت کی آبادی بیشتر انہیں بچوں پر مشتمل ہے۔ یہ بات
۔ بری ہو سکتی ہے لیکن پورے گروپ کے مفاد کے پیش نظر کسی ایک کی آزادروی پر پابندی
لگائی جا سکتی ہے یہاں توازن پیدا کرنے میں احتیاط برتنی چاہئے ایسی آزادروی سے
پرہیز کرنا چاہئے جو تابعداری اور فرمانبرداری کی جانب لے جائے۔ جب تک بچوں کو یہ سیکھنے
۔ کا موقع نہ ملے کہ وہ اپنے مسائل خود حل کر سکیں اس وقت تک وہ آزادی کا انمول سبق نہیں
سیکھ سکتے۔

احتیاط ذہن نشین کرنے کے بعد یہ ضابطے اختیارات کے دلچسپ مواقع فراہم کرتے
ہیں جیسے شاگردوں میں مزید نمو پیدا کرنے اور پیشہ ورانہ بالیدگی کے مواقع مگر استاد میں
مہربانی، انکساری اور خلوص کی کمی ہو تو ریاضی اور خواندگی کی تعلیم میں بھی خطرات لاحق ہو سکتے

ہیں بچے کی تفہیم کی اہمیت اتنی مسلّم ہے کہ تفہیم پیدا کرنے کا کوئی بھی موقع نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

خلاصہ

اداکاری اور آزادانہ کھیل ایسے تظلیلی ضابطہ ہیں جو کلینکی صورتحال میں پروان چڑھے ہیں لیکن استاد جماعت کے لئے ان میں مفید اشارے ملتے ہیں یہ ایسی ترکیبیں ہیں جن سے تحت کردار کا پتہ چلتا ہے جنھیں فرد نہ تو خود سمجھتا ہے اور نہ لسانی طور پر اس کا اظہار کر سکتا ہے۔

نفسیاتی ڈرامہ ایک تظلیلی ضابطہ ہے جس کے ذریعے فرد کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے یا اس کو اپنے احساسات سے چھٹکارا پانے کا موقع دیا جاتا ہے اداکاری میں چونکہ دوسرے لوگ بھی شامل ہوتے ہیں اس لئے نفسیاتی ڈرامہ سے بھی اس کا رشتہ جڑتا ہے یہ گروپ کی تفہیم اور معاونت کی ایک تکنیک ہے۔

اداکاری میں بعض بنیادی عناصر شامل ہوتے ہیں یعنی اداکار کسی صورت حال سے اپنا تمثل پیدا کرتا ہے صورتحال سے خود کو متعارف کراتا ہے (استاد کے ذریعے زبانی بیان یا کہانی سناتا ہے) اور صورتحال کی اداکاری کرتا ہے اداکار اور سامع تجزیہ اور پیمائش قدر کرتے ہیں پھر شاگرد اور استاد بھی تجزیہ اور پیمائش قدر کرتے ہیں۔

مقاصد کی تلخیص اس طرح کی جا سکتی ہے کہ یہ شاگردوں کی متوازن نمو کی ایک کوشش ہے۔ اداکاری سے شخصی روابط کی تحریک پیدا ہوتی ہے عام مگر اہم صورتحال میں اس کے ذریعے لسانی ابلاغ کی مشق کا موقع ملتا ہے یہ اشتراک باہمی کے ساتھ کام کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور اس سے ایک دوسرے کے احترام کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔

آزادانہ کھیل کی بنیاد اس اس خیال پر ہے کہ فرد جو کچھ کرتا ہے اس کی اتنی اہمیت نہیں ہے جتنی اس بات کی ہے کہ اس کو آزادی کے ساتھ اپنے اپنے ماحول کی دریافت و جستجو کا پورا موقع ملتا ہے۔ بچہ چونکہ جس طرح محسوس کرتا ہے اسی طرح بے ساختہ طور پر کھیلنے لگتا ہے اس لئے کھیل کے ذریعہ ان احساسات کی بصیرت کا موقع ملتا ہے جن کا لسانی اظہار بہت مشکل ہوتا ہے۔

آزاد کھیل کے بنیادی عناصر عمدہ طریقہ تدریس اور استاد کی موزونی شخصیت کے مترادف ہیں دوستی اور گرمجوشی سے استاد اور شاگرد کے درمیان رشتہ پیدا ہوتا ہے اسکے

تحت بچہ جیسا ہے اسی طرح اس کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ بچے کو اس بات کی آزادی ہوتی ہے کہ وہ اپنے باطنی احساسات کا اظہار کر سکے اور اس طرح خود اپنی تفہیم میں اضافہ کر سکے۔ کھیل کے طریقۂ علاج اور تعلیمی حصول میں یہ بات شامل ہے کہ نمو کا عمل سست ہوتا ہے اور اس کے لئے صبر و تحمل کی ضرورت ہے۔

آزاد کھیل پڑھانے کی ترکیب کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ آزادی کے ساتھ بھرپور طریقے پر کھیلنے سے باطنی تناؤ کو دور کرنے کا موقع ملتا ہے اس کی وجہ سے شخصیت میں ایسی لچک پیدا ہو جاتی ہے جس سے بچے کو اپنے بس بھر خوب کام کرنے کا موقع ملتا ہے۔

چونکہ کھیل اور نفسیاتی ڈرامہ کلنکی تکنیک ہیں اس لئے استاد کو انہیں ضرور استعمال کرنا چاہئے اور استعمال کرتے وقت بعض احتیاطی تدابیر بھی اختیار کرنی چاہئے۔ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

(۱) بے جا ترجمانی اور کردار میں بہت سی باتیں دیکھنے سے احتراز۔ (۲) آزاد روی کی اجازت اتنی نہیں ہونی چاہئے کہ خود بچوں کو اور ملکیت کو خطرہ لاحق ہو اور نہ اتنی پابندی عائد کیجائے کہ مناسب خود مختاری کی نشو و نما میں رکاوٹ پیدا ہو جائے۔ (۳) کمرۂ جماعت کو کلنک نہیں بنانا چاہئے ایسے بہت سے بچے ہوتے ہیں جو معمولاً تندرست اور خوش و خرم ہوتے ہیں اس لئے کسی ایک بچے کے لئے جو مسائل سے دوچار ہو یہ بات معمول ہو سکتی ہے کہ وہ استاد کے اوقات پر اجارہ داری حاصل کرلے داس قسم کی احتیاط برتی گئی تو یہ تکنیک بچوں کی بہتر تفہیم کے حصول کا معقول ذریعہ بن سکتی ہے۔ بچوں کی تفہیم جتنی عمدہ ہوگی اسی قدر مفید جذباتی اثرات بھی ہوں گے

مطالعے اور مباحثے کی مشقیں

(۱) کھیل اور تخلیقی ڈرامہ کس اعتبار سے مصوری اور ڈرائنگ سے مشابہ ہے۔؟

(۲) ڈرامے، سماجیاتی ڈرامے اور نفسیاتی ڈرامے میں امتیاز کیجئے۔

(۳) اپنے جماعتوں سے اس بات پر مذاکرہ کیجئے کہ کامیابی کے ساتھ سماجیاتی ڈرامے کو استعمال کرنے کے لئے نفسیاتی رخ کا ہونا ضروری ہے۔

(۴) اپنے ساتھی طالب علموں کی مدد سے نفسیاتی ڈرامے کی تلخیص ایک جملے میں مرتب کیجئے۔؟

(۵) ایک ایسی کمیٹی کی تنظیم کیجئے جو سماجیاتی ڈرامے کے منصوبے کا خاکہ تیار کرے اور درجے کے اندر اس کا تجربہ کرے۔

(۶) مدرسے کے اندر ایسی کئی صورت حال پیش کیجئے جن کی وضاحت سماجیاتی ڈرامے کے استعمال سے ہو سکتی ہے۔

(۷) کھیل کے معاصر ترقیاتی خصوصیت کے نظریے میں والدین کے لئے کس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

(۸) کسی عمر کے بچوں کے ایک گروپ کا مشاہدہ کیجئے۔ ایسے کون سے سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کے بارے میں آپ کا خیال ہے کہ زیادہ تفتیش و جستجو کی ضرورت ہے۔
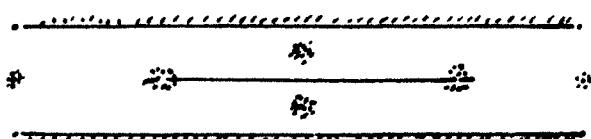
(۹) آزاد کھیل کی معالجاتی افادیت ہے بچوں کی پابندیوں کو سمجھے بغیر اس بات کا جائزہ لیجئے۔

(۱۰) آپ کے خیال میں غیر ہدایتی کھیل کے طریق علاج کے کون سے بنیادی اصول ہیں جو آپ کے خیال میں استاد جماعت کے لئے بہت کم افادیت رکھتے ہیں۔

(۱۱) کھیل کو تدریسی تکنیک کے طور پر استعمال کرتے ہوئے چند ایسے مواقع پیش کیجئے جو آپ کی نظر سے گزرے ہوں۔

(۱۲) کھیل کے معالجاتی طریقوں کے بنیادی عوامل سے استاد کی ناواقفیت کے باوجود کیا کھیل بچوں کی اخلاقی حالت کا معمار بن سکتا ہے۔

(۱۳) اس باب میں جن حدود کا ذکر کیا گیا ہے کیا آپ کی نظر میں ان کے علاوہ بھی کچھ ایسی پابندیاں ہو سکتی ہیں جو آزادانہ کھیل کے دوران استاد جماعت ملحوظ رکھے۔

باب ۱۶

ذہنی حفظانِ صحت سے متعلق حدود اور احتیاط

اس کا امکان نہیں ہے کہ بنی نوع انسان کامیاب زندگی گزارنے کے تمام رازہائے سربستہ کبھی بھی دریافت کر سکے۔ مکمل ذہنی صحت کے حصول کی کنجی بھی شائد اتنی ہی مغالطہ آمیز ہے جتنی پونس ڈی لیوں کے چشمۂ شباب کی تلاش تاہم یہ امید پائی جاتی ہے کہ بہتر ذہنی صحت کے طور وطریق حاصل کئے جا سکیں۔ فی الوقت ذہنی صحت پر بہت زیادہ توجہ دی جارہی ہے۔ گزشتہ پچاس برس کے اندر میڈیکل سائنس میں جس قدر ترقی ہوئی ہے اسی کے مساوی ذہنی صحت میں بھی ترقی ہونے کا امکان پیدا ہوگیا ہے۔ چنانچہ موجودہ نظریات اور عقائد کی اصلاح کی جارہی ہے۔ ان میں سے بعض کو ترک کر دیا جائے گا اور بعض کی اہمیت بڑھا دی جائے گی۔ اس دوران بعض ایسے عوامل پر غور کرنا سودمند ہوگا جن کے ذریعے اس بات کی تاکید ہوتی رہے کہ ذہنی حفظان صحت کے بعض پہلوؤں کو تسلیم کرنے میں انتہاپسندی سے کام نہ لیا جائے۔

ایک متوازن طرزِ خیال کی ضرورت

اکثر بچے نارمل ہوتے ہیں

اس کتاب میں اس ضرورت پر زور دیا گیا ہے کہ جو کردار نارمل سے انحراف کرتے ہیں ان پر توجہ کی جائے۔ نارمل کی تعریف سے ہی ظاہر ہوتا ہے کہ انحراف ایک استثنا ہے۔

اس لئے اساتذہ کو یہ ضرور یاد رکھنا چاہیئے کہ مطالعہ فرد کے موضوع پر ذہنی حفظانِ صحت کے جو رسالے لکھے گئے ہیں ان کا تعلق آبادی کے تھوڑے تناسب سے ہے۔ اس کتاب کے زیادہ تر حصوں میں ہمارا واسطہ صرف اس ایک سے ہے جو اس بیان میں درج ہے۔ "ہر بیس میں سے ایک ذہنی بیماری کے اداروں میں ہے، رہا ہے یا رہے گا۔" ایسا نہ ہو ہم نے غیر متوازن طرزِ خیال پیدا کر لیا ہو۔ ایک معیار کے بعد اس امر پر غور کر لینا چاہیئے کہ ہر بیس میں انیس معقول ذہنی صحت کے حامل ہیں۔ شخصی ذہنی صحت کے لئے مناسب ماحول اسی وقت پیدا کیا جا سکتا ہے جب اس امر کو ذہن نشین کر لیا جائے کہ مدرسے اور مدرسے کے باہر وسیع سماجی ماحول میں بیشتر لوگ بخوبی مطابقت رکھتے ہیں اور کافی تعداد میں بچے نارمل ہوتے ہیں۔

"ایک بلبل کے نغمہ سنج ہونے سے بہار نہیں آجاتی" بارش کے ایک قطرے سے سیلاب نہیں آجاتا۔ ذہنی طور پر ایک غیر صحت مند بچہ پورے سماج کو مریض نہیں بناتا۔ ایک علامت سے کوئی شخص ذہنی مریض نہیں بن جاتا۔ ایسے لوگ بھی جن کی جسمانی صحت بہت اچھی ہوتی ہے کبھی کبھی دردِ سر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کبھی کبھار موچ آجاتی ہے اور کبھی کبھی گہری نیند نہیں آتی۔ کوئی بھی شخص جو انسانی رشتوں کے میدان میں کام کر رہا ہو جیسے استاد، اسے یہ ضرور تسلیم کرنا چاہیئے کہ کل شخصیت بہت سے امتیازی اوصاف کا مجموعہ ہے۔

"چونکہ ریاستہائے متحدہ میں پندرہ برس سے کم عمر کے بچوں کی تعداد ۳۰ ملین ہے اور چونکہ ان میں سے ہر فرد کم سے کم ایک ناپسندیدہ عادت یا کردار کا حامل ہے بلکہ زیادہ کا بھی امکان ہے اور چونکہ فی خاندان بچوں کا اوسط ۲ ہے اس لئے یہ بات معقول معلوم ہوتی ہے کہ ریاستہائے متحدہ کے تقریباً ۳۰ ملین والدین کسی قدر حالتِ ضیق میں مبتلا ہیں۔"[1]

مذکورہ بالا بیان سے اساتذہ کو دو باتوں کا پتہ چلتا ہے۔ ایک یہ کہ ۳۰ ملین میں سے بعض بچے جماعت کے اندر کسی ناپسندیدہ عادت کا مظاہرہ کریں گے اور دوسرے یہ کہ اساتذہ مسائل سے نبٹنے کے لئے جس قدر مشکلات سے دوچار ہوتے ہیں وہ ایک نارمل صورتِ حال ہے۔ ماضی کے ریکارڈ پر بھروسہ کر کے ہم یہ توقع کر سکتے ہیں کہ بیشتر بچے ایسے بالغ بن جائیں گے جو نارمل ہوں۔

متروک نظریات بھی جائز ثابت ہو سکتے ہیں

ذہنی حفظان صحت کے لئے ایک متوازن نظریئے کی ضرورت ہے اس کا اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ بعض قدیم نظریات پھر سے قبولیت حاصل کر رہے ہیں۔ یہ تصور کہ بچوں سے پیار کرنا چاہیئے ان کو بغل گیر کرنا چاہیئے اور ان کی دلجوئی کرنی چاہیئے ہماری دادی کے وقت میں بھی مقبول تھا۔ ۱۹۴۰ء کے دہے میں یہ خیال کارفرما تھا کہ بچوں کی قدرتی ضروریات کی تسکین دہی کافی ہے چنانچہ یہ محسوس کیا جاتا تھا کہ بچہ جب رو رہا ہو تو اس کو گود میں نہ اٹھایا جائے۔ جب اس کو ٹکر لگ جائے تو اس کے ساتھ کوئی ہمدردی نہ کی جائے اور جب وہ پابندی اوقات سے انحراف کرے تو سختی کے ساتھ اس سے معمولات کی پابندی کرائی جائے اس طرح اس کو بگڑنے سے بچا لیا جاتا تھا آج اتفاق رائے اس بات پر ہے کہ بچے پر پیار کی بوچھار کی جائے اور اس کی نفسیاتی اور قدرتی دونوں قسم کی حاجتوں کو پورا کیا جائے۔

ایک زمانہ تھا جب سختی کے ساتھ واجب سزا دینا والدین کی ذہانت سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ بعد میں یہ مقبول عام نظریہ پیش کیا گیا کہ سزا سے قطعی طور پر پرہیز کیا جائے اور تلون مزاج بچے کے لئے کوئی بدل مشغلہ ڈھونڈا جائے۔ نہ تو یہ نظریہ یکساں طور پر تسلیم کیا گیا اور نہ رد کیا گیا۔ بچوں کی نشوونما پر جو بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں آج اس بات کو مشروط طریقے پر تسلیم کیا گیا ہے کہ کافی سزا سے بھی بچوں کو نقصان نہیں پہنچتا بلکہ درحقیقت اس سے فائدہ ہوتا ہے۔ والدین اور اساتذہ کو بچوں کی متناسب نشوونما کے لئے جس قسم کے اثرات پیدا کرنے ہیں وہ اس قدر پیچیدہ عمل ہے کہ اس سے متعلق بہت سے مسائل کا کوئی یقینی حل فراہم کرنا آسان نہیں۔ جن لوگوں نے یہ نظریات مرتب کئے ہیں ان میں خود بھی مکمل اتفاق نہیں ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ماہرین سے کسی قسم کی رہنمائی نہ حاصل کی جائے۔ اس میں بہت کم شبہہ نظر آتا ہے کہ ہم ترقی کی راہ پر گامزن ہیں لیکن ماضی کے تجربات سے ظاہر ہوتا ہے کہ بچوں کی پرورش اور رسمی تعلیم دونوں کاموں میں جو مخصوص نظریات کے خلاف ردعمل ہے (جو غلطی پر مبنی نظر آتا ہے) اس کی شدت پسندی ہمیں دوسری انتہا

تک لے جاتی ہے جو اس قدر قابلِ ملامت ہے۔ جس قدر غلط ترجماتی۔ لہٰذا اس نظریئے کا ذکر یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے نئے پروگرام میں انفرادی فرق کی جانب توجہ دی جائے۔ تعیمات سے مفید معلومات فراہم ہوتی ہیں لیکن دانش مندی کے ساتھ اگر رہنمائی کی جائے تو رہنمائی حاصل کرنے والے اور رہنمائی کرنے والے دونوں کی شخصی خصوصیات کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ مختصراً یہ کہ ماہرین کے مناسب مشوروں کے ساتھ ساتھ روزمرہ کے معالجوں کی عام سمجھ بوجھ کا بھی اس میں دخل ہونا چاہیے۔

ماحول اور وراثت دونوں سے شخصیت کی تشکیل ہوتی ہے

ذہنی صحت پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کی تفہیم کی اساس اس متوازن طرزِ خیال پر ہے جس میں توارث اور ماحول دونوں کو ملحوظ رکھا جائے چونکہ ہم بحیثیت استاد ماحول میں ردوبدل کر سکتے ہیں۔ اس لئے ہم اس اعتماد پر بھی قائم رہ سکتے ہیں کہ تحریک اسی ماحول سے پیدا ہوتی ہے۔ ہم جو کچھ کر سکتے ہیں۔ اس کا تعلق بچوں کے گردوپیش کے حالات سے ہے ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ توارث، نشوونما کی حدود کا تعین کرتی ہے اگر اس حقیقت کو تسلیم نہ کیا گیا تو اس کا امکان ہے کہ تاثیر باقی نہ رہے۔ استاد کی بہترین کوششیں بھی کبھی کبھی نکمی ثابت ہوتی ہیں ماحول پر بیجا زور دینے سے اس بات کا احساس پیدا ہو سکتا ہے کہ شخصیت فضول شے ہے۔ اور یہ بھی محسوس کیا جا سکتا ہے کہ ماحول میں جو ردوبدل کیے گئے ہیں وہ درست نہ ہوں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر یہ تصور کارفرمانہ ہوتا کہ بچے کی توارث امکان قوتیں اس کی نشوونما پر پابندی عائد کر دیتی ہیں تو ماحول کی یہ تبدیلیاں بہت درست ثابت ہوتیں۔

اگر توارث یا ماحول کی اضافی اہمیت کا انتہاپسندانہ طرزِ خیال تسلیم کر لیا جائے تو بچے کو نقصان پہنچنے کا امکان ہے۔ ایک طرف انتہاپسند ماحول پرست کسی بچے سے یہ خوفناک جھوٹ کہہ سکتا ہے "اگر تم محنت سے کام کرو تو جو کچھ بھی کرنا چاہو کر سکتے ہو۔" یہ بیان انتہائی دروغ پر مبنی ہے اور اس قسم کا عقیدہ بہرکیف خطرناک ہے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو۔ اگز۔ امنٹ میں کبھی نہیں دوڑ پائیں گے۔ اور نہ آرتھر آئنسٹائن اور فزکرسلر کی طرح کبھی کھیل پائیں گے۔ یہ دونوں کئی برس پڑھنے کے باوجود کالج سے پاس نہیں

کر پائے۔ توارث ایسی حدود مقرر کر دیتی ہے (ہمیں اس بات کا یقین نہیں کہ وہ حدود کیا ہیں) جن کو کبھی پار نہیں کیا جا سکتا چاہے ماحول کتنا ہی موافق کیوں نہ ہو۔ قدیم مدارس کے مقابلے میں آج کے مدرسوں کا ایک وصف یہ ہے کہ ہر شخص کو ایک ہی وقت میں ایک ہی رفتار سے ایک ہی کام کرنے پر بہت کم زور دیا جاتا ہے انتہا پسند توارث پرست اتنے ہی خطاوار ہیں جتنے ماحول پرست جو اپنی بات پر اڑے رہتے ہیں اور یہ فرسودہ جملہ دہراتے ہیں۔ "تم ایک قابل آدمی کو دبا کر نہیں رکھ سکتے" "فطانت ظاہر ہو کر رہے گی" جبکہ یہ معلوم کرنے کا کوئی طریقہ نہیں کہ کتنے قابل آدمی دبا دیئے گئے ہیں۔ یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں کی قابلیتیں بعد میں نمودار ہوئیں ان کے ابتدائی حالات ان کی توارثی صلاحیتوں کی نشو و نما کے لئے سازگار نہیں تھے۔ یقیناً اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ وہ تمام لوگ جنھیں اعلیٰ قدر ذہانت کی وجہ سے برتری حاصل ہے در اصل ایسی لیاقت نہیں حاصل کر پاتے جس کو فطانت کا نتیجہ کہا جا سکے۔ مدرسے کا استاد جب جانچ کے شمارات کو ادنیٰ پاتا ہے اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ وہ بچے کو کچھ بھی پڑھانے سے قاصر رہے گا تو اس کا رجحان توارث کے انتہا پسندانہ نظریے کی جانب ہوتا ہے۔ اس انتہا پسندی سے غبی اور ذہین دونوں کے لئے عملی خطرات لاحق ہیں چنانچہ ان لوگوں کے لئے کوئی امید باقی نہیں رہتی جن کی خداداد صلاحتیں محدود ہیں اور وہ لوگ جو خداداد صلاحیتوں کے حامل ہیں ہر قسم کی تحریک ذہنی سے بے نیاز ہوتے ہیں کیونکہ ان کی کامیابی تو یقینی ہے

اس متضاد فیہ گفتگو سے متعلق متوازن نقطہ نظر یہ ہے بچے کی نامعلوم توارثی ساخت کے پیش نظر استاد بچے کو اسی حیثیت سے تسلیم کرے جیسا وہ ہے اور جس قدر بھی وہ بچے کے لئے کوشاں ہو سکتا ہے کوشش کرے۔ جہاں تک سست رفتار بچے کا تعلق ہے اگر وہ تھوڑی سی بھی ترقی کرے تو استاد کو چاہیئے کہ بہت صبر کے ساتھ اس کی پیمائش قدر کرے البتہ اس بچے کے لئے جو زیادہ امکانی قوتوں کا حامل ہو اس نقطہ نظر کا مطلب ہے کہ ضمنی پروجیکٹ اور متنوع مشاغل کی شکل میں مزید مطالعہ کے لئے زیادہ ہیج فراہم کئے جائیں اس کا مطلب ہے کہ دونوں قسم کے بچوں پر نظر رکھی جائے اور دیکھا جائے کہ عصبی المزاجی کی علامتیں تو نہیں ظاہر ہو رہی ہیں جیسے ناخن کاٹنا، بے چینی اور ایسی دیگر علامتیں متوازن نقطہ نظر کا تقاضا ہے کہ چاہے وسائل بہت کم ہوں، نشو و نما کی امید مستقل قائم رکھی جائے۔

ماحول سے شخصیت کی تشکیل ضرور ہوتی ہے لیکن یہ صرف ایک معاون عامل ہے۔ دوسرے عوامل کو جو جسم نامی اور ماحول کے تفاعل سے پیدا ہوتے ہیں، ضرور ملحوظ رکھنا چاہئے یہ عوامل، استحکام، جسمانی صحت اور طاقت، کامیابی کے ارادے اور بلاشبہ افراد کی ذہنی حیثیت و صلاحیت پر مشتمل ہیں۔

اوائل اور بچپن کے اثرات

اوائل بچپن کے تجربات کی اہمیت سے متعلق بہت سی باتیں کہی گئی ہیں ان میں سے مثالی باتیں حسب ذیل ہیں۔

"بچپن کے تجربات اور ان تجربات کی یادیں جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے فرد کی شخصیت پر ان مٹ تاثر ڈالتی جاتی ہیں وہ بچہ جس کا بچپن خوش و خرم گزرا ہے اس کے مقابلے میں زندگی کا ایک بالکل ہی مختلف نظریہ رکھتا ہے جس کے ابتدائی ایام مستقل طور پر مزاحمت افسردگی اور جذباتی تناؤ میں گزرے ہوں۔ باوجودیکہ بچے کی عمر کے ساتھ ساتھ ماحول کے حالات بہتر ہوتے جاتے ہیں لیکن ان ناخوشگوار تجربات کی یاد مکمل طور پر فراموش نہیں ہو پاتی اور نہ ہی ان کے اثرات شخصیت سے پورے طور پر زائل ہو پاتے ہیں۔" ؎

یہ باتیں صحیح ہونے کے باوجود ان پر دھیان دیتے وقت قاری کو محتاط ہونا چاہئے کہ "پورے طور پر کبھی فراموش نہیں ہو پاتیں" اور "نہ ہی پورے طور پر زائل ہو پاتی ہیں" مختصر یہ کہ اوائل بچپن کے تجربات بالغ کی شخصیت کو کوئی قطعی اور ناقابل تنسیخ شکل نہیں دیتے بلکہ عام رجحانات پیدا ہو جاتے ہیں اور بعد کی بالیدگی کے لئے بنیاد پڑ سکتی ہے۔ لیکن شخصیت اور فرد کی بالیدگی کسی نہ کسی سمت عمر بھر ہوتی رہے گی۔

بعض ماہر نفسیات اور نفسیاتی معالج یہ بات کہتے ہوئے اس حد تک بڑھ جاتے ہیں کہ سماج میں اتنے بڑے پیمانے پر جو خلل اعصاب کا مرض پیدا ہو گیا ہے اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ امریکی مائیں اپنے بچوں کو ٹوائلٹ کی ٹریننگ میں بہت تشویش کا اظہار کرتی ہیں اور اس حد تک تاکید کرتی ہیں کہ دباؤ کے تحت بچوں کے اندر تناؤ پیدا ہو جاتا ہے جو پوری عمر قائم رہتا ہے اسی نظریئے سے متاثر ہو کر ٹوائلٹ کی ٹریننگ سے متعلق نظریات بدلتے جا رہے ہیں یہ ٹریننگ چار برس، آٹھ برس یا کسی ایسی ہی من مانی مدت سے شروع کرنی

چاہیئے یہ بات دس برس پہلے تو پڑھنے میں آتی تھی۔ لیکن آج بہت کم نظر آتی ہے۔ آج تو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ اس وقت تک انتظار کیا جائے جب تک بچہ کچھ گفتگو کرنے اور ہدایات کو سمجھنے کے قابل نہ ہو جائے۔ مختصر یہ کہ متوازن نقطہ نظر کی رو سے اوائلی اثرات ضرور قائم ہوتے ہیں۔ لیکن بالیدگی کی نوعیت کو سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ اوائلی اثرات پہلے ہی دباؤ کی شکل نہیں اختیار کرتے۔

تعلیم کی تمام تر امید اور بہتر ذہنی صحت کی نشوونما اس مفروضے پر ہے کہ بالیدگی ایک مسلسل عمل ہے۔ اساتذہ جب شاگردوں کے گزشتہ تجربات فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ اساتذہ اوائل بچپن کے اثرات کو نظرانداز نہیں کرتے بلکہ ایک سمجھ دار استاد اس علم کی بنیاد پر ایک ایسا پروگرام مرتب کرتا ہے جو بچے کے لئے موزوں ہو۔

ضروری نہیں کہ اساتذہ سبھی بچوں کے ساتھ کامیاب ہوں

ضرورت اس متوازن طرزِ نظر کی ہے کہ ہر بچے کے ساتھ کس حد تک کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہ ممکن ہے اور اغلب بھی ہے کہ بہترین اساتذہ بھی بعض بچوں کے ساتھ ناکام رہتے ہوں۔ دو افراد کے درمیان رابطہ پیدا کرنے کے تمام عوامل کا ابھی تک نہ تو علم حاصل ہو سکا ہے اور نہ تجربہ کیا جا سکا ہے۔ بعض اساتذہ خاص طور سے کچھ طالب علموں کے ساتھ موثر ثابت ہوتے ہیں۔ دیگر اساتذہ بھی کچھ وقت تک اسی قدر موثر ثابت ہوئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ بچوں سے ایسے نتائج نہیں حاصل کر پاتے جو سہولت کے ساتھ دوسرے اساتذہ حاصل کر لیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک بچہ کسی ایک استاد کو اپنے قابل تعظیم والدین کا مثنیٰ سمجھتا ہو جبکہ دوسرا استاد والدین کی ایسی ضد نظر آتا ہے کہ رابطہ پیدا کرانا مشکل یا ناممکن ہو جائے تصور استاد کا خود اپنا ہو سکتا ہے۔ شاید نیم شعوری طور پر وہ اس بچے کو ایک مثالی بچے کے برعکس سمجھتا ہو اور اس کی قبولیت میں دشواری محسوس ہوتی ہو۔ بہرکیف جس طرح بھی اس کی تشریح کی جائے واقعہ یہ ہے کہ بہت سے اساتذہ دوسروں کے مقابلے میں بعض بچوں کے ساتھ زیادہ کامیاب رہتے ہیں۔ ان کے اساتذہ کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس صورت حال

سے احساس ناکامی نہیں پیدا ہوتا۔

کامیاب تدریس کے مفہوم میں اگر توازن پیدا کرنا ہو تو یہ سچائی تسلیم کرنی پڑے گی کہ بعض بچوں کے ساتھ ناکامی قابل معافی ہے۔ لیکن بعض کے ساتھ کامیابی حاصل کرنا ضروری ہے۔ بے شک روایتی طریقے کام میں لائے جائیں لیکن جدید طرز نظر اپنانے چاہئیں، نئے نظریات وضع کرنے چاہئیں اور ان کی جانچ بھی کرتے رہنا چاہیے۔ اگر کسی معاملے میں آپ کو ناکامی ہو تو دوسرے اساتذہ بھی ہیں ہو سکتا ہے ان میں سے بعض کو کامیابی حاصل ہو جائے۔ شاید یہ امر واقعہ ہو کہ آپ نے غیر شعوری طور پر ان کی کامیابی کے لئے زمین ہموار کر دی ہو۔ اثرات مدرسے سے باہر کے بھی ہوتے ہیں اور جہاں مدرسے کے اثرات سے بہتر نتائج نہیں برآمد ہوتے وہاں بیرونی اثرات سے ہی فائدہ ہوتا ہے۔ نتائج کا جائزہ لیتے وقت اساتذہ کو معروضی ہونا چاہیے۔ جہاں تعریف واجب ہو اپنی بھی تعریف کرنی چاہیے۔ جہاں غلطی سرزد ہوئی ہو وہاں خود کو مورد الزام بھی سمجھنا چاہیے۔ اور جب ان میں سے کوئی صورت نہ ہو تو تعریف اور الزام دونوں سے باز رہنا چاہیے۔

معاصر عقائد مغالطہ آمیز ہو سکتے ہیں

ہمیں یہ اعتقاد تو رکھنا چاہیے کہ سائنسی علم آج ایسی منزل پر پہنچ گیا ہے جہاں کسی مغالطہ آمیز عقیدے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ گزشتہ نسل کے مفکرین بھی یہ محسوس کرتے تھے کہ ان کی بصیرت میں غلطی کا امکان بہت کم ہے۔ بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ذہنی حفظان صحت کا طرز نظر عمل تعلیم کی نوعیت تعلیم کے نظریات اور پرورش اطفال کے طریقے وقت کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ اس طرز نظر کے مطابق غلطیاں اس لئے سرزد ہوتی رہی ہیں کہ جو نظریہ آنکھ چڑھ جاتا اس پر بہت زیادہ زور دیا جانے لگتا۔ یہ بات صحیح ہو سکتی ہے اور ممکن بھی کہ معاصر عقاید محض تکرار کی بات نہ رہے ہوں چونکہ یہ نظریات وجدانی رائے اور قیاس پر نہیں بلکہ بڑی حد تک باقاعدہ مشاہدے سے حاصل کئے ہوئے تجرباتی شواہد معطیے پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس لیے پہلے کے مقابلے میں اس کا کم امکان ہے کہ کوئی فاش غلطی سرزد ہو جائے۔ تاہم عقلمندی کا تقاضا ہے کہ

کہ عقاید کو بدلنے کے لیے تیار رہا جائے۔

جب نفسیات کے گزشتہ تصورات کو جانچ کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو ایسے شواہد ملتے ہیں جن سے اس خیال کو تقویت پہنچتی ہے کہ نظریات کا عارضی ہونا ضروری ہے۔ رسمی ضبط . . . (سخت ذہنی کاوش کے ذریعہ دماغ بہتر ہوتا ہے) کے عقیدے کو ترک کر دینا چاہیئے اس بات کو بیشتر ماہر نفسیات تسلیم کرتے ہیں۔ تاہم آج بھی کچھ ایسے لوگ ہیں جو یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس کے برعکس انتقال تربیت کے نظریے کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیئے یعنی ذہنی عمر کے اندر بذات خود خوبیاں موجود ہیں۔ چاہے فوری طور پر ان کا عملی فایدہ نہ ہو۔ جان۔ بی۔ واٹسن کا یہ خیال کہ بچے کو تنہا چھوڑ دینا چاہیے اس کو گلے نہیں لگانا چاہیے تاکہ وہ اپنی مشکلات پر قابو پانا سیکھ جائے۔ اس کی جگہ ایک بالکل نئے خیال نے لے لی ہے کہ محبت ہم آغوشی، تحفظ ایک مواقق ماحول کا اہم جزو ہیں۔ لیکن آج پھر واٹسن کے اس نظریہ کی طرف لوٹنے کا رجحان نظر آتا ہے کہ بچوں کو بے جا تحفظ نہیں دینا چاہیے۔ بلکہ مشکلات سے نپٹنے کا گر سیکھنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ الجھنوں سے دوچار ہوں۔

ٹھیک ٹھیک یہ بتانا مشکل ہے کہ معاصر خیالات کی رو سے انگوٹھا چوسنے کی کیا تعبیر کی جاتی ہے۔ پھر بھی ذیل کے عقاید میں سے کسی ایک سے اس کی مطابقت ہو سکتی ہے۔ تھپڑ مار کر انگوٹھا چوسنے کی سختی سے مخالفت کرنی چاہیے۔ کڑوی چیز منہ میں ڈالنی چاہیے یا انگوٹھے یا کہنی پر کھپچی باندھ دینی چاہیے۔ انگوٹھا چوسنے کی عادت کو دور کرنے کے لئے مثبت طریقے اختیار کرنے چاہئیں۔ یعنی اس کے لیے دلچسپ کھلونے فراہم کیے جا سکتے ہیں یا ایک ہمہ گیر اور موزوں جذباتی ماحول پیدا کرنا چاہیئے۔ اس عادت سے دانت اور جبڑے کی شکل بگڑ سکتی ہے اور بچہ دوسرے امراض میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ اس سے دانت اور جبڑے کی نشوونما پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ لیکن جوں ہی یہ عادت چھوٹے گی جبڑے کی فطری نشوونما کی وجہ سے کوئی بھی دشواری پیدا ہو سکتی ہے اس دشواری کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ اس کی چوسنے والی جبلت کے استعمال کا کافی موقع نہ ملے۔ چنانچہ اس کے دودھ پینے کی عادت پر سب سے پہلے اثر پڑیگا اس کا سبب یہ ہے کہ بچہ بہت دیر تک چوسنے کا عمل جاری رکھتا ہے اور اس عمل سے

اپنی تسکین اور تسلی کو متلازم کر لیتا ہے اس لیے اس کے دودھ پینے پر اس کا زیادہ جلدی اثر پڑے گا۔ اس عادت کو چھڑانے کی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں اس لیے کہ جتنے دن تک یہ عادت باقی رہے گی اتنی ہی دیر اس عادت کو چھڑانے میں لگے گی۔ بچے کو خود اس بات کا موقع دیجیے کہ وہ اس عادت کو ترک کر دے اس کی بالیدگی کے فطری عمل سے خود انگوٹھا چوسنے کی عادت چھوٹ جائے گی۔ اس کی طرف توجہ دلانے سے عادت پختہ ہی ہوتی جائے گی۔ اس کو بھول جائے اس لیے کہ بار بار توجہ دلانے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا اسی کے ساتھ ذہنی حفظان صحت کا اصول ہمارے سامنے آجاتا ہے "مسائل عموماً اتنے سنگین نہیں ہوتے جتنے وہ رویے ہوتے ہیں جو ان مسائل کی طرف اپنائے جاتے ہیں" اس سلسلے میں کیسے ہی نتائج کیوں نہ برآمد کیے جائیں یہ بات صاف ہے کہ یہاں ایک متوازن نظریے کی ضرورت ہے اور اس کے لیے انگوٹھا چوسنے کی بات کو مثال کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مثال سے یہ امکان بھی واضح ہو جاتا ہے کہ معاصر عقاید مغالطے پر مبنی ہو سکتے ہیں۔

ذہنی حفظان صحت کی زیادہ فکر کرنے میں بھی خطرہ ہے

ذہنی حفظان صحت کے مطالعے میں شاید جو سب سے بڑی خامی ہے وہ یہ ہے کہ طالب علم مذکورہ علامات کو اپنے اندر خود دیکھنے لگتے ہیں۔ اساتذہ جو اس مضمون کا مطالعہ کرتے ہیں وہ اس کی اہمیت سے زیادہ متاثر ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کو اپنے طالب علموں میں عدم مطابقت کی زیادہ علامتیں نظر آنے لگتی ہیں۔ بہت زیادہ مطالعہ باطن میں خطرہ ہے اسی طرح ناکافی مطالعے کی بنیاد پر اگر جلد بازی کے ساتھ کوئی تجربہ کیا جائے تو اس میں بھی خطرات لاحق ہیں کبھی کبھی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نفسیات سے ایسے بہت سے طالب علموں کو دلچسپی ہو جاتی ہے جو اپنی خصلتوں کے سرچشمے تلاش کرنے میں محو رہتے ہیں۔ اس خیال کی تائید کیے بغیر ایک معقول مفکر اس بات یقین کر سکتا ہے کہ نفسیات کے مسلسل اور معروضی مطالعے سے کردار بہتر ہونے کا امکان ہے لیکن معروضیت کے عنصر کا موجود

ہونا لازمی ہے۔ ذہنی حفظان صحت کے مطالعے کو اس نیت کے ساتھ شروع کرنا چاہیے کہ کسی ایک خیال کو اتنی اہمیت نہ دی جائے کہ متعلقہ عوامل اور مخالف خیالات کی گنجائش نہ رہ جائے۔

ہمارے سماج میں زیادہ ذہنی انتشار کے واقعات کی یہ تشریح کی جاتی ہے کہ لوگوں کے پاس مطالعہ باطن کے لیے زیادہ وقت ہوتا ہے۔ چونکہ محنت بچانے کے بہت سے طریقے موجود ہیں۔ کام کے اوسط دنوں کی تخفیف، تعطیلات کی زیادہ مقبولیت اور پہلے کے مقابلے میں ذاتی مطالعے کے لیے زیادہ وقت کی فراہمی یہ تمام کیفیات مندرجہ ذیل بیان سے جھلکتی ہے۔ "امریکی گھر گرہستنوں کا کیا کہنا انھیں محنت بچانے کی وافر سہولتیں مبارک جن پر غیر ملک کی بہنیں رشک کرتی ہیں۔ امریکی گھر گرہستن کو ذرا بھی کام کی زیادتی میں مبتلا نہیں ہونا پڑتا۔ تاہم یو۔ ایس رپورٹ میں یہ نکتہ چینی کی گئی ہے کہ گھر گرہستنوں میں خلل اعصاب عام ہے لیکن ضروری نہیں کہ بقیہ آبادی سے زیادہ ہو۔ تمام ساز و سامان ہوتے ہوئے بھی وہ اکثر تھکن کی شکایت کرتی ہیں[۳۵]

رابرٹ کہلن (Robert Koughlan) اس انتہائی تشویش پر زور دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ مڈیکل سائنس نے بچوں کی اموات کو کم کر دیا ہے۔ والدین اپنے بچوں کو زندہ رکھنے کی فکر کم کرنی پڑتی ہے اور وہ اب ذہنی صحت کی فکر میں مبتلا ہو گئے ہیں۔" اس کا آخری نتیجہ کیا ہو سکتا ہے۔ زمانہ خلل اعصاب پکارے گا یعنی خلل اعصاب کا خوف اس قدر طاری ہو جائے گا کہ خلل اعصاب پیدا ہو جائے گا[۳۶]

کیا ان مشاہدات کی بنیاد پر ہم ذہنی صحت کے مسائل پر غور کرنا چھوڑ دیں اور بغیر کسی رہنمائی کے زندگی اور عمل نمو کو خود اپنے دھارے پر چھوڑ دیں؟ یہ واضح ہے کہ 'ہاں' میں جواب مناسب نہیں ہوگا۔ یہاں کھلے طور پر یہ منشا ظاہر ہوتا ہے کہ ذہنی حفظان صحت کے مثبت پہلوؤں کی طرف توجہ کی جائے۔ ہونا یہ چاہیے کہ خوبیوں کا جائزہ لیا جائے اور تعمیری طریقے سے زندگی گزارنے پر زور دیا جائے۔ ساتھ ہی ساتھ منفی خصلتوں کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور مضر عادتوں سے پرہیز کرانا چاہیے ایک متوازن نقطۂ نظر کی رو سے اس کی ضرورت نہیں کہ ذہنی صحت سے متعلق خیالات

کا امتناع اور ارتفا کر دیا جائے۔

غیر مصدقہ عقاید

یہ کہنا عین ایمانداری ہے کہ نفسیات کے میدان میں کسی بھی عقیدے کا ایسا ثبوت نہیں فراہم ہو سکا ہے جو ناقابل تردید ہو اور جس کے بارے میں تمام معطے موجود ہوں۔ نفسیات کے ہر طالب علم اور مختلف مصنفین کے اپنے علاحدہ عقاید ہوں گے جو ثبوت کے بغیر بھی قابل توجہ ہو سکتے ہیں۔ اس باب میں مختلف عقاید سے بحث کی جائے گی اور یہ بتایا جائے گا کہ احتیاط کی کیوں ضرورت ہے یہاں یہ تاثر پیدا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے کہ مذکورہ عقاید دوسرے عقاید کے مقابلے میں زیادہ متنازع فیہ ہیں۔

طرز عمل کا ایک معیار ہے

نفسیات اور تعلیم کی کتابوں میں نارمل کرداروں کا اکثر ذکر کیا گیا ہے دراصل لفظ نارمل کی کوئی ایسی تعریف نہیں ہے جو بالکل درست ہو یا بڑی حد تک صحیح ہو۔ نارمل قد اور وزن کے جدول تو ہوتے ہیں لیکن محتاط عالم اس بات سے خبردار کرتے ہیں کہ افراد کا کوئی مقررہ معیار نہیں ہے۔ ہر شخص کا لحاظ بہ اعتبار اوسط نہیں بلکہ جسم کی ساخت اور ہڈیوں کی بناوٹ کے اعتبار سے کرنا چاہیے۔ ایک بچہ جو جدول سے ۱۰ پونڈ انحراف کرتا ہو اپنے جسمانی نظام کے اعتبار سے نارمل ہو سکتا ہے۔ نارمل ذہانت کا ذکر ہوتا ہے یہاں تک کہ جب حدود کے اندر ۸۵ سے ۱۱۵ یا ۹۰ سے ۱۱۰ اقدر ذہانت کی بات ہوتی ہے اس وقت بھی یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ میلانات سماج پذیری اور تجربات جیسے عوامل بھی کسی کردار کے نارمل ہونے کی حالت کا تعلق کرتے ہیں۔ طرز عمل کا معیار قائم کرنے میں جو دشواریاں ہیں ان کے اسباب آسانی سے نظر آ سکتے ہیں مخصوص خصلت رکھنے والوں میں انفرادی فرق وسیع پیمانے پر ہوتا ہے۔ ایک فرد کے اندر بہت سی خصلتیں جمع ہو جاتی ہیں چنانچہ متعلقہ کردار کا مشاہدہ کرنے والوں کی توقعات میں بہت زیادہ فرق ہو جاتا

ہے اور برادری اور تہذیب کے تقاضوں میں بھی جگہ اور وقت کی تبدیلی کے ساتھ تغیر ہوتا رہتا ہے۔

اسی طرح ذہنی حفظان صحت کے نقطۂ نظر سے بھی کردار کا نارمل ہونا ایک مشکل امر ہے۔ دراصل "..... بالغوں کے لیے ہر اس بچے کا کردار مسئلہ بن جاتا ہے جس کی نگہداشت برداخت اس کے سپرد کی جاتی ہے[۵]" چنانچہ سرگوشی بھی بعض اساتذہ کے لیے مسئلہ بن جاتی ہے جبکہ دوسروں کے نزدیک سرگوشی جماعت کے مشاغل میں نارمل دلچسپی کا اظہار ہے۔ انگوٹھا چوسنا بعض کے نزدیک میری عادت ہے اور کسی دشواری کی علامت ہے جبکہ دوسروں کے لیے یہ بالیدگی کا ایک مرحلہ ہے۔ مشت زنی بعض کے نزدیک ایک دہشت خیز کردار ہے اور دوسروں کے لیے منجملہ نفسیاتی معالجین یہ نشوونما کی ایک منزل ہے بعض خیالات کی رو سے دروغ گوئی کی فوراً اصلاح ہونی چاہیئے لیکن دوسرے خیال کے مطابق اس کو طبعی ناپختگی کی دلیل سمجھا جاتا ہے اس قسم کے تضادات سے نارمل ہونے کی تعریف بیان کرنے میں مشکل پیدا ہوتی ہے۔

ذہنی حفظان صحت کے طالب علم کو اس بات میں محتاط ہونا چاہیئے کہ کردار کا نارمل ہونا خصوصیت کے ساتھ کردار کو نوعیت کا معاملہ نہیں ہے۔ بستر پر پیشاب کرنا دو برس سے کم عمر کے بچوں کے لیے "نارمل عمل" ہے۔ بچے کی عمر اس کا ایک عامل ہے۔ دروغ گوئی چار برس کے بچے کے لیے "نارمل عمل" ہے کیونکہ وہ پختگی کو نہیں پہچان پایا۔ ایک بالغ کے لیے بھی دروغ گوئی ایک نارمل عمل ہو سکتا ہے البتہ اس سلسلے میں سماجی گردوپیش کو ملحوظ رکھنا چاہیئے "نارمل ہونا" وقت جگہ اور متعلقہ شخص کا معاملہ بن جاتا ہے۔ یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ "کس حد تک" جھوٹ بولنا، چوری کرنا، مارنا پیٹنا لعیت ولعل کرنا، خواب بیداری تاویل اور تظلیل کو سکون اور اطمینان کی نظر سے بھی دیکھا جا سکتا ہے لیکن عموماً ان کرداروں کا اظہار تشویش کی بات ہوتی ہے۔

ان مشاہدات کی ترجمانی سے یہ پہلو نہیں نکلنا چاہیئے کہ نارمل ہونے کے مفہوم کا کوئی قابل عمل تصور ممکن نہیں بلکہ اس بات سے جو پہلو نکلتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ

پوری صحت کے ساتھ کوئی بات نہیں کی جاسکتی اور ہر قسم کا فیصلہ عارضی ہوگا۔ عملی طور سے ان ملحوظات کی اہمیت حسب ذیل ہے۔ (۱) کسی کے کردار کی اہمیت عمومیت کے ساتھ نہیں بیان کرنی چاہیۓ جب تک کہ اس بات کو نہ ملحوظ رکھا جائے کہ وہ کردار متعلقہ شخص کے لیے کیا معنیٰ رکھتا ہے۔ کسی مخصوص کردار کو علاحدہ سے دیکھنے کی بہت کم اہمیت ہے۔ متعدد امتیازی اوصاف کو دیگر اوصاف کے تعلق سے دیکھا جاتا ہے۔ صرف ایک علامت کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا بلکہ کسی بھی علامت پر متعلقہ علاقوں کے ساتھ غور کیا جاتا ہے۔ (۲) جب کردار کا جائزہ لینا مقصود ہو تو فرد کے موجودہ حالات اور اس کی نشوونما کے پس منظر کو بھی ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے۔

جسمانی ٹائپ کا شخصیت پر اثر نہیں پڑتا

یہ خیال کہ موٹے آدمی خوش مزاج ہوتے ہیں اور دبلے پتلے آدمی غدار ہوتے ہیں۔ اب ترک کر دیا گیا ہے اور اس خیال کو ایک فرسودہ توہم سمجھا جانے لگا ہے۔ صورتیاتی ٹائپ کا نظریہ جو کرشمر نے پیش کیا ہے معاصر ماہر نفسیات کے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ ہمیں ان اختصارات سے اتفاق ہو سکتا ہے کیونکہ فرق کے تسلسل کو ثابت کرنے والے معطیوں سے ان کا تصادم ہوتا ہے یعنی جسم کے ٹائپ دوصوری یا سہ صوری نہیں ہوتے بلکہ انتہائی ٹائپ بھی کیثر اوسط کے حاشیے پر رہتا ہے۔ (دیکھو شکل ۷) اس کے باوجود یہ خیال پھر رائج ہونے لگا ہے کہ جسم کا ٹائپ

شخصیت پر اثر ڈالتا ہے۔ ڈبلو۔ ایچ۔ شیلڈن (W. H. Sheldon) اس نظریے کا حامل ہے کہ جسمانی ساخت شخصیت کے کسی ٹائپ سے متصف ہوتی ہے متفرق ٹائپ کی فروگذاشتوں کو مسلسل پیمائش کے ذریعے دور کیا جاتا ہے۔ فہرست میں تین بڑے ٹائپ کا ذکر ہے۔ بلغمی ٹائپ (موٹا آدمی) عضلاتی و استخوانی ٹائپ (کشتی ٹائپ) اور ایک نحیف ٹائپ جس کی ناک کی ہڈی لمبی اور نازک ہو اور جو جسم کے مقابلے

میں بڑی نظر آئے۔ اس کی رو سے فرد کی پیمائش کے لیے ایسا پیمانہ استعمال کیا جاتا ہے جس میں انتہائی کے لیے ۷ اور قلیل ترین کے لیے ۱ ریکارڈ کیا جاتا ہے۔ اس طرح بلغمی ٹائپ کے لیے ۱.۱. ۷ کثرتی کے لیے ۱. ۷. ۱ اور نحیف ٹائپ کے لیے ۱.۱.۷ ریکارڈ کیا جائے گا۔ ان کا مجموعہ ضروری نہیں کہ ۹ تک پہنچ جائے اور انتہا کی نمائندگی کرنے والے اوسط فرد کے لیے جو کسی ٹائپ سے تعلق نہ رکھتا ہو ۳. ۴. ۳ اور ۴. ۳. ۴ کا پیمانہ استعمال کیا جائے گا۔ یہ پیمانے مختلف بھی ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ۲. ۳. ۶ یا ۱. ۲. ۶ یا اس قسم کے دوسرے پیمانے۔ اس طرح تسلسل قائم رکھا جاتا ہے اور متفرق ٹائپ سے احتراز کیا جاتا ہے ان بنیادوں پر جب شخصیت کی تنظیم کی جاتی ہے تو متفرق ٹائپ کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے ضروری نہیں کہ ایک ہیٹو شخص خوش مزاج ہو، ایک کثرتی جنگجو ہو یا تنہائی پسند عالم ہو وہ اپنے جسمانی ٹائپ سے منحرف ہوئے بغیر ان خوبیوں کا مجموعہ ہو سکتا ہے۔

جب دو ایسے بھائیوں کا مشاہدہ کیا جاتا ہے جو مختلف شخصیتوں کے حامل ہوتے ہیں تو ہم فوراً کہنے لگتے ہیں کہ ان کے توارث میں فرق ہے۔ ان کا ماحول بھی بظاہر یکساں ہونے کے باوجود مختلف ہے کیونکہ ان میں سے ایک بچہ بڑا ہے لیکن شیلڈن کے نظریے کے مطابق یہ قیاس کرنا عین ممکن ہے کہ ان کے جسم کے ٹائپ مختلف ہونے کی وجہ سے ان کی شخصیت کی تشکیل مختلف نہج پر ہوئی ہے۔ ہم نے جسیم اور نحیف دونوں قسم کے عالم دیکھے ہیں۔ ہم نے ایسے دست فروش دیکھے ہیں جو موٹے بھی ہیں اور دبلے بھی اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شوق اور دلچسپی جسمانی ساخت سے نہیں متاثر ہوتی پھر بھی بہت سے سوالوں کا جواب نہیں ملتا کیا اس کا امکان نہیں کہ بلغمی ساخت والا اپنے جذباتی دباؤ اور کھنچاؤ کی قیمت پر عالمانہ رغبت حاصل کرے؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ ایک نحیف دست فروش اپنے آپ کو خوش مزاج اور بامروت بنانے پر مجبور ہو۔ کیا ایک نہایت نحیف شخص صلاحیت رکھنے کے باوجود جسمانی مقابلوں کے اس لطف سے خود کو محروم نہیں پاتا۔ جو کثرتی جسم والوں کے نہایت تسکین کا باعث ہے۔

باوجودیکہ ان سوالوں کے قطعی جواب نہیں دیے جاتے پھر بھی استاد جماعت ان کے ذریعے بہت سی دلچسپ باتوں کا قیاس کر سکتا ہے فرض کر لیجیے کہ جسمانی "ٹائپ

اختیار کی وہ قسم ہے جن کا بچے احترام کرتے ہیں کیونکہ یہ اختیار نہ تو جبری ہے اور نہ عمر کی وجہ سے بلکہ غیر شخصی اصول کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔ جہاں والدین کو اپنے اصولوں پر اعتماد ہوتا ہے وہاں بچے اپنے والدین پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ؎

ذہنی حفظان صحت کے متعدد مسائل میں توازن کی ضرورت ہے یہ بات بڑی حد تک صحیح ہے۔ خارجی اختیارات کی تابعداری ضرور کرنی چاہیے لیکن صلاحیت اور خود مختاری کو استعمال کر کے تفتیش اور جستجو کا بھی موقع نکالنا ضروری ہے۔ جس طرح والدین کو اپنے بچوں سے تطابق پیدا کرنے کے موقع نہیں چھیننے چاہئیں اسی طرح استاد کو بھی اسکول کی زندگی پر لطف بنانے کی غرض سے ایسی رکاوٹیں نہیں ہٹانی چاہئیں جن سے نشوونما کی تحریک ہوتی ہو۔ جہاں متنازعہ فیہ مسئلہ پیش آئے وہاں کچھ رعایت بھی کرنی چاہیے۔ جہاں کوئی اہم اصول معرض خطر میں آئے وہاں والدین اور اساتذہ دونوں کو سختی سے قائم رہنا چاہیے۔ اس کے لیے ایک پختہ کار بالغ کی ضرورت ہوتی ہے اور صرف پختہ کار بالغ ہی ایسا تعمیری ضبط قائم کر سکتا ہے جس سے بچے میں پختگی پیدا ہو۔

بچے کی پرورش کا ایک صحیح راستہ ہے

جب کوئی شخص بچوں کی پرورش اور بچوں کی نفسیات پر لکھی ہوئی کتابوں میں یہ پڑھتا ہے کہ عقلمند والدین کو کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے تو اس سے بظاہر ہوتا ہے کہ بعض صاحب اختیار حضرات کی نظر میں بچوں کی پرورش کا کوئی خاص طریقہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ بعض والدین جو مثالی نہیں ہیں ان کے بچے ان بچوں کے مقابلے میں ذہنی طور پر زیادہ صحت مند ہیں جن کی پرورش کتاب کے مطابق ہوئی ہے۔ اس طرح بعض نظریات کی مقبولیت کے باوجود صحت مند بالغ ایسے گھروں سے آتے ہیں جن میں بالکل ہی متضاد دستور رائج تھے۔ اس کی وجہ سے والدین میں یہ اعتماد ہوتا ہے کہ جو غلطیاں ان سے سرزد ہوتی ہیں وہ ناقابل تنسیخ نہیں ہیں۔ اساتذہ میں بھی اس کی وجہ سے یہ بھروسہ پیدا ہونا چاہیے کہ منفی گھریلو حالت کے باوجود بچوں کی معاونت کی جا سکتی ہے۔ ڈاکٹر بنجامن اسپوک (Benjamin Spock) کہتے ہیں:

پڑوسی جو کچھ کہتے ہیں ان پر سنجیدگی سے غور نہ کیجیے۔ ماہرین جو کچھ کہتے ہیں ان سے بھی مرعوب نہ ہوں، اپنی عام سمجھ بوجھ پر بھروسہ کیجیے۔ آپ کے بچوں کی پرورش کوئی پیچیدہ کام نہیں ہے۔ اپنی فطرت پر اعتماد رکھیے اور ڈاکٹر کے مشورے پر عمل کیجیے۔
آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ جن بہت سے لوگوں نے بچوں کی پرورش کے مختلف طریقوں کا مطالعہ کیا ہے وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اچھے ماں باپ اپنے بچوں کے لیے جو کچھ جبلی طور پر محسوس کرتے ہیں وہ سب سے زیادہ صحیح ہے۔ مزید یہ کہ تمام والدین جب فطری طور پر کام کرنے کی وجہ سے اگر کچھ غلطیاں سرزد ہو جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں یہ اس درد سر سے بہتر ہے جو کامل بنانے کی فکر میں پیدا ہو جاتا ہے۔ ۵۴
راقم الحروف کو انسانی "جبلتوں" کی اعتباری کا کوئی دعویٰ نہیں کرتا ہے لیکن اس دلیل کی ضرور تصدیق کرتا ہے کہ بچوں کی پرورش کے بہت سے صحت مند اور خوشگوار طریقے ہیں، کوئی بھی طریقۂ کار اپنایا جائے اگر ارادے نیک ہوں، بچوں کو موزوں طریقے سے تسلیم کیا جائے اور طریقۂ کار کی تطبیق میں استقلال ہو تو نتائج تسکین آمیز ہوں گے۔
اس تثلیت میں استقلال کے عنصر کو کسی قسم کی اولیت نہیں حاصل ہے ہاں بچوں کو یہ ضرور جاننا چاہیے کہ ان سے کس بات کی توقع ہے اور انھیں کیا کرنا چاہیے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ جو بچے غریب گھروں سے آتے ہیں اور اچھی جگہوں پر رکھے جاتے ہیں، انھیں باتوں کو کرنا چاہتے ہیں جن کے عادی ہو چکے ہیں۔ لندن کی بمباری کے دوران جن بچوں کو ان کے گھروں سے نکال کر دیہات کی خاموش فضا میں منتقل کر دیا گیا تھا، ان کی شخصیت میں بمقابلے ان بچوں کے جو شور و غل، گھبراہٹ اور جنگ کے خطرات میں گھرے ہوئے تھے زیادہ انتشار نظر آیا۔ بڑے بچے جو الفاظ کے ذریعے اپنے احساسات کا بخوبی اظہار کر سکتے ہیں ایک برادری سے دوسری برادری میں منتقل کیے جانے پر معترض ہوتے ہیں شخصیت کے انتشار میں "رہائش کی تبدیلی" ایک معاون عامل ہے۔ ان شواہد سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ حالات جن میں بچہ پروان چڑھ رہا ہے ان حالات کے مقابلے میں زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ جو اس کے ماضی سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کے نفسیاتی عوامل کی بنیاد ہیں۔

تدریس کا صحیح طریقہ ہے

حالیہ برسوں میں پروگیسو تدریس اور روایتی تدریس کی اضافی خوبیوں سے متعلق بڑی بحث چھڑی ہوتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ پڑھانے کے دو طریقے ہیں۔ ان میں سے ایک دوسرے سے بہتر ہے۔ اگر واقعی تجزیہ کیا جائے تو کبھی کبھی یہ مشکل سے ہی نظر آئے گا کہ "نام نہاد" روایتی تدریس پروگیسو تدریس سے مختلف ہے سنہ ۱۹۳۳ اور سنہ ۱۹۴۱ کے درمیان پروگیسو ایجوکیشن ایسوسی ایشن نے تیس اسکولوں میں ایک تحقیقاتی مطالعے کا پروگرام چلایا دلچسپ بات یہ نکلی کہ پروگیسو تعلیم کے ذریعے جن میدانوں میں طالب علموں نے نمایاں کامیابی حاصل کی ان کے مقابلے میں روایتی مدرسے کے طالب علموں نے بھی پابند گروپ سے تعلق رکھنے کے باوجود درجۂ کمال حاصل کیا۔ یہ بات بھی ذہنی نشین کرنے کے قابل ہے کہ بعض پروگیسو مدرسوں کے طریقۂ کار میں تبدیلیاں کم ہوئیں اور بعض میں بنیادی تبدیلیاں عمل میں آئیں حالانکہ دونوں قسم کے مدرسے پروگیسو مدرسے کہلاتے ہیں۔ پرورش اطفال سے متعلق جو نتائج اخذ کیے جا سکتے ان کی رو سے ہر طریقہ کار کی پشت پر جو منشا کارفرما ہوتا ہے وہ بھی طریقۂ کار سے کم اہم نہیں۔

استادوں کی تعلیم کے ایک اچھے پروگرام کے لیے حسبِ ذیل اصول مرتب کیے گئے ہیں "استادوں کی تعلیم کے پروگرام کے تحت جو لوگ اس پیشے میں کام کریں، ان کے طور و طریق جدید تدریس کا ایسا نمونہ ہونے چاہئیں جو تعلیم کی سطح پر تعلیم کے مقاصد کے لیے موزوں ہوں"۔ کیا کسی "خاص قسم" کے استاد تیار کرنا ممکن ہے؟ ایک خاص قسم کے استاد کی مثال وہی شخص پیش کر سکتا ہے اسی طرح کی طرح رنگ بدلتا ہے جس طرح جماعت کے اندر مختلف قسم کی شخصیتیں موثر ثابت ہوئی ہیں اسی طرح مختلف قسم کے پڑھانے کے طریقے بھی کارگر ہو سکتے ہیں۔

طریقہ تدریس پر بہت سے پابند اختیارات کیے گئے ہیں، ان کے نتائج پیشہ ورانہ کتابوں اور رسالوں میں شائع ہوتے ہیں۔ ان اختیارات کی کامیابی سے ہر شخص اثر قبول کر سکتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ آخر کار کامیاب تدریس کا گر دریافت

ہو چکا ہے اور خود اپنے طریقہ تدریس کو بھی فوراً بدلنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے لیکن تامل کی بھی ضرورت ہے کیونکہ ایک عامل ایسا بھی ہے جس کو پابند بنانا یا جس کی پیمائش مشکل ہے اور وہ ہی استاد کا جوش اور ولولہ اختیار کرنے والا نیا طریقہ دریافت کرنے کے جوش میں اپنے طالب علموں کے اندر شوق پیدا کر دیتا ہے یہی ایک عامل ہے جس کو کامیاب تدریسی عمل کے سلسلے میں ملحوظ رکھنا چاہیے۔

استاد کو یہ اطمینان ہمیشہ حاصل ہو سکتا ہے کہ دوسروں کی کامیاب تدریس کو نقل کرنے کی اسے ضرورت نہیں. اس کا امکان ہے کہ اپنی شخصیت کے لحاظ سے جو طریقہ اس نے خود دریافت کیا ہے وہ سب میں بہتر ہو لیکن اس اطمینان کے ساتھ ساتھ کچھ ذمے داری بھی عائد ہوتی ہے. ایک بچے کے ساتھ جو تکنیک کارگر ہوتی ہے وہ دوسرے بچے کے لیے اتنی کارگر نہیں ہو سکتی اس لیے ان دستوروں سے انحراف کرنا بھی ضروری ہے جو پہلے کامیاب ثابت ہو چکے ہیں. یہ انحراف ان بچوں کے حق میں زیادہ مددگار ثابت ہوگا جو سابق بچوں سے مختلف ہوں گے. درجے کا استاد ان دستوروں سے مستفید ہو سکتا ہے جو دوسروں کے لیے کامیاب ثابت ہو چکے ہیں تاکہ فوری مسائل کو حل کرتے وقت وہ خود اپنے مسائل کو حل کر سکے. درجے کے استاد کو بہترین طریقے کی جستجو نہیں کرنی چاہیے بلکہ اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ اپنے دستور میں متواتر تبدیلی کرتا رہے تاکہ ان بچوں کے تقاضے پورے ہو سکیں جو دوسروں سے مختلف ہوں. اس طرح کام میں اس کا حوصلہ قائم رہے گا

وہ باتیں جن کا ہمیں علم نہیں

آموزش کیسے ہوتی ہے

آموزش کی عملی طور پر یہ تعریف کی جاتی ہے کہ یہ تجربات کے ذریعے کردار کی تبدیلی کا نام ہے. لیکن تبدیلی کی نوعیت کی کوئی ایسی تشریح نہیں کی گئی ہے جو سب کے لیے قابل قبول ہو. بعض آموزش کی تشریح محض تبدیلی کی بنیاد پر کرتے ہیں. دوسروں کی نظر میں آموزش ایک نامیاتی تبدیلی کا نام ہے جس میں تبدیلی کی مخصوص نوعیت

نہیں بتائی جاتی۔ اس میں شک نہیں کہ ان تبدیلیوں کی نوعیت کا سائنٹفک ثبوت فراہم کرنا تعلیم کا کام کرنے والوں کے لیے مفید ہوگا۔ اس وقت تک کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنی سمجھ کے مطابق آموزش کی نوعیت کو تسلیم کریں۔ یہ نہ جاننے کے باوجود کہ آموزش کن حالات میں ہوتی ہے اور کیسے ہوتی ہے؟ اس کے بارے میں مزید علم کی بنیاد پر جو عملی نتائج حاصل ہوتے ہیں ان کی مدد سے آموزش کے حالات کو مزید بہتر بنایا جا سکتا ہے۔

یہ بیان کیئے بغیر کہ آموزش کیسے عمل میں آتی سوئے احتیاطاً یہ کہنا صحیح ہے کہ جن حالات کے تحت تیزی سے کردار میں تبدیلی ہوتی ہے ان میں کسی حد تک حسب ذیل باتیں شامل ہوں گی۔

(۱) فرد میں تحریک پیدا کرنا۔ اس کا عمل جسم نامی کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ سیکھنے والے کو اس مہیج کی طرف ضرور رجوع ہونا چاہیے جس کو دیگر قابل توجہ مہیجات میں سے منتخب کیا گیا ہو۔

(۲) عمل تحریک کے ساتھ شخصی مقصد بھی وابستہ کرنا چاہیے سیکھنے والے کو (اگر تعلیم میں زیادہ کفایت پیدا کرنی ہے) مقصد کا واضح ادراک ضرور ہونا چاہیے اور اس مقصد کو اپنا بھی لینا چاہیے۔

(۳) مقصد کے اپنانے کا مطلب ہے کہ فرد کے اندر ایک تناؤ کی کیفیت پیدا ہو جائے معلومات کی کمی کی وجہ سے یہ تناؤ دور نہیں ہو پاتا۔ (۴) سیکھنے والے کو یہ تناؤ کم کرنے کے لیے ادھر ادھر بھٹکنا ہوگا تاکہ جو بھی سبیل ممکن ہو اس کو تلاش کرکے وہ اپنے مسئلے کو حل کر سکے۔ اگر یہ کارگر نہ ہو تو وہ دوسری صورت آزماتا ہے۔ جب وہ جان لیتا ہے کہ کوئی سبیل کارگر نہیں ہوئی تو پھر ایسی سبیل ڈھونڈتا ہے جو اس کو مقصد کے قریب لے جائے۔ (۵) کامیاب جواں عمل مانوس تلازم کے ساتھ جڑ جاتے ہیں۔ یہ کام مناسب مشق اور اس تسکین کے ذریعے عمل میں آتا ہے جو کامیابی کے ساتھ مسئلے کو حل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں اس بات کا بھی علم حاصل ہو چکا ہے کہ آموزش کی رفتار کا انحصار فرد کی ذہانت، اس کی اضافی پختگی، اس کے سابقہ ماحول، مشاغل کی دشواری اور محرکات کے استحکام پر ہے۔

جب آموزش کے لیے مناسب حالات پیدا ہو جائیں اس وقت نامکمل تشریح کے باوجود کرآموزش کیسے عمل میں آتی ہے استاد اپنے ذخیرۂ علم سے استفادہ کرسکتا ہے۔

ماحولی اثرات کا معقول اتحاد

کہیں ایسا نہ ہو کہ بچوں کی بالیدگی کا کام جن کے سپرد ہے ان کی ہمت شکنی ہو جائے مگر یہ تسلیم کرنا ہی ہوگا کہ جس قسم کے ماحولی اثرات بچوں پر پڑتے ہیں ان سے ہم بے خبر ہیں۔ اس کتاب جیسی دوسری کتابوں میں جب ہم شاگردوں کی نشوونما پر پڑنے والے مکمل اثرات کا ذکر کرتے ہیں تو اس کا اندیشہ ہے کہ بہترین حالات نہ فراہم کرنے کے سبب کسی شخص کی ہمت شکنی ہو حقیقتہً تو یہ ہے کہ اچھے اور برے حالات کے درمیان کوئی واضح خط نہیں کھینچا جا سکتا تاہم بدترین اور بہترین کے درمیان ایک نمایاں فرق ہوتا ہے۔ ذہنی صحت کے لیے جب ہم بہتر حالات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اسی آخرالذکر سے ہمارا واسطہ ہوتا ہے۔

بعض کے نزدیک دوسروں کے مقابلے میں زندگی سہل ہوتی ہے۔ دو آدمی (نظری طور پر) ایک ہی ماحول میں ہوتے ہوئے بھی مختلف شخصیتیں حاصل کرتے ہیں۔ اور اپنی ذہنی صحت سے مختلف طور پر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ہم یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ ماحولی عوامل کے اتحاد سے ہی یہ فرق پیدا ہوتا ہے۔ شاید مہربانی کا ایک لفظ، محبت اور اعتماد کا واحد ثبوت، ہمدردی کا محض ایک فعل منفی اثرات کے باوجود کسی بھی شخص میں مطابقت پذیری پیدا کر سکتا ہے۔ چنانچہ بعض ایسے بچے صحت مند اور پُراعتماد افراد بن جاتے ہیں۔ جو بظاہر محبت سے محروم ہوتے ہیں۔ جن کے تحفظ کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی اور جن کو مادی سہولتیں بھی بہت کم حاصل ہوتی ہیں۔ معلوم منفی عوامل کے درمیان کوئی بھی نامعلوم عامل ہو سکتا ہے جو ڈوبتے کو تنکے کا سہارا دے۔ اس کے برعکس کسی شخص کو بظاہر تمام سہولتیں میسر ہو سکتی ہیں پھر بھی اس کے اندر ذہنی بیماری کی علامتیں نظر آ سکتی ہیں۔

نارمل ہونے کا مفہوم

ذہنی حفظان صحت کا مطالعہ کرنے والے استاد عموماً یہ سوال پوچھتے ہیں۔" مجھے کیسے پتہ ہو کہ کیا میری جماعت میں کوئی ایسا بچہ ہے جو نارمل نہیں ہے اس کا جواب آسان نہیں ہے بلکہ مختلف افراد، صورت حال اور بار بار علامتوں کے ظاہر ہونے کے ساتھ ساتھ اس سوال کا جواب بھی مختلف ہوتا جاتا ہے لہذا اس کا جواب دینا اسی وقت ممکن ہے جب فرد' نارمل' سے بہت زیادہ مختلف ہو اگر وہ نارمل کے آس پاس ہے تو جواب مشکل تر ہو جاتا ہے گا۔ مختصر یہ کہ نارمل اور خبطی میں تمیز کرنا آسان ہے اس لیے کہ آخر الذکر حقائق کی دنیا میں نہیں رہتا۔ اس کے مقابلے میں نارمل اور خلل اعصاب کے مریض میں تمیز کرنا مشکل ہے اس لیے کہ وہ اپنے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اس کا طریقہ' کار قابل عمل نہیں ہوتا۔ اس دشواری کو غیر مصدقہ عقائد کے ضمن میں اوپر بیان کیا جا چکا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ عمل کا ایک معیار ہوتا ہے۔ اس حصے میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ نارمل ہونا ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا تعلق، جگہ اور متعلقہ شخص سے ہے۔ نارمل نہ ہونے کا جہاں تک تعلق ہے اس سے متعلق اور بھی مسائل بیان کر دیے گئے ہیں۔

لہذا نارمل نہ ہونے کو مطلق طور پر نہیں بیان کیا جا سکتا۔ یہ محض اس کا معاملہ نہیں کہ کوئی شخص جارحیت اور اعتماد نفس کے معاملے میں دوسروں سے کتنا مختلف ہے جن کی بنیاد پر یہ فیصلہ کر دیا جائے کہ وہ نارمل نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اس بات سے بھی ہے کہ صاحب معاملہ کون ہے اور واقعہ کب اور کہاں پیش آیا۔ ایک مثال سے اس کی وضاحت ہو سکتی ہے۔ کیا کوئی بچہ نارمل نہ ہونے کی حد تک خواب بیداری میں مبتلا رہتا ہے؟ مندرجہ ذیل حالات کی موجودگی میں اس کا جواب' ہاں' میں ہو سکتا ہے بچے کی جسمانی صحت اور طاقت کے بقدر دوسرے بچے محنت کے ساتھ کام کر کے تسکین حاصل کرتے ہیں اس قسم کا بچہ خیالی پلاؤ پکانے میں مبتلا ہو جاتا ہے اور جوں ہی تحریک پیدا ہونے والے حالات پیدا ہوتے ہیں وہ اپنی دنیا میں کھو جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ وہ شخص نارمل نہیں ہوتا جو حقائق کی دنیا سے دور جا پڑتا ہے۔ تاہم حسب ذیل حالات میں یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ خواب بیداری میں مبتلا شخص نارمل نہیں ہے۔

اگر بچہ اپاہج ہو کر کاہل بننے میں مجبور ہو جائے اگر کاہلی سزا کے طور پر عاید کی جائے یا ایسے بالغوں کی طرف سے تھوپی جائے جو اس کی نعایت کو سراہتے نہ ہوں اور اس کے گرد و پیش کے ہیجات اگر اس کے لیے کوئی معنی نہ رکھتے ہوں۔ درجے کے اندر نارمل نہ ہونے کی بات کو ابھی تک ٹھیک ٹھیک نہیں معلوم کیا جا سکا ہے البتہ بعض معلومات ایسی ضرور حاصل ہوئی ہیں۔ جو اس سے قریبی تعلق رکھتی ہیں۔

تمام مزاحمتوں کو دور کرنے کی ضرورت نہیں

بچوں کی رہنمائی کلنک میں جن نئی باتوں پر زور دیا جاتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ بچوں کو تناؤ برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا کرنی چاہیے اور مزاحمتوں پر خود قابو پانے کی کوشش کرنی چاہیے اساتذہ عموماً اس سے متعلق یہ سوال پوچھتے ہیں "کیا ہمیں بچوں کی راہ سے تمام مزاحمتیں ہٹا دینی چاہئیں" بے شک جواب ہے" نہیں" یہاں بھی ذہنی حفظان صحت کے طرز نظر کے سلسلے میں احتیاط کا ایک لفظ بہت برمحل ہو گا۔

مزاحمتیں اور الجھنیں محرکاتی افادیت رکھتی ہیں

بچوں اور نوجوانوں کی ضرورت سے زیادہ حفاظت کرنا عین ممکن ہے۔ نفسیاتی ماہر، نفسیاتی معالج اور معلمین کو ایسے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے جنھیں مستقبل سے مطابقت پذیری کا مسئلہ محض اس لیے درپیش رہتا ہے کہ انھیں مشکلات سے دوچار ہونے اور مایوسی کا سامنا کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ایسے لوگ اپنے سرپرستوں کے اس حد تک دست نگر ہوتے ہیں کہ اپنے محافظ سرپرست کی عدم موجودگی میں پریشان ہو جاتے ہیں۔

"ایسے بھی گھر ہیں جہاں والدین بہت زیادہ شفیق ہوتے ہیں، اظہار پسند ہوتے ہیں بچے کی ہر منشا ماننے کے لیے بہت زیادہ آمادہ رہتے ہیں اور بچے کو اپنا دست نگر رکھنے کے بے حد متمنی ہوتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں ایک ماں کی مثال اس بھوت سے دی جا سکتی ہے جو رات کے وقت اپنے بچوں کا خون چوس لیتا ہو اس ماحول میں بچے کو اس بات کا موقع نہیں ملتا کہ دوسرے بچوں سے مقابلہ کر سکے، واجبی طور پر سختی برداشت

کر سکے یا، خود مختارانہ طور پر فکر و عمل کی نشوونما کر سکے۔

تجربہ کار معلمین کو ایسے موقعوں کی یاد آ سکتی ہے جب انھوں نے دانستہ طور محض اس لیے طلبہ کو مشکل تفویضات دی ہوں کہ وہ پوری محنت سے اپنی تفویضات مکمل کریں ایسا لگتا ہے ان کے راستے میں مزید دشواریاں پیدا کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سنجیدگی سے کام پر لگ جاتے ہیں اور توقع سے زیادہ کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ اپنی زندگی میں خود ہمیں ایسے کام کرنے پڑتے تھے جو عام کاموں سے مشکل ہوتے تھے اور جیسا کہ بتایا جاتا تھا وہ کام ہمارے بس سے باہر ہوتے تھے۔ عام طور سے ٹینس یا برج کے کھیل میں اسی وقت زیادہ لطف آتا ہے جب مدمقابل قوی ہو چاہے ہار ہی کیوں نہ ہو جائے بجائے اس کے کہ مدمقابل کمزور ہو اور بازی جیت لی جائے۔

ترقی میں رکاوٹیں اور تسکین کی راہ کی مزاحمتیں فرد میں بالیدگی پیدا کرتی ہیں، رکاوٹیں اور مزاحمتیں اس بات کی متقاضی ہوتی ہیں کہ متعلقہ شخص اپنے مسائل کو حل کرنے کے لیے اپنی تمام قوت مجتمع کرلے۔ اس کو ایسی مہارت اور معلومات کی بھی ضرورت ہوتی ہے جس سے تحصیل علم میں سہولت ہو۔ یہ کہا گیا ہے کہ نفسیاتی پختگی کے معیار میں سختی برداشت کرنے کی صلاحیت اور ایسے رویے بھی شامل کرنے چاہیں جن کے تحت مسائل کو شخص بالیدگی کے لیے ایک چیلنج تصدیق کیا جائے۔ پختگی کا یہ پہلو قدرت کا مفت عطیہ نہیں ہے بلکہ محنت اور جدوجہد سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ نموپذیر بچوں اور نوجوانوں کو ان کے مسائل سے نپٹنے کے لیے جدوجہد کا موقع دیا جائے۔

ذہنی حفظان صحت کا کام کرنے والوں کے مسائل کا حل تحریری طور پر نہیں پیش کیا جا سکتا بلکہ اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو ایسی مزاحمتیں فراہم کرنی چاہیں، جن سے تحریک اور تناؤ پیدا ہو اور پست ہمتی دور ہو البتہ ایسی سخت مزاحمتیں ہٹا دینی چاہیں جو شاگردوں کو اپنے مسائل حل کرنے کا مناسب موقع نہ دیں شاگردوں کی پختگی کے لیے جو مزاحمتیں موزوں ہوں ان کو باقی رکھنا چاہیے تاکہ تحریک پیدا کرنے کا ذریعہ بن سکیں خاص طور سے اگر بچے کی ذہنی عمر ساڑھے چھ برس ہو گئی ہے اور وہ پڑھنے کے قابل ہو گیا ہے تو کسی قدر دشوار ہونے کے باوجود پڑھنے کی مہارت پیدا کرنے کے لیے اس پر مناسب دباؤ ڈالنا چاہیے۔ دوسری طرف

اگر ہائی اسکول میں ایک ایسا لڑکا ہے جو ذہنی طور پر انھیں بچوں کی صف میں ہے جن کی سمجھ میں الجبر نہیں آتا تو ایسی صورت میں یہ معقول بات ہوگی کہ مزید پختگی کا انتظار کر لیا جائے یا اس کے مطالعے کے لیے کوئی دوسرا مضمون تلاش کیا جائے۔ اس کو الجبرا کی کلاس میں بٹھانے کا مطلب ہے کہ بلا وجہ ایک دل شکن ناکامی کی حالت میں اس کو رکھا جائے۔ سماجی مطابقت کے میدان میں بھی ایک ایسی ہی متوازی مثال دی جا سکتی ہے ایک نئے شاگرد کو مدرسے کے اندر بہت سی باتوں میں مطابقت پیدا کرنی پڑتی ہے، اس کے لیے یہ بہتر ہوگا کہ وہ دوسرے نئے شاگردوں سے دوستی پیدا کرے اور ان کے ساتھ اخلاق سے پیش آئے تاکہ مطابقت پذیری کا عمل سہل ہو جائے پرانے شاگرد کو بھی اسی قسم کے بہت سے کام کرنے پڑتے ہیں۔ پھر بھی متعدد مطابقتیں پیدا کرنے کے باوجود جب بچوں کی حکومت کے موضوع پر درجے میں بحث و مباحثہ ہوتا ہے تو وہ جماعت کے ساتھ ہم آہنگی نہیں پیدا کر پاتا اور درجے میں تنہا رہ جاتا ہے۔ یہ صورت حال ایک خاکے کی صورت میں شکل نمبر ۸ میں دکھائی گئی ہے۔

شکل نمبر ۸

شخص　　　　مزاحمت　　　　مقصد

مسئلہ: ایک پختہ شخص کو بہت سی مزاحمتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ نتیجہ ہوا کہ تناؤ پیدا ہوا جس کی وجہ سے پست ہمتی اور شخصیت میں انتشار پیدا ہوا۔

شخص　　　　مزاحمت　　　　مقصد

حل ۱: ابتدائی تجربات فراہم کر کے یا عارضی طور پر مزاحمتوں کو دور کر کے فرد کی بالیدگی کا موقع فراہم کیجیے۔

شخص　　　　مزاحمت　　　　مقصد

حل ۲: مزاحمت کا سائز اس حد تک کم کر دیجیے کہ فرد کی موجودہ سطح پختگی کے مطابق رہ جائے۔

شخص　　　　شخص　　　　امداد　　　　مقصد

حل ۳: فرد کو امداد پہنچائیے (ایما، مادی امداد، تفہیم) اس کے ذریعے وہ اس قابل ہو سکے گا کہ موجودہ دشواری پر قابو پا سکے۔ امداد زینہ بہ زینہ بتدریج ہونی چاہیے۔

شکل ۸ مزاحمتوں سے نپٹنے کی تکنیک کا خاکہ

نفسیاتی ماہر، نفسیاتی معالج اور معلمین کو ایسے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے جنھیں مستقبل کے مطابقت پذیری کا مسئلہ محض اس لیے درپیش رہتا ہے کہ انھیں مشکلات سے دوچار ہوئے مسائل میں مبتلا ہونے اور مایوسی کا سامنا کرنے کا موقع نہیں ملا۔

بعض عوامل کنٹرول سے باہر ہیں یہ حقیقت ہے کہ شاگردوں کی بعض مزاحمتیں دور کرنا استاد کے بس سے باہر ہے چنانچہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے "کیا ہمیں بچے کی راہ سے ہر قسم کی رکاوٹوں کو دور کر دینا چاہیے؟" رکاوٹیں سب کی راہ میں آئیں گی انتہائی تحفظ شدہ بچے کے سامنے بھی رکاوٹیں ہوں گی۔ اس لیے اساتذہ کو بعض ایسی رکاوٹیں جن سے بالیدگی میں سہولت ہوتی ہو دور کرنے کی زیادہ فکر نہیں کرنی چاہیے۔ ایسی مزاحمتیں جن سے کسی قسم تحریک ذہنی نہ پیدا ہوتی ہو دور کرنے کے باوجود تناؤ اور مایوسی پیدا ہوتی رہے گی۔ البتہ ان مزاحمتوں کو دور کرنے سے جو بہت دشوار ہیں فرد کے اندر ناگزیر حالات سے مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔

مان لیجیے کہ آموزش کو خوشگوار بنانے کے لیے ہر مناسب طریقہ اپنا لیا گیا ہے، اغراض ومقاصد کی وضاحت کر دی گئی ہے، ضرورت کے وقت امداد بھی پہنچائی گئی ہے ہمت افزائی بھی کی گئی ہے مناسب کام بھی فراہم کر دیا گیا ہے۔ پھر بھی شاگردوں کو یہ مسئلہ درپیش آسکتا ہے کہ ان والدین کے درمیان طلاق کا امکان ہے۔ شاگرد کو کامیابی، قدر شناسی اور احساس تحفظ حاصل کرنے میں مدرسے کے اندر جو بھی امداد پہنچائی جاتی ہے اس سے یہ امکان قوی ہو جاتا ہے کہ وہ گھر کی نزاعی صورت حال میں مبتلا ہو جائے۔ ایک شاگرد جس کو مالی پریشانیوں یعنی مناسب لباس اور خوراک کی کمی کا مسئلہ درپیش ہے اس پر مزید یہ بوجھ نہیں پڑنا چاہیے کہ اپنی ذہنی سطح سے بلند ہو کر کیمسٹری اور لاطینی میں ملکہ پیدا کرے وہ بچے جو ضعف قلب میں مبتلا ہیں، اپاہج ہیں اور کمزور ہیں وہ چاہیں گے کہ ان پر بوجھ کم پڑے اور ان کے لیے جسمانی مشاغل کا بدل فراہم کیا جائے۔

بلاشبہ اس مفروضے سے بچنا چاہیے کہ حالات قابو سے باہر ہیں ایک سمجھ دار اور جری استاد ممکن ہے بے جوڑ والدین کو بات کی اہمیت ذہن نشین کرا سکے کہ اپنے پیارے

بچوں کی بھلائی کے پیش نظر انھیں اپنے اختلافات دور کرنے چاہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ استاد بچوں کے افلاس کو دور کرنے کے لیے کیمونٹی کے وسیلوں کو استعمال کرے۔ اگر مزید وقت فراہم کیا جا سکے تو ذہنی پختگی میں اور بھی ترقی ہو سکتی ہے اور بہت سے تعلیمی مسائل حل ہو سکتے ہیں [18] جسمانی معذوری کی وجہ سے جو باد ہو جاتا ہے ہو سکتا ہے طبی علاج سے دور ہو جائے لیکن یہ حقیقت ہے کہ فی الحال یہ معذوریاں ناقابل تسخیر ہو سکتی ہیں اور اساتذہ کو ان پر قابو پانے کی بہت زیادہ فکر نہیں کرنی چاہیے۔ بہترین سعیٔ کے باوجود بعض معذوریاں باقی رہیں گی لیکن شاگردوں کو بالیدگی حاصل کرنے کے مواقع ملتے رہیں گے۔

"ہر شخص کسی نہ کسی قسم کی ذہنی الجھن میں کسی حد تک مبتلا رہتا ہے۔ یہ الجھن ابتدائی خوف، انتشار، اندیشے اور بے اعتباری کا احساس پیدا کرنے کا سبب ہو سکتی ہے۔ تاہم کوئی شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ بہ صورت ذہنی بالیدگی اور نشوونما کے لیے ناگزیر ہے۔ یہ بہت حد تک صحیح ہے کہ ذہنی الجھن سے نشوونما کے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔ اگر اس کو نیند کے ذریعے دور کیا جائے تو کوئی نقصان نہیں ہوتا اس کو معروضی رویوں سے حل کیا جائے تو بھی بہت اچھا ہے کیونکہ یہ نشوونما کی ایک شرط ہے اور اسی کے ذریعہ صحت مند رویوں کی مشق کا موقع ملتا ہے۔ لیکن اعلیٰ سطح پر اگر الجھن دور کرنی ہو تو تکمیل شخصیت کا وسیلہ اختیار کرنا پڑے گا اور اس کا تعلق مکمل شخصیت اور بالیدگی نشوونما سے ہے [19]

درجے کے حالات کا بالکل درست ہونا ضروری نہیں

یہ بات قابل ذکر ہے کہ درجے کے حالات اور طریقہ تدریس کا بالکل درست ہونا ضروری نہیں۔ موثر استاد کبھی کبھی اپنی قدر و قیمت کو اس لیے شک کی نظر سے دیکھنے لگتا ہے کہ وہ درجہ کمال تک نہیں پہنچ پاتا۔ یہ صورت حال بہت خراب ہے خاص طور سے اس وقت جب یہ رویہ اپنا جائے کہ درجے کے اندر کسی بات سے بھی کوئی فرق نہیں ہوتا کیونکہ شاگردوں کے تمام تجربات خود اپنے ہوں گے۔ چنانچہ یہ بات بہت اہم ہے کہ انتہاپسند رجحانات کے درمیان توازن پیدا کیا جائے۔

ایسے لوگ یقیناً ہوں گے جن میں اس کتاب کے قاری بھی شامل ہوں گے جو مدرسے کے منفی تجربات کو فخریہ طور پر یاد کریں گے اور نازاں ہوں گے۔ ان کا سابقہ ایسے سخت گیر اساتذہ سے پڑا ہوگا، جنھیں اپنے کام پر فخر نہیں ہوتا تھا انھیں جو کام سونپے گئے تھے۔ وہ بے معنی تھے اور وہ کام انھیں محدود سامان کی مدد سے کرنا پڑتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ منفی عوامل بالیدگی کی تحریک پیدا کرتے ہیں لیکن ایسے بھی لوگ تھے جن کو ان تجربات سے مایوسی ہوئی اور ان کے لیے مدرسہ اس قدر ناگوار ہوگیا کہ جونہی موقع ملا۔ انھوں نے مدرسے کو خیر باد کہا۔ امریکہ میں اسکولوں کی اوسط کامیابی ۵ ، ۸ گریڈ کے لگ بھگ ہونے کی وجہ شاید یہی ہے کہ بہت سے شاگردوں کو ہمت شکن مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

درجے کے اندر منفی اثرات کا مطالعہ اس نقطۂ نظر سے کرنا چاہیے کہ منفی حالات کو دور یا کم کیا جائے۔ جان بوجھ کر روگ لگانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ دوسری طرف مدرسے کی طرف سے جو کام سونپے جائیں وہ کافی مشکل ہوں تاکہ اس پر قوت صرف کرنی پڑے۔ خوش قسمتی سے اساتذہ کو ایسی باتیں جاننے کے کافی مواقع ملتے ہیں جن کے تحت یہ طے کیا جاسکے کہ تحریک ذہنی پیدا کرنے کے سلسلے میں کون سی بات زاید ہے اور کون سی کم۔ جب بچوں میں عصبی علامتیں چڑچڑاپن، عدم توجہی، جذباتی، ہیجان اظہار خفگی یا شدید حکم عدولی کی شکل میں ظاہر ہوں تو اپنے موجودہ طریقہ کار پر ایک تنقیدی نظر ڈالنا بہتر ہوگا۔ جب بچے اکتاہٹ محسوس کریں، دوسروں کی چھیڑ چھاڑ میں اپنا وقت صرف کرلیں کام ٹالنے کی عام عادت پیدا کرلیں اور انتہائی خواب بیداری میں مبتلا ہو جائیں تب یہ سوچنا چاہیے کہ جو کام سونپا گیا وہ متعلقہ افراد کی صلاحیتوں کے مطابق ہے یا نہیں اس موقع پر توازن کی خاص طور سے ضرورت ہے ماضی کی کامیابی وناکامی کے تجربے اور مسلسل مطالعے کی بنیاد پر وسعت نظر پیدا کرنی چاہیے۔

بچوں کی نفسیات کے ماہرین نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بہت زیادہ خوش وخرم صابر اور مطمئن والدین اتنے ہی مضر ہیں جتنی بچے کے لیے بیماری پیدا کرنے والی مٹھائی۔ وہ والدین جو اپنے بچوں کے اعمال پر دل گرفتہ ہوتے ہیں لیکن انھیں ناپسند نہیں کرتے وہ نشوونما کے لیے نارمل حالات پیدا کرتے ہیں، وہ اپنے بچوں کو

ایسے تجربات فراہم کرتے ہیں جو آئندہ زندگی میں ضرور پیش آ سکتے ہیں مختصر یہ کہ اس قسم کے والدین وہ تمام احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہیں جو بچے کی صحت مند اور نارمل زندگی کے لیے ضروری ہوں اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ درجے کے اندر ہر قسم کے کردار کو برداشت کیا جائے بلکہ شاگردوں کو یہ سیکھنا چاہیے کہ کردار کے تقاضوں سے مطابقت پیدا کرنا موثر سماجی روابط کے لیے ضروری ہے۔ نارمل انسان ہمیشہ ایک ہی طرح خوش و خرم اور صابر نہیں رہے گا اور نہ ہی ایک استاد کو مجسم اخلاق بننے کی ضرورت ہے۔

خلاصہ

اس پوری کتاب میں توازن اور تناظر کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے دوسرے اصناف علم کی طرح ذہنی حفظان صحت کے میدان میں انتہا پسند عقیدوں اور نظریوں سے سابقہ پڑے گا۔ ذہنی حفظان صحت کا کام کرنے والوں کو اس حقیقت کو سراہنا چاہیے کہ نارمل ہونا رچا ہے اس کا کوئی بھی تصور ہو) معمول کی بات ہے۔ مدرسے کے بیشتر شاگرد اور بالغ نارمل ہوتے ہیں نارمل سے انحراف کرنے والوں سے نپٹنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس حقیقت کو پوشیدہ کر دیا جائے۔

نظریے تبدیل ہوتے رہتے ہیں، بعض اس لیے بدلتے ہیں کہ وہ غلط ہوتے ہیں اور بعض پر بیجا زور دیا جانے لگتا ہے اس لیے ان میں تبدیلی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ترجمانی میں انتہاپسندی سے کام نہیں لینا چاہیے اس کی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ توارث کو واجب طور پر اہمیت دینی چاہیے۔ ماحول کی اہمیت ہے لیکن محض ماحول کردار کو متعین نہیں کرتا۔ جب مطلق اثرات کے بجائے مطالعہ فرد ملحوظ ہو تو ان دونوں نظریات میں توازن پیدا کرنا بہت ضروری ہے۔ ابتدائی اثرات کی اہمیت ہے لیکن ان کی اہمیت سے اس قدر متاثر ہونے کی ضرورت نہیں کہ یہ اثرات ایک بوجھ بن جائیں یا مستقبل میں نشوونما کی امید ہی ختم ہو جائے۔ اساتذہ جن بچوں کے مسائل سے دوچار ہوتے ہیں۔ ان سب کے معاملے میں کامیابی کی یکساں توقع نہیں کرنی چاہیے کبھی کامیابی کے ساتھ سرخروئی ہو گی تو کبھی ناکامی کا

منہ دیکھنا پڑے گا۔ نئے نظریوں کا احترام ضرور کرنا چاہیے لیکن ضرورت سے زیادہ زور نہیں دینا چاہیے۔ بہت سے نظریات کبھی نئے تھے اب متروک کر دیے گئے ہیں۔ آج کے مقبول ترین عقاید میں سے بعض عقاید کل ناقص نظر آئیں گے۔ شاید ذہنی حفظانِ صحت کے معقول مطالعے میں توازن کی بہت اہمیت ہے کہیں مطالعۂ باطن پر بہت زور دیا جاتا ہے، کہیں تعلق ذات پر اور کہیں اس نظریے پر "میری بلا سے جیسا بھی ہوتا ہے ہونے دو" ان تمام رویوں میں توازن کی ضرورت ہے۔ ان کے درمیان کا راستہ یہ ہے کہ معروضی مطالعے اور اختیار کے بیچ کی راہ اختیار کی جائے۔

بہت سے عقاید کی ابھی تصدیق نہیں ہو سکی ہے۔ ان کا ناقدانہ جائزہ لینا چاہیے۔ ہمیں پتہ نہیں کہ نارمل ہونا کون سی کیفیت ہے۔ ابھی یہ تصور ہم سے پھر بھی اس کی افادیت ہے کیونکہ نارمل ہونے کی جب ترجمانی کی جاتی ہے تو مطابق حالات کے بجائے متعلقہ حالات سے کام لیا جاتا ہے۔ باوجودیکہ صوریات کے نظریے کی بہت سخت تنقید کی گئی ہے پھر بھی ایسے لوگ آج بھی پائے جاتے ہیں جو کسی نہ کسی قسم کی صوریات میں عقیدہ رکھتے ہوں۔ ایسا لگتا ہے کہ سراسر غلطی پر مبنی ہونے کے باوجود صوریات کا عقیدہ مٹنے کا نام نہیں لیتا۔ اسی طرح جبری ضبط کی افادیت کا تصور قریب المرگ ہے لیکن ابھی تک مرا نہیں۔ تجربے اور اختیار سے ابھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ بچے کی تعمیری نشو و نما میں خارجی ضبط کی کوئی جگہ ہے بھی یا نہیں۔ بچوں کی نشو و نما سے متعلق بہت سے نظریات جو تسلیم کیے جا چکے ہیں اور اب بھی مقبول ہو رہے ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ بچوں کی پرورش کا کوئی ایک معقول طریقہ نہیں ہے اسی طرح یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ کامیاب متعلمین کی شخصیت اور ان کے طریقوں میں جو اختلاف پایا جاتا ہے ان سے پتہ چلتا ہے کہ نہ تو معلم کی کوئی مثالی شخصیت ہے اور نہ کوئی کامیاب طریقہ تدریس تاہم ایسا لگتا ہے کہ توافق پذیری اور شوق اور لگن ایسے پسندیدہ عوامل ہیں جو معلمین اور والدین دونوں کو ہی پسند ہیں۔

تدریس اور ذہنی حفظانِ صحت کے بارے میں بعض ایسی باتیں کہی جاتی ہیں جن کا ہمیں علم نہیں مثال کے طور پر ہمیں نہیں معلوم کہ آموزش کیسے عمل میں آتی ہے۔ خوش قسمتی سے ہمیں یہ بخوبی معلوم ہے کہ آموزش کن حالات میں نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔

ہمیں یہ بھی پتہ نہیں کہ بچے کی صحت مند نشو ونما کے لیے مثالی ماحول کیا ہوتا ہے لیکن ہم یہ ضرور جانتے ہیں کہ ماحول کی ترجمانی کرتے وقت بشری اور طبعی عوامل کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اور اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ افراد کی حاجتوں میں جبلی ادراک خصوصیات کے لحاظ سے فرق ہوتا ہے۔

ذہنی حفظان صحت کے میدان احتیاط جن عوامل کا ذکر ہوتا ہے ان میں یہ مفروضہ بھی شامل ہے کہ بچے کے تجربات کی راہ میں جو مزاحمتیں ہیں ان کو دور کر دیا جائے حالانکہ آموزش کیسے خوشگوار ہو۔ مطلب یہ نہیں ہے کہ مزاحمتیں بالکل ہی دور کر دی جائیں۔ دراصل مشکلات بڑھتی ہیں تو لطف بھی بڑھ جاتا ہے۔ بعض باتیں نہ تو استاد کے قابو میں ہیں اور نہ شاگرد کے۔ استاد مشکلات سے اپنے شاگردوں اس طرح محفوظ رکھ سکتا ہے کہ مشکلات کو اپنے شاگردوں میں مساوی طور پر تقسیم کر دے۔ یہ سب کا مطلب ہے کہ ایک عمدہ کمرہ جماعت میں جہاں حالات موافق نہیں ہیں یا جہاں استاد درجۂ کمال کو نہیں پہنچ پایا ہو۔ عمدہ ذہنی صحت کا حصول ممکن ہو سکتا ہے۔ یہ انسان کی نااہلی کا اتنا معاملہ نہیں ہے جتنا نشو ونما کے لیے ایک چیلنج۔

مطالعہ اور مباحثے کی مشق

۱ .

۱ . دو قسم کے والدین اگر اپنے بچوں کے ساتھ دو مختلف قسم کے طریقے اختیار کریں اور دونوں کو کسی حد تک کامیابی حاصل ہو تو اس سلسلے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

۲ . کیا آپ کوئی ایسی مثال پیش کر سکتے ہیں جس میں حالات کی ستم ظریفی نے ایک معقول آدمی کو بوجھ تلے دبا رکھا ہو۔

۳ . اپنے تجربے اور تعلق کی روشنی میں کوئی ایسی نظیر پیش کیجیے جس میں منفی اثرات پر قابو پا لیا گیا ہو۔

۴ . تمام بچوں کے ساتھ استاد کا کامیاب ہونا ضروری نہیں۔ اس خیال کو عملی جامہ پہناتے وقت کیا احتیاط برتنی چاہیے؟

۵ . اپنے دوستوں اور ہم جماعتوں کا سروے کیجیے اور انگوٹھا چوسنے کے سلسلے میں اکثریت کی رائے معلوم کیجیے۔

۶. آپ کے خیال میں کیا یہ ممکن ہے کہ ذہنی حفظان صحت کے مطالعے سے بعض لوگوں کو نقصان ہوگا؟ دلیل کے ساتھ جواب دیجیے

۷. نارمل شخصیت کے لیے اپنا تصور پیش کیجیے۔ اپنے ہم جماعتوں اور اساتذہ سے اس پر رائے لیجیے اور اس کا جائزہ پیش کیجیے۔ کیا آپ کے اور ان کے تصور میں کوئی مماثلت یا اختلاف پایا جاتا ہے؟

۸. شلڈن کے صوریاتی ٹائپ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

۹. کوئی ایسی نظیر پیش کیجیے جس میں مزاحمتوں اور الجھنوں نے بچوں کی نشوونما پر کوئی اچھا اثر ڈالا ہو۔

۱۰. بچوں کی زندگی میں ایسے کون سے عوامل ہیں جو استاد کے قابو سے باہر ہیں۔ کیا صورت حال کو کسی طرح سدھارا جا سکتا ہے؟

۱۱. کیا آپ کو اسکول میں کوئی ایسا استاد ملا تھا جس نے قابل اعتراض شخصی خصائص کا مظاہرہ کیا ہو؟

۱۲. کتاب میں درج کی ہوئی اور اپنے تجربے میں آئی ہوئی ایسی کون سی پابندیاں ہیں جو آپ کے خیال میں ذہنی حفظان صحت کے لیے شدید طور پر مضر ہیں؟

باب ۱۷

معلمی کے پیشے پر ایک مثبت نظر

اکثر ہمارے مسائل اتنے سنگین نہیں ہوتے جتنے ان مسائل کی جانب ہمارے رویے ہوتے ہیں. ذہنی حفظان صحت کے اس اصول کا اطلاق کئی طرح ہوتا ہے اور اس سے مختلف مفہوم لیا جاتا ہے لیکن جب تعلیم کا جائزہ ایک پیشے کے طور پر لیا جائے تو اس وقت اس بیان کا تعلق سب سے زیادہ معلم سے ہوتا ہے۔ آپ کو اپنے گرد و پیش میں بعض ایسے معلمین نظر آجائیں گے جو پڑھاتے وقت خوش و خرم پر اعتماد اور مطمئن (آسودہ خاطر نہیں) ہوتے ہوں۔ البتہ بعض اپنی پابندیوں اور ذمہ داریوں پر سخت کبیدہ خاطر نظر آتے ہیں جبکہ کام کے تقاضے، حالات مسائل اور ضروریات ایک جیسی ہیں اس میں شبہ نہیں کہ ان دونوں متضاد و خیالات میں بعض ایسے بھی خیالات ہیں جن کا انحصار معلم سے انفرادی طور پر ہوتا ہے۔

راقم الحروف کا یہ پکا خیال ہے کہ استاد کو رجائی نظر رکھنی چاہیے. یہ محض اس لیے اہم نہیں ہے کہ بحیثیت معلم خود اس کی بھی ذہنی صحت کا اس پر انحصار ہے بلکہ اس کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ اسی رجائی نظر کا عکس اس کے کام میں بھی نظر آئے گا۔ اس باب کا خصوصی مقصد یہی ہے کہ معلمین پر یہ اثر ڈالا جائے کہ وہ اپنے پیشے میں تمام ممکن خوبیاں دیکھ سکیں. بے شک اس میں دشواریاں ہیں، کمیاب ہیں اور اس پر نکتہ چینی بھی جائز ہے لیکن ان میں سے بعض نقائص کو حالات کی بہتری کے لیے بطور ایک چیلنج پیش کیا گیا ہے۔ اس بات میں کچھ فائدے بھی نظر آتے ہیں

کیونکہ یہ اساتذہ میں اس بات کی تحریک پیدا کرتے ہیں کہ وہ ان قدروں کی زیادہ تحسین کرسکیں جو معلمی سے حاصل ہوتی ہیں۔ اگر قاری کو اس استفسار میں کوئی بیجا تعصب نظر آئے تو اس کو یاد کرلینا چاہیے کہ خود عمدہ ذہنی صحت کی رو سے ایک مثبت ایمائی نفسیات پیدا کرنا ضروری ہو جاتا ہے

معلمی کے نمایندہ نظریے

پیشے کی تنقید

بعض شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ اساتذہ اپنے پیشے کو عموماً مثبت نظر سے نہیں دیکھتے ایک عمدہ ذہنی صحت کے قیام کے لیے یہ بات بذات خود مفید ہے لیکن یہ تاثر ان معلمین کی رائے پڑھ کر قائم کیا جا سکتا ہے جنھیں اپنے پیشے کا منفی پہلو نظر آتا ہے۔ ان کی شکایتیں اس قسم کی ہیں۔ تنخواہ کم ہے۔ جن بچوں کے ساتھ کام کرنا پڑتا ہے وہ سیکھنے کے لیے مستعد نہیں ہوتے، اسکول بورڈ کے تنگ نظر ممبروں کی طرف سے نامناسب مطالبہ کیا جاتا ہے اور مدرسے کے اوقات کے علاوہ بھی جلسوں میں شرکت کرنا ان کے لیے ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اس کی ایک بہت ہی ٹھوس شہادت یہ ہے کہ اساتذہ کی ورکشاپ، انسٹی ٹیوٹ اور کنونشن میں یہ روایت بن گئی ہے کہ طریقہ تدریس، سامان تعلیم اور فلسفۂ تعلیم پر تنقید کی جائے۔ اس کے برعکس دیگر پیشہ وروں کے جلسوں میں یہ روئیداد پیش کی جاتی ہے کہ کتنی ترقی ہوئی نئی دریافتیں کیا ہیں اور تکنیک میں کیا کیا اصلاحات عمل میں آئیں۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ ماضی کی کوتاہیوں کا جائزہ لیا جایے بلکہ اس کا منشا یہ ہے کہ اگر اندرونی نکتہ چینی کسی قدر کم کردی جائے اور پیشہ ورانہ افتخار کو اجاگر کیا جائے تو اس کا امکان ہے کہ اساتذہ کی ذہنی صحت بہتر ہو جائے اور عوام کی نظر میں یہ پیشہ قابل احترام ہو جائے۔ اسی سے ملتی جلتی ایک دوسری شہادت یہ ہے کہ تعلیمی رسائل میں بہت سے ایسے مضامین چھپتے ہیں جن کے اندر اساتذہ اور تدریس پر نکتہ چینی کی جاتی ہے جبکہ منفی روئیداد کے بجائے کامیاب پروجیکٹ بہتر تکنیک اور قابل اطمینان اختیارات کا ذکر ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ سنگین فرد جرم

ان اساتذہ پر عاید ہوتی ہے جو اپنے پیشے سے نکل نہیں پاتے لہذا دوسروں کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ کبھی سنجیدگی سے استاد بننے کا خیال دل میں نہ لانا۔

معلم کو جو فوائد حاصل ہیں

اگر ہم معلمی کے نقصانات کو بڑھا چڑھا کر نہ پیش کریں اور اس پیشے کی بعض مثبت قدروں پر توجہ مرکوز کریں تو اس کا زیادہ امکان ہے کہ اساتذہ کو سکون قلب حاصل ہو جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک جانب داری کی پوزیشن ہے لیکن فائدہ یہ ہے کہ مثبت ایمائی نفسیات پر عمل کرنے کا موقع مل جاتا ہے لیکن اس سے اگر یہ سمجھا جائے کہ ہم نے منفی عوامل کی طرف سے آنکھیں بند کرلی ہیں (جو ضروری نہیں ہے) تو یہ بھی ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ بالیدگی کی تحریک نہ تو تعریف سے ہوسکتی ہے اور نہ الزام سے۔ لہذا اساتذہ کو خود اپنی ذہنی صحت کی خاطر یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ حسب ذیل فواید پر تبصرہ کریں، نکتہ چینی کریں اور جائزہ لیں۔

۱. معلمی کے ذریعے پیشہ ورانہ تحصیل کا موقع ملتا ہے، تکمیل کی خواہش انسان کے اندر فطری طور پر ہوتی ہے۔ یہ خواہش اس بچے میں نظر آتی ہے جو خود سے کھانے پینے کی کوشش کرتا ہے اور اس بوڑھے میں بھی جو اپنے بڑھاپے میں لازمی ریٹائر منٹ کے خلاف ردعمل کا اظہار کرتا ہے۔ تکمیل کے مواقع اور چیلنج بہم پہنچانے میں معلمی کوئی انوکھی چیز نہیں ہے بلکہ قابل تعریف محض اس لیے ہے کہ اس کے ذریعے بعض لوگوں کو کارہائے نمایاں انجام دینے کا موقع مل جاتا ہے۔

جدید سامان، نئے تجربوں اور بہتر تدریسی سامان کے استعمال سے معلمی کو بہتر بنانے کا موقع مل سکتا ہے۔ عمومی اور خصوصی تعلیمی رسالوں میں بھی ایسے مضامین شایع ہوتے رہتے ہیں جو تحریک پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ توسیعی پروگرام، خط و کتابت کورس، اعادی تربیت کی کمیٹی اور کلاس اور گرمائی اسکولوں میں پیشہ ورانہ تحصیل کے مواقع فراہم ہوتے رہتے ہیں۔ بعض اساتذہ انھیں مواقع تصور کرنے کے بجائے ایک بوجھ سمجھتے ہیں۔ ان رویوں کے ذریعے ذہنی بیماری کی علامات آسانی سے پہنچائی جاسکتی ہیں، لیکن دیگر اساتذہ اس اصول پر کاربند رہتے ہیں کہ ایک موثر

شخصی زندگی اور حقیقی جذباتی تحفظ کی بنیاد بالیدگی کے ایک مسلسل عمل پر ہے۔ یہ استثنائے چند، اکتاہٹ ایک شخص کی اپنی ذاتی خطا کا معاملہ ہے۔ اوپر جن متعدد مواقع کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے کسی شخص کی مصروفیت اتنی زیادہ ہو سکتی ہے کہ شخص تفکرات کا موقع ہی نہ مل پائے۔ پھر اگر مطالعہ جاری رہے تو ملازمت کی صورت حال بھی بہتر ہو جائے گی اور اس کے ذریعہ تفکرات کے اسباب اور عدم تحفظ کے احساسات بھی دور ہو جائیں گے

۲۔ معلمی کا تقاضا ہے کہ انسان عہد حاضر کا شعور حاصل کرنے۔ ایک موثر استاد بننے کے لیے آج نہ صرف پیشہ ورانہ میدان میں واقفیت کی ضرورت ہے بلکہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے بھی باخبر رہنا چاہیے۔ جمہوری تدریس اس اعتبار سے ہونی چاہیے کہ پہلی جماعت تا کالج اور یونیورسٹی، مواد تعلیم سے بیرون مدرسہ زندگی کی ترجمانی ہوتی رہے۔ اساتذہ کی معلومات اتنی وسیع ہونی چاہئیں کہ وہ اپنے شاگردوں کے سوالات کا موثر جواب فراہم کر سکیں۔ چاہے یہ سوالات موجودہ سبق سے دور ہی کا تعلق کیوں نہ رکھتے ہوں۔ یہاں اس بات کا مطالبہ نہیں ہے کہ اساتذہ تمام سوالوں کے جواب سے باخبر ہوں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ اساتذہ جو اس قسم کا تاثر رکھتے ہیں وہ اپنے شاگردوں کی تعلیم کے تسلسل میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ تاہم ایک استاد سے ہمیں یہ توقع رکھنے کا حق ہے کہ وہ عہد حاضر سے متعلق معلومات سے لیس ہو۔ یہ معلومات سنجیدہ اخباروں اور ایسے رسالوں سے جن میں مختلف قسم کی اطلاعات جائزے اور تنقیدیں شایع ہوتی ہوں اور پر از معلومات مصنفین کی سنجیدہ کتابوں سے حاصل ہوتی ہیں کیونکہ کہ مشاغل میں شرکت کرنے کو فرض کے بجائے ایک اچھا موقع تصور کیا جانے لگا ہے۔ اگر ہم زمانۂ حال کی معلومات کو موثر تدریس کے لیے کوئی اہمیت نہ بھی دیں تو بھی یہ ایک ایسی قدر ہے جس سے ذہنی بالیدگی ترقی پاتی ہے اور شخصی ذہنی صحت کا تحفظ ہوتا ہے۔

۳۔ معلمی سے شخصی تسکین حاصل ہوتی ہے۔ شاید والدین کے فرائض کو چھوڑ کر بہت کم ایسے کام ہوں گے جو معلمی سے زیادہ اہم تصور کیے جاتے ہوں۔ امریکہ سائز میں بڑھ گیا ہے اور تعلیم کی شخصی اور شہری اقدار میں عقیدہ رکھنے کی وجہ سے پیچیدہ بھی ہو گیا ہے۔ مانا کہ تعلیم پر نکتہ چینی کرنے والے بھی موجود ہیں لیکن جب خاص طور سے تعلیم کی حمایت کا مسئلہ سامنے آتا ہے تو رائے عامہ حسب نہ مل ہوتی ہے۔

"مستند عالموں کو اس میں شبہہ نہیں کہ تعلیم اگر سب سے زیادہ اہم ایجنسی نہیں تو بھی ان میں سے ایک ایجنسی ضرور ہے۔ (۱) تہذیب کی ترقی، توسیع، نشر و اشاعت میں اور (۲) افراد اور بنی نوع انسان کو تفہیم، تحسین تحصیل اور مسرت کی اعلیٰ سطح پر پہنچاتے ہیں۔ لہ

مزید یہ کہ تعلیم کی حمایت نہ کرنے کے باوجود محض چند مربی اور والدین ایسے ہیں جو معلم کے کام کی اہمیت کو نہیں تسلیم کرتے۔ دراصل خود معلم کا وقار سماجی روابط کو سہل بنانے میں کبھی کبھی رکاوٹ بن جاتا ہے۔ معلم کی موجودگی میں بہت سے لوگ مرعوب ہو جاتے ہیں۔ معلم کو فی الحقیقت اس وقت شخصی تسکین ہوتی ہے جب وہ یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ وہ نوجوانوں کی زندگی کا معمار ہے۔

۴۔ کام کے اوقات معقول ہیں۔ روزانہ چھ گھنٹے یا ہفتے میں تیس گھنٹے اور وہ پورے وقت تدریسی ذمے داریاں نہیں ہوں گی۔ تاہم معمولات کے علاوہ جو کام ہوتے ہیں انھیں افراد کی سہولت پر چھوڑ دینا چاہیے تاکہ وہ تفریحی اور شخصی نمو کے مشاغل کے لیے وقت نکال سکیں۔ ذہنی صحت کے قیام میں ان کی حیثیت بہت بنیادی ہے معلمین کو عام طور سے ڈاکٹر کی طرح نہیں ملایا جا سکتا۔ ان کے کام میں اس قسم کی مداخلت نہیں ہوتی جیسے پیشہ ور مزدور رہنماؤں کے ایما پر ہڑتال کی صورت میں ہو جایا کرتی ہے۔ جہاں تک تعطیلات کا تعلق ہے کرسمس اور موسم بہار کی چھٹیاں منانے میں ان کی حیثیت انوکھی ہے گرمی کے مہینوں میں تعلیمی مصروفیات ہونے کے باوجود ان چھٹیوں کے ذریعے انھیں معمول کے کاموں سے فرصت مل جاتی ہے۔ اور کام کا ماحول بدل جاتا ہے۔ گرمیاں بھی آتی ہیں جن میں استاد پر نہ تو مدرسے کے فرائض کی ذمے داری ہوتی ہے اور نہ مدرسے جانے کا بوجھ، یہ مانتے ہوئے کہ آزادی بنیادی طور سے ایک دماغی کیفیت کا نام ہے، یہ ضرور تسلیم کرنا چاہیے کہ کام کے اوقات ایسے ہونے چاہئیں جو اس قسم کا احساس پیدا کرنے میں معاون ہوں۔

۵۔ آمدنی کا انتظام پابندی سے ہونا چاہیے۔ ایسے واقعات دیکھے گئے ہیں کہ وقتی طور پر رقم کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے استاد کو تنخواہ کے لیے انتظار کرنا پڑا ہے لیکن ایسی صورتیں بہت کم پیش آتی ہیں جن میں تنخواہ سرے سے ملتی ہی نہ ہو۔ بعض علاقوں میں تنخواہ کام کے لحاظ سے بہت کم ہوتی ہے لیکن تنخواہ کی ضمانت ضرور ہوتی ہے۔ اگر استاد بالکل نالائق نہ ہو تو اور اس پر اخلاقی بدعنوانی کا الزام نہ ہو تو اسے ایک بار ملازمت ملنے کے

بعد یہ اطمینان رہتا ہے کہ کم سے کم اس تعلیمی سال میں تو ملازمت باقی رہے گی۔ ایسی صورت میں باقاعدہ منصوبہ بندی کرکے ہی سہولت کے ساتھ تنخواہ میں گزارہ کیا جاسکتا ہے کیونکہ تنخواہ شاید ناکافی ہوتی ہے چونکہ استاد کو کسی خاص برادری کے اسکول میں دوبارہ ملازمت نہیں ملتی اس لیے شاید اسے دوسری برادری کے اسکول میں ملازمت تلاش کرنی پڑتی ہے جب کوئی تعلیمی بورڈ کسی استاد سے تنگ آجاتا ہے تو اس کے لیے ضروری نہیں ہوتا کہ وہ اس کے لیے دوسری ملازمت تلاش کرے اور اس طرح اس کی ٹریننگ اور تجربے سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ ملازمت کی یقین دہانی اور مالیات کی فراہمی کی وجہ سے جس تحفظ کا احساس پیدا ہوتا ہے اسی کی بنیاد پر بہت سے لوگ زیادہ آمدنی کے خواہاں ہونے کے باوجود معلمی کے کام پر قناعت کر لیتے ہیں۔ یہ ایک ایسا عامل ہے جو ذہنی صحت میں اضافہ کرتا ہے۔ معقول تنخواہ کے ساتھ ساتھ ملازمت کی ضمانت کی توقع بہرکیف رکھنی چاہیے۔

معلمی ایک پاکیزہ کام ہے

۶۔ بہت کم ایسی ملازمتیں ہیں جو معلمی کی فطری یا نفسیاتی پاکیزگی کا مقابلہ کرسکتی ہیں۔ تھوڑی سی چاک کی گرد، کاغذ کے کچھ ٹکڑے ذرا سی مٹی اور کام کی بے ربطی اور انتشار سے کار معلمی مشتق ہے۔ ڈاکٹر اور معالج دنداں کا سابقہ ایسے لوگوں سے ہوتا ہے جو مریض اور انحطاط پذیر ہوتے ہیں، وکیلوں کا تعلق اشتعال جذبات سے ہوتا ہے اور تاجروں کو عیاری اندر خود غرضی اور لالچ سے کام لینا پڑتا ہے اس کے برعکس استادوں کا سابقہ ایسے لوگوں سے پڑتا ہے جو ابھی انحطاط سے پاک ہوتے ہیں اور ان کی شخصیت مسخ شدہ نہیں ہوتی۔ زیادہ سے زیادہ خراب صورت یہ ہوسکتی ہے کہ حالات کی ناخوشگواری کی ابتدا ہوگئی ہو۔ معلمین کو اس بات کا موقع ملتا ہے کہ وہ جوانی کی بہار، لڑکیوں کے کلف لگے ہوئے رنگین لباس اور لڑکوں کے چہروں اور دانتوں کی چمک دیکھ سکیں۔ انھیں ایسے شاگردوں سے سابقہ پڑتا ہے جنھیں یہ سکھانے کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اپنے ناخن کو صاف رکھیں۔ اور روزانہ غسل کیا کریں۔ جو لوگ بالغوں سے سروکار رکھتے ہیں انھیں بھی اسی قسم کی باتوں سے سابقہ پڑتا ہے۔

۷۔ معلمی کے ذریعے جوانی کے ولولوں سے رابطہ پیدا ہوتا ہے۔ بظاہر ان فوائد کے

باجود اس کے منفی پہلو بھی ہیں۔ یعنی ہوسکتا ہے کہ نوجوانوں کے اندر ہمہ وقت انتہائی جوش اور اعتماد قائم نہ رہے۔ لیکن شاید انھیں خصائص کے ساتھ سابقہ پڑنے کی وجہ سے اساتذہ بعض مصائب کو نظر انداز کر جاتے ہیں دوسری جانب ہولناک پیشن گوئیوں کو سن کر مایوسی پیدا ہوتی ہے۔ تجارتی کلب کے مقررین کی باتیں اور بالغوں کی مایوس کن روئدادیں سن کر قنوطیت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے مسائل پر قابو پانے میں دشواری ہوتی ہے۔ ویم۔ ایچ۔ مائیک سیل (W. H. Mikesell) نے رجائی رجحانات اپنانے کے لیے حسب ذیل الفاظ میں اچھے مشورے دیے ہیں۔ رجائی رجحان رکھنے والا شخص (۱) مواقع ڈھونڈتا ہے اور پیدا کرتا ہے (۲) ذہن کو منظم کرتا ہے اور کارکردگی میں اضافہ کرتا ہے (۳) خود اپنے زور حرکت سے پروان چڑھتا ہے۔ (۴) اظہار ذات سے قوت حاصل کرتا ہے اور (۵) دوسروں کو بھی ان رجحانات کی ترقی میں شریک کرتا ہے۔[۲۸] آخری نکتہ اس براہ راست فائدے کی جانب اشارہ کرتا ہے جو اساتذہ کو نوجوانوں کے جوش اور ولولے سے حاصل ہوتا ہے۔

۸۔ معلمی میں مختلف النوع کام شامل ہیں۔ اس پرانی کہاوت میں صداقت ہوسکتی ہے "تنوع سے زندگی میں چٹخارا پیدا ہوتا ہے"۔ ذہنی صحت کی جب یہ تعریف کی جاتی ہے کہ "فرد اپنی ذات اور کائنات سے اس طرح مطابقت پذیر ہو کہ اس میں معنویت، تسکین اور شادمانی پیدا ہو جائے اور سماج پسند کردار اور زندگی کے حقائق سے آنکھیں چار کرنے اور ان حقائق کو تسلیم کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے"[۲۹] تو اس سے میری لغت کا ایک مختلف الجہت تصور پیدا ہوتا ہے۔ ذہنی حفظان صحت کے تذکروں میں اکثر و بیشتر ہمہ جہت نشوونما کا حوالہ ملتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ زندگی کے وہ مشاغل جو متنوع ہیں۔ ذہنی صحت کے لیے سودمند ثابت ہوں گے۔

تکنیک کو سدھارنے اور عہد حاضر کا شعور پیدا کرنے کے جو تقاضے ہیں اور جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے ان کی وجہ سے معلمی کے کام میں تنوع پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک مثالی استاد سال بہ سال ایک ہی مضمون نہیں پڑھاتا۔ امسال کا منصوبہ گزشتہ برس سے کسی قدر مختلف ہوگا۔ آج کی تدریس سے دس برس پہلے کی تدریس کا اگر موازنہ کیا جائے تو اس نکتے کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ مضمون کا نام چاہے وہی ہو نفس مضمون بہت حد تک

بدل جاتا ہے وہ مشاغل جو غیر درسی کہلاتے ہیں ان میں اور زیادہ تنوع کی گنجائش ہے استاد خصوصی وظائف میں بھی شرکت کرسکتا ہے جیسے نصاب مدرسہ کی تشکیل نو اصلاح کاری جانچ اور پیمائش قدر، سامان تدریس، ریسرچ اور ایسے دوسرے کام جن کی وجہ سے یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ معلمی کوئی خشک پیشہ نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کسی خاص استاد کو کوئی ایسا متنوع موقع نہ ملا ہو پھر بھی تنوع کی گنجائش رہتی ہے کیونکہ اس ایک درجے سے دوسرے درجے میں سال بہ سال بدلتے رہنے کی وجہ سے نوع بہ نوع شاگردوں سے سابقہ رہتا ہے۔ اس کا امکان کم ہے کہ ہائی اسکول کی پہلی کلاس میں اوسطاً وہی لڑکے ہوں جو گزشتہ سال تھے اور اگر ایسا ہو بھی تو عمر نے امسال جو مسائل پیدا کیے ہیں وہ گزشتہ سال بھر کے مسائل سے مختلف ہوں گے نئی شکلوں متنوع پس منظر، نوع بہ نوع دلچسپیوں اور شخصیت کے ناگزیر اختلافات سے ہمیشہ تنوع پیدا ہوتا رہتا ہے۔

9. معلمی کے پیشے پر خود معلمین کی جانب سے بہت دلچسپ تنقیدیں ہوتی رہتی ہیں۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ اساتذہ میں خود اپنے طریق کار اور اپنی تاثیر پر تنقید کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ اس کے کچھ نقصانات بھی ہیں لیکن یہ تنقیدی رویہ سود مند ہے اس لیے کہ تنقید آسودہ خاطری کو روکتی ہے اور بالیدگی کی تحریک پیدا کرتی ہے۔ اگر بددل ہوئے بغیر اساتذہ ناآسود رہ سکیں تو یہ خصوصیت معلمی کے لیے بہت سود مند ثابت ہوگی۔ طبی عہدیداروں اور ذہنی حفظان صحت کے ماہروں نے اس کا ذکر اکثر کیا ہے کہ تسکین ذات سے ذہنی بیماری اور سن رسیدگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ اندرونی تنقید کو اچھی طرح پرکھا جائے اس طرح کہ نہ تو استاد بددل ہو اور نہ عوام کی نظر میں رسوائی ہو ذہنی حفظان صحت کے دوسروں پہلوؤں کی طرح اس میں بھی اعتدال اور فہم عام کی بات تجویز کرنا درست ہے۔

10. معلمی کے ذریعے ہم پیشہ کارکنوں سے تعلق پیدا ہوتا ہے۔ معروضی مطالعوں سے پتہ چلتا ہے کہ پیشہ معلمی میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں جن میں شخصیت کے وہ خصائص نہیں پائے جاتے جو نوجوانوں کو پڑھانے کے لیے مطلوب ہوں۔ دوسری جانب معلموں کی اکثریت، صحت مند، مسرور اور قابل تعریف ہے۔ دوسرے پیشوں میں بھی ہم پیشہ کارکنوں سے ربط ضبط پیدا کرنے کا موقع ملتا ہے لیکن ایک مثالی تعلیمی کارکن میں ایسی باتیں ملتی ہیں جو دوسری موثر شخصیتوں سے اوسطاً بالاتر ہوتی ہیں۔

"ہمارے سامنے ایک جلوس ہے..... یہ زیادہ تر نوجوانوں کا اجتماع ہے اور کثیر خواتین پر مشتمل ہے۔ ذہین امریکی لوگوں کی یہ ایک مضبوط فوج ہے۔ اس تعداد سے تمام نسلوں، قوموں اور ملکوں کی نمایندگی ہوتی ہے۔ یہ لوگ فارموں چھوٹے قصبوں اور بڑے چھوٹے شہروں سے آئے ہیں۔ ان سے پوری قوم کی نمائندگی ہوتی ہے"۔[لے]

راقم الحروف نے گزشتہ جنگ کے دوران دیکھا کہ معلمین ہر قسم کی فوجی خدمات میں ذمے داری کے ساتھ رہنمائی کر رہے تھے۔ جتنی سہولت کے ساتھ ان لوگوں نے مطابقت پذیری حاصل کی اس کی تعریف اکثر و بیشتر باضابطہ فوجی حاکموں نے کی ہے۔ ڈاکٹر جیمس ایف۔ بنڈر (Dr. James F. Bender) نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہومن ریلشنز کے ڈاریکٹر جنرل نے ۱۹۴۳ء میں کنکٹی کٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے جلسے میں یہ بات کہی کہ ان امیدواروں کی تعداد سب سے زیادہ تھی جو استانیوں کو اپنی رفیقۂ حیات بنانا چاہتے تھے۔ انھوں نے اس بیان کی تائید میں دس مخصوص اسباب کی فہرست پیش کی ہے۔

۱۔ وہ اوسط سے زیادہ صحت مند خوبصورت اور ذہین ہوتی ہیں۔
۲۔ بچوں سے انھیں گہری محبت ہوتی ہے۔
۳۔ وہ شادی کی متمنی ہوتی ہیں اور دو یا دو سے زیادہ بچوں کی پرورش پر آمادہ ہوتی ہیں
۴۔ ان کی ملازمتیں کساد بازاری کے زمانے میں بھی بخوبی محفوظ ہوتی ہیں۔
۵۔ ان کی آواز اچھی ہوتی ہے اور وہ زیادہ باتیں نہیں کرتیں۔
۶۔ مقررہ اوقات اور تعطیلات کی کثرت کی وجہ سے اچھی گرہستنیں بن سکتی ہیں۔
۷۔ محنت کی عادت اور فہم عام رکھنے کی وجہ سے وہ ان نوجوانوں کے لیے بہت مفید ثابت ہوتی ہیں جو تجارت یا کسی دوسرے پیشے کو شروع کرنا چاہتے ہیں۔
۸۔ ان کے نصب العین چونکہ بلند ہوتے ہیں اس لیے وہ اوسط سے زیادہ دل پذیر نرم مزاج، ہمدرد اور سمجھ دار ہوتی ہیں۔
۹۔ ان کی ملازمت چونکہ مستحکم ہوتی ہے اس لیے وہ بائیس سے پچیس برس تک کے سنہرے زمانے میں شادی کے لیے آمادہ ہوتی ہیں۔
۱۰۔ استانیوں میں طلاق کی نوبت بہت کم آتی ہے۔[ھ]

اساتذہ کی ذہنی صحت کے مطالعوں سے مختلف قسم کے نتائج برآمد ہوتے ہیں اور

مختلف قسم کی رائیں معلوم ہوتی ہیں۔ ان میں سے بعض مطالعوں کی بنیاد پر یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اساتذہ کی ذہنی صحت کا اوسط عام آبادی کے مقابلے میں بلند ہے اور اس تصور کو ایک مستقل حیثیت دے دی گئی ہے۔ اس پیشے کے لوگوں کے لیے جو کم سے کم تعلیمی صلاحیتیں درکار ہیں وہ بھی اوسطاً عام آبادی سے بلند ہیں اور حقیقی اوسط واجبی صلاحیتوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ اس کی وجہ سے انھیں اس بات کے مواقع ملتے ہیں کہ یہ زیادہ باخبر لوگوں سے رابطہ پیدا کرسکیں۔

میل جول کی خارجی خوبیاں رکھنے کے علاوہ اس پیشے میں بعض داخلی خوبیاں بھی موجود ہیں۔ اس پیشے میں ناخوشگوار باتوں کو ترک کرنے کا عمل مسلسل جاری رہتا ہے۔ اساتذہ جس کو نہج میں کام کرتے ہیں ان کے مطابق جب وہ اپنے عمل کو نہیں ڈھال پاتے تو ناراض ہو جاتے ہیں اور وہ کام چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کے افسران بالا انھیں دوبارہ ملازمت میں نہیں رکھتے۔ چند ہی لوگ معلمی کے پیشے میں اس تاثر کے ساتھ داخل ہوتے کہ یہ بے کار نوکری ہے۔ لہٰذا یا تو وہ کام سے رغبت رکھتے ہیں یا ان میں خدمت کے جذبے سے تحریک پیدا ہوتی ہے یا پھر دونوں جذبے ساتھ ساتھ کارفرما ہوتے ہیں۔ اساتذہ جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو اکثر اپنے کام سے متعلق تبادلہ خیال کرتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ ان کی زندگی کا ایک جزو ہے۔ لیکن اس کا ایک اور مطلب آسانی سے نکالا جاسکتا ہے وہ یہ کہ انھیں کوئی اور دلچسپی نہیں۔

نقطہ نظر اور معلمی کا فایدہ

مذکورہ بالا فوائد میں سے بہت سے ایسے فایدے ہیں جن پر اعتراض کیا جاسکتا ہے۔ ان میں سے بعض کو یقیناً مضر سمجھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر پرجوش نوجوانوں کے ساتھ کام کرنے کا مطلب ہے کہ برداشت سے باہر کسی کے صبر کا امتحان لیا جائے اسی طرح تنوع پیدا کرنے کی وجہ سے کسی ایک میدان میں بہت اعلیٰ قابلیت نہیں پیدا ہوپاتی کام کے دوران جس قدر ذہنی اور جذباتی قوت صرف ہوتی ہے اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کام میں زیادہ وقت درکار ہے۔ چنانچہ اندرونی نکتہ چینی اس درجے تک پہنچ گئی ہے کہ ناامیدی پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے۔ سرمایہ دارانہ اور مقابلے کے اس

سماج میں پابندی کے ساتھ آمدنی کی ضمانت سے قلیل تنخواہ کی خاطر خواہ تلافی نہیں ہوتی چنانچہ بہت سے اساتذہ کو شام کی کلاس اور گرمائی مدرسوں میں شرکت کرنا ایک بوجھ معلوم ہوتا ہے تاہم کوئی شخص یہ نقطہ نظر اپنا سکتا ہے کہ موافق صورت حال کو تسلیم کر کے ذہنی صحت کے لیے ایک مناسب ماحول پیدا کرے لیکن سوال یہ ہے کہ کس پر کون سی ایمائی نفسیات کارفرما ہوگی اور اور کس حد تک اس کا انحصار خود اس فرد کے رویے پر ہوگا تین اندھے آدمیوں اور ہاتھی کی کہانی صرف تفریحی نہیں ہے بلکہ تعلیمی بھی ہے۔ جہاں تک نقطہ نظر کا تعلق ہے اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے "دو نوجوانوں نے سلاخوں کے درمیان سے جھانکا ایک کی نگاہ کی رسائی کیچڑ تک ہوئی اور دوسرے نے ستاروں پر نظر ڈالی" اساتذہ کے علاوہ بہت سے لوگوں کو ہم جانتے ہیں جو حالات کے محض منفی پہلو دیکھنے کے عادی ہیں اور کسی مثبت پہلو پر ان کی نظر نہیں اٹھتی۔

ناموافق صورت حال پر توجہ دینے کی ضرورت ہے

یہ دانش مندی کے خلاف ہے کہ کسی پیشے کے محض مسخ شدہ پہلوؤں کو پیش کیا جائے یعنی ایک ایسا طرز خیال جس کے تحت اس بات کو ملحوظ نہ رکھا جائے کہ بعض مسائل کے سلسلے میں مطالعے اور عمل کی ضرورت ہے۔ مذکورہ بالا مباحث کے ذریعے یہ تاثر پیدا کرنا مقصود نہیں کہ ایک پکے قنوطی کو معلمی کے پیشے میں ہمیشہ منفی پہلو نظر آئیں گے۔ معلمی کو زیادہ سود مند بنانے کی جو کوشش کی جائے اس کا تقاضا ہے کہ انتہائی قنوطی اساتذہ کو بھی ذہنی صحت کی طرف متوجہ کیا جائے۔

سماج کے تقاضوں کا جائزہ لینا ضروری ہے

معلمی کے کام کی خرابیوں میں اس کا بہت ذکر کیا جاتا ہے کہ سماج اپنے اساتذہ سے بہت نامعقول مطالبے کرتا ہے۔ شاید یہ بات صحیح ہے "جہاں دھواں اٹھے گا وہاں آگ بھی ہوگی" اور یہ بھی درست ہے کہ بعض برادریوں کے تقاضے بہت نامعقول ہوتے ہیں معقول اور نامعقول تقاضوں کے درمیان کوئی خط کھینچنا بہت مشکل ہے۔ مثال کے لیے بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ استاد کی سگریٹ نوشی کا عوام سے کوئی تعلق نہیں اور وہ لوگ

اس کو یقیناً اخلاق کی خرابی نہیں تصور کرتے۔ اس لیے عموماً یہ مناسب نہیں کہ ایسے اساتذہ پر اصرار کیا جائے جو سگریٹ نوشی نہ کرتے ہوں تاہم ایک ایسی برادری کے لیے جو کسی مذہبی گروہ پر مشتمل ہو اور جس کے اندر اکثر و بیشتر بالغ تمباکو نوشی سے پرہیز کرتے ہوں۔ یہ عادت اخلاقی بدعنوانی تصور کی جاسکتی۔ لہذا ایسی صورت میں یہ مطالبہ جائز ہے۔ مگر یہ بات بھی معقولیت پر مبنی نہیں کہ جس برادری سے استاد تنخواہ پاتا ہو اسی کے اندر خرید و فروخت کرے چاہے قیمتیں زیادہ ہی کیوں نہ ہوں اور چاہے سامان کے انتخاب کا بھی زیادہ موقع نہ ہو۔ انفرادی طور پر معلم سے یہ مطالبہ کرنا معقولیت پر مبنی نہیں کہ وہ برادری کے اندر ہی رہائش اختیار کرلے مثال کے لیے ایک استانی سے کہا گیا کہ وہ برادری کے اندر ہی رہائش اختیار کرے ورنہ اس کے معاہدۂ ملازمت کی تجدید نہیں کی جائے گی۔ حالانکہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ مقامی برادری میں رہائش اختیار کرنے کے بجائے ندی کے اس پار اپنے ذاتی مکان میں رہے جبکہ اسکول کے بورڈ کا مطالبہ ہے کہ اس کے اساتذہ برادری کے اندر ہی رہائش اختیار کریں چاہے وہاں مکانات کی قلت ہی کیوں نہ ہو۔ کہا یہ جاتا ہے کہ جو اساتذہ متصل مرکزی علاقوں میں رہتے ہیں وہ عموماً دیر سے کام پر پہنچتے ہیں کیونکہ آمد و رفت کے انتظامات قابل اطمینان نہیں ہیں۔

مذکورہ بالا نظیریں استثنائی صورت حال کو ظاہر کرتی ہیں۔ اکثر و بیشتر اساتذہ پر کوئی پابندی نہیں کی گئی۔ زیادہ سے زیادہ برادری یہ مطالبہ کرتی ہے کہ استاد اور استانی شریف ہوں اور یہ بہت معقول بات ہے۔ اگر آپ والدین کی جگہ خود کو تصور کریں اور یہ تسلیم کریں کہ اساتذہ بہت اثر انداز ہوتے ہیں تو آپ بھی اس مطالبے کی تائید کریں گے۔ کیا یہ مناسب بات نہیں کہ اتنا بہت کچھ جن لوگوں کے سپرد کر دیا جائے ان سے زیادہ سے زیادہ کی توقع بھی کی جائے۔ اگر آپ کے لیے والدین کی حیثیت سے تصور کرنا مشکل ہے تو بھی آپ یہ تو سوچ سکتے ہیں کہ آپ کے چھوٹے بھائی بہنوں کے لیے کس قسم کے استاد کی ضرورت ہے۔

اساتذہ اکثر یہ نہیں محسوس کرتے کہ انھیں بلا ضرورت برادری کے تقاضوں کا پابند کر دیا گیا ہے۔ راقم الحروف کو ان پابندیوں کی شکایت ان اساتذہ سے نہیں سننے کو ملیں جو تجربہ کار ہیں بلکہ ان اندیشوں کا اظہار ان لوگوں کی طرف سے ہوا جو ابھی معلمی کی

تیاری کر رہے ہیں۔ ایک تجربہ کار استاد کا مثالی رویہ حسب ذیل ہو سکتا ہے۔

"معلمی کے پیشے میں جہاں تک شخصی زندگی کا تعلق ہے میں نے اس بات کو کبھی نہیں تسلیم کیا کہ استاد بننے کا مطلب ہے کہ انسان کو معمول کی مسرتوں سے محروم کر دیا جائے۔ در اصل استاد کی زندگی ایک عوامی موضوع بن جاتی ہے اس کی بہت چھان بین کی جاتی ہے اور خود کے بجائے اس پر کسی اور کی حکمرانی ہوتی ہے۔ یہ درست ہے کہ برادری کے لوگ اپنے اساتذہ اور ان کے طرز زندگی میں اکثر دلچسپی لیتے ہیں پھر بھی یہ کبھی نہیں محسوس ہوا کہ یہ دلچسپی بری نیت مبنی ہے"۔ؔ

اگر اساتذہ سنجیدگی کے ساتھ یہ ذمے داری قبول کر لیں کہ بچوں کو سماج کے تعمیری کاموں میں لگائیں گے تو بہت ممکن ہے کہ برادری کے مطالبوں کو بلا وجہ پابندی تصور کرنے کا رجحان کم ہو جائے۔ یہاں مطالبات کے مقابلے میں خود اپنا رجحان زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

اساتذہ کے کام کا بوجھ کم ہونا چاہیے

یہ نفسیات کا اساسی اصول ہے کہ آموزش ایک انفرادی معاملہ ہے۔ اساتذہ صرف افراد کو تعلیم دیتے ہیں۔ اساتذہ پر کام جو بوجھ پڑتا ہے اس پر جو تحقیقی مطالعے ہوتے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ اگر ابتدائی مدرسے کے درجوں میں شاگردوں کی تعداد پچیس اور ہائی اسکول کے درجوں میں شاگردوں کی تعداد تیس سے زیادہ نہ ہو تو اساتذہ کی اثر پذیری کم نہ ہونے پائے۔ اگر انفرادی فرق اور اس جذباتی کھنچاؤ کو ملحوظ رکھنے کی صلاحیت نہ ہو جو انفرادی فرق کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے تو بھی معنویت کم ہو جاتی ہے۔ جن درجوں میں طلبہ کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے ان میں استاد اور شاگرد دونوں کے لیے دشواری ہوتی ہے۔

معلمین کی تنخواہوں میں اضافہ ہونا چاہیے

حالیہ برسوں میں معلمین کی تنخواہوں کا خرچ بہت بڑھ گیا ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ بعض علاقوں میں اب بھی بہت حقیر تنخواہ دی جاتی ہے۔ ذہنی صحت کے لحاظ سے یہ بات مضر ہے۔ ان ریاستوں میں بھی جہاں تنخواہیں زیادہ ہیں فائدہ بظاہر زیادہ مگر فی الحقیقت کم ہے یعنی ڈالر کی قوت خرید اتنی گھٹ گئی ہے کہ آج زیادہ تنخواہ پانے کے باوجود قوت

خرید گزشتہ دہائی کی قلیل تنخواہ کے مقابلے میں زیادہ نہیں. اس کی وجہ سے مقابلتاً استاد کی حیثیت اتنی ہی کم ہے جتنی اضافہ تنخواہ سے پہلے تھی. نتیجہ یہ ہے کہ مالی پریشانیاں جتنی پہلے تھیں اتنی ہی آج بھی لاحق ہیں. اس کا خراب ترین اثر یہ پڑا ہے کہ تنخواہ کم ملنے کی وجہ سے اچھی لیاقت کے مرد و زن اس پیشے کی طرف راغب نہیں ہوتے اس لیے یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ اساتذہ اضافہ تنخواہ کے لیے اپنی جد و جہد جاری رکھیں لیکن یہ کوشش منظم اور متعین سمت ہونی چاہیے. ایسا نہ ہو کہ یہ نکتہ چینی اور بحث و مباحثے کا ایک ذریعہ بن جائے جیسا کہ ایک ناکام اجتماع کی شکل میں گزشتہ دنوں ہوتا رہا ہے۔

کام کے حالات بہتر ہونے چاہئیں

مدرسوں کے متعدد نظام ایسے ہیں جہاں اساتذہ کے کام کو بہتر بنانے کے لیے رہبرانہ قدم اٹھائے گئے ہیں. اس سلسلے میں یہ انتظام کیا گیا ہے کہ نگرانی کے فرائض سے فرصت پانے کے بعد مدرسے کی عمارت کے اندر اساتذہ کی تفریح کا انتظام ہو. اس کے تحت جو مراعات شامل ہو سکتی ہیں وہ ہیں. جمینزیم کا استعمال، کتب خانے میں نئی کتابوں کے مطالعے کے وقت نکالنا آرٹ اور حرفے کے متعلق کا استعمال، نجاری، میکینکل آرٹ شاپ کے لیے گھنٹے کا انتظام اور شاگردوں کی مداخلت کے بغیر اپنے لیے اور اپنے دوستوں کے لیے ضیافت کا انتظام. اس قسم کی سہولتوں سے دوہرے فائدے ہیں. ایک یہ کہ ایک متوازن نشو و نما کے ذریعے اساتذہ کی ذہنی صحت میں ترقی ہوتی ہے اور دوسری طرف مدرسے کے مادی اور بشری وسائل سے واقفیت ہوتی ہے۔

حال میں تعمیر ہونے والی اکثر عمارتوں میں آرام کرنے کے لیے کمرے مہیا کیے جاتے ہیں. اس کا بھی ضرور انتظام ہونا چاہیے کہ شاگردوں کی مداخلت کے بغیر ان کمروں کو استعمال کرنے کا باقاعدہ گھنٹہ لگایا جائے. ساڑھے آٹھ اور چار کے درمیان یا جو بھی مدرسے کے اوقات ہوں، استاد کے لیے ایک گھنٹہ خالی چھوڑ دینا چاہیے. اگر بارہ اور ایک بجے کے درمیان کسی استاد کو کام کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو گیارہ اور بارہ یا ایک اور دو کے درمیان اس کو آرام و سکون کے ساتھ کھانے

پینے کے لیے وقت ملنا چاہیے۔ اس انتظام کے بعد توقع کی جاتی ہے کہ منتظمین اور عوام جلد ہی یہ محسوس کرنے لگیں گے کہ یہ معلم کے لیے کوئی انعام نہیں ہے اور نہ ہی اس کے ذریعے اساتذہ کی ناز برداری کی جاتی ہے بلکہ موثر تدریس کے لیے یہ ایک عمدہ اثاثہ ہے۔

اساتذہ کے لیے طبی معائنے اور علاج کا بھی انتظام ہونا چاہیے۔ سالانہ معائنے کے بعد یہ کہ دنیا کافی نہیں کہ اب استاد کو دق کی بیماری نہیں رہی بلکہ طبی معائنہ تفصیلی ہونا چاہیے اور اکثر ہوتے رہنا چاہیے تاکہ مرض کا تدارک بھی ہو سکے اور علاج بھی۔ جہاں تک ممکن ہو اساتذہ کے علاج معالجے کا معقول انتظام ہونا چاہیے شاید ہم اب بھی اس منزل سے بہت دور ہیں۔ طبی دیکھ ریکھ میں نفسیاتی معالج کی خدمات بھی حاصل ہونی چاہئیں۔ اس کے سبب اساتذہ کی تعلیم اس لحاظ سے بہت ترقی ہوتی ہے کہ وہ ذہنی صحت کا منصب سمجھ لیتے ہیں اور نوخیز بچوں کی زندگی میں ذہنی حفظان صحت کے اصولوں کو استعمال کرنے لگتے ہیں۔

دوسرے عوامل جو محتاج توجہ ہیں

اساتذہ کی فلاح و بہبود کے دوسرے عوامل جن سے بہتر ذہنی صحت کا قیام عمل میں آتا ہے، حسب ذیل باتوں پر مشتمل ہو سکتے ہیں (۱) مدرسے کے انتظام میں اشتراک حاصل کرنے کا اہتمام (۲) رخصت علالت سے متعلق بہتر پالیسی مرتب کرنا تاکہ اساتذہ کی طبیعی علالت کے کھنچاؤ میں مزید اضافہ نہ ہو (۳) ریٹائرمنٹ کے پروگرام میں توسیع تاکہ ریٹائرمنٹ کے خوف کی نحوست نہ چھاتی رہے (۴) تنخواہوں کا ایسا انتظام کرنا کہ زیادہ دن تک اس پیشے سے منسلک رہنے کی ترغیب ملے اور دوران ملازمت اس خدمت کو بہتر کرنے کی تحریک پیدا ہو (۵) وسیع پیمانے پر بچوں کی خدمت کے لیے اساتذہ کو امداد فراہم کرنا۔ اس کے تحت ذہنی حفظان صحت کے خصوصی ماہر پیشہ ورانہ رہنمائی کے ماہر، تعلیمی صلاح کار خواندگی کے ماہر، مہمان اساتذہ اور مدرسے میں کام کرنے والی نرسوں کا انتظام شامل ہے۔

اس پیشے میں معلمین کا منصب

معلمی کے پیشے کا متوازن طرز خیال اس وقت تک مشکل سے حاصل ہو سکے گا جب تک اس پیشے کو کارکنوں سے علاحدہ کر کے دیکھا جائے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ استاد خود کو اس پیشے کا ایک فعال اور جیتا جاگتا عضو تصور کرے۔ معلمی سے انفرادی صلاحیت کے بقدر مواقع اور سہولتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اچھے معلمین اس کی تحسین کرتے رہیں اور انھیں زیادہ سہولت کے ساتھ یہ فوائد حاصل ہوتے ہیں کتاب کے اس حصے میں اچھے استاد کی بعض خصوصیات کا جائزہ لیا گیا ہے تاکہ ان تجربہ کار اور ناتجربہ کار اساتذہ کو فائدہ حاصل ہو سکے جنھوں نے شخصی نشوونما کو اپنا نصب العین مقرر کیا ہے۔ ایک نصب العین جس سے اس پیشے کی مقبولیت بڑھے گی اور شخصی ذہنی صحت میں اضافہ ہوگا۔

اچھے معلمین کے شخصی امتیازی اوصاف

اس سوال کے جواب کے لیے بہت کچھ قیاس آرائیاں ہوئی ہیں اور بعض تحقیقاتی مطالعے بھی (جو بار آور نہیں ہوئے) کیے گئے ہیں کہ ایک اچھے استاد کے شخصی امتیازی اوصاف کیا ہیں؟ اس مسئلے پر ماہرین کی رائے حاصل کی گئی، پیشہ ور رفیقان کار سے دریافت کیا گیا: بچوں سے پوچھا گیا کہ وہ اپنے اپنے پسندیدہ اور موثر ترین اساتذہ کی شخصی خصوصیات بتائیں لیکن جواب مبہم ہی رہا۔

مثال کے طور پر مدرسے کے ضبط کو بہتر کرنے کے لیے شخصی خصوصیات کی فہرست میں حسب ذیل باتیں شامل کی جا سکتی ہیں (۱) دلفریب وضع قطع (۲) اچھی آواز (۳) بچوں میں دلچسپی (۴) عمدہ افتادِ مزاج (۵) قوت فیصلہ کا حامل ہو۔ راقم الحروف ایک ایسی استانی سے واقف ہے جس کے اندر یہ تمام اوصاف موجود تھے لیکن ضبط کے معاملے میں ناکام ہونے کی وجہ سے اس نے یہ کام چھوڑ دیا۔ اس میں شبہہ نہیں کہ تشفی بخش خوبیوں کی موجودگی میں ضبط کے بہت سے مسائل ختم ہو جائیں گے اور اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مذکورہ اوصاف بہت پسندیدہ ہیں۔ یہاں اس خیال کو پیش کرنا مقصود ہے کہ ایک استاد کے لیے جن اوصاف کی معنویت ہے ہو سکتا ہے وہ دوسرے کی کامیابی کے لیے نسبتاً کم اہمیت

رکھتے ہوں۔ مختصر یہ کہ ایک استاد کے لیے جو بات ذمے داری بن جاتی ہے ہو سکتا ہے دوسرے استاد کے لیے شاگردوں سے متعلق چیلنج کا باعث بن جائے۔ معلمین کی فہرست استعداد میں خاص طور سے ذہانت کو اعلیٰ درجہ دیا جاتا ہے اور عام طور سے زیادہ ہوشیار پرنسپل انھیں اساتذہ کا انتخاب کرتے ہیں جنھوں نے اعلیٰ ذہانت کا ثبوت دیا ہے۔ ایک پرنسپل نے جو ایک بڑے شہر کے نظام تعلیم سے متعلق تھا اور جو معلمی کے لیے ممتاز امیدواروں کے انتخاب کے کام میں شہرت رکھتا تھا، یہ کہانی سنائی کہ اس نے ایک سست آموز استانی کو خاص طور سے منتخب کرنے کی کوشش کی وہ کالج میں داخل ہونے سے پہلے سے ہی اس کو جانتا تھا۔ اس نے ہی اُسے کالج میں داخلہ لینے کے لیے اکسایا تھا اور تعلیم کو خصوصی مضمون کی حیثیت سے پڑھنے کا مشورہ دیا تھا۔ کالج کے اندر اس کو دشواریاں پیش آئیں۔ وہ کالج کے بعض عہدیداروں سے واقف تھا چنانچہ اس نے سفارش کی۔ گریڈنگ کی جگہ پیمائش قدر کا طریقہ اپنایا گیا تاکہ وہ امتحان میں کامیابی حاصل کرکے سند حاصل کرلے جس وقت پرنسپل نے یہ کہانی سنائی اس وقت وہ کئی برس استانی کے فرائض انجام دے چکی تھیں۔" خدا اس منتظم کو معاف کرے جو اس استانی کو مجھ سے چھیننا چاہتا تھا، میرے علم میں لائے بغیر اس نے استانی کی بولی لگادی تھی۔ وہ استانی ان چند استانیوں میں سے ایک تھی جو واقعی جانتی تھی کہ آموزش کی دشواریاں کیا ہوتی ہیں۔ اس نے شہر کے ایک علاقے (ایک اقلیتی گروہ) میں بہت عمدہ کام کیا تھا!"

حوصلہ، رجائیت، پیش قدمی اور خوش تدبیری ایسی خوبیاں ہیں جو عموماً اساتذہ کے اوصاف میں شمار کی جاتی ہیں، مزید یہ کہ ان عوامل کو بہت پسندیدہ سمجھا جاتا ہے لیکن بعض کامیاب اساتذہ حوصلے کے بجائے حکم سے کام لے کر اپنے طالب علموں کو معلومات بہم پہنچاتے ہیں اور ان میں اچھی استعداد پیدا کرتے ہیں قنوطی اساتذہ بھی بعض طالب علموں میں تحریک پیدا کرتے ہیں۔ بعض طالب علموں کے لیے متنوع طریق کار کے بجائے معمولی کے کام زیادہ باعث تحریک ہوتے ہیں۔ کبھی کبھار کوئی طالب علم دانستہ طور پر ایسے استاد کو پسند کرتا ہے جو طنز مزاجی کے لیے مشہور ہو۔ طنز مزاجی ایک ایسا وصف ہے جو عام طور پر قابل مزمت ہے۔

مزید براں ایک منزل پر معلمی کے جو پسندیدہ اوصاف ہیں ہو سکتا ہے وہ کسی دوسری

منزل کے استاد کے لیے کم اہمیت رکھتے ہوں۔ اس طرح ابتدائی درجوں کے نگراں دوسروں کا لحاظ رکھنے کے وصف کو بہت اعلیٰ درجہ دیتے ہیں جبکہ ہائی اسکول کے اساتذہ میں اس کو بہت کم اہمیت دی جاتی ہے۔ ولیم۔ ایچ بروٹن (William H. Brulton) دریافت کرتے ہیں "کیا یہ اعلیٰ منزل کے گروپ کی مستحکم تدریس کا اعتراف ہے" اس طرح شستہ بننے کی اہمیت نچلی منزل پر بہت ہے لیکن اونچی منزل پر اس کو کم درجہ دیا جاتا ہے۔

اچھے معلمین کیسے ہوتے ہیں

ایک کامیاب معلم کی شخصیت کی تعریف بیان کرنا مشکل ہے۔ معلم کے متفرق امتیازی اوصاف کو ٹھیک ٹھیک بیان کر دینے سے اس کا جواب نہیں ملتا۔ ہم یہ بات جانتے ہیں کہ دو مختلف اساتذہ مختلف طور پر اثر انداز ہوتے ہیں یعنی ان میں بالکل اسی طرح اختلاف پایا جاتا ہے جیسے دو موثر اساتذہ کی شخصیتیں مختلف ہوتی ہیں۔

اس سوال کا جواب دریافت کرنے کے لیے جو کامیاب طرز نظر اختیار کی جاسکتی ہے وہ ہے کہ امتیازی اوصاف کا تصور ترک کر دیا جایے اور اساتذہ کو ان کے کام کی بنیاد پر پرکھا جائے۔ یہ طرز نظر دو قومی تنظیموں نے اپنایا ہے۔ حسب ذیل پیراگراف میں جو نتیجہ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں ان مہارتوں اور معلومات کا واضح ذکر ہے جن کے لیے ایک استاد کو کوشاں ہونا چاہیے۔

۱۔ امریکن کونسل آف ایجوکیشن (American Council of Education) نے اس سوال کا جواب دیا ہے۔ کونسل نے "ہمارے زمانے کے استاد" کے نام سے جو کتاب شایع کی ہے اس میں اساتذہ کی حسب ذیل خصوصیات کا ذکر ہے [۱۱]

— انھیں شخصیت کی نمو اور آزادی کا احترام کرنا چاہیے۔

— انھیں برادری کی طرف حقیقی رجحان رکھنا چاہیے۔ اس کا اظہار اس طرح ہونا چاہیے کہ مقامی رسم ورواج سے موافقت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔

— انھیں اس قابل ہونا چاہیے کہ شخصی اور تعلیمی مسائل کے ساتھ استدلال کا رویہ اپنا سکیں۔

— انھیں اشتراک باہمی کا گر جاننا چاہیے تاکہ 'ہم' کا احساس اور 'ہمارے' مقاصد کا

تصور پیدا ہو سکے۔

—— انھیں اپنے پیشے سے متعلق معلومات اور مہارت رکھنی چاہیے۔

—— انھیں صرف ایک ذخیرۂ معلومات پر ہی اکتفا نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنی معلومات میں برابر اضافہ کرتے رہنا چاہیے۔

—— اساتذہ میں یہ صلاحیت ہونی چاہیے کہ مختلف افراد کو پڑھاتے وقت اپنے علم کو قابل تفہیم بنا سکیں۔

—— اساتذہ کو بچوں کے ساتھ ہمدردی ہی نہیں بلکہ ایک حقیقی محبت رکھنی چاہیے۔

—— بچوں کی بالیدگی اور نشو و نما کی تفہیم پیدا کر کے جذبۂ ہمدردی کو تقویت پہنچانی چاہیے۔

—— انھیں غیر معمولی طور پر سماج کی تفہیم ہونی چاہیے اور یہ تفہیم ان اصولوں کے تحت بدلنی چاہیے جن سے سماج متصف ہے۔

—— استاد کو ایک موثر شہری ہونا چاہیے۔ سماج کے اندر محض عمومیت کے ساتھ نہیں بلکہ مدرسے کے محدود ماحول میں خصوصیت کے ساتھ بھی۔

—— استاد کو شاگردوں کے مشاغل اور ان کی تعلیمی ترقی کے اندر اندازہ قدر کی مہارت ہونی چاہیے۔

—— اساتذہ کو معلمی کی قدر و قیمت میں پورا عقیدہ ہونا چاہیے۔

—— یو۔ ایس۔ آفس آف ایجوکیشن کے فرانسیس۔ وی۔ رل ر Frances V. Rummel نے جو سروس ٹو آرگنائزیشن کے خصوصی ماہر ہیں، ان اساتذہ کے مشاغل اور خصوصیات کو تفصیل سے بیان کیا ہے جو آج قومی مدرسوں میں بہترین پیشہ ورانہ لیاقت کی مثال پیش کرتے ہیں، بعد ازاں انھوں نے حسب ذیل تعیمات پیش کی ہیں۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کام میں ہمیشہ چاق چوبند رہنا چاہیے۔ اگر کوئی بحران در پیش آجائے تو انداز استغنٰی کے ساتھ دور سے تماشا نہیں دیکھنا چاہیے۔ بہتروں نے اپنے ضمیر کی آواز پر اس وقت لبیک کہا ہے اور اپنی ملازمت پر ڈٹے رہے ہیں جب انھیں باہر سے کسی بہتر ملازمت کا لالچ دیا گیا۔ ان تمام لوگوں نے معلمی کو ایک سیر حاصل وسیلہ زندگی تصور کیا ہے، محض گزر بسر کا ذریعہ نہیں، انھیں ہر قسم کے شکوک ہو سکتے ہیں بجز اپنے

کام کی اہمیت کے۔

دوسری تعیم جو پہلی تعیم سے غیر متعلق نہیں ہے یہ ہے کہ یہ اساتذہ کو اپنے پیشے سے متعلق بیشتر باتوں کا یقین ہوتا ہے۔ اگر ابتدائی کے استاد کا ثانوی کے لیے ثانوی کے استاد کا کالج کے لیے یا کسی استاد جماعت کا انتظامی عہدے کے لیے آرزومند ہونا رواج کے مطابق تصور کیا جائے تو یہ سب اساتذہ غیر رواجی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان رواجوں سے جو اس پیشے میں دوام حاصل کرتے جا رہے ہیں وہ پریشان بھی ہیں" جتنا ہی اونچا گریڈ اتنا ہی پیشے کا وقار" (اور اسی کے مطابق معلم کی تنخواہ)

تیسری تعیم شخصی آزادی سے متعلق ہے جو باعث تعجب بھی ہو سکتی ہے تا آنکہ ہم یہ نہ تسلیم کرلیں کہ اس سے متعلق اساتذہ کو کچھ کہنا ہی نہیں ہے۔ میں نے جب یہ دریافت کرنا چاہا کہ اچھے اساتذہ ان تمام ذلتوں کو کیسے جھیل لیتے ہیں جن کی وجہ سے یہ پیشہ ایک اعصابی مکاری یا بے رنگ غیر جانب داری میں تبدیل ہوگیا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ اس قسم کا کوئی مسئلہ تھا ہی نہیں۔ اساتذہ نے ایسی کوئی بندش محسوس ہی نہیں کی کیونکہ کسی قسم کی بندش تھی ہی نہیں۔ یہ تو ڈاکٹر، وکیل اور بڑے سوداگر کا معاملہ ہے کہ وہ سماجی رسم و رواج میں آزادی سے فایدہ اٹھائیں[11]

خصوصی ماہر رل نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے کہا یہی خوبیاں کافی نہیں بلکہ ایک ایسی صورت میں ان کا امتزاج ہونا چاہیے جو قابل عمل ہو۔ یہ امتزاجی عامل وہ فنکارانہ صلاحیت ہے جو انسانی روابط سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس کی تعریف بیان کرنا مشکل ہے لیکن ایک جمہوری کمرۂ جماعت میں اس کا مشاہدہ کرنا آسان ہے۔ تاہم انھوں نے انسانی روابط کے بعض ایسے عوامل کی طرف اشارہ کیا ہے جن سے یہ فنی صلاحیت مرکب ہے۔

"یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ وہ لوگ جو انسانی روابط کا ملکہ رکھتے ہیں ان میں بڑی حد تک بچوں کے مسائل کی حسیت ہوتی ہے۔ یہ اساتذہ جب سماجی کردار کی تفہیم پیدا کرتے ہیں تو ممکن ہے کہ وہ اس کو ذہنی صحت سے موسوم نہ کریں لیکن استاد کے ذہن میں اس سے متعلق کوئی نہ کوئی بات اس وقت ضرور تھی جب اس نے یہ کہا" کوئی بھی نارمل بچہ دانستہ طور پر برا نہیں ہوتا بلکہ کوئی نہ کوئی چیز اس کو اکساتی رہتی ہے یہ استاد کو دریافت کرنا ہے کہ وہ شے کیا ہے؟"

.... وہ انسانی لحاظ سے نیک ارادے، بالغ شخصیت اور پرچے کے لیے ایک پروقار ماحول پیدا کرنے کی بات کرتے ہیں۔ وہ بچے کی تفہیم اور تدریس کی تاکید کرتے ہیں اور نظیر اور قول کے ذریعے جمہوری طرز زندگی کے اصولوں کا ذکر کرتے ہیں.... ان کے علاوہ وہ اپنے پیشے کی افضلیت کا ذکر کرکے حقیقت پسندی کا ثبوت دیتے ہیں۔ وہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ان کے زیر اثر ان ناپختہ زندگیوں کی قسمت بدل جاتی ہے۔[۳]

مذکورہ بالا خلاصوں سے ان اساتذہ کی ہمت شکنی ہوتی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس قسم کی خوبیوں اور رویوں کے حامل نہیں۔ لیکن امریکن کونسل آف ایجوکیشن اور یوایس۔ آفس آف ایجوکیشن کا یہ تجربہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے علم اور رویے اکتسابی ہیں اور انھیں قابل حصول مقاصد تصور کرنا چاہیے۔ رل نے جن اساتذہ کا ذکر کیا ہے انھیں اس بات کا احساس تھا کہ انھیں کیا کرنا ہے.... "ایسے اساتذہ بحرانی دور میں استغنا مزاجی کے ساتھ خاموش تماشائی نہیں رہتے" بلکہ انھوں نے اپنے کام کو بہتر کرنے کے لیے فعال کوشش کی اگر کسی قوم کے تمام اساتذہ خلوص کے ساتھ اپنے بس بھر کام کر سکیں اور تمام کمالات محض چند کے لیے چھوڑ دیں تو سمجھیے کہ پیشہ معلمی میں بہت زیادہ ترقی ہوگئی۔

استاد کا رویہ جس کا عموماً ذکر کیا گیا ہے، ایک بنیادی عامل ہے یہ اغلب ہے کہ رل نے اوسط درجے کے معلمین جیسا تجربہ رکھنے والے اساتذہ کا ذکر کیا ہوتا ہم انھوں نے برادری کی جانب سے کبھی کوئی بندش نہ محسوس کی ہو۔

رویے کی اساسی حیثیت کی وضاحت، اچھے استاد کی دیگر خصوصیات کے سلسلے میں بھی کی گئی ہے۔ رل نے اس کا ذکر نہیں کیا لیکن اس کے مضامین کو پڑھ کر ایک چوتھا نتیجہ نکالا جاسکتا ہے یعنی "اچھے اساتذہ نمو پذیر ہوتے ہیں" بعض اساتذہ اپنی جماعت کے اندر اختیارات کرتے ہیں، بعض نئی تکنیک، جس کا انھوں نے مطالعہ کیا ہے، استعمال کرتے ہیں بعض گرمائی مدرسوں میں پابندی کے ساتھ شرکت کرتے ہیں اور دوسرے لوگ ورکشاپ اور شام کی کلاسوں میں شرکت کرکے استفادہ کرتے ہیں۔ یہ اساتذہ ان مشاغل کو مصیبت یا نقص سمجھنے کے بجائے ایک عمدہ موقع تصور کرتے ہیں۔ مزید یہ شخصی نمو اور انفرادی ذہنی صحت کے نقطۂ نظر سے مطالعہ اور اختیار کا ایک سودمند تصور رکھنا ضروری ہے۔ ایک موثر تعلیم کے نقطۂ نظر سے بھی یہ تصور رکھنا لازمی ہے۔

خلاصے کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اچھے اساتذہ ذہنی اعتبار سے صحت مند افراد ہوتے ہیں۔ درجے کے کام سے متعلق جتنی بھی باتیں کہی گئی ہیں ان سب سے ان اساتذہ کا تعلق ہوتا ہے یہ سمجھنا بھی سودمند ہے کہ درجے سے باہر شخصی زندگی بھی باعث تسکین ہونی چاہیے۔ صحتمند شخصیتیں، جوانوں، معلموں اور غیر معلموں سے بھی رابطہ پیدا کر کے تسکین حاصل کرتی رہتی ہیں جسمانی ورزشوں اور کھیلوں سے متعلق بھی ایسے مشاغل فراہم کرنے چاہئیں جن سے مختلف صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا موقع مل سکے۔ یہاں مسرت برائے مسرت کا تصور کارفرما ہونا چاہیے۔

معلمین کے اخلاقی ضوابط

بعض دفعہ منتظمین کہتے ہیں کہ انفرادی طور پر شاگردوں کے ساتھ جو ناانصافی ہوتی ہے وہ دور کی جا سکتی ہے بشرطیکہ اساتذہ معلمین کے اخلاقی ضوابط سے آشنا ہوں، اگر ان معلومات کو وسیع طور پر استعمال کیا جائے تو اس پیشے کو اور بھی تقویت حاصل ہو سکتی ہے لیکن اخلاقی ضوابط سے واقفیت حاصل کر کے استاد ذاتی طور پر بھی استفادہ کر سکتا ہے اگر ایسے لوگ ان ضوابط کی تائید کریں جو معلمی کے پیشے میں داخل ہونے کے لیے غور و فکر کر رہے ہیں اور اس آزمائش سے گزر رہے ہیں کہ اس پیشے کی جانب مائل ہوں یا نہ ہوں تو اس کا زیادہ امکان ہے کہ انھیں اپنے کام سے زیادہ تسکین حاصل ہو سکے۔ جو لوگ فی الوقت پڑھا رہے ہیں انھیں یہ جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ انھوں نے خود معلمی کے وقار میں کیا اضافہ کیا ہے اساتذہ کے حسب ذیل اخلاقی ضوابط کی سفارش کی گئی ہے اور اس بات کا مشورہ دیا گیا ہے کہ شخصی افکار کے بدلے تعمیری تنقید اور گروہی عمل کے ذریعے اخلاقی ضوابط کی اصلاح کریں۔

اخلاقی ضوابط

نیشنل ایجوکیشن ایوسی ایشن آف دی یونائٹڈ اسٹیٹس کے لیے

تمہیدی بیان

معتقدات

کہ تمام بچوں کو مفت تعلیم فراہم کر کے حقیقی جمہوریت کا حصول کیا جا سکتا ہے۔
کہ یونائیڈ اسٹیٹس کے تمام اساتذہ پر بچوں اور جوانوں کے خیالات کی تشکیل کے لیے

ایک بڑی اور ناگزیر ذمے داری عائد ہوتی ہے۔

——— کہ ان ذمے داریوں سے عہدہ برا ہونے کے لیے اعلیٰ نصب العین، وسیع تعلیم اور گہری انسانی بصیرت رکھنے والے مردوں اور عورتوں کی ضرورت ہے اور جمہوری تعلیم کے مقاصد کو پوری طرح حاصل کرنے کے لیے پیشۂ معلمی کی بہبود میں اضافہ کرنا چاہیے۔

——— کہ اساتذہ اپنے پیشہ ورانہ روابط میں ایک مناسب معیار قائم رکھیں اس کے لیے نیشنل ایجوکیشن ایسوسی ایشن آف دی یونائیٹڈ اسٹیٹس نے اپنے اراکین کے لیے ضابطۂ اخلاق تجویز کیا ہے۔

——— کہ اس ضابطے کے تحت معلم کے لفظ کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوگا جو تعلیمی کاموں میں لگا ہوا ہے۔ چاہے اس کا منصب معلم کا ہو، منتظم کا ہو یا نگراں کا۔

دفعہ ۱: شاگردوں اور گھروں سے تعلقات

پہلا حصہ: استاد کا فرض ہے کہ وہ شاگردوں کے ساتھ منصفانہ، شائستہ اور پیشہ ورانہ تعلقات رکھے اور ان کے انفرادی فرق، ضروریات، دلچسپیاں، افتادِ مزاج فطری میلانات اور ماحول کو ملحوظ رکھے۔

دوسرا حصہ: اس کو اس بات سے پرہیز کرنا چاہیے کہ نہ تو پیسہ کمانے کے لیے اپنی جماعت کے کسی لڑکے کا خود ٹیوشن کرے اور نہ اپنے خاندان کے کسی فرد کے لیے سفارش کرے۔

تیسرا حصہ: استاد کو اس بات کی جس قدر ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کا اعتماد حاصل کرے اسی طرح اپنے شاگردوں کے ساتھ بھی تعلقات رکھنے میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ کسی استاد کو اپنے شاگردوں کے پوشیدہ معاملات اس وقت تک طشت از بام نہیں کرنے چاہئیں جب تک یہ افشائے راز ان کے لیے سودمند نہ ہو۔

چوتھا حصہ: ایک استاد کو گھر اور مدرسے کے درمیان ایک دوستانہ اور دانشمندانہ تعاون پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کام میں اس کو پیشے کے وقار اور شاگردوں کی بہبود کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اس کو شاگردوں کے والدین سے کوئی ایسی بات نہیں کہنی چاہیے اور نہ کوئی ایسا برتاؤ کرنا چاہیے جس سے ان کی نظر میں شاگردوں کے اعتماد اور احترام میں کمی واقع ہو معلمین کو چاہیے کہ شاگردوں اور ان کے والدین کو مدرسے کے

اغراض و مقاصد، کارہائے نمایاں اور ضروریات سے مطلع کرتے رہیں۔

دفعہ ۲: شہری معاملات میں تعلقات

حصہ ۱: ہر استاد کا فرض ہے کہ اپنے شاگردوں میں جمہوریت کے اصولوں کی تحسین پیدا کرائے متضاد فیہ معاملات پر آزادانہ اظہار خیال کا موقع فراہم کرے۔اس کے ذریعے اس بات کی توقع کی جاتی ہے کہ مقابلے، موازنے اور ترجمانی میں ان کی رہنمائی ہو سکے اور وہ جمہوریت کے اصولوں کی تفہیم، تحسین، اور قبولیت پیدا کر سکیں اور ان پر عمل پیرا ہو سکیں کمرۂ جماعت کے اندر استاد کو جو حق اور وقار حاصل ہے اس کو سیاسی جانب داری مذہبی فرقہ بندی یا کسی قسم کے ذاتی پروپیگنڈے کے لیے نہیں استعمال کرنا چاہیے۔

حصہ ۲: ایک استاد کو چاہیے کہ شہریت کے تمام فرائض کو مانے اور انجام دے۔اس کو چاہیے کہ اپنی شخصی خواہشات کو عوامی مفاد کے تابع رکھے، اسے نظام مدرسہ ریاست اور قوم کا وفادار ہونا چاہیے اور اپنے حقوق کو تعمیری تنقید کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

حصہ ۳: ایک استاد کی زندگی سے ظاہر ہونا چاہیے کہ تعلیم سے ایک شہری اور پڑوسی کی زندگی بہتر ہوتی ہے۔اس کے شخصی اعمال سے برادری کے مروجہ رسم و رواج کی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہیے۔

دفعہ ۳: پیشے سے تعلقات

حصہ ۱: پیشۂ معلمی کے ہر فرد کو چاہیے کہ اپنے پیشے کا احترام کرے، اپنے کام کو سماج کی نظر میں بلند رکھے اور شخصی مفاد سے پرہیز کرے۔

حصہ ۲: ایک استاد کو چاہیے کہ قابل اور مخلص افراد کو اس پیشے میں آنے کی ترغیب دے ایسے افراد جو اس پیشے کو ترقی کا زینہ نہ بنائیں۔

حصہ ۳: استاد کا فرض ہے کہ مطالعے، سیر و سیاحت اور دیگر ذرایع سے اپنی کارکردگی بڑھائے اور تعلیمی رجحانات اور اپنے گردوپیش کی دنیا سے خود کو باخبر رکھے۔

حصہ ۴: ہر استاد کو چاہیے کہ مقامی، ریاستی اور قومی پیشہ ورانہ تنظیموں کی رکنیت حاصل کرے اور تندہی اور بے غرضی کے ساتھ ان تنظیموں میں حصہ لے۔ان میں حصہ لینے کی وجہ سے پیشہ ورانہ

ترقی اور شخصی نشوونما ہوتی ہے۔ استاد کو پیشہ ورانہ رقابتوں اور ایسے مقابلوں سے گریز کرنا چاہیے جن سے اختلاف پیدا ہونے اور تعلیم کے مفاد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

حصہ ۵: کم تنخواہ کے سبب اپنی ملازمت کو محدود نہیں کرنا چاہیے بلکہ معلمین کو چاہیے کہ ایسی تنخواہوں کا مطالبہ کریں جو سماج کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوں انھیں جان بوجھ کر کسی شخصی مخالفت کے سبب مقررہ تنخواہ سے کم پر کام کرنے کے [illegible] انھیں دوسری ملازمتوں کے لیے محض اس لیے نہیں درخواست دیتے رہنا چاہیے کہ موجودہ تنخواہ میں اضافہ ہو جائے۔ ساتھ ہی ساتھ مدرسے کے عہدیداروں کے لیے بھی یہ مناسب نہیں کہ جو لوگ اپنے کام میں بہت ہوشیار ہیں ان کی تنخواہوں میں اس وقت تک اضافہ نہ کرنے دیں جب تک کہ دوسرے مدرسے سے زیادہ تنخواہ کی پیش کش انھیں مجبور نہ کر دے۔

حصہ ۶: ایک استاد کو ایسے کسی عہدے کے لیے امیدوار نہیں ہونا چاہیے جس پر کوئی دوسرا استاد فائز ہے تاوقتیکہ مدرسے کے نظام میں کوئی اور گنجائش موجود ہو، ایسی صورت میں اس کو اپنی درخواست منتظم اعلیٰ کے پاس بھیجنی چاہیے۔

حصہ ۷: چونکہ تقرر اور ترقی کا تعین صرف تعلیمی استعداد کی بنا پر ہوتا ہے اس لیے اسکول کے عہدیداروں پر کسی قسم کا دباؤ ڈالوانا غیر اخلاقی بات ہے۔

حصہ ۸: معلمین کے چال چلن وغیرہ کی تصدیق صحت کے ساتھ اور صیغۂ راز میں ہونی چاہیے۔ مدرسے کے عہدیداروں کو بھی چاہیے کہ ان اطلاعات کو صیغۂ راز ہی میں سمجھیں۔

حصہ ۹: کسی معاہدے پر جب ایک بار دستخط ہو جائے تو اس پر اس وقت تک کاربند رہنا چاہیے جب تک جانبین کی طرف سے وہ معاہدہ منسوخ نہ ہو جائے اگر معاہدے کی حیثیت میں کسی قسم کی تبدیلی کرنی ہو تو مدرسے کے عہدیداروں اور اساتذہ دونوں کی جانب سے اس کا اعلان ہونا چاہیے۔

حصہ ۱۰: پیشۂ معلمین کے اراکین کو چاہیے کہ جمہوری طور و طریق کو عمل میں لائیں اور انفرادی شخصیتوں کے مرتبے اور وقار کو تسلیم کرتے ہوئے اشتراک عمل حاصل کریں معلمین کا فرض ہے کہ عہدیداروں کی جانب سے جو منصبی کام ان کے سپرد ہیں ان کی تکمیل میں پیشہ ورانہ شائستگی برتیں۔

حصہ ۱۱: منتظمین مدرسہ کو چاہیے کہ کسی موزوں طریقے پر اساتذہ کی پیشہ ورانہ نمو کو ترقی یا فروغ

دیں۔ وہ منتظمین غیر اخلاقی عمل کے مرتکب ہوتے ہیں جو اپنے لائق اساتذہ کی سفارش کسی بہتر جگہ کے لیے محض اس بنا پر نہیں کرتے کہ وہ ان کی خدمات سے محروم ہو جائیں گے۔

حصہ ۲: ایک استاد کو چاہیے کہ وہ کسی دوسرے استاد کی نکتہ چینی سے گریز کرے تاوقتیکہ شکایت مدرسے کی بہبودی کے پیش نظر مدرسے کے عہدیداروں کے پاس نہ بھیجی جائے شکایت اگر مدرسے کی بہبود کے لیے ضروری سمجھی جائے تو پھر اس کو ذمے دار عہدیداروں کے پاس نہ پیش کرنا غیر اخلاقی بات ہوگی۔

حصہ ۳: کسی دوسرے استاد اور اس کے شاگرد کے درمیان کسی طرح کی صلاح دینا یا امداد کرنا اس وقت تک مناسب نہیں ہے جب تک کہ صلاح یا امداد طلب نہ کی گئی ہو۔

حصہ ۴: ایک استاد اگر ایسی حیثیت رکھتا ہے کہ اس کی سفارش پر مدرسے کے لیے کتابیں یا سامان خریدے جا سکیں یا کسی دوسرے استاد کو کوئی منصب حاصل ہو سکے تو اس کو چاہیے کہ نہ تو ایجنٹ بنے، نہ کمیشن یا رائلٹی وصول کرے اور نہ کسی قسم کا معاوضہ۔

خلاصہ

استاد کی ذہنی صحت میں جہاں اور بہت سی باتوں سے اضافہ ہوتا ہے وہاں اس پیشے کی جانب اس کے رویے سے بھی اثر پڑتا ہے۔ اگر ہم ایک معروضی نقطۂ نظر اپنائیں تو یقیناً اس بات کو تسلیم کریں گے کہ معلمی کے بعض منفی پہلو بھی ہیں یعنی کم تنخواہ، برادری کا دباؤ مقررہ فرائض کے علاوہ کام اور تدریسی کام کو بہتر کرنے کا احساس۔ معروضی نقطۂ نظر کے تحت یہ بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ اس کے مثبت پہلو بھی ہیں۔ ان میں حسب ذیل پہلو قابل غور ہیں۔
(۱) پیشہ ورانہ ترقی کے مناسب مواقع (۲) زمانے سے باخبر ہونے کی تحریک (۳) کامیابی کے حصول سے شخصی تسکین (۴) کام کے معقول اوقات (۵) پابندی کے ساتھ آمدنی کی ضمانت (۶) صاف ستھرا کام (۷) نوجوانوں کے حوصلوں سے سابقہ (۸) نوع بہ نوع کام سے سابقہ (۹) معقول حد تک اندرونی تحریک (۱۰) ہم پیشہ کارکنوں سے رابطہ پیدا کرنے کے مواقع معلمی کے فواید اور نقصانات دونوں ہی مبہم ہیں۔ آخری تجزیے میں فیصلے کا انحصار اس نقطۂ نظر پر ہے جو استاد اپناتا ہے یا پیدا کرتا ہے۔ ذہنی صحت کا نقطۂ نظر اثباتی رویے کا حامی ہے۔ بعض نقصانات محتاج توجہ ہیں۔ ان نقصانات کو بیان کر کے اور اس پیشے کو ترک

کر کے اس پر قابو نہیں پایا جا سکتا۔ ان پر وہی لوگ قابو حاصل کر سکتے ہیں جو اس پیشے کو ایک مسلسل نمو کے شخصی چیلنج سمجھیں۔ مسائل جو محتاج توجہ ہیں (۱) برادری کے نامعقول مطالبوں کی اصلاح (۲) استاد کے بوجھ کو کم کرنا تاکہ انفرادی فرق پر توجہ دی جا سکے (۳) استاد کی تنخواہ میں اضافہ (۴) کام کے حالات کو بہتر بنانا تاکہ ایک متوازن زندگی کے بہتر اہتمام ہو سکے (۵) مقامی حالات کے مطابق جو باتیں محتاج توجہ ہیں وہ یہ ہیں۔ انتظام میں شرکت، رخصت علالت، ریٹائرمنٹ کا انتظام، تنخواہ کی پابندی اور ان مخصوص سہولتوں کا اہتمام جن سے تعلیمی کارکردگی میں اضافہ ہو سکے۔

اس پیشے سے متعلق اثباتی طرز نظر کا حصول اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اساتذہ انفرادی طور پر اس سے علیٰحدہ کر کے نہ دیکھا جائے۔ ہر استاد کو انفرادی طور پر یہ ذمے داری قبول کرنی چاہیے کہ پیشے کی توقیر بڑھائے۔ اس سلسلے میں ہماری پہلی ذمے داری یہ ہے کہ ان شخصی امتیازی خصوصیات کو فروغ دیں جن سے اثر پذیری میں اضافہ کیا جا سکے۔ دوستی، حوصلہ، رجائیت، پیش قدمی اور خوش تدبیری جیسی خوبیاں پیدا کرنے کی مسلسل کوشش کرنی چاہیے۔ بہت سے ایسے ذرایع موجود ہیں جن سے اپنے کام میں لطف حاصل کیا جا سکتا ہے یہ تمام باتیں اگر یکجا کر دی جائیں تو انسانی روابط کے لیے فن کارانہ صلاحیتیں پیدا ہو جائیں۔ "معلمی کے ذریعے اس بات کا بہتر موقع ملتا ہے کہ کوئی شخص تخلیقی فنکار، منتظم، اسکالر، تجارتی منتظم دست فروش اور شخصی صلاح کار بن سکے۔ معلمی کے ذریعے تمام پوشیدہ صلاحیتیں بروئے کار لانے اور ہر قسم کے علام کو برتنے کا موقع ملتا ہے اور مزید تجربے اور آموزش کی ایک تشنگی پیدا ہو جاتی ہے"۔[۵۱]

اساتذہ کے ضابطہ اخلاق کا مطالعہ اور اس کے اطلاق سے پیشہ معلمی میں تین صورتوں میں ترقی ہوتی ہے (۱) ایسے لوگوں کو جو اپنے کام سے متعلق غور و خوض کرتے رہتے ہیں، یہ جاننے کا موقع ملتا ہے کہ وہ اس کام کے لیے موزوں ہیں یا نہیں (۲) اس کام میں خود اپنے منصب کا جائزہ لینے کا موقع ملتا ہے (۳) نفاذ حفظان صحت کے تحت بعض ٹھوس اصول پیش کیے جاتے ہیں۔

مطالعے اور مباحثے کی مشقیں

۱۔

۱۔ معلمی کے پیشے سے متعلق اساتذہ سے بات چیت کیجیے۔ کیا ان کی نکتہ چینیاں (اگر کچھ ہیں)

حق بجانب ہیں، کیا ان کی نکتہ چینی منفی یا مثبت نقطۂ نظر پر مبنی ہے؟

۲۔ کیا وہ 'فوائد' جن کا ذکر کیا گیا ہے واقعی سودمند نہیں ہیں؟ وجوہ بیان کیجیے۔

۳۔ کیا آپ کی نظر میں ایسے بھی فوائد ہیں جن کو فہرست میں نہیں شامل کیا گیا؟ وہ فوائد کونسے ہیں؟

۴۔ کسی حالیہ رسالے (ایجوکیشن کے اشاریے کو استعمال کیجیے) کو پڑھیے۔ بعض ایسے مضامین تلاش کیجیے جن میں اساتذہ کی ذہنی صحت کا ذکر ہو۔

۵۔ برادری کے بعض بیجا مطالبوں کو جن سے آپ کا سابقہ پڑ چکا ہے یا آپ نے سن کر رکھا ہے بیان کیجیے۔ کیا فی الوقت یا پہلے کبھی آپ سے ایسے مطالبے کیے گئے ہیں؟

۶۔ کیا آپ استاد کے بوجھ کو کم کرنے کا کوئی ایسا ذریعہ پیش کر سکتے ہیں جس کے اندر زیادہ عملے کی ضرورت نہ ہو۔

۷۔ کسی ایسے مدرسے میں حالات کار کو بہتر بنانے کے لیے ایک منصوبہ پیش کیجیے، ایسا منصوبہ جس سے آپ اچھی طرح واقف ہوں۔

۸۔ اساتذہ کی بعض مخصوص امتیازی صفات کو فروغ دینے کے لیے ایک منصوبہ پیش کیجیے اپنے ہم جماعت کے کسی ایسے منصوبے سے اس کا مقابلہ کیجیے جو کسی مخصوص صفت کو ترقی دینے کے لیے تیار کیا گیا ہو۔

۹۔ استاد کے ناطے ہم کس طرح دوستانہ مراسم پیدا کر سکتے ہیں۔

۱۰۔ انسانی روابط میں فنکارانہ صلاحیت پیدا کرنے کا آپ کیا تصور رکھتے ہیں، پیش کیجیے۔

۱۱۔ بعض ایسی مثالیں پیش کیجیے جن سے اساتذہ کے ضابطۂ اخلاق کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔ کیا کچھ ایسی مدات بھی ہیں جو محتاج توجہ ہیں۔

۱۲۔ ضابطۂ اخلاق سے آپ کی شخصی ذہنی صحت کیسے بہتر ہو سکتی ہے۔

باب ۱۸

مدرسے کے اندر استاد کا فلسفہ

ایک معنی میں موجود باب گزشتہ باب کا تسلسل ہے۔ ہم نے یہ دیکھا کہ اس پیشے پر اگر مثبت نظر ڈالی جائے تو ذہنی صحت میں اضافہ ہوتا ہے اور جب اس کی مناسب تحسین کی جائے تو مثبت ایمائی نفسیات سے استاد کو کچھ فوائد حاصل ہو سکتے ہیں لیکن نقصانات کو بھی اگر مناسب پس منظر میں دیکھا جائے اور شخصی اور پیشہ ورانہ نشوونما کے لیے ایک چیلنج تصور کیا جائے تو نقصانات کم ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں استاد کے منصب کا بھی ذکر کیا جا چکا ہے جس کے ذریعے خود اس کی اور شاگردوں کی ذہنی صحت کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔

لیکن معلمی اور شخصی گزر بسر میں انتہائی معنویت پیدا کرنے کے سلسلے میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ اگلے باب میں استاد کے شخصی فلسفے کا ذکر کیا جائے گا جس کے تحت موثر ذہنی صحت کے بعض اصولوں کو برتنے کے سلسلے میں خاص طور سے توجہ دی جائے گی اور پیشہ معلمی کے فلسفے کا بھی ذکر ہوگا۔ اس موقع پر ہم رسمی تعلیم کے فلسفے یعنی غیبت، حقیقت پسندی اور عملیت کا ذکر نہیں کریں گے بلکہ انھیں دوسرے پیشہ ورانہ نصابوں کے لیے اٹھا رکھیں گے۔ یہاں پر جو گفتگو ہوگی اس کا تعلق مدرسے میں روزمرہ کے پروگرام کے مسائل سے ہوگا اور ان مسائل پر ذمے داریوں کے مختلف عنوانات کے تحت بحث کی جائے گی۔

شاگردوں کی جانب ذمے داریاں

بچوں میں امریکہ کا اعتقاد

قومی تاریخ کی ابتدا سے ہی امریکہ نے بچوں میں اعتقاد کا اظہار کیا ہے۔ یہاں تعلیم کی اس اہمیت مسلسل پر زور دیا گیا ہے کہ بچوں کی خلقی صلاحیتوں کو بدرجۂ اتم بروئے کار لایا جائے۔ چنانچہ جوں ہی کوئی نئی برادری قایم ہوئی تین اہم قدم اٹھائے گئے۔ مکان کی تعمیر، چرچ کی تعمیر اور مدرسے کی تعمیر۔ ہمارے قومی رہنماؤں نے تعلیم سے متعلق یہ اعلان کیا ہے کہ بچے مدرسے کے اندر تاریخی خصوصیات کا مطالعہ کرتے ہیں اور آج تاریخی خصوصیات کو عام طور سے نصب العین کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن بچوں سے متعلق یہ اعتقاد، بنیادی اعتقاد کی ایک جھلک ہے یا شدید اظہار۔ امریکی قوم کا جو نصب العین ہے اسی کے مطابق یہاں کے لوگ، یہاں کی حکومت اور مختلف قسم کے مدرسے ہیں جن میں ہم تعلیم پاتے ہیں۔ نصب العین اور یہ اعتقاد چونکہ مدرس اور تدریس کے لیے اہم ہے اسی لیے ان پر نظر ثانی کرنا بامعنیٰ ہوگا۔

۱۔ امریکی عوام آزادی میں ایک مستحکم عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس عقیدے کا اظہار عوامی حکومت کے قیام اور بقا کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے لیکن یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ آزادی اپنے ساتھ ذمے داری اور جواب دہی بھی ساتھ لاتی ہے تاکہ ایک شخص کی آزادی دوسرے کی آزادی کے لیے پابندی نہ عائد کر دے۔ یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ آزادی اور عوامی حکومت میں اسی وقت عقیدہ رکھا جاسکتا ہے جب سب کے لیے وافر تعلیمی سہولیات فراہم کی جائیں۔ اساتذہ اس نصب العین میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔

۲۔ امریکی عوام شخصیت کا احترام کرتے ہیں، گو یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ قابلیتوں میں فرق ہے پھر بھی شخصیت کے احترام کا عکس ان الفاظ سے جھلکتا ہے۔ "پیدائشی طور پر تمام انسان مساوی ہیں۔" سبھی قابل احترام ہیں۔ سبھی آزادی کے مستحق ہیں اور سبھی انصاف کے لائق ہیں، شخصیتوں اور امکانی قوتوں میں اختلاف کا ہونا ہماری طرز زندگی کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے لہٰذا اساتذہ پر یہ لازم ہے کہ ان واجب اختلافات کو تسلیم کریں اور ان کی تحریک کی نشو و نما کی تحریک پیدا کریں۔

۳. امریکی عوام اپنی ذات کی نشو و نما کی اہمیت پر بہت زور دیتے ہیں۔ ہمارے مدرسے اور ہماری قومی زندگی کا قیام، عمل نمو کے عقیدے پر ہے۔ یہ نصب العین اشخاص تک محدود نہیں بلکہ ہماری طرز زندگی پر بھی لاگو ہو گیا ہے۔ ہمارا عقیدہ یہ نہیں کہ ہم درجۂ کمال تک پہنچ چکے ہیں لیکن ہمارا یقین اس بات میں ضرور ہے (۱) ہماری تہذیب دوسروں سے برتر ہے۔ (۲) ہم اعلیٰ تر استکمال کے راستے پر گامزن ہیں۔ لیکن ان باتوں کا انحصار سماج کے انفرادی تانے بانے پر ہے یعنی خاص طور سے مدرسے جانے والے بچوں پر۔

۴. امریکی عوام گروہی ذہانت کی عملداری میں یقین رکھتے ہیں۔ ہم اس بات سے متفق ہیں کہ تصوریت اور عقلیت کے امتزاج سے اپنے ورثے کو جس پر ہمیں فخر ہے، دوامی اور مائل بہ ترقی بنایا جائے۔ گروہی ذہانت کے اظہار کے لیے اس قسم کی تکنیک استعمال کی جاتی ہیں مذاکرہ مباحثہ، ترغیب اور رائے عامہ کو اکٹھا کیا جاتا ہے۔ اس کے تحت جو عادتیں اختیار کی جاتی ہیں۔ وہ جبلی یا پیدائشی نہیں ہوتیں بلکہ تجربے اور تعلیم سے حاصل کی جاتی ہیں اور جب ایک بار ان کے طریقۂ کار کو سیکھ لیا جائے تو بھولنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ اس کا احیاء ہر نئی نسل کے لیے ایک معینہ مدت پر ہوتا رہتا ہے۔ اس کام میں مدرسے اور مدرس کی بہت اہمیت ہے ان کا فرض ہے کہ وہ بچوں میں اعتقاد پیدا کرائیں اور اس کو قابل عمل بنائیں۔

بچوں میں ہمارا جو عقیدہ ہے اس پر عمل درآمد کرنا

مدرسے خصوصیت کے ساتھ اس لیے قائم کیے گئے ہیں کہ امریکہ کے اس نصب العین کا تحفظ کریں۔ یہ سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ جمہوری سماج کا قیام اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اس کے عناصر ترکیبی ہیں روشن خیالی نہ پیدا کی جائے۔ کے لیے ضروری ہے کہ بنیادی اعتقاد سے پوری وفاداری ظاہر کی جائے۔ چاہے اس نصب العین کے تفاعل میں وقت اور زمانے کے لحاظ سے تبدیلی کرنی پڑے۔

معلم اور مدرسے..... ایسے وسیلے ہیں جو خصوصیت کے ساتھ سماج کی پیدا کردہ ہیں۔ ان کے ذریعے تہذیبی ورثہ منتقل ہوتا رہتا ہے اور بچوں اور بڑوں میں توانائی پیدا ہوتی رہتی ہے یہ بدیہی بات ہے کہ امریکہ میں استادوں یا استانیوں کی تعلیم کے لیے کوئی ایسا زیرک مقصد نہیں متعین کیا جا سکتا جس میں ان روایات کا خیال نہ رکھا گیا ہو جن کا سماج تحفظ کرنا چاہتی؛

ہے یا ان انسانی مسائل کا لحاظ نہ رکھا گیا ہو جو سماج کو درپیش ہوں [1]

"درحقیقت امریکی عوام کو یہ ہمیشہ ملحوظ رہا ہے کہ اگر جمہوریت کو بخوبی چلانا ہو تو تعلیم نہ صرف عام ہونی چاہیے کہ بلکہ منصوبہ بندی بھی اور اس کو عمل میں لاتے وقت شہریت کی ذمے داریوں کا بھی مناسب لحاظ رکھنا چاہیے" [2]

اس کتاب میں ایسے بہت سے مشورے دئے گئے ہیں جن کی مدد سے سماج کے اندر بنیادی عقاید کو عمل میں لایا جا سکتا ہے اور مذکورہ بالا عقائد کے حوالے سے ان کا اعادہ کیا جا سکتا ہے مدرسے کے اندر اس اعتقاد کو عملی جامہ پہنانے کے مواقع بہم پہنچا کر آزادی میں اعتقاد پیدا کیا جا سکتا ہے اور منصوبہ بندی کے عمل میں طلبہ کو شریک کرکے آزادی برتنے کی مشق کرائی جا سکتی ہے اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ انھیں نقل وحرکت اور مباحثے میں آزادی دی جائے اور یہ سیکھنے کا موقع دیا جائے کہ شخصی فعل کا اثر اس کے ہمسروں کے تفاعل پر پڑتا ہے۔

انفرادی طور پر شاگردوں کے انوکھے کارناموں کو تسلیم کرکے شخصیت کے لیے احترام پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اس کا مطلب ہوگا کہ استاد منجملہ اور باتوں کے تکمیل کا کوئی واحد معیار نہیں مقرر کرتا۔ دراصل ایک جمہوری سماج میں فعلیت یا تکمیل پر پابندی کی بہت کم ضرورت پیش آتی ہے اور انفرادی فرق کی موجودگی میں عملاً یہ ممکن بھی نہیں۔ بعض شاگرد علمی مضامین میں سبقت لے جائیں گے اور بعض جسمانی مہارتوں، فنی تخلیقات رہبرانہ صفات یا مشینی میلان طبع کے ذریعے اپنے جوہر دکھائیں گے۔

نشوونمائے ذات میں عملی اعتقاد رکھنا اس بات پر منحصر ہے کہ شاگردوں میں مختلف امکانی صلاحیتوں کی موجودگی کو تسلیم کیا جائے۔ استاد کے لیے بالیدگی سے متعلق دو باتوں کا سمجھنا خصوصیت کے ساتھ اہمیت رکھتا ہے۔ اولاً اس کو بالیدگی کی مختلف اقسام کی اہمیت کو تسلیم کرنا چاہیے (ذہنی، جسمانی، جذباتی) ان میں سے کسی کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ مدرسے کے اندر وہ سب معلومات فراہم ہونی چاہئیں جو ان سے متعلق درکار ہوتی ہیں۔ دوم یہ کہ ان رقبوں میں بالیدگی کی شرح مختلف بچوں میں مختلف ہوگی۔ تعلیم کی قفل بند روایت بنیادی نصب العین کی موجودہ ترجمانی سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

گروہی ذہانت کے اعتقاد کو عملی جامہ پہنانے کا معاملہ سہل ہونا چاہیے۔ بھنسانے سے

اساتذہ اپنے درجے کے کام کو موثر بنانے کے لیے مذاکرے، مباحثے، انفرادی رپورٹ اور شاگردوں کی پیمائش قدرے کام لیتے ہیں۔ انھیں اوقات میں شاگردوں کو اس بات کا موقع دیا جاسکتا ہے کہ گروہی دانش کو عملی شکل میں تسلیم کریں، درجے کے کام کو موثر بنانے کے طریقوں میں سال بہ سال اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ سبق کو سنانے اور پڑھنے کے بجائے اب طلبہ کے اشتراک سے پڑھائی کا رواج ہوگیا ہے۔ کالج کی منزل پر بھی جہاں لیکچر کی گرفت بہت سخت ہے، اب طالب علموں کے اشتراک کا طریقہ تیزی سے رائج ہو رہا ہے اس طریق کار میں اب اس کا اہتمام کرنا مشکل نہیں کہ تبادلۂ خیالات اور تبادلۂ معلومات سے کام لیا جائے۔ یہاں اس بات کی ضرورت ہوگی کہ ان نتائج پر بھروسہ کیا جائے جو تبادلۂ خیالات کے دوران حاصل ہوئے ہیں۔ وہ اساتذہ جو گروہی ذہانت کو تسلیم کرتے ہیں اور ہر ممکن طور پر ان نتائج کو عمل میں منتقل کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں وہ تدریس سے بڑھ کر خدمت انجام دیتے ہیں یعنی وہ تہذیبی ورثے کو دوام بخشنے میں معاون ہوتے ہیں۔

بچوں کی جانب اساتذہ کی ذمے داری

بیسویں صدی کو 'بچوں کی صدی' کہا جاتا ہے اس لیے کہ بچوں کی تفہیم اور ان کے ساتھ برتاؤ کرنے کے سلسلے میں بہت سارا علم حاصل ہو چکا ہے لیکن "ہمارا علم عموماً عمل سے بہت کم تعلق رکھتا ہے"۔ بچوں میں امریکہ کے اعتقاد کو منعکس کرنے کی ذمے داری جن لوگوں کو سونپی گئی ہے، انھیں یعنی اساتذہ کو اگر مناسب طور پر اپنی خدمت انجام دینی ہے تو ان کے لیے لازم ہوگا کہ وہ علم بھی حاصل کریں اور عمل پیرا بھی ہوں۔ مختصر یہ کہ بچوں کی نوعیت اور ضرورت سے متعلق جدید نظریات اور جدید دریافتوں کی جان کاری حاصل کرنا ان کے لیے ضروری ہوگا۔ جزوی طور پر یہ ذمے داری اس وقت پوری ہوسکتی ہے جب وہ علمی مضامین، حیاتیات، نفسیات، سماجیات، ذہنی حفظان صحت اور فلسفے کا مطالعہ کریں۔ بعض ذمے داریاں پیشہ ورانہ ادب کا مطالعہ کرکے پوری کی جاسکتی ہیں۔

لیکن بچوں کے مطالعے کے علاوہ بھی استاد کو بہت سی باتیں جاننی چاہئیں ہر بچے کو انفرادی طور پر جاننا بہت ضروری ہے۔ افراد سے متعلق گہری معلومات حاصل کرنے کے لیے بہت سے مشورے دیے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں جو طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں ان

کی فہرست حسب ذیل ہے. بچوں سے بات چیت، کھیل کے مشاغل اور دلچسپیوں کا مطالعہ بچوں کی ڈرائنگ کی ترجمانی کرنا، انھیں اس بات پر اکسانا کہ تحریر کے ذریعے اپنے باطنی احساسات کو ظاہر کرسکیں. لیاقت، معلومات اور شخصیتی رجحانات کی معیاری جانچوں کا استعمال، بچے کا محاضراتی ریکارڈ اور مجموعی ترقی کا چارٹ اور اس کے والدین اور دوسرے اساتذہ سے رابطہ پیدا کرنا، یقیناً ان سب کاموں کے لیے وقت درکار ہوگا لیکن ان کاموں میں وقت صرف کرنا، دوسرے بہت سے بے کار کاموں میں مصروف رہنے سے زیادہ سودمند ہے. یہ بھی قابل ذکر بات ہے کہ جن اساتذہ نے منظم طور پر ان مشاغل کو اپنایا ہے انھیں ان مشاغل کے لیے زیادہ وقت نہیں درکار ہوتا.

بچوں کی جانب ذمے داری قبول کرنے میں پیشہ ورانہ اور شخصی معلومات کے علاوہ بھی حصول معلومات کی ضرورت پیش آتی ہے اور بچوں کی بڑھتی ہوئی تعلیمی خصوصیات بھی جاننے کی ضرورت ہوتی ہے. ابتدائی درجوں میں حصول معلومات کی صورت یہ ہوگی کہ اس تمام ساز و سامان سے جانکاری پیدا کی جائے جو لیاقتوں اور دلچسپیوں کے انفرادی فرق کو ملحوظ رکھنے کے لیے درکار ہوں. ایک استاد کو یہ بھی جاننا چاہیے کہ شاگردوں کے فوری شوق اور علم کو بڑھانے کے لیے کس قسم کے سامان کی ضرورت ہوگی. ثانوی سطح پر اساتذہ کو اپنے شاگردوں کی علمی خصوصیات سے بہت قریبی جانکاری حاصل کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ مواد تعلیم اور نوجوانوں کے موجودہ مسائل میں عملی تعلق پیدا کرسکیں. مواد تعلیم سے واقفیت بڑھانے کی مسلسل کوشش سے دو فائدے ہوں گے. اس کے ذریعے شاگردوں میں تحریک پیدا ہوگی اور خود استاد کی اپنی بالیدگی اور نشوونما کو تسکین حاصل ہوگی.

مدرسے کے اندر استاد کا جو فلسفہ ہوگا اس کے تحت اس بات کی بڑی اہمیت ہوگی کہ شاگردوں کی جانب استاد کی کیا ذمے داری ہے. اس کا مطلب ہے کہ اساتذہ نے ان تصورات اور نصب العین سے خود کو وابستہ کرلیا ہے جو قومی زندگی کی ابتدا سے ہی امریکی عوام کے لیے باعث تحریک رہے ہیں. یعنی ان تصورات کو تکنیک اور سامان کے تدریسی استعمال کے دوران کو برتا جائے گا. مطلب یہ کہ استاد کے فلسفے میں پیشہ ورانہ واقفیت حاصل کرنے کی ایک مسلسل خواہش شامل ہے. یہ حسب ذیل پر مشتمل ہے. (۱) تعلیم کے اغراض ومقاصد کا مطالعہ (۲) حالیہ طور پر جو مقاصد پیش کیے گئے ہیں ان کے پیش نظر موزوں ترین

طریق عمل، سامان اور صورت حال کا استعمال۔ فلسفے کے اس عنصر سے متعلق کوئی جامد تصویر نہیں ہے لیکن یہ بات صاف ہو جانی چاہیے کہ جب تک جیتی جاگتی صفات نہ پیدا کی جائیں نہ تو فلسفہ موثر ثابت ہو سکتا ہے اور نہ ذہنی حفظان صحت۔

منتظمین کی ذمے داریاں

موثر ذہنی حفظان صحت کے پروگرام میں اس پہلو پر بہت کم روشنی ڈالی گئی ہے کہ مدرسے کے منتظمین کا کیا رول ہوگا۔ اس بے اعتنائی کی وجہ یہ نہیں کہ منتظمین کا رول بہت کم ہے بلکہ وجہ یہ ہے کہ اس کتاب میں درجے کے استادوں سے خطاب کیا گیا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ اگر منتظمین، اساتذہ کے ساتھ ویسا ہی تعلق رکھیں جیسا استاد اور شاگردوں کے درمیان ہوتا ہے اور جس کے لیے اس کتاب میں رائے دی گئی ہے تو منتظمین ذہنی صحت میں اہم اضافہ کر سکتے ہیں۔ بہرکیف یہاں ہمارا تعلق استاد کی ان ذمے داریوں سے ہوگا جو منتظمین کی جانب، خود ان پر واجب ہوتی ہیں۔

وفاداری

جب کوئی شخص معلمی کے لیے معاہدہ کرتا ہے تو برادری اور مدرسے کے درمیان ایک رشتہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کو (معلم کو) قدر شناسی، احترام اور اپنے منصب کے شایان شان تنخواہ کی توقع اس وقت تک نہیں کرنی چاہیے جب تک اس کے عوض وہ اطاعت، اشتراک باہمی اور حمایت کا اظہار نہ کرے۔ اس کو جلسوں میں شرکت کرنی چاہیے، ہدایات پر عمل کرنا چاہیے، ریکارڈ کی خانہ پُری کرنی چاہیے، رپورٹ تیار کرنی چاہیے اور مدرسے کے دستوری اختیارات کا احترام کرنا چاہیے۔ وفادار ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ عیوب سے چشم پوشی کرلی جائے اور کوتاہیوں کو نظر انداز کر دیا جائے بلکہ نکتہ چینی کی تو جائے لیکن قاعدے سے یعنی ایسی جگہوں پر نکتہ چینی کرنی چاہیے جو اس کے لیے مناسب ہوں، مثلاً اساتذہ کے جلسے اور نجی کانفرنسیں جہاں دیانت داری کے ساتھ اس قسم کے اختلافات اٹھائے جا سکتے ہیں۔ یہاں دو متبادل صورتیں پیش آسکتی ہیں۔ پیشے کی رو سے دونوں ہی ناموزوں ہیں اور دونوں صورتوں میں متعلقہ لوگوں کی ذہنی صحت کے لیے خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ بے حسی کے ساتھ خاموشی

اختیار کرلی جائے اور ناانصافی اور کارعبث کے احساس کو اندر ہی اندر پکنے دیا جائے اور دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ عام شکایتوں تنقیدوں اور نکتہ چینیوں کے ذریعے جو تناؤ پیدا ہو جاتا ہے اس کو اپنے رفقائے کار اساتذہ، والدین، دوست احباب اور دوسرے آدمیوں اور شاگردوں کے سامنے ظاہر کیا جائے ان میں سے کوئی صورت ایسی نہیں ہے جس سے مشکلات دور کی جا سکتی ہوں۔ درحقیقت دونوں میں صورت حال بدتر ہونے کا امکان ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ اساتذہ کے جلسوں اور کانفرنسوں میں تبادلۂ خیال کے ذریعے ایک متوازن تناظر پیدا ہوگا۔ اسی ذہنی تناظر کے ساتھ ایک تعمیری حل کا امکان پیدا ہوسکتا ہے۔ جس طرح اساتذہ والدین کی اس بات کے معترف ہیں کہ وہ اپنے بچوں کے بہترین مفاد کو ملحوظ رکھتے ہیں اسی طرح منتظمین کا بھی انھیں معترف ہونا چاہیے کہ وہ اپنے بس بھر موثر ترین تعلیمی نظم قائم کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

اشتراک باہمی

ہم سے یہ بار بار کہا جاتا ہے کہ اشتراک عمل دوطرفہ معاملہ ہے ایک ہمدرد اور کھلے ذہن کا استاد اپنے منتظم میں ایسی صفات پیدا کرسکتا ہے یہ تسلیم بعض نگراں آمریت اور تند خوئی کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن یہ بات بھی ماننی چاہیے کہ ان میں سے بیشتر اپنی قابلیت کے بل بوتے پر اس منصب پر پہنچے ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ اشتراک عمل کی کمی خود اساتذہ کے احساس عدم تحفظ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے لہذا بہتر یہ ہوگا کہ نگراں کی قابلیت کو تسلیم کیا جائے اور ان کے مشوروں پر خفگی کا اظہار نہ کیا جائے۔

اکثر و بیشتر اساتذہ کا خیال ہے کہ تعلیمی دستور کو بہتر کرنے کی غرض سے طریقۂ تدریس کے سلسلے میں جو مشورے دیے جاتے ہیں ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اساتذہ کی شخصیت پر حملہ کیا جائے۔ ایک پرخلوص استاد کو تعلیمی دستور کی بہتری کا خیال رکھنا چاہیے اور شخصی عنصر کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ اس کی بنیاد احساس پر ہے نفس واقعہ پر نہیں۔

اس لیے عملی دانشمندی کا تقاضا ہے کہ جب ہم نگرانوں کے مشوروں کی نیک نیتی کا جائزہ لینے بیٹھیں تو اس وقت ان کی پیشہ ورانہ قابلیت کا اعتراف بھی کرنا چاہیے۔ اگر نگراں بھی وہی کرے جس کا اساتذہ کو مشورہ دیتا ہو تو تنقید اس طرح کرنی چاہیے کہ اس سے تعریف

کا پہلو بھی نکلتا ہو۔ ایسی صورت میں حالات خراب ہونے کا امکان کم پیدا ہوگا۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نگراں صاحبان خود اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنے لگتے ہیں لہذا وہ تنقید میں تسکین محسوس کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں استاد کو اپنی تنقید میں معروضیت پیدا کرنی چاہیے اور یہ دیکھنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ پیشہ ورانہ تعلقات کو بہتر بنانے میں خود اس کا کیا عمل ہے۔ اس قسم کے عمل سے خود استاد کی اپنی ذہنی صحت کا پتہ چلتا ہے کیونکہ یہ دوسروں کو سمجھنے کی ایک کوشش ہوتی ہے یہ بات بھی بخوبی ذہن نشین کرنی چاہیے کہ کسی شخص سے تعلقات اچھے رکھنے کے لیے خود کو اس کے ماتحت رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تنقید کو خوش طبعی کے ساتھ تسلیم کرنا صرف پختہ کار شخصیت کا کام ہے۔ خاص طور سے ایسی صورت میں جبکہ تنقید پورے طور سے بجا نہ ہو۔

استاد جب نگرانوں کے ساتھ حریفانہ اور عدم تعاون کا مظاہرہ کرتے ہیں تو اس کا سبب ہمیشہ یہ نہیں ہوتا کہ نگرانی کے کام میں نقص رہا ہو بلکہ دوسرے اشخاص کی طرح اساتذہ بھی انفرادیت پسند ہو سکتے ہیں ایسی باتوں پر تنقید کرتے ہیں جو وہ خود بھی بخوبی سمجھ نہیں پاتے۔ بعض اسباب کی بنا پر نگرانوں کو ایسے فیصلے کرنے ہوتے ہیں یا ایسے طور وطریق اختیار کرنے پڑتے ہیں جو ان کی فیکلٹی میں محض اس لیے ناپسند کیے جاتے ہیں کہ اساتذہ ان کے اسباب سے واقف نہیں ہوتے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ جب کوئی استاد اپنے تعلیمی مشاغل کو کسی پسندیدہ نہج پر چلانے کا عادی ہو جاتا ہے تو نگراں کی جانب سے اس میں کسی قسم کی تبدیلی گراں گزرتی ہے۔ چاہے یہ تبدیلی کتنی ہی مناسب کیوں نہ ہو، خاص طور سے ایسی صورت میں جب نگراں نوار دہو۔ نیشنل ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے ضابطہ اخلاق میں بہت سی شقیں ایسی ہیں جن کا تعلق اتحاد باہمی سے ہے (باب ۷، دفعہ ۱، شق ۴، دفعہ ۳، شق ۴، ۹، ۱۲، اور ۱۳) استاد کو یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ منتظم بھی ایک انسان ہے جس کے اپنے مسائل بھی ہوں گے اور اپنی مشکلات بھی۔ یہ مدرسہ اور وسیع برادری کے درمیان ایک فاضل کی حیثیت رکھتا ہے اور خود بھی امداد اور تفہیم کا حاجت مند ہے۔ اگر اس بات کو ذہن نشین کر لیا جائے تو دوستانہ تعلقات پیدا کر لینا سہل ہوگا اور ایسے بہتر حالات پیدا ہو سکیں گے جو اتحاد باہمی کے ساتھ کام کرنے میں معاون ہوں۔ اگر استاد دوستی کی جانب قدم بڑھائے تو استاد، شاگرد اور منتظمین تینوں کے لیے بہت مفید ہوگا۔

انتظام مدرسہ میں اشتراک

تیس چالیس برس پہلے منتظمین مدرسہ یہ سمجھتے تھے کہ پرنسپل اور سپرنٹنڈنٹ ہی پالیسی مرتب کرتے اور چلاتے ہیں۔ اس وقت یہ رویہ تھا "جیسا پرنسپل ویسا مدرسہ"۔ باستثنائے چند منتظم حقیقی معنوں میں ڈکٹیٹر ہوتا تھا۔

"تاریخی اعتبار سے ثانوی تعلیم ان جمہوری ذمے داریوں سے عہدہ برا نہیں ہو سکتی جو نوجوانوں کی تعلیم کے سلسلے میں اس پر عام طور سے عائد ہوتی ہے۔ گزشتہ زمانے میں تعلیم انتخابی، استثنائی، اشرافی اور غیر جمہوری بلکہ سماجی طور پر آمرانہ ہوتی تھی۔ یہی صورت حال دوسرے ممالک میں بھی پائی جاتی تھی۔ ...... اب نوجوانوں کی تعلیم کے لیے کوئی بھی عمدہ پروگرام ایسا نہیں ہو سکتا جن کے تحت امریکی جمہوریت کے مقاصد کا بھرپور تحفظ اور حصول نہ ہوتا ہو۔ آمرانہ تعلیمی فلسفے اور فرسودہ نفسیات کی بیخ کنی ضرور کرنی چاہیے اور اس کی جگہ ایسے تعلیمی فلسفے کو رائج کرنا چاہیے جس کے مطابق جمہوری اصولوں کا پورا اطلاق ہو سکے۔" [۵]

آج انتظامیہ جمہوری نصب العین کے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ بیشتر منتظمین، پالیسی کے تعین میں کارکنوں کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں مشترک دانش کا احترام بڑھتا جا رہا ہے اور یہ احساس پیدا ہو گیا ہے کہ فیصلوں میں اساتذہ کی شرکت سے مدرسے میں استقامت پیدا ہو گی۔ چونکہ اکثر صورتوں میں پالیسی اساتذہ ہی کو لاگو کرنی ہوتی ہے اس لیے یہ بات بہت مناسب ہو گی کہ وہ پالیسی مرتب کرنے میں معاون ہوں۔

انتظامیہ میں اشتراک کی بات اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ بعض اساتذہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کے مشوروں کو نظر انداز کیا جاتا ہے اس لیے وہ ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ منتظمین کو دوسروں کی رائے کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے بالآخر پالیسی چلانے کی ذمے داری اسی پر عائد ہوتی ہے۔ بعض اساتذہ محسوس کرتے ہیں کہ مجلس انتظامیہ میں وقت صرف کرنے سے ان کے اوقات میں غیر ضروری مداخلت ہوتی ہے کیوں کہ بہت سے زیر بحث مسائل ان کی ذات سے تعلق نہیں رکھتے۔ یہ بات درست ہے پھر بھی چونکہ بہت سے مسائل براہ راست دلچسپی کے ہوتے ہیں اس لیے غیر متعلق ہونے کے باوجود جب تک اساتذہ ان سے متعلق مباحث میں شریک نہ ہوں گے۔ اس وقت تک قریبی تعلق

رکھنے والے مسائل کو بھی زیر بحث لانا ممکن نہ ہو سکے گا۔ جس استاد کو عموماً یہ شکایت ہوتی ہے کہ تنخواہ، رخصت علالت، نصاب مدرسہ، رپورٹنگ وغیرہ پر اس کی رائے کو قابل اعتنا نہیں سمجھا جاتا۔ وہی استاد اس بات پر بھی اظہار ناراضگی کرتا ہے کہ اس کے اوقات میں مداخلت کی جاتی ہے۔

اقتدار کی جانب رویہ

نفسیاتی پختگی کے معیاروں میں سے ایک معیار یہ ہے کہ اقتدار کی جانب فرد کا کیا رویہ ہے جس کو بچپن اور عنفوان شباب کے مطالعوں میں اکثر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ دائے مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اقتدار اور اس کے لیے احترام کی اس وقت تک ضرورت ہے جب تک کہ نمو پذیر شخص سماج رخ کردار کی جانب بنیادی قدم نہ اٹھائے۔ کسی کو یہ اختیار نہیں کہ گھر، مدرسہ یا سماج کے اقتدار کا مذاق اڑائے۔ اگر ان کے مطالبے نامعقول ہیں تو انھیں جمہوری فیصلوں کے حوالے کر دینا چاہیے لیکن جب تک ان مطالبوں کو چیلنج نہ کر دیا جائے اور ان کی تنظیم نو نہ کی جائے اس وقت تک ان کی پابندی کرنا سب کے لیے مفید ہوگا۔ یہ بات جس قدر بچوں اور نوجوانوں کے لیے سودمند ہے اتنی ہی اساتذہ کے لیے بھی۔ اساتذہ کی نفسیاتی پختگی کا تقاضا ہے کہ باضابطہ اقتدار کا احترام کیا جائے۔

جدید تعلیم ایک بے حد خصوصی مضمون ہے۔ اس بات کی توقع نہیں کہ کسی شخص کو تمام سوالوں کے جواب فراہم ہو جائیں۔ وہ افراد جنھوں نے کسی مخصوص میدان میں خصوصی لیاقت حاصل کر لی ہے، ان کی رائے اور ان کے منصب کا اس لیے احترام کرنا چاہیے کہ انھوں نے کسی مخصوص میدان میں خصوصی علم حاصل کیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے احکام کی اندھی تقلید کی جائے بلکہ یہ قیاس کر لینا چاہیے کہ ان لوگوں کے مقابلے میں جو اس میدان میں نسبتاً کم واقفیت رکھتے ہیں، خصوصی علم رکھنے والوں کو بہتر رائے دینے کا حق ہے۔ یہ خیالِ خام ہے کہ ہر شخص کو رائے دینے کا برابر حق ہے۔ جمہوری طریقوں کی ایک بنیادی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ خصوصی علم کا احترام کیا جائے۔ جس طرح لوگوں کے علم میں ترقی ہوتی ہے اور جس طرح طرز نظر میں تبدیلی ہوتی ہے اسی طرح 'افسرِ اعلیٰ' کے اقتدار کا جائز طور پر جائزہ لیا جاتا ہے۔ اقتدار کا ناجائز استعمال اس وقت ہوتا ہے جب باصلاحیت لوگ ایک فرد کے

اقتدار کو چیلنج نہیں کرتے۔ کسی شخص کو اگر کوئی معزز رتبہ حاصل ہو گیا ہے تو اس کی وجہ سے فکر تو نہیں رک جاتی۔

وہ اساتذہ جو اپنے شاگردوں سے اس بات کی جائز توقع رکھتے ہیں کہ وہ اقتدار کا احترام کریں انھیں چاہیے کہ خود بھی اسی رویے کا اظہار کریں۔ ایک پختہ کار شخص وہ ہے جو کسی ماہر فن کی اعلیٰ دانشمندی کو بخوشی تسلیم کرتا ہے لہٰذا مہمان استاد، اسکول کی نرس، اسکول کے محافظ، نگراں، پرنسپل اور سپرنٹنڈنٹ کا اپنی اپنی جگہ پر احترام کرنا چاہیے۔ جواباً ان ماہرین سے بھی توقع کی جاتی ہے کہ وہ بھی اساتذہ کی اس صلاحیت کا احترام کریں کہ وہ شاگردوں سے قریبی واقفیت رکھتے ہیں۔ طریقۂ تدریس، سامان تعلیم اور انفرادی شاگردوں سے نپٹنے کی تکنیک کو بہتر بنانے کے سلسلے میں اساتذہ کو مشوروں کی شکل میں اپنے خیالات پیش کرنے چاہئیں د ذہنی صحت کو بہتر بنانے والے حالات پیدا کرنے کے سلسلے میں اقتدار کو اہم حیثیت حاصل ہے اقتدار پر اعتراض کرنا چاہیے، اس کو مسلسل بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہیے، اس کو اتحاد باہمی کے ذریعے متعین کرنا چاہیے لیکن احترام بہر صورت ہونا چاہیے۔

جب اقتدار کو مناسب مقام مل جائے، جب امور انتظام میں اشتراک حاصل ہو جائے اور جب وفاداری کے ساتھ اتحاد باہمی کی صورت پیدا ہو جائے تو اس وقت حوصلہ مندی کا زیادہ امکان پیدا ہو جاتا ہے۔ اس حوصلہ مندی کے ذریعے تمام متعلقین کو مزید تسکین حاصل ہو گی اور بحیثیت مجموعی مدرسہ بہتر ہو سکتا ہے۔

"حوصلہ مندی کی کئی طرح سے تعریف کی گئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فرد جس عزم مصمم کے ساتھ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے یا جس مقصد کے تحت اس گروپ کا قیام ہے، اس کو ناپنے کا یہ ایک پیمانہ ہے۔ اس کے تحت اتحاد باہمی اعتماد، وحدت تفہیم، ہمدردی اور جن افراد پر گروپ مشتمل ہے ان کے اغراض و مقاصد کی نوعیت اور شدت کو بیان کیا جاتا ہے، یہ اتحاد عمل، قوت اور غرض و غایت اور سب کے شعور کا نام ہے، ایک اعتبار سے پیش نظر مشترک مقاصد پر اس کا انحصار ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے بخوبی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ البتہ اس کی وضاحت ضروری ہے تاکہ گروپ کے ہر ممبر کی سمجھ میں آجائے، یہ حوصلہ مندی جوش و جذبے امید و اعتماد اور مادی حالات سے پیدا ہوتی ہے۔" [ئه]

مذکورہ بالا اقتباس میں متعدد بار پختگی کے معیاروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے ہر

صفت کا تعلق کچھ نہ کچھ اس بات سے ہے کہ با اختیار عہدیداروں کی جانب کیا رویہ اختیار کیا گیا ہے۔ استاد کے لیے یہ بڑی ہمت کی بات ہے کہ وہ ان باتوں سے اپنی واقفیت تسلیم کرلے اور با اختیار عہدیداروں کی جانب ایسا رویہ اختیار کرے جس میں جوش، جذبہ اور اعتماد پایا جاتا ہو۔ یہی خصوصیات اس کی شخصیت اور کام کے واضح خدوخال ہیں۔

ساتھی اساتذہ کی جانب ذمے داریاں

انسانی تعلقات اور درجے کے استاد

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ دوسروں کے ساتھ تال میل پیدا کرنے کا دارومدار کسی شخص کی اپنی صلاحیت پر ہے۔ یہ بات کامیاب تدریس کے لیے یقیناً برمحل ہے۔ اساتذہ کو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ نہ صرف شاگردوں کے ساتھ بلکہ ساتھی اساتذہ سے بھی خوشگوار ربط پیدا کریں۔ اشخاص کے درمیان جب تعلقات میں کھنچاؤ پیدا ہوجاتا ہے تو کام کی طرف شوق اور حوصلے کا پیدا ہونا مشکل ہوجاتا ہے۔ اساتذہ کے مابین خوشگوار تعلقات کی کیا اہمیت ہے اس کا بخوبی اندازہ مطالعوں سے ہوتا ہے۔ بعض مطالعوں سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ ذہنی صحت کے سلسلے میں اساتذہ کو جس قدر بھی مشکلات پیش آتی ہیں ان میں سے اکثر کا تعلق اس بات سے ہوتا ہے کہ بالغوں کے انسانی روابط میں کمی پیدا ہوجاتی ہے۔ ڈبلو۔ سی۔ کورسیں W C Coaracens) نے ایک مطالعے کا ذکر کیا ہے۔ یہ مطالعہ ایلیو نائے یونیورسٹی میں ذہنی حفظان صحت کے کورس میں کیا گیا تھا۔ اس مطالعے کے تحت سڑسٹھ میں سے تیس یا اس سے زیادہ اساتذہ کے مشکلات کی فہرست بتائی ہے۔ اس فہرست میں اساتذہ کے درمیان متصادم شخصیتیں اور مدرسے کے کارکنوں میں حسد کا ذکر تیسرے اور چوتھے درجے پر کیا گیا ہے (پہلے درجے پر یہ بات رکھی گئی ہے کہ استاد پر کام کا بوجھ ہوتا ہے اور دوسرے درجے پر طلبہ کی کثیر تعداد کا ذکر کیا گیا ہے[4]) ان کے علاوہ ستائیس مدات کی فہرست میں سے حسب ذیل کا ذکر تیس سے زیادہ (ساٹھ میں سے) بار اس لیے کیا گیا ہے کہ ان کا اثر بالغوں کے انسانی روابط پر پڑتا ہے۔ "انتظامیہ کی پالیسی سے اساتذہ کا تصادم" "منتظم کار اور استا کی شخصیت میں تصادم" افسران اعلیٰ کی طرف سے نکتہ چینی، شاگردوں کی موجودگی میں اساتذہ پر تنقید،

"اساتذہ کی گٹھ بندی بشمول نئے اساتذہ"، "مدرسے کے کارکنوں کی طرف سے اتحاد باہمی کے رویے کی کمی"، "ان کارکنوں کے درمیان تفہیم باہمی کی کمی جن کی ذمے داریاں بہت متعین ہیں۔ اسی طرح اساتذہ کی ذہنی صحت کے لیے جو مشکلات درپیش ہوتی ہیں ان میں سے ایک تہائی کا تعلق اس بات سے ہوتا ہے کہ ان میں دوسروں کے ساتھ رابطہ پیدا کرنے کی اہلیت کم ہوتی ہے۔

اساتذہ کے مابین تعلقات بہتر بنانے کی عام صورتوں پر غور کرنے سے پہلے یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ ان مشکلات کو دور کرنے میں دوسروں کا بھی حصہ ہے۔ پختہ کار اور صحت مند اساتذہ حاصل کرنے کی تمام بہترین کوششیں کرنے کے باوجود کچھ ایسے لوگ ضرور ہوں گے جن کے ساتھ خوشگوار تعلقات پیدا کرنا بہت مشکل ہوگا۔ اس دشواری پر قابو پانے کی صورت یہ ہے کہ ہونے والے اساتذہ کی بہتر چھٹائی اور انتخاب کیا جائے اس دوران ہمیں ایسے رویے اور طریق کار اپنانے چاہئیں جو حالات کو بہتر بنانے میں مفید ثابت ہوسکیں اور بحیثیت استاد ان رویوں اور طریقوں کو جانچا بھی جاسکے۔

۱۔ اتحاد باہمی میں آپ کا منصب

جیسا کہ پہلے ذکر ہوچکا ہے اتحاد باہمی دو طرفہ معاملہ ہے۔ ہر استاد کو دوسروں کا اتحاد حاصل کرنے کے لیے اپنے بس بھر ضرور کوشش کرنی چاہیے۔ اس کی مناسب صورت یہ ہوسکتی ہے کہ رضاکارانہ اشتراک اور اتحاد باہمی کے لیے ٹھوس مشورے دیے جائیں۔ اس نظریے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے حسب ذیل طریق کار کی سفارش کی جاسکتی ہے۔

۱۔ 'ہم' پر زور دیجیے۔ جب اتحاد باہمی حاصل کرنے کی کوشش ہو تو یہ تاثر پیدا کرنا چاہیے کہ دوسروں کا بہت کچھ اشتراک حاصل ہوسکتا ہے۔ دوسروں کو یہ محسوس کرانا چاہیے کہ ذمے داریاں مشترک ہیں۔ زیادہ موثر اشتراک کی صورت یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ کام کرنے کے بجائے دوسروں کے لیے کام کرنے کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ کیا خود کو آپ اس قابل نہیں بنا سکتے کہ آپ سے اشتراک کی درخواست کی جائے۔ کسی ایسے کام کا تصور کیجیے جس کے ذریعے آپ اپنے خصوصی منصب کو سمجھ سکیں۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کے اشتراک کو بخوبی تسلیم نہ کیا جائے لیکن آپ کو یہ باطنی تسکین حاصل ہوتی رہے گی کہ آپ نے کسی کام میں امداد کی ہے جب کوئی دوسرا استاد معروضی

جانچ کے اس پرچے کو استعمال کرنے کی اجازت طلب کرے جو آپ نے محنت سے تیار کیے ہیں تو اس خیال سے بخوشی اجازت دے دیجیے کہ اس کے ذریعے موثر طور پر بچوں کی پیمائش قدر کی جا سکے گی یہ سوچ کر ناراض ہونے کی ضرورت نہیں کہ دوسرا استاد یقیناً کاہل ہے۔

۲۔ امداد حاصل کیجیے

یہ بظاہر مذکورہ بالا مشورے کے خلاف پڑتا ہے لیکن اس سے کام نکل سکتا ہے۔ یہ سننے میں آتا ہے کہ "دوست بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس سے امداد طلب کیجیے"۔ بے شک یہ پورے طور پر صحیح نہیں لیکن اس کی اپنی اہمیت ضرور ہے۔ کسی بھی شخص کو اس کے ذریعے اس بات کا احساس ہو سکتا ہے کہ اس نے دوسرے کی امداد کی ہے۔ مثال کے طور پر اگر آپ کا کوئی شاگرد ایسا ہو جو آپ کے قابو میں نہ آتا ہو تو اس کے لیے دوسرے استاد سے رجوع کیجیے۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ آپ دوسروں کی رائے کا احترام کرتے ہیں۔ اسی طرح کسی مہارتی کام میں امداد طلب کرنے سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ آپ دوسرے کی ہنرمندی کا احترام کرتے ہیں۔ یہ محض عمل کی حد تک نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ اس کے پیچھے یہ عقیدہ بھی کارفرما ہونا چاہیے کہ دوسرے لوگ حقیقی معنوں میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی شخص نہ تو قدرت کا ملہ رکھتا ہے اور نہ عالم کل ہو سکتا ہے۔

۳۔ مددگار بنیے

اگر ہم اتحاد باہمی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو دوسروں کے ساتھ خود بھی تعاون کرنا چاہیے۔ یہ بات اتنی واضح ہے کہ اس کا ذکر کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ جب آپ سے کوئی درخواست کی جائے تو ہو سکتا ہے آپ اس کو تضیعِ وقت و محنت تصور کریں لیکن یہ اس بات کا ثبوت بھی ہو سکتا ہے کہ دوسروں کی نظر میں آپ کی لیاقت اور علم کا کتنا احترام ہے۔ اگر آپ کو تعاون سے انکار ہو تو کسی طول طویل تاویل کے بجائے کوئی معقول سبب پیش کر دیجیے معقولیت کی کسوٹی پر پرکھنے سے مطلوبہ امداد دہی کا امکان خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔

۴. توجہ کے ساتھ سنیئے

ایک شخص ایک خوبصورت اور مشہور عورت کو رات کے کھانے پر لے گیا۔ وہ عورت اس کے ساتھ بہت خوش خلقی سے پیش آئی۔ اس نے پہلے تو کھانے کے کمرے کا جائزہ لیا، حاضرین پر نظر ڈالی پھر بقیہ وقت میں پوری توجہ اس آدمی پر صرف کی۔ اس کی طرف دیکھتی رہی اور اس کی گفتگو سنتی رہی۔ اس طرح اس عورت نے اس آدمی کا غصہ رفع کر دیا۔ ہم میں سے بہت سے لوگ ان اساتذہ سے ناراض ہوتے ہیں جو بظاہر ہم سے ہم کلام تو ہوتے ہیں لیکن کاپیاں جانچتے رہتے ہیں خطوط پڑھتے رہتے ہیں یا دوسروں کو ہدایات دیتے رہتے ہیں۔ اس قسم کے سلوک کی وجہ سے ہم کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس شخص کو ہماری پرواہ نہیں ہے۔ اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ ہم نے جس مشورے کی درخواست کی ہے اس کو غور سے سننا چاہیے اور ان مشوروں پر بھی توجہ دینی چاہیے جو ہماری درخواست کے بغیر ہمیں دیے جا رہے ہیں۔

۵. خلیق بنیے

اس سے پہلے خلیق بننے کی معقول رائے دی جا چکی ہے "خوش خلقی اور شائستہ اطوار جب کردار کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں تو بہت کھرے ثابت ہوتے ہیں اور سماجی روابط کو استوار اور ہموار کرنے میں بہت مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ یہ بات مردوں، عورتوں دونوں کے لیے یکساں طور پر درست ہے۔ بد خلقی اور بد اطواری سے سماجی مطابقت پذیری کم تر اور مشکل ہو جاتی ہے"۔ خوش خلقی بہت معمولی باتوں سے شروع ہوتی ہے جیسے کسی کو نام سے پکارتے وقت "مہربانی کر کے" "یا آپ کا شکریہ" کہہ کر اور عام طور سے دوسروں کی انفرادیت کا احترام کر کے اس کا اظہار ہو سکتا ہے۔ لیکن خوش خلقی کی وکالت کا سب سے بڑا سبب یہ نہیں ہے کہ دوسروں پر اس کا اثر پڑتا ہے بلکہ شائستہ اطوار سے دوسروں کے احترام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

ہنگامی حالات میں ہاتھ بٹائیے

یہ بات بہت واضح ہے کہ اگر کسی سے فیاضی کے ساتھ امداد اور دستگیری حاصل کرنی ہو تو کسی نہ کسی حادثے میں مبتلا ہو جائے۔ سیلاب آتش زدگی، قحط یا بڑے پیمانے پر پھیلی ہوئی بیماری

کی صورت میں وہ لوگ بہت معاون ثابت ہوتے ہیں جو ان سب سے محفوظ ہیں۔ شاگردوں کی ٹریجڈی بھی بعض دفعہ ایسی ہوتی ہے جس سے انسان کی حقیقی دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے۔ استاد کو جب کبھی ایسا مسئلہ درپیش آتا ہے تو اس کے ذریعے دوسرے اساتذہ سے تعاون حاصل کرنے کا اس کو بخوبی جا ئزل جاتا ہے اور دوسروں کی طرف سے اس کو ایسی امداد حاصل ہو جاتی ہے جو نہ صرف مسئلے کو حل کرنے میں معاون ثابت ہو بلکہ مشورہ دینے والوں کو اپنی قدر و قیمت کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ معاملہ موت یا علالت کا ہو بلکہ وہ نسبتاً ایک چھوٹی سی بات بھی ہو سکتی ہے (اس فرد کے لیے گہرے اندیشے کا باعث ہو سکتی ہے) جو شاگردوں کی خوشیوں میں دخل انداز ہو رہی ہو۔ ممکن ہے بال ٹیم میں اس کو نہ شامل کیا گیا ہو۔ اسکول کا آرکسٹرا تیار کرنے میں اس کو ناکامی ہوئی ہو یا اس کے پاس دوسروں جیسے کپڑے نہ ہوں۔ یا اس قسم کی کوئی ہنگامی حالت پیدا ہو سکتی ہے جن پر معمولات کے طریقہ کار سے قابو نہ پایا جا سکتا ہو۔

غرض و غایت کی وضاحت کیجیے

متعدد ایسے حوالے دیے گئے ہیں جن میں اس بات کی اہمیت جتائی گئی ہے کہ شاگردوں کو غرض و غایت سے آگاہ کر دیا جائے۔ تعاون حاصل کرنے کی کوششوں میں غرض و غایت کی صراحت کی بڑی اہمیت ہے اگر پرنسپل کسی مخصوص رپورٹ کا جلد طلب گار ہے تو استاد کو بتا دینا چاہیے کہ اس رپورٹ کی کیا اہمیت ہے۔ اگر استاد دوسروں سے امداد لینا چاہتا ہے تو تفصیل کے ساتھ پورا پس منظر اور اس کی اہمیت بیان کر دینی چاہیے۔ دوسری جنگ عظیم کے قدری رہنماؤں کو اس کی افادیت کا اس وقت اندازہ ہوا جب غیر کمیشن عملے کے ساتھ ان کے نتائج کا مطالعہ کیا گیا۔ معلمین اور منتظمین کے بیچ اور معلم اور معلمین کے درمیان تعاون کی اس حد تک کمی ہوتی ہے کہ دوسرے کی ذمے داریوں کو محض سطحی طور پر سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے چنانچہ دوسرے کے کام کی کوئی اہمیت نظر نہیں آتی۔ یہ خیال بہت عام ہے کہ دوسروں کا کام بہت سہل اور غیر اہم ہے۔ غرض و غایت کو اچھی طرح نہ سمجھنے کی یہ ایک عام علامت ہے جبکہ تحمل کے ساتھ چند الفاظ میں غرض و غایت کی وضاحت کی جا سکتی ہے۔

عداوت اور حسد

اگر معمول کے کسی اسکول اسٹاف کا مشاہدہ کیا جائے تو اسٹاف ممبروں کے درمیان عداوت اور حسد کی بہت سی شہادتیں مل جائیں گی۔ یہ استثنائے چند براہ راست نکتہ چینی اور طعن آمیز گفتگو سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپس میں ہم آہنگی نہیں ہے یہ عیوب اس وقت اور زیادہ نظر آتے ہیں جب افراد کے درمیان بہت گھل مل کر گفتگو ہوتی ہے۔ وہ اساتذہ جو ذہنی طور پر صحت مند ہوں گے اپنی گفتگو میں اس قسم کی باتوں کو کم آنے دیں گے۔

دو وجوہات کی بنا پر ہم عداوت، حسد اور شک و شبہے کی کیفیت گوارا نہیں کر سکتے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کے کرداروں اور رویوں سے بحیثیت مجموعی مدرسے کو نقصان پہنچتا ہے۔ یہ باتیں محض شخصی نہیں ہیں بلکہ بچوں کے لیے صحت مند ماحول پیدا کرنے میں براہ راست ان کا اثر پڑتا ہے۔ دوسری وجہ جو شخصی نقطۂ نظر سے زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ فرد جذباتی طور پر اس سے عہدہ برا نہیں ہو سکتا۔ کسی منفی جذبے کا مجموعی اثر چاہے کتنا ہی ہلکا کیوں نہ ہو، شدید خوف اور غصے کے اثرات کے مساوی ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص طویل عرصے تک منفی جذبات میں مبتلا رہے تو اس کے جسمانی اثرات زہر جیسے ہوتے ہیں۔ گھمنڈ کے ساتھ کوئی بات کہہ کر یا دوسروں کی توہین کر کے کسی شخص کو خوشی تو ہو سکتی ہے لیکن وہ شخص خود بھی مجروح ہو جاتا ہے نفرت کرنے سے نفرت کرنے والے کو بھی نقصان ہوگا۔ حسد سے حاسد بھی مجروح ہوتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے وہ اپنی مثبت صفتوں اور صلاحیتوں کو عمل میں نہیں لا سکتا۔

اساتذہ کو چاہیے کہ وہ اپنے تاویلی بیانات سے ضرور باخبر رہیں۔ "میں تم سے یہ بات تمھاری بھلائی کے لیے کہہ رہا ہوں" ان الفاظ کو اگر حقیقت کا جامہ پہنایا جائے تو یہ کہا جائے گا "میں تم سے یہ بات اس لیے کہہ رہا ہوں کہ تم کو کم تر جتا کر مجھے شخصی تسکین حاصل ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ ہمیں اپنی تنقید کے ذریعے پُر عداوت یا اس سے مماثل منفی جذبات کا اظہار کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ بائبل سے ہمیں دو ایسی عملی حکمتوں کی بصیرت حاصل ہوتی ہے جو تنقیدی رجحانات کو شاید تعمیری سمتوں میں موڑ سکے۔ "گناہ سے جو پاک ہو پہلے وہ دوسروں پر پتھر پھینکے" اور ایک نرم جواب غصے کو دور کر دیتا ہے۔" ذہنی حفظان صحت سے متعلق جو باتیں بتائی گئی ہیں ان کو پڑھ کر دوسروں پر تنقید کرنے کا رجحان کم ہو جاتا ہے۔ وہ شخص جو دوسروں کی شخصیت

پر اظہار رائے کرتا ہے دراصل اس کے ذریعے خود اپنی شخصیت کا اظہار کرتا ہے۔ اس دعوے کے مفہوم کو اس وقت زیادہ سراہا جاسکتا ہے جب ہم شخصیت کی تطلیل کے ان عوامل کو ذہن نشین کریں جو تخلیقی آرٹ، آزاد تحریر اور بچوں کے کھیل میں نظر آتے ہیں۔ گزشتہ باب میں اس موضوع پر بحث کی جاچکی ہے۔ مختصر یہ کہ دوسروں کی شخصیت میں جو کچھ نظر آتا ہے وہ خود اپنی شخصیت کا عکس ہوتا ہے۔

ادنیٰ قسم نکتہ چینیوں، شخصی عداوتوں اور حسد کی ناپختگی میں جو جذباتی ردعمل ہوتا ہے اس کا جائزہ حسب ذیل بیان میں لیا گیا ہے۔

"اس قسم کے..... جذباتی ردعمل گھن کی طرح لگ جاتے ہیں، آدمی کی قوت کو کینسر کی طرح زائل کردیتے ہیں اور اس کی موثر اور خوشگوار سماجی مطابقت کو گھٹا دیتے ہیں۔ غور کیجیے کہ ہم کتنے مسرور، تعاون پسند اور موثر ثابت ہوتے اگر اپنے پیشے کے مابین اپنی چھوٹی موٹی ان حسدوں کو بھلا دیتے جو وسعت نظر میں کجی پیدا کردیتی ہیں اور باہمی تعاون کی بات عمل سے کوری محض زبانی رہ جاتی ہے"۔[9]

یہ بات صاف ہے کہ منفی جذبات سے پیشہ ورانہ وقار کو ہی خطرہ لاحق نہیں ہوتا بلکہ شخصی ذہنی صحت کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔

پرانے اور نئے استاد کی ملاقات

استاد اور استاد کے درمیان تعلقات کو بہتر بنانے کا ایک بڑا قدم یہ ہوگا کہ ایک دوسرے کے مسائل کو سمجھنے کی کوشش کی جائے برادری کے ایک سابق استاد کو یہ سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ نیا استاد بعض مفید خیالات کا حامل ہوسکتا ہے۔ مدرسے کے رواج شاگردوں کے ضبط، درجے کے طور وطریقے اور اس قسم کی دیگر باتوں میں تبدیلی کرکے شاید زیادہ سودمند بنایا جاسکتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ استاد جس کو کسی قسم کے اسکول میں پڑھانے کا تجربہ نہیں ہے ایسے خیالات کا حامل ہوسکتا ہے جو قابل آزمائش ہوں۔ اس قسم کے مشورے "ہم یہاں یہ طریقہ اپناتے ہیں" اس وقت تک نہیں دینے چاہئیں جب تک دوسرا استاد امداد کا طالب نہ ہو اور وہ یقیناً امداد کا طالب ہوگا بشرطیکہ برعکس خیال رکھنے کے باوجود مشوروں پر عمل کرنا اس کے لیے مجبوری نہ قرار دے دیا جائے۔ سماجی تعلقات میں بھی اسی قسم کی وسیع النظری پیدا ہوسکتی ہے۔

مقررہ مشاغل میں نئے استاد کو مدعو کیجیے۔ یہ بات نہ صرف نووارد کے لیے مفید ہے بلکہ اس کے ذریعے پرانے استاد کی شخصیت میں بھی توسیع ہوتی ہے اور نئی دوستی پیدا کرنے کے بھی مواقع ملتے ہیں۔

اکثر نووارد استاد اپنی اجنبیت کی وجہ سے دوستی کی پیش کش کو ناپسند کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ کالج کے پروفیسروں کے خیالات کو زیادہ وقعت کی نظر سے دیکھتا ہو۔ یہ اور بات ہے کہ برسہا برس تک براہ راست شاگردوں کے رابطے سے حاصل کیے ہوئے تجربات کے مقابلے میں وہ زیادہ کارآمد نہ ہوں۔ اس لیے روایتی طرز نظر کو فرسودہ کہنے کے رجحان سے پرہیز کرنا چاہیے۔ نووارد استاد کو خاص طور سے اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ اساتذہ کے دقیانوسی طریقوں پر تنقید کرنے سے گریز کرے۔ ہوسکتا ہے یہی دقیانوسی طریقے اس کی شخصی خوبیوں کو اجاگر کرنے کا ذریعہ بنتے ہوں اور اس کو کامیابی سے سرفراز کرتے ہوں۔ پھر بھی ممکن ہے نووارد استاد کے لیے یہ طریقے مناسب نہ ہوں۔

استاد اور شاگرد کے درمیان تعلقات استوار کرنے کے سلسلے میں جن عوامل کا ذکر کیا گیا ہے ان کے ذریعے نووارد اور پرانے استاد کے درمیان بھی خوشگوار تعلقات پیدا ہوسکتے ہیں یعنی شخصیت کے انوکھے پن کو تسلیم کرنا، سابق ماحول کے تنوع کو ذہن نشین کرنا، حقیقی دوستی، جس کی بنیاد شخصیت کی پختگی پر ہو اور دوسروں کے اغراض و مقاصد کی سالمیت پر اعتقاد۔ اگر دوسرے بھی ان امتیازی خصوصیات کا اظہار نہ کریں تو الزام اور جواب الزام سے کچھ بھلا نہ ہوگا۔ اس سلسلے میں صحت مند رجحان یہ ہوگا کہ اپنے آپ سے یہ سوال پوچھا جائے "خود اپنی شخصی زندگی کے کون سے مسائل ہیں جن کے ذریعے مطلوبہ بالا علامتوں کا اظہار ہوتا ہے۔

برادری کی جانب ذمے داریاں

برادری کے رسم و رواج کا احترام

اساتذہ کی رپورٹوں سے اور رسالوں میں شایع ہونے والے مضامین سے پتہ چلتا ہے کہ ایسی برادریاں موجود ہیں جو اساتذہ سے نامعقول مطالبے کرتی ہیں لیکن زیادہ مطالبے صرف اس بات کے ہوتے ہیں کہ معلم اور معلمہ شریف ہوں۔ پھر بھی بعض برادریوں میں اس سے

بڑی حد تک اختلاف ملتا ہے۔ مثال کے طور پر ہمارے پڑوس میں کیکر فرقہ رہتا ہے یہ لوگ برسہا برس پہلے یہاں آکر آباد ہوئے اور اب بڑی حد تک انھیں سے یہ علاقہ آباد ہے۔ قصبے کے اندر کوئی شراب خانہ نہیں ہے اور نسبتاً کم لوگ تمباکو نوشی کرتے ہیں۔ یہاں تین مدرسے ہیں اور ان میں کوئی بھی استاد تمباکو نوشی نہیں کرتا۔ اگر نوارد سے یہ اساتذہ اس بات کے متوقع ہوں کہ وہ بھی ایسے ہی کردار کا مظاہرہ کرے تو یہ بات نامناسب نہیں ہے مگر یہ احساس پیدا ہوسکتا ہے کہ تمباکو نوشی کے خلاف جذبات رکھنا نامعقولیت پر مبنی ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس قبیلے کے اندر اس کے برعکس خیالات ہوں اور یہ تصور کیا جاتا ہو کہ ان مقامی لوگوں پر جن کا طرز فکر مختلف ہے نوارد کو اپنا کردار تھوپنا نہیں چاہیے۔ ان وجوہات کی بنا پر نووارد کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ ایسے مدرسوں میں ملازمت قبول کرنے سے پہلے برادری کے رسم و رواج کو سیکھ لے۔ اگر وہ مرد یا عورت مروجہ رواج کے سامنے بخوشی سر تسلیم خم نہیں کرتا تو اس کو کہیں اور قسمت آزمائی کرنی چاہیے۔

ایک اور برادری کو لیجیے۔ جہاں لباس کو مذہبی انداز پر اختیار کیا گیا ہے۔ یہاں اساتذہ سے یہ توقع تو نہیں کی جاسکتی ہے کہ وہ روایتی طرز پر لباس اختیار کریں لیکن ایسا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ وہ قصداً اس سے بالکل مختلف لباس اختیار کرکے وہاں کے باشندوں کی تنگ نظری کو نمایاں کریں۔ ایسی برادری میں ان رجحانات سے بچنا ضروری ہو جاتا ہے جن کے تحت نوعمر بچوں میں بیجا سائنسی طرف داری کا رجحان پیدا کیا جاتا ہو۔ سائنسی معلومات کو یقیناً معروضی طور پر پیش کرنا چاہیے لیکن مذہبی عقائد پر براہ راست حملہ کرنا غلط ہوگا۔ کیونکہ اس کی وجہ سے شاگردوں میں جس عدم تحفظ کا احساس پیدا ہو جاتا ہے وہ شاید ان کی ذہنی صحت کے لیے نقصان دہ ثابت ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ شاگردوں کے سوالات سے گریز کیا جائے لیکن اس بات سے ضرور خبردار رہنا چاہیے کہ ان کے جوابات میں جذباتی غلو نہ ہو بلکہ حقائق کو اس طرح پیش کیا جائے کہ طالب علم اسے قبول کرنے پر مجبور نہ ہو۔ معروضی تعلیم کا عمل دھیما مگر قابل یقین ہونا چاہیے اور فوری طور سے کسی نمایاں تبدیلی پر زور نہیں دینا چاہیے۔ ان مشوروں کو عملی طور پر استعمال کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ ان اوصاف کا انطباق کیا جائے جن کا ذکر ذہنی حفظان صحت کے سلسلے میں بار بار کیا گیا ہے۔ اس کے لیے صبر، دوسروں کے احترام اور اعتقاد کی ضرورت ہے کہ سبھی لوگ تعلیم پانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

"برادری کے ساتھ خوشگوار رشتہ قائم کرنے میں دوسروں کا احترام، بنیادی حیثیت رکھتا ہے اس قسم کے رشتے تمام شہریوں کے لیے مستحسن ہیں لیکن اساتذہ کے لیے اس کی حیثیت خصوصی ہے۔ ہر برادری اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ نوجوانوں پر اساتذہ کے اثرات بہت گہرے ہوتے ہیں اور ان میں خصوصیت کے ساتھ اساتذہ کے کردار اور نظریات سے سروکار رکھنے کا میلان پایا جاتا ہے۔ چنانچہ جب مقامی معیاروں میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے تو کھنچاؤ پیدا ہونا لازمی ہو جاتا ہے۔ استاد جب کسی بات کا عادی ہوتا ہے تو اکثر اختلاف کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ گفت و شنید کا طریقہ اختیار کرنے سے بظاہر یہ کھنچاؤ کم ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے لیے حقیقی شناسائی پر مبنی باہمی تفہیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ باہر سے آئے ہوئے اساتذہ جو برادری کی زندگی سے خود کو الگ تھلگ رکھتے ہیں، ان کے ساتھ دو میں سے کوئی ایک صورت پیش آتی ہے اور دونوں ہی صورتیں نامناسب ہوتی ہیں۔ یا تو وہ مقامی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے محض مصلحت کوشی سے کام لیتا ہے تو مقامی طور پر قابل تنظیم نیکیوں کو ریاکاری کے ساتھ بظاہر اپنا لیتا ہے یا صورتِ حال شخصی سالمیت کے لیے تباہ کن ہوتی ہے۔ اس مسئلے پر "ہمارے دور کے اساتذہ" کتاب میں زور دیا گیا ہے۔ دوسری طرف یہ رجحان بھی تباہ کن ہے کہ ایک استاد مصلحت کو پیشِ نظر رکھے بغیر اس بات پر اصرار کرے کہ وہ اسکول میں وارد ہوتے وقت جیسا بھی تھا اس میں کسی قسم کے سدھار کی گنجائش نہیں ہے۔ اس لیے یہ بات اہم ہے کہ استاد جس برادری میں کام کرتا ہے وہاں کے لوگوں سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنا سیکھے اور با اخلاق طریقے پر رضامندی کے ساتھ مقامی اور عوامی رسم و رواج اختیار کرنے کی صلاحیت پیدا کرے ایسی صورت میں دوطرفہ احترام کا امکان پیدا ہوگا۔ جس کی وجہ سے بنیادی سالمیت کا تحفظ ہوگا اور اس کو تقویت پہنچے گی"۔[1]

یہاں جس نقطۂ نظر کی سفارش کی گئی ہے اس کے ذریعے اس نظریے کا اطلاق ہوتا ہے جو شاگردوں سے واسطہ رکھنے کے لیے پیش کیا گیا ہے یعنی انفرادیت کا ضرور احترام کیا جائے ہمیں یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ دوسروں کی نیتوں میں خلوص ہوتا ہے ہمیں یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ بنیادی طور سے ایک ہی قسم کے واقعات کی ترجمانی مختلف طریقے سے ہو سکتی ہے" یہاں ایک دوسرے اہم عامل کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے اور وہ ہے مصالحت۔ مصالحت جمہوری طریق عمل کے لیے ایک بنیادی تکنیک کی حیثیت رکھتی ہے کبھی کبھی پروگرام کے کسی ایک جزو کا حصول اس کوشش کے مقابلے میں زیادہ اہم ہوتا ہے جو پورے پروگرام کے حصول کے لیے کی جائے اور حاصل کچھ نہ ہو۔[2]

برادری کے رسم و رواج کے مسائل کا حل آسان نہیں پھر بھی ناراضگی اور تشکیک نہ تو اس پیشے کے لیے مناسب ہے اور نہ برادری اور شخصی ذہنی صحت کے لیے۔

برادری سے واقفیت

اس سے قبل شاگردوں کے سلسلے میں جس مانوس قول سے متعارف کرایا گیا تھا "جانکاری کا مطالب تفہیم" وہ برادری کے مدرسوں میں کام کرنے کے لیے بہت موثر ثابت ہوتا ہے۔ کتاب کے اس حصے میں جس نقطۂ نظر کو پیش کیا گیا ہے اس کی بنیاد برادری سے مکمل اور بڑھتی ہوئی واقفیت پر ہے اس واقفیت کے بغیر کوئی بھی شخص اپنے شاگردوں، ان کے الفکے پس منظر اور مسائل سے موثر طور پر عہدہ برا نہیں ہوسکتا۔ معلم کی اثر پذیری کا انحصار برادری سے واقفیت پر ہے اور اسی کے ذریعے اس کو اپنے کام سے تسکین بھی حاصل ہوسکتی ہے۔

"جب استانی برادری کی خصوصیات کی چھان بینی کرتی ہے اور اس کو بہتر بنانے کی کوشش کرتی ہے تو ان بچوں کو آنکھ سے اوجھل نہیں ہونے دیتی جن کی ذمے داری اس پر بنیادی طور سے واجب ہے۔ استانی یہ پتہ لگانے کی کوشش کرتی ہے کہ بچے کا پڑوس کیسا ہے؟ اس کا امکان کس قسم کا ہے؟ اس کے بھائی بہن ہیں یا نہیں۔ وہ کہاں اور کن لوگوں کے ساتھ کھیلتا ہے؟ اس کے والدین کیا کرتے ہیں؟ ان کی تفریحات کیا ہوتی ہیں؟ وہ سامان کہاں سے خریدتے ہیں؟ وہ گھر پر کون سی زبان بولتے ہیں، بچہ گھر پر کس قسم کے قواعد وضوابط کا عادی ہے؟ کیا خاندان کے لوگ برادری کے مشاغل میں حصہ لیتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو کن مشاغل میں زیادہ حصہ لیتے ہیں؟ اگر استانی ہوشیاری کے ساتھ بچوں کے لیے تجربات کا منصوبہ تیار کرے تو یہ اور اس قسم کے بہت سے سوالات کے جواب خود بخود فراہم ہو جائیں گے" ؎۱۶

برادری سے واقفیت حاصل کرنے کا خیال برادری میں انوکھا نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ حالیہ برسوں میں اس کی اہمیت پر بہت زیادہ زور دیا جانے لگا ہے۔ ہم تعلیم کو جس قدر اپنے مقاصد کی روشنی میں دیکھتے ہیں اور جمہوریت کے اصولوں کا عملی طور پر مطالعہ کرتے ہیں اسی قدر برادری کی اہمیت زیادہ واضح ہوتی ہے۔ اگر ہم یہ سمجھنا چاہیں کہ کام، ضبط، اتحاد باہمی کی کوششوں اور اخلاق کی جانب بچے کا کیا رویہ ہے تو اس کے تہذیبی پس منظر کو جاننا ضروری ہے۔ اسی طرح اگر ہم یہ جاننا چاہیں کہ شراب جنس اور پیشے کی طرف نوجوان کا کیا

رویہ ہے تو ہمیں ان کے تہذیبی پس منظر سے واقفیت پیدا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

"جس برادری میں بچہ رہتا ہے اس کے حالات کی تفہیم صرف اس لیے ضروری نہیں کہ یہ بچوں کی حاجتوں کی ترجمانی کا ایک وسیلہ ہے بلکہ اس کی بنیاد پر مدرسہ اور برادری کے درمیان ایک رشتہ پیدا کیا جاتا ہے اور برادری مرکز نصاب تعلیم کی تنظیم کی جاتی ہے بچوں کی برادری کے پس منظر کی چھان بین کرتے وقت متعدد ایسی ایجنسیوں سے واقفیت حاصل ہو جاتی ہے جو بچے کی نمو پر اچھے یا برے انداز سے اثر انداز ہوتی ہیں اور برادری کے ان وسائل کا بھی علم ہو جاتا ہے جنھیں مدرسہ استعمال کر سکتا ہے۔

"آموزش کی رہنمائی میں مدرسے پر جو ذمے داری عائد ہوتی ہے اس کو سمجھنے کے لیے متعدد مگر اکثر متصاد قوتوں سے واقفیت پیدا کرنی پڑتی ہے۔ یہ واقفیت سماجی احکام انسانی اقدار کے شعور اور بچوں اور نوجوانوں کے شخصی مقاصد پر اثر انداز ہوتی ہے"[۲۴]

یہ بات تو ٹھیک ہے کہ استاد کو برادری سے واقفیت حاصل کرنی چاہیے مگر سوال یہ ہے کہ واقفیت پیدا کیسے کی جائے۔ اس کے سلسلے میں اساتذہ کو ذیل کے اقتباس میں کچھ مشورے دیے گئے ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ استاد کو برادری کی کن کن باتوں پر نظر رکھنی چاہیے۔

بچوں کی تعلیم میں کسی مخصوص سماج کے وسائل کا استعمال اسی قدر اہم ہے جس قدر ان وسائل کا استعمال، جو کتابوں میں تجویز کیے گئے ہیں۔ ان میں محض مانوس وسائل جیسے میوزیم، لائبریری، آرٹ کی نمائش، پود گھر اور چڑیا گھر شامل نہیں ہیں بلکہ صنعتی مراکز، انجینئرنگ کے مراکز، سماجی مراکز، تعمیر مکان کے پروجیکٹ، گندی تاریک بستیاں، سائنسی نوادرات تفریحی مراکز، کلینک، اخباروں کے مراکز، ریڈیو اسٹیشن، کچہری، مجسٹریٹ چیمبر اور سرکاری دفاتر بھی شامل ہیں۔ ان کے ذریعے شاگرد کے تجربات میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور اس بات کی تحریک بھی پیدا ہوتی ہے کہ سماج کے مسائل پر موثر ڈھنگ سے غور و فکر کیا جائے۔ دیہاتی علاقوں میں جہاں یہ وسائل محدود ہوتے ہیں وہاں ان وسائل کا مطالعہ کرنا اور بھی ضروری ہو جاتا ہے"[۲۵]

برادری سے واقفیت حاصل کرنے کے بہت سے طریقے ہیں۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ شخصی طور پر دورہ کیا جائے۔ بعض اساتذہ نے تفریحی مشاغل کے طور پر اس کام کو انجام دیا اور اس کو اپنی پیشہ ورانہ خدمات کی توسیع کا ذریعہ نہیں بنایا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ حقیقی صورت حال میں شاگردوں کا مطالعہ کیا جائے۔ ایک طریقہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ توسیعی خدمات کی شکل میں گروپ

کے اندر اساتذہ خود اپنے مطالعے کا پروگرام بنائیں۔ اس مقصد کے پیش نظر گاؤں کے اساتذہ کے ایک گروپ نے ایک ورکشاپ کو چنا۔ انھیں پتہ چلا کہ مندرجہ ذیل رقبوں میں شاگردوں کے لیے بہت مفید تعلیمی وسائل موجود تھے اخروٹ کا ایک بڑا باغ، ایک ڈیری فارم، ایک چینی فرمی کا فارم کوآپریٹو کیننگ پلانٹ، ایک کیتھولک خانقاہ، ایک مقامی گیراج اور دوسرے بہت سے رقبے جو اس میں شامل نہیں ہیں۔ اساتذہ نے اپنے مطالعے کی بنیاد پر ایک کتابچہ تیار کیا جس میں ان لوگوں کے نام کی فہرستیں درج تھیں جن سے ان شعبوں کو دکھانے کے سلسلے میں رابطہ قائم کیا جاسکتا تھا۔ اس کے علاوہ ان مقامات تک پہنچنے کے لیے سڑکوں اور ان مقامات کی تفصیلات بھی درج تھیں جن کا دورہ کرنا تھا۔ یہ کتابچہ تقسیم کیا گیا اور قارئین کو اس بات کے لیے اکسایا گیا کہ وہ اس میں کچھ اضافہ کرکے توسیعی پروگرام کے چیرمین کو دیدیں۔ چیرمین نے ترمیم کے بعد کتابچے کو دوبارہ جاری کیا۔ اس ورکشاپ کا سب سے زیادہ اطمینان بخش نتیجہ یہ نکلا کہ اساتذہ کو پڑھانے میں زیادہ مزہ آنے لگا اس لیے کہ اساتذہ سماجی حالات سے بہتر طور پر واقف ہوگئے تھے۔

مدرسے کی ترجمانی

جب کوئی سخت مرحلہ پیش آتا ہے تو اساتذہ کو مدرسے کی ترجمانی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اضافۂ تنخواہ سے متعلق کوئی مسئلہ، شاگردوں کے لیے پیمائش قدر کے نظام میں تبدیلی یا ذمے داری میں اضافہ ہونے کی صورت میں اس بات کی ضرورت پڑتی ہے کہ وقتاً فوقتاً مدرسے کی بہتر ترجمانی کی جائے لیکن یہ کام عموماً انتظامیہ پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس کے پیچھے اکثر یہ جذبہ کارفرما ہوتا ہے "میرا کام صرف پڑھانا ہے"۔

درحقیقت مدرسے کی ترجمانی کی ذمے داری سے احتراز نہیں کیا جاسکتا معلم چاہے یا نہ چاہے اُسے ترجمانی کرنی ہی پڑتی ہے۔ خود اس کی زندگی اس کے رویے اور ان تنظیموں کے ذریعے جن سے اس کا تعلق ہے، مربیان مدرسے کی نظر میں مدرسے کی ترجمانی ہوتی رہتی ہے چنانچہ وہ مدرسے کی ترجمانی سے بے اعتنائی نہیں برت سکتا۔ شاگرد جب گھر کو لوٹتے ہیں اور مدرسے کی روئداد پیش کرتے ہیں تو اس کے ذریعے بھی مخصوص اساتذہ کی ترجمانی ہوتی ہے۔ اس طرح وہ تمام کوششیں جو درجے کے اندر ذہنی حفظان صحت کے حصول کے لیے کی جاتی ہیں ترجمانی کا وسیلہ بنتی رہتی ہیں۔ بالآخر یہ ایک اولین ضرورت ہے اس لیے بھی اس سے گریز

نہیں کیا جاسکتا کیونکہ مدرسے کے مربیوں کو بذات خود مدرسے کا کچھ نہ کچھ تجربہ ہوتا ہے اور اساتذہ ان کے طریقہ تدریس اور زیر استعمال سامان تدریس کے بارے میں بجا یا بیجا طور پر کوئی نہ کوئی ٹھوس رائے قائم کر لیتے ہیں اور ہر شخص یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اپنے تجربے کی بنیاد پر وہ خود ماہر تعلیم ہے۔ تاہم ہماری نظر سے یہ بات اوجھل نہیں ہونی چاہیے کہ والدین کی نیت بھی اچھی ہوتی ہے انھیں اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ ان کے سامنے تمام باتوں کی تشریح کی جائے اور اس تشریح کا انھیں حق بھی ہے اگر انھیں ان سب باتوں سے باخبر رکھا جائے تو پھر وہ مدرسے میں ہونے والی تبدیلیوں اخراجات اور بچوں کی بہبودی کے پیش نظر شخصی امداد فراہم کرنے کی مخالفت نہیں کریں گے جس طرح بچوں کی تدریس کے سلسلے میں مقاصد کی وضاحت پر بہت زور دیا جاتا ہے اسی طرح والدین کے لیے بھی مقاصد کی وضاحت ضروری ہے اس کا تقاضا ہے کہ محض معیاری محرکات اور جدوجہد پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ اس کے آگے بھی کوشش کی جائے۔ جس طرح تدریسی طریقہ کار اور نصابی تبدیلیوں کے سلسلے میں ایک ایسے طرز نظر کی ضرورت ہے جس کی بنیاد مطالعے پر ہو۔ اسی طرح اس مسئلے پر بھی مسلسل توجہ کی ضرورت ہے۔ یہ صرف منتظمین کے بس کا کام نہیں۔

مدرسے کی ترجمانی کے لیے استاد بہت سے طریقے اختیار کر سکتا ہے۔ ایک طریقہ جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے، یہ ہے کہ خود اس کی زندگی کی روش اور مربیوں کے ساتھ دوستانہ سلوک سے بذات خود مدرسے کی ایک جھلک نظر آجاتی ہے۔ اسی طرح شہری تنظیموں میں شرکت کر کے وہ اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ اس کو سماج کی بھلائی کے تمام کاموں سے دلچسپی ہے۔ مندرجہ ذیل عبارت میں ایسی ہی متنوع اور وسیع ذمے داری کا ذکر کیا گیا ہے۔

"امریکہ میں جمہوریت (ہم ذہنی صحت کا بھی نام دے سکتے ہیں) کے لیے مہم چلانے میں منتظم تعلیم کو جو منصب سونپا گیا ہے اس کے لیے بہت زیادہ علمی اور اخلاقی حیثیت کا معلم درکار ہے ایسا معلم جو ایک مستری اور فن تعلیم کے کسی پیشہ ور ماہر سے زیادہ خوبیوں کا حامل ہو تو اس کو اپنے فن پر پوری دسترس ہونی چاہیے لیکن اس کو یہ بھی جاننا چاہیے کہ اس کی دستکاری ایک بلند تر کسی مقصد کے تابع ہے۔ اس کو ایک ایسا اسکالر ہونا چاہیے جس کو اپنے خصوصی مضمون پر پوری دسترس ہونی چاہیے۔ اس کو ایک ایسا شہری ہونا چاہیے جو سماجی زندگی میں ذمے داری کے ساتھ حصہ لیتا ہو۔ اس کو ایک ایسا جمہور پسند ہونا چاہیے جو بہتر دن کے مفاد اور خوش حالی سے خود کو وابستہ کر سکے۔ اس کو ایک ایسا محب وطن ہونا چاہیے جس کو ملک اور باشندوں کے

مستقبل کی گہری فکر رہتی ہے اسے تمام بنی نوع انسان کا دوست ہونا چاہیے جس کو امن عالم اور انسانی بھائی چارے کی اقدار عزیز ہوں، اسے ایک شاعر ہونا چاہیے جو ٹریجڈی اور سوز و گداز کا احساس اور اپنے دور سے درخشاں امیدیں رکھتا ہو۔ اسے بچوں کے لیے ایک ہوشیار صلاح کار ہونا چاہیے جو موجودہ دور کے حالات یعنی انتشار اور چیلنج کی بصیرت رکھتا ہو۔ اس کو اپنے پیشے کا ایک سرگرم رکن بھی ہونا چاہیے اور عام تعلیم اور وسیع الخیالی پھیلانے کے لیے اپنے بس بھر ہمہ وقت تیار رہنا چاہیے۔

یہاں یہ مقصود نہیں کہ اسکولوں اور کالجوں میں اس قسم کے اساتذہ نہیں ملتے۔ ایسے بہت سے اساتذہ موجود ہیں لیکن ایسے اور بھی اساتذہ کی ضرورت ہے..... جب کسی پیشے کے مواقع اور ذمے داریاں بڑھ جاتی ہیں تو انفرادی طور پر اساتذہ کی علمی اور اخلاقی حیثیت میں اضافہ ہونا بھی ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اس پیشے میں کام کرنے والوں کو ایسے موقعوں اور ذمے داریوں کے لیے مسلسل جدوجہد کرتے رہنا چاہیے۔ اس کام میں انھیں دوسرے شہریوں کی بھی حمایت ہوگی۔ وہ بھی اس بات کی کوشش کریں گے کہ امریکی مدرسے جمہوریت کے حق میں زیادہ موثر ڈھنگ سے کام کریں"۔ ۱۵

اگر یہ کام مشکل نظر آئے تو ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تعلیم کا کام بھی مشکل ہے شاید کوئی بھی استاد مذکورہ معیار کو حاصل نہیں کر سکتا لیکن ہر شخص اس بات کی صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ مقاصد سے قریب تر ہونے کی کوشش کرے۔ یہ کوشش شاگردوں اور سرپرستوں دونوں کے حق میں مفید ہوگی مگر سب سے زیادہ فائدہ استاد کو پہنچے گا۔ اعلیٰ علمی اور اخلاقی حیثیت کا استاد بننے کی کوشش سے یہ فائدہ ہوگا کہ فکر ذات کے حصار کو توڑ کر استاد باہر نکل آئے اور ایسے متعین اور واضح مقاصد سے باخبر ہو جائے جو شاگردوں کے اندر بالیدگی پیدا کرنے میں معاون ہوں۔ اس کے ذریعے اسے اس بات کا بھی موقع ملے گا کہ استاد تعلیم کی اس عظیم مہم سے تشخص پیدا کرلے، اور ایک صحت مند اور بارآور زندگی کے لیے زیادہ سے زیادہ صلاحیتیں پیدا کرنے میں بچوں کی مدد کرے۔

شاگردوں کا کردار بھی ایک ذریعہ ہے جس سے اسکول کی ترجمانی ہوتی ہے۔ بچے اپنے اساتذہ کے بارے میں جو کچھ بھی کہتے ہیں لوگ صرف ان باتوں سے ہی نہیں بلکہ ان کے عمل سے بھی تاثر پیدا کرتے ہیں کیونکہ ان کے عمل میں اساتذہ کے اثرات کی جھلک ہوتی ہے۔ کوئی بھی تجربہ کار استاد، جو استاد کی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا ہو، ایسا نہیں ملے گا جس کو خوشی کے ساتھ یہ کہنے کے

متعدد مواقع ملے ہوں کہ "یہ میرے شاگردوں میں سے ایک ہے"۔ اسکول کے ناٹکوں میں، جسمانی ورزش کے مقابلوں میں ہم کو اکثر ایسے مواقع ملے ہیں جب ہم نے فخر کے ساتھ یہ کہا ہے "وہ بچے میرے اسکول کے ہیں"۔

اسکول کی ترجمانی بالآخر براہ راست اظہار منشا سے ہوتی ہے والدین و معلمین کی تنظیموں میں شرکت کرنے سے تعلیم کے اغراض و مقاصد بتانے کے بہت مواقع ملتے ہیں۔ مدرسے کے مشاغل کے سلسلے میں اکثر موقعوں پر اساتذہ کو شہری اور سماجی گروپ کے سامنے بولنے کا موقع ملتا ہے۔ بچوں کے گھروں کا دورہ کرنا ترجمانی کا ایک ایسا ذریعہ ہے جس کی منتظمین نے پرزور سفارش کی ہے۔ جن اساتذہ نے سنجیدگی کے ساتھ اس کو آزمایا ہے انھوں نے اس کی تحسین بھی کی ہے۔ مدرسے میں مہمانوں کی آمد کے موقع پر بعض اساتذہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان کے کام میں خلل اندازی کا باعث ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ مدرسے کی ترجمانی کا بہت موثر ذریعہ ہے۔ آخر میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اسکول کے مربیوں کا خوش اخلاقی کے ساتھ خیر مقدم کر کے سنجیدہ گفت و شنید کا موقع ملتا ہے۔ چنانچہ یہ مدرسے کی ترجمانی کا ایک ذریعہ ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خیر مقدم کے جواب میں پورا لکچر سنانا پڑے بلکہ یہ تو ہمارے مدرسے سے متعلق گفتگو کے لیے آمادگی کا اظہار ہے۔

خلاصہ

استاد کا فلسفہ اس کی ذہنی صحت کو بہت زیادہ متاثر کرتا ہے اور ذہنی صحت کا اثر ان بچوں کی بہبودی پر پڑتا ہے جن سے اس کا سابقہ پڑتا ہے۔ لہذا کسی شخص کے فلسفے سے سروکار رکھنا اس کے پیشہ ورانہ، سماجی اور شخصی نقطۂ نظر سے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ یہ توقع رکھنا تو عبث ہے کہ مجوزہ فلسفہ سب کے لیے قابل قبول ہوگا پھر بھی اسکول میں اگر کسی شخص کا فلسفہ رائج ہے تو اس کے اندر بعض ایسے پہلو نظر آئیں گے جو قابل توجہ ہوں۔

کسی شخص کے پیشے سے متعلق فلسفے کے وہ پہلو جو شاگردوں کی بہبودی سے متعلق ہیں، بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ امریکہ میں عرصے سے یہ عقیدہ رہا ہے کہ مدرسوں میں بچوں اور نوجوانوں کی زیادہ سے زیادہ نشوونما کی گنجایش ہوتی ہے۔ استاد کو اس عقیدے میں ضرور شریک ہونا چاہیے جمہوریت میں جہاں ایک کی فلاح سب کی فلاح کا باعث ہو، اس عقیدے کی خصوصی اہمیت ہے۔ اس عقیدے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس تفرق کا احترام کیا جائے جو انسانوں کے

درمیان تحصیل اور تحصیلی صلاحیت میں پایا جاتا ہے۔ افراد سے بلند ہو کر اس عقیدے کی توسیع کرنی چاہیے اور گروپ ذہانت کا احترام کرنا چاہیے اس کے لیے بڑی حد تک بچوں کے سلسلے میں کسی چونکا دینے والے نئے علم کی ضرورت نہیں ہے بلکہ موجودہ علم کو استعمال کرنے کے لے ایک منصوبے کی ضرورت ہے (علم کی نشوونما تو اپنے آپ ہی ہوتی رہے گی)

پیشے سے متعلق شخصی فلسفے میں اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ منتظمین کی جانب اس کی کیا ذمے داری ہے؟ یہاں وفاداری اور تعاون کی حیثیت بنیادی ہے اگر منتظم کی شخصیت ایسی ہے جو اس قسم کے رویوں کے لیے مانع ہے تو استاد کو ایسے طریقے ڈھونڈنے چاہئیں جن سے یہ معلوم کیا جاسکے کہ ناموافق حالات پیدا کرنے میں وہ خود کس حد تک ذمے دار ہے۔ بڑی حد تک یہ قیاس کرنا چاہیے کہ منتظمین کے پیش نظر اعلیٰ نصب العین اور پیشے کے سنجیدہ اغراض و مقاصد ہوتے ہیں۔ اساتذہ کو جب بھی کوئی موقع ملے انتظامی امور میں خوشی کے ساتھ شریک ہونا چاہیے لیکن یہ ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ منتظم ہی پالیسی چلانے والا ہے۔ استاد کو چاہیے کہ ہر جگہ اختیار کی جانب معروضی رویہ اپنائے۔ جمہوریت میں یہ بات مضمر ہے کہ مخصوص استعداد اور تربیت کے مطابق ذمے داریاں تفویض کی جاتی ہیں۔

رفقائے کار کی جانب بھی ذمے داریوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ باہمی تعاون دوطرفہ تعلق کا نام ہے۔ یہاں فرد کو یہ اطمینان کر لینا چاہیے کہ اس کے رویے سے دوسرے کا تعاون حاصل ہوگا۔ اگر خوش اخلاقی اور اشتراک سے بے اتفاقی برتی جائے تو اتحاد باہمی کی کوششوں میں رکاوٹ پیدا ہوگی۔ عداوت اور حسد، جذباتی ناپختگی کے شواہد ہیں۔ ان باتوں سے ایسے لوگوں کو پرہیز کرنا چاہیے جن کے سپرد بچوں کی رہنمائی کا کام ہے۔ یہ بات محض اپنے لیے ضروری نہیں بلکہ رفقائے کار کی بہبودی کے لیے بھی ضروری ہے۔ نئے پرانے دونوں طرح کے اساتذہ کو غور وفکر کر کے تعاون کے ایسے طریقے ڈھونڈنے چاہئیں جن کے ذریعے دوسروں کو آسودگی اور تحفظ میسر آسکے۔

استاد کے فلسفے میں سماجی تعلقات کا بھی لحاظ ہونا چاہیے۔ اس کے اندر سماج کے مروجہ رسم ورواج کا احترام بھی شامل ہونا چاہیے اگر فرسودہ رسم ورواج کو بدلنے کی ضرورت پیش آئے تو بھی اس کے پس منظر کو احترام کی نظر سے دیکھنا چاہیے۔ بچوں کی طرف عائد ہونے والی ذمے داریوں میں یہ ذمے داری بھی شامل ہے کہ بچوں کے موجودہ اور مستقبل کے سماج سے بھی واقفیت پیدا کی جائے۔ سماجی تعلقات میں اسکول کی ترجمانی اور سماج کی تعلیم کا کام بھی متواتر

شامل ہوتا ہے۔ بچوں کی تعلیم پذیری کے ساتھ ساتھ اسکول کے مربیوں کی تعلیم پذیری میں بھی اعتقاد رکھنا چاہیے۔

فلسفۂ معلم کے عناصر ترکیبی کا تقاضا ہے کہ معلم ایک بلند شخصیت کا حامل ہو لیکن یہ ایسے نصب العین ہیں جو پیشے اور شخصی تعلقات کے لحاظ سے قابل حصول ہیں اور ان کے ذریعے مقاصد کے حصول کی بھی تحریک پیدا ہوتی ہے۔

ہمیں جس قسم کے بالغوں کی ضرورت ہے۔ دراصل اس کی کوئی واضح تشریح نہیں کی گئی ہے جو قطعی متعین اور مکمل طور پر قابل قبول ہو بلکہ بعض پسندیدہ خصوصیات بتائی گئی ہیں جن پر عام طور سے اتفاق پایا جاتا ہے۔ ان پسندیدہ خصائص میں مندرجہ ذیل چھ خصائص یقیناً شامل کیے جا سکتے ہیں۔

۱۔ شخصی مسرت اور اطمینان خواہشات اور حاجتیں اس طرح ضابطے کے اندر لانی چاہئیں کہ تمناؤں اور کامیابیوں میں توازن قائم رہ سکے۔

۲۔ سماجی کارکردگی اور پختگی۔ بالغ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو سماجی گروپ کے ایک فرد کی حیثیت سے تسلیم کرے اور ان کرداری مہارتوں کو حاصل کرے جو گروپ کے رکن کی حیثیت سے زندگی گزارنے کے لیے ضروری سمجھی جاتی ہوں۔

۳۔ جذبات اور میلانات پر قابو پانا۔ جسم نامی کی تمام عضویاتی ضرورت کا اظہار بستہ اور اظہار یافتہ ہونا۔ اس طرح ضروری ہے کہ شخصی خواہشات اور تہذیبی حدود کے اندر مناسب توازن پیدا ہو سکے۔

۴۔ پیشہ ورانہ اور تفریحی مہارتیں۔ ان مہارتوں کا اکتساب اس حد تک کرنا چاہیے جس حد تک معاشی اور سماجی مطابقت پیدا کرنے کے لیے ضروری سمجھا جائے۔

۵۔ غرض و غایت اور عمل میں استحکام اور استقلال ہو کر مگر جمود کی حد تک نہیں یہ استقلال محض اس حد تک ہونا چاہیے جس حد تک گروپ کے ایک رکن کی حیثیت سے فرد کو قائم رکھنے میں ضروری سمجھا جائے۔

۶۔ اکتفا اور تحفظ۔ آسودگی دونوں طرح سے ہونی چاہیے "بالغ کون ہے" اور "کیا ہے" یہ الفاظ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ فرد میں دونوں طرح کے احساسات پائے جاتے ہیں، ایک یہ کہ وہ کسی گروپ سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرے یہ کہ کسی مخصوص علم و ہنر

میں دسترس رکھتا ہے"۔

مذکورہ بالا باتوں میں سے ہر ایک کا فلسفۂ معلم سے قریبی تعلق پیدا کیا جا سکتا ہے۔ شخصی مسرت اور اطمینان اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کوئی شخص اپنے کام کو بس بھر بحسن و خوبی انجام دے سکے۔ سماجی کارکردگی اور پختگی کا اظہار امداد باہمی کے کاموں میں ہوتا ہے۔ جذبات اور میلانات پر قابو پانے سے عداوت اور حسد میں کمی ہو جاتی ہے اور دوسروں کے احترام کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ پیشہ ورانہ اور تفریحی ہنرمندیوں کے ذریعے اس احساس کی نشوونما ہوتی ہے کہ متعلقہ شخص سماجی زندگی میں ہاتھ بٹانے والا ایک عالم ہے۔ غرض و غایت اور عمل میں استقلال اور استحکام کی وجہ سے کسی شخص میں کام کو بہتر کرنے کی مسلسل لگن ہو سکتی ہے۔ اکتفا اور تحفظ اس فلسفے کی پیداوار ہے جس کے تحت جمہوریت کے کارِ عظیم میں استاد کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔

مطالعے اور مباحثے کی مشقیں

۱۔ کیا آپ محسوس کرتے ہیں کہ بچوں میں اعتقاد، فلسفۂ معلم کا جائز طور پر ایک جزو بن سکتا ہے؟

۲۔ اپنے ہم جماعتوں کے سامنے کچھ ایسی مثالیں پیش کیجیے جن میں بچوں نے گروہی سمجھ بوجھ کا ثبوت دیا ہو۔

۳۔ اپنے ماضی یا حال کے تجربے سے اس بات کا تجزیہ کیجیے کہ کسی مخصوص منتظم نے وفاداری اور تعاون کے کام کو کیسے دشوار بنا دیا؟ ان حالات کو بدلنے کے لیے استاد کون سی تدابیر اختیار کر سکتا ہے؟

۴۔ انتظامی پالیسی کو بہتر بنانے کے لیے استاد کا کیا اشتراک ہو سکتا ہے اور اس کی جانب آپ کا کیا رویہ ہو گا؟

۵۔ کوئی ایسا واقعہ بیان کیجیے جس میں استاد نے اقتدار کی جانب کوئی پختہ کارانہ رویہ ظاہر کیا ہو۔ استاد پر اس کے کیا اثرات پڑے؟

۶۔ اس باب میں جو مشورے دیے گئے ہیں، اور ان کے علاوہ بھی کچھ ایسے مشورے پیش کیجیے جن سے اساتذہ کے درمیان بہتر تعاون پیدا ہو سکے۔

۷. نو وارد استاد کو اسکول کے نظام سے متعارف کرانے کے لیے جو مختلف طریقے اپنائے گئے ہیں ان کا مطالعہ کیجیے اور انھیں بیان کیجیے :

۸. سماج کے رسم و رواج کا احترام کرنے کے لیے اس حصے میں جو کچھ بتایا گیا ہے، ان میں کیا خامیاں ہیں بیان کیجیے۔

۹. مدرسے کی ترجمانی کے کون سے شعبے آپ کے خیال میں زیادہ اہم ہیں اور کن کی اہمیت

۱۰. سب سے کم ہے سماج کی تعلیم کیلیے کونسی اور باتیں ہو سکتی ہیں جو استاد کے فلسفے میں شامل کرنے کے قابل ہیں۔

باب ۱۹

معلم کا فلسفہ اور بالغوں کی ذہنی صحت

کسی بھی شخص کے لیے صحیح فلسفہ کیا ہو اس کو مختلف نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہیے فلسفہ کے جو بڑے مکاتیب فکر ہیں یعنی عملیت، غیبت، حقیقت پسندیت، رواقیت، افلاطونیت۔ لذئیت وغیرہ ان سے پتہ چلتا ہے کہ ان سب میں دلچسپی کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ بعض صورتوں میں یہ دیکھا گیا ہے کہ جس بات پر کسی ایک فلسفے میں زور دیا گیا ہے دوسرے فلسفے میں اس سے بحث نہیں کی گئی اور اس زیر بحث لایا بھی گیا تو محض سرسری طور پر۔ ان ملحوظات کے پیش نظر معلم یا کسی اور کے فلسفے کے عوامل کی نشاندہی کا کام مشکل ہو گیا ہے لیکن بعض باتیں ایسی بھی ہیں جن کا جائزہ بغیر کسی عذر کے لیا جا سکتا ہے۔ ہر فرد یہ فیصلہ کرنے کی کوشش کرتا ہے، کہ اس کی اپنی زندگی میں کون سی باتیں بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ اس باب میں بالغوں کے لیے کوئی فلسفۂ معلم نہیں تجویز کیا گیا ہے بلکہ وہ باتیں پیش کی گئی ہیں۔ جو ایک معلم کو اپنی خدمات بخوبی انجام دیتے وقت سنجیدگی کے ساتھ ملحوظ رکھنا چاہیے۔

شخصیت کے پہلوؤں کا استعمال

ایک متوازن فلسفے کے تحت اس ضرورت کو تسلیم کرنا چاہیے کہ شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو استعمال کیا جائے۔ سہولت کے خیال سے یہ مان لیا گیا ہے کہ شخصیت کے چار بڑے پہلو ہوتے ہیں۔ معلم کی عمدہ ذہنی صحت کے قیام کے لیے جو بھی نقطۂ نظر قائم کیا جائے ان میں ان پہلوؤں کو ملحوظ رکھنا چاہیے یہ پہلو ہیں جسمانی، ذہنی اور روحانی۔

شخصیت کے جسمانی پہلو کو تسلیم کرنا

تعلیم کے مقاصد کے ذکر میں جسمانی فلاح کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے چنانچہ اساتذہ نے اس بات کی اہمیت پر زور دیا ہے کہ پہلی جماعت سے لے کر اعلیٰ جماعتوں تک شاگرد عمدہ صحت قایم رکھیں لیکن اکثر ایسا نظر آتا ہے کہ وہ خود اپنی زندگی میں ان احتیاطوں کو ملحوظ نہیں رکھتے جو جسمانی صحت کے قیام میں اہمیت رکھتی ہیں۔ جو باتیں وہ پڑھاتے ہیں وہ اتنی واضح ہوتی ہیں کہ عملی شکل میں ان کی بہت کم اہمیت نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر بعض دفعہ اساتذہ اس بات کا خیال نہیں رکھتے کہ ان کی نیند پوری ہو جائے وہ کھانا جلدی میں کھاتے ہیں اور اس بات کا بھی خیال نہیں رکھتے کہ ان کی غذا متوازن ہو اور شاید بدترین بات یہ ہے کہ وہ اپنے روزمرہ کے مشاغل میں اس درجہ منہمک رہتے ہیں کہ جسمانی ورزش کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ فلسفۂ زندگی کو مرتب کرتے وقت جب ان باتوں کو ملحوظ رکھا جائے گا اسی وقت تدریس کے مسائل کو پُر اعتمادی اور مستعدی کے ساتھ حل کیا جا سکے گا۔ خود اپنی جسمانی صحت کا تو ذکر ہی کیا استاد پر پورے طور سے یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ شاگردوں کی جسمانی صحت بہتر ہو۔

کسی بھی شخص کے لیے کتنی نیند درکار ہے اس کے لیے کوئی قطعی بات نہیں کہی جا سکتی۔ بعض بالغوں کے لیے چھ گھنٹے سونا کافی ہوتا ہے اور بعض کو نو گھنٹے کی نیند درکار ہوتی ہے۔ ہر شخص کو اپنی نیند کی ضرورت کا اندازہ ہونا چاہیے اور یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کے کام کے معمولات (بشمول تدریس، تیاری، تفریح اور شخصی پسند کی مصروفیات) کے بعد حسب ضرورت نیند کے لیے وقت مل جاتا ہے کہ نہیں۔ اس کی جانچ کا عملی طریقہ یہ ہے کہ بیدار ہونے کے بعد وہ کیا محسوس کرتا ہے اگر صبح سویرے وہ محسوس کرے کہ اس کی نیند پوری نہیں ہوئی ہے تو اس کو کچھ گھنٹے تک اور سونے کی اجازت ہونی چاہیے اس کا امکان ہے کہ اکثر لوگوں کو نیند سے جاگنا برا لگتا ہو اور بیداری گراں گزرتی ہو ان لوگوں کو جلد سو جانے کا تجربہ کرنا چاہیے۔ مزید براں تجربے سے پتہ چلتا ہے کہ نیند کے اوقات کی پابندی کرنا ایک اچھی عادت ہے اس لیے ہر شخص کو ایسی ترغیبات سے بچنا چاہیے جن سے نیند کے معمولات میں فرق پڑتا ہو اچھی صحت اور خوشگوار ماحول میں اطمینان کے ساتھ کھانا کھانے پر سنجیدگی کے ساتھ توجہ کرنا چاہیے۔ ہال ڈیوٹی، اسکول کینٹین یا کی نگرانی کی ذمے داری اور ایک بجے کی کلاس کی تیاری کے لیے اکثر کچھ اور وقت درکار ہوتا ہے۔ اس کے لیے اساتذہ کو جلدی میں کھانا کھانا پڑتا ہے کبھی کبھی یہ ناگزیر ہوتا ہے لیکن اس کا بھی منصوبہ بنایا جا سکتا ہے۔ اگر استاد کو دوپہر کی ڈیوٹی انجام دینی ہے تو انتظامیہ سے درخواست

کی جا سکتی ہے کہ دوپہر کے کھانے کے بعد یا پہلے اس کو کچھ دیر کی فرصت دیدی جائے اس کو دوسرے اساتذہ کے ساتھ شفٹ میں کام پر لگایا جا سکتا ہے۔ اور جماعت کے نظام اوقات کو اس طرح ترتیب دیا جا سکتا ہے کہ دوسرے اساتذہ آرٹ فزیکل ایجوکیشن اور علمی مشاغل میں اپنی مصروفیات دوچند کر دیں تاکہ کسی ایک استاد کو اطمینان کے ساتھ کھانا کھانے کے لیے وقت مل جائے۔ اگر دوپہر کے وقت اس کا انتظام نہ ہو سکے تو بھی صبح اور شام کے وقت اس کا انتظام ہو ہی سکتا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ اطمینان کے ساتھ کھانا کھانے کی اہمیت جتائی جائے اور اس کام میں مخل ہونے والی باتوں کی طرف متوجہ کیا جائے مثال کے طور پر ذرا سی دیر کے لیے آنکھ جھپکا لینا یا شام کے کی کلاس کے لیے جلدی کرنا اول وقت میں فلم کے لیے بھاگنا۔

بہت سے لوگوں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ اچھی صحت اور ذہنی اور جسمانی طاقت کے لیے ورزش کی شرط لازمی ہے لیکن جب یہ ثابت کرنے کی بات آتی ہے کہ ورزش صحت کے لیے ایک لازمی شرط ہے تو کوئی قطعی ثبوت نہیں ملتا۔ وہ لوگ جو پابندی کے ساتھ ورزش کرتے ہیں ان میں اس بات کی کوئی نمایاں برتری نظر نہیں آتی کہ وہ امراض سے مزاحمت کر سکیں ان کی عمر طویل ہو اور ان میں کام کرنے کی طاقت ان لوگوں کے مقابلے میں زیادہ ہو جو محض اتنی ورزش کرتے ہیں کہ اپنے گھر سے گیراج تک چہل قدمی کر لیں۔ لیکن معتدل ورزش کے حق میں اتنی بات ضرور کہی جا سکتی ہے کہ جو لوگ اس کے پابند ہوتے ہیں ان کے بیان کے مطابق وہ لوگ اس وقت بہتر محسوس کرتے ہیں جب وہ پابندی کے ساتھ بس اتنی ورزش کر لیں کہ تھکنے نہ پائیں بہتیروں کا کہنا ہے کہ گردن کا درد، بھوک کی کمی اور درد سر جیسی تکلیفیں جو تناؤ کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہیں مناسب جسمانی ورزش سے دور ہو جاتی ہیں۔

پابندی کے ساتھ ورزش اور پابندی کے ساتھ آرام بھی کرنا چاہیے اور سستانا بھی چاہیے اس کی عمدہ صورت تو یہ ہونی چاہیے کہ اساتذہ کے نظام الاوقات میں کسی ایسے گھنٹے کا انتظام کر دیا جائے جس میں وہ آرام کر سکیں۔ آج مدرسے کی بہت سی ایسی عمارتیں تعمیر کی جاتی ہیں۔ جن میں اساتذہ کے لیے دلکش لاؤنج کا اہتمام ہو جہاں استاد مداخلت کے بغیر شاگردوں کے مسائل سے محفوظ رہے۔ یہ تسلیم کرنا مشکل ہے کہ شاگردوں کے رہتے کام کے دوران آرام اور تفریح کے لیے کئی وقفے درکار ہیں۔ لیکن اساتذہ میں اتنا ہم خم ہوتا ہے کہ وہ آرام و تفریح کے اوقات سمیت تمام دن اپنی ذمے داریوں کو مسلسل نبھاتے رہیں کسی عمدہ صورت حال کی عدم موجودگی میں یہ اور بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ اساتذہ

اسکول کے علاوہ اپنی تفریح اور آرام کے لیے وقت نکالیں اس سے انکار نہیں کہ مدرسے کے لیے کچھ لکھنا پڑھنا اور تیاری ضروری ہے۔ لیکن اس بات کی اہمیت پر بھی بہت زور دیا جاسکتا ہے کہ خود اپنے لیے اور شاگردوں کے لیے استاد پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ سر پہر اور شام آرام و تفریح کے ذریعے لطف کا سامان فراہم کرے۔

جسمانی صحت کے یہ پیمانے بلاشبہ ابتدائی ہیں شاید اسی لیے انھیں نظرانداز کر دیا جاتا ہے چنانچہ ہر شخص کو ایسا نقطۂ نظر اپنانا چاہیے جس سے اِن باتوں کی تقابلی اہمیت کا جائزہ لیا جاسکے جو جسمانی صحت کے حصول میں مانع آتی ہیں۔

اچھی جسمانی صحت کے قیام میں دوسرا عامل یہ ہے کہ میقاتی طبی معائنہ کرایا جائے اور چھوٹی موٹی بیماریوں کا فوراً علاج کرایا جائے۔ یہ بیماریاں نظرانداز کر دی جاتی ہیں اور عموماً یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ اس کے سبب مالی دشواریوں میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ توقع کی جاتی ہے کہ وہ دن جلد آئے گا جب ہر استاد کو آسانی کے ساتھ طبی سہولتیں میسر ہوں گی۔ لیکن جب تک یہ سہولتیں میسر نہیں آتیں جسمانی صحت کے مستقل قیام کے لیے ضروری ہے کہ چھوٹی موٹی بیماریوں کے فوری علاج کا کام اپنا مستقل معمول بنا لیا جائے۔ جسمانی اور ذہنی بیماریوں کے علاج کے سلسلے میں ایک پہلو یہ ہے کہ جلد ہی ان کی شناخت کر لی جائے اور جلد ہی علاج بھی شروع کر دیا جائے۔ یہ احتیاط جتنی مدرسے کے استاد کے لیے اہم ہے اتنی شاگردوں کے لیے بھی عام طور سے لوگ اس کی افادیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ طریقہ سستا پڑتا ہے کہ پابندی کے ساتھ طبی معائنہ اور علاج کرالیا جائے بجائے اس کے کہ علالت شدید ہو جائے اور زیادہ خرچ کرنا پڑے کسی حد تک اس سے پرہیز کیا جاسکتا ہے۔

ڈبلو. ایس. کارنیل (W. S. Carnell) نے پانچ ہزار استادوں پر مشتمل ایک مطالعہ کیا ہے اور حسب ذیل معمولات کو موافق بتایا ہے (۱) ناکافی پانی (۲) ناکافی ورزش (۳) ناکافی تازی ہوا (۴) پیٹینٹ دوائیوں کی عادت (۵) غذا میں کاربوہائیڈریٹ کی زیادتی (۶) تمباکو کا زیادہ استعمال (۷) ناکافی نیند اور نیند میں خلل اندازی (۸) کام کی مجرمانہ شرائط (۹) ناکافی تفریح (۱۰) جلدی جلدی کھانا۔[۴۵]

یہ ایسی فہرست ہے جس سے اساتذہ اپنی جسمانی صحت کے سلسلے میں اپنی عادتوں کو چیک کر سکتے ہیں۔

کبھی کبھار تفریحی مشغلوں سے بھی ایسے مواقع پیدا ہو جاتے ہیں جو شخصیت کے ذہنی اور جذباتی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ جسمانی صحت کے لیے بھی فائدہ مند ہوں۔ خود تفریح کے لفظ پر غور کرنا چاہیے تفریح محض آرام سے بڑھ کر ہے اس کے ذریعے فرد اپنی ان دلچسپیوں اور صلاحیتوں کی دوبارہ تخلیق کرتا

ہے جس کا موقع کام کے دوران نہیں ملتا۔ اس طرح تفریحی مشاغل معمول کے کاموں کے مقابلے میں زیادہ موثر ثابت ہوتے ہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ استاد کون سے خاص تفریحی مشاغل اپنائے تفریحی مشاغل کوئی سے بھی ہو سکتے ہیں چونکہ ان مشاغل کے اندر شخصیت کے ذہنی، جسمانی اور جذباتی پہلو یکجا ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ان کے ذریعے زندگی کے تمام مظاہر میں نکھار پیدا ہو جاتا ہے۔ جارج لاوٹن نے گو بنیادی طور سے بوڑھوں کے سلسلے میں حسب ذیل بات کہی ہے لیکن اس کی عمومیت ہم سب کے لیے برمحل ہے۔

"بعض باتیں ان لوگوں کے لیے کہی جاتی ہیں جو تیس چالیس کے پیٹ میں ہیں۔ انھیں جاننا چاہیے کہ تکمیل زندگی ہر منزل پر ہوتی ہے استکمال نفس اور انبساط بڑھاپے میں بھی ممکن ہے۔ تخیل پر ہم ہمیشہ قادر رہتے ہیں۔ اور ہمیشہ استعمال کر سکتے ہیں۔

اس کا مطلب آپ کو اس بات کے لیے اکسانا ہے کہ اگر آپ تخیل سے کام نہ لیتے ہوں تو اب کوشش کیجیے خیال کی پرواز سے کام لیجیے۔ اور سوچیے کہ آج سہ پہر میں وہاں ہوں۔ یقین جانیے آپ کا تخیل بہت اچھا ہے اس سے لطف اٹھائیے۔

میرا خیال ہے کہ لوگوں کے لیے کسی مخصوص آرٹ اور دستکاری کو موزوں بتانا زبردست غلطی ہے آرٹ اور دستکاریاں ہزاروں ہیں۔ جو آپ کو پسند ہوں گی مجھے نہیں اور مجھے پسند ہوں گی آپ کو نہیں، ایک شخص کا آرٹ دوسرے کے لیے زہر ہو سکتا ہے اسی لیے فنی استعداد اور فطری شوق کا پتہ لگانا بہت اہم ہے۔ مصوری بہت قابلِ قدر اور قابلِ احترام آرٹ ہے اس پر بھی ایک پچاس برس کی عورت یہ پسند کرتی ہے کہ گڑیوں کے لباس میں اختراع پیدا کرے۔ اس لیے بوڑھی عورتیں سلائی کڑھائی پسند کرتی ہیں۔ اس سے بھی بوڑھی عورتیں چھوٹے پیمانے پہ ایک تھیٹر قائم کرنا پسند کر سکتی ہیں۔ ایک مرد کی خواہش ہو سکتی ہے کہ پلاسٹک کے زیورات بنائے......

میں نے جو کچھ کہا ہے اس کو وہ لوگ آسانی سے قبول کریں گے۔ جن کی بالیدگی اور نشوونما کبھی ختم نہیں ہوتی۔ انھیں اگر ایک ایسا نقشہ دیدیا جائے جس میں راستے اور راستے کی دشواریاں بتادی جائیں اور ضروری سامان فراہم کر دیا جائے تو یہ لوگ کوئی نیا علاقہ دریافت کر سکتے ہیں۔ بعض لوگوں کو نئے علاقوں میں بھیجنا ہی پڑے گا ایسے لوگ بھی ہیں جن کے یہاں گائیڈ اور ملازم ہوتے ہیں وہ اپنے لیے راستہ نہیں تراش سکتے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ اشتہاری اوپیرا گھروں سے تنہائی پسند کالج نویسوں گانے والوں اور عوامی مقررین کو خود اپنے کو بھی سینما گھر ریڈیو اور

ٹیلی وژن سیٹ چرالاؤں گا۔

اس بات کی خاص طور سے ضرورت ہے کہ تفریحی مشغلے دلچسپ اور پرلطف ہوں اٹھا رہ اساتذہ کے ایک گروپ نے حسب ذیل تفریحی مشغلوں کو اپنایا، گڑیاں بنانا، کسی خاص موضوع پر اخبار یا کتاب کے تراشے جمع کرنا، مچھلی کا شکار، باغبانی ٹکٹ جمع کرنا پرندوں سے متعلق معلومات فراہم کرنا۔ سکوں سے متعلق علم حاصل کرنا، کھانا پکانا، بنائی کڑھائی "اپنے بچے کے ساتھ کھیلنا، مطالعہ کرنا۔ تین چار آدمیوں نے ذکر کیا کشتی رانی، اسکیٹنگ اور ریس کے گھوڑوں کی تربیت۔ اس صورت حال کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ نصف سے زیادہ اساتذہ یہ محسوس کرتے تھے کہ شاید انھوں نے ان تفریحی مشغلوں کے لیے زبردستی وقت نکالا ہے۔ مندرجہ بالا فہرست سے یہ نظر آتا ہے کہ تفریحی شغلوں کے انتخاب میں عمر کے تفاوت کا اثر پڑتا ہے۔ اسکیٹنگ، گھوڑوں کی تربیت اور مچھلی کے شکار سے بوڑھوں کو رغبت نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ ان مشاغل میں حسن عام کا ثبوت دیتے ہیں۔

کام یا آرام میں آدمی جتنا بھی وقت صرف کرتا ہے۔ ذہنی صحت کے لیے اس کی بڑی اہمیت ہے لیکن ضرورت توازن پیدا کرنے کی ہے کسی ایک کے لیے جو بات سود مند ہو دوسرے کے لیے مضرت رساں ہو سکتی ہے لہذا کام اور آرام کی اضافی حیثیت کا اندازہ کرتے وقت اس تعلق کو ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہے، ولیم جیمس جو ایک فلسفی ہیں اور جن کے علم و دانش کو وسیع پیمانے پر تسلیم کیا گیا ہے انھوں نے جو باتیں اس سلسلے میں بیان کی ہیں ان کو ذیل میں درج کیا گیا ہے یہ بیان دراصل ۱۸۹۹ء میں مرتب کیا گیا تھا۔ سکون اور تامل کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ "اساتذہ صاحبان! آپ سے میری درخواست ہے کہ اس مسئلہ پر سنجیدگی کے ساتھ غور کریں اس کے ذریعے شاید آپ ایک عمدہ نصب العین متعین کرنے میں ابھرتی ہوئی امریکی نسل کی معاونت کر سکیں" موصوف نے ایک دوسری جگہ فرمایا ہے

.......آپ کے کارکن کو بہت شدت اور تشنج کی حالت میں کام کرنا ہوتا ہے چنانچہ اس کی اہمیت پرست ہو جاتی ہے اور اکثر اس کی مزاجی کیفیت بگڑ جاتی ہے آپ کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ ان اوقات میں جب ان کی امداد کی آپ کو اشد ضرورت ہوتی ہے وہ کہاں ہوتا ہے ہو سکتا ہے اس کی کہیں بری کر ضرورہی ہو۔ ہمارا خیال ہے کہ باشندگان ملک میں سے بہت سے لوگ زیادہ محنت کی وجہ سے اعصاب زندگی کا شکار ہو جاتے ہیں، اور ان کے اعصاب کو آرام پہنچانے کے لیے

انھیں باہر بھیج دیا جاتا ہے۔ میرا گمان ہے کہ ایک زبردست غلطی ہے۔ نہ تو کام کی نوعیت اور نہ کام کی مقدار، اعصاب زدگی کی شدت اور تکرار کی ذمے دار ہے بلکہ اس کا سبب یہ مہمل احساس ہے کہ کام کی جلدی ہے، وقت کم ہے اور دم سادھے تناؤ کی حالت میں کام کرنا ہے۔ انجام کی فکر لاحق ہے باطنی ہم آہنگی اور اطمینان کی کمی ہے۔ مختصراً یہ کہ کام ہمارے ساتھ منسلک ہو گیا ہے۔ ایک یوروپی کو جب اسی قسم کے کام کرنے ہوتے ہیں تو انھیں دس میں سے نو بار فرصت میسر ہوتی ہے۔ ہمارے اندر باطنی رویوں اور خارجی طور و طریق کے عجیب ٹکے اور غیر ضروری کرتب پائے جاتے ہیں۔ جنھیں سماجی ماحول نے جنم دیا ہے روایات نے پروان چڑھایا ہے، اور بہتیروں نے زندگی کی قابلِ تحسین روش سمجھ کر پیش کیا ہے امریکی زندگی ہر ایک ناقابلِ برداشت بوجھ ہیں اور تکان کی حد سے تجاوز کر گئے ہیں۔

شخصیت کے ذہنی پہلو کو تسلیم کرنا

ہو سکتا ہے تدریس کے لیے جس قدر ذہنی چیلنج درکار ہو وہ موجود ہو اور شخصیت کے ذہنی پہلو کو محض ضمنی توجہ درکار ہو یہ بھی ممکن ہے کہ ایک صحت مند زندگی کے لیے جس قدر ذہنی عمل ضروری ہو اس کے بقدر زیرِ تدریس مواد سے متعلق معلومات فراہم کرلی جائیں۔ سائنسی، تہذیبی اور سیاسی رجحانات سے ہم آہنگی پیدا کرلی جائے اور بچوں اور نوجوانوں کی نشوونما سے متعلق جدید نقطۂ نظر سے آگاہی حاصل کرلی جائے باب ۱۷، "اچھے استاد کیسے ہوتے ہیں" کے سیکشن میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ شخصی بالیدگی کے چیلنج کو قبول کرنے سے ہی موثر اساتذہ میں شوق پیدا ہوتا ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ مدرسے سے متعلق ذہنی مشاغل پر مستقلاً توجہ دینے سے ایک متوازن شخصیت نہ پیدا ہو جو ذہنی صحت کا بڑا مقصد ہے۔ محض تسکین تجسس کے خیال سے پڑھنا اور مطالعہ کرنا تدریسی پہلو سے قطع نظر ایک قابل قدر مشغلہ ہے راقم الحروف کو ایل وو ڈ۔ پی۔ کیوبر لے Ellwood P. Cubberley کا ایک فکر انگیز لیکچر سننے کی سعادت حاصل ہے انھوں نے بیسویں صدی کے اوائل میں تعلیم کے موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ ایک بار انھوں نے فرمایا کہ نو بجے شب کے بعد انھوں نے کبھی مطالعہ نہیں کیا۔ انڈر گریجویٹ، گریجویٹ طالب علم اور پروفیسر ڈین کے زمانے میں بھی وہ مطالعے کے اس اصول پر قائم رہے اس کے بعد وہ محض لطف کے لیے پڑھتے، بعض شامیں دراصل آزاد مطالعے کے لیے مخصوص ہوتیں اور اس معمول میں مداخلت کی اجازت صرف اس صورت میں ہوتی جب کوئی غیر معمولی لیکن پسندیدہ صورت حال پیش آ جاتے اس مطالعے کا فائدہ یہ ہوا کہ ایسی معلوماتی اور

دلچسپ تقریروں میں شرکت کی تحریک پیدا ہوتی جو زیر مطالعہ مضمون اور زندگی کے دوسرے پہلوؤں سے متعلق پر از معلومات ہوتے اور مطالعہ نہ کرنے کی صورت میں آسانی سے نظر انداز ہو جائے۔

تدریس سے متعلق ایک بڑی پیشہ ورانہ مصیبت یہ ہے کہ اساتذہ چونکہ زیادہ تر طالب علموں کے ناپختہ دماغ سے سابقہ رکھتے ہیں اس لیے وہ بچوں اور نوجوانوں کی طرح سوچنا شروع کر سکتے ہیں اگر یہ سچ ہے تو بھی ضروری نہیں کہ ایسا ہی ہو مطالعہ اور آزاد مطالعے سے اس فرق کو نمایاں کیا جا سکتا ہے۔ رفیق کار کا انتخاب کرنا بہت اہم ہے کچھ ایسے بھی اساتذہ ہوتے ہیں جو ایسے اساتذہ کو پسند نہیں کرتے جنھیں اپنے پیشے سے متعلق گفتگو کرنا ناگوار ہوتا ہو۔ ساتھی اساتذہ کے علاوہ غیر اساتذہ کی رفاقت کی جستجو بھی معقولیت پر مبنی ہے۔ بالغوں کی درستی اگر احتیاط کے ساتھ اختیار کی جائے تو تجرانہ اور تحکمانہ عادتیں پیدا ہونے کا خطرہ دور ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی عادتیں شاید اکثر اس وجہ سے پیدا ہو جاتی ہیں کہ بچوں کے ساتھ کافی سابقہ رہتا ہے۔ اساتذہ کو اکثر اس بات کی ضرورت پیش آتی ہے کہ صحت معلومات کی جانچ کر لیں۔

اگر ان کمیٹیوں میں فعال مشارکت کی جائے جو تعلیمی کاموں کو بہتر کرنے کے لیے مدرسوں میں تشکیل دی گئی ہیں، تو معلومات بقدر ضرورت حاصل کی جا سکتی ہیں۔ ان کمیٹیوں میں شرکت کرنے سے تعقلی نشوونما ہوتی ہے۔ یہ شرکت استاد کی مصروفیت پر بوجھ نہیں بنتی۔ برادری کے کاموں میں بھی دلچسپی کے ساتھ مشارکت کے سلسلے میں بھی یہی باتیں کہی جا سکتی ہیں۔ ایک امدادی رکن بننے کے لیے استاد کو ان کاموں سے واقفیت پیدا کرنی ہوگی جو کسی خاص مسئلے سے متعلق دوسری برادریوں نے انجام دیے ہیں۔ یہ مسائل حسب ذیل پر مشتمل ہو سکتے ہیں۔ بد راہی، پولیس کی بہتر خدمات، قمار بازی کا تدارک، برادری کے سماجی کاموں کے لیے رضا کارانہ خدمات یا نصاب اور طریقہ تدریس کو بہتر بنانا۔

شخصیت کے جذباتی پہلو کو تسلیم کرنا

معلمی کے کام پر اساتذہ عموماً یہ رائے زنی کرتے ہیں کہ اس کام میں جذباتی کھنچاؤ بہت ہوتا ہے۔ بہت سے اساتذہ دن کے اختتام پر بالکل تھک جاتے ہیں۔ تھکان صرف اس لیے نہیں ہوتا کہ ان کی جسمانی قوت صرف ہوئی ہے بلکہ جذباتی کھنچاؤ کے سبب بھی تھکان ہوتا ہے۔ اس وجہ یہ ہے کہ استاد کو بے چین شاگردوں اور ان کے بے شمار مسائل سے سابقہ پڑتا ہے۔ اس...

صحت مند طریقے سے جذبات کی آسودگی کے لیے ایک جیتا جاگتا پروگرام بنانے کی طرف شعوری طور سے متوجہ ہونا چاہیے اساتذہ کے لیے اس کی بہت اہمیت ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اساتذہ مثبت اظہار کا سلیقہ پیدا کریں جیسے محبت تحسین اور مزاج کے ذریعے جذبات کی تعمیر۔ اسی کے ساتھ محبوس جذبات کی تسکین بھی ضروری ہے اس کی تسکین اسی وقت پیدا ہوگی جب سنجیدگی کے ساتھ تدریسی ذمے داریوں کو پورا کر لیا جائے

شخصیت کے مختلف پہلوؤں کے درمیان جو قریبی تعلق ہے اس کی وضاحت بخوبی کی جا چکی ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ جسمانی ورزشوں سے جذبات کا اخراج ہوتا ہے اساتذہ اور دوسرے پیشوں سے تعلق رکھنے والے بہت سے لوگ یہ محسوس کرتے ہیں۔ کہ چہل قدمی، تیراکی اور کھیلوں میں شرکت کرنے کی وجہ سے دن بھر کے کام کا تناؤ نمایاں طور پر کم ہو جاتا ہے اس احساس کی ایک معقول نفسیاتی وجہ بھی ہے جو ڈبلو۔ بی۔ کینن (W. B. Cannon) کے نظریے یا ناگہانی نظریۂ جذبات پر مبنی ہے اس نظریے کے مطابق جذبات انسان کو الجھن میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ شدید جذبات کے عضویاتی اثرات کے تحت 'نبض کا زیادہ تیز ہونا' جسم کے اندر خون کی نالی میں کھنچاؤ کا پیدا ہونا ہاضمے کے عمل کا وقتی طور پر رک جانا یا مدھم پڑ جانا اور سانس کا تیز ہو جانا وغیرہ اس میں شامل ہے انسان کسی قوی جسمانی فعلیت پر آمادہ ہو جاتا ہے غدود کی فعلیت کے ساتھ ساتھ یا اس کے سبب جو زائد قوت فراہم ہو جاتی ہے اس کا تقاضا ہے کہ زائد قوت صرف ہو جائے، درجے کے اندر مزاجی کیفیت یا جسمانی قوت کا اظہار عموماً بے کار جاتا ہے یا مضر ہوتا ہے لیکن اگر یہ قوت صرف نہ کی گئی تو پورے نظام کے لیے مضرت رساں ہو سکتی ہے درجے کے باہر ورزش کرنے سے یہ قوت صرف ہو جاتی ہے۔ اور محبوس احساسات کی آسودگی ہو جاتی ہے اس طرح جسمانی ورزش کے ذریعے شخصیت کے جذباتی پہلو کو آسودگی حاصل ہوتی ہے۔

ایسی قوت کے استعمال کے لیے جو منفی جذبات سے پیدا ہوتی ہے مناسب ہدایات دی جا چکی ہیں۔ علاوہ ازیں جذبات کی تعمیر کا سلیقہ بھی سکھانے کی ضرورت ہے جذبۂ محبت بالغوں اور بچوں کے لیے اتنا اہم بتایا گیا ہے کہ اس کو انسان کی بنیادی ضروریات کی فہرست میں درج کر دیا گیا ہے۔ اساتذہ کو چاہیے اور چاہے جانے کی حاجت ہے۔ شادی ہر شخص کے لیے لازمی نہیں ہے لگتا ہے کہ اکثریت کی متوازن زندگی کی تکمیل کے لیے اس ارادے کی بڑی اہمیت ہے۔ بلاشبہ بہت سے غیر شادی شدہ لوگ بخوبی مطابقت پذیر ہیں۔ اور بہتیرے شادی شدہ ہونے کے باوجود نقص

مطابقت میں مبتلا ہیں، شماریات سے پتہ چلتا ہے کہ گروپ کی حیثیت سے شادی شدہ لوگوں کی صحت بہتر ہوتی ہے اور ان کی عمریں بھی طویل ہوتی ہیں. بعض دقیانوسی مدرسوں میں شادی شدہ عورتوں کا تقرر استانی کی حیثیت سے نہیں کیا جاتا ان کے حق میں جس قدر بھی ملامت آمیز الفاظ استعمال کیے جائیں کم ہیں. ایسا نظر آتا ہے کہ ان مدرسوں کے منتظمین معاشی اسباب کی بنا پر بچوں کی بہبودی کو نظر انداز کر دیتے ہیں. اور یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ اگر بیویوں کو ملازمت نہ دی جائے تو تنخواہ کی وسیع تقسیم ہو سکتی ہے. اس قسم کا تصور مہمل ہے. مدرسے بچوں کے استفادے کی خاطر کھولے گئے ہیں. دولت کی تقسیم کے لیے نہیں. خوش قسمتی سے یہ دستور اب ختم ہوتا نظر آ رہا ہے.

زندگی جسمانی اور جذباتی پہلو سے ملتا جلتا پہلو ستانے کا عمل بھی ہے کیونکہ جسمانی طور پر ستانے کے لیے ذہنی اور جذباتی طور پر ستانا ضروری ہے. ہر شخص کو ضرورت ہوتی ہے کہ کچھ وقت نکالنے کی عادت ڈالے محض بیٹھے، لیٹ جائے کچھ کرے نہیں. بعض ماہرین امراض نفسی کا خیال ہے کہ جدید انسان جس مسلسل کھنچاؤ میں رہتا ہے وہ ذہنی صحت کے لیے زبردست بوجھ ہے ستانے سے ہاتھ میں مدد ملتی ہے اس سے مزید قوت پیدا ہوتی ہے اور آئندہ کے کاموں کو کرنے کی تحریک پیدا ہوتی ہے ستانے کا گر سیکھنے کے لیے کچھ مخصوص تکنیک بتائی گئی ہیں لیکن اس کا لازمی حاصل یہ ہے کہ وقت نکالا جائے ستانے سے پہلے آدمی کو اس کی طرف مائل ہونا پڑتا ہے اس میں ایمائی نفسیات کا استعمال ہو سکتا ہے. اگر ستانے کا اور رویہ اور انداز اختیار کر لیا جائے تو زیادہ امکان ہے کہ آدمی ستانے اس کی مشق کے ساتھ ساتھ جسمانی توازن اور جذباتی سکون حاصل ہو سکتا ہے.

بے شک تعبیر جذبات کے بہت سے طریقے ہیں. بعض طریقے ایک کو پسند ہیں. اور بعض دوسرے کو بہت سے لوگ موسیقی سے حقیقی لطف حاصل کرتے ہیں. دوسرے لوگوں میں چہل قدمی سے جذباتی تحریک پیدا ہوتی ہے. بعض لوگ فلم، ڈرامے، رقص یا آرٹ اور میوزیم کو معتدل اور مثبت جذبات کا محرک سمجھتے ہیں اور بہتیروں کو انفرادی تفریحی مشغلے جیسے موسیقی، دستکاری، ڈرائنگ مصوری اور دوسرے حرفوں سے حقیقی لطف حاصل ہوتا ہے. ایک مکمل زندگی کے لیے یہ عوامل بہت اہم ہیں اس لیے انھیں پوری اہمیت دینی چاہیے اور ان کے لیے وقت نکالنا چاہیے اور آسانی کے ساتھ میسر آنے والے کسی فرصت کے لمحے کا انتظار نہیں کرنا چاہیے.

ایسا نہیں کہ شخصیت کے جذباتی پہلو کو محض وہی لوگ تسلیم نہیں کرتے ہوں جو تہذیبی طور پر عوام سے بلند ہیں بلکہ دوسروں کو بھی تفریحی پارکوں، کھیلوں، اندرون ملک و بیرون ملک خوبصورت

سیر گاہوں کی سیاحت سے بہت کچھ لطف حاصل ہوتا رہتا ہے لیکن یہ آسودگی جذبات کے نسبتاً انفعالی ذرائع ہیں تخلیقی نہیں۔ یہاں جو بات خاص طور پر ملحوظ رکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ ہم سے ہر شخص مختلف حد تک اور مختلف قسم کے اظہار جذبات کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہماری زندگی میں جو ناگزیر وقت ہے اس کو ان متنوع مشاغل کی مدد سے اپنے جذبات کی صلاحیت کے بقدر برداشت کیا جا سکتا ہے اس بات پر کرر زور دینا چاہیے کہ جذباتی تجربات جسمانی و ذہنی خصائص میں کوئی نمایاں امتیاز نہیں کیا جا سکتا جسمانی قوت کے لیے جو جتن کیے جا سکتے ہیں وہ صحت مند اظہار جذبات کے لیے بھی معاون ہو سکتے ہیں لیکن بہت سے مشقت طلب مشاغل یقیناً بے معنی ہوتے ہیں۔ اگر ان کی آسودگی تکمیل کے ساتھ ساتھ جذباتی آسودگی نہ ہو یہ نئے تجربات کی تحریک کا ذریعہ ہے اور اس کے سبب ہر شخص کی صلاحیت کے بقدر احساس تحفظ کی نشوونما ہوتی ہے۔ پس وہ تسکین متوازن ہوتی ہے جو حسب ضرورت ہو اور یہ توازن ایک شعوری منصوبہ بندی کے بغیر نہیں حاصل کیا جا سکتا۔

شخصیت کے روحانی پہلو کو تسلیم کرنا

بہت سے لوگ مذہب کے راستے سے اپنی زندگی میں عمدہ توازن پیدا کرتے ہیں بہتیرے لوگ مذہبی ریاضت کو استفادے کا ذریعہ سمجھتے ہیں، چنانچہ ان کے لیے ذہنی حفظان صحت کے پروگرام میں اس کی سفارش کی گئی ہے۔ عیسائیت یا یہودیت میں جب اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ تمام عوام الناس سے محبت کی جائے اور جاں نثاری کا جذبہ پیدا کیا جائے تو اس کے ذریعے ذہنی صحت کے اچھے اصولوں کا پرچار ہوتا ہے یہ بھی ضرور تسلیم کر لینا چاہیے کہ مذہبی طور پر متعصب لوگ بھی ہوتے ہیں کچھ لوگ مذہب کے رسوم تو اپنا لیتے ہیں لیکن مذہب کے اعلیٰ اصولوں کی پابندی نہیں کرتے ایسے بھی لوگ ہیں جو خود کوئی مثبت عمل اختیار کرنے کے بجائے اپنے مسائل کو حل کرنے میں دیوتاؤں پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ پھر بھی بہت سے لوگوں کے لیے مذہب ایک مکمل زندگی کے حصول کا ذریعہ ہے

مذہب کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے دوسروں سے محبت کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔ اس طرح آدمی اپنی ذات کے خول سے باہر نکل آتا ہے اور اس کا امکان پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ دوسروں کے مسائل سے حقیقی طور پر دلچسپی لینے لگے۔

مسیح معلمین سے کہتے ہیں، تم اپنے تمام طالب علموں کے اغراض و مقاصد اور ان کی دلچسپیوں کو اپناؤ حقیقی معنوں میں ایک معلم عیسائی ہے اس کا انحصار اس بات پر نہیں کہ کیتھولک ہے،

پروٹسٹنٹ ہے رجعت پرست ہے یا لبرل بلکہ اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ کیا وہ اپنا ذاتی نقطۂ نظر رکھتا ہے، کیا وہ اپنی شخصی دلچسپیوں میں گھرا ہوا ہے؟ کیا وہ اپنے طالب علموں کو بیگانہ سمجھتا ہے اور ان سے محض اسی قدر واسطہ رکھتا ہے جو مدرسہ کے قانون اس کی شخصی دلچسپی اور شہرت کے حسب حال ہو۔ یا وہ اپنے طالب علموں سے ہمدردی اور فیاضی کا رویہ رکھتا ہے اور ان کے مسائل کو اپنی وسیع فطرت اور وسعت قلب کے مسائل کا ایک حقیقی جزو تصور کرتا ہے۔ معلمین کے درمیان بہرکیف سب سے زبردست اختلاف یہ ہے کہ فی الحقیقت بعض معلمین عیسائی ہیں اور بعض نہیں۔[۶]

یہ واقعہ ہے کہ مذکورہ بالا بیان ۱۹۱۰ء میں تحریر کیا گیا تھا لیکن کسی اعتبار سے یہ فرسودہ نہیں ہے۔ مشہور ماہر نفسیات و ماہر امراض نفسی ایک متوازن اور پختہ کار زندگی گزارنے میں مذہب کی اہمیت پر مساوی زور دیتے ہیں، ایچ۔ اے۔ اوور اسٹریٹ (H. A. Overstreet) نے بتایا ہے کہ نفسیاتی پختگی صحیح معنوں میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان اپنی ذات کے خول سے باہر نکل آتا ہے۔

"مذہب انسان کو ایک دوسرے سے منسلک کرتا ہے اس طرح اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ وہ زندگی کے ساتھ ایک مستحکم رشتہ پیدا کرے اور اس تعلق سے وہ خود اپنی امکانی صلاحیتوں کی نشوونما کرے اسی لحاظ سے مذہبی زندگی ایسی ہونی چاہیے جس میں انسان لطف اور مشارکت کے ساتھ دنیا کی تمام حیات آفریں قوتوں کے ساتھ خود کو منسلک کرنے کی متواتر کوشش کرتا رہے۔ مختصراً مذہبی زندگی حسب بیان سابق زندگی پختگی کا نام ہے ایسی پختگی جو شدت اور جوش کے ساتھ کلیت کی جستجو کے لیے وقف ہو۔

اس لیے آج مذہب اور نفسیاتی سائنس ایک دوسرے کی شریک کار ہیں۔ جب اس میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے تو اس وقت مذہب انسان کے اندر پختگی پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح نفسیاتی سائنس سے بھی انسان کے اندر پختگی پیدا ہوتی ہے۔

مذہبی ریاضت میں جو وقت صرف ہوتا ہے وہ بعض کے نزدیک ذہنی اور جسمانی آرام کا وقفہ ہوتا ہے۔ ارگن باجے کی ہلکی اور مدھم موسیقی اور سرود خوانی سے دماغ کو سکون ملتا ہے۔ اور اس سے جسمانی اور ذہنی راحت بھی حاصل ہوتی ہے، قادرِ مطلق کے تصور سے نقطۂ نظر کے تناظر تک رہنمائی ہوتی ہے جس کے سہارے ہماری شخصی خواہشات ماورائی ہو جاتی ہیں اور ہم اپنے چھوٹے موٹے مصائب کو آسانی سے سہہ لیتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ذہنی راحت ملتی ہے اور اس کے سبب

مکمل راحت حاصل ہو سکتی ہے۔ کوئی آسمانی طاقت ہماری دیکھ ریکھ کرتی ہے یہ اعتقاد جذباتی طور پر ہماری راحت میں معاون ہوتا ہے آگے چل کر اس سے مدد ملتی ہے کہ تناؤ جس کی وجہ سے راحت حاصل کرنا مشکل ہو جاتا ہے مجتمع نہیں ہونے پاتا۔

اس تصور پر بعض لوگ معترض ہو سکتے ہیں کہ انسان کی فطرت کا کوئی ایسا روحانی پہلو نہیں ہے جس کی اہمیت شخصیت کے جسمانی اور جذباتی پہلو کے متوازی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر ملک اور ہر نسل کے لوگ کسی نہ کسی ایسی طاقت تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو ان سے زیادہ طاقت ور ہے۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ اگر اس سے لوگوں کو کچھ نہ کچھ تسکین نہ ہوئی تو اس کی ضرورت کا عالم گیر اظہار نہ ہوتا۔ انسان بہت طاقتور اور ذہین ہے پھر بھی اس پر ایک وقت ایسا آتا ہے جب زندگی کا دباؤ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ وہ کسی مخصوص ہستی کی طرف رجوع ہونے لگتا ہے یعنی خدا، مسیح، مہاتما بدھ، حضرت محمدؐ یا اللہ۔ اس منزل پر پہنچ کر مذہب، ذہنی صحت میں بہت معاون ہوتا ہے۔ مذہب جہاں یہ اطمینان دلاتا ہے کہ لوگوں کے لیے معاون ہو وہاں ساتھ ہی ساتھ کچھ ذمے داریاں بھی عائد کرتا ہے۔ مذہب انسان کو تحمل کے ساتھ مسائل کا مقابلہ کرنا سکھاتا ہے۔

انسانی حاجتوں کی تسکین براری

انسانی حاجت اور ذہنی صحت پر باب ۲ میں ذہنی صحت کی تحصیل اور قیام کے سلسلے میں کچھ بنیادی ملحوظات سے بحث کی گئی ہے لیکن وہاں بنیادی طور پر شاگردوں کی ضروریات پر زور دیا گیا تھا۔ استاد کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان بنیادی حاجتوں کی تسکین براری کے مواقع پیدا کریں۔ یہاں صرف سرسری حوالہ دیا جائے گا اور ان باتوں کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا جائے گا جن کو موزوں فلسفۂ زندگی اختیار کرتے وقت ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

چاہنے اور چاہے جانے کی ضرورت

چاہنے اور چاہے جانے کی حاجت کے مباحث ہم اکثر سنتے ہیں اور پڑھتے ہیں۔ بچوں کو چاہے جانے کا حق اس لیے ہے کہ وہ بچے ہیں لیکن اساتذہ اور دوسرے بالغوں کو یہ حق اپنے عمل سے حاصل کرنا پڑتا ہے بالغوں اس حاجت کی تسکین براری چاہے جانے سے نہیں

چاہنے سے ہوتی ہے۔ استاد کی حیثیت سے ہمیں بھرپور محبت کے ذریعے اس حاجت کی تسکین براری کے مواقع فراہم کرنے چاہئیں بنسن فورڈ نے (Benson Ford) جو فورڈ کمپنی کے نائب صدر ہیں اس ذمے داری کو مختصراً یوں بیان کیا ہے۔

"ہمیں صفائی کے ساتھ یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ ہم اپنے نصب العین پر پورے نہیں اترتے ہیں۔ ہم ایک ایسی قوم ہیں جو ایک مسلم جمہوریت کی علمبردار ہے۔ پھر بھی ہم ابھی تک غیر رواداری، تعصب اور نسلی امتیازات میں گھرے ہوئے ہیں ہم ایک متنازعہ صورت حال سے دوچار ہیں۔ انسان سے پرخلوص محبت کرتے ہیں اور پھر بھی خود اپنے ملک میں انسان کو اس احترام اور رواداری سے محروم رکھتے ہیں۔ جس کا وہ مستحق ہے؎"

اس حاجت سے مختص یہ پہلو نکلتا ہے کہ ہمارے فلسفے میں دوسروں کی فلاح کے کام ضرور شامل ہوں "یہ بنیادی میلان طبع پورے طور سے تسلیم نہیں کیا جاتا لیکن کلنکی ماہر نفسیات جانتے ہیں کہ لوگوں میں دوسروں کی فلاح و بہبود کا جذبہ نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن ہے۔۔۔۔۔ وہ عدم مقبولیت، دردمندی اور رنجیدگی کا شکار ہو جائیں؎"

چاہنے کی حاجت کی تسکین براری کے لیے دو مشورے پیش کیے گئے ہیں (۱) لوگوں کی فطرت اور ان کے پس منظر کا مطالعہ کرنا تاکہ وہ سمجھ پیدا ہو جائے جو محبت کی بنیاد ہے (۲) ایسے کام کرنا جو دوسروں سے محبت کے مترادف ہوں تاکہ مناسب ایمائی نفسیات کا تفاعل ہو سکے۔ یہ محسوس کرنا کافی نہیں کہ چاہنے کی اہمیت ہے۔ اس کے لیے کچھ کرنا ضروری ہے۔

تکمیل کی حاجت

معلمی کے پیشے میں تکمیل کی حاجت روائی کے متعدد مواقع آتے ہیں۔ ہر وہ شاگرد جس کو اپنی صلاحیتوں کا پورا علم نہیں (بلکہ تمام شاگرد) اس بات کے مواقع فراہم کرتا ہے کہ کچھ نہ کچھ ایسا کام ضروری کیا جائے جو اہمیت کا حامل ہو۔ اساتذہ کی ذہنی صحت سے متعلق جس قدر بھی مطالعہ ہوئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ جو لوگ مسرور اور ذہنی طور پر صحت مند ہیں وہ اپنی ذمے داریوں اور اپنے شاگردوں کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں تاکہ انھیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہو۔ یہ خود اساتذہ اور ان کے شاگردوں کے لیے بھی مفید ہوگا۔ تکمیل کے لیے کاوش کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اس کاوش سے بہتر ذہنی صحت کے قیام میں بہت مدد ملتی ہے۔

تحفظ کی حاجت

تسکین تحفظ کی حاجت کسی کو بخشی نہیں جا سکتی بلکہ حاصل کی جاتی ہے۔ بہت سے اساتذہ نے وقت اور محنت صرف کر کے اپنی لیاقت بڑھائی ہے اور احساس تحفظ کا اکتساب کیا ہے تحفظ کے اس بنیادی پہلو کو ایموری آل ورڈ (Emory Alward) نے جو ایک زرعی مبلغ ہیں جنوبی روڈایشیا کے بانتو علاقے میں اس طرح بیان کیا ہے۔

"مجھے عوام کی بے پایاں امکانی قوتوں پر آج جتنا پکا یقین ہے پہلے کبھی نہیں تھا۔ عوام چاہے یہاں کے ہوں، چاہے کہیں اور کے لیکن ان میں ترقی خود ان کے اندر سے نشو و نما پاتی ہے۔ میں کسی خارجی امداد کا قائل نہیں، معاشی ہو چاہے روحانی ابراہیم لنکن نے ایک بار کہا تھا " تم مستقل طور انسانوں کی وہ امداد نہیں کر سکتے۔ جو انھیں اپنی امداد کے لیے خود کرنے چاہئیں، ہمیں اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم آج کل جتنے بھی منصوبے بناتے ہیں ان میں اس قول کو ضرور تحریر کریں [1]

استاد کے لیے یہاں دو باتوں کی دلالت ہوتی ہے اول یہ کہ خود اس کے تحفظ کا انحصار اس کی اپنی کاوش اور استعداد پر ہے۔ دوم یہ کہ ان شاگردوں کو جو کل کے شہری ہوں گے اس کی اشد ضرورت ہو گی۔

تناؤ کو برداشت کرنے کی حاجت

تناؤ کو برداشت کرنے کی قوت پیدا کرنا تجربے اور رویے کی بات ہے۔ مزاحمت اور الجھن کے لیے کسی کی قوت برداشت اس لیے نہیں بڑھتی کہ وہ اس سے لطف اندوز ہوتا ہے بلکہ اس کے ذریعے وہ ایک افتاد کا تجربہ حاصل کرتا ہے پس فلسفے کے ایک پہلو کے طور پر یہ سمجھنا اہمیت کی بات ہے کہ مسائل، دشواریاں یا مزاحمتیں، بالیدگی اور نشو و نما کے ذرایع ہیں۔ ناخوشگوار تجربات اگر اتنے شدید نہ ہوں کہ شخصیت منتشر ہو جائے تو یہ مزید الجھن کو برداشت کرنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اور یہ قوت برداشت بھرپور زندگی گزارنے کے لیے ناگزیر ہے۔ بعض مصنفین اس حد تک کہنے کو تیار ہیں کہ ہر شخص کو روزانہ ایسے کام کرنے چاہئیں جو اس کی مرضی کے خلاف ہوں اور جنھیں وہ کرنا نہ چاہتا ہو۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ بدرجہ اپنی زندگی کو ناخوشگوار بنا لے لیکن یہ تسلیم کرنا دانشمندی کی بات ہے کہ مشکلات اور مصائب سے دوچار ہونے میں ان عوامل کا داخل ہوتا ہے۔

خود مختار ہونے کی حاجت جن سے بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔

شخصی فلسفے کے عامل کے طور پر خود مختاری کی حاجت سے سعیٔ تکمیل اور تناؤ کو برداشت کرنے کی قوت پیدا ہوتی ہے بعض صورتوں میں منتظمین کو یہ مشورہ دینا مناسب ہے کہ وہ اساتذہ کو خود مختاری کا موقع دیں لیکن چونکہ یہ کتاب درجے کے استادوں سے مخاطب ہے اس لیے انھیں سمجھنا چاہیے کہ خود مختاری اسی وقت قابل حصول ہو سکتی ہے جب ان کے طریقے پسندیدہ ہوں۔ اگر حصول خود مختاری کی طرف توجہ مرکوز ہو تو خود مختاری کے اس تصور سے نجات مل جائے گی جس کے تحت یہ اشخاص کا ایک پیدائشی حق بن جاتا ہے اور اس حق کو منوانے کے لیے شخصی جنگ وجدال کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایک صحت مند خود مختاری کسی کھردری انفرادیت کے مساوی نہیں ہے کہ دوسرے فرد کو ہڑپ کر لیا جائے۔ بلکہ اس کو ایک عطیہ سمجھنا چاہیے جس کے تحت دوسروں کے حقوق دلچسپیاں اور فلاح کو مستقل طور پر تسلیم کیا جائے خود مختاری کو، حاجت کو چاہیئے کی حاجت کے عین مطابق رکھنا چاہیے۔ اور اس کا تعلق دوسروں کی خوشی سے ہونا چاہیے۔ سماج عام طور پر صرف ان لوگوں کو خود مختاری عطا کرے گا جو دوسروں کی فلاح سے واسطہ رکھتے ہیں۔

حاجت کار، حاجت منصوبہ اور منصوبے کو چلانے کی آزادی

یہ سہ پہلو انسانی حاجت شخصی فلسفے کا نچوڑ ہے۔ اساتذہ کو کچھ کام کرنے ہوتے ہیں ایسے کام جو سماج کے لیے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں، ان کے تجربے اور ان کی تربیت سے منصوبوں کی تشکیل نو میں مدد ملنی چاہیے جس کے بغیر بہت سی کوشش رائگاں جائیں گی، اور نتائج مایوس کن ہوں گے اگر ان کے منصوبے جمہوریت اور انسانیت رخ ہیں تو انھیں اکثر صورتوں میں ان منصوبوں کو چلانے کی آزادی ہوگی۔

فلسفے کے نقطۂ نظر سے یہ مسائل مخصوص ہیں: (۱) تدریس کے کام پہ بار بار اور مسلسل غور کرنے کی ضرورت ہے تا کہ وقت کے تقاضوں سے زیادہ سے زیادہ مطابقت پیدا کی جا سکے۔ (۲) بہت سے اسباب کے پیش نظر منصوبہ متنوع ہونا چاہیے اور اس کی تنظیم نو ہونی چاہیے۔ یہاں یہ ہرگز نہیں ملحوظ رکھنا چاہیے کہ استاد کو پرانی ڈگر سے ہٹنے کی ضرورت ہے۔ خود مختاری کی طرح آزادی

دالفاظ کی تبدیلی کا معاملہ ہے) بھی دوسروں کے تعلق سے حاصل کی جاتی ہے ایک عملی فلسفے میں وہ تمام عناصر شامل ہوتے ہیں. جن سے استاد کی ذہنی صحت میں ترقی ہوتی ہے اور جنھیں جامد ہونے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

دیگر بنیادی حاجتیں

اگر ذہنی صحت درجہ کمال تک حاصل کرنی ہے تو دیگر بنیادی حاجتوں کی بھی تسکین براری بدرجہ اتم ہونی چاہیے پچھلے سیکشن میں عمدہ جسمانی صحت کے قیام کا ذکر کیا گیا ہے اس حاجت کی تسکین براری کا منصوبہ بناتے وقت روزمرّہ کی زندگی کے فلسفے میں اس کو ایک مقام دینے کی ضرورت ہے۔ رفاقت کی حاجت کا ذکر کو چاہنے اور چاہے جانے کے سلسلہ میں کیا جاچکا ہے پھر بھی ضرورت ہے کہ اس پر علاحدہ غور کیا جائے اس حاجت سے متعلق ذہنی صحت کے مثبت اصولوں کے تحت جو مشورے دئے جاچکے ہیں ان میں حسب ذیل اضافہ کیا جاتا ہے۔

حاجتوں کی تسکین براری کا مسئلہ ایک مسلسل مسئلہ ہے. ذہنی حفظان صحت کے دوسرے پہلوؤں کی طرح کوئی بھی حاجت تسکین یافتہ نہیں ہوتی ہم تو صرف تسکین براری کی کوشش کرسکتے ہیں۔ ان حاجتوں کو عملی فلسفے میں شامل کرنے سے یہ فائدہ ہوگا کہ حسب حیثیت ان پر برابر توجہ ہوتی رہے گی۔

ذہنی صحت کے مثبت اصول

ان اقدار اور اعمال کو جو ذہنی صحت کے لیے موافق ہیں فلسفے میں شامل کرکے استاد کے شخصی فلسفے میں ایک اور طرز نظر پیدا کیا جاسکتا ہے. مندرجہ ذیل اصول صرف ذہنی حفظانِ صحت کے اصول نہیں ہیں بلکہ اِن سے ایسے مشورے حاصل ہوتے ہیں جو شخصیت کے مختلف پہلوؤں کے لیے معاون ہوں اور انسان کی بنیادی حاجتوں کی تسکین براری کا ذریعہ بنتے ہیں.

- عمدہ جسمانی صحت کا قیام

ہم نے دیکھا ہے اس میں چھوٹی موٹی بہت سی باتیں شامل ہیں. جیسے پوری نیند حاصل کرنا، معقول غذا کی طرف توجہ دینا، آرام اور تفریح کا اہتمام رکھنا. مناسب عمر کی مناسبت کے لحاظ سے

جسمانی ورزش کرنا اور علالت کے شدید ہونے سے قبل ہی اس کا علاج کرانا اس کی قدر و قیمت کو قدیم نصب العین میں اس طرح بیان کیا گیا ہے "ایک تندرست جسم میں ایک تندرست دماغ"

خود اپنے طور و طریق کی تفہیم کی کوشش

اساتذہ چونکہ انسان کی نشوونما اور اس کے محرکات میں دلچسپی لیتے ہیں اس لیے انھیں یہ سہولت حاصل ہے کہ وہ اپنے آپ پر معروضی نظر ڈال سکیں۔ اگر نفسیات اور ذہنی حفظان صحت کا مطالعہ اس نظر سے کیا جائے کہ ان کے ذریعے محرکات ساختہ، نزوم اور تعلیم کے مواقع پیدا ہوتے ہیں تو جو شخص ان اصولوں کو استعمال کرتا ہے وہ خود اپنے اوپر بھی معروضی نظر ڈال سکتا ہے۔ اگر بہت زیادہ تجزیۂ ذات کیا جائے تو نقصان کا بھی خطرہ ہے۔ لیکن ان مطالعوں کے ذریعے اس بات کا بھی امکان ہے کہ خود اپنا اختیار تمیزی استعمال کر کے اپنی اور اپنی ترقی کی آزمائش کی جائے۔ دوسروں کی تفہیم کے لیے ہم جو مطالعہ کرتے ہیں اس سے یہ احساس ہوتا ہے کہ پابندیوں کے باوجود ہمیں کوئی اہم خدمت انجام دینی ہے۔ اس سے ہم کو یہ سبق ملتا ہے کہ ہم خود اپنے اوپر تعمیری ڈھنگ سے تنقید کر سکتے ہیں۔ خود کو دوسروں کی جگہ پر تصور کر کے اپنی کوتاہیوں سے بھی واقفیت حاصل کر سکیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ شخصیت کے ذہنی اور جذباتی عناصر کو تفاعل کا موقع ملے گا۔

مہارتوں کی نشوونما کے ذریعے تحفظ کا حصول

وہ اساتذہ جنھوں نے بہتر ذہنی صحت کے پیش نظر بچوں میں مہارتیں پیدا کرنے کی اہمیت کو تسلیم کر لیا ہے وہ اس کا بھی اندازہ کر سکتے ہیں کہ خود ان کی مہارتوں میں ترقی ہونے کے باعث ان کے احساس تحفظ میں تقویت پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کی وجہ سے مواد تعلیم پر ملکہ حاصل ہوتا ہے، اور نوجوانوں کی فطرت اور نشوونما کی تفہیم ہوتی ہے یا اس کے ذریعے درجے کی تدریس سے قطع نظر تعلیمی ترقی سے متعلق کسی خاص مرحلے پر ایسی نظر پیدا ہوتی ہے جو مطالعہ، نصاب، ذہنی حفظان صحت خصوصی صلاح کاری اور پیشہ تعلیم کی توقیر میں معاون ہو سکتی ہے۔ ذہنی اور جذباتی دباؤ کے تحت جو لوگ دل شکستہ ہو جاتے ہیں، ان کے لیے کام کا طریقہ علاج جس طرح موثر ثابت ہوتا ہے اس طرح اچھی ذہنی صحت کے قیام میں بھی یہ طریقہ کارگر ہوتا ہے۔ جن مہارتوں سے کام میں تاثیر پیدا ہوتی ہے۔ انھیں سے کام کا لطف بڑھتا ہے اور ان کے استعمال سے روزمرہ کے مطلوبہ کاموں میں

دلی انہماک پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی مہارتوں کی ترقی سے کام کی طرف بہتر رویہ پیدا ہوتا ہے اور بہتر رویوں سے اعلیٰ مہارتوں کے حصول کی خواہش ہوتی ہے۔ اس نقطے پر توجہ دینے سے شخصیت کے ذہنی اور جسمانی پہلو کا استعمال ہوتا ہے۔ اور جذباتی حاجتوں کی تسکین براری ہوتی ہے۔

دوسروں کے ساتھ بہتر تعلقات پیدا کرنا

اس بات پر بار بار زور دیا گیا ہے کہ ایک موثر تدریس کے لیے استاد اور شاگرد کے درمیان رشتہ پیدا ہونا بہت ضروری ہے لیکن صرف بچوں کے ساتھ رشتہ پیدا کرنا ہمارے لیے کافی نہیں ہے بلکہ بڑوں سے بھی ہمیں بہتر رشتے استوار کرنے چاہئیں ہمیں بچوں اور بڑوں سے دوستی کے لیے زیادہ وقت نکال کر اپنی اپنی جگہ دونوں سے استفادہ کرنا چاہیے۔ ہمیں دوسروں میں محض اس لیے دلچسپی نہیں ہونی چاہیے کہ وہ اپنے مسائل کو سلیم الطبعی کے ساتھ حل کر سکیں بلکہ اس کے ذریعے ہمیں اس بات کا موقع بھی ملے گا کہ اپنے مسائل کو معروضی طریقے سے حل کر سکیں۔ اور دوسروں کے مسائل سے اپنے مسائل کا تقابل کر سکیں۔ مذہبی اصول کے ساتھ یہ نفسیاتی اصول بھی ہے کہ دوسروں کے کام آنے سے شخصیت ہم آہنگ اور مستحکم ہوتی ہے۔ شخصیت کے جذباتی پہلو کے استعمال کے ساتھ ساتھ سماجی تعلقات استوار کرنے سے عموماً فکر و نظر میں بھی وسعت پیدا ہوتی ہے۔ دوستی کے ایک عقیدت مند کا خیال ہے کہ اس کے ذریعے چھوٹے سے چھوٹے آدمی سے بھی سیکھا جا سکتا ہے۔

منتخب افراد سے خفیہ تعلقات قائم کیجیے

دوسروں سے تعلقات پیدا کرنے کی یہ کوئی دوسری صورت نہیں ہے بلکہ یہ ایک علاحدہ کام ہے اور اس کے علاحدہ فوائد ہیں اس کا مفہوم یہ نہیں کہ محض اتفاقی طور پر دوستانہ تعلقات پیدا کر لیے جائیں یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں دوسرے شخص پر پورا بھروسہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ رازداری میں دونوں برابر کے شریک رہیں اور ایک ایسا ہم راز مل جائے جس سے ہم اپنی محرومیوں کی شکایت کر سکیں اور اپنی کامیابیوں پر فخر کر سکیں، ہمیں جذباتی تزکیہ نفس کے ایسے مواقع ملتے ہیں جو ایک غیر صحت مند تناؤ پیدا ہونے سے روکتے ہیں۔ سگمنڈ فرائڈ نے لوگوں پر پورا اعتماد حاصل کر کے ان کے مسائل میں امداد دی ہے۔ اس کے بعد سے اس کے بہت سے شاگردوں نے (اور اس کے ناقدین نے بھی) اسی طرز نظر کو اپنایا ہے۔ یہ قبول عام خیال "دل کا بخار نکال دیجیے اور اپنے احساسات کو

قلمبند کر لیجیے" نفسیاتی بنیادوں پر قائم ہے اس کو اختیار کے ذریعے ثابت کیا جا چکا ہے. کسی بھروسے کے شخص کا انتخاب کرنے میں بہت احتیاط برتنی چاہیے یہ ضروری ہے کہ وہ راز داری کے اہل ہو اگر کسی خاص لمحے میں بھروسے کے آدمی کا انتخاب کر لیا گیا ہے تو اس کا امکان ہے کہ کسی معاملے میں جب کوئی پختہ رائے پیش کی جائے گی تو شبہات پیدا ہو جائیں گے اور وہ سکون جو اپنی تکلیفوں کو بیان کر کے حاصل ہونا چاہیے تھا نہیں حاصل ہو سکے گا لہذا قبل اس کے کہ آپ کا راز طشت از بام ہو جائے اور تناؤ کی صورت پیدا ہو جائے اس کا اطمینان کر لیجیے. راز کا طشت از بام ہونا اتنا ہی خطرناک ہے جتنا بنیادی مسئلے کو دبانا. بھروسے کے آدمی کو بھی عصبی مریض کی طرح شکی نہیں ہونا چاہیے مثال کے طور پر اگر وہ آپ پر اعتماد کرے اور بعد میں دوسروں کی گفتگو سے اس کو پتہ چلے کہ آپ نے اس کے اعتماد کو ٹھکرا دیا ہے تو چاہے کتنا ہی اعتماد کیوں نہ حاصل کر لیا گیا ہو دونوں کے لیے مشکلات پیدا ہو جائیں گی. اس لیے کبھی کبھار دوست کو اس ارادے سے باز رکھنا ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے بارے میں بہت ساری باتیں بتلائے.

اگر مذکورہ بالا احتیاط ملحوظ رکھی گئیں تو اس قسم کے راز دارانہ تعلقات رکھنے میں زبردست فوائد ہیں. اس کے ذریعے شخصیت کے صحت مند جذباتی پہلوؤں کو بروئے کار لانے کا موقع ملتا ہے اور اسی کے بقدر خود اپنی اور دوسروں کی بہتر تفہیم ہوتی ہے اور جذباتی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ ذہنی پہلو کا بھی تفاعل ہوتا ہے.

سکون کے ساتھ دباؤ اور کھنچاؤ کا مقابلہ کیجیے

ہوسکتا ہے یہ کوشش فضول ثابت ہو یہ ایسی ہی بات ہو سکتی ہے کہ جوتے کے فیتے پکڑ کر کسی کو اٹھایا جائے. کوئی اگر یہ پوچھے تو بے جا نہیں کہ کیا صرف یہ کہنے سے کہ میں فکر نہیں کرونگا تفکرات دور ہو جائیں گے. ہوسکتا ہے کہ اس شخص کے لیے جو ان تفکرات سے دوچار ہے پریشانی ناگزیر ہو. لیکن جو اس خیال کا حامل ہو کہ بیمار پڑنا حماقت کی بات ہے اور صحت مند ہونے کی فکر میں بیمار رہتا ہو اس کے لیے پریشانیوں سے بچنا ممکن ہو سکتا ہے لیکن آخرالذکر بھی ایک عملی امکان کی بات ہے یہاں ایمائی نفسیات کی وجہ سے ممکن ہے کہ بعض بیماریوں سے جو بظاہر جسمانی نوعیت کی ہیں نجات مل جائے بعض عہدیداروں کا کہنا ہے کہ عام اسپتال میں نصف سے زیادہ جگہیں ذہنی مریضوں نے گھیر رکھی ہیں. ان میں بہتیرے ایسے ہیں جن کی مثبت ایمائی نفسیات سے امداد کی جا سکتی ہے.

تاہم طبیعت کا سکون حاصل کرنے کے لیے کچھ ایسے مشورے دئے جا سکتے ہیں. جو قوت ارادی سے بالاتر ہوں. اچھا ہے یہ تسلیم کرلیا جائے کہ لوگ مصائب میں مبتلا ہونے کے باوجود عام طور پر زندگی کا لطف اٹھاتے رہتے ہیں. ماضی کے تجربات سے یہ سبق ملتا ہے "یہ بھی گزر جائے گا" ہمیں تو پچھلے سال کے تجربات کو سوچنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ بہت سی باتیں جو ہمیں پریشان کرتی تھیں ان کے سبب سلسلۂ حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آتی. اور بعض باتیں جو کبھی بہت بڑی نظر آتی تھیں اب معمولی نظر آرہی ہیں. اس خیال سے یہاں بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے کہ اگلے ہفتے اگلے مہینے اور اگلے برس وہ پریشانیاں لاحق نہیں ہوں گی جو آج ہیں. ہمیں یہ محسوس کرنا چاہیے کہ ہمارے اور ہمارے شاگردوں کے لیے کوئی واقعہ زندگی بھر کے لیے نہیں رہتا. ہمارے اکثر مسائل کا وجود محض ہمارے احساس پر ہوتا ہے. ہمارے پڑوسی کا لان اس وقت تک زیادہ سبز اور مخملیں نظر آتا ہے جب تک ہم اس پر چہل قدمی نہ کریں اور براہ راست اپنے قدموں کے نیچے نہ دیکھیں. دیکھنے پر پتہ چلتا ہے کہ اس میں بھی کہیں کہیں خود رو گھاس ہے. بعض بھوری اور خالی جگہیں ہیں اور زمین میں کہیں کہیں نشیب نظر آتا ہے پس اگر ہم معقول تناظر میں اپنے مسائل کو دیکھیں تو وہ مسائل مختلف نظر آئیں گے. جذباتی توازن حاصل کرنے کے سلسلے میں جو دوسری بات قابل غور ہے کہ بعض باتیں ہمارے قابو سے باہر ہیں اور جن باتوں سے نجات نہ پا سکیں ان سے نپٹنے کی کوشش بھی فضول ہے. آخر میں کبھی کبھی یہ رویہ بھی اپنانا چاہیے کہ برائی یا ناپسندیدہ چیزیں اور واقعات بھی ہمارے لیے فائدہ مند ہو سکتے ہیں یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ بچے کے لطف میں حائل ہونے والی تمام رکاوٹیں اس کی راہ سے نہیں ہٹانی چاہئیں تاکہ بالغ ہونے کے بعد وہ محرومیوں کا مقابلہ کر سکے. اس کو یہ بھی سیکھنا چاہیے کہ رکاوٹیں مزید بالیدگی کے لیے باعث تحریک ہوتی ہیں. اور ہماری اپنی دشواریوں سے مسلسل بالیدگی کی تحریک ہوتی ہے.

تفکرات کا بدل منصوبہ

بہت سے لوگ جو اس بات پر معترض ہیں کہ ذہنی طور پر صحت مند لوگوں کی زندگی میں تفکرات کا کوئی مقام نہیں ہے اگر یہ لوگ تفکرات کی حسب ذیل تعریف قبول کرلیں تو ان لوگوں کی صف میں جگہ پا سکتے ہیں. جو "بے فکرے" کہلاتے ہیں. اس کی شکل محدود ہوتی ہے جس کے تحت فکر ایک ہی خیال کے اردگرد بار بار چکر لگاتی ہے اور کسی قابل عمل یا عارضی نتیجے پر نہیں پہنچتی.

تفکرات سے کوئی مسئلہ نہیں حل ہوتا۔ اس سے حالات بہتر نہیں ہوتے ہاں یہ منفی جذبات کو ابھارتی ہے اور مسئلے کو حل کرنے سے روکتی ہے اس قسم کے تفکرات کو مدوری فکر کہا گیا ہے مدوری فکر سے کسی شخص کو فائدہ نہیں پہنچتا۔

مشکلات کی پیش بینی امکانی واقعات کی منصوبہ بندی اور پہلے سے مفروضہ قائم کرنا سودمند ہوتا ہے اس سلسلے میں علیہ جمع کرنا، کوئی بدل سبیل ڈھونڈنا اور حل تلاش کرنا مناسب اور ضروری ہے لیکن یہ سب کچھ سوچی سمجھی راہ پر ہونا چاہیے مدوری فکر پر نہیں۔ جب کسی مسئلے پر غور کرلیا گیا ہو اور فی الحال اس کا کوئی حل سمجھ میں نہ آیا ہو تو پھر اس مشورے پر عمل کرنا چاہیے "روشنی بجھا دیجیے اور سو جائیے"

منصوبہ بندی سے شخصیت کے تعقلی پہلو کے استعمال کا موقع ملتا ہے۔ تفکرات کی تردید سے دراصل اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ شخصیت کا جذباتی پہلو ناقابل برداشت ہو سکتا ہے۔ مدوری فکر کی صورت میں تفکرات کا مطلب ہے کہ معمولی الجھنیں ایسی محرومی کی صورت اختیار کرگئی ہیں جو عصبی کھنچاؤ پیدا کرتی ہوں اس صورت میں مسائل گھٹ کر رہ جاتے ہیں اور جب وہ شدت اختیار کرلیتے ہیں تو جذبات میں ٹیس اٹھنے لگتی ہے۔ ڈاکٹر پیٹر جے اسٹین کران [illegible] اپنی کتاب "اپنے کو ہلاک ہونے سے روکا جائے" میں لکھتے ہیں کہ آہستہ آہستہ خودکشی کے طریقوں میں تفکرات بھی ایک طریقہ ہے ۔۔ ہم تفکرات میں اس حد تک مبتلا ہو جاتے ہیں کہ کسی فیصلے پر نہیں پہنچ پاتے۔ حالانکہ اس کی آسان صورت یہ ہے خود کو فیصلہ کرنے پر مجبور کیجیے۔ کسی فیصلے سے متعلق تمام معطیے کبھی نہیں دستیاب ہو سکتے ہیں وقتی فیصلوں پر عمل کرنا چاہیے۔ غلطیاں ناگزیر ہیں لیکن یہ غلطی نہیں کرنی چاہیے کہ فیصلے کو مسلسل التوا میں ڈالے رکھیں معقول آدمی وہ ہے جو ایک ہی غلطی بار بار نہیں کرتا۔ تفکرات کے زہر کو جو آہستہ آہستہ اثر کرتا ہے اس طرح زائل کیا جا سکتا ہے کہ منصوبہ بندی کی جائے کسی متعین راہ پر غور کیا جائے قوت فیصلہ سے کام لیا جائے اور وقتی فیصلے پر عمل کیا جائے۔

اپنی زندگی میں کام اور تفریح دونوں کو مناسب مقام دیجیے۔

ذہنی صحت توازن کا معاملہ ہے ایک متوازن شخص وہ ہے جس کے اندر متعدد اکثر میلانات ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہوں اور کسی مقصد کے حصول کے لیے کوشاں ہوں" جب ذہنی ربط اور عناصر ترکیبی ایک کل میں مجتمع ہوتے ہیں تو ارتباط پیدا ہوتا ہے اور اس کے حصول کے بعد فرد

میں یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وسیع اور متنوع ہیجانات کو قبول کرتے ہوئے بھی عناصر ترکیبی کے عمل میں مکمل اتحاد قائم رکھے۔ ایک ایسے شخص کے اندر جس میں کامل ارتباط پایا جاتا ہو یہ توقع ہوتی ہے کہ وہ زندگی کی مختلف صورت حال کے مطابق سوچ سکتا ہے۔ محسوس کر سکتا ہے اور مناسب طور پر عمل کر سکتا ہے[11]۔ ان میں سے ایک صورت یہ بھی ہے کہ ہم اپنی زندگی میں کام اور تفریح دونوں کو اہمیت دیں۔

ہم نے دیکھا کہ ذہنی صحت کا انحصار بعض بنیادی حاجتوں کی تسکین براری پر ہے۔ اپنی زندگی میں مصروفیت کار کے ساتھ ساتھ بہت سی بنیادی حاجتیں موثر طور پر۔۔۔۔۔۔ تسکین پا جاتی ہے۔ کام چاہے کسی نہج کا ہو اس کے دوران تحصیل قدر شناسی مہم جوئی، تفکرات سے نجات براری اور تحفظ کی حاجت بخوبی تسکین پاتی ہے۔ درحقیقت کام ہی کے ذریعے مستقل طور تسکین حاصل ہوتی رہتی ہے اور توقعات پوری ہوتی رہتی ہے۔

لیکن محض کام سے توازن پیدا کرنا ضروری نہیں۔ بعض لوگوں کے کام کا تعلق خاص کر شخصیت کے جسمانی پہلو سے ہوتا ہے۔ بعض کا کام فرد کے دائرے میں ہوتا ہے اور بعض کے کاموں کا تقاضا ہوتا ہے کہ جذباتی تناؤ کو کافی دیر تک برداشت کیا جائے۔ اگر انسان کی صلاحیتوں کو زیادہ استعمال کیا جائے تو کام کے ساتھ ساتھ تفریحی مشاغل کا اہتمام کرنا بھی ضروری ہے۔ اچھی صورت تو یہ ہے کسی شخص کے کام کی نسبت سے ہی اس کے فرصت کے مشغلوں کا تعین کیا جائے۔ بہت سی آسودگیاں جو کام سے حاصل ہوتی ہیں۔ تفریحی مشاغل سے بھی حاصل ہو سکتی ہیں۔ بشرطیکہ ان کا انتخاب ہوشیاری کے ساتھ کیا جائے اور ان میں پابندی ہوتی جائے ایسی صورت میں اس بات کا امکان پیدا ہو سکتا ہے کہ تفریحات کے ذریعے قدر شناسی، مہم جوئی اور اعتماد حاصل ہو جائے۔

فرصت کے لیے باقاعدہ نظام اوقات مرتب کرنے میں استاد کو کسی پشیمانی کی قطعی ضرورت نہیں کیونکہ کھیل کے دوران جس قدر تناؤ دور ہوگا اسی قدر شاگردوں کے لیے درجے کا ماحول زیادہ پر لطف ہوگا۔ استاد کو چونکہ مختلف قسم کی صلاحیتیں بروئے کار لانے کا موقع ملتا رہتا ہے اس لیے بچوں کی اور ان کی متنوع دلچسپیوں کی تفہیم پیدا ہو سکتی ہے اپنی تفریحات کے ذریعے استاد برادری کے وسیع حلقوں تک متعارف ہو سکتا ہے اور اس طرح اس کو زیادہ عملی طریقے سے اپنے مضمون کو پڑھانے کا موقع بھی مل سکتا ہے۔ کمرۂ جماعت میں اس کو جس کوفت سے

دوچار ہونا پڑتا ہے وہ کھیل کود سے دور ہو جائے گی۔ ایک متوازن تفریح فرار کی صورت نہیں ہے بلکہ متعدد اور کثیر میلانات میں ربط پیدا کرنے کا ایک ذریعہ بھی ہے جس کی وجہ سے تدریس میں لطف اور تاثیر پیدا ہوتی ہے۔

یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے کہ اپنی زندگی میں کام اور کھیل دونوں کو مناسب اہمیت دی جائے۔ یہ مسئلہ یہ ـــ یا ـــ وہ کا نہیں ہے۔ بعض لوگ اپنے کام میں اسے عزم کے ساتھ منہمک ہو جاتے ہیں کہ کھیل کے لیے ان کے پاس وقت نہیں ہوتا۔ لیکن اس کی وجہ سے شخصیت نامکمل رہ جاتی ہے۔ دوسرے لوگ کھیل سے اس درجہ محظوظ ہوتے ہیں کہ کام کے لیے وقت نہیں ملتا لیکن یہ حظ اس دیرپا کیف کو قربان کر کے حاصل ہوتا ہے جس کو 'مسرت' کہتے ہیں۔ محض کھیل سے فرد بدمزہ ہو جاتا ہے اور ایک دن اس کو پتہ چلتا ہے کہ حظ اور مسرت کی جگہ محرومی نے لے لی ہے۔

موجودہ صورت حال پر توجہ دیجیے

موجودہ صورت حال پر توجہ دینے کا معاملہ محض فہم عام کی بات ہے جو کچھ گزر چکا ہے گزر چکا۔ جو کردار سرزد ہو چکے ہیں۔ اور جو واقعات پیش آ چکے ہیں۔ ان کو بدلا نہیں جا سکتا۔ لیکن یہ بات بہت زیادہ اہم ہے کہ ماضی کی غلطیوں کو حال کے عمل سے پاک کرنا ہوگا۔ جو واقعات ابھی پیش نہیں آئے ہیں۔ ان کے لیے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہاں اس بات کو ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے کہ آج ہم موافق حالات کے لیے بنیاد رکھ سکتے ہیں۔ آج ہم زندگی کے تمام لوازمت مہیا کر سکتے ہیں۔ آج ہم اپنے مسائل کو حل کر سکتے ہیں۔ آج کی زندگی میں اگر توازن نہ ہو تو مستقبل میں متوازن زندگی گزارنے کی امکانات کم ہو جاتے ہیں۔

ایک بھرپور اور مکمل زندگی گزارنے کی فی الوقت کیا اہمیت ہے۔ فوج کے ایک کیپٹن نے چند برس پہلے بخوبی اس کی وضاحت کر دی تھی لیکن راقم الحروف کو اس کی معنویت سمجھنے میں کچھ وقت لگا۔ اس وقت راقم الحروف سیولین کنزرویٹو کور کیمپ کا تعلیمی مشیر تھا اور ایک عارضی پارک میں رہتا تھا جو اس تنظیم کی نمایاں خصوصیت تھی۔ کمرہ ویران تھا۔ فرش اور دیواروں پر دراڑیں پڑ گئیں تھیں اور واحد فرنیچر دیوار میں لگا ہوا ایک تختہ تھا دیوار میں ایک لکڑی کا بکس کیل سے ٹھونک دیا گیا تھا۔ جس میں داڑھی بنانے کا سامان اور کتابیں تھیں۔ کھڑکی پہ

ایک کیل کا پردہ لگا دیا گیا تھا تاکہ سردی سے محفوظ رکھ سکے صبح کے وقت آرام کرنے کے لیے ایک ٹاٹ کا تھیلا فرش پر بچھا ہوا تھا کرسی کے لیے ۱×۲ انچ کے تختے کیلوں سے ٹھونک دیے گئے تھے۔ دیوار میں لگے ہوئے تختے پر پیال کا بستر تھا اور کچھ پیکنگ بکس میز کا کام دے رہے تھے۔ چونکہ پوری صورت حال عارضی تھی اس لیے زندگی بہت سادی تھی۔ ہمیں توقع تھی کہ برف کے پگھلنے کے وقت ہم دوسرے قیام پر بھیج دیے جائیں گے۔ کیپٹن بالکل ہی مختلف معیار سے رہتا تھا۔ اس کے کمرے میں نظر فریب پردے تھے۔ فرش پر ایک دبیز نمدا تھا اور اسپرنگ والے گدے بچھے تھے۔ دیواروں پر کچھ تصویریں بھی تھیں ایک گدے دار کرسی، ایک پلنگ پوش کتابوں کی الماری جس میں بہت سی کتابیں تھیں اور ایک ریڈیو زندگی کی آسائش کے لیے موجود تھا۔ ایک شام کو یہ سوال پوچھا گیا "کیپٹن ایس، آپ نے یہ تمام آسائش کیوں فراہم کر رکھی ہیں جب کہ آپ جانتے ہیں کہ مستقبل قریب میں یہاں سے کوچ کرنے کا حکم ملنے والا ہے"؟ (ہم چار ہفتے کے اندر وہاں سے منتقل ہو گئے) اس کا جواب فوراً ملا جو بہت واضح تھا "برنارڈ میں تم کو بتاؤں گا۔ بعض باتیں سمجھنے میں تمہیں وقت لگے گا۔ عارضی سکونت بھی ایک مستقل حیثیت اختیار کر سکتی ہے۔" اس جواب میں جو صداقت مضمر ہے اس کو اگر کوئی سمجھ لے اور اس پر عمل کرے تو وہ خوش قسمت ہے۔

یقیناً ہم میں سے بہت لوگ اس سے سبق حاصل کرنا چاہیں گے ہم اگلے دن اگلے ہفتے اور اگلے برس کی بہتر صورت حال کے لیے جیتے ہیں اور کام کرتے ہیں۔ اس دوران ہماری زندگی کا سفر بھی جاری رہتا ہے۔ لیکن جس قسم کی عادتیں ہم آج پیدا کر رہے ہیں ان کے پیش نظر ایک بھرپور اور مکمل زندگی گزارنے کی صلاحیت قایم رکھنا ممکن نہ ہو سکے گا۔ سکون قلب کے ساتھ مستقبل کی بے اعتباری کا مقابلہ کرنے کی سب سے بہتر اور واحد صورت یہ ہے کہ آج کے مسائل پر پوری قوت سے دھاوا بول دیا جائے جو لوگ ماضی کا راگ الاپتے ہیں اور مستقبل پر رومانی خیال آرائی کرتے ہیں وہ اس بات کو تسلیم کریں گے کہ ہمارے ساتھ ہماری عادتوں کا بھی جاری رہنا ناگزیر ہے۔ کام کرنے یا کام سے بچنے کا معاملہ یقیناً عادت کی بات ہے۔ ہم زندگی تو زمانہ حال میں گزارتے ہیں اس لیے ہمیں اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ حال کو پر لطف اور موثر بنائیں۔

روزمرہ کے حالات میں ظرافت کی تحسین کیجیے

اپنے حال کو پر لطف بنانے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ان ظریفانہ واقعات سے خود کو ہم آہنگ

کیا جائے جو مسلسل رونما ہوتے رہتے ہیں۔ بہت سی ایسی عورتیں ہیں۔ جن سے ہمارے شب و روز میں شادمانی آسکتی ہے۔ بشرطیکہ ہم دل بہلاؤ عناصر کی جستجو کریں۔ شاید اس سلسلے میں پہلا قدم یہ ہوگا کہ ہم خود اپنی اہمیت کا ایک معروضی تصور قائم کریں اور جب اس حد تک محسوس کرنے لگیں کہ دنیا کا کاروبار ہمارے بغیر بھی جاری رہ سکتا ہے تو ہم اپنے کردار کے بعض مضحکہ خیز پہلوؤں کی بھی تحسین کرسکیں گے باوجودیکہ ہم بالغ ہیں ہماری بعض حرکتیں نوجوانوں کی طرح ہوتی ہیں۔ ان میں غیر فطری پن کی اُڑان اور اکڑ ہوتی ہے جو ہمیں مضحکہ خیز نظر آتی ہیں کبھی کبھی ہمارا طرز خرام ایک نوجوان لڑکی کی طرح فوجی قواعد کے انداز پر ہوتا ہے۔ وہ لڑکی اور ہم دونوں اگر معروضیت اور بصیرت کے ساتھ اس پر نظر ڈالیں تو لطف اندوز ہوسکتے ہیں۔ ہم میں سے اکثر لوگ جب خواتین کو اپنے سروں پر کوئی عجوبہ پہنے دیکھتے ہیں۔ تو اس پر ایک سرور انگیز نظر ڈالتے ہیں۔ ایسے بھی مواقع آتے ہیں جب ہم آدمیوں کی خود آرائی پر کھسیاہٹ کا مظاہرہ کریں۔ بہت سے مرد (اپنے اندازے کے مطابق) یہ خیال رکھتے ہیں کہ وہ شخصی اور انفرادی طور پر عورتوں کے لیے نعمت خداوندی ہیں" ہم خود اپنے چہرے کی بدنمائی کا مناسب شعور رکھتے ہوئے بھی کسی اہم شخص کی بھدی آنکھ، کان اور ناک یا منہ کی وضع قطع پر مسکراتے ہیں۔ اور اس کی معقول وجہ بھی ہوتی ہے۔

کمرہ جماعت کے اندر طالب علموں کے کردار اور ان کی باتیں ظرافت کے کافی مواقع پیدا کرتی ہیں (گو ہمیں محتاط ہونا چاہیے کہ کسی حساس طالب علم کو آزردہ نہ کریں) چھوٹے بچے اس وقت بہت سی مضحکہ خیز غلطیاں کرتے ہیں جب اپنی گفتگو میں الفاظ استعمال کرنا شروع کرتے ہیں۔ اپنی تقریر اور تحریر سوالوں کے بہت طنز آمیز اور دلچسپ جواب دیتے ہیں۔ آخر الذکر بات ہمیں اپنی تدریس کی معنویت پر غور کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ لیکن یہ باتیں ہمارے لیے تفریح طبع اور دل بہلاؤ کا سامان ہرگز نہیں پیدا کرسکیں ابھی حال ہی میں راقم الحروف کو مدرسین کی ایک جماعت میں ایک گھٹے ہوئے مزاح سے سابقہ پڑا ہوا یہ کہ ایک استاد نے یہ کہا کہ اس آٹھویں جماعت کے شاگرد بھی الفاظ کی ہجے نہیں کرپاتے۔

ہر شخص کو اور خاص طور سے استاد کو ایک اچھے مزاح پر خوش ہونا چاہیے اور اس کی صلاحیت پیدا کرنی چاہیے کہ وہ اپنے معاملات پر بہت سنجیدگی کے ساتھ غور نہ کرے لیکن اگر شعوری طور پر اس کا ذوق پیدا کرنے کی کوشش محض کی گئی تو یہ نقطۂ نظر پیدا نہیں ہوسکے گا۔

درجے کے اندر اس کی جو اہمیت ہے اس کو حسب ذیل لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔

"ایک عمدہ مزاح پر سب ہی لوگ اور خاص طور سے بچے مسرور آمیز قہقہے لگاتے ہیں، ایک بالغ شاذ و نادر ہی اتنا بے فکرا ہو سکتا ہے جو اس قسم کے بھرپور قہقہے لگائے۔ سنجیدگی کے ساتھ قہقہہ لگانے کے مقابلے میں کسی مہمل اور مضحکہ خیز بات پر تفنن آمیز قہقہہ زیادہ سنائی دیتا ہے قہقہے ایک آفاقی زبان کے حامل ہوتے ہیں جس کو ہم ضمنی اشاروں سے سمجھ سکتے ہیں ان کے ذریعے ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ ہمارے رفیق کس طرح کا طریق عمل اختیار کرتے ہیں۔ قہقہے کی عادت دوسروں کو بھی نظر انداز کر دیتی ہے اور اپنے آپ پر اور گروپ پر ضبط رکھنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے" [12]

بس بھر بہترین کارگزاری کیجیے

بہترین کارگزاری کا تصور محض بین بین رہنے کا فلسفہ نہیں ہے یہ عدم مداخلت یا موقع پرستی کا اصول نہیں ہے بلکہ ایک فہم عامہ کا رویہ ہے حقیقت سے دوچار ہونے کا پہلو ہے اور متوازن فعلیت اور معقول تناظر کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔

نشانہ بازی کے میدان میں ایک واقعہ پیش آیا جس سے بہترین کارگزاری کی علیت کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے نشانہ بازی کا تمغہ جیتنے کے لیے ایک امیدوار بہترین ترقی کر رہا تھا ایک دن نشانہ بازی کے نگران نے کہا "اب وقت آگیا ہے کہ تم نشانہ بازی میں ریکارڈ حاصل کرو" پچیس اور پچاس گز کے فاصلے پر قریب اور دور کے نشانے لگائے گئے لیکن مطلوبہ نشانہ نہیں حاصل ہو پایا۔

نگران نے کہا "مجھے تعجب نہیں ہے تم اپنے بس بھر پوری کوشش کر رہے تھے بات یہ ہے کہ تم اپنے بس سے باہر کچھ نہیں کر سکتے کیا ایسا کر سکتے ہو؟"

ظاہر ہے جواب نفی میں تھا۔ یقیناً جواب نفی میں ہوگا کوئی بھی شخص ہر بار ٹھیک نشانے پر نہیں مار سکتا۔ بہترین نشانہ باز بھی اکثر اوقات نشانہ خطا کر جاتے ہیں۔ درحقیقت ہر کوشش میں وہ ٹھیک نشانے پر نہیں مارتے وہ اپنے بس بھر پوری کوشش کرتے ہیں۔ یہاں بھی یہی صورت حال پیش آئی اگر آپ کمال حاصل کرنا چاہیں تو لبلبی ٹھیک اس وقت دبایئے جب آپ کی نظر نشانے پر ٹھیک بیٹھ جائے۔ ہوتا یہ ہے کہ لبلبی دباتے وقت زور کا جھٹکا لگنے سے بندوق لائن سے

باہر چلی جاتی ہے اور بندوق دغتے دغتے آپ مرکز سے ہٹ جاتے ہیں۔ اپنے بس بھر پوری کوشش کیجیے۔ نشانہ لیتے رہیئے لیتے رہیئے اور اس وقت تک لیتے رہیے جب تک آپ کا نشانہ ٹھیک۔ نہ ہو جائے اکثر آپ محسوس کریں گے کہ آپ نشانے سے دور ہیں لیکن نشانہ لیتے رہیے جوں ہی بندوق دغے آپ پھر نشانہ ملا لیجیے۔ آپ کمال حاصل نہیں کر سکتے بس کوشش کیجیے کہ نشانہ سے قریب رہیں اور نشانہ ملاتے رہیں۔

اس باب میں اگر گزشتہ باب میں بہتر زندگی گزارنے اور بہتر تدریس کے لیے بہت سے مشورے دیے گئے ہیں ہم میں سے کوئی بھی شخص کسی منزل پر بھی کمال نہیں حاصل کر سکتا مطلوبہ نشانے سے کم ہی رہے گا (۲۵ اور ۵۰ گز کی قریب اور دور کی ماریں) لیکن ہم میں سے ہر شخص بہتر کارگزاری انجام دے سکتا ہے۔ ہم مستعدی کے ساتھ نشانہ لگاتے رہیں اور بس بھر بہتر سے بہتر کارگزاری دکھاتے رہیں اگر ایک شخص بچوں کی تفہیم، خلاقی پیدا کرنے اور ہر قسم کے اسباق پڑھانے میں پورا ملکہ حاصل کرنے کی کوشش کرے تو پھر اس کو وقت نہیں ملے گا کہ وہ دوستی پیدا کر سکے۔ اپنے تخلیقی مشغلوں کو جاری رکھ سکے اور جسمانی صحت کے تحفظ پر توجہ دے سکے۔

اپنے بس بھر کوشش کرنے سے ذہنی صحت کی راہ میں پیدا ہونے والی بڑی دشواری ہو جائے گی یعنی ـــــ حصول کمال کی فکر پست ہمتی خاص طور سے اس وقت پیدا ہوتی ہے جب آدمی جو کچھ کرنا چاہیے اور کرنا نہ چاہیے خاتون خانہ اگر گھر کو اتنا صاف ستھرا رکھنا چاہیں کہ بالکل بے داغ ہو تو انھیں مایوسی ہوگی۔ اگر کوئی تاجر اپنے ملازمین سے کسی بھی خطا یا کوتاہی کی توقع نہ رکھے تو اس کے لیے دشوار ہوگا۔ کوئی استاد اگر تحصیلی جانچ میں یہ چاہے کہ اس کے شاگرد فوری سطح پر اوسط سے آگے بڑھ جائیں گے تو وہ غیر آسودہ رہے گا۔ حقیقی طور پر صحتمند انسان وہ ہے جو کچھ کر گزرنے سے مطمئن نہ ہو بلکہ اپنے بس بھر نہیں کارگزاری سے اطمینان حاصل کرے۔

مذہبی اقدار کو ذہنی صحت کے لیے استعمال کیجیے

پہلے دیکھا جا چکا ہے کہ انسان کے شخصیت کے چار پہلو ہوتے ہیں گو ایک زندہ شخص کے اندر ان چاروں کے اندر فرق کرنا مشکل ہے۔ یہ چار پہلو ہیں۔ ذہنی، جسمانی، جذباتی اور

روحانی. ذہنی حفظانِ صحت کے سب سے ماہرین اور ماہرین امراضِ نفسی فرد کی متوازن اور ذہنی طور پر صحت مند نشو و نما میں مذہب کو ایک اہم مقام دیتے ہیں[8] مرحوم جوشو لیبرمین (Joshua Liebman) نے ایک قابل غور بات کہی ہے جس میں موصوف نے ذہنی صحت اور مذہب کے اغراض و مقاصد کو ایک دوسرے کے بہت ہی متوازن بتایا ہے۔

اس خیال کے برعکس (جو قدیم تصور پر مبنی ہے) کہ مذہبی غرض و مقاصد تلاش کرنا محض نوجوانوں کا کام ہے یہ تو بلوغت یا بعد از بلوغت کی بات ہے کہ موثر طور پر زندگی گزارنے میں سنجیدگی کے ساتھ مذہب سے سروکار رکھیں " جوں جوں عمر بڑھتی جاتی ہے وہ بیتے ہوئے اور آنے والے دلوں کی اہمیت کو زیادہ محسوس کرتا ہے۔ وہ چیزوں کی ترجیح میں پہلے کے مقابلے میں مذہب سے زیادہ رجوع ہوتا ہے[9]۔ استاد خود اپنی صحت اور اپنے شاگردوں کی فلاح کے پیش نظر اس بات کا مکرر جائزہ لے سکتا ہے کہ ایک پر لطف اور متوازن زندگی کے لیے مذہب کس حد تک معاون ہوتا ہے۔

صدیوں سے مذہب اس قسم کے حصول مقاصد کا وسیلہ رہا ہے جس طرح ہم اپنے پیشے میں کام کیے بغیر حسن کارکردگی نہیں پیدا کر سکتے اسی طرح بغیر عمل کے مذہبی اقدار بھی نہیں حاصل کر سکتے۔ اس سلسلے میں عبادت گاہوں میں مشارکت پہلا اور بنیادی قدم ہے۔ ہمیں اس بات کی ضرورت ہے کہ روحانی فرائض کا معیاری طور پر اعادہ کرایا جائے۔ ہمیں ایسے ٹھوس مشوروں کی بھی ضرورت کہ مذہب پر کیسے کاربند ہوا جا سکتا ہے یہ مقصد ان پند و نصائح سے حاصل ہو جاتا ہے۔ جو عبادت گاہوں میں ہوتے رہتے ہیں ۔ ترانۂ حمد کی نغمگی سے زندگی کی رفتار وقتی طور پر بڑھ جاتی ہے۔ عبادت کے ذریعے مصائب کے بارے جذباتی طور پر تنقیہ حاصل ہوتی ہے۔ عبادت گاہوں کو دیکھ کر اس تغیر پذیر دنیا میں استحکام اور دوام کا احساس پیدا ہوتا ہے عبادت گاہوں میں فعال شارکت کے ذریعے اپنے لوگوں سے رابطہ پیدا کرنے کا موقع ملتا ہے۔ جو فی الوقت مثالی انسان تو نہیں ہیں لیکن اپنی زندگی میں اصلاح پیدا کرنا چاہتے ہیں پادری، پروہت، فقیہہ (جس نام سے بھی وہ موسوم ہو) کسی کی امداد سے اس لیے ہاتھ نہیں روکے گا کہ وہ سرگرم عمل نہیں ہے بلکہ یہ اطمینان کی بات ہے کہ وہ ضرورت کے وقت ہماری امداد کے لیے موجود ہوگا۔

خدایا! میں راستہ دکھانے والا کون ہوں۔

دن بدن ان شوقین بچوں کی

میں خود گمراہی کی جانب مائل ہوں
پھر بھی میں انھیں تعلیم دیتا ہوں لیکن یہ جانتا ہوں
لو کتنی مدھم ہے، چراغ ٹمٹماتا ہے
میری ہمت کا چراغ پھر بھی جلتا ہے
میں انھیں سبق دیتا ہوں ارادے اور عمل کا
لیکن اب مکرر علم کا جویا ہوں
میری کمزوریاں اول سے آخر تک ہیں
میں تمام بنی نوع انسان سے
اور خدا کی تمام مخلوقات سے، انھیں محبت کا سبق دیتا ہوں
خود میری محبت بچھڑ گئی ہے
خدایا کیا اب بھی مجھے رہنمائی کرنی ہے؟
آہ متنی بچوں کی نظر بھر دیکھ لینے دے!
ان کا استاد سخت کوشاں ہے تجھ سے علم حاصل کرنے کا

زندگی سے لطف اٹھانا سیکھیے

شاید یہاں کوئی مزید مشورہ نہیں دیا جا رہا ہے بلکہ جو کچھ پہلے کیا جا چکا ہے یہ محض اس کا خلاصہ ہے اور تقریباً اسی طرح کی بات ہے کہ کوئی شخص اپنے جوتے فیتے پکڑ کر خود کو اٹھانے کی کوشش کرے۔ پھر بھی یہ حقیقت باقی رہتی ہے کہ لطف کے ساتھ زندگی گزارنا ذہنی صحت کی ایک نمایاں خصوصیت ہے، شدید رنجیدگی کی صورت اس بات کی علامت ہے کہ مسائل موجود ہیں۔ ان کے حل کی کوئی صورت نہیں نکالی گئی ہے اور نہ اس کی کوشش کی جاری ہے۔

"شادمانی ایک علامت سے زیادہ نہیں جو ایک صحت مند زندگی کی ضمنی پیداوار ہے۔ اس کو بذات خود ایک مدعا تصور کرنے اور مقصد سمجھنے سے اس کے کھودینے کا امکان ہے۔ فیس کے مطابق شادمانی کا اظہار کرنا نہ تو پختہ بات ہے اور صحت مند۔ صحت مند لوگوں کا طریق عمل یہ ہے کہ رنجیدگی کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے اسباب تلاش کریں اور اس کو دور کرنے کے لیے تعمیری قدم اٹھائیں"

زندگی کا مزہ عام طور پر اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ عمدہ جسمانی صحت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اپنے محرکات اور صلاحیتوں کو سمجھنے کی کوشش کی جائے اچھے انسانی تعلقات پیدا کیے جائیں کھیل اور کام کے درمیان توازن پیدا کیا جائے اور عارضی فیصلے پر اکتفا کر کے اس پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔ جو کچھ پہلے کہا جا چکا ہے یہ محض اس کا خلاصہ ہے اور تقریباً اسی طرح کی بات ہے کہ کوئی شخص اپنے جوتے کے فیتے پکڑ کر خود کو اٹھانے کی کوشش کرے پھر بھی یہ حقیقت باقی رہتی ہے کہ لطف کے ساتھ زندگی گزارنا ذہنی صحت کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ شدید رنجیدگی کی صورت اس بات کی علامت ہے کہ مسائل موجود ہیں۔ ان کے حل کی کوئی صورت نہیں نکالی گئی ہے اور نہ اس کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مایوسی اور افسردگی ناگزیر ہے۔ اگر کوئی شخص ہر حالت میں خوش و خرم رہے تو یقیناً اس کا صحیح مقام پاگل خانہ ہے۔ مکمل طور پر متوازن شخص وہ ہے جو اپنی موثر زندگی کے لیے مایوسیوں کو وقتی حادثہ اور اپنی مشکلات کو عارضی تصور کرتا ہے۔ یہ صحت مندرویہ نہیں کہ ناگوار صورت حال میں مبتلا رہے۔ اگر مشکلات ایسی ہیں کہ انھیں دور کیا جا سکے تو فوراً تدارک کی کوشش کرنی چاہیے اور اگر مشکلات ناقابلِ تدارک ہیں اور ان کے اسباب کا سرچشمہ فرد کی ذات سے باہر ہے تو ایسے مشاغل کی طرف توجہ مبذول کرنی چاہیے جن سے اس کی تلافی ہو سکے جس طرح درجۂ حرارت بڑھنا جسمانی تکلیف کی علامت ہے اس طرح رنجیدگی میں اضافہ ہونا بھی ایک ایسی بات ہے جس سے مطابقت پیدا کرنے میں دشواری ہوتی ہے۔ رنجیدگی کی علامتوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے اس کو مزاجی کیفیت تصور کرنا اور سمجھنا کوئی بری بات نہیں ہے۔ ایک خطرناک بات ہے۔ اسباب کو جاننا ضروری ہے۔ اور جب اسباب معلوم ہو جائیں تو ان کا تدارک یا بیخ کنی ضروری ہے۔ اس کے بعد زندگی کے لطف کا راستہ کھل جاتا ہے۔

اکثر لوگ زندگی سے لطف اٹھانے کی صلاحیت نہیں رکھتے اس کا سبب جیسا مائر (Maier) نے مذکورہ بالا اقتباس میں بتایا ہے یہ ہے کہ لوگ براہ راست شادمانی کے متلاشی ہوتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ اس کا تعلق محض ان کی ذات سے ہے۔ اگر اسباب تک رسائی حاصل کر لی جائے تو یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ ہر شخص کو اپنے بھائی بندوں کے ساتھ یگانگت محسوس کرنی چاہیے۔ شادمانی نتیجہ ہے فعلیت، مقصدیت اور افادیت کا مذکورہ بالا مشوروں پر عمل پیرا ہونے سے ضمنی طور پر شادمانی حاصل ہو جاتی ہے اس موضوع پر پڑھنا یقیناً کافی نہیں۔ "شادمانی مقصود

بالذات نہیں بلکہ اس کے ذریعے قوت عمل میں اضافہ ہوتا ہے افسردگی کی صورت میں بے عملی پیدا ہوتی ہے انسان میں یہ دونوں صلاحتیں لازمی طور پر پائی جاتی ہیں مختصر یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ زندگی کا مزہ اس وقت آتا ہے جب تمام امکانی صلاحیتوں کو متوازن اور تعمیری ڈھنگ سے استعمال کیا جائے۔

خلاصہ

ذہنی حفظان صحت ایک طرز زندگی ہے اس کی مدد سے ہر شخص زیادہ مکمل زیادہ شاداں زیادہ ہم آہنگ اور زیادہ موثر زندگی گزار سکتا ہے۔ فلسفہ اس طرز زندگی کو دیکھنے اور زندگی کا جائزہ لینے کا ایک طریقہ ہے تاکہ ایک بہتر ذہنی صحت حاصل ہو سکے۔ اساتذہ کو چاہیے کہ خالص خود غرضانہ نقطۂ نظر کے باوجود پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کے نقطۂ نظر سے بھی زندگی کے عملی فلسفے کو مرتب کریں ایسے فلسفے کے لیے کوئی تسکین آمیز اور کلی نسخہ نہیں تجویز کیا جا سکتا بلکہ جیسا بھی فلسفہ ہو اس کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ اس کے ذریعے شخصیت کے جسمانی، ذہنی، جذباتی اور روحانی پہلوؤں کی عکاسی ہونی چاہیے۔

اساتذہ بھی وہی سب کچھ کرتے ہیں جو دوسرے عوام الناس ان کی بھی کچھ بنیادی حاجتیں ہوتی ہیں۔ ان حاجتوں کی متعدد فہرستیں ہیں لیکن بعض باتیں ایسی ہیں جو سب میں مشترک ہیں۔ ان میں سے بعض باتوں کی تشریح کر دی گئی ہے اور بعض باتوں کی ان سے دلالت ہوتی ہے۔ چاہے اور چاہے جانے کی حاجت سب کو ہوتی ہے ہر شخص چاہے اس کی کارکردگی کم یا زیادہ ہو تکمیل کار اور تحصیل کا بھی حاجت مند ہے۔ اگر درجۂ تکمیل کو ذہنی صحت میں اضافے کا ذریعہ بنانا ہو تو اس کو انسان کی صلاحیتوں اور تمناؤں کے مطابق ہونا چاہیے اسی طرح تحفظ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن تحفظ کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ تحفظ کا طالب شخص اپنے مسائل کو انفرادی طور پر کس حد تک حل کر سکتا ہے اور کس حد تک اپنے پیروں پر کھڑا رہ سکتا ہے۔ پس تحفظ کا انحصار مہارتوں اور اہلیتوں کی نشوونما پر ہے۔ تنا و برداشت کرنے کی ضرورت ہر شخص کو ہوتی ہے اسے مشکلات کا تجربہ بھی ہونا ضروری ہے تاکہ زندگی کی ناگزیر مشکلات اور ناامیدیوں کے خلاف منبرد آزما ہو سکے اگر ذہنی صحت کا حصول مقصود ہے تو ہر شخص کے لیے ضروری ہوگا کہ اس کے پیش نظر کوئی کام اور کوئی منصوبہ ہو اور اس منصوبے کو چلانے کی آزادی اس کو حاصل ہو

اساتذہ اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ انھیں یہ آزادی حاصل ہے ان کے پیش نظر کچھ بنیادی اور اہم کام ہیں۔ ہر استاد کو بچوں کی رہنمائی اور ان کے نشوونما کا کام کرنا پڑتا ہے انھیں آسانی کے ساتھ منصوبے میسر آجاتے ہیں۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ ہر منصوبہ استاد کے دائرۂ عمل کے اندر مخصوص صورت حال سے تعلق رکھتا ہو استاد پر کچھ قیود بھی عائد ہوتی ہیں۔ گو کبھی کبھی استاد کو بدگمان برادری اور استبدادی منتظم سے بھی سابقہ پڑتا ہے پھر بھی استاد کی قیود کا تعلق اس کی کوتاہ بینی سے ہے ایک عملی فلسفے کو مرتب کرتے وقت ان حاجتوں پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے

فلسفۂ معلم میں ذہنی حفظان صحت کی بنیادی اقدار بھی شامل کرنی چاہیں، ذیل میں خلاصے کے طور پر جو فہرست پیش کی گئی ہے اس میں شخصیت کے مختلف پہلوؤں کے استعمال اور بنیادی حاجتوں کی تسکین براری کے لیے مشورے دیے گئے ہیں۔

عمدہ جسمانی صحت کے قیام کی طرف توجہ دینی چاہیے۔

نفسیات، سماجیات فلسفے اور دوسرے انسانی علوم کے مطالعے سے اپنے طور و طریق میں بصیرت حاصل کرنی چاہیئے۔

شعوری طور پر مہارت اور علم میں اضافہ کر کے حقیقی تحفظ کا احساس پیدا کرنا چاہیے۔

دوسروں سے تعلقات پیدا کرنے کے لیے وقت نکالنا چاہیے۔

چند منتخب اور بالغ نظر آدمیوں سے رازدارانہ تعلقات پیدا کرنے چاہئیں۔

ناگزیر دباؤ کھنچاؤ اور شدت جذبات سے دوچار ہونے کی عادت ڈالنی چاہیئے۔

تفکرات (مدوری فکر) کی جگہ دوامی طور پر مسکی طریقہ اختیار کرنا چاہیئے اور عارضی فیصلوں پر عمل کرنے کی صلاحیت پیدا کرنی چاہیے۔

ایک مربوط شخصیت اس وقت پیدا ہوگی جب کام ... کھا ... توازن پیدا ہوگا ہر شخص کو اپنی پچھلی غلطیوں اور مستقبل کے منصوبوں سے سبق سیکھنا چاہیئے اور موجودہ صورت حال پر متوجہ ہونا چاہیئے۔

ہمیں اس بات پر بھی متوجہ ہونا چاہیئے کہ ان عناصر سے جو زندگی کے جزو لاینفک ہیں۔ خود کو ہم آہنگ کریں۔

کسی شخص کو معمولی قابلیت کے اصول پر کاربند نہیں ہونا چاہیئے اور نہ اکملیت کے تصور

کے پیش نظر مایوس ہونا چاہیئے بلکہ اپنے بس بھر خوب سے خوب تر کوشش کرنی چاہیئے۔
بہت سے لوگوں نے یہ سبق سیکھا ہے کہ زندگی کے روحانی پہلو سے مکمل زندگی گزارنے میں مدد ملتی ہے۔
شادمانی مقصود بذات نہیں ہونی چاہیئے بلکہ ایک علامت کے طور پر یہ اطمینان ہونا چاہیے کہ بھرپور ذہنی صحت کے حصول کے لیے ایک فلسفہ حاصل ہو گیا ہے۔

مطالعے اور مباحثے کی مشق

ا۔

۱۔ آپ کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ اساتذہ جسمانی صحت کا کافی خیال نہیں رکھتے۔
۲۔ وہ کون سے خدشات ہیں جن سے اپنے طور و طریق کی بصیرت حاصل کرنے میں پرہیز کرنا چاہیئے
۳۔ اس نقطۂ نظر پر تنقید کیجیے کہ مہارتوں کی نشوونما سے بلوغت کی زندگی میں تحفظ حاصل ہوتا ہے۔
۴۔ ایسے مشورے پیش کیے جائیں جن سے اسکول اور بالغوں کے درمیان سماجی تعلقات پیدا ہو سکیں۔
۵۔ اپنے ایسے تجربات بیان کیجیے جن کے تحت آپ نے کسی دوسرے شخص سے رازدارانہ مراسم پیدا کیے ہوں۔
۶۔ گزشتہ برسوں کے پانچ چھ ایسے واقعات یاد کیجیے جن میں آپ کے اندر جذباتی کھنچاؤ پیدا ہوا ہو۔ بعد میں آپ نے ان کا جائزہ لیا یا نہیں۔
۷۔ کیا آپ کو اس سے اتفاق ہے کہ تفکرات (مدوری فکر) حماقت کی بات ہے اور عبث ہے۔
۸۔ اپنے ہم جماعتوں کی رائے معلوم کیجیے کہ فرصت کے اوقات کے لیے کون سے مشاغل موزوں ہیں۔ خاص طور سے اساتذہ کے لیے۔
۹۔ موجودہ صورت حال پر توجہ دینے میں کیا کیا خامیاں ہیں۔
۱۰۔ روزمرہ کے تجربات کی ایک ایسی فہرست تیار کیجیے جو ظرافت کے استعمال کے لیے مناسب ہو۔
۱۱۔ عبادت گاہ میں چاہے مذہبی رہنماؤں، عبادت گزاروں یا مذہبی رسوم کے خلاف آپ کی جو ناپسندیدگی ہے اس کو نظرانداز کیجیے اور ایسے مشوروں (صرف لفظی نہیں) کوشش کیجیے جو ذہنی صحت کے لیے مناسب ہوں۔
۱۲۔ اس خیال پر تنقید کیجیے کہ کسی شخص کے لیے اپنے بس بھر کوشش کرنا کافی ہے۔

بیورو کی مطبوعات

ابنارمل نفسیات	ایلغر ایم سعنل۔ ذکیہ مشہدی
ابتدائی نفسیات	سید محمد محسن / محمد رضوان احمد خان
اردو زبان کی تدریس	معین الدین
اصول تعلیم	خواجہ غلام السیدین
اصول تعلیم اور عمل تعلیم	ڈی۔ ایس۔ گورڈن / خلیل الرحمٰن / سیفی پریمی
تاریخ فلسفہ اسلام (تیسرا ایڈیشن)	ٹ۔ ج۔ دو بوئر / سید عابد حسین
تاریخ ہندی فلسفہ	ایس۔ این داس گپتا / رائے شوموہن لعل ماتھر
تدریس جغرافیہ	محمد ضیاء الدین علوی
تعلیم اساس کا سماجی پس منظر	سلامت اللہ
تعلیم سماج اور کلچر	اے کے سی۔ اٹاوے / اختر انصاری
تعلیم تشکیل نو کے مسائل (دوسرا ایڈیشن)	خواجہ غلام السیدین / ایم۔ ابوبکر
تعلیم میں نفسیات کی اہمیت	ہربرٹ سورینسن / سلامت اللہ
تعلیم ہندوستان کے مسلم عہد حکومت میں (دوسرا ایڈیشن)	ایس۔ ایم۔ جعفر / سعید انصاری
تعلیمی رہنمائی اور صلاح کاری	عبدالغنی درویش
تعلیم کی نفسیاتی اساس	عبداللہ ولی بخش قادری
تعلیم کا عمل	جرم۔ ایس۔ برونر / معین الدین
جدید ہندوستان میں ذات پات	ایم این سرینواس / شہباز حسین
جدید ابتدائی منطق	ایل۔ سوسن اسٹیبنگ / سلطان علی شیدا
سماج اور تعلیم	محمد عبدالقادر حمادی
شریمد بھگوت گیتا (دوسرا ایڈیشن)	مترجم: حسن الدین احمد
فلسفہ کے بنیادی مسائل	اے۔ سی۔ ایونگ / محمد ولی الدین

مغل ہندوستان کا طریق زراعت	عرفان حبیب/جمال محمد صدیقی
شیر شاہ اور اس کا عہد	کالکارنجن قانون گو/رام آسرے شرما
تاریخ جہانگیر	بینی پرشاد/رحم علی الہاشمی
تاریخ شاہ جہاں	بنارسی پرشاد سکسینہ/سید اعجاز حسین
قدیم ہندوستان کی تاریخ	راما شنکر ترپاٹھی
تاریخ ٹیپو سلطان	محب الحسن/حامد اللہ افسر/عتیق صدیقی
مسلم ہندوستان کا زراعتی نظام	ڈبلو۔ایچ۔مورلینڈ/جمال محمد صدیقی
حیدر علی	نریندر کرشن سنہا/اقتدار حسین صدیقی
خلجی خاندان	کے۔ایس۔لال/محمد یٰسین مظہر صدیقی
دکن کے بہمنی سلاطین	ہارون خاں شیروانی/رحم علی الہاشمی
رنجیت سنگھ	نریندر کرشن سنہا/کیلاش چندر چودھری
سلاطین دہلی کا سیاسی نظریہ	ایم حبیب اور بیگم افسر عمر سلیم خاں/جمال الدین
سلطنت مغلیہ کا مرکزی نظام حکومت	ابن حسن/آئی۔اے۔ظلی
ہندوستان کا شاندار ماضی	اے۔ایل۔ہاشم/ایس۔غلام سمنانی
تاریخ تعلیم ہند (دوسرا ایڈیشن)	سید نور اللہ و جے۔پی۔نائک
تحریک خلافت	قاضی محمد عدیل عباسی
مغلیہ سلطنت کا عروج و زوال	آر۔پی۔ترپاٹھی/ریاض احمد خاں شیروانی
وادی سندھ اور اس کے بعد کی تہذیبیں	سر مورٹیمر وہیلر/زبیر رضوی
ہندوستانی مصوری (عہد مغلیہ میں)	پرسی براؤن/عبید الحق
ہندوستانی معاشرہ عہد وسطیٰ میں	کنور محمد اشرف/قمر الدین
اکبر سے اورنگ زیب تک	ڈبلو۔ایچ۔مورلینڈ/جمال محمد صدیقی
تاریخ تحریک آزادی ہند (جلد اول)	تارا چند/قاضی محمد عدیل عباسی

ملنے کا پتہ

ترقی اردو بیورو، محکمہ تعلیم (حکومت ہند)

ویسٹ بلاک آر کے پورم نئی دہلی-66